صلی اللہ علیہ وسلم

رسول نمبر

نقوش

۸




محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمایندہ

نقوش

رسول نمبر

جلد ہشتم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

مُدیر:
محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۰۰ روپے

ترتیب

خطباتِ رسولؐ

اصحابِ بدر

(جو پہلی جنگ میں حضورؐ کے ساتھی تھے)

شہداء

واقعۂ ہجرت

فصاحت و بلاغت

اصحابِ صُفّہ

(جن کے بارے میں حضورؐ نے جنّتی ہونے کی بشارت دی)

---

[1] صفحہ ۱۲۳ سے صفحہ ۲۰۸ تک رسولِ اکرمؐ، خلفا اور باقی تمام شریکِ جنگ ہستیوں کا ذکر۔

علم و تہذیب

جوامع الکلم

نازک ترین لمحات

عقلی ثبوت

خاتم النبیین

○

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارۂ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا۔

طلوع

مدینہ کا شہر!

مسجدِ نبویؐ کے قریب ایک چھپر تلے کچھ لوگ رہتے ہیں مگر اُن کی حالت یہ ہے کہ تن ڈھانکنے کے لیے جو چادر ہے وُہ پھٹی ہُوئی اور چھوٹی ہے۔ ستر ڈھانپنا مشکل ہو رہا ہے۔ یہ حالت کسی ایک کی نہیں سبھی کی ہے۔

کسی نے پُوچھا: "یہ لوگ کون ہیں؟"

"اصحابِ صُفّہ۔"

"اصحابِ صُفّہ؟"

"ہاں، وہی لوگ جن کے بارے میں حضورؐ نے بتایا تھا: "یہ لوگ جنتی ہیں۔""

"وہ لوگ چھپر تلے پڑے ہیں، قرآن کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، احادیث پر غور کر رہے ہیں، حضورؐ کا دیدار کر رہے ہیں۔ بس ان کا اتنا ہی کام ہے۔

قرآن مجید میں ان کا ذکر یُوں آیا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۝

(البقرہ)

(صدقات کے مستحق وہ فقرا ہیں جو اللہ کے راستہ میں گھر کر رہ گئے ہیں۔ ملک میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں (کہ روزی کما سکیں) مانگنے میں ان کی احتیاط کی وجہ سے ناواقف ان کو مالدار سمجھتا ہے تم ان کو ان کے چہرہ مہرہ سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے)

آج جب میں سیرتِ رسولؐ کے مطالعہ سے گزر رہا ہُوں دنیا کی ساری آسائشیں میری گود میں ہیں، پھر بھی میرا دل چاہتا ہے، کاش! میں بھی حضورؐ کے زمانہ میں ہوتا۔

میرا شمار بھی اصحابِ صُفّہ میں ہوتا!

محمد طفیل

اِس شمارے میں

مَیں اپنی تعریف خود کرنے کا عادی ہُوں۔ اگر ایسا نہ کروں تو مر جاؤں، کیونکہ گرہ سے رقم لگاتا ہوں، خونِ جگر لٹاتا ہُوں، لیکن رسولؐ نمبر کے سلسلے میں ایسا کروں یا کہوں، میری توبہ! میں نے جو اس باب میں ایسے جملے لکھے کہ ٹھکانے کا کام کیا ہے تو گزارش میں تفاخرانہ انداز نہیں بلکہ صرف اپنے اطمینان اور اعتماد کا اظہار ہے۔ جہاں جبریلؑ بھی مودب ہو وہاں بندۂ عاجز کی حیثیت کیا؟ کچھ نہیں! کچھ نہیں!

سیرت کی اُردو کتابوں میں اصحابِ صُفّہ پر چند ایک صفحات کے مضامین تو ملتے ہیں، وُہ بھی صرف اس عنوان سے کہ وُہ لوگ ان فضیلتوں کے مالک تھے۔ مگر وہ لوگ کون تھے، اُن پر یہ مضمون اضافہ کی حیثیت رکھے گا۔

واقعۂ ہجرت پر، سیرت کی کتابوں میں بہت کم مواد ہے۔ جیسے میں یہ فقرہ لکھ دُوں کہ رسول اللہؐ نے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی۔ مگر یہ واقعہ اسلام کا وُہ بنیادی موڑ تھا کہ جس سے مذہب دنیا کے کونے کونے میں پہنچا، ورنہ مکّہ میں تو حضورؐ کے لیے حصارِ شعب والا قصہ بھی تھا۔ غرض یہ موضوع عالمگیر حیثیت کا حامل تھا، جس کا حق ادا کیا گیا ہے۔

حضورؐ کی فصاحت و بلاغت اور حضورؐ کے جوامع الکلم پر بھی کئی قیمتی مضامین کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اگر حضورؐ کی باتوں میں اتنی تاثیر، جوامع الکلم میں اتنی اُڑان نہ ہوتی تو دنیا ششدر کیسے رہتی؟ بہرحال ان عنوانات کے تحت ہماری کارگزاری اہمیت رکھے گی۔

"سرورِ کائناتؐ نازک ترین لمحات کی میزان پر" بھی نیا موضوع ہے۔ اس موضوع پر بھی حضورؐ کے حوصلے اور تدبر کی بات زیادہ تفصیل کے ساتھ سامنے آئے گی۔

پھر "نبوتِ محمدیؐ کا عقلی ثبوت" پر چند مضامین، اہمیت کے تاثر کے ساتھ پڑھے جائیں گے کیونکہ اس موضوع پر اکا دکا مضامین ہی سامنے تھے، زیادہ مواد موجود نہ تھا۔ یہ سعی بھی شاید کسی قابل ہو۔

آخر میں "رسول اللہؐ مظہرِ ختمِ نبوت" کے عنوان سے بھی چند مضامین حاضر کیے جا رہے ہیں، وُہ بھی منطقی دلائل کے ساتھ۔ یہ موضوع سرسری نوعیت کا نہ تھا اس لیے آپ کو سیر حاصل مواد ملے گا۔

غرض مجھ سے جو کُچھ بَن پڑا وُہ حاضر ہے۔

محمد نقوش

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ إِلَى اللّٰهِ

اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو دوسروں کو اللہ کی طرف بلائے

(حٰمٓ السجدۃ : ۳۳)



خطبات رسول ﷺ

خُطباتِ رسُولؐ

مرتبہ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی

ابتدائیہ

لغوی اعتبار سے "خطبہ" کے معنی وعظ و نصیحت کے ہیں۔ روایتی طور پر خطبے میں عموماً وعظ و تذکیر، نیکی کی تلقین اور نصیحت ہی کی جاتی ہے۔ خطیب اپنی بات کو موثر بنانے کے لیے حتی المقدور منطق و استدلال، جوش و جذبات اور زبان و بیان کے جملہ ذرائع سے کام لیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے، جو تاریخ کی عظیم الشان ہستیاں تھیں، اپنی اپنی قوم تک پیغام رسانی کے لیے خطابت ہی کو ذریعہ بنایا۔ حضرتِ موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی یا یہ کہ وہ اپنے اندر خطابت کی صلاحیت نہ پاتے تھے اور ان کو اندیشہ لاحق تھا کہ اگر تقریر کی ضرورت آئی تو نبوت کے فرائض ادا کرنے میں طبعی جھجک مانع ہو جائے گی اس لیے انہوں نے باری تعالیٰ سے درخواست کی:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝	پروردگار! میرا سینہ کھول دے، اور میرے
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝	کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ
(طٰہٰ: ۲۵-۲۸)	سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ نسبتاً فصیح گفتگو فرماتے تھے۔ حضرتِ موسیٰؑ نے مناسب سمجھا کہ پیغامِ رسالت کی ترسیل و تکمیل میں بھائی کی اعانت بھی شامل ہو۔ چنانچہ بارگاہِ الٰہی میں التماس کیا:

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ	اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زبان آور ہے اسے
مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي۔ (القصص: ۳۴)	میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تاکہ وہ میری تائید کرے۔

عربی معاشرے میں خطابت بہت بڑا وصف تھا۔ بحیثیت مجموعی اہلِ عرب کی خطابت مسلّم تھی اسی بنا پر وہ غیر عربی اقوام کو عجمی (گونگا) کہتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر و خطابت کی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ بچپن میں آپ کی پرورش دائی حلیمہ کے ہاں بدوی ماحول میں ہوئی تھی۔ حلیمہ بنو سعد قبیلے سے تھیں اور یہ قبیلہ اپنے فصیح لہجے کے سبب عرب قبائل میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا اس وجہ سے آپ کے لہجے میں عربی فصاحت و بلاغت کی بہترین خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ بحیثیت ایک خطیب، آپؐ کی شخصیت پر نظر ڈالیں تو آپؐ کی خطابت میں بھی ایک انفرادی شان نظر آتی ہے۔

آپؐ کے خطبہ کا کوئی مستقل یا مقررہ اسلوب نہ تھا۔ آپ زمین پر کھڑے ہو کر یا کسی درخت سے ٹیک لگا کر یا منبر پر بیٹھ کر یا اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دیتے۔ سواری پر خطبہ جنگ وغیرہ کے موقع پر دیتے۔ خطبہ دیتے وقت عموماً آپ کے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا۔ کبھی کبھی آپؐ کے پاس کمان ہوتی تو آپؐ اس پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ آپؐ کے اسلوبِ خطبہ کے بارے میں ابن ابی شیبہ کی

روایت میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ کے دن حضورؐ منبر پہ آتے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے السلامُ علیکم کہتے [منبر پر تشریف فرما ہوتے] پھر حمدِ باری تعالیٰ سے اپنے خطبے کو شروع کرتے اور حمد وثنا کے بعد قرآنِ کریم کی کوئی سُورت پڑھتے۔ پھر خطبہ ختم کر کے منبر پہ سے اُتر آتے ——— خطبے کا یہ طریقہ محض جمعہ سے مخصوص نہ تھا بلکہ جمعہ کے علاوہ دیگر خطبوں میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرماتے، اس کے بعد حسبِ ضرورت صحابہؓ کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ روایات میں ہے کہ آپؐ عورتوں سے علیحدہ خطاب فرماتے۔

خطبے کے دوران میں آپؐ کی آواز کم و بیش ہوتی تھی۔ جب آواز بلند ہوتی تو آپؐ کے چہرے پر جلال ہوتا۔ آپؐ جوش میں آجاتے اور بدن مبارک اِدھر اُدھر جھُومنے لگتا۔ ایسے موقعوں پر آپؐ ہاتھ کی حرکت سے بھی اپنی بات کی وضاحت فرماتے، مثلاً قیامت کے ذکر میں شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو ذرا فرق سے دکھاتے اور فرماتے:

"مجھے اور قیامت کو اسس طرح بھیجا گیا ہے۔"

خطبے کے دوران میں کوئی کام پڑ جاتا تو اسے پُورا کرتے اور پھر واپس آکر خطبہ شروع کر دیتے۔ "زاد المعاد" کی روایت ہے کہ ایک بار خطبہ کے دوران میں حضرتِ حسنؓ اور حسینؓ سُرخ قمیص پہنے تشریف لے آئے۔ آپؐ نے خطبہ بند کر دیا، منبر سے اُترے، دونوں کو گود میں اٹھایا پھر دوبارہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھی:

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔ — بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے باعثِ آزمایش ہیں۔

اسس کے بعد فرمایا، میں نے ان دونوں کو قمیصوں میں لڑھکتے آتے دیکھا تو میں برداشت نہ کر سکا، خطبہ ختم کیا اور انھیں اٹھا لیا ———

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں سلیک عطفانی حاضر ہوا، وہ بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا: "سلیک! اُٹھ، دو رکعت نماز پڑھ اور مختصر طور پر ادا کر۔" ——— بعد ازاں آپؐ نے حسبِ سابق لوگوں سے خطاب فرمایا۔ دورانِ خطبہ اگر کوئی ضرورت مند سوال کرتا تو خطبہ روک کر اس کی حاجت پُوری کرتے، اس کے بعد باقی خطبہ مکمل فرماتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خطبے کے دوران میں کسی کو بلاتے، مثلاً: اسے فلاں! بیٹھ جا، اسے فلاں! نماز پڑھ، وغیرہ۔ خطبے سے متعلق سامعین میں سے اگر کوئی شخص سوال کرتا تو اسس کا جواب دیتے۔ آپؐ کے بعض خطبے تو ایسے ہیں جو شروع سے آخر تک سوالات و جوابات ہی پر مشتمل ہیں۔

مدینہ میں ابتدائی دَور میں آپؐ مسجد نبویؐ میں کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اب کھڑا رہنا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ اس پر حضرت تمیم داریؓ نے مشورہ دیا کہ ایک منبر بنوا لیا جائے، جیسا کہ ملک شام میں ہوتا ہے۔ آپؐ نے دوسرے صحابہؓ کی رائے معلوم کی تو سب نے اتفاق کیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا: میرا ایک غلام ہے جس کا نام کِلاب ہے، وہ بڑھئی کے کام میں بہت ہوشیار ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا، اس سے کہو کہ منبر تیار کر کے لائے۔ چنانچہ وہ جنگل سے لکڑی کاٹ لایا، اس کے تختے تیار کیے اور پھر اُن سے منبر بنایا۔ اسس کے دُو زینے تھے، اسس کے بعد تیسری بیٹھنے کی جگہ تھی۔ یہ منبر مسجد نبویؐ میں لایا گیا، اور اس جگہ رکھ دیا گیا جہاں آپؐ خطبہ

ارشاد فرمایا کرتے تھے، اور وہ خشک تنا وہاں سے ہٹا کر ایک طرف رکھ دیا گیا۔ آپؐ اس منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آپؐ نے خطبہ شروع کیا تو لوگوں نے گریہ کی آواز سنی۔ معلوم ہوا وہ کھجور کا تنا رو رہا ہے، کیونکہ اب اسے رسول اللہؐ کا قرب حاصل نہیں رہا۔ اس کے گریے میں بچوں کی سی بے تابی تھی۔ آپؐ منبر سے اُترے اور اُسے چمٹا لیا۔ وہ خاموش ہوگیا۔ بعد ازاں آپؐ نے اسے منبر تلے دفن کرا دیا۔

آنحضورؐ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ عقلمندی یہ ہے کہ خطبہ مختصر اور نماز طویل ہو۔ مختصر خطبات سے آپؐ کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے، اسی لیے آپؐ نے فرمایا:

بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ ۝ مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

آپؐ کے جامع کلمات اپنی بلاغت، معانی کی وسعت و ہمہ گیری اور حکمت و دانش کا مرقع ہیں اور اس اعتبار سے اقوالِ زریں کی حیثیت رکھتے ہیں ——— لیکن کبھی کبھی آپؐ طویل خطبہ بھی ارشاد فرماتے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن اخطب انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہی منبر پر تشریف ہوئے اور مغرب تک نماز کے وقفوں کے علاوہ مسلسل خطبہ دیا اور اس میں وہ باتیں بتائیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں۔

مجموعی حیثیت سے آپؐ کے طویل و مختصر خطبات فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے عرب کے بہت سے لوگوں کی باتیں سُنی ہیں مگر حضورؐ سے زیادہ فصیح زبان والا میں نے نہیں دیکھا۔ خود آپؐ کا قول ہے:

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ۔ میں عرب کا فصیح ترین شخص ہوں۔

یوں تو آپؐ کا ہر خطبہ ہی فصاحت کا عمدہ نمونہ ہے لیکن بعض خطبے خصوصی طور پر یادگار حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً فتحِ مکہ کا خطبہ۔ اسی طرح حجۃ الوداع کا خطبہ وغیرہ ——— غزوۂ حُنین کے موقع پر مالِ غنیمت کا بیشتر حصہ نومسلم مہاجروں کو دے دیا گیا تاکہ ان کی تالیفِ قلب ہو۔ اس پر بعض انصاری نوجوانوں کو کسی قدر رنج ہوا۔ آپؐ نے اس موقع پر ان کے سامنے ایسا پُر تاثیر خطبہ دیا کہ انصاریوں کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں ——— آپؐ کے اکثر خطبات کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ صحابہؓ کے دل بھر آتے، اُن پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے۔ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ ایک بار آنحضورؐ نے اپنے خطبے میں قبر کی آزمائشوں کو تفصیل سے بیان کیا، لوگ اس خطبے کو سُن کر چیخ اُٹھے ——— بعض اوقات جب فضا میں اشتعال ہوتا اور لوگ عداوت میں ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تُلے نظر آتے تو آپؐ مختصر خطاب فرماتے، جس سے پوری فضا بدل جاتی اور دلوں پر اشتعال کے بجائے اخوت و محبت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

آنحضورؐ کے یہ خطبات فصاحت و بلاغت اور تاثیر انگیزی سے قطع نظر اپنی معنوی اہمیت کی بنا پر بھی تاریخِ انسانی میں بہترین فکری ورثے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپؐ نے مختلف مواقع پر بے شمار خطبات ارشاد فرمائے، مگر یہ سب خطبے اوّل تا آخر، مکمل صورت میں کتابوں میں

نہیں ملتے۔ احادیث کے مجموعوں میں بالعموم خطباتِ نبویؐ کے متفرق اور مختلف ٹکڑے ملتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر راوی نے اپنی اپنی پسند یا ضرورت کی بات بیان کی ہے۔

○

یہاں آنحضورؐ کے خطبات کا ایک انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ خطباتِ نبویؐ کا یہ انتخاب آپؐ کے طویل و مختصر خطبوں پر مشتمل ہے، اور اس کا تعلق متنوع موضوعات و مسائل سے ہے ——— یہ خطبے مختلف کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ عربی خطبات کے جو اُردو ترجمے ملتے ہیں ان کی صحت کے بارے میں اطمینان نہ تھا۔ چنانچہ پروفیسر عبدالرشید ارشد صاحب نے، آیندہ صفحات میں پیش کیے جانے والے جملہ خطبات کے اردو ترجمے پر نظرِ ثانی کی ہے، اور بعض خطبوں کا از سرِ نو ترجمہ کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی

۱

کوہِ صفا کا خطبہ

سورہ شعراء کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کی روایت کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا "لوگو! دوڑو" اہلِ مکہ گھبرا گئے اور اُس طرف لپکے۔ عموماً کسی ایمرجنسی کے موقع پر اس طرح لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:[1]

یَا بَنِیْ فُلَانٍ، یَا بَنِیْ فُلَانٍ، یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ، یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَرَاَیْتُکُمْ لَوْ اَخْبَرْتُکُمْ اَنَّ خَیْلًا تَخْرُجُ بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَکُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ؟ قَالُوْا مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ کَذِبًا فَقَالَ یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا بَنِیْ مُرَّةَ ابْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ۝ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ ۝ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ۝ غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا ۝ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ۝ یَا صَفِیَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ۝ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ۝ یَا عَبَّاسَ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ۝ سَلُوْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَا شِئْتُمْ ۝ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ اللّٰهِ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ۝ اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ رَاَی الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ یَرْبَاُ اَهْلَهٗ ۝ فَخَشِیَ اَنْ یَّسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ یَهْتِفُ یَا صَبَاحَاهُ ۝

(اے فلاں کی اولاد، اے فلاں کی اولاد، اے عبدِ مناف کی اولاد، اے عبدالمطلب کی اولاد، کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر آ نکلا ہے تو تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے کہا ہمیں آپ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

---

[1] اس خطبے کے الفاظ مختلف حدیثوں میں بکھرے ہوئے ہیں، یہاں انھیں جمع کر دیا گیا ہے۔

اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے تئیں جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے مرہ بن کعب! تم بھی خود کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ اے اولادِ عبد شمس! تم بھی خود کو آتشِ دوزخ سے بچالو۔ اے عبدِ مناف کے خاندان والو! تم بھی اپنے تئیں آگ سے بچالو۔ اے بنو ہاشم! تم بھی خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کے اہلِ خاندان! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے میری پیاری بچی فاطمہؓ! تم بھی اپنے تئیں دوزخ سے بچالو کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مختار نہیں ہوں بجز اس کے کہ میری تم سے قرابت داری ہے تو میں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا۔ ایک روایت میں ہے (آپؐ نے فرمایا) اے فاطمہ بنت محمد!" اے صفیہ بنت عبد المطلب، اے بنی عبد المطلب، اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مختار نہیں ہوں بجز اس کے کہ میری تم سے قرابت داری ہے۔ سو میں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا۔ البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو۔ اے گروہِ قریش! اپنی جانیں اللہ سے خرید لو۔ میں اللہ کی کسی چیز سے تمہیں مستغنی نہیں کر سکتا میں تو ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو اور وہ اپنے اہلِ خاندان کا دیدبان بن جائے، اسے خدشہ محسوس ہو کہ وہ (اہلِ خاندان) دشمن کی طرف بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ وہ پکارنے لگے، لوگو! ہوشیار ہو جاؤ)

اس مجمع میں ابو لہب بھی موجود تھا، حضورؐ کے ارشادات سن کر وہ بہت سیخ پا ہوا آپؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: تیرا برا ہو، تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا!" اسی طرح اول فول بکتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔ آپؐ نے اس کا جواب نہیں دیا بعد ازاں سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں ابو لہب اور اس کی بیوی کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔

۲

صفاتِ باری تعالیٰ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسولِ خداؐ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کیں۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّھَارِ وَعَمَلُ النَّھَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ ۝ (وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ النَّارُ) لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ۔ (مسلم شریف)

(اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ یہ اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ سوئے۔ وہ میزان کو جھکا دیتا ہے اور اونچا کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہے) رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اس کے پاس پہنچائے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اس کے پاس پہنچائے جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے (ابوبکر کی روایت میں ہے کہ نار ہے) اگر وہ حجاب ہٹا دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جہاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے تمام مخلوق کو جلا دیں)

۳

اسلام کیا ہے؟

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ ٥ اَلْكَلَامُ وَالْهُدٰى ٥ فَاَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ ٥ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ٥ اَلَا وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ٥ فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ٥ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ٥ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ اَلَا لَا يَطُوْلَنَّ عَلَيْكُمُ الْاَمَدُ فَتَقْسُوْا قُلُوْبُكُمْ ٥ اَلَا اِنَّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ ٥ اِنَّمَا الْبَعِيْدُ مَا لَيْسَ بِاٰتٍ ٥ اَلَا اِنَّمَا الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ ٥ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ ٥ اَلَا اِنَّ قِتَالَ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ ٥ وَسِبَابُهٗ فُسُوْقٌ ٥ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ ٥ اَلَا وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ ٥ فَاِنَّ الْكَذِبَ لَا يَصْلُحُ بِالْجِدِّ وَلَا بِالْهَزْلِ ٥ وَلَا يَعِدُ الرَّجُلُ صَبِيَّهٗ ثُمَّ لَا يَفِيْ لَهٗ ٥ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ ٥ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ ٥ وَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ ٥ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ ٥ وَاِنَّهٗ يُقَالُ لِلصَّادِقِ صَدَقَ وَبَرَّ ٥ وَيُقَالُ لِلْكَاذِبِ كَذَبَ وَفَجَرَ ٥ اَلَا وَاِنَّ الْعَبْدَ يَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا ٥ (ابنِ ماجہ)

(اصل اور جڑ) اسلام کی صرف دو چیزیں ہی ہیں، ایک کلام دوسرے طریقہ، سب سے عمدہ کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ خبردار (دین میں) گھڑی ہوئی باتوں (پر عمل کرنے) سے بچو کیونکہ جو کام میرے دین میں نئے نکلیں وہ تمام بُرے کاموں سے زیادہ بُرے کام ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت نری گمراہی ہے۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ تمہارے دل سخت ہوتے جائیں۔ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے اور وہ دُور ہے جو آنے والی نہیں ہے۔ بُرا وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے ہی بُرا بن کر پیدا ہو۔ بھلا آدمی وُہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔ یاد رکھو مومن سے لڑنا کفر ہے اور مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ کسی مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ (بول چال) چھوڑے رکھے۔ خبردار! جھُوٹ سے بہرحال بچو کیونکہ جھوٹ بولنا ارادتاً درست ہے نہ مذاق میں۔ کوئی شخص اپنے بچّے سے بھی ایسا وعدہ نہ کرے جسے وہ پورا نہ کرے کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ سچے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے سچ بولا اور نیکی کی۔ جبکہ جھُوٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا اور گناہ کیا۔ خبردار! بندہ جھُوٹ بولتا چلا جاتا ہے حتّٰی کہ اللہ کے ہاں وہ کذّاب لکھ دیا جاتا ہے۔

۴

صراطِ مستقیم

رسولؐ خدا نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد وہاں کے پہلے جمعہ میں مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ○ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِينُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَاَسْتَهْدِيْهِ ○ وَاُومِنُ بِهٖ وَلَا اَكْفُرُهٗ وَاُعَادِيْ مَنْ يَّكْفُرُهٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ○ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَةِ ○ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ○ وَقِلَّةٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ ○ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَةِ ○ وَقُرْبٍ مِّنَ الْاَجَلِ ○ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ ○ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا ○ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ ○ فَاِنَّهٗ خَيْرُ مَا اَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ يَّحُضَّهٗ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنْ يَّاْمُرَهٗ بِتَقْوَى اللّٰهِ ○ فَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ نَّفْسِهٖ ○ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ نَصِيْحَةً وَّلَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرًا ○ وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ عَلٰى وَجَلٍ وَّمَخَافَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰى مَا تَبْغُوْنَ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ ○ وَمَنْ يُّصْلِحِ الَّذِيْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ اَمْرِهٖ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِيْ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ يَكُنْ لَّهٗ ذِكْرًا فِيْ عَاجِلِ اَمْرِهٖ ○ وَذُخْرًا فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ○ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ اِلٰى مَا قَدَّمَ ○ وَمَا كَانَ مِنْ سِوٰى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا ○ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○ وَالَّذِيْ صَدَقَ قَوْلَهٗ وَاَنْجَزَ وَعْدَهٗ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ ○ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ عَزَّ وَجَلَّ - مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِكُمْ وَاٰجِلِهٖ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا ○ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُوَقِّيْ مَقْتَهٗ وَيُوَقِّيْ عُقُوْبَتَهٗ وَيُوَقِّيْ سَخَطَهٗ ○ وَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوْهَ وَيُرْضِي الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ ○ خُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا بِجَنْبِ اللّٰهِ ○ وَقَدْ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ كِتَابَهٗ ○ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ ○ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ ○ فَاَحْسِنُوْا كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَعَادُوْا اَعْدَاءَهٗ ○ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ○ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ○ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ ○ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ ○ فَاِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ ○ وَلَا يَقْضُوْنَ عَلَيْهِ ○ وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ ○ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ○ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ○ (طبری - قرطبی - مواہب اللدنیہ)

(تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد اور بخشش اور رہنمائی چاہتا ہوں - میرا ایمان اسی پر ہے - میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں - میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا خدا کے

کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اس نے ہدایت، نور اور نصیحت دے کر اس وقت بھیجا جب مدتوں سے نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند تھا۔ علم گھٹ گیا تھا اور لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔ طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ قیامت قریب تھی اور اجل سر پر منڈلا رہی تھی۔ جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہی گمراہ ہوا، درجہ سے گرا اور دُور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور بہترین تاکید وُہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔ حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جیسے کہ خود اس نے تمہیں اپنی ذات سے ڈرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے، نہ تو اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے، نہ اس سے افضل کوئی ذکر ہے، جان لو کہ آخرت کی جن بھلائیوں کے تم امیدوار ہو وہ سب موقوف ہیں اُن نیک اعمال پر جو تم خوفِ خدا اور تقویٰ سے بجا لاؤ۔ اور جو شخص صرف رضائے الٰہی کی جستجو میں اپنے ان تمام کاموں اور ارادوں کی اصلاح کرے جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہیں خواہ وہ پوشیدہ امور ہوں خواہ ظاہری۔ تو رب العالمین اُسے دنیا میں نیک نام، نیک انجام کر دے گا اور آخرت میں بھی اُسے نیکیوں کا ذخیرہ عطا فرمائے گا۔ یہی وُہ وقت ہوگا جب انسان اپنی نیکیوں کا سخت تر محتاج ہوگا اور نیکیوں کے سوا اور اعمال سے اُسے اس روز اس قدر نفرت ہوگی کہ کہے گا کاش کہ میرے اور ان نکمّے اعمال کے درمیان بعید و غایت فاصلہ اور دُوری ہوتی جناب باری تبارک و تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذاتِ گرامی سے ڈرا رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جس نے اس کی بات کو سچ جانا اور اس کا وعدہ پُورا کیا اس کے لئے اس کے خلاف نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ عزّ و جلّ کا فرمان ہے کہ میرے ہاں کی باتیں بدلتی نہیں، اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔ پس اللہ رب العزت سے ڈرو دنیوی معاملات میں بھی اور اُخروی معاملات میں بھی، پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا۔ جو اللہ سے ڈرا اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اللہ کا ڈر، اس کی بیزاری، اس کے عذاب اور اس کی ناراضگی کو دُور کر دیتا ہے اور اللہ کا ڈر چہرے کو منور کر دیتا ہے رب کو راضی کر دیتا ہے درجات کو بلند کر دیتا ہے اپنا حصہ لے لو۔ خدا کی قربت حاصل کرنے میں کمی نہ کرو، اس نے اپنی پاک کتاب تمہیں سکھا دی۔ تمہارے لئے ہدایت کا راستہ کھول دیا، تاکہ وُہ جان لے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ احسان و سلوک کیا ہے تم بھی احسان و سلوک کا رویہ اختیار کرو۔ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو۔ راہِ خدا میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، تاکہ ہر ہلاک ہونے والا دلائل دیکھ لینے کے بعد ہلاک ہو اور ہر زندگی حاصل کرنے والا بھی دلائل کے ساتھ زندہ رہے۔ قوت صرف اللہ ہی کی ہے۔ اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو۔ موت کے بعد کام آئیں وہ اعمال کر لو جو اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے تعلقات سنوار لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے تعلقات سنوار دے گا۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کی لوگوں پہ چلتی ہے، لوگوں کی اس پر نہیں چلتی۔ وہ تمام مخلوق پر حاکم اور سب کا مالک ہے مگر وہ اس کی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور تمام قوتیں اور طاقتیں اسی خدائے بزرگ و برتر کی ہیں۔

۵

کلامِ الٰہی

حضرت محمد بن اسحاق رضؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے مدینہ پہنچنے پر مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاسْتَعِیْنُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبُ اللّٰہِ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَیَّنَہُ اللّٰہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَاَدْخَلَہٗ فِی الْاِسْلَامِ بَعْدَ الْکُفْرِ وَاخْتَارَہٗ عَلٰی مَا سِوَاہُ مِنْ اَحَادِیْثِ النَّاسِ۔ اِنَّہٗ اَصْدَقُ الْحَدِیْثِ وَاَبْلَغُہٗ اَحِبُّوْا مَنْ اَحَبَّ اللّٰہَ۔ وَاَحِبُّوا اللّٰہَ مِنْ کُلِّ قُلُوْبِکُمْ وَلَا تَمَلُّوْا کَلَامَ اللّٰہِ وَذِکْرَہٗ وَلَا تَقْسُ عَنْہُ قُلُوْبُکُمْ اُعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَصَدِّقُوْا صَالِحَ مَا تَعْمَلُوْنَ بِاَفْوَاھِکُمْ وَتَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ بَیْنَکُمْ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ ۝ (اعجاز القرآن)

بے شک تعریف اللہ کے لئے ہے۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد کا طالب ہوں اور ہم سب اس کے دامن میں اپنی نفسانی شرارتوں اور عمل کی خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ راہِ راست پر نہ لائے اس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے محاسن آراستہ کئے۔ اور کفر کے بعد اس کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق دی اور انسانی باتیں چھوڑ کر اس نے اللہ کا کلام پسند کیا وہ بلاشبہ کامیاب ہوا کیونکہ اللہ کا کلام سب سے سچا اور زیادہ پُراثر ہے۔ جو اُسے دوست رکھتا ہے اُسے تم بھی دوست رکھو اور اللہ کے ساتھ دلی محبت پیدا کرو اور اس کا کلام پڑھنے اور نام لینے سے ملول نہ ہو۔ نہ تمہارے دل اس کی طرف سے سخت ہوں۔ پس اللہ ہی کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس سے پورا پورا ڈرتے رہو اور اپنے نیک اعمال کی تصدیق زبان سے کیا کرو (زبان کو قابو میں رکھو) اور رحمتِ خداوندی کے واسطہ سے آپس میں پیار و محبت سے رہو۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

۶

نماز

حضرت اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک بار رسولِ خدا نے ہمیں خطاب فرمایا، جس میں سنّتوں کی تعلیم دی اور نماز (کے طریقے) کی وضاحت فرمائی۔ آپؐ نے اس خطبے میں ارشاد فرمایا:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ۔ ثُمَّ لْيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ۔ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا۔ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ۔ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ ○ ثُمَّ اِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا۔ فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ۔ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ۔ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ○ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ۔ ثُمَّ اِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ فَكَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَسْجُدُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ۔ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ وَاِذَا كَانَ عِنْدَ الْقَعْدَةِ فَلْيَكُنْ مِنْ قَوْلِ اَحَدِكُمْ اَنْ يَّقُوْلَ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(النسائی)

جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو صفیں درست کر لو۔ پھر تم میں سے کوئی تمہیں نماز پڑھائے۔ وہ جب اللہ اکبر کہے تم بھی کہو جب وہ ولا الضالین کہے تم آمین کہو۔ اللہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ پھر جب امام تکبیر کہے اور رکوع میں جائے تم بھی تکبیر کہو اور رکوع میں جاؤ۔ امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے ہی رکوع سے سر اُٹھائے گا یہ برابر سرابر ہو جائے گا، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو، اللہ عزوجل کا بزبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ ہے کہ جو حمد خدا کرے گا اللہ اسے سن لے گا۔ پھر جب وہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور سجدہ کرو۔ امام تم سے پہلے سجدہ کرے گا اور تم سے پہلے سجدہ سے اُٹھے گا یہ ادلا بدلا ہو جائے گا۔ جب وہ قعدہ میں بیٹھے تو تم التحیات آخر تک پڑھو۔

۷

اللہ کا ذکر اور نمازِ جمعہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا :

یَا اَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ۝ وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا ۝ وَصِلُوا الَّذِیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ بِکَثْرَةِ ذِکْرِکُمْ لَهٗ ۝ وَکَثْرَةِ الصَّدَقَةِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ تُرْزَقُوْا وَتُنْصَرُوْا وَ تُجْبَرُوْا ۝ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْکُمُ الْجُمُعَةَ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا - فِیْ یَوْمِیْ هٰذَا - فِیْ شَهْرِیْ هٰذَا - مِنْ عَامِیْ هٰذَا - اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝ فَمَنْ تَرَکَهَا فِیْ حَیَاتِیْ اَوْ بَعْدِیْ - وَلَهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ اَوْ جَائِرٌ - اِسْتِخْفَافًا بِهَا وَجُحُوْدًا بِهَا فَلَا جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهٗ وَلَا بَارَكَ لَهٗ فِیْ اَمْرِهٖ اَلَا وَلَا صَلٰوةَ لَهٗ ۝ اَلَا وَلَا زَکٰوةَ لَهٗ ۝ اَلَا وَلَا حَجَّ لَهٗ ۝ اَلَا وَلَا صَوْمَ لَهٗ ۝ اَلَا وَلَا بِرَّ لَهٗ ۝ حَتّٰی یَتُوْبَ ۝ فَمَنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ ۝ (ابنِ ماجہ)

لوگو! اللہ کی طرف رجوع کر لو قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور نیک اعمال کی طرف بڑھو قبل اس کے کہ تمہیں فرصت نہ ملے۔ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان جو تعلق ہے اسے بکثرت ذکرِ خدا سے اور خفیہ اور علانیہ بکثرت صدقہ دینے سے جوڑو۔ اس سے تمہیں (زیادہ) رزق دیا جائے گا۔ (دشمن کے خلاف تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارے نقصانات کی تلافی کر دی جائے گی۔ جان رکھو اللہ نے میری اس جگہ میں، آج کے دن، اس سال کے اس مہینے میں قیامت تک کے لئے تم پر جمعہ فرض کر دیا ہے۔ جس نے میری زندگی میں یا میرے بعد اسے حقیر سمجھ کر اور اس کا انکار کرتے ہوئے چھوڑا، اللہ اس کا شیرازہ جمع نہ کرے اور نہ اس کے کاموں میں برکت ڈالے گا۔ آگاہ رہو کہ نہ اس کی نماز قبول ہے، آگاہ رہو کہ نہ اس کی زکوٰۃ قبول ہے، آگاہ رہو کہ نہ اس کا حج قبول ہے، آگاہ رہو کہ نہ اس کا روزہ قبول ہے، آگاہ رہو کہ نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ پس جو توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

۸

تاکیدِ جمعہ

غزوۂ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ قُذِفَ فِي قَلْبِي أَنَّ مَنْ كَانَ عَلَى حَرَامٍ فَرَغِبَ عَنْهُ إِبْتِغَاءَ مَا عِنْدَ اللهِ غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ۔ وَمَنْ أَحْسَنَ مِنْ مُسْلِمٍ وَكَافِرٍ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللهِ فِي عَاجِلِ دُنْيَاهُ أَوْ فِي آجِلِ آخِرَتِهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ بِالْجُمُعَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ إِلَّا صَبِيًّا أَوِ امْرَأَةً أَوْ مَرِيضًا أَوْ عَبْدًا مَمْلُوكًا مَنِ اسْتَغْنَى عَنْهَا اسْتَغْنَى اللهُ عَنْهُ وَاللهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

(مجمع الزوائد)

لوگو! ابھی ابھی مجھے وحی کی گئی ہے کہ جو شخص کسی حرام کام میں مبتلا ہو پھر ثواب حاصل کرنے کی نیت سے اسے چھوڑ دے اس کے گناہ خداوند کریم معاف فرما دیتا ہے اور جو شخص کسی مومن یا کافر سے نیکی کرے وہ اپنا بدلہ ضرور پاتا ہے جلدی حاصل ہونے والی دُنیا میں یا دیر سے آنے والی آخرت میں۔ اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز فرض ہے، ہاں بچّوں پر، عورتوں پر، بیماروں پر اور غلاموں پر فرض نہیں (وہ ظہر پڑھ لیں) یاد رکھو جو جمعہ کی نماز سے بے پروائی کرے اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ موڑ لے گا اور اللہ تعالیٰ (سارے جہان سے) بے نیاز بے پروا اور غنی ہے اور وہی تعریفوں والا اور مستحق تعریف ہے۔

۹

برکاتِ جُمعہ

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک روز ہم سب صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا :

اَتَانِی جِبْرِیْلُ وَفِی یَدِہٖ کَالْمِرْاٰۃِ الْبَیْضَاءِ فِی وَسْطِھَا کَالنُّکْتَۃِ السَّوْدَآءِ۔ قُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ مَا ھٰذَا؟ قَالَ ھٰذَا یَوْمُ الْجُمُعَۃِ یَعْرِضُ عَلَیْکَ رَبُّکَ لِیَکُوْنَ لَکَ عِیْدًا وَّلِاُمَّتِکَ مِنْ بَعْدِکَ۔ قُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ فَمَا ھٰذِہِ النُّکْتَۃُ السَّوْدَآءُ؟ قَالَ ھٰذِہِ السَّاعَۃُ وَھِیَ تَقُوْمُ فِی یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَھُوَ سَیِّدُ اَیَّامِ الدُّنْیَا وَنَحْنُ نَدْعُوْہُ فِی الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْمَزِیْدِ۔ قُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ وَلِمَ تَدْعُوْنَہٗ یَوْمَ الْمَزِیْدِ؟ قَالَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اتَّخَذَ فِی الْجَنَّۃِ وَادِیًا اَفْیَحَ مِنْ مِّسْکٍ اَبْیَضَ۔ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ یَنْزِلُ رَبُّنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ اِلٰی ذٰلِکَ الْوَادِیْ۔ وَقَدْ حُفَّ الْعَرْشُ بِمَنَابِرَ مِنْ ذَھَبٍ مُّکَلَّلَۃٍ بِالْجَوْھَرِ وَقَدْ حُفَّتْ تِلْکَ الْمَنَابِرُ بِکَرَاسِیَّ مِنْ نُّوْرٍ ثُمَّ یُؤْذَنُ لِاَھْلِ الْغُرُفَاتِ فَیُقْبِلُوْنَ یَخُوْضُوْنَ کُثْبَانَ الْمِسْکِ اِلَی الرُّکَبِ عَلَیْھِمْ اَسْوِرَۃُ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَثِیَابُ السُّنْدُسِ وَالْحَرِیْرِ۔ حَتّٰی یَنْتَھُوْا اِلٰی ذٰلِکَ الْوَادِیْ فَاِذَا اطْمَاَنُّوْا فِیْہِ جُلُوْسًا بَعَثَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْھِمْ رِیْحًا یُقَالُ لَھَا الْمُثِیْرَۃُ فَثَارَتْ یَنَابِیْعُ الْمِسْکِ الْاَبْیَضِ فِی وُجُوْھِھِمْ وَثِیَابِھِمْ۔ وَھُمْ یَوْمَئِذٍ جُرْدٌ مُّرْدٌ مُّکَحَّلُوْنَ اَبْنَاءُ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِیْنَ یَضْرِبُ جَمَالُھُمْ اِلٰی سُرَرِھِمْ عَلٰی صُوْرَۃِ اٰدَمَ یَوْمَ خَلَقَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فَیُنَادِیْ رَبُّ الْعِزَّۃِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی رِضْوَانَ وَھُوَ خَازِنُ الْجَنَّۃِ۔ فَیَقُوْلُ یَا رِضْوَانُ اِرْفَعِ الْحُجُبَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عِبَادِیْ وَزُوَّارِیْ۔ فَاِذَا رُفِعَ الْحُجُبُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ فَرَاَوْا بَھَآءَہٗ وَنُوْرَہٗ ھَبُّوْا لَہٗ سُجَّدًا فَیُنَادِیْھِمْ عَزَّوَجَلَّ بِصَوْتٍ اِرْفَعُوْا رُءُوْسَکُمْ۔ فَاِنَّمَا کَانَتِ الْعِبَادَۃُ فِی الدُّنْیَا۔ وَاَنْتُمُ الْیَوْمَ فِی دَارِ الْجَزَآءِ۔ سَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ۔ فَاَنَا رَبُّکُمُ الَّذِیْ صَدَقْتُکُمْ وَعْدِیْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ فَھٰذَا مَحَلُّ کَرَامَتِیْ فَسَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ۔ فَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا وَاَیُّ خَیْرٍ لَّمْ تَفْعَلْہُ بِنَا؟ اَلَسْتَ الَّذِیْ اَعَنْتَنَا عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ؟ وَاٰنَسْتَ مِنَّا الْوَحْشَۃَ فِی ظُلُمَاتِ الْقُبُوْرِ؟ وَاٰمَنْتَ رَوْعَتَنَا عِنْدَ النَّفْخَۃِ فِی الصُّوْرِ؟ اَلَسْتَ اَقَلْتَنَا عَثَرَاتِنَا؟ وَسَتَرْتَ عَلَیْنَا الْقَبِیْحَ مِنْ فِعْلِنَا؟ وَثَبَّتَّ عَلٰی جِسْرِ جَھَنَّمَ اَقْدَامَنَا؟ اَلَسْتَ الَّذِیْ اَدْنَیْتَنَا فِی جِوَارِکَ؟ وَاَسْمَعْتَنَا مِنْ لَّذَاذَۃِ مَنْطِقِکَ؟ وَتَجَلَّیْتَ لَنَا بِنُوْرِکَ؟ فَاَیُّ خَیْرٍ لَّمْ تَفْعَلْہُ بِنَا؟ وَیَعُوْدُ عَزَّوَجَلَّ فَیُنَادِیْھِمْ بِصَوْتِہٖ فَیَقُوْلُ اَنَا رَبُّکُمُ الَّذِیْ صَدَقْتُکُمْ وَعْدِیْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ فَسَلُوْنِیْ۔ فَیَقُوْلُوْنَ نَسْاَلُکَ رِضَاکَ۔ فَیَقُوْلُ رِضَایَ عَنْکُمْ۔ اَقَلْتُکُمْ عَثَرَاتِکُمْ۔ وَسَتَرْتُ عَلَیْکُمُ الْقَبِیْحَ مِنْ اُمُوْرِکُمْ۔ وَاَدْنَیْتُ مِنِّیْ جِوَارَکُمْ۔ وَاَسْمَعْتُکُمْ لَذَاذَۃَ مَنْطِقِیْ وَتَجَلَّیْتُ لَکُمْ بِنُوْرِیْ فَھٰذَا مَحَلُّ کَرَامَتِیْ فَسَلُوْنِیْ فَیَسْئَلُوْنَہٗ حَتّٰی تَنْتَھِیَ مَسْاَلَتُھُمْ۔ ثُمَّ یَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ سَلُوْنِیْ فَیَسْاَلُوْنَہٗ حَتّٰی تَنْتَھِیَ رَغْبَتُھُمْ

ثُمَّ یَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ سَلُوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ رَضِیْنَا رَبَّنَا وَسَلِّمْنَا ۔ فَیَزِیْدُھُمْ مِنْ مَّزِیْدِ فَضْلِہٖ وَکَرَامَتِہٖ وَیَزِیْدُ زُھْرَۃُ الْجَنَّۃِ مَالَاعَیْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَتْ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ۔ وَیَکُوْنُ کَذٰلِکَ حَتّٰی مِقْدَارَ تَفَرُّقِھِمْ مِنَ الْجُمُعَۃِ ۔ قَالَ اَنَسٌ فَقُلْتُ بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا مِقْدَارُ تَفَرُّقِھِمْ ؟ قَالَ کَقَدْرِ الْجُمُعَۃِ اِلَی الْجُمُعَۃِ ۔ قَالَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّنَا الْعِلِّیُّوْنَ مَعَھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالنَّبِیُّوْنَ ثُمَّ یُؤْذَنُ لِاَھْلِ الْغُرُفَاتِ فَیَعُوْدُوْنَ اِلٰی غُرَفِھِمْ ۔ وَھُمْ غُرْفَتَانِ زُمُرُّدَتَانِ خَضْرَوَانِ ۔ وَلَیْسُوْا اِلٰی شَیْءٍ اَشْوَقَ مِنْھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْجُمُعَۃِ ۔ لِیَنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ وَلِیَزِیْدَھُمْ مِنْ فَضْلِہٖ وَکَرَامَتِہٖ ۔ (دارقطنی)

جبریلؑ آئے ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ سا تھا جس کے درمیان میں ایک سیاہ نقطہ سا تھا ۔ میں نے پوچھا : اے جبریلؑ! یہ کیا ہے ؟ فرمایا : یہ جمعہ کا دن ہے جو تم پر تمہارے رب نے پیش فرمایا ہے تاکہ یہ آپؐ کے لیے اور آپؐ کی امت کے لیے عید کا دن ہو ۔ میں نے پوچھا : اے جبریل ! اس کے بیچ میں یہ سیاہ نکتہ سا کیا ہے ؟ فرمایا : یہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن قایم ہو گی ۔ یہ جمعہ دنیا کے تمام دنوں کا سردار ہے ۔ جنت میں اس کا نام انعام کا دن رکھ چھوڑا ہے ۔ میں نے پوچھا : اے جبریل ! تم اس کو انعام کا دن کیوں کہتے ہو ؟ فرمایا : اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک وادی کو منتخب اور پسند کیا ہے جو سفید کستوری سے زیادہ خوشبو دار ہے جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ اس وادی کی طرف ایک کرسی پر نزول فرماتا ہے اور عرش سونے کے جواہر لگے منبروں سے گھرا ہوتا ہے اور یہ منبر نور کی کرسیوں سے گھرے ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ جنتی بالاخانے والوں کو اجازت دیتا ہے وہ مشک کے ٹیلوں میں سے گھٹنوں تک دھنستے ہوئے تشریف لاتے ہیں ۔ سونے چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ریشمی اعلیٰ لباس زیب تن کیے ہوئے حتیٰ کہ اس وادی میں پہنچ جاتے ہیں ۔ یہاں پہنچ کر جب بآرام بیٹھ جاتے ہیں تو مثیرہ نامی بادِ صبا چلتی ہے ان کے کپڑوں اور جسم سے سفید مشک کے فوارے چھوٹ نکلتے ہیں ۔ ان کے چہرے صاف ہوتے ہیں ان کی آنکھیں سُرمگیں ہوتی ہیں ۔ یہ تینتیس۳۳ سالہ نوجوان ہوتے ہیں ۔ ان کی صُورتیں حضرت آدمؑ کی اس صورت پر ہوتی ہیں جو صورت ان کی اس دن تھی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا ۔ اب جناب باری تبارک و تعالیٰ رضوان کو جو دارو غۂ جنت ہے بلاتا ہے اسے حکم دیتا ہے کہ میرے اور میرے بندوں اور میری زیارت کرنے والوں کے درمیان سے حجاب اٹھا دو ۔ حجاب کے دُور ہوتے ہی خداوندی نور اور تازگی انہیں نظر آتی ہے چاہتے ہیں کہ سجدے میں گر پڑیں ۔ اسی وقت جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے بس سجدہ سے سر اٹھا دو عبادت کی جگہ دنیا تھی اب یہ آخرت تو بدلے کا گھر ہے تمہیں جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو میں تمہارا رب ہوں میں نے اپنے وعدے تم سے سچ کر دئے ۔ تم پر اپنی بھرپور نعمتیں عطا فرمائیں ۔ یہ تمہاری عزت افزائی کا مقام ہے اب جو تم چاہو مجھ سے مانگو ۔ جنتی حضرات جواب دیتے ہیں کہ پروردگار ! کون سی بھلائی ہے جو تُو نے ہمارے ساتھ نہیں کی ! تُو نے ہم پر سکراتِ موت آسان کر دی ، تُو نے ہماری قبر کی تنہائی اور اندھیریوں میں ہماری وحشت دُور کر دی ۔ صور کے پھونکنے کے وقت تُو نے ہمیں گھبراہٹ اور پریشانی سے نجات دی ۔ ہماری لغزشوں سے درگذر فرمایا ۔ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی کی ۔ پل صراط پر ہمیں ثابت قدم رکھا ، اپنا قرب نصیب فرمایا ، اپنے پاک کلام سے ہمیں لذت آشنا کیا ، اپنا نور ہم پر ظاہر فرمایا ۔ کون سی بھلائی تو نے ہمارے ساتھ نہیں کی ! لیکن پھر بھی انہیں اپنی آواز میں پکار کر جناب باری عزّ و جلّ یہی فرماتے گا کہ میں نے اپنے وعدے تم سے سچے کئے ۔ تم پر اپنی نعمتیں بھرپور کیں ۔ اب تم مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو ؟ وہ کہیں گے : الٰہی ! ہم تیری رضامندی کے طالب ہیں ؛

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تو تمہیں مل چکی، تمہاری لغزشیں معاف کیں۔ تمہاری برائیوں کی پردہ پوشی کی۔ تمہیں اپنا قرب نصیب فرمایا۔ تمہیں اپنی باتیں سُننے کا شرف بخشا۔ تم پر اپنے نور کا پرتو ڈالا۔ یہ ہے تمہاری عزت افزائی کی جگہ جو میں نے تمہیں عنایت فرمائی ہے پس تم مجھ سے مانگو۔ اب یہ جنتی اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے اور اللہ تعالیٰ اُنھیں دے گا یہاں تک کہ اُن کی تمنائیں سب پُوری ہو جائیں گی۔ پھر بھی اللہ عزّ وجل ان سے فرمائے گا اور مانگو۔ یہ پھر مانگیں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی۔ پھر بھی ان سے کہا جائے گا اور مانگو۔ یہ کہیں گے بس ہم راضی ہیں لیکن جناب باری تعالیٰ اپنے فضل خاص سے انہیں اور بھی مرحمت فرمائے گا اور جنت کی تر و تازگی اس قدر بڑھا دے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی نہ کسی انسانی دل پر ان نعمتوں کا وہم گزرا۔ الغرض جمعہ کے دن ان کے الگ ہونے تک مزید لطف و کرم اور یہ مجلس اسی طرح ہوتی رہے گی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، ان کے الگ ہونے کی مقدار کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے برابر۔ رب العالمین کا عرش بلند درجے کے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کے ساتھ بڑے بڑے فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ہوں گے۔ پھر ان بالاخانوں والوں کو اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے زمردیں اور سبز بالاخانوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ انھیں جمعہ کے دن سے زیادہ کسی چیز کا شوق نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی زیارت کریں تاکہ وُہ ان پر مزید اپنا فضل فرمائے اور ان کی عزت افزائی فرماتے۔

۱۰

رمضان المبارک

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آپؐ نے ماہِ شعبان کے آخری روز خطبہ دیا جس میں آپؐ نے فرمایا:
يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ. شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَّنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدّٰى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فَمَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ وِقَايَةً وَّمَغْفِرَةً لِّذُنُوبِهِ وَعِتْقُ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ.

لوگو! تمہارے پاس عظمت اور برکت والا مہینہ آ رہا ہے اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینہ کے روزے فرض کر دیئے ہیں اور رات کا قیام نفل قرار دیا ہے۔ اس میں نفلی عبادت کا ثواب اور دنوں کی فرض عبادت کے برابر ہے اور اس میں فرض ادا کرنے والے کو اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ مہینہ باہمی غمخواری اور ہمدردی کا ہے اس میں مومن کا رزق بڑھتا ہے۔ جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اُس کے گناہ بخشے جائیں گے اور آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا اور اسی روزہ کے برابر ثواب پائے گا، بغیر اس کے کہ اس (غریب) کے ثواب سے کچھ گھٹا دیا جائے۔

ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اتنا میسر نہیں ہوتا کہ اپنے پاس سے کسی کو افطار کرا سکیں۔ آپؐ نے فرمایا:
يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مُذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ. وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَّأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ. وَاٰخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ ۝ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ یہ ثواب ہر اس شخص کو دے گا جو کسی روزہ دار کو فقط لسی، کھجور یا پانی کا ایک گھونٹ پلا دے۔ اور جس نے روزہ دار کو کھلا کر سیر کیا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض میں سے ایسا پانی پلائے گا کہ دخولِ جنت تک پیاسا نہیں ہوگا۔ اس مہینے کا اوّل حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ہے۔ جو اس مہینہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کرے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور آگ سے نجات دلا دے گا۔

۱۱

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں رسولِ خدا کی خدمت میں بیٹھا تھا اتنے میں کچھ لوگ آئے، جنھوں نے بالوں کے کمبل اوڑھے ہوئے تھے، وہ امداد کے مستحق معلوم ہوتے تھے۔ اُن کی غربت کے پیشِ نظر آپؐ نماز کے خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اِرْضَخُوْا مِنَ الْفَضْلِ وَلَوْ بِصَاعٍ وَلَوْ بِنِصْفِ صَاعٍ وَلَوْ بِقَبْضَةٍ وَلَوْ بِنِصْفِ قَبْضَةٍ یَقِیْ اَحَدُکُمْ وَجْھَهٗ حَرَّ جَھَنَّمَ اَوِالنَّارِ وَلَوْ بِتَمْرَةٍ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ بِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ لَاقِیَ اللّٰهَ وَقَآئِلٌ لَهٗ مَا اَقُوْلُ لَکُمْ کَمَا جَعَلَ لَکَ مَالًا وَّ وَلَدًا۔ فَیَقُوْلُ بَلٰی فَیَقُوْلُ اَیْنَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ فَیَنْظُرُ قُدَّامَهٗ وَخَلْفَهٗ وَعَنْ یَّمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ ثُمَّ لَا یَجِدُ شَیْئًا یَّقِیْ بِهٖ وَجْھَهٗ حَرَّ جَھَنَّمَ ۝ لِیَتَّقِ اَحَدُکُمْ وَجْھَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ فَاِنِّیْ لَآ اَخَافُ عَلَیْکُمُ الْفَاقَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُکُمْ وَمُعْطِیْکُمْ حَتّٰی تَسِیْرُ الظَّعِیْنَةُ مَا بَیْنَ یَثْرِبَ وَالْحِیْرَةِ اَکْثَرَ مَا تَخَافُ عَلٰی مَطِیَّتِھَا السَّرَقَ ۝ (زاد المعاد)

لوگو! بچے ہوئے مال سے غریبوں کی امداد کرو۔ زیادہ نہ ہو تو ایک صاع غلہ ہی سہی، یا آدھا صاع، ورنہ ایک مٹھی یا آدھی مٹھی۔ تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو آتشِ دوزخ سے بچائے، خواہ ایک کھجور یا آدھی کھجور ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ اگر اتنا بھی نہ مل سکے تو اچھی بات کے ساتھ سہی۔ کیونکہ تمہیں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے وہ تم سے یہی کہے گا جو میں تم سے کہتا ہوں کہ کیا میں نے تمہیں مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ بندہ عرض کرے گا ہاں۔ خداوند تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہے وہ جو تُو نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے۔ اس وقت بندہ آگے پیچھے، دائیں اور بائیں دیکھے گا مگر دوزخ کی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے گا۔ پس کم از کم نصف خُرما دے کر دوزخ سے بچنے کا سامان کرو۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو ملائم جواب دے دیا کرو۔ کیونکہ مجھے یہ خوف بالکل نہیں کہ تم فاقہ کشی کا سامنا کرو گے کیونکہ خدا تمہارا ناصر ہے اور دہی دینے والا ہے۔ حتیٰ کہ تنہا ایک عورت مدینہ اور حیرہ کے درمیان سفر کرے گی اور اس کو اپنی سواری پر چور چکار کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے یہ ارشادِ مبارک سُنا تو مجھے خیال ہوا کہ اُن دنوں بنو طے کے چور کہاں گئے ہوں گے؟ (یعنی جو کچھ ہو، مگر وہ چوری اور ڈاکہ زنی سے باز نہیں آئیں گے) مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک عورت قادسیہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ (بخاری)

۱۲

اسلام اور رہبانیت

ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا، پھر اُن کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:
مَا بَالُ اَقْوَامٍ حَرَّمُوا النِّسَآءَ وَالطَّعَامَ وَالطِّيْبَ وَشَهَوَاتِ الدُّنْيَا - فَاِنِّي لَسْتُ اٰمُرُكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا - فَاِنَّهٗ لَيْسَ فِيْ دِيْنِيْ تَرْكُ اللَّحْمِ وَالنِّسَآءِ وَلَا اتِّخَاذُ الصَّوَامِعِ - وَاِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الصَّوْمُ وَرَهْبَانِيَّتُهُمُ الْجِهَادُ - اُعْبُدُوا اللّٰهَ ۝ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۝ وَحُجُّوْا وَاعْتَمِرُوْا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَصُوْمُوْا رَمَضَانَ وَاسْتَقِيْمُوْا يَسْتَقِمْ لَكُمْ - فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالتَّشْدِيْدِ شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۝ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الدِّيَارِ وَ الصَّوَامِعِ - (معالم التنزیل)

لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ عورتوں کو، کھانے کو، خوشبو کو اور دنیا کی لذیذ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے لگے ہیں میں تمہیں صوفی اور درویش اور راہب و تارکِ دنیا بننے کا حکم دینے نہیں آیا کیونکہ گوشت کو اور عورتوں کو چھوڑ دینا اور خانقاہوں میں بیٹھ جانا میرے دین میں نہیں ہے۔ میری اُمّت کی سیاحت روزہ ہے۔ ان کی رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرتے رہو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، حج اور عمرہ ادا کرتے رہو، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور پابندی کرو۔ اور استقامت دکھاؤ تاکہ تمہارے معاملات بھی درست کر دیے جائیں۔ تم سے اگلے لوگ انہی سختیوں کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ جُوں جُوں وہ اپنے اوپر سختی کرتے گئے اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا گیا۔ ان کے بچے کھچے اب گرجوں اور عبادت گاہوں میں باقی رہ گئے ہیں۔

اس خطبے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:
يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ .....
(اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تم پر حلال کی ہیں انھیں حرام نہ کرو .....)

۱۳

خطبۂ بدر

ہجرت کے بعد کفار سے مسلمانوں کا پہلا معرکہ میدانِ بدر میں برپا ہوا۔ رسولِ خدا تین سو تیرہ صحابہؓ کو لے کر میدانِ بدر میں اُترے۔ مسلمانوں کی صفوں کو مرتب کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

فَاِنِّیْ اُحُثُّکُمْ عَلٰی مَا حَثَّکُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ وَاَنْہَاکُمْ عَمَّا نَہَاکُمُ اللّٰہُ عَنْہُ۔ فَاِنَّہٗ جَلَّ وَعَلَا عَظِیْمٌ شَاْنُہٗ یَاْمُرُ الْحَقَّ۔ وَیُحِبُّ الصِّدْقَ۔ وَیُعْطِیْ عَلَی الْخَیْرِ اَھْلَہٗ اَعْلٰی مَنَازِلِھِمْ عِنْدَہٗ بِہٖ یُذْکَرُوْنَ وَبِہٖ یَتَفَاضَلُوْنَ وَاِنَّکُمْ قَدْ اَصْبَحْتُمْ بِمَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْحَقِّ۔ لَا یَقْبَلُ فِیْہِ اللّٰہُ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا مَا ابْتُغِیَ فِیْہِ وَجْہُہٗ وَاِنَّ الصَّبْرَ فِیْ مَوَاطِنِ الْبَاْسِ مِمَّا یُفَرِّجُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِہِ الْھَمَّ وَیُنْجِیْ مِنَ الْغَمِّ وَتُدْرِکُوْنَ النَّجَاۃَ فِی الْاٰخِرَۃِ فِیْکُمْ نَبِیُّ اللّٰہِ۔ یُحَذِّرُکُمْ وَیَاْمُرُکُمْ فَاسْتَحْیُوا الْیَوْمَ اَنْ یَّطَّلِعَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِکُمْ یَمْقُتُکُمْ عَلَیْہِ۔ فَاِنَّہٗ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔ اُنْظُرُوا الَّذِیْ اَمَرَکُمْ بِہٖ مِنْ کِتَابِہٖ وَاَرَاکُمْ مِّنْ اٰیَاتِہٖ وَاَعَزَّکُمْ بَعْدَ الذِّلَّۃِ فَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ۔ یَرْضَ رَبُّکُمْ عَنْکُمْ وَاسْتَبْلُوْا رَبَّکُمْ فِیْ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اَمْرًا تَسْتَوْجِبُوا الَّذِیْ وَعَدَکُمْ بِہٖ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَمَغْفِرَتِہٖ۔ فَاِنَّ وَعْدَہٗ حَقٌّ وَّقَوْلَہٗ صِدْقٌ وَّعِقَابَہٗ شَدِیْدٌ وَّاِنَّمَا اَنَا وَاَنْتُمْ بِاللّٰہِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ اِلَیْہِ لَجَاْنَا وَبِہٖ اعْتَصَمْنَا وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِیْنَ۔

لوگو! مَیں تمہیں اسی چیز کی طرف رغبت دلاتا ہُوں جس کی رغبت خود اللہ عزوجل نے دلائی ہے۔ اسی طرح میں تمہیں انہی چیزوں سے روکتا ہُوں جن سے اللہ عزوجل نے تمہیں روکا ہے۔ وہ جلال و بلندی والا عظیم الشان خدا حق باتوں کا ہی حکم فرماتا ہے وہ سچائی کو پسند کرتا ہے، بھلائیاں کرنے والوں کو وُہ اپنے پاس بڑے مرتبے عطا فرماتا ہے اسی لئے ان کا ذکر مذکور رہتا ہے اور اسی طرح انہیں فضیلتیں ملتی ہیں۔ سُنو حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پہ آج تمہارے قدم آ پہنچے ہیں۔ یہاں صرف وہی کام مقبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ارادے سے کیا جائے گا۔ جنگ کے موقع پر صبر ہی وُہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ رنج و غم کو دُور کر دیتا ہے اور ان سے نجات دیتا ہے، ساتھ ہی آخرت کی نجات بھی میسر ہو جائے گی۔ تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے جو تمہیں ڈراتا بھی ہے اور حکم بھی دیتا ہے (امر و نہی کر رہا ہے) دیکھو آج ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا جس سے اللہ تعالیٰ تم سے ناخوش ہو جائے۔ فرمانِ خدا ہے کہ اللہ کی ناراضگی کا وبال اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہاری آپس کی ناراضگی کا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام جو اپنی کتاب میں تمہیں دے چکا ہے اور جو نشانیاں وہ تمہیں دکھلا چکا ہے، ذلت کے بعد اس نے تمہیں جو عزت عطا فرمائی ہے اس کو پیشِ نظر رکھو۔ پس تم احکامِ خدا پر صبر و عزم کے ساتھ جم جاؤ۔ رب العالمین تم سے راضی ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ سے اس جہاد کے موقعہ پر ایسی دُعائیں کرو کہ جنت و مغفرت کا وعدہ جو اس نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے پورا ہو جائے۔ بیشک وعدۂ خداوندی اٹل ہے، بیشک کلامِ خدا راست ہے، بیشک اس کے عذاب بڑے ڈراؤنے اور نہایت سخت ہیں۔ خود میں بھی اور تم سب بھی اُسی حیّ وقیوم زندہ و قایم خدا پر بھروسا رکھتے ہیں جس کی طرف ہم پناہ کے لیے جھکتے ہیں اور جس کا ہم سہارا لیتے ہیں۔ اسی پر ہم توکل کرتے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ ہماری اور جملہ مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

۱۴

"الجماعت"

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضورِ اکرمؐ نے حسبِ ذیل خطبہ دیا :

اَلَا اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً ٥ وَاِنَّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ ٥ ثِنْتَانِ وَّ سَبْعُوْنَ فِی النَّارِ ٥ وَّ وَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ ٥ وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ ٥ وَ اِنَّہٗ سَیَخْرُجُ فِیْٓ اُمَّتِیْٓ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰی بِھِمُ الْاَھْوَآءُ کَمَا یَتَجَارَی الْکَلْبُ بِصَاحِبِہٖ ٥ لَا یَبْقٰی مِنْہُ عِرْقٌ وَّ لَا مَفْصَلٌ اِلَّا دَخَلَہٗ ۔ (مسند احمد ۔ ابو داؤد)

لوگو ! سُنو ، تم سے پہلے کے اہلِ کتاب بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی ، جن میں سے بہتّر جہنمی ہیں اور ایک جنتی ۔ یہی جنتی گروہ "الجماعت" ہے ۔ سُنو اور باور کر لو کہ میری امت میں ایسی قومیں بھی نکلنے والی ہیں جن کے رگ و پے میں خواہشیں اس طرح سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کُتّے کے کاٹے کا زہر اُس شخص کے رگ و پے میں رَچ جاتا ہے جسے وُہ کاٹ لے کہ اس کا زہر ہر ہڈّی اور ہر ہر جوڑ میں داخل ہو جاتا ہے ۔

۱۵

ضابطۂ حیات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کا سفر کر رہے تھے۔ اس سفر میں ایک روز صحابہ کے سامنے تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: ایک بار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اِسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِیْ خَيْرًا ـ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ـ ثُمَّ يَفْشُوا الْكِذْبُ حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ لَيَبْتَدِئُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُّسْئَلَهَا ـ فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ ـ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ لَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُمْ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ـ (مُسند احمد)

میرے صحابہؓ کے ساتھ بھلائی (سے پیش آنے) کی (میری) نصیحت قبول کرو۔ پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہوں۔ پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہوں۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ خود بخود بن بلائے (جھوٹی) شہادتیں دینے لگیں گے۔ پس تم میں سے جو بھی جنت کے بہترین مقام کا مالک بننا چاہے اُسے لازم ہے کہ جماعت کو چمٹے رہے۔ شیطان تنہا کے ساتھ ہے اور وہ دو سے بہت دُور ہے۔ خبردار کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے اس لیے کہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے جسے اس کی نیکی اچھی لگے اور بُرائی بُری لگے وہ مومن ہے۔

۱۶

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

حضرت علقمہ بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسولِ خداؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں بعض مسلمان قبیلوں کی تعریف کی۔ پھر فرمایا:

مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَّا یُفَقِّهُوْنَ جِیْرَانَهُمْ وَلَا یُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا یَعِظُوْنَهُمْ وَلَا یَأْمُرُوْنَهُمْ وَلَا یَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَّا یَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِیْرَانِهِمْ وَلَا یَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا یَتَّعِظُوْنَ۔ وَاللّٰهِ لَیُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِیْرَانَهُمْ وَیُفَقِّهُوْنَهُمْ وَیَعِظُوْنَهُمْ وَیَأْمُرُوْنَهُمْ وَیَنْهَوْنَهُمْ وَیَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِّنْ جِیْرَانِهِمْ وَیَتَفَقَّهُوْنَ وَیَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمُ الْعُقُوْبَةَ۔ (طبرانی کبیر)

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نہ تو اپنے پڑوسیوں کو (دین) سمجھاتے ہیں نہ انھیں علم سکھاتے ہیں نہ انھیں نصیحت کرتے ہیں نہ انھیں بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں نہ انھیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اپنے پڑوسیوں سے نہ (دین) سیکھتے ہیں نہ علم سیکھتے ہیں، نہ پند و نصیحت سنتے ہیں۔ واللہ! لوگ یا تو اپنے آس پاس والوں کو سکھائیں، سمجھائیں، نصیحت کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور لوگ آس پاس والوں سے سیکھیں سمجھیں وعظ و نصیحت حاصل کریں ورنہ میں دنیا میں ہی انہیں سخت سزا دوں گا۔

۱۷

سنّت اور بدعت

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک روز) رسولِ خداؐ نے ایسا (پُرتاثیر اور درد بھرا) خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے دل تھرا گئے اور ہم زار زار رونے لگے۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہؐ! یہ تو آپ کا الوداعی خطبہ معلوم ہوتا ہے آپ ہمیں کچھ آخری نصیحت فرماتے جائیے۔ آپ نے فرمایا:

تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ. عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا۔ فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ (وَفِي رِوَايَةٍ) عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ ٥ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ٥ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا ٥ وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيدًا ٥ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ٥ وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُورَ الْمُحْدَثَاتِ ٥ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ٥ (ابنِ ماجہ)

میں نے تمہیں ایسے پاک صاف میدان میں چھوڑا ہے جہاں کی رات بھی دن کے برابر روشن ہے۔ میرے بعد تو وہی اِدھر سے اُدھر ہوگا جس کی قسمت پھوٹ گئی ہو۔ میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بڑے بڑے اختلاف دیکھے گا۔ پس تم اختلاف کے وقت میری جانی پہچانی سُنّتوں اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کے طریقوں سے وابستہ رہنا اور انھیں مضبوطی سے تھام لینا۔ تم فرمانبرداری کرتے ہی رہنا خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو کیونکہ مومن کی مثال تو نکیل والے اونٹ کی سی ہے کہ جدھر نکیل مُڑی اُدھر گھوم گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور ڈر خوف رکھو، سُنو اور اطاعت کرو خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میرے بعد تم بہت سخت اختلاف دیکھو گے پس میری اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنّت پر عمل پیرا رہنا اور انھیں مضبوطی سے تھامے رکھنا (دین میں) گھڑی ہوئی باتوں (پر عمل کرنے) سے بچو کیونکہ ہر گھڑی ہوئی بات (بدعت) گمراہی ہے۔

۱۸

تصورِ دیانت

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص کو، جن کا نام ابن اللتبیہ تھا، قبیلہ بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا۔ وہ واپس آئے تو انھوں نے کچھ مال تو آنحضورؐ کے حوالے کر دیا اور کچھ مال یہ کہہ کر رکھ لیا کہ یہ مجھے بطور ہدیہ اور تحفہ کے ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: خُوب، اگر تم اپنے گھر میں بیٹھے رہتے تو پھر دیکھتے کہ کون آکر تمہیں یہ تحفے تحائف دیتا ہے۔ ابوحمید ساعدیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسولِ خداؐ اٹھ کھڑے ہُوئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا:

فَاِنِّیْ اَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْکُمْ عَلَی الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِی اللّٰہُ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَقُوْلُ ھٰذَا مَالُکُمْ وَھٰذَا ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ لِیْ اَفَلَا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ وَاُمِّہٖ حَتّٰی تَاْتِیَہٗ ھَدِیَّتُہٗ اِنْ کَانَ صَادِقًا وَ اللّٰہِ لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِّنْکُمْ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّہٖ اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی یَحْمِلُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَلَاَعْرِفَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ لَقِیَ اللّٰہَ یَحْمِلُ بَعِیْرًا لَہٗ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرَۃً لَّھَا خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ۔

جب میں تم میں سے کسی شخص کو تحصیلدار بنا کر بھیجتا ہُوں تو وہ واپس آکر کہتا ہے کہ یہ آپ کا مال ہے اور یہ تحفے ہیں جو مجھے دئے گئے۔ اگر وُہ سچ کہتا ہے تو کیوں اپنے ماں باپ کے گھر نہیں بیٹھتا جہاں لوگ اسے تحفے بھیجتے رہیں۔ خدا کی قسم جو شخص ناجائز طور پر کوئی چیز لے گا قیامت کے دن اسے اٹھاتے ہوئے دربارِ خداوندی میں حاضر ہوگا میں تم میں سے ان شخصوں کو پہچانوں گا جو ایک بڑبڑاتے ہوئے اونٹ یا آواز دینے والی گائے یا ممیاتی ہوئی بکری اٹھائے خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ (مسلم شریف)

یا الٰہی! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا!

۱۹

خیانت اور طمع

حضرت حرماس بن زیاد سے روایت ہے کہ ایک بار رسولِ خدا نے اپنی ناقہ پر بیٹھے بیٹھے خطبہ دیا، جس میں فرمایا :

اِیَّاکُمْ وَالْخِیَانَۃَ فَاِنَّھَا بِئْسَتِ الْبِطَانَۃُ۔ وَ
اِیَّاکُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّہٗ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاِیَّاکُمْ
وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمُ الشُّحُّ حَتّٰی
سَفَکُوْا دِمَآءَھُمْ وَقَطَعُوْا اَرْحَامَھُمْ۔

(طبرانی اوسط و کبیر)

خیانت سے بچو کہ وہ بدترین ساتھی ہے۔ ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔ طمع اور لالچ سے بچو کہ اسی چیز نے تم سے پہلوں کو غارت کر دیا حتّٰی کہ وہ ایک دُوسرے کا خون بہانے لگے اور انہوں نے اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالے۔

۲۰

خیانت سے اجتناب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے دور میں دو تین بار ایسے واقعات پیش آئے کہ کسی شخص نے دشمن کی فوج سے کوئی چیز چھین لی، مگر بیت المال میں جمع نہ کرائی۔ اس پر ایک روز آپ نے حسب ذیل خطبہ دیا:

لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيْرٌ لَّهٗ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ ۝ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ ۝ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ ۝ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ ۝ (مسلم شریف)

میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی کی گردن پر (خیانت کا) بڑبڑاتا ہوا اونٹ سوار ہو اور کہے یارسول اللہ میری مدد فرمائیں اور مجھے کہنا پڑے کہ اب میں کچھ نہیں کرسکتا میں نے تو (صحیح بات) تجھ تک پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی کی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا سوار ہو اور کہے یارسول اللہ میری مدد کریں اور مجھے یہ کہنا پڑے کہ میں کچھ نہیں کرسکتا میں نے تو (صحیح بات) تجھ تک پہنچا دی تھی میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی کی گردن پر چیخنے والی بکری سوار ہو اور کہے یارسولؐ اللہ میری مدد کریں، اور میں کہوں کہ اب میں کچھ نہیں کرسکتا، میں نے تو (صحیح بات) تجھ تک پہنچا دی تھی میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی کی گردن پر واویلا کرتا ہوا کوئی غلام یا مقتول سوار ہو اور وہ (اٹھانے والا) کہے یارسول اللہ میری مدد کریں اور مجھے کہنا پڑے کہ میں کچھ نہیں کرسکتا میں نے تو (صحیح بات) تجھ تک پہنچا دی تھی میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کسی کی گردن پر چیتھڑے اُڑ رہے ہوں اور کہے یارسول اللہ میری مدد کریں اور مجھے کہنا پڑے کہ میں کچھ نہیں کرسکتا میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی شخص کے ذمے خیانت کا مال ہو اور کہے یارسول اللہ میری مدد کریں اور مجھے کہنا پڑے کہ میں کچھ نہیں کرسکتا میں نے تو (صحیح بات) تم تک پہنچا دی تھی۔

۲۱

دُنیا کا فتنہ

حیاتِ طیبہ کے آخری دَور میں حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک روز آپ شہدائے اُحد کے مقابر پر تشریف لے گئے۔ رقت آمیز انداز میں ان کے لیے دُعا فرمائی۔ پھر مسجد میں آ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ
لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ ۔ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ
خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۔ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ ۔ وَإِنِّي وَاللهِ
مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي ۔ وَلٰكِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا ۔ (بخاری شریف)

میں تمہارے لیے سامانِ آخرت تیار کرنے کے لیے تم سے آگے جانے والا ہُوں۔ میں تم پر گواہ ہُوں۔ قسم خدا کی میں اس وقت بھی اپنے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہُوں۔ مجھے رُوئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں یا فرمایا زمین کی چابیاں دعطا فرمائی گئی ہیں) واللہ مجھے تمہارے بارے میں یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے۔ ہاں البتہ یہ کھٹکا ہے کہ تم دُنیا میں رغبت کرنے اور ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے۔

۲۲

دنیا اور نیکی

حضرت عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے ایک روز اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ ٥ يَأْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ ٥ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ ٥ وَيَقْضِىْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ (وَفِىْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ ٥ وَيَحْكُمُ فِيْهَا مَلِكٌ عَادِلٌ قَادِرٌ) يُحِقُّ فِيْهَا الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ ٥ كُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ ٥ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا ٥ فَاِنَّ كُلَّ اُمٍّ يَتْبَعُهَا وَلَدُهَا ٥ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِى الْجَنَّةِ ٥ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِى النَّارِ ٥ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ ٥ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مَّعْرُوْضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ ٥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥ (الشافعی)

سُن لو! دنیا اسی موجودہ ساز و سامان کا نام ہے، جسے نیک و بد سب کھا رہے ہیں اور آخرت ایک حقیقی وقتِ مقرر ہے جس میں قدرتوں والا بادشاہ (اللہ رب العالمین) خود فیصلہ کرے گا (ایک روایت میں ہے کہ آخرت ایک سچا وعدہ ہے جس میں عادل اور قدرت والا بادشاہ فیصلے فرمائے گا) جن میں حق کو ثابت کر دے گا اور باطل کو باطل۔ آخرت والے بنو، دنیا والے نہ بنو، ہر اولاد اپنی ماں کے پیچھے چلتی ہے۔ تمام کی تمام بھلائی اپنے پیروکاروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو گی اور تمام کی تمام برائی اپنے پیروکاروں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو گی۔ پس تم عمل کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ تمہیں (ایک دن) تمہارے اعمال کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ جس نے ایک ذرّے کے برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ایک ذرّے کے برابر بدی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

۲۳

اللہ سے عافیت طلب کرو

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رض خطبے کے لئے منبر پر کھڑے ہُوئے اور رونے لگے ۔ پھر فرمایا : پہلے ہی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ سنانے کے لیے منبر پر کھڑے ہوئے اور رو پڑے ۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا :

سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَدًا لَّمْ
يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِّنَ الْعَافِيَةِ ۔

(ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت طلب کرو کیونکہ ایمان
کے بعد کسی کو کوئی نعمت عافیت سے بہتر عطا نہیں کی گئی ۔

۲۴

قرابت داروں کے لئے صدقہ

عبداللہ بن طارق کا بیان ہے کہ ایک بار میں کھجوریں خریدنے مدینہ گیا ہم لوگ شہر سے باہر ٹھہرے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آکر ہمارا حال احوال پُوچھنے لگا، اُس نے دو پرانی چادریں پہنی ہوئی تھیں، پھر اُس نے ہمارے سُرخ اُونٹ کی طرف اشارہ کرکے پُوچھا: کیا تم اس کو بیچو گے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں اتنی کھجوروں کے عوض۔ (اس نے سودا منظور کیا اور) وہ اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم نے آپس میں کہا: یہ ہم نے کیا کیا! بغیر جانے ہم نے اونٹ کیسے دے دیا ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک شخص بہت سی کھجوریں لے ہوئے آیا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوریں دی ہیں ان میں یہ تو اُونٹ کی قیمت ہیں اور یہ تمہاری مہمانی کی ہیں۔ عبداللہ بن طارق کہتے ہیں کہ ہم نے کھجوریں وصول کرلیں پھر مسجد نبوی میں پہنچے ہم نے دیکھا ہمارے اونٹ کا وہی مقدس خریدار ذیل کا خطبہ دے رہا ہے ہم نے اس کو سُنا اور ہمارے دل پر اس عمدہ سلوک اور ایسی بہترین تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ ہم بلا تامل حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے خطبہ کے الفاظ یہ ہیں:

تَصَدَّقُوْا فَاِنَّ الصَّدَقَةَ خَيْرٌ لَّكُمْ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى
اُمَّكَ وَاَبَاكَ وَاُخْتَكَ وَاَخَاكَ وَاَدْنَاكَ اَدْنَاكَ۔ (زاد المعاد)

لوگو! خیرات دیا کرو، خیرات دینا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ماں کو، باپ کو، بہن کو، بھائی کو، پھر قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو۔ جو جس قدر زیادہ قریب ہے اس کا حق اسی قدر زیادہ ہے۔

۲۵

ایک مبارک خواب

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نمازِ فجر کے لیے آنحضورؐ دیر سے تشریف لائے۔ معلوم ہوتا تھا گویا سورج نکلنے ہی والا ہے۔ بہرحال آپ نے نماز پڑھائی اور سلام پھیرتے ہی ہماری طرف رُخ کیا، پھر بلند آواز سے ہدایت کی کہ سب لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ بعد ازاں حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اَمَا اِنِّیْ سَاُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِیْ عَنْكُمُ الْغَدَاةَ۔ اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّیْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْكَ رَبِّ۔ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی؟ قُلْتُ لَا اَدْرِیْ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا۔ قَالَ فَرَاَیْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَیْنَ كَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْكَ رَبِّ۔ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی؟ قُلْتُ فِی الْكَفَّارَاتِ ۝ قَالَ وَمَا هُنَّ؟ قُلْتُ مَشْیُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ ۝ وَالْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوتِ ۝ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِیْنَ الْكَرِیْهَاتِ ۝ قَالَ ثُمَّ فِیْمَ؟ قُلْتُ فِی الدَّرَجَاتِ ۝ قَالَ وَمَا هُنَّ؟ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ ۝ وَلِیْنُ الْكَلَامِ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ۝ قَالَ سَلْ۔ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ ۝ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ ۝ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ ۝ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ ۝ وَاَسْأَلُكَ حُبَّكَ ۝ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ ۝ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ ۝ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ۔ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔

(مُسند احمد، ترمذی شریف)

میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ آج صبح مجھے دیر کیوں لگی۔ میں رات کو اُٹھا، وضو کر کے جتنی نماز مقدر میں تھی ادا کی، نماز میں ہی مجھ پر اونگھ جیسی کیفیت طاری ہوگئی بدن بوجھل ہوگیا ناگہاں میں دیکھتا ہوں کہ اللہ عزّ و جلّ بہترین صورت میں میرے سامنے ہے اور فرما رہا ہے اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ فرمایا بتلاؤ بلند درجے کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا پروردگار میں نہیں جانتا۔ تو میں نے دیکھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ اس کی

پوریوں کی ٹھنڈک مَیں نے اپنے سینے میں پائی۔ پھر ہر چیز میرے سامنے کھل گئی اور میں نے ہر چیز پہچان لی۔ اب پھر فرمایا کہ اے محمدؐ۔ میں نے پھر لبیک اے پروردگار کہا۔ فرمایا بتلاؤ بلند رتبہ فرشتے کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کفّاروں کے بارے میں۔ پوچھا بتلاؤ کفّارے کیا ہیں؟ میں نے کہا چل کر نماز کی جماعتوں میں جانا، نمازوں کے بعد مساجد میں بیٹھے رہنا، تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا۔ اللہ تعالےٰ نے دریافت فرمایا: ان فرشتوں کی بات چیت اور کس امر میں ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: درجوں کے بارے میں۔ پوچھا: وُہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: کھانا کھلانا، نرم کلامی کرنا، لوگوں کے سونے کے وقت نماز ادا کرنا۔ فرمایا: کچھ مانگ۔ تو میں نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق اور مسکینوں کی محبت کا سوال کرتا ہُوں اور یہ کہ تُو مجھے بخشے اور مجھ پر رحم فرمائے اور یہ کہ جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اس فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی وفات دے دے۔ الٰہی! میرا سوال ہے کہ مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اُن کی محبت بھی دے جن سے تُو محبت کرتا ہے اور ان اعمال کی چاہت دے جو تیری محبت سے نزدیک کرنے والے ہیں۔ پھر حضورؐ نے اپنے مقتدیوں سے فرمایا: سُنو یہ سب حق اور سچ ہے، تم اسے سیکھو اور دوسروں کو سکھاتے رہو۔

۲۶

دوزخ سے بچو

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ کو منبر پر یہ خطبہ دیتے ہوئے سُنا' آپ نے فرمایا :

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ - فَاِنَّهَا تُقِيْمُ الْعِوَجَ -
وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْٓءِ وَتَقَعُ مِنَ الْجَآئِعِ
مَوْقِعَهَا مِنَ الشَّبْعَانِ - (ابویعلیٰ)

آتشِ دوزخ سے بچو گو آدھی کھجور سے ہی ہو، کیونکہ وہ (صدقہ) کجی کو درست کر دیتا ہے، بری موت کو دُور کر دیتا ہے اور وہ بھوکے کے لئے بھی اتنا ہی کام کرتا ہے جتنا سیر شدہ کے لیے۔

۲۷

نیکی اور بدی کے راستے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک روز صحابہؓ بیٹھے تھے کہ رسولِ خداؐ تشریف لائے اور مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا،

یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ o اِتَّقُوا اللّٰہَ o وَصِلُوْا اَرْحَامَکُمْ - فَاِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ ثَوَابٍ اَسْرَعَ مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَاِیَّاکُمْ وَالْبَغْیَ - فَاِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ عُقُوْبَةٍ اَسْرَعَ مِنْ عُقُوْبَةِ الْبَغْیِ وَاِیَّاکُمْ وَعُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّ رِیْحَ الْجَنَّةِ تُوْجَدُ مِنْ مَّسِیْرَةِ اَلْفِ عَامٍ - وَاللّٰہِ لَا یَجِدُھَا عَاقٌّ وَّلَا قَاطِعُ رَحِمٍ وَّلَا شَیْخٌ زَانٍ وَّلَا جَارٌّ اِزَارَہٗ خُیَلَاءَ اِنَّمَا الْکِبْرِیَاءُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o وَالْکِذْبُ کُلُّہٗ اِثْمٌ - اِلَّا مَا نَفَعْتَ بِہٖ مُؤْمِنًا وَّدَفَعْتَ بِہٖ عَنْ دِیْنٍ - وَاِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَّا یُبَاعُ فِیْھَا وَلَا یُشْتَرٰی - لَیْسَ فِیْھَا اِلَّا الصُّوَرُ o فَمَنْ اَحَبَّ صُوْرَةً مِّنْ رَّجُلٍ اَوِ امْرَاَةٍ دَخَلَ فِیْھَا - (طبرانی)

اے جماعتِ مسلمین! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہو کیونکہ کسی نیک کام کا ثواب صلہ رحمی کے ثواب سے جلدی ملنے والا نہیں۔ ظلم و زیادتی، بغاوت و سرکشی سے بچتے رہو، کیونکہ کسی گناہ پر اس قدر جلد سزا نہیں ملتی جتنی سرکشی اور بغاوت پر۔ لوگو! ماں باپ کی نافرمانیوں سے بچو کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کے فاصلے سے آجاتی ہے مگر خدا کی قسم ماں باپ کے نافرمان، رشتوں ناتوں کو توڑنے والے، بڑھاپے میں زناکاریاں کرنے والے اور فخر و تکبر سے اپنے تہمد یا پاجامے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے اسے نہ پا سکیں گے۔ یاد رکھو کبریائی اور بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے ہے جو سب کا پالنہار ہے۔ جھوٹ سرتاپا گناہ کی چیز ہے سوائے اس کے جس سے تو کسی مومن کو نفع پہنچائے یا اس سے اپنے دین سے کسی نقصان کو دُور کرے۔ جنت میں ایک بازار ایسا ہے جہاں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اُس میں صرف صورتیں ہیں جو مرد و عورت جس صورت کو پسند کرے وہی صورت اُس کی ہو جائے گی۔

۲۸

جہاد کی فضیلت

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسولِ پاکؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا، جس میں ارشاد فرمایا:

اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاِیْمَانِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ؟ فَقَالَ اَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ. اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِكَ۔ (مسلم شریف)

جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ ایمان کی افضل ترین صورتیں ہیں۔ یہ سُن کر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ! اگر میں راہِ خدا میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں، بشرطیکہ تُو راہِ خدا میں اس حال میں قتل کیا جائے کہ تُو صبر کرنے والا، ثوابِ آخرت کی جستجو کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہو نہ کہ پیچھے ہٹنے والا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ ان صحابی نے کہا: اگر میں راہِ خدا میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، بشرطیکہ تُو راہِ خدا میں اس حال میں قتل کیا جائے کہ تُو صبر کرنے والا' ثواب کی جستجو کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہو نہ کہ پیچھے ہٹنے والا' سوائے قرض کے (کہ وہ معاف نہ ہو گا) کیونکہ جبریلؑ نے (ابھی ابھی) یہ بات مجھے بتائی ہے۔

۲۹

جہاد

جنگِ اُحد کے موقع پر جب مسلمان، کفار کے بالمقابل صف آرا ہوئے تو آپؐ نے ان کے سامنے حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ أُوصِيكُمْ بِمَا أَوْصَانِي بِهِ اللهُ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْعَمَلِ بِطَاعَتِهِ - وَالتَّنَاهِي عَنْ مَحَارِمِهِ - ثُمَّ إِنَّكُمُ الْيَوْمَ بِمَنْزِلِ أَجْرٍ وَذِكْرٍ لِمَنْ ذَكَرَ الَّذِي عَلَيْهِ ثُمَّ وَطَّنَ نَفْسَهُ عَلَى الصَّبْرِ وَالْيَقِينِ وَالْجِدِّ وَالنَّشَاطِ - فَإِنَّ جِهَادَ الْعَدُوِّ شَدِيدٌ كَرِيهٌ - قَلِيلٌ مَنْ يَصْبِرُ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ لَهُ عَزْمٌ عَلَى رُشْدِهِ - إِنَّ اللهَ مَعَ مَنْ أَطَاعَهُ - وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ عَصَاهُ - فَاسْتَفْتِحُوا أَعْمَالَكُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى الْجِهَادِ - وَالْتَمِسُوا بِذَالِكَ مَا وَعَدَكُمُ اللهُ - وَعَلَيْكُمْ بِالَّذِي أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَإِنِّي حَرِيصٌ عَلَى رُشْدِكُمْ - إِنَّ الْإِخْتِلَافَ وَالتَّنَازُعَ وَالتَّثَبُّطَ عَنْ أَمْرٍ وَالْعَجْزَ وَالضَّعْفَ - وَهُوَ مِمَّا لَا يُحِبُّهُ اللهُ - وَلَا يُعْطِي عَلَيْهِ النَّصْرَ وَالظَّفَرَ - الخ

اے لوگو! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو وصیت جناب باری نے اپنی کتاب میں کی ہے یعنی یہ کہ تم اس کی اطاعت بجالاتے رہو اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتے رہو۔ سُنو آج تم اجر و ذکر کی جگہ ہو۔ جو شخص ذکر پر جم جائے صبر و یقین، پختگی اور خوش نفسی سے جہاد کرے وُہ خدا کے ہاں اجر پائے گا۔ اس کا نام دونوں جہان میں بلند ہو جائے گا کیونکہ دشمن سے جہاد کرنا سخت اور مشکل کام ہے۔ اس پر صبر بہت کم لوگوں سے ہوتا ہے وہی یہاں ثابت قدم رہتے ہیں جنہیں اپنے ہدایت یافتہ ہونے پر پختہ یقین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اپنے اعمال کو جہاد کی سختیوں پر صبر کرنے سے شروع کرو۔ اس کے ذریعے ان چیزوں کو تلاش کرو جن کا اللہ نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ میرے حکموں کی فرمانبرداری کو لازم پکڑے رہو کیونکہ میں تمہاری ہدایت پر حریص ہوں اختلاف جھگڑا اور جنگ سے جی چرانا عجز اور ضعف ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ ناپسند کرتا ہے اور ان پر فتح و نصرت عطا نہیں فرماتا۔

۳۰

کبائر سے اجتناب

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ منبر پر چڑھے اور دو مرتبہ قسم کھائی ۔ پھر منبر سے اُتر آئے ۔ پھر فرمایا :

اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا ۔ مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَاجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ ۔ دَخَلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ ۔

خوش ہو جاؤ ، خوش ہو جاؤ ، بشارت سُن لو ، جو پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے وہ جنّت کے جس دروازے سے چاہے گا ، جنّت میں داخل ہو جائے گا ۔

مطلب کہتے ہیں میں نے ایک شخص کو عبداللہ بن عمرو سے پوچھتے سنا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو ان (کبیرہ گناہوں) کا ذکر کرتے سُنا تھا ؟ اُنھوں نے کہا : ہاں (حضورؐ کے فرمان کے مطابق وہ گناہ یہ ہیں :)

عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَالشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَاَكْلُ الرِّبَا ۔ (طبرانی)

ماں باپ کی نافرمانی ، اللہ کے ساتھ شرک ، ناحق کا قتل ۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت ۔ مالِ یتیم کا کھا جانا ۔ میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑا ہونا ۔ سُود کھانا ۔

۳۱

خطبۂ تبوک

سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر تبوک کے مقام پر پہنچے اور مجاہدین کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا :

فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ ۝ وَأَوْثَقَ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى ۝ وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ
إِبْرَاهِيمَ ۝ وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ ۝ وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللّٰهِ ۝ وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ
هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۝ وَخَيْرُ الْأُمُورِ عَوَازِمُهَا وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ۝ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ الْأَنْبِيَاءِ ۝ وَأَشْرَفُ
الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ ۝ وَأَعْمَى الْعَمٰى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى ۝ وَخَيْرُ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعَ ۝
وَخَيْرُ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ ۝ وَشَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ ۝ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ۝
وَمَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى ۝ وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِينَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ ۝ وَشَرُّ النَّدَامَةِ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا يَأْتِي الْجُمُعَةَ إِلَّا دُبُرًا ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يَذْكُرُ اللّٰهَ إِلَّا هُجْرًا ۝
وَمِنْ أَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذَّابُ ۝ وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ ۝ وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى ۝ وَرَأْسُ
الْحِكَمِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ۝ وَخَيْرُ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوبِ الْيَقِينُ ۝ وَالْإِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ ۝
وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ ۝ وَالْغُلُولُ مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ ۝ وَالسُّكْرُ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ ۝ وَالشِّعْرُ
مِنْ إِبْلِيسَ ۝ وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْإِثْمِ ۝ وَشَرُّ الْمَاكَلِ مَالُ الْيَتِيمِ ۝ وَالسَّعِيدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ ۝
وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهٖ ۝ وَإِنَّمَا يَصِيرُ أَحَدُكُمْ إِلٰى مَوْضِعِ أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ ۝ وَالْأَمْرُ
إِلَى الْآخِرَةِ ۝ وَمَلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهٗ ۝ وَشَرُّ الرُّؤْيَا رُؤْيَا الْكَذِبِ ۝ وَكُلُّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيبٌ ۝
وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ ۝ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ ۝ وَأَكْلُ لَحْمِهٖ مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ ۝ وَحُرْمَةُ مَالِهٖ
كَحُرْمَةِ دَمِهٖ ۝ وَمَنْ يَّتَأَلَّ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ ۝ وَمَنْ يَّغْفِرْ يُغْفَرْ لَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ
عَنْهُ ۝ وَمَنْ يَّكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ ۝ وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ ۝ وَمَنْ يَّتَّبِعِ
السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ ۝ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُضْعِفِ اللّٰهُ لَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ ۝ وَ
أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝ وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝ وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝ (زاد المعاد)

سب سے زیادہ سچی بات کتابِ خدا قرآنِ کریم ہے اور سب سے مضبوط سہارا تقویٰ کا کلمہ ہے۔ سب سے بہتر

ملت، ملتِ ابراہیمیؑ ہے۔ سب طریقوں سے بہترین طریقہ خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے تمام باتوں میں بہتر بات اللہ کا ذکر ہے۔ سب قصوں میں سے بہتر یہ قرآن ہے۔ بہترین کام وُہ ہیں جو انسان پُوری تن دہی اور عزمِ راسخ سے کرے۔ اور بدترین کام وُہ ہیں (جو دینِ خدا میں) از خود وضع کر لئے جائیں۔ تمام راہوں میں سب سے عمدہ راہ پیغمبروں کی راہ ہے سب سے بہتر موت جامِ شہادت پینا ہے سب سے بُرا نابینا پن، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہتر عمل وُہ ہے جو نفع دے اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے، بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم ہو مگر کافی ہو وُہ اس سے بہتر ہے جو ہو تو زیادہ مگر غافل کرنے والی ہو۔ بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے۔ بدترین ندامت قیامت کے دن ہو گی۔ سُنو بعض ایسے لوگ ہیں جو بہت دیر کر کے جمعہ میں آتے ہیں اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کا ذکر لاتعلقی سے کرتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک جھُوٹی زبان ہے۔ بہترین تونگری دل کی تونگری ہے۔ اصلی کار آمد توشہ تقوٰی ہے۔ داناٸیوں کا سرتاج اللہ عزّ وجل کا ڈر ہے۔ دلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے۔ شک کفر کا ایک جزو ہے۔ میّت پر چیخنا چلّانا جاہلیت کا عمل ہے۔ خیانت دوزخ کی آگ ہے۔ شراب کا پینا دوزخ کی آگ سے داغنے جانے کے مترادف ہے (بُرے) شعر ابلیس کی طرف سے ہیں۔ شراب تمام گناہوں کا منبع ہے۔ سب سے بُری خوراک یتیم کا مال ہے۔ سعادت مند انسان وُہ ہے جو دُوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدنصیب انسان وُہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی بُرا لکھ دیا گیا ہو۔ تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے میں جانا ہے اور معاملہ آخرت پر منحصر ہو گا۔ عمل کا مدار انجامِ کار پر ہو گا۔ سب سے بُرا خواب جھُوٹا خواب ہے۔ ہر آنے والی چیز قریب ہے۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) خدا کی نافرمانی ہے۔ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔ جو اللہ کے مقابلے میں قسم کھائے گا اور اس کو جھٹلا دے گا، جو (دوسروں کی خطائیں) بخش دے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو (دوسروں کو) معاف کر دے گا اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ جو غصہ پی جائے گا اللہ اسے اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر صبر کرے گا اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔ جو سُنی سنائی باتیں پھیلائے گا اللہ اس کو رُسوا کرے گا۔ جو شخص تکلیف سے صبر ظاہر کرے گا اللہ اس کی تکلیف کو بڑھا دے گا اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا اللہ اس کو عذاب دے گا۔ میں اللہ سے مغفرت کا طلبگار رہوں، میں اللہ سے مغفرت کا طلب گار رہوں، میں اللہ سے مغفرت کا طلب گار رہوں۔

۳۲

بہتر اور بدتر انسان

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جنگِ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی سے ٹیک لگائے ہوئے مندرجہ ذیل خطبہ دیا :

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ النَّاسِ، وَشَرِّ النَّاسِ، اِنَّ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ رَجُلًا عَمِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَلٰی ظَھْرِ فَرَسِہٖ اَوْ عَلٰی ظَھْرِ بَعِیْرِہٖ اَوْ عَلٰی قَدَمِہٖ حَتّٰی یَاْتِیَہُ الْمَوْتُ ۔ وَاِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلًا فَاجِرًا یَقْرَاُ کِتَابَ اللّٰہِ لَا یَرْعَوِیْ اِلٰی شَیْءٍ مِّنْہُ ۔ (نسائی)

میں تمہیں بتلاؤں کہ بہتر لوگ کون ہیں اور بدتر کون ہیں، سُنو بہتر انسان وُہ ہے جو راہِ خدا میں کام (یعنی جہاد) کرے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر یا اپنے اونٹ کی پیٹھ پر یا اپنے پاؤں پر، یہاں تک کہ اسے موت آجائے اور بدتر انسان وُہ فاسق و فاجر انسان ہے جو قرآن تو پڑھتا ہو لیکن اس کی کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔

۳۲

سورج اور چاند گہن

آنحضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو اُسی روز سُورج گہن لگا۔ آپؐ نے اعلان کرایا کہ سب لوگ نماز کے لئے مسجد میں جمع ہو جائیں۔ لوگ اکٹھے ہُوئے تو آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں آپؐ نے طویل قرأت کی۔ نماز میں مرد اور عورتیں شریک تھیں۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کو غشی آگئی۔ نماز اس وقت ختم ہُوئی جب سورج گہن سے آزاد ہو چکا تھا۔ نماز کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد من الناس ولا لحياته ولكنهما آيتان من آيات الله يخوف الله بهما عباده، فإذا رأيتموها فقوموا فصلوا وادعوا الله وكبروا وتصدقوا واذكروا الله واستغفروا الله حتى يكشف ما بكم يا أمة محمد والله ما من أحد أغير من الله أن يزني عبده أو تزني أمته۔ يا أمة محمد والله لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا و لبكيتم كثيرا۔ ما من شيء كنت لم أره إلا وقد رأيته في مقامي هذا۔ حتى الجنة والنار۔ ولقد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور۔ قريبا من فتنة الدجال۔ يؤتى أحدكم فيقال له ما علمك بهذا الرجل؟ فأما المؤمن (أو قال الموقن) فيقول هو محمد رسول الله جاءنا بالبينات والهدى فأجبنا وآمنا واتبعنا۔ فيقال له نم صالحا۔ فقد علمنا إن كنت لموقنا و أما المنافق أو المرتاب فيقول لا أدري سمعت الناس يقولون شيئا فقلته۔ ثم أمرهم أن يتعوذوا من عذاب القبر ٥ قالوا يا رسول الله رأيناك تناولت شيئا في مقامك ثم رأيناك تكعكعت؟ فقال إني رأيت الجنة و تناولت عنقودا ولو أصبته لأكلتم منه ما بقيت الدنيا و أريت النار فلم أر منظرا كاليوم قط أفظع۔ ورأيت أكثر أهلها النساء قالوا بم يا رسول الله؟ قال بكفرهن قيل أيكفرن بالله؟ قال يكفرن العشير ويكفرن الإحسان لو أحسنت إلى إحداهن الدهر كله، ثم رأت منك شيئا قالت ما رأيت منك خيرا قط ٥ (متفق علیہ)

سورج اور چاند کو نہ کسی کے پیدا ہونے سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی موت سے۔ بلکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈراتا ہے۔ اے اُمتِ محمدؐ! تم جب اُنھیں دیکھو

تو نماز کیلیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ سے دعائیں کرو، تکبیریں کہو، صدقہ دو، اللہ کا ذکر کرو، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، یہاں تک کہ گہن کھل جاتے۔ اسے اُمتِ محمدؐ! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس معاملے میں غیرتمند کوئی نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی لونڈی زنا کرے۔ اے اُمتِ محمدؐ! اگر تم وہ کچھ جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو بخدا تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ ہر وُہ چیز جس کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا، وہ میں نے اب اسی جگہ دیکھ لی ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی۔ مجھے بذریعہ وحی خبر دی گئی ہے کہ تمہیں قبروں میں آزمایا جائے گا دجال کے فتنے کے قریب یا اسی کی طرح، تم میں سے کسی کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: اس شخص کے بارے میں تمہیں کیا کچھ معلوم ہے؟ صاحبِ ایمان دیا فرمایا صاحبِ یقین، کہے گا: یہ اللہ کے رسول محمدؐ ہیں، ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے۔ چنانچہ ہم نے تسلیم کر لیا، آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی اتباع کی۔ پس اس سے کہا جائے گا: آرام سے سو جاؤ ہم نے جان لیا ہے کہ تم صاحبِ یقین تھے مگر منافق یا شک کا مارا انسان کہے گا: مجھے کچھ معلوم نہیں، لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا تھا۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ عذابِ قبر سے خدا کی پناہ مانگیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہم نے دیکھا آپ اپنی جگہ سے کوئی چیز پکڑنے لگے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپؐ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی تو ایک خوشے کو پکڑنا چاہا۔ اور اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم اس میں سے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔ پھر مجھے دوزخ دکھائی گئی ساتنا بھیانک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، میں نے دیکھا کہ اس میں اکثریت عورتوں کی ہے۔ لوگوں نے پُوچھا: یا رسولؐ اللہ! کس بناء پر؟ آپؐ نے فرمایا: ان کے کفر و ناشکری کی وجہ سے۔ پُوچھا گیا: کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وُہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم کسی عورت سے عمر بھر احسان کرو، پھر وُہ کوئی ذرا سی کمی دیکھ لے تو کہے گی: میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

۳۴

خطبۂ نکاح

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے نکاح کے موقع پر رسولِ خدا نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلوایا۔ اسی طرح انصار کے کچھ لوگوں کو بھی دعوت دی۔ سب لوگ آ گئے تو آپؐ نے حسب ذیل خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدُ بِنِعْمَتِهٖ الْمَعْبُوْدُ بِقُدْرَتِهٖ الْمُطَاعُ بِسُلْطَانِهٖ الْمَرْهُوْبُ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَطْوَتِهٖ النَّافِذُ اَمْرُهٗ فِیْ سَمَائِهٖ وَاَرْضِهٖ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ وَمَیَّزَهُمْ بِاَحْکَامِهٖ وَاَعَزَّهُمْ بِدِیْنِهٖ وَاَکْرَمَهُمْ بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ اَسْمُهٗ وَتَعَالَتْ عَظْمَتُهٗ جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَّ اَمْرًا مُّفْتَرِضًا اَوْشَجَ بِهِ الْاَرْحَامَ وَاَلْزَمَ بِهِ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ۝ فَاَمْرُ اللّٰهِ یَجْرِیْ اِلٰی قَضَائِهٖ وَقَضَاءُهٗ یَجْرِیْ اِلٰی قَدَرِهٖ وَلِکُلِّ قَدَرٍ اَجَلٌ وَّلِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ ۝ ثُمَّ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَمَرَنِیْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَاشْهَدُوْا اِنِّیْ زَوَّجْتُهٗ عَلٰی اَرْبَعِ مِأتِهٖ مِثْقَالِ فِضَّةٍ اِنْ رَضِیَ بِذٰلِکَ عَلِیٌّ۔

تمام تعریفیں ہیں اس خدا کی جو اپنی نعمتوں کی بدولت محمود ہے اپنی قدرتوں کی وجہ سے معبود ہے۔ اس کی طاقت اور قوت کی بدولت اس کی اطاعت کی جاتی ہے جس کے عذاب اور جلال سے ہر وقت ڈرا جاتا ہے جس کا حکم اس کے زمین اور اس کے آسمان میں نافذ ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کو اپنے احکام کی تمیز کرا دی اور اپنے دین کے ذریعے ان کو عزت بخشی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کو بزرگی عطا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ازدواجی رشتہ کو قرابت کا ذریعہ مقرر کیا ہے اور اسے ایک ضروری چیز قرار دیا ہے جس سے رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور تمام لوگوں کو فطرتاً اس کی طرف راغب کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہی ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور نسب اور دامادی کے رشتے مقرر فرمائے اور تیرا پروردگار بڑی طاقت والا ہے۔ پس اللہ کے حکموں کا تعلق قضاءِ الٰہی سے ہے، اور قضاءِ الٰہی کا سلسلہ تقدیر پر ختم ہوتا ہے۔ ہر قضاؐ کے لئے قدر ہے اور ہر قدر کے لئے ایک خاص وقت

مقرر ہے اور ہر کام کا وقت لکھا جا چکا ہے۔ جس کو خدا چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رہنے دیتا ہے اور اسی کے پاس تمام تحریروں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب کے ساتھ کر دوں۔ پس تم سب گواہ رہو کہ میں نے ۴۰۰ مثقال چاندی کے عوض ان کا عقد کر دیا بشرطیکہ علی رضامند ہوں۔

۳۵

ضابطۂ حیات

حضرت عیاض بن حمار المجاشعی سے روایت ہے کہ ایک بار غالباً مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانے میں آپؐ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا :

أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا
حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ
وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا ط إِنَّ اللّٰهَ
نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ
لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ ۝
وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذًا يَثْلَغُوا رَأْسِي فَيَدَعُوهُ خُبْزَةً ۝ فَقَالَ
اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقَ عَلَيْكَ وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ
خَمْسَةً مِثْلَهُ وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ ۝ وَأَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ
مُتَصَدِّقٌ وَمُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيفٌ ذُو عِيَالٍ ۝
وَأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ الضَّعِيفُ الَّذِي لَا زَبْرَ لَهُ الَّذِينَ هُمْ فِيكُمْ تَبَعًا لَا يَبْتَغُونَ أَهْلًا وَلَا
مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِي لَا يَخْفَى لَهُ طَمَعٌ وَإِنْ دَقَّ إِلَّا خَانَهُ وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِي إِلَّا
وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْكَذِبَ وَالشِّنْظِيرُ الْفَحَّاشُ (وَفِي رِوَايَةٍ)
إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ ۝

(مسلم شریف)

آگاہ ہو جاؤ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو باتیں آج مجھے سکھائی گئی ہیں وہ تمہیں بتا دُوں (خدا نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے اپنے بندے کو اپنی مہربانی سے عطا کیا ہے وُہ اس کے لئے حلال ہے، میں نے اپنے بندوں کو راہِ حق پر پیدا کیا تھا مگر شیطان ان کے پاس آئے اور اُنھوں نے ان کو دینِ حنیف سے دُور کر دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام کر دیا اور ان کو شرک کرنے کی ہدایت کی جس کے لیے میں نے کوئی سند نہیں اُتاری تھی۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف دیکھا تو باقی اہلِ کتاب کے سوا تمام انسانوں کو

خواہ وہ عرب ہوں یا عجم ناپسند فرمایا اور کہا: میں نے تمھیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم کو اور تمہارے ذریعے دوسروں کو آزماؤں اور تم پر ایسی کتاب اتاری جو پانی سے محو نہیں ہو سکتی (بلکہ سینوں میں محفوظ ہے) تم اسے سوتے جاگتے پڑھ سکتے ہو۔ اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کو جلا ڈالو۔ میں نے کہا الٰہی! وہ بڑی طاقتور قوم ہے مجھے توڑ کر رکھ دے گی۔ خدا نے فرمایا: ان کو ایسا نکال دو جیسا انہوں نے تجھ کو نکال دیا ہے ان سے لڑو اسباب جہم فراہم کریں گے، تم خرچ کرو ہم دیں گے، تم ایک لشکر روانہ کرو ہم اس کا پنچ گُنا بھیج دیں گے اور اپنے مطیع اور فرمانبردار لوگوں کو لے کر نافرمانوں سے خدا کی راہ میں غزوہ کرو (پھر فرمایا) تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: منصف[1]، سخی اور نیک حاکم۔ رشتہ داروں[2] اور عام مسلمانوں کے ساتھ مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی۔ عیالدار[3] باعفت سوال سے بچنے والا شخص۔ پانچ قسم کے لوگ دوزخی ہیں: (۱) کمزور بے شعور، آوارہ گرد جو دوسروں پر بوجھ ہو اور بال بچوں کے جھمیلے سے الگ رہے۔ (۲) وہ جو خیانت کے کسی موقع سے نہیں چوکتا۔ (۳) وہ شخص جو تمہیں تمہارے مال و منال اور اہل و عیال کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے۔ (۴) آپؐ نے بخل یا جھوٹ کا ذکر کیا۔ (۵) بدگو فحش بکنے والا اور لعنت ملامت بکثرت کرنے والا بدخلق بدزبان (ایک اور روایت میں ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ تم تواضع اختیار کرو اور کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے کے خلاف بغاوت اور سرکشی اختیار کرے۔

۳۶

اسلام اور جاہلیت

قبیلہ بنومراد کا ایک وفد آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد میں شامل ایک مقرر طبیان نے تقریر کی جس میں قدیم تاریخ کے حوالے سے بتایا کہ طائف اور اس کا نواحی علاقہ کسی زمانے میں بنومراد کی ملکیت تھا، پھر دشمنوں نے بہ جبرہم سے چھین کر ہمیں ساحلی علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا۔ آخر میں اس نے حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کا حامی ہے، آپ ہمارا حق دلوائیے۔

اسی محفل میں مخالف بنوثقیف قبیلے کے سردار اخنس بن فریق اور اسود بن مسعود ثقفی بھی موجود تھے۔ انھوں نے کھڑے ہو کر جوابی تقریر کی اور صورتِ حال کا دُوسرا نقشہ پیش کیا اور طائف پر اپنا حق جتلایا۔ فریقین کی تقریروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ایک بے معنی جھگڑا ہے اور ان لوگوں کے اندر ابھی تک محبتِ دُنیا اور جاہلیت کے اثرات موجود ہیں۔ اس موقع پر رسولِ خداؐ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ نَعِيمَ الدُّنْيَا أَقَلُّ وَأَصْغَرُ مِنْ ذَرِّ بَصِيصَةٍ وَلَوْ عَدَلَتْ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ جَنَاحَ ذُبَابٍ لَمْ يَكُنْ لِمُسْلِمٍ لَاحِقٌ؛ وَلَا لِكَافِرٍ بِهَا بَرَاحٌ وَلَوْ عَلِمَ الْمَخْلُوقُ مِقْدَارَ يَوْمِهِ لَضَاقَتْ عَلَيْهِ بِرُحْبِهَا وَلَمْ يَنْفَعْهُ جُورٌ وَلَا خَفْضٌ وَلٰكِنَّهُ غُمَّ عَلَيْهِ الْأَجَلُ وَمُدَّ لَهُ فِي الْأَمَلِ ۝ وَإِنَّمَا سُمِّيَتِ الْجَاهِلِيَّةُ بِضُعْفِ أَعْمَالِهَا وَجَهَالَةِ أَهْلِهَا فَمَنْ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ وَفِي يَدِهِ خَرَابٌ وَعِمْرَانٌ فَهُوَ لَهُ عَلَىٰ وَظَفِ رَكَاتِهِ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ خَلْصِيٍّ وَمُعَاهِدٍ ذِمِّيٍّ ۝ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ عَبَدُوا غَيْرَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَهُمْ أَعْمَالٌ يَنْتَهُونَ إِلَىٰ مُدَّتِهَا وَيَصِيرُونَ إِلَىٰ نِهَايَتِهَا مُؤَخَّرٌ عَنْهُمُ الْعِقَابُ إِلَىٰ يَوْمِ الْحِسَابِ أَمْهَلَهُمْ بِقُدْرَتِهِ وَجَلَالِهِ وَعِزَّتِهِ فَغَلَبَ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَأَكَلَ الْكَثِيرُ مِنْهَا الْأَقَلَّ وَاللّٰهُ الْأَعْلَى الْأَجَلُّ فَمَا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مَوْضُوعٌ مِنْ سَفْكِ دَمٍ وَانْتِهَاكِ مُحَرَّمٍ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

(مواہب الفتحیہ)

دنیوی نعمتیں خدائے تعالیٰ کے نزدیک ریت کے چمکدار ذرات سے بھی کمتر اور ذلیل ہیں اور اگر خدا کے پاس مکھی کے برابر بھی ان کی توقیر ہوتی تو کوئی مسلمان محتاج نہ رہتا نہ کوئی کافر یہاں عیش کرتا۔ اگر لوگوں کو اپنی اجل مقرر معلوم ہو جائے تو ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے اور عیش و عشرت انہیں بالکل راس نہ آئے۔ لیکن اجل مخفی

رکھی گئی ہے اور خواہشات پھیلائی گئی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کو اس نام سے اسی لیے نامزد کیا گیا ہے کہ اُن لوگوں کے اعمال بے بنیاد تھے اور وہ مذہب سے کورے تھے۔ پس جو کوئی شخص اسلام کے عہدِ میمون سے مشرف ہوا اس کے قبضہ میں جو بنجر یا آباد زمین ہو وہ شریعت کا مقررہ حصّہ ادا کرنے کے بعد اُس کی سمجھی جائے گی۔ یہ حصّہ (عُشر یا خراج) ہر مسلمان اور معاہد ذمّی پر مقرر ہو چکا ہے۔ جاہلیت والے غیر اللہ کو پُوجتے رہے، وہ اپنے اعمال کی سزا ضرور بھگتیں گے۔ ان کا عذاب روزِ قیامت تک مُؤخر کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، جلال اور غلبہ کے باوجود ان کو موقع دیا۔ سو طاقتور لوگ کمزوروں پر غالب آئے اور بڑی قوموں نے چھوٹی جماعتوں کو ہڑپ کر لیا۔ خدا بہت بڑا اور بزرگ ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام خون بہا اور ناجائز معاملات ملیامیٹ ہو چکے جو گزر چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو کوئی آئندہ ایسا کرے، اللہ اس کو سزا دے گا۔ اللہ غالب اور سزا دینے والا ہے۔

۳۷

پانچ برائیاں

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسولِ خداؐ نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ ○ خَمْسُ خِصَالٍ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ - لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ اَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا لَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا اُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ - وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِهِمْ اِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَآءِ - وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا - وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ - وَلَمْ تَحْكُمْ اَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوْا فِيْمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَاْسَهُمْ بَيْنَهُمْ - (ابنِ ماجہ)

اے گروہِ مہاجرین! میں خدا سے تمہارے لیے پانچ باتوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ جب کسی قوم میں برملا فحش کام ہونے لگتے ہیں تو وہ لوگ طاعون اور دُوسری ایسی گوناگوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف محض ناآشنا اور بے خبر تھے۔ اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو وہ قحط سالی، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مظالم میں پھنس جاتی ہے۔ اور جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو ان پہ بارش بند ہو جاتی ہے۔ اگر ان کے چوپائے نہ ہوں تو ان پر مینہ کی ایک بوند بھی نہ برسے۔ اور جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر دشمن مسلّط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔ اور جب کسی ملک کے حکّام احکامِ خداوندی کے مطابق فیصلے کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور احکامِ خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قوم میں لڑائی ڈال دیتا ہے۔

۳۸

فتح مکّہ کے موقع پر

فتح مکّہ کے موقع پر رسولِ خدا نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اسے مختلف راویوں نے بیان کیا ہے (بخاری، مسلم) - ابوداؤد، ابنِ ماجہ اور ابنِ کثیر میں مذکور آپؐ کے ارشادات ذیل میں یکجا پیش کیے جا رہے ہیں۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَ لَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِکَ بِھَا دَمًا وَّ لَا یَعْضُدَ بِھَا شَجَرَۃً - فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْھَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ - وَلَمْ یَاْذَنْ لَّکُمْ - وَاِنَّمَآ اَذِنَ لِیْ فِیْھَا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ - وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُھَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِھَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَآئِبَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اس شہر مکّہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہی ذی حرمت با عزت متبرک اور مبارک بنایا ہے نہ کہ لوگوں نے۔ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُسے یہاں خُون بہانا حلال نہیں، نہ یہاں کا درخت کاٹنا حلال ہے۔ اگر کوئی میرے آج کے جہاد کو دلیل بنا کر رخصت نکالنا چاہے تو تم اسے جواب دینا کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دے دی تھی لیکن تمہیں اس نے اجازت نہیں دی۔ مجھے بھی اللہ نے دن میں بس گھڑی بھر کے لیے رخصت دی تھی اس وقت مکّہ کی حرمت ویسی ہی لوٹ آئی ہے جیسی کل تھی تم میں سے جو موجود ہیں ان پر فرض ہے کہ جو حاضر نہیں ان تک میرا یہ خطبہ پہنچا دیں۔

○

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَۃِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْاَصْنَامِ۔

اللہ تعالیٰ نے شراب کی، مُردار کی، سُور کی اور بتوں کی تجارت حرام کر دی ہے۔

اس پر کسی نے سوال کیا: حضورؐ! مردار کی چربی کی بابت کیا حکم ہے؟ اس سے کشتیاں روغن کی جاتی ہیں، کھالوں پر لگائی جاتی ہے، اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا ھُوَ حَرَامٌ - قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَھُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھَآ اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَکَلُوْا ثَمَنَهٗ۔





مسجد الحرام کا بیرونی حصہ

نہیں ، وہ بھی حرام ہے ۔ اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے ، جب اللہ تعالیٰ نے اُن پر چربیاں حرام کیں تو انھوں نے اسے پگھلایا ، پھر اسے بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھا گئے ۔

○

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُصْبِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِآبَائِهَا ۔ فَالنَّاسُ رَجُلَانِ ۔ رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللهِ تَعَالَى ۔ وَرَجُلٌ فَاجِرٌ لَا يَتَّقِي هَيِّنٌ عَلَى اللهِ تَعَالَى ۔ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ ۔ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○ (ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا ۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ لِي وَلَكُمْ ۔ (ابنِ کثیر)

لوگو ! جاہلیت کی بڑائی اور باپ دادوں پر فخر کرنے کی بُرائی تم سے دُور کر دی ہے ۔ انسانوں کی اب دو ہی قسمیں ہیں یا تو وہ نیک اور پرہیزگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ۔ یا بد اور غیر متقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اے لوگو ! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک دُوسرے کی شناخت اور پہچان رہے ۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف اور معزز وُہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار رہو ۔ اللہ تعالیٰ باعلم اور باخبر ہے (پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) لوگو ! مجھے یہی کہنا تھا میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں ۔

○

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ ○ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ○ أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعَى مِنْ دَمٍ أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ ۔ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ ۔ أَلَا إِنِّي قَدْ أَمْضَيْتُهُمَا لِأَهْلِهِمَا كَمَا كَانَ ۔ ثُمَّ قَالَ أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَاءِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ ۔ مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا ۔ (ابو داؤد ، ابن ماجہ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ اکیلا ہے ، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور مخالف طاقتوں کو اُسی اکیلے نے شکست دی ۔ سُنو ! جاہلیت کے کُل شعبے جو خُون اور مال کے بارے میں مذکور ہیں اور کیے جاتے ہیں سب کو آج اپنے پاؤں تلے روند رہا ہُوں ۔ ہاں زمزم کا پانی پلانا اور بیت اللہ کی پاسبانی کرنا اپنی جگہ باقی ہے ان دونوں کو میں پہلے کی طرح ان کے لیے جن کے پاس یہ ہیں باقی رکھتا ہُوں ۔ خطا اور غلطی سے کوئی کسی کو مار ڈالے مثلاً کوڑا مارا ، لکڑی ماری اور وُہ مرگیا یہ مشابہ ارادی قتل کے ہے ۔ اس کی دیت

ایک سو اونٹ ہے جن میں سے چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں۔

⊙

اَلْمَرْأَةُ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا وَمَالِهٖ وَهُوَ يَرِثُ دِيَتَهَا وَمَالَهَا مَا لَمْ يَقْتُلْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَإِذَا قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ خَطَأً وَرِثَ مِنْ مَالِهٖ وَلَمْ يَرِثْ مِنْ دِيَتِهٖ۔ (ابن ماجہ)

عورت اپنے خاوند کی دیت اور مال میں سے میراث پائے گی اور خاوند بھی عورت کی دِیَت اور مال میں سے میرث پائے گا جب تک انہی میں سے کوئی دوسرے کو قتل نہ کردے جب ان میں سے ایک دُوسرے کو غلطی سے قتل کردے تو وہ اس کے مال کا وارث تو ہوگا مگر دیت کا وارث نہ ہوگا۔

⊙

اَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهٗ لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا كَانَ فِي الْحِلْفِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ لَا يَزِيْدُهٗ إِلَّا شِدَّةً۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيْرُ أَدْنَاهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ۔ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ۔ دِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ۔ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا يُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ۔ (ابو داؤد)

اے لوگو! اسلام میں جتھہ بنانے کے لیے معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے البتہ جو معاہدے جاہلیت میں ہو چکے ہیں (اور اب دونوں طرف کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں) تو اسلام انھیں (توڑتا نہیں بلکہ انھیں) اور بھی مضبوط کر دیتا ہے۔ مومن غیروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی طرح متفق ہیں۔ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کسی کافر کو پناہ دے سکتا ہے دور والوں کے مالِ غنیمت میں ان کا بھی حصہ ہے۔ ان کے لشکری ان کے گھر بیٹھے ہوؤں کو حصہ دیں گے۔ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ کافر کی دیت مسلمانوں کی دیت سے نصف ہوگی۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مالداروں کو اپنی جگہ نہ بلواؤ۔ نہ مالدار اپنی جگہ سے دُور چلے جائیں بلکہ زکوٰۃ ان کے گھروں، ان کے باڑوں، ان کے جانوروں کے رہنے سہنے کی جگہ پر ہی لی جائے۔

۳۹

جنگ کے اُصول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو کسی مہم پر روانہ فرماتے، تو سردارِ لشکر کو خاص طور پر پرہیزگار رہنے اور اپنے رفقاء کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے۔ پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر اسلامی اصولِ جنگ کے متعلق ہدایات صادر فرماتے۔ ذیل میں آپ کا خطبہ اسی نوعیت کا ہے۔ فرمایا:

اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ اُغْزُوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَاِذَا اَنْتَ لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى اِحْدٰى ثَلَاثِ خِلَالٍ اَوْ (قَالَ) خِصَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ اَجَابُوْكَ اِلَيْهَا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ۝ اُدْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ۔ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ اَنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَاِنْ اَبَوْا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِي الْفَيْءِ وَالْغَنِيْمَةِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا اَنْ يَّدْخُلُوْا فِي الْاِسْلَامِ فَسَلْهُمْ اِعْطَاءَ الْجِزْيَةِ فَاِنْ فَعَلُوْا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ ۝ فَاِنْ حَاصَرْتَ حِصْنًا فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّكَ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّكَ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ اَبِيْكَ وَذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَّةَ اٰبَائِكُمْ اَهْوَنُ عَلَيْكُمْ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ ۝ وَاِنْ حَاصَرْتَ حِصْنًا، فَاَرَادُوْكَ اَنْ يَّنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَتُصِيْبُ فِيْهِمْ حُكْمَ اللّٰهِ اَمْ لَا ۝ (ابنِ ماجہ)

خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں کفّار سے لڑنا۔ بدعہدی اور خیانت نہ کرنا۔ مُردوں کے ناک کان نہ کاٹنا۔ بچّوں کو قتل نہ کرنا۔ اور جب کافر دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کے سامنے (یکے بعد دیگرے) تین باتیں پیش کیا کرنا، جن میں سے کسی ایک کو بھی مان لیں تو ان سے ہاتھ روک لینا۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر منظور کر لیں تو ان سے ہاتھ روک لینا۔ پھر ان سے کہہ دینا کہ اپنا ملک چھوڑ کر مہاجرین کے پاس آ کر سکونت اختیار کر لیں اور ان کو بتا دینا کہ ایسا کرنے پر ان کے ساتھ مہاجرین جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں

تو ان کو بتلا دینا کہ وہ دُوسرے دیہاتی مسلمانوں کی طرح سمجھے جائیں گے اور مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام احکام ان پر جاری ہوں گے۔ لیکن مالِ غنیمت میں سے اس وقت تک حصّہ نہیں پاسکیں گے جب تک خود جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوکر نہ لڑیں۔ پس اگر وہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ اگر مان جائیں تو ان سے ہاتھ روک لو ورنہ خدا کا نام لے کر اُن کے خلاف لڑائی شروع کردو۔

اور جب کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وُہ لوگ اللہ اور رسول کو ذمہ دار ٹھہرا کر تم سے امان طلب کریں، تو اس بات کو قبول نہ کرنا بلکہ اپنے اپنے باپ دادا اور رفقاء کی ذمہ داری پر پناہ دیا کرنا کیونکہ اگر کسی وقت عہد شکنی ہو جائے تو آبا و اجداد اور رفقاء کار کی عہد شکنی اللہ و رسول کا ذمہ توڑ دینے سے آسان ہے۔ اسی طرح اگر قلعہ کے محصورین خدائی فیصلہ کی شرط پر صلح کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو راضی نہ ہونا، بلکہ ہمیشہ اپنے فیصلہ کی شرط پر امان دیا کرنا۔ کیونکہ معلوم نہیں تم ان کے متعلق صحیح خدائی فیصلہ معلوم کر بھی سکتے ہو کہ نہیں۔

۴۰

تین اہم باتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں تشریف لائے (ہمیں حکم دیا کہ ہم منبر کے پاس جمع ہو جائیں۔ جب ہم سب منبر کے پاس بیٹھ گئے تو) آپؐ منبر پر چڑھنے لگے۔ پہلے زینے پر آمین کہا۔ پھر دوسرے پر آمین کہا۔ پھر تیسرے پر آمین کہا۔ پھر ہم سے فرمایا: جانتے بھی ہو کہ خلافِ عادت آج مَیں نے ان تینوں زینوں پر تین مرتبہ آمین کیوں کہا؟ ہم نے کہا: حضورؐ کو علم ہوگا اور اللہ جانتا ہے ہم بے خبر ہیں۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّہٗ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَاَسْحَقَہٗ۔ قُلْتُ اٰمِیْن۔ قَالَ وَمَنْ اَدْرَکَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدَھُمَا فَلَمْ یَبَرَّھُمَا دَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَاَسْحَقَہٗ قُلْتُ اٰمِیْن وَمَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْلَہٗ دَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَاَسْحَقَہٗ فَقُلْتُ اٰمِیْن ٥ (طبرانی)

حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا: جس کے پاس آپؐ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے تو اللہ اسے غارت و برباد کرے۔ مَیں نے کہا: آمین۔ پھر اُنہوں نے کہا: جس نے اپنے ماں باپ کے یا ان دونوں میں سے ایک کے بڑھاپے کے زمانے کو پایا پھر بھی ان کی خدمت نہ کی اور جہنّم میں داخل ہو گیا، اللہ اسے برباد کرے۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر انہوں نے کہا: جو رمضان المبارک کو پائے اور پھر بھی بخششِ خدا سے محروم رہ کر جہنّم میں جائے۔ اللہ اسے بھی اپنی رحمت سے دُور کر دے۔ میں نے کہا: آمین۔

۴۱

آخری دور کے فتنے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسولِ خداؐ کے ہمسفر تھے۔ ایک جگہ قیام کیا۔ سب لوگ قیام و طعام کے انتظام میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں آنحضورؐ نے سب لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس موقع پر آپؐ نے حسب ذیل خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِيَ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ. وَإِنَّ أُمَّتِي هٰذِهٖ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِي أَوَّلِهَا وَسَيُصِيبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ مُهْلِكَتِي. ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ هٰذِهٖ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهٖ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ. فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ ۝

(مسلم شریف)

مجھ سے پہلے بھی ہر پیغمبر پر یہ مقرر تھا کہ جو بھلائی بھی وہ ان کے لیے جانتا ہے اس کی طرف اپنی اُمت کی رہنمائی کرے اور جو برائی بھی وہ ان کے لیے جانتا ہے اس سے انہیں ڈرائے۔ اور میری اُمت کی ابتدا میں آرام و عافیت ہے اور آخری حصہ میں فتنے اور ایسے معاملات آنے والے ہیں جنھیں تم سخت ناپسند کرتے ہو۔ جن میں سے ہر پچھلا فتنہ پہلے کی نسبت زیادہ سخت ہوگا۔ جب ایک فتنہ آئے گا تو مومن کہیں گے یہ فتنہ ہم کو ہلاک کر دے گا۔ پھر وہ کھل جائے گا اور دوسرا فتنہ آجائے گا۔ تو مومن لوگ اسی کو آخری فتنہ سمجھ لیں گے۔ پس جو یہ چاہے کہ دوزخ سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائے، چاہیے کہ اُسے موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے وہی سلوک کرے جس کی ان سے توقع رکھتا ہے۔ جس نے ایک امام کی بیعت کر لی اُس نے جان و مال اُس امام کے ہاتھ میں دے دیے۔ پس حتی الوسع اسی کی متابعت کرے۔ اگر کوئی دُوسرا اُس کے مقابلہ پر نکل کر بغاوت کرے تو اس کی گردن مار دو۔

۴۲

دُنیا کی مہلت غنیمت ہے

ایک بار جمعہ کے خطبے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ لَکُمْ عَلَمًا فَانْتَھُوْا اِلٰی عَلَمِکُمْ ۔ وَاِنَّ لَکُمْ نِھَایَۃً فَانْتَھُوْا اِلٰی نِھَایَتِکُمْ فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ بَیْنَ مَخَافَتَیْنِ بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی لَا یَدْرِیْ کَیْفَ صَنَعَ اللہُ فِیْہِ وَبَیْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ لَا یَدْرِیْ کَیْفَ اللہُ بِصَانِعٍ فِیْہِ ۔ فَلْیَتَزَوَّدِ الْمُؤْمِنُ مِنْ نَّفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ ۔ وَمِنْ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَمِنَ الشَّبَابِ قَبْلَ الْھَرَمِ ۔ وَمِنَ الصِّحَّۃِ قَبْلَ السُّقْمِ ۔ فَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ وَالدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ ۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُّسْتَعْتَبٍ وَمَا بَعْدَ الدُّنْیَا دَارٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ ۔ وَ اَسْتَغْفِرُ اللہَ لِیْ وَلَکُمْ ۔ (دُرِّ المنثور)

اے لوگو! تمہارے لیے نشان ہیں وہیں ٹھہر جایا کرو ۔ تمہارے لیے ایک انتہائی حد ہے اپنی اس حد پر رک جایا کرو ۔ مومن دو خوف کے درمیان ہے ۔ گزری ہوئی عمر کے بارے میں بھی اُسے کھٹکا ہے کہ نہ جانے اللہ پاک نے اس میں اس کے لیے کیا کیا ہے ۔ اسی طرح باقی عمر کے بارے میں بھی اسے ڈر ہے کہ نہیں معلوم اللہ اس کے بارے میں کیا کرنے والا ہے ۔ پس مومن کا فرض ہے کہ اپنی ذات سے اپنے لیے توشہ جمع کر لے ۔ اپنی دُنیا سے اپنی آخرت کا توشہ لے لے ۔ اپنی جوانی سے اپنے بڑھاپے کا توشہ لے لے ۔ اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کا توشہ لے لے ۔ تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے ۔ مسلمانو! اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ۔ موت کے بعد رضا جوئی کا کوئی موقع نہیں پھر تو ہر انسان کا گھر یا توجنت ہے یا دوزخ ۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں ۔

۴۳

رسولِ خدا کی حکمت

عمروؓ بن تغلب سے روایت ہے کہ رسولِ خدا کے پاس مال آیا۔ آپؐ نے اسے تقسیم کر دیا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ جنہیں مال نہیں ملا وہ بگڑ رہے ہیں۔ اس پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ اُعْطِی الرَّجُلَ وَ اَدَعُ الرَّجُلَ۔ وَالَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَلٰکِنْ اُعْطِیْ اَقْوَامًا لِمَا اَرٰی فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِّنَ الْجَزَعِ وَالْھَلَعِ۔ وَاَکِلُ اَقْوَامًا اِلٰی مَاجَعَلَ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِّنَ الْغِنٰی وَالْخَیْرِ فِیْھِمْ عَمْرُوْ بْنُ تَغْلِبَ ۝ (بخاری شریف)

میں مال کی تقسیم کے وقت بعض کو دیتا ہوں اور بعض کو نہیں بھی دیتا، حالانکہ جنھیں میں نہیں دیتا وہ مجھے ان سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں جنھیں دیتا ہوں۔ بعض لوگوں کو میں صرف اس لیے دیتا ہوں کہ اُن کے دلوں میں جزع فزع اور بے اطمینانی سی ہوتی ہے۔ اور جنھیں نہیں دیتا اُنھیں سپردِ خدا کرتا ہوں، اس لئے کہ جانتا ہوں اُن کے دلوں میں غنا اور خیر ہے۔ انھیں میں عمرو بن تغلب ہیں۔

حضرت عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضورِ اکرمؐ کے اس فرمان سے جس قدر میں خوش ہوا ہوں، قسم خدا کی اگر ساری دنیا بھی حضورؐ مجھے دے دیتے تو میں اتنا خوش نہ ہوتا۔

۴۴

انصار سے خطاب

غزوۂ حنین میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اس کی تقسیم ہوئی تو اہلِ مکہ کو نسبتاً زیادہ حصہ ملا۔ اس سے بعض نوعمر انصاریوں نے کہا کہ آنحضورؐ قریشیوں کو زیادہ مال دے رہے ہیں حالانکہ ہماری خدمات اُن سے زیادہ ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپؐ نے یہ باتیں سُنیں تو انصار کو طلب کر کے پُوچھا تمہاری طرف سے جو بات مجھے پہنچی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ انصار نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم میں سے بڑے آدمیوں میں سے تو کسی ایک نے لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، البتہ بعض نوجوانوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بخشے، آپ قریشیوں کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون اب تک ٹپک رہا ہے۔ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنِّیْ اُعْطِیْ رِجَالًا حَدِیْثِیْ عَهْدٍ بِکُفْرٍ اَتَاَلَّفُهُمْ۔ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ یَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَ تَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِیِّ اِلٰی رِحَالِکُمْ فَوَاللّٰهِ لَمَا تَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ خَیْرٌ مِّمَّا یَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ۔

سُنو! میں انھیں اس لیے دے رہا ہُوں کہ وہ تازہ تازہ کفر کو چھوڑ کر آئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے دل اسلام کی طرف اور جھک جائیں۔ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لے کر اپنے وطن کو لَوٹو۔ خدا کی قسم وہ جس چیز کو لے کر جائیں گے اس سے وہ بہتر ہے جسے تم لے کر لَوٹو گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَلَصَدَقْتُمْ وَلَصُدِّقْتُمْ اَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ ○ وَ مَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاكَ ○ وَطَرِیْدًا فَاٰوَیْنَاكَ ○ وَعَائِلًا فَوَاسَیْنَاكَ ○ لَوَجَدْتُمْ عَلَیَّ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ فِیْ اَنْفُسِکُمْ فِیْ لُعَاعَةٍ مِّنَ الدُّنْیَا تَاَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِیُسْلِمُوْا وَ وَکَلْتُکُمْ اِلٰی اِسْلَامِکُمْ۔

تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو اور واقعی سچ کہتے اور میں بھی تمہاری تصدیق کرتا کہ جب سب لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ جب کوئی آپ کو اپنا نظر نہیں آتا تھا اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ جلاوطن تھے اس وقت ہم نے آپ کو پناہ دی جبکہ آپ بے زر تھے اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی۔ اے گروہِ انصار! محض دنیا کا خسیس مال نہ ملنے پر تم مجھ سے بگڑنے لگے۔ اس مال کے ذریعے میں نے ایک گروہ کی دلداری کی ہے کہ ان کے ایمان محفوظ رہیں اور تمھیں میں تمہارے اسلام کے سپرد کرتا ہُوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا؟ فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَعَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ - كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمَنُّ - قَالَ لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ جِئْتَنَا كَذَا وَكَذَا - اَتَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ - وَتَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِيِّ اِلٰى رِحَالِكُمْ؟ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَاً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهَا الْاَنْصَارُ شِعَارٌ - وَالنَّاسُ دِثَارٌ - اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ (بخاری شریف) وَفِيْ زَادِ الْمَعَادِ، ثُمَّ دَعَا لَهُمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ ٥ وَاَبْنَآءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَآءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ ٥

اے گروہِ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہیوں میں نہیں پایا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت دی۔ تم آپس میں ایک دُوسرے سے جُدا تھے۔ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم سب کو متحد کر دیا۔ تم مفلس تھے۔ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالدار اور تونگر کر دیا۔ جب آپؐ کوئی بات کہتے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسان اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اب آپ نے فرمایا تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس اِس اِس حال میں آئے تھے (اب ہماری مدد سے ایسے ہو گئے) کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک گھاٹی میں یا ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی اور راستے پر چل رہے ہوں تو میں انصار کے راستے پر ہی چلوں گا۔ تم لوگ تو مثلِ اس کپڑے کے ہو جو جسم سے لگا کر پہنا جائے اور دوسرے لوگ گویا اس کے اُوپر کے کپڑے ہیں میرے بعد یقیناً تمہیں کشادگی اور فراخی حاصل ہوگی۔ اس وقت تک صبر و سہار سے کام لینا یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر تمہاری مجھ سے ملاقات ہو۔ الٰہی! انصار پر رحم فرما۔ اُن کی اولاد پر بھی رحم فرما اور ان کی اولاد کی اولاد پر بھی رحم فرما۔

روایات میں آتا ہے کہ آنحضورؐ کا یہ خطبہ اس قدر مؤثر تھا کہ انصاری چیخ اُٹھے اور رونے لگے۔ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں سو وہ پکار اُٹھے:

ہم اس پر بہت خوش ہیں کہ ہمارے حصّہ میں اللہ کے رسول آئے ہیں۔[1]

---

[1] یہ خطبہ بخاری شریف، زاد المعاد اور قسطلانی کی مختلف روایات کو جمع کرکے مرتب کیا گیا ہے۔

۴۵

دعا کی تاثیر

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قحط سالی کا شکوہ کیا۔ اس پر آپؐ نے منبر عیدگاہ میں رکھنے کا حکم دیا اور وعدہ فرمایا کہ میں فلاں دن آؤں گا لوگ جمع ہو جائیں۔ اس روز آپؐ سورج طلوع ہوتے ہی گھر سے نکلے اور عیدگاہ پہنچ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ
زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ
تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ٥ (ثُمَّ
قَالَ) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ٥ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ٥ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ
الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ ۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ
مَآ اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ٥

تم لوگوں نے خشک سالی کی شکایت کی ہے اور یہ کہ اس سال وقت پر بارش نہیں ہوئی۔ ایسے موقعوں پر خداوند تعالیٰ نے تم کو دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ (پھر فرمایا) سب تعریف خدا کی ہے جو مخلوق کا پالنے والا رحمن و رحیم ہے، قیامت کے دن کا مالک ہے۔ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی! تو ہی خداوند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تُو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں، ہم پر رحمت کی بارش نازل فرما اور اسے ایک مقررہ وقت تک ہمارے لیے قوت اور روزی کا وسیلہ قرار دے۔

پھر آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ بغلوں کی سپیدی نظر آنے لگی۔ پھر لوگوں کی طرف پیٹھ پھیر کر

تحویلِ ردا کی، پھر لوگوں کی طرف منہ کیا۔ اُترے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ اتنے میں بادل آیا، گرجا، چمکا اور خدا کے حکم سے برسا۔ ابھی آپؐ مسجد تک نہیں پہنچے تھے کہ نالے بہہ پڑے۔ جب آپؐ نے لوگوں کو جلدی جلدی سے گھروں کی طرف جاتے دیکھا تو (انسانی فطرت پر) مسکرا پڑے اور فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ ۝ (ابوداؤد)

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

۴۶

فتنۂ دجّال

۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ سورج گہن لگا۔ اس موقع پر نمازِ کسوف ادا کی گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر رسولِؐ خدا نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی رسالت کا ذکر فرمایا۔ پھر آپؐ نے حاضرین سے دریافت فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنِّي قَصَّرْتُ
عَنْ شَيْءٍ مِّنْ تَبْلِيغِ رِسَالَاتِ رَبِّي۔ لَمَا أَخْبَرْتُمُونِي
بِذَالِكَ ○

لوگو! میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر میں نے پیغامِ
الٰہی کے پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی کی ہو تو مجھے تبلادو۔

ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: "ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے اور اپنی اُمّت کی ہر طرح خیر خواہی کی ہے اور آپؐ نے حق ادا کر دیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ۔ فَإِنَّ رِجَالًا يَزْعُمُونَ أَنَّ كُسُوفَ هٰذِهِ الشَّمْسِ
وَخُسُوفَ هٰذَا الْقَمَرِ وَزَوَالَ هٰذِهِ النُّجُومِ عَنْ مَطَالِعِهَا
لِمَوْتِ رِجَالٍ عُظَمَاءَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ كَذَبُوا
وَلٰكِنَّهَا آيَاتٌ مِّنْ آيَاتِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَعْتَبِرُ بِهَا
عِبَادَهُ فَيَنْظُرُ مَنْ يُّحْدِثُ مِنْهُمْ تَوْبَةً وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ
رَأَيْتُ مُنْذُ قُمْتُ أُصَلِّي مَا أَنْتُمْ لَاقُوهُ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ
وَآخِرَتِكُمْ وَإِنَّهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ
ثَلَاثُونَ كَذَّابًا آخِرُهُمُ الْأَعْوَرُ الدَّجَّالُ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ
الْيُسْرٰى كَأَنَّهَا عَيْنُ أَبِي تَحْيٰى لِشَيْخٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ بَيْنَهُ وَ
بَيْنَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِنَّهُ مَتٰى يَخْرُجُ فَإِنَّهُ يَزْعَمُ أَنَّهُ
اللّٰهُ فَمَنْ آمَنَ بِهِ وَصَدَّقَهُ وَاتَّبَعَهُ لَمْ يَنْفَعْهُ صَالِحٌ مِّنْ
عَمَلِهِ سَلَفَ ○ وَمَنْ كَفَرَ بِهِ وَكَذَّبَهُ لَمْ يُعَاقَبْ بِشَيْءٍ مِّنْ

عَمَلِهٖ سَلَفَ وَاِنَّهٗ سَيَظْهَرُ عَلَى الْاَرْضِ كُلِّهَا اِلَّا الْحَرَمَ
وَبَيْتَ الْمَقْدِسِ فَاِنَّهٗ يَحْصُرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ بَيْتِ
الْمَقْدِسِ فَيَتَزَلْزَلُوْنَ زِلْزَالًا شَدِيْدًا ثُمَّ يُهْلِكُهُ
اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَجُنُوْدَهٗ حَتّٰى اِنَّ اَصْلَ الْحَائِطِ لَيُنَادِىْ
يَا مُسْلِمُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا يَهُوْدِىٌّ اَوْ قَالَ هٰذَا كَافِرٌ
فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ ۝ وَلَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَرَوْا اُمُوْرًا
يَتَفَاقَمُ بَيْنَكُمْ هَلْ كَانَ نَبِيُّكُمْ ذَكَرَ لَكُمْ مِّنْهَا ذِكْرًا حَتّٰى
تَزُوْلَ جِبَالٌ عَنْ مَّرَاتِبِهَا ثُمَّ عَلٰى اِثْرِ ذٰلِكَ الْقَبْضُ ۝

(زاد المعاد)

امّا بعد! بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ سُورج اور چاند کو جو گرہن لگتا ہے یا جو ستارے ٹوٹتے ہیں یہ کسی بڑے آدمی کی موت سے تعلق رکھتے ہیں حالانکہ گمان قطعاً غلط ہے۔ یہ تو خدا کی نشانیاں ہیں جس سے اس کے سمجھدار بندے عبرت حاصل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ اور خدا کی قسم جب سے میں نماز میں کھڑا ہوں، میں نے وہ تمام امور دیکھے جو تمہیں دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تیس ۳۰ جھوٹے (مدعیانِ نبوّت) ظاہر نہ ہوں۔ ان میں آخری کذّاب یک چشم دجّال ہوگا، جس کی بائیں آنکھ چوپٹ ہوگی۔ ابو تحیہ کی آنکھ کی طرح ہے۔ ابو تحیہ ایک انصاری بوڑھا تھا جو اس وقت آپؐ کے اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ظاہر ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ سو جس نے اس کی تصدیق اور پیروی کی اس کے تمام پچھلے اعمالِ حسنہ ضائع ہو جائیں گے، اور جس نے اس دعویٰ کو جھٹلایا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ وہ حرم اور بیت المقدس کے سوا تمام زمین پر غالب آئے گا۔ وہ بیت المقدس میں تمام مسلمانوں کو محصور کر لے گا جہاں انہیں سخت مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے لشکر کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ اس وقت ہر دیوار سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان، اے مومن! دیکھو یہاں ایک یہودی (یا کافر) ہے جلدی آؤ اُسے قتل کر دو۔ دجّال کے خرُوج سے پہلے تم میں بڑے بڑے فتنے برپا ہوں گے، جن کے متعلّق تم ایک دوسرے سے دریافت کرو گے کہ کیا نبی کریمؐ نے اس کی بابت کچھ ارشاد فرمایا تھا یا نہیں! ان فتنوں کی وجہ سے پہاڑ (جیسے اولوالعزم لوگ بھی) اپنی جگہوں سے ٹل جائیں گے۔ اس کے بعد نوعِ انسانی کا بس خاتمہ ہے۔

۴۷

پھر دجال کا ذکر

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہُوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر دجّال کا ذکر کرتے ہُوئے فرمایا :

اِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْہُ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ ـ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَہٗ ـ وَلٰکِنِّیْ سَاَقُوْلُ لَکُمْ فِیْہِ قَوْلًا لَمْ یَقُلْہُ نَبِیٌّ لِقَوْمِہٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِاَعْوَرَ ۝

(متفق علیہ)

میں تمھیں اس سے ڈرا رہا ہُوں ہر نبی نے اپنی قوم کو (دجّال سے اور اس کے فتنے سے) ڈرایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کو اس سے متنبّہ فرماتے رہے لیکن میں تمھیں اس کی ایک ایسی علامت بتلاتا ہُوں جو کسی نبی نے اپنی اُمّت کو نہیں بتلائی۔ تم جان لو کہ وہ کانا ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ کانا نہیں (وہ ہر نقص سے پاک ہے)۔

۴۸

آخرت یقینی ہے

مندرجہ ذیل خطبہ نبوت کے ابتدائی دور کا ہے جو قریشِ مکہ کے سامنے دیا گیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَّا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَّا غَرَرْتُکُمْ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً، وَاِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ وَلَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسُّوْءِ سُوْٓءًا وَّاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا ۝

(جمہرۃ الخطب)

قافلے کا سالار اپنے ہی ساتھیوں کو جھوٹی خبر کبھی نہیں دیتا۔ خدا کی قسم، اگر میں سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار ہو جاتا تب بھی تم سے خلافِ واقعہ بات نہ کرتا۔ اور اگر سب لوگوں کو دھوکا دینے پر بھی آمادہ ہوتا تو تم کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالتا۔ اُس خدا کی قسم جو وحدہٗ لاشریک ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور باقی تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہُوں، بخدا تم کو ضرور ایک دن مرجانا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ روز سوتے ہو، اور پھر بلاشبہ زندہ ہونا ہے جیسا کہ روز خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ اور تمہارے اعمال کا ضرور محاسبہ ہوگا، نیکی کا بدلہ نیکی اور بُرائی کا بدلہ بُرائی مل کر رہے گا اس وقت یا ہمیشہ کے لیے جنت ملے گی یا ابدی جہنم۔

۴۹

فکرِ آخرت

رسولِ خدا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ مدینہ میں وارد ہونے سے پہلے قبا میں قیام فرمایا، اور یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر یہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ بنوسالم بن عوف کے ہاں بطنِ وادی میں قیام پذیر ہُوئے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ کا بیان ہے کہ ذیل کا خطبہ یہیں ارشاد فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ فَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ تَعْلَمُنَّ وَاللّٰهِ لَیُصْعَقَنَّ اَحَدُکُمْ ثُمَّ لَیَدَعَنَّ غَنَمَهٗ لَیْسَ لَهَا رَاعٍ۔ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَهٗ رَبُّهٗ لَیْسَ لَهٗ تَرْجُمَانٌ وَّلَا حَاجِبٌ یَحْجُبُهٗ دُوْنَهٗ۔ اَلَمْ یَأْتِکَ رَسُوْلِیْ فَبَلَّغَکَ؟ وَاٰتَیْتُکَ مَالًا وَّ اَفْضَلْتُ عَلَیْکَ۔ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِکَ؟ فَلَیَنْظُرَنَّ یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا فَلَا یَرٰی شَیْئًا۔ ثُمَّ لَیَنْظُرَنَّ قُدَّامَهٗ فَلَا یَرٰی غَیْرَ جَهَنَّمَ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّتَّقِیَ بِوَجْهِهٖ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِّنْ تَمْرَةٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ۔ فَاِنَّهَا تُجْزَی الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِأَتِه ضِعْفٍ۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ (زاد المعاد)

اے لوگو! مرنے سے پہلے اپنے لئے کچھ سامان کر لو۔ تم کو معلوم ہو جائے گا، بخدا تم میں سے ہر ایک شخص پر موت کی بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ اور اپنی بکریوں (مال مویشی) کو بغیر نگہبان کے چھوڑ جائے گا۔ پھر خدا اس سے پُوچھے گا جس کو نہ ترجمان کی ضرورت ہے نہ دربان کی حاجت۔ کیا میرے رسولؐ نے آ کر تمہیں میرے احکام نہیں پہنچائے تھے اور میں نے تم کو دولت نہیں دی تھی اور اپنے فضل و کرم سے نوازا نہیں تھا؟ پس بتاؤ تم نے اپنے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ اُس وقت وُہ حیران ہو کر دائیں بائیں دیکھے گا کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر سامنے کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو صرف دوزخ ہی دکھائی دے گا۔ پس جس کو توفیق ہو وہ اپنے آپ کو اس آگ سے بچا لے، گو کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔ اور جس کو یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کہہ کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچا لے۔ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گُنا سے لے کر سات سو تک دیا جائے گا۔

والسلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

۵۰

آخرت کی تیاری

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک روز نمازِ عصر کے بعد رسولِ خدا خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات بیان کیے۔ آپؐ نے فرمایا :

اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَّاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ہ اَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْیَا ہ وَاتَّقُوا النِّسَآءَ ہ وَذَکَرَ اَنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ ہ لِوَآءً یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ فِی الدُّنْیَا ہ وَلَا غَدْرَ اَکْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّۃِ ہ یُغْرَزُ لِوَآءُہٗ عِنْدَ اِسْتِہٖ ہ قَالَ وَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ ھَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَہٗ۔

یقیناً دنیا ایک ہری بھری اور شیریں چیز ہے۔ اللہ عنقریب اس میں تم کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہے۔ پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پس تم دنیا سے اور عورتوں سے بچتے رہنا۔ اور آپ نے ذکر فرمایا ہر عہد شکن کے لیے قیامت میں دنیا میں ان کی عہد شکنی کے بقدر ایک جھنڈا ہو گا۔ اور کوئی عہد شکنی حکمران کی عہد شکنی سے بڑھ کر نہ ہو گی اس کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے جبکہ اسے معلوم ہو نہ روکے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر برائی کو دیکھے تو اسے بدل ڈالے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ (آپؐ نے فرمایا):

اَلَا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

خبردار! سب سے بہتر جہاد یہ ہے کہ انسان ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے۔

یہ سُن کر ابوسعید (راوی) رونے لگے اور کہا ہم نے (خلافِ شرع) بات دیکھی اور لوگوں کی ہیبت نے اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے سے باز رکھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مزید فرمایا):

اَلَا اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی ہ فَمِنْھُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا ہ وَمِنْھُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا ہ وَمِنْھُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا ہ وَمِنْھُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا۔ وَّیَحْیٰی کَافِرًا۔ وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا ہ قَالَ وَذَکَرَ الْغَضَبَ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ۔ سَرِیْعَ الْفَیْءِ فَاِحْدٰھُمَا بِالْاُخْرٰی ہ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ بَطِیْءَ الْفَیْءِ فَاِحْدٰھُمَا بِالْاُخْرٰی ہ وَخِیَارُکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ

وَشِرَارُکُمْ مَنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ ۔بَطِیَٔ الْفَیْئِ قَالَ اِتَّقُوا الْغَضَبَ ۔ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ ٥ اَلَا تَرَوْنَ اِلَی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ ۔ وَحُمْرَةِ عَیْنَیْهِ ۔فَمَنْ اَحَسَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ فَلْیَضْطَجِعْ وَلْیَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ ٥

جان لو، لوگ مختلف طبقات میں پیدا کیے گئے ہیں ان میں بعض تو مومن پیدا ہوتے ہیں، مومن جیتے ہیں اور مومن ہی مرتے ہیں۔ اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر ہی مرتے ہیں۔ بعض مومن پیدا ہوتے ہیں مومن جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر جیتے ہیں اور مرتے مومن ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آپؐ نے غصہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کو جلدی غصہ آتا ہے اور جلدی رفع بھی ہو جاتا ہے تو یہ ایک دوسرے کا بدلہ ہو گیا۔ بعض لوگ ایسے ہیں جن کو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں جاتا ہے تو یہ بھی ایک دوسرے کا بدلہ ہو گیا۔ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جنہیں غصہ دیر سے آئے اور جلدی دُور ہو جائے۔ اور بدترین لوگ وہ ہیں جن کو غصہ جلدی آئے اور دیر سے دُور ہو۔ فرمایا تم غصہ سے بچتے رہو وہ بنی آدم کے دل پر ایک چنگاری ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ بس جس کسی کو غصہ آئے اس کو چاہیے کہ لیٹ جائے اور زمین پر بیٹھ جائے۔

پھر آپؐ نے قرض کی ادائیگی کا ذکر کیا اور فرمایا:

مِنْکُمْ مَنْ یَّکُوْنُ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَاِذَا لَهٗ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی ٥ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ سَیِّیَٔ الْقَضَآءِ وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِی الطَّلَبِ۔ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی ٥ وَخِیَارُکُمْ مَنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ ۔اَحْسَنَ الْقَضَآءَ ۔وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِی الطَّلَبِ وَشِرَارُکُمْ مَنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ ۔اَسَآءَ الْقَضَآءَ وَاِنْ کَانَ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ۔

تم میں سے بعض ایسے ہیں جو ادائیگی میں اچھے ہوتے ہیں لیکن اگر ان کا کوئی مقروض ہوتا ہے تو تقاضے میں سختی کرتے ہیں۔ پہلی صفت دوسرے کے معاوضہ میں ہے (یعنی کوئی خوبی نہیں ہے) تم میں سے بعض ایسے ہیں جو ادائیگی میں بُرے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ان کا کوئی مقروض ہوتا ہے تو تقاضے میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔ پہلی صفت دوسرے کے معاوضے میں ہے۔ تم میں بہترین شخص وُہ ہے جب وُہ کسی کا مقروض ہو تو بھلے طریقے سے ادا کر دے۔ اور اس کا قرض اگر کسی پر ہو تو تقاضا میں نرم تر ہو۔ اور تم میں سے بدترین شخص وُہ ہے جب وہ کسی کا مقروض ہو تو بُرے طریقے سے ادا کرے اور اس کا قرض کسی پر ہو تو تقاضے میں سختی برتے۔

حتیٰ کہ جب دُھوپ کھجور کے درختوں کی چوٹیوں پر اور دیواروں کے پہلوؤں پر رہ گئی تو آپؐ نے فرمایا:

اَمَا اِنَّهٗ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا فِیْمَا مَضٰی فِیْهَا ۔ اِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنْ یَّوْمِکُمْ هٰذَا فِیْمَا مَضٰی مِنْهُ (ترمذی مُسند احمد)

سارے دن کے مقابلے میں جتنا وقت اب باقی رہ گیا ہے اتنا ہی زمانہ ابتدائے دنیا سے اب تک کے وقت کے مقابلے میں قیامت آنے میں باقی رہ گیا۔

۵۱

شرعی حدود

ایک موقع پر آپؐ نے صحابہؓ کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا جس کا موضوع دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی لازوال زندگی ہے:

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ مَعَالِمَ فَانْتَهُوْا اِلٰی مَعَالِمِكُمْ وَاِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوْا اِلٰی نِهَايَتِكُمْ - اِنَّ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ - بَيْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی لَا يَدْرِیْ مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِهٖ وَبَيْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ لَا يَدْرِیْ مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِيْهِ - فَلْيَاْخُذِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهٖ لِنَفْسِهٖ وَمِنْ دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَمِنَ الشَّيْبَةِ قَبْلَ الْكِبَرِ وَمِنَ الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَوْتِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَّلَا بَعْدَ الدُّنْيَا دَارٌ اِلَّا الْجَنَّةُ اَوِ النَّارُ ۔ (مواہب الفتحیہ)

لوگو! تمہارے لئے شرعی حدود مقرر ہو چکی ہیں پس ان تک پہنچ کر تم کو رک جانا چاہیے اور تمہارے لیے (عالم آخرت) ایک منتہیٰ ہے۔ پس تم (عمل صالح کرکے) وہاں پہنچو۔ مسلمان دو خوفناک حالتوں کے درمیان ہے۔ ایک گزری ہوئی حالت، نہ معلوم خداوند تعالیٰ اس کا کیا کرنے والا ہے۔ ایک آنے والی حالت، معلوم نہیں اللہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے۔ پس چاہیے کہ انسان اپنے لیے اپنا توشہ تیار کرے اور دنیا میں رہ کر اپنی عاقبت سنوار لے۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی میں اور موت سے پہلے زندگی میں عمل صالح کرے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مر چکنے کے بعد عتاب اور خجالت دور کرنے کا کوئی موقع نہ ملے گا۔ نہ دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سوا کوئی تیسرا ٹھکانا ہوگا۔

۵۲

موت کی یاد

یہ خطبہ کسی میت کو دفن کرنے کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں موت کی یاد دلا کر مسلمانوں کو نیک عمل کی نصیحت کی گئی ہے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ کَاَنَّ الْمَوْتَ فِیْهَا عَلٰی غَیْرِنَا قَدْ کُتِبَ وَ کَاَنَّ الْحَقَّ فِیْهَا عَلٰی غَیْرِنَا قَدْ وَجَبَ وَکَاَنَّ الَّذِیْ نُشَیِّعُ مِنَ الْاَمْوَاتِ سَفْرٌ عَمَّا قَلِیْلٍ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ نُبَوِّئُهُمْ اَجْدَاثَهُمْ وَ نَاْکُلُ مِنْ تُرَاثِهِمْ کَاَنَّا مُخَلَّدُوْنَ بَعْدَهُمْ وَنَسِیْنَا کُلَّ وَاعِظَةٍ وَّ اَمِنَّا کُلَّ جَائِحَةٍ۔ طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَهٗ عَیْبُهٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ طُوْبٰی لِمَنْ اَنْفَقَ مَالًا اِکْتَسَبَهٗ مِنْ غَیْرِ مَعْصِیَةٍ۔ وَجَالَسَ اَهْلَ الْفِقْهِ وَالْحِکْمَةِ وَ خَالَطَ اَهْلَ الذُّلِّ وَ الْمَسْکَنَةِ۔ طُوْبٰی لِمَنْ زَکَتْ وَ حَسُنَتْ خَلِیْقَتُهٗ وَطَابَتْ سَرِیْرَتُهٗ۔ وَ عَزَلَ عَنِ النَّاسِ شَرَّهٗ۔ طُوْبٰی لِمَنْ اَنْفَقَ مِنْ مَّالِهٖ وَ اَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ وَ وَسِعَتْهُ السُّنَّةُ وَلَمْ تَسْتَهْوِهِ الْبِدْعَةُ ٥ (کنز العمال)

لوگو! (ہماری غفلت کا یہ حال ہے) گویا موت ہمارے لئے نہیں، بلکہ فقط دُوسروں کے لئے مقرر ہو چکی ہے، اور گویا حقوق کی ادائیگی ہم پر نہیں، بلکہ تنہا دُوسرے لوگوں پر واجب ہے، اور جن مُردوں کے ساتھ ہم قبرستان تک آتے ہیں، گویا وُہ چند دن کے مسافر ہیں جو واپس ہو کر ہم سے ملیں گے، ہم ان کو تو قبر میں دفن کر دیتے ہیں، اور ان کا مال ایسے اطمینان سے کھاتے ہیں گویا ہم کو ان کے بعد دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ نصیحت کی ہر بات ہم بُھلا بیٹھے،

اور ہر آفت کی طرف سے مطمئن ہو چکے۔ مبارکباد ہے اس شخص کے لیے جو اپنے عیوب پر نظر کر کے دُوسروں کی عیب جوئی سے بچ رہا۔ مبارکباد ہے اس کے لیے جس نے حلال کی کمائی خدا کی راہ میں خرچ کی، علماءؒ اور عقلمندوں کی ہمنشینی اختیار کی، اور غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ مِلتا جُلتا رہا۔ مبارک ہے وُہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں، دل پاکیزہ ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ مبارک ہے وہ شخص جو ضرورت سے بچا ہُوا مال خدا کی راہ میں خرچ کرے اور فضول گفتگو سے پرہیز رکھے۔ راہِ شریعت پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہو، اور بدعت اُسے اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔

۵۳

جنگِ موتہ

جنگِ موتہ کے موقع پر اسلامی لشکر جہاد پر جا چکا تھا۔ اسی اثنا میں ایک روز آنحضور ؐ نے صحابہؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگ جمع ہوئے تو آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:

بَابُ خَيْرٍ بَابُ خَيْرٍ بَابُ خَيْرٍ۔ أُخْبِرُكُمْ عَنْ جَيْشِكُمْ هٰذَا الْغَازِي۔ إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا فَلَقُوا الْعَدُوَّ وَقُتِلَ زَيْدٌ شَهِيدًا (وَاسْتَغْفَرَ لَهُ) ثُمَّ أَخَذَ اللِّوَاءَ جَعْفَرٌ فَشَدَّ عَلَى الْقَوْمِ حَتّٰى قُتِلَ شَهِيدًا (فَشَهِدَ لَهُ بِالشَّهَادَةِ وَاسْتَغْفَرَ لَهُ) ثُمَّ أَخَذَ اللِّوَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأَثْبَتَ قَدَمَيْهِ حَتّٰى قُتِلَ شَهِيدًا (فَاسْتَغْفَرَ لَهُ) ثُمَّ أَخَذَ اللِّوَاءَ خَالِدُ بْنُ وَلِيدٍ وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْأُمَرَاءِ مِثْلُهُ هُوَ قَرَّ نَفْسَهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِكَ فَأَنْتَ تَنْصُرُهُ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ سُمِّيَ خَالِدٌ سَيْفُ اللّٰهِ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوا فَأَمِدُّوا إِخْوَانَكُمْ وَلَا يَتَخَلَّفَنَّ مِنْكُمْ أَحَدٌ فَنَفَرُوا مُشَاةً وَرُكْبَانًا۔ وَذٰلِكَ فِي حَرٍّ شَدِيدٍ۔

خیر کا دروازہ، بھلائی کا دروازہ، نیکی کا دروازہ۔ سنو! میں تمہارے غازی لشکر کی (جو موتہ کی طرف گیا ہے) خبر دیتا ہوں وہ گئے اور دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ (سردارِ لشکر) حضرت زیدؓ شہید کر دیئے گئے (آپؐ نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی)، پھر حضرت جعفرؓ نے سرداری کا جھنڈا بلند کیا اور بڑے زور کا حملہ کیا حتّٰی کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ (آپؐ نے ان کی شہادت کی گواہی دی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی) پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا تھاما۔ قدم جما کر خوب جہاد کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے (آپؐ نے ان کے لیے بھی دعائے مغفرت فرمائی، پھر جھنڈا خالدؓ بن ولید نے تھام لیا۔ دادِ شجاعت میں امرائیں سے کوئی ان جیسا نہ تھا۔ انھوں نے مستقل مزاجی دکھائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الٰہی وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تو ہی اس کی مدد فرمائے گا۔ اسی دن سے ان کا نام خالد سیف اللہ ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہی صبح اپنے ان بھائیوں کی مدد کے لیے آگے بڑھ جاؤ۔ دیکھو کوئی ایک بھی تم میں پیچھے نہ رہ جائے۔ پس پیدل اور سوار، سب لوگ روانہ ہو گئے۔ یہ موسم شدید گرمی کا تھا۔

۵۴

آخری وصیتیں

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے بعد مدینہ واپس آئے تو منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَاضٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍؓ فَاعْرِفُوا لَهُ ذٰلِكَ۔ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَاضٍ عَنْ عُمَرَؓ وَعُثْمَانَؓ وَعَلِيٍّؓ وَطَلْحَةَؓ وَالزُّبَيْرِؓ وَسَعْدٍؓ وَسَعِيدٍؓ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍؓ وَأَبِي عُبَيْدَةَؓ فَاعْرِفُوا لَهُمْ ذٰلِكَ۔ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لِأَهْلِ بَدْرٍ وَالْحُدَيْبِيَةِ۔ اِحْفَظُونِي فِي أَصْحَابِي وَأَصْهَارِي وَأَخْتَانِي لَا يُطَالِبَنَّكُمْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَظْلِمَةٍ فَإِنَّهَا مَظْلِمَةٌ لَا تُوهَبُ فِي الْقِيَامَةِ غَدًا ۝ (طبرانی)

لوگو! میں ابوبکرؓ سے راضی ہوں۔ تم ان کا یہ حق ہمیشہ مانتے رہنا۔ اے لوگو! میں عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور ابوعبیدہ سے خوش ہوں تم ان کا بھی لحاظ رکھنا۔ اے لوگو! بدر اور حدیبیہ میں شمولیت کرنے والے میرے تمام اصحاب کو خدا نے بخش دیا ہے۔ لوگو! میرے اصحاب کے معاملہ میں، میری سسرال کے معاملہ میں اور میرے دامادوں کے معاملہ میں میری حفاظت کرنا یعنی ان میں سے کسی کو بُرا نہ کہنا۔ ان کے حقوق تسلیم کرنا، ان کی عزت کرنا۔ دیکھو ان میں سے کسی کو تم ایذا نہ دینا۔ یہ وہ جرم ہے جس کا مطالبہ وہ بروزِ قیامت کریں گے اور خدا کی طرف سے معافی نہ ہوگی۔

۵۵

حکمرانوں کی اطاعت

حضرت ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ پاکؐ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَا اِنِّیْ اُوْشِکُ فَاُدْعٰی فَاُجِیْبُ ۔ فَیَلِیْکُمْ عُمَّالٌ مِّنْ بَعْدِیْ یَعْمَلُوْنَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَیَعْمَلُوْنَ بِمَا تَعْرِفُوْنَ وَطَاعَۃُ اُولٰٓئِکَ طَاعَۃٌ ۔ فَتَلْبَثُوْنَ کَذٰلِکَ زَمَانًا فَیَلِیْکُمْ عُمَّالٌ مِّنْ بَعْدِھِمْ یَعْمَلُوْنَ بِمَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَیَعْمَلُوْنَ بِمَا لَا تَعْرِفُوْنَ ۔ فَمَنْ قَادَھُمْ وَنَاصَحَھُمْ فَاُولٰٓئِکَ قَدْ ھَلَکُوْا وَاَھْلَکُوْا وَخَالِطُوْھُمْ بِاَجْسَادِکُمْ وَزَایِلُوْھُمْ بِاَعْمَالِکُمْ وَاشْھَدُوْا عَلَی الْمُحْسِنِ اَنَّہٗ مُحْسِنٌ وَّعَلَی الْمُسِیْٓءِ ۔ (طبرانی)

ممکن ہے میں جلدی خدا کے پاس بُلا لیا جاؤں اور اس بلاوے پر لبیک کہوں۔ میرے بعد تمہیں ایسے حکمران ملیں گے جو وہی کام کریں گے جو تم کرو گے اور جن کے اعمال وہ ہوں گے جنہیں تم جان پہچان لو گے۔ ان کی اطاعت اطاعت ہے کچھ عرصہ تم اسی طرح رہو گے پھر ان کے بعد تمہیں ایسے حکمران ملیں گے جو ایسے کام کریں گے جنہیں تم نہیں جانتے اور ایسے کام کریں گے جنہیں تم نہیں پہچانتے۔ پس جو ان کی قیادت کرے اور ان کی خیر خواہی کرے پس یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا۔ ان سے جسمانی رابطہ رکھو مگر عملی زندگی سے دُور رہو اور جو بھلا آدمی ہے اس پر گواہی دو کیونکہ وہ محسن ہے اور گناہ گار و خطاکار کی برائی کے گواہ رہو۔

۵۶

آخری نصیحتیں

آخری علالت کے دوران میں جب آپؐ کو افاقہ ہوتا تھا نماز کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت فضل بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخار کی حالت میں سر پہ پٹی باندھے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "اے فضل! میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد لے چلو۔" آپؐ مسجد میں رونق افروز ہوئے تو لوگ حاضر ہوئے۔ آپؐ نے منبر پہ چڑھ کر فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ! اِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکُمُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاِنَّہٗ قَدْ دَنَا مِنِّیْ خُفُوْقٌ مِنْ بَیْنِ اَظْھُرِکُمْ فَمَنْ کُنْتُ جَلَدْتُ لَہٗ ظَھْرًا فَھٰذَا ظَھْرِیْ فَلْیَسْتَقِدْ مِنْہُ ۔ وَمَنْ کُنْتُ شَتَمْتُ لَہٗ عِرْضًا فَھٰذَا عِرْضِیْ فَلْیَسْتَقِدْ مِنْہُ ۝ وَمَنْ اَخَذْتُ لَہٗ مَالًا فَھٰذَا مَالِیْ فَلْیَاْخُذْ مِنْہُ وَلَا یَخْشَ الشَّحْنَآءَ مِنْ قِبَلِیْ فَاِنَّھَا لَیْسَتْ مِنْ شَاْنِیْ ۝ اَلَا وَاِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ مَنْ اَخَذَ مِنِّیْ حَقًّا اِنْ کَانَ لَہٗ اَوْحَلَّلَنِیْ فَلَقِیْتُ رَبِّیْ وَاَنَا طَیِّبُ النَّفْسِ ۔ وَقَدْ اَرٰی اَنَّ ھٰذَا غَیْرُ مُغْنٍ عَنِّیْ حَتّٰٓی اَقُوْمَ فِیْکُمْ مِرَارًا ۝

لوگو! میں تمہارے سامنے اس خدائے واحد کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور (کہتا ہوں کہ) میں تم سے غائب ہونے والا ہوں۔ تو جس کی پُشت پر مَیں نے کوڑا مارا ہو یہ میری پشت حاضر ہے اس لیے بدلہ لے لے، اور جس کو نامناسب بات کہی ہو وہ بھی اپنا بدلہ لے لے۔ اگر کسی سے مال لیا ہو تو وُہ آج اپنا حق میرے مال میں سے وصول کر لے، اور میری طرف سے کینہ جوئی کا وہم نہ کرے، کیونکہ یہ میری عادت نہیں۔ تم میں سے وہ شخص مجھے زیادہ محبوب ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے یا معاف کر دے تاکہ میں خوش و خرّم اپنے پروردگار سے جا ملوں۔ میں سمجھتا ہُوں کہ اس قدر کہنا کافی نہیں ہے۔ مجھے چند مرتبہ یہ اعلان کرنا پڑے گا۔

پھر منبر سے اُتر کر آپؐ نے ظُہر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد دوبارہ منبر پر رونق افروز ہُوئے اور اسی مضمون کو دُہرایا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی: یارسول اللہؐ! ایک دفعہ جنابؐ نے مجُھ سے تین درہم قرض لیے تھے جواب تک ادا نہیں ہُوئے۔ آپؐ نے اُس کو وہ درہم دے دیے۔ پھر فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ! مَنْ کَانَ عِنْدَہٗ شَیْءٌ فَلْیُؤَدِّہٖ وَلَا یَقُلْ فُضُوْحُ الدُّنْیَا ۔ اَلَا وَاِنَّ فُضُوْحَ الدُّنْیَا اَھْوَنُ مِنْ فُضُوْحِ الْاٰخِرَۃِ ۝ (طبری ج ۲ ص ۱۹)

لوگو! جس کے پاس کسی کی کوئی چیز ہو تو اسے ادا کرے اور دنیا کی فضیحت سے نہ ڈرے کیونکہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی

سے بہت ہلکی ہے۔
پھر شہدائے اُحد کے لیے مغفرت طلب کر کے آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ ۝

ایک بندہ کو خدا تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ دُنیا لے لے یا وُہ جو اللہ کے پاس ہے، تو اس نے وہی پسند کیا جو خدا کے پاس ہے۔

یہ سُن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ رو پڑے اور کہا: ہم اور ہمارے والدین آپؐ پر فدا ہوں۔ حاضرین کو تعجب ہوا کہ آنحضرتؐ تو کسی شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں اس میں رونے کی کون سی بات ہے! لیکن صدیقِ اکبرؓ کے ذہنِ رسا نے تاڑ لیا تھا کہ وہ شخص خود سرورِ دو عالمؐ ہیں۔ پھر آپؐ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ ۝ لَا يُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ۔
(بخاری شریف)

میں سب سے زیادہ جس کے مال اور صحبت کا ممنون ہوں وُہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی شخص کو دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی برادری کافی ہے۔ ابو بکرؓ کے دریچہ کے سوا مسجد کے رُخ کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے۔

۵۷

موت کی دعوت قبول

حیاتِ مبارک کے آخری ایام میں جب آپؐ مرض الموت میں گرفتار ہوئے، زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اَلَا اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یُوْشِكُ اَنْ یَّاْتِیَ رَسُوْلُ رَبِّیْ فَاُجِیْبَ وَاَنَا تَارِكٌ فِیْكُمْ ثَقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ فِیْهِ الْهُدٰی وَالنُّوْرُ مَنِ اسْتَمْسَكَ بِهٖ وَاَخَذَ بِهٖ كَانَ عَلَی الْهُدٰی وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰی كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَیْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔ (مسلم شریف)

اے لوگو! میں ایک انسان ہوں، عنقریب میرے پاس میرے رب کا بھیجا ہوا ملک الموت آنے والا ہے اور میں اس کی دعوت قبول کر کے یہاں سے وہاں جانے والا ہوں۔ لیکن میں تم میں دو موقر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان دونوں میں سے پہلی تو کتاب اللہ قرآن کریم ہے، یہی اللہ تعالیٰ کی رسّی ہے۔ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ جو اس کو مضبوطی سے تھامے گا اور اس پر عامل رہے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ پس تم کتاب اللہ کو پکڑے رہو، مضبوط تھامے رہو۔ آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے پر ابھارا اور اس کی رغبت دلائی۔ اس کے بعد فرمایا: (دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

۵۸

حوضِ کوثر

بیماری کے ایام ہی میں ایک روز آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ بَلَغَنِیْ اَنَّکُمْ تَخَافُوْنَ مِنْ مَّوْتِ نَبِیِّکُمْ ۝ ھَلْ خَلَدَ نَبِیٌّ قَبْلِیْ فِیْمَنْ بُعِثَ اللّٰہُ ۝ فَاَخْلُدَ فِیْکُمْ ؟ اَلَا اِنِّیْ لَاحِقٌ بِرَبِّیْ ۝ وَاِنَّکُمْ لَاحِقُوْنَ بِیْ ۝ فَاُوْصِیْکُمْ بِالْمُھَاجِرِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ خَیْرًا ۝ وَاُوْصِی الْمُھَاجِرِیْنَ فِیْمَا بَیْنَھُمْ ۝ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ وَاِنَّ الْاُمُوْرَ تَجْرِیْ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۝ وَلَا یَحْمِلَنَّکُمْ اسْتِبْطَاءُ اَمْرٍ عَلٰی اسْتِعْجَالِہٖ ۝ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَا یُعَجِّلُ بِعُجْلَۃِ اَحَدٍ ۝ وَمَنْ غَالَبَ اللّٰہَ غَلَبَہٗ ۝ وَمَنْ خَادَعَ اللّٰہَ خَدَعَہٗ ۝ فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَکُمْ ۝ وَاُوْصِیْکُمْ بِالْاَنْصَارِ خَیْرًا ۝ فَاِنَّھُمُ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۝ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَیْھِمْ اَلَمْ یُشَاطِرُوْکُمْ فِی الثِّمَارِ ۝ اَلَمْ یُوَسِّعُوْا لَکُمْ فِی الدِّیَارِ ۝ اَلَمْ یُؤْثِرُوْکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَبِھِمُ الْخَصَاصَۃُ ۝ اَلَا فَمَنْ وُلِّیَ اَنْ یَّحْکُمَ بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَلْیَقْبَلْ مِنْ مُّحْسِنِھِمْ وَلْیَتَجَاوَزْ عَنْ مُّسِیْئِھِمْ ۝ اَلَا فَلَا تَسْتَاْثِرُوْا عَلَیْھِمْ ۝ اَلَا وَاِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ ۝ وَاَنْتُمْ لَاحِقُوْنَ بِیْ ۝ اَلَا فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ ۝ اَلَا فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّرِدَہٗ عَلَیَّ غَدًا فَلْیَکْفُفْ یَدَہٗ وَلِسَانَہٗ اِلَّا فِیْمَا یَنْبَغِیْ ۝ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ الذُّنُوْبَ تُغَیِّرُ النِّعَمَ فَاِذَا اَبَرَّ النَّاسُ بَرَّتْھُمْ اَئِمَّتُھُمْ وَاِذَا فَجَرَ النَّاسُ عَقُّوْا اَئِمَّتَھُمْ۔ (سیرت النبویہ والآثار المحمدیہ از سید احمد الزینی)

اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی اپنی اُمت میں ہمیشہ رہا جو میں رہتا۔ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو۔ میں تمہیں پہلے پہل ہجرت کرنے والے مہاجرین کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، اور خود ان مہاجرین کو بھی آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ خیرخواہی کی وصیت کرتا ہُوں۔ جناب باری جل وعلا کا فرمان ہے، قسم ہے زمانے کی، انسان سب گھاٹے اور نقصان میں ہیں بجز اُن لوگوں کے جو ایمان دار اور نیک کار ہیں اور ایک دُوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ تمام کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے ہیں۔ کسی کام کی دیر تمہیں اُس کی جلدی پر آمادہ نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی جلدی پر جلدی کرنے پر مجبور نہیں جو اللہ پر غالب ہونے کی کوشش کرے وہ خود ہی مغلوب ہو جاتا ہے اور جو خدا کو دھوکا دینے کی کوشش کرے وُہ خود دھوکا کھا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اُلٹے پھر جاؤ اور زمین میں

فساد پھیلاتے اور رشتہ داریاں توڑتے رہو۔ میں تمہیں انصار کے ساتھ بھی بھلائی سے پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں یہی ہیں جنہوں نے تم سے پہلے (تمہارے لیے) گھر تیار کیا اور ایمان لائے تم ان کے ساتھ احسان وسلوک ہی کرتے رہنا۔ کیا انھوں نے تمہیں اپنے پھلوں میں شریک نہیں کر لیا ؛ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لیے وسعت نہیں کر دی ؛ کیا باوجود اپنی ضرورتوں کے انہوں نے تمہیں خود پر ترجیح نہیں دی ؛ تم میں سے جو شخص دو انسانوں کے درمیان فیصلہ کرنے پر مامور ہُوا ہے چاہیے کہ وہ ان میں سے بھلائی کرنے والے کی بھلائی کو قبول کرے اور ان میں سے بُرائی کرنے والے کی برائی سے تجاوز کرتا رہے۔ دیکھو ان پر کسی اور کو اختیار نہ کرنا۔ میں تم سے آگے جا رہا ہُوں تم بھی میرے بعد میرے پیچھے ہی آ رہے ہو۔ ہمارے ملنے کی جگہ حوضِ کوثر ہے تم میں سے جو چاہتا ہو کہ وہ کل (قیامت کو) مجھ سے حوضِ کوثر پر ملے اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو اپنے قبضے میں رکھے سوائے نیک کاموں کے اُن سے کوئی اور کام نہ لے۔ لوگو! گناہوں سے خدا کی نعمتیں ہٹ جاتی ہیں متغیر ہو جاتی ہیں۔ لوگ جب تک نیک رہتے ہیں ان کے حکمران ان کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے مگر جب لوگ گناہ کرنے لگیں گے تو ان کے حکمران ان کے نافرمان ہو جائیں گے۔

۵۹

آخرت

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم مرض الموت میں مسجد میں تشریف لائے اور آپؐ کے سر میں پٹی بندھی تھی۔ ہم سب اس وقت مسجد ہی میں تھے۔ آپؐ منبر کی طرف گئے اور اس پر تشریف فرما ہُوئے۔ ہم منبر کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا :

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ۔ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مُّقَامِیْ
ھٰذَا ۔ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَیْہِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُھَا
فَاخْتَارَ الْاٰخِرَۃَ ۔ (دارمی)

خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ٹھیک یہاں سے اپنے
حوضِ کوثر کو برابر دیکھ رہا ہوں ۔ سُنو ایک بندے پر دنیا اور اس کی
زینت اور آخرت پیش کی گئی لیکن اُس نے آخرت کو اختیار کیا۔

راوی کا بیان ہے اس فرمان کے نکتے تک کسی کی رسائی نہ ہوئی سوائے حضرت ابو بکرؓ کے۔ ان کی آنکھیں ساون بھادوں برسانے لگیں۔ اور زبان کہنے لگی کہ اللہ کے رسولؐ ! نہیں نہیں، بلکہ ہم آپ پر اپنی ماؤں کو ' اپنے باپوں کو اپنی جانوں کو اور اپنے مال کو فدا کردیں گے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم منبر پر سے اُتر آئے اس وقت سے لے کر آخری دم تک پھر کبھی آپؐ منبر پر کھڑے نہیں ہُوئے۔

۶۰

موت کا وقت

دمِ نزع انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ اِذَا کَانَ فِیْ اِنْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَاِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَیْهِ مَلٰٓئِکَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ بِیْضُ الْوُجُوْهِ کَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ کَفَنٌ مِّنْ اَکْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوْطٌ مِّنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ۔ حَتّٰی یَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ۔ وَیَجِیْٓءُ مَلَکُ الْمَوْتِ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَتّٰی یَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ۔ فَیَقُوْلُ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ اُخْرُجِیْٓ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔ قَالَ فَتَخْرُجُ فَتَسِیْلُ کَمَا تَسِیْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِی السِّقَآءِ فَیَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ یَدَعُوْهَا فِیْ یَدِهٖ طَرْفَةَ عَیْنٍ حَتّٰی یَاْخُذُوْهَا فَیَجْعَلُوْهَا فِیْ ذَالِكَ الْکَفَنِ وَفِیْ ذَالِكَ الْحَنُوْطِ۔ وَیَخْرُجُ مِنْهُ کَاَطْیَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ۔ قَالَ فَیَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا یَمُرُّوْنَ عَلٰی مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّیِّبُ؟ فَیَقُوْلُوْنَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهِ الَّتِیْ کَانَ یُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا۔ حَتّٰی یَنْتَهُوْا بِهَآ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا۔ فَیَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَیُفْتَحُ لَهٗ۔ فَیُشَیِّعُهٗ مِنْ کُلِّ سَمَآءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَی السَّمَآءِ الَّتِیْ تَلِیْهَا۔ حَتّٰی یُنْتَهٰی بِهَآ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ اُکْتُبُوْا کِتَابَ عَبْدِیْ فِیْ عِلِّیِّیْنَ وَاَعِیْدُوْهُ اِلَی الْاَرْضِ فِیْ جَسَدِهٖ (ثُمَّ ذَکَرَ سُوَالَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَغَیْرَهٗ کَمَا مَرَّ) قَالَ وَیَاْتِیْهِ رَجُلٌ۔ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّیَابِ طَیِّبُ الرِّیْحِ فَیَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِیْ یَسُرُّكَ۔ هٰذَا یَوْمُكَ الَّذِیْ کُنْتَ تُوْعَدُ فَیَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ الْحَسَنُ یَجِیْٓئُ بِالْخَیْرِ۔ فَیَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ۔ فَیَقُوْلُ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ۔ حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰٓی اَهْلِیْ وَمَالِیْ ٥ وَاِنَّ الْعَبْدَ الْکَافِرَ اِذَا کَانَ فِیْ اِنْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَاِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ۔ نَزَلَ اِلَیْهِ مَلٰٓئِکَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ۔ فَیَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ۔ ثُمَّ یَجِیْٓئُ مَلَکُ الْمَوْتِ حَتّٰی یَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ۔ فَیَقُوْلُ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اُخْرُجِیْٓ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ۔ فَتَفَرَّقُ فِیْ جَسَدِهٖ فَیَنْتَزِعُهَا کَمَا یُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَیَاْخُذُهَا۔ فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ یَدَعُوْهَا فِیْ یَدِهٖ طَرْفَةَ عَیْنٍ۔ حَتّٰی یَجْعَلُوْهَا فِیْ تِلْكَ الْمُسُوْحِ۔ وَیَخْرُجُ مِنْهَا کَاَنْتَنِ جِیْفَةٍ وُّجِدَتْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ۔ فَیَصْعَدُوْنَ بِهَا۔ فَلَا یَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰی مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذِهِ الرِّیْحُ الْخَبِیْثَةُ؟ فَیَقُوْلُوْنَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ۔ بِاَقْبَحِ اَسْمَآئِهِ الَّتِیْ کَانَ یُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا۔ حَتّٰی یُنْتَهٰی بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا۔ فَیَسْتَفْتِحُ لَهٗ فَلَا یُفْتَحُ لَهٗ۔ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِىْ سِجِّيْنٍ فِى الْاَرْضِ السُّفْلٰى ثُمَّ تُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا۔ ثُمَّ قَرَاَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ہ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِىْ جَسَدِهٖ (ثُمَّ ذَكَرَ سُؤَالَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَجَوَابَهٗ وَعَذَابَ الْقَبْرِ عَلَيْهِ كَمَا مَرَّ) وَيَاْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيْحِ۔ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِىْ يَسُوْؤُكَ اَبْشِرْ بِهَوَانٍ مِّنَ اللّٰهِ وَعَذَابٍ مُّقِيْمٍ۔ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِىْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَبَشَّرَكَ اللّٰهُ بِالشَّرِّ مَنْ اَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ الْقَبِيْحُ - يَجِيْئُ بِالشَّرِّ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ كُنْتَ بَطِيْئًا فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ سَرِيْعًا فِىْ مَعْصِيَتِهٖ۔ فَجَزَاكَ اللّٰهُ شَرًّا۔ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ۔

بندۂ مومن کا جب دُنیا سے جانے اور آخرت سے قریب ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس کے پاس آسمان سے فرشتے اترتے ہیں چمکتے ہُوئے نورانی سفید چہروں والے گویا کہ ان کے چہرے سورج کی طرح منوّر ہیں۔ اُن کے ساتھ جنّت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ یہ سب اُس سے حدِ نگاہ کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی وقت ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور مرنے والے کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے پاک رُوح نکل اور چل اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف۔ آپؐ نے فرمایا یہ سُنتے ہی اُس کی رُوح (آسانی کے ساتھ) جسم سے باہر ہو جاتی ہے جیسے مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے اور ملک الموت اسے تھام لیتے ہیں۔ جب ملک الموت اس کو پکڑتے ہیں تو دُوسرے فرشتے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے وُہ اسے لے کر اس کفن اور اس خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں روئے زمین پر پائی جانے والی عمدہ ترین کستوری جیسی خوشبو اس سے نکلتی ہے۔ اب یہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں وہ ان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ پاک رُوح کس کی ہے؟ یہ اُس کا وہ بھلا نام بتلاتے ہیں جس سے وُہ دنیا میں مشہور تھا۔ اسی طرح آسمانِ اوّل تک پہنچتے ہیں۔ اُسے کھولنے کو کہتے ہیں چنانچہ وہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے مقرب فرشتے اگلے آسمان تک اس کے ساتھ چلتے ہیں حتّٰی کہ (اسی طرح) اسے ساتویں آسمان پر پہنچایا جاتا ہے۔ پھر جنابِ باری عزّ و جلّ فرماتا ہے میرے اس بندے کی کتاب علیین میں لکھ لو اور اسے اس کے جسم میں زمین کی جانب لوٹا دو (اس کے بعد آپؐ نے فرشتوں (منکر نکیر) کے ان سوالوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے (جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے) اس کے پاس ایک بہت ہی خوب صورت، بہترین لباس پہنے ہوئے، خوشبو سے مہکتا ہوا ایک شخص آتا ہے اور اس سے کہتا ہے بشارت ہو تجھے ہر اس چیز کی جس سے تُو خوش ہو یہی وُہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا یہ اس سے پُوچھتا ہے تُو کون ہے؟ تیرا خوب صورت چہرہ اچھی خبر لایا ہے۔ وُہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو یہ (مارے خوشی کے) کہنے لگتا ہے کہ الٰہی! قیامت جلدی قائم کر دے۔ الٰہی قیامت جلدی

قائم کر دے تاکہ میں اپنے گھر والوں میں جا بیٹھوں اور اپنے مال کو پالوں۔ کافر بندہ جب دُنیا سے جانے والا اور آخرت سے قریب ہونے والا ہوتا ہے تو (خوفناک) سیاہ چہروں والے فرشتے (جہنمی) ٹاٹ لیے ہوئے آتے ہیں اور اس سے حدِ نگاہ کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ اے ناپاک خبیث روح نکل اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب و غصہ کی طرف چل۔ یہ سنتے ہی وہ رُوح جسم میں اِدھر اُدھر چھپنے لگتی ہے۔ ملک الموت علیہ السلام اسے اس طرح کھینچ لیتے ہیں جس طرح بھیگی ہُوئی اُون میں سے گوشت بُھوننے کی سیخ کھینچی جاتی ہے۔ پس وہ اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ جب وہ اس کو پکڑتے ہیں (دوسرے) فرشتے ایک لمحہ بھی اسے ان کے پاس نہیں چھوڑتے اور اس جہنمی ٹاٹ میں اسے لپیٹ لیتے ہیں اور رُوئے زمین پر پائے جانے والے کسی مردار کی بدترین بدبو جیسی بدبُو اس سے نکلتی ہے (فرشتے) اب اسے لے کر اوپر چڑھنے لگتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی وہ گزرتے ہیں وُہ ان سے پُوچھتی ہے کہ یہ اتنی بُری بُو کیسی ہے؟ یہ اس کا وہ بدترین نام بتا دیتے ہیں جس نام سے یہ دنیا میں مشہور تھا۔ اسی طرح وہ اسے لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں لیکن کھولا نہیں جاتا۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ یہ جنت میں جا سکتے ہیں جب تک کہ سُوئی کے ناکے میں اونٹ نہ چلا جائے۔ اسی وقت جنابِ باری کا فرمان صادر ہوتا ہے کہ اس کی کتاب سب سے نیچے کی زمین سجّین میں لکھ لو۔ پھر وہیں سے اس کی رُوح پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: خدا کے ساتھ جس نے شرک کیا گویا کہ وُہ آسمان سے گر گیا۔ اب خواہ اسے راستے میں سے ہی پرندے اُچک لیں یا ہوا اڑا کر کسی خطرناک دُور دراز کے گڑھے میں پھینک دے۔ اب اس کی رُوح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے (پھر آپؐ نے فرشتوں کے سوال اور اس کے جواب اور عذابِ قبر کا بیان فرمایا جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے) پھر اس کے پاس نہایت ہی خوفناک سیاہ شکل والا بدترین لباس پہنے ہوئے اور بدبو کے بھبکے اڑاتا ہوا ایک شخص آتا ہے اور اس سے کہتا ہے: خوشخبری ہو تجھے ہر اس چیز کی جو تجھے بُری لگے، خوشخبری ہو تجھے اللہ کی طرف سے ذلت و رسوائی اور مستقل عذاب کی۔ آج وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ شخص کہتا ہے: برائی کی بشارت تجھی کو ہو، تُو ہے کون؟ تیرا چہرہ بہت بدصورت ہے جو بُری چیز لے کر آیا ہے۔ وہ کہے گا: میں تیرا بُرا عمل ہوں۔ تُو اللہ کی اطاعت میں دیر کرنے والا اور اس کی نافرمانی میں تیز تھا۔ اللہ تجھے اس کی بُری جزا دے۔ اس پر وہ شخص کہے گا: الٰہی! قیامت کو قائم نہ کر۔

۶۱

موت کے بعد، قبر میں

ایک مرتبہ رسولِ خدا نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہؓ اس وقت کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ چونکہ مسجد تھی اور سب لوگ نماز کے لیے جمع ہوئے تھے، اس لیے آپؐ کو یہ ہنسی ناگوار گزری۔ اس موقع پر آپؐ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَىٰ فَأَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ أَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ - وَ أَنَا بَيْتُ التُّرَابِ - وَأَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ - فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّ أَهْلًا - أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ إِلَيَّ فَإِذْ وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهٖ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّ لَا أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ إِلَيَّ - فَإِذْ وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتّٰى يَلْتَقِيَ عَلَيْهِ وَ تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهٗ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِيْ جَوْفِ بَعْضٍ ٥

اگر تم لذتوں کا قلع قمع کرنے والی موت کو پیش نظر رکھتے تو یہ موت تمہیں اس چیز سے ہٹا دیتی جو میں تم میں دیکھ رہا ہوں۔ ان لذتوں کا قلع قمع کر دینے والی موت کو کثرت سے یاد کرو۔ کیونکہ قبر سے ہر روز آواز آتی ہے کہ میں غربت اور تنہائی کا گھر ہوں، یہ خاک (میں ملا کر خاک بنا دینے) والا مکان ہوں۔ میں کیڑوں والا مسکن ہوں پس جب کوئی مومن قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس سے کہتی ہے: مرحبا! آنا مبارک ہو، میری پشت پر چلنے پھرنے والوں میں سے تم مجھے زیادہ محبوب تھے، آج جبکہ تم مجھے ملے ہو میرا سلوک دیکھ لو گے۔ پھر اس کے لیے حدِ نظر تک فراخ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جب کوئی بد عمل یا کافر دفن ہوتا ہے تو قبر اسے دھتکار کر کہتی ہے، تجھے فراخی اور اکرام نصیب نہ ہو، میری پشت پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھا، آج جبکہ تو میرے قابو میں آیا ہے تجھے میرا سلوک معلوم ہو جائے گا۔ پھر قبر سمٹ کر اسے بھینچتی ہے حتّٰی کہ اس کی پسلیاں توڑ پھوڑ کر ایک دوسری میں داخل کر دیتی ہے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ اس موقعہ پر آپؐ نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر بتایا کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں اس طرح داخل ہو جائیں گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

وَيُقَيَّضُ لَهٗ سَبْعُوْنَ تِنِّيْنًا لَّوْ أَنَّ وَاحِدًا مِّنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَيْئًا مَّا بَقِيَتِ

الدُّنْیَا فَیَنْھَشْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی یُفْضٰی بِہٖ اِلَی الْحِسَابِ ٥

اور اس کے لیے ننّانوے ایسے زہریلے اژدہے مقرر کیے جاتے ہیں کہ ان میں کا ایک بھی اگر دنیا میں پھنکار مار جائے تو رہتی دنیا تک زمین پر کوئی چیز نہ اُگے۔ حشر تک وہ اژدہے اُسے ڈستے اور نوچ نوچ کر کھاتے رہیں گے۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ ٥ (ترمذی)

قبر یا تو جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں کا ایک گڑھا ہے۔

۶۲

عذابِ قبر

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کا انتقال ہوگیا۔ ہم ان کے جنازے میں گئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ قبرستان پہنچے تو ابھی (لحد) قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ بیٹھ گئے ہم بھی آپؐ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ہم سب یوں خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپؐ زمین پر پھیر رہے تھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر بعد آپ نے سرؐ اٹھایا اور فرمایا: لوگو! عذابِ قبر سے خدا کی پناہ مانگو۔ دو یا تین مرتبہ یہ حکم دیا، پھر مندرجہ ذیل وعظ بیان فرمایا:

إِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ٥ حِيْنَ يُقَالُ لَهٗ يَا هٰذَا مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ وَ
مَنْ نَّبِيُّكَ؟ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ مُنْكَرٌ وَّ نَكِيْرٌ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ
رَبِّيَ اللّٰهُ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ
بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ وَ اٰمَنْتُ
وَصَدَّقْتُ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي
الْاٰخِرَةِ۔ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ۔ فَافْرُشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ۔ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ۔
وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ۔ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا۔ وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ۔ وَاِنَّ
الْكَافِرَ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ۔ قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ ٥ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ مُنْكَرٌ وَّ نَكِيْرٌ فَيُجْلِسَانِهٖ
فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ۔ فَيَقُوْلَانِ مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ۔
فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ
اَنْ قَدْ كَذَبَ فَافْرُشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ۔ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا
وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ۔ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى
اَبْكَمُ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَّصَارَ تُرَابًا۔ فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَّسْمَعُهَا مَنْ
بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔

لوگ جب میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں ابھی ان کی جوتیوں کی آہٹ وہ سُن ہی رہا ہوتا ہے کہ اسے کہا جاتا ہے: اے شخص! بتلا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ اس کے پاس

دُو فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں : تیرا رب کون ہے ؟ وہ کہتا ہے : میرا رب اللہ ہے۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں : تیرا دین کیا ہے ؟ وہ کہتا ہے : میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں : یہ شخص جو تمہاری طرف بھیجا گیا کون ہے ؟ وہ شخص کہتا ہے : وُہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ فرشتے اس سے پُوچھتے ہیں : یہ تجھے کیسے معلوم ہُوا ؟ وُہ کہتا ہے : میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اُسے سچّا جانا۔ ایک روایت میں مزید یہ ہے کہ یہی مطلب ہے اس آیت کا، جس میں فرمانِ خداوندی ہے کہ اللہ پاک ایمان والوں کو سچی اور مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اسی وقت آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرے اس بندے نے سچ کہا ہے اس کے لیے جنتی فرش بچھا دو۔ اسے جنتی لباس پہنا دو۔ اس کی قبر میں سے جنّت کی طرف دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنّت کی تازہ ہوا اور خوشبُو اُسے پہنچنے لگتی ہے اور حدِ نگاہ تک اس کی قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ کافر کی موت اور اس موت کی سختی اور بُرائی بیان فرما کر آپ نے فرمایا کہ قبر میں اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دُو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں اُسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے ؟ وُہ (گھبرا کر) کہتا ہے : ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا۔ پھر پُوچھتے ہیں : تیرا دین کون سا ہے ؟ وُہ پھر کہتا ہے : ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا۔ فرشتے پھر پُوچھتے ہیں : ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے ؟ وُہ کہتا ہے : ہائے ہائے میں یہ بھی نہیں جانتا۔ اسی وقت آسمان سے آواز آتی ہے کہ یہ جھُوٹا ہے اس کے لیے جہنّم کا بستر بچھا دو اسے جہنّمی لباس پہنا دو۔ اور اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جہنّم کی حرارت اور گرم ہوا اسے پہنچنے لگتی ہے اور اس کی قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ دائیں جانب کی پسلیاں بائیں پسلیوں میں اور بائیں طرف کی دائیں طرف گھس جاتی ہیں۔ پھر اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو نابینا اور بہرہ ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گھن (بڑا ہتھوڑا) ہوتا ہے کہ اگر وُہ اسے کسی پہاڑ پر مار دے تو وُہ مٹّی بن جائے۔ اس سے وُہ اسے مارتا ہے جس کی آواز مشرق و مغرب والے سب سُنتے ہیں سوائے انسانوں اور جنّوں کے۔ اس سے وہ مٹّی بن جاتا ہے لیکن پھر اس میں رُوح لوٹائی جاتی ہے' (اور یہی عذاب اسے ہوتا رہتا ہے)۔

۶۳

قبر کی آزمائش

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک یہودیہ عورت اللہ واسطے کچھ مانگنے کے لیے آئی اور کہا کہ مجھے کھلا دو، اللہ تعالیٰ تمہیں دجال کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے ایک خیال سا بندھ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے بطور تعجب اس یہودیہ عورت کا یہ قول نقل کیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت (واپس لوگوں کے مجمع میں جاکر) کھڑے ہوکر (خطبہ دینے لگے پہلے تو) آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے فتنۂ دجال اور عذابِ قبر سے پناہ مانگی۔ پھر یہ ارشاد فرمایا:

اَمَّا فِتْنَةُ الدَّجَّالِ فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ إِلَّا حَذَّرَ أُمَّتَهُ وَسَأُحَذِّرُكُمْ بِحَدِيْثٍ لَمْ يُحَذِّرْهُ نَبِيٌّ أُمَّتَهُ إِنَّهُ أَعْوَرُ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ۔ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ فَبِيْ يُفْتَنُوْنَ۔ وَعَنِّيْ يُسْأَلُوْنَ فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهٖ غَيْرَ فَزِعٍ وَّلَا مَشْعُوْفٍ۔ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ فِيْمَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَيُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَتُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ فَيُقَالُ لَهٗ انْظُرْ إِلٰى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ ثُمَّ تُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا۔ فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَيُقَالُ عَلَى الْيَقِيْنِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَّشْعُوْفًا فَيُقَالُ لَهٗ فِيْمَا كُنْتَ تَقُوْلُ فَيَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ كَمَا قَالُوْا فَيُفْرَجُ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا۔ فَيُقَالُ لَهٗ انْظُرْ إِلٰى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ۔ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ وَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا۔ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ۔ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُعَذَّبُ۔

(ابوداوٗد۔ بیہقی)

جہاں تک فتنۂ دجال کا تعلق ہے، ہر نبی اپنی اُمت کو اس فتنے سے ہوشیار کرتا رہا۔ میں تمہیں اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی اور نبی نے اپنی اُمت سے بیان نہیں کی، وہ نشانی یہ ہے کہ دجال کانا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے، اور اس کی آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا ہے جسے ہر مومن پڑھ لے گا۔ رہا فتنۂ قبر، تو وہاں میری ذات سے ان کی آزمائش کی جائے گی۔ اور میری بابت ان سے سوال کیا جائے گا

نیک شخص کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ آرام اور اطمینان سے، بغیر گھبراہٹ اور پریشانی کے۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو اسلام کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پھر کہا جاتا ہے: یہ صاحب جو تمہارے درمیان تھے کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ آپ خدا کے رسول محمدؐ ہیں' ہمارے پاس خدائی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ اس پر اس کی قبر میں سے ایک کھڑکی دوزخ کی طرف کھل جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کو کھائے جا رہا ہے۔ اُسے کہا جاتا ہے کہ دیکھ اس کی طرف جس اللہ تعالیٰ نے تجھے نجات دی پھر اس کی قبر میں سے ایک دروازہ جنّت کی طرف کھل جاتا ہے اور یہ خود اس کی تر و تازگی اور جو کچھ اس میں ہے دیکھتا ہے اس وقت اسے کہا جاتا ہے کہ تیرا ٹھکانا یہ ہے۔ تو یقین پر ہی زندہ تھا، یقین پر ہی مرا۔ اور ان شاٗ اللہ یقین پر ہی تو اٹھایا جائے گا۔ ہاں جب انسان بُرا ہوتا ہے اُسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو وہ گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ہوش سا ہوتا ہے۔ اس سے پُوچھا جاتا ہے تُو کیا کہتا تھا؟ وُہ جواب دیتا ہے کہ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سُنا تھا وہی میں بھی کہتا تھا۔ اب اس کی قبر میں جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے، یہ اس کی نعمتوں اور راحتوں کو دیکھتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے دیکھ ان چیزوں کو جو اللہ نے تجھ سے دُور کر دیں۔ پھر اس کی قبر کا ایک دروازہ جہنم کی طرف کھولا جاتا ہے یہ اسے دیکھتا ہے کہ پانی کے تلاطم کی طرح آگ اُوپر تلے ہو رہی ہے تو اُسے کہا جاتا ہے کہ اب تیرا ٹھکانا یہی ہے۔ تُو شک پر تھا، شک میں مرا اور اِن شاٗ اللہ تعالیٰ شک ہی پر قبر سے بھی اُٹھے گا۔ پھر اُسے عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

۶۴

حشر میں احتساب

حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولِ خداؐ نے کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپؐ نے مسلمانوں کو افتراق اور دنیوی عیش و عشرت میں منہمک ہونے سے بچنے کی تلقین کی ——— حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ٥ أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ٥ أَلَا وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ مِنْهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُقَالُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ـ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ـ فَيُقَالُ لِي إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ ٥

(مسلم شریف)

اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پیر، برہنہ تن، بے ختنہ ہوئے زندہ ہو کر جمع ہو گے (جیساکہ فرماتا ہے) جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی تھی ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہے کہ ہم ضرور کریں گے۔ آگاہ ہو جاؤ، قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ آگاہ رہو، میری اُمت کے کچھ لوگ بائیں طرف سے لائے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے پروردگار! یہ میرے ساتھی ہیں۔ جواب ملے گا: تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا ہے۔ تو میں بھی وہی کہوں گا جو اللہ کا نیک بندہ (حضرت عیسیٰؑ) کہے گا کہ جب تک میں ان میں موجود تھا اُن کے اعمال دیکھتا رہا۔ جب تُو نے مجھے ان سے بالکل جُدا کر لیا پھر تُو ہی ان کا نگہبان تھا اور تُو ہر چیز پر شاہد ہے۔ اگر ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تُو غالب حکمت والا ہے۔ مجھے جواب ملے گا کہ تیرے بعد یہ لوگ برابر ایڑیوں کے بل پیچھے کو پھر گئے تھے۔

۶۵

حشر میں شفاعتِ رسولؐ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: ایک روز رسولِ خداؐ نے نمازِ فجر پڑھائی اور وہیں بیٹھے رہے۔ جب خوب دن چڑھ آیا تو آپؐ ہنسے، لیکن وہیں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں مگر کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ گھر جانے لگے تو صحابہؓ نے مجھ سے کہا: آپ حضورؐ سے پوچھیں آج کیا بات ہے؟ اس طرح تو کبھی نہیں ہوا ——— حضورؐ نے یہ سُنا، تو قبل اس کے کہ صدیق اکبرؓ کچھ سوال کرتے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عُرِضَ عَلَيَّ مَا هُوَ كَائِنٌ مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ فَجُمِعَ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ۔ حَتّٰى انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ وَالْعَرَقُ يَكَادُ يُلْجِمُهُمْ فَقَالُوْا يَا اٰدَمُ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ۔ اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ۔ فَقَالَ قَدْ لَقِيْتُ مِثْلَ الَّذِيْ لَقِيْتُمْ۔ اِذْهَبُوْا اِلٰى اَبِيْكُمْ بَعْدَ اَبِيْكُمْ اِلٰى نُوْحٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۝ فَيَنْطَلِقُوْنَ اِلٰى نُوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ فَاَنْتَ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ وَاسْتَجَابَ لَكَ فِيْ دُعَائِكَ فَلَمْ يَدَعْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔ فَيَقُوْلُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِيْ فَانْطَلِقُوْا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَهٗ خَلِيْلًا فَيَنْطَلِقُوْنَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُوْلُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِيْ فَانْطَلِقُوْا اِلٰى مُوْسٰى فَاِنَّ اللّٰهَ كَلَّمَهٗ تَكْلِيْمًا۔ فَيَنْطَلِقُوْنَ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُوْلُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِيْ وَلٰكِنِ انْطَلِقُوْا اِلٰى عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فَاِنَّهٗ كَانَ يُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَيُحْيِ الْمَوْتٰى۔ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِيْ وَلٰكِنِ انْطَلِقُوْا اِلٰى سَيِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اِنْطَلِقُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ فَلْيَشْفَعْ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ قَالَ فَيَنْطَلِقُوْنَ اِلَيَّ وَاٰتِيْ جِبْرِيْلَ فَيَاْتِيْ جِبْرِيْلُ رَبَّهٗ۔ فَيَقُوْلُ ائْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ فَيَنْطَلِقُ بِهٖ جِبْرِيْلُ۔ فَيَخِرُّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ۔ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَيَرْفَعُ رَاْسَهٗ۔ فَاِذَا نَظَرَ اِلٰى رَبِّهٖ خَرَّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ اُخْرٰى۔ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ۔ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَيَذْهَبُ لِيَقَعَ سَاجِدًا فَيَاْخُذُ جِبْرِيْلُ بِضَبْعَيْهِ وَيَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنَ الدُّعَاءِ مَا لَمْ يَفْتَحْ عَلٰى بَشَرٍ قَطُّ۔ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ جَعَلْتَنِيْ سَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَاَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔ حَتّٰى اَنَّهٗ لَيَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ اَكْثَرُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَاَيْلَةَ۔ ثُمَّ يُقَالُ ادْعُوا الصِّدِّيْقِيْنَ فَيَشْفَعُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ ادْعُوا الْاَنْبِيَاءَ۔ فَيَجِيْءُ النَّبِيُّ مَعَهُ الْعِصَابَةُ وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالسِّتَّةُ وَالنَّبِيُّ لَيْسَ

مَعَهٗ اَحَدٌ۔ ثُمَّ يُقَالُ اُدْعُوا الشُّهَدَآءَ فَيَشْفَعُوْنَ فِيْ مَنْ اَرَادُوْا فَاِذَا فَعَلَتِ الشُّهَدَآءُ ذَالِكَ۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا۔ اَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اَدْخِلُوْا جَنَّتِيْ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا۔ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا فِي النَّارِ هَلْ فِيْهَا مِنْ اَحَدٍ عَمِلَ خَيْرًا قَطُّ۔ فَيَجِدُوْنَ فِي النَّارِ رَجُلًا۔ فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُسَامِحُ النَّاسَ فِي الْبَيْعِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اَسْمِحُوْا لِعَبْدِيْ كَاِسْمَاحِهٖ اِلٰى عَبِيْدِيْ۔ ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ اٰخَرُ۔ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ۔ فَيَقُوْلُ لَا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اَمَرْتُ وَلَدِيْ اِذَا مِتُّ فَاَحْرِقُوْنِيْ بِالنَّارِ۔ ثُمَّ اطْحَنُوْنِيْ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ مِثْلَ الْكُحْلِ اِذْهَبُوْا بِيْ اِلَى الْبَحْرِ فَذَرُوْنِيْ فِي الرِّيْحِ۔ فَقَالَ اللّٰهُ لِمَ فَعَلْتَ ذَالِكَ؟ قَالَ مِنْ مَّخَافَتِكَ فَيَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰى مُلْكِ اَعْظَمِ مُلْكٍ۔ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَهٗ وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهٖ۔ فَيَقُوْلُ لِمَ تَسْخَرُ بِيْ، وَاَنْتَ الْمَلِكُ۔ فَذَالِكَ الَّذِيْ ضَحِكْتُ مِنْهُ مِنَ الْفَجْرِ۔ (مسند احمد)

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ اور آخرت آج میرے سامنے پیش کی گئی سارے اگلے پچھلے انسان ایک چٹیل میدان میں جمع کیے گئے۔ پسینے اُن کے مُنہ تک پہنچنے کو تھے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا کہ اے آدمؑ! آپ انسانوں کے باپ ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا۔ آپ خدا کے پاس ہماری سفارش کے لیے تشریف لے جائیے۔ لیکن حضرت آدمؑ نے فرمادیا کہ آج میں بھی تمہاری طرح مبتلا ہوں تم اپنے اس باپ کے بعد کے باپ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو، نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو برگزیدہ بنایا ہے اور سارے جہان پر انھیں عزت دی ہے۔ اب یہ سب حضرت نوحؑ کی طرف جائیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ خدا سے ہماری سفارش کیجیے کیونکہ آپ خدا کے پیارے ہیں آپ کی دعا قبول فرما کر جنابِ باری نے روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑا۔ لیکن وُہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے (بلے واسطہ) بات چیت کی تھی۔ سب اہلِ محشر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وُہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں تم حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے پاس جاؤ وُہ مادرزاد گونگے کو اور کوڑھیوں کو (بحکمِ خدا) اچھا بھلا کر دیتے تھے اور مُردوں کو (بحکمِ خدا) زندہ کر دیتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے اور فرمائیں گے: تم اولادِ آدم کے سردار کے پاس جاؤ وہی ہیں جو سب سے پہلے اپنی قبر سے نکلے ہیں جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کہ وہ تمہارے رب کے ہاں تمہاری سفارش کریں۔ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں جبریلؑ کے پاس جاؤں گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ انھیں شفاعت کی اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی سنا دو۔ حضرت جبریلؑ سے یہ خوشخبری سُن کر میں سجدے

میں گر پڑوں گا۔ تقریباً ایک ہفتے تک سجدے میں پڑا رہوں گا پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سُنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ آپ اپنا سر اٹھائیں گے اور جناب باری کی طرف نظر کر کے پھر سجدے میں چلے جائیں گے بقدر جمعہ سے جمعہ تک پھر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! سر اٹھایئے، کہیے آپ کی بات سُنی جائے گی، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اس نعمت پر پھر سجدے میں جانا چاہوں گا لیکن حضرت جبریل علیہ السلام میرے بازو تھام لیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھے وہ دعائیں سکھائے گا جو کسی انسان کو نہیں سکھائیں۔ پس آپ کہیں گے اے اللہ! تُو نے مجھے تمام اولادِ آدم کا سردار بنایا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، مجھے تُو نے سب سے پہلے قبر سے اٹھانے والا بنایا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں (چنانچہ اب میں شفاعت کروں گا) اس کے بعد میرے حوض پر لوگ آنے شروع ہوں گے جو صنعا سے لے کر ایلہ سے بھی زیادہ وسعت والا ہوگا۔ پھر کہا جائے گا کہ صدیق لوگوں کو بلاؤ وہ بھی شفاعت کریں۔ پھر کہا جائے گا نبیوں کو بلاؤ۔ انبیاؑ آنے شروع ہوں گے۔ کسی کے ساتھ تیس چالیس آدمی ہوں گے، کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ چھ کسی نبی کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا۔ پھر کہا جائے گا، شہیدوں کو بلاؤ کہ جس کی چاہیں شفاعت کریں۔ جب شہید یہ کر لیں گے تو جناب باری جل و علا فرمائے گا: میں ارحم الراحمین ہوں (حکم دیتا ہوں کہ) جن لوگوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ان سب کو جنت میں پہنچا دو۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو جہنم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے کبھی بھی کوئی بھلا کام کیا ہو؟ دیکھیں گے تو ایک شخص کو پائیں گے اس سے سوال ہوگا کہ تُو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا ہاں صرف یہ کہ میں بیوپار میں بہت نرمی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے اس بندے سے بھی نرمی کرو جیسے یہ میرے بندوں سے نرمی کیا کرتا تھا۔ اتنے میں ایک اور آدمی دوزخ سے نکلے گا اس سے پُوچھا جائے گا: تُو نے بھی کبھی کوئی نیک عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا نہیں سوائے اس کے کہ میں نے اپنی اولاد سے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا دینا پھر میری خاک کو پیس ڈالنا حتیٰ کہ جب میں سُرمے کی طرح ہو جاؤں تو سمندر کے کنارے جا کر تیز ہوا میں مجھے اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تُو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا: فقط تیرے ڈر سے۔ جنابِ باری فرمائے گا: دیکھو سب سے بڑا ملک دیکھ لو تیرے لیے وُہ ہے اور ویسے ہی دس ملک اور۔ تو وُہ کہے گا کہ الٰہی! تُو مجھ سے مذاق کیوں کر رہا ہے؟ تُو تو مالک ہے۔ اسی چیز نے صبح مجھ کو ہنسا دیا تھا۔

۶۶

شفاعتِ رسولؐ

قریش کے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آنحضورؐ کے رشتہ دار ہیں اور اس سبب سے آخرت میں وہ شفاعتِ رسولؐ کے مستحق ہوں گے۔ اس تصور کے پیشِ نظر ایک دن رسولؐ اللہ نے اپنے قریبی رشتہ داروں، اہلِ خاندان اور بعض قریبی قبائل کو جمع کیا اور ان کے سامنے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یا معشر عبد مناف انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ ضرًا ولا نفعًا۔ یا معشر بنی قصی انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ ضرًا ولا نفعًا۔ یا معشر بنی عبد المطلب انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم ضرًا ولا نفعًا۔ یا صفیہ عمۃ محمد انقذی نفسک من النار فانی لا املک من اللہ ضرًا ولا نفعًا۔ یا فاطمۃ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا املک لک ضرًا ولا نفعًا ان لک رحمًا وسابلہا ببلالہا۔ (ترمذی)

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنے کو خدا کی آگ سے نکالنے کا انتظام کر دو میں تم کو خدا کے سامنے کچھ بھی نفع اور نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ اے قصی کی اولاد، اے عبد المطلب کی، تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ میں خدا کے سامنے تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ اور اے صفیہ رسولِ خدا کی پھوپھی، اور اے فاطمہ رسولِ خدا محمدؐ کی بیٹی! تم بھی اپنے کو آگ سے بچاؤ کہ میں خدا کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ ہاں دنیا میں تو میری رشتہ داری ہے اور میں اُس کا حق ادا کرتا ہوں۔

۶۷

شفاعتِ رسولؐ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مَا بَالُ رِجَالٍ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْفَعُ قَوْمَهٗ بَلٰى وَاللّٰهِ اِنَّ رَحِمِیْ مَوْصُوْلَةٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاِنِّیْ اَیُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَّکُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَاِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَقَالَ اَخُوْهُ اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَالَ لَهُمْ اَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُهٗ وَلٰکِنَّکُمْ اَحْدَثْتُمْ بَعْدِیْ وَارْتَدَدْتُمُ الْقَهْقَرٰى۔ (مسند احمد)

لوگوں کا کیا حال ہے کہ وُہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے داری آپؐ کی قوم کو کچھ نفع نہ دے گی؟ ہاں سُنو، میری رشتے داری دنیا آخرت میں ملی ہُوئی ہے۔ لوگو! میں حوضِ کوثر پر تم سب کا میر سامان ہوں۔ جب تم آؤ گے تو لوگ مجھ سے کہیں گے کہ یا رسولؐ اللہ! میں فلاں کا بیٹا ہُوں، یا رسولؐ اللہ! میں فلاں بن فلاں ہُوں۔ میں جواب دُوں گا کہ ہاں نسب تو پہچان لیا لیکن تم نے میرے بعد بدعتیں نکال لی تھیں اور پچھلے پیروں لوٹتے گئے تھے۔

۶۸

حوضِ کوثر پر

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں لوگوں سے حوضِ کوثر کے متعلق سُنا کرتی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اس بارے میں سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک دن مشاطہ میرے بال گوندھ رہی تھی کہ مجھے آپؐ کی آواز سنائی دی:

اَیُّھَا النَّاس (اے لوگو!)

میں نے مشاطہ سے کہا چھوڑ دو کہ آپؐ کا وعظ سن سکوں۔ میں نے کان لگا کر سُنا تو آپؐ فرما رہے تھے:

اِنِّی لَکُمْ فَرَطٌ عَلَی الْحَوْضِ فَاِیَّایَ لَا یَأْتِیَنَّ اَحَدُکُمْ فَیُذَبَّ عَنِّیْ کَمَا یُذَبُّ الْبَعِیْرُ الضَّالُّ فَاَقُوْلُ فِیْمَ ھٰذَا فَیُقَالُ: اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا۔ (مسلم شریف)

میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیشرو ہوں۔ خبردار! تم ایسے نہ بنو کہ میرے پاس آنا چاہو تو اس طرح دور ہٹا دیے جاؤ جیسے پرایا اونٹ، اور جب میں دریافت کروں کہ ان سے یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے، تو مجھے جواب دیا جائے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو وطیرہ اختیار کیا تھا آپ کو معلوم نہیں۔ اور میں بھی کہوں کہ ہلاک ہو جائیں۔

۶۹

کتاب اللہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ فَرَطُکُمْ وَاِنَّکُمْ وَارِدُوْنَ عَلَیَّ الْحَوْضَ اَعْرَضَ مَا بَیْنَ صَنْعَآءَ وَبُصْرٰی فِیْهِ عَدَدُ النُّجُوْمِ قَدْحَانٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَاِنِّیْ سَآئِلُکُمْ حِیْنَ تَرِدُوْنَ عَلَیَّ عَنِ الثَّقَلَیْنِ۔ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تُخْلِفُوْنِیْ فِیْهِمَا الثِّقْلُ الْاَکْبَرُ کِتَابُ اللّٰهِ۔ سَبَبٌ طَرَفُهٗ بِیَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَیْدِیْکُمْ۔ فَاسْتَمْسِکُوْا بِهٖ وَلَا تَضِلُّوْا وَلَا تَبَدَّلُوْا وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ۔ فَاِنَّهٗ قَدْ نَبَّاَنِیَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ اَنَّهُمَا لَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ (کنز العمال)

اے لوگو! میں تم سب کے لیے (قیامت کے دن کا انتظام کرنے کے لیے) آگے جانے والا ہوں۔ میرے حوضِ کوثر پر تم سب آنے والے ہو، جس کی چوڑائی صنعاً سے لے کر بصرہ تک کی ہے۔ اس میں آسمان کے ستاروں جتنے چاندی کے کٹورے تیر رہے ہیں۔ جب تم حوضِ کوثر پر میرے پاس آؤ گے میں اس وقت تم سے دو اہم چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا۔ پس نگاہ رکھو تم اُن دونوں کے بارے میں میرے بعد کیسی کارروائی کرتے ہو؟ سب سے بڑی اہم اور وزنی چیز تو کتاب اللہ قرآنِ کریم ہے (جو خدائی رتی ہے) جس کا ایک سرا خود خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس تم کتاب اللہ کو مضبوط تھامے رہو، اس سے اِدھر اُدھر نہ ہونا، نہ اس میں کوئی تبدیلی کرنا۔ اور (دوسری چیز) میرا خاندان اور میرے اہلِ بیت ہیں، اللہ تعالیٰ جو باریک بیں اور باخبر ہے مجھے خبر دے چکا ہے کہ یہ دونوں (یعنی کتاب اللہ اور میرے اہلِ بیت) الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس میرے حوضِ کوثر پر آئیں۔

نوٹ: خطبہ حجۃ الوداع رسول نمبر ۴ میں آچکا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں، حالانکہ تم بے سروسامان تھے

(آلِ عمران : ۱۲۳)



اصحابِ بدر

رضی اللہ عنہم

اصحابِ بدر

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

غزوات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یہ غزوہ نہایت مشہور، نہایت متبرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور اظہارِ احسان فرمایا ہے۔
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی جبکہ تم بہت دبے ہوئے تھے۔
دوسرے مقام پر اسی غزوہ کو یوم الفرقان بھی فرمایا گیا ہے اس غزوہ کا فضل و شرف جملہ غزوات سے برتر ہے اور حُدیبیہ اس سے درجہ دوم پر ہے۔

یہ بیان کی گئی ہے کہ یہاں بدر بن یخلد بن النضر بن کنانہ آباد ہوا تھا۔ اسی کے نام سے مقام کا نام ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر بن حارث نے یہاں کنواں لگوایا تھا۔ بیر بدر کی وجہ سے اس جگہ کو بھی بدر کہنے لگے۔
جب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین صادقین مکہ کو چھوڑ کر مدینۃ النبیؐ میں آگئے تھے تب سے قریش نے ارادہ کر لیا تھا کہ فوجی طاقت سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو فنا کر دیا جائے اور ایسا ناگہانی حملہ کیا جائے جو مسلمانوں کو پامال ہی کر دے۔
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن کی طبائع سے واقف اور اُن کے ارادوں سے باخبر تھے اس لئے تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ہر اُس راستہ کی طرف جدھر سے اہل مکہ کا اقدام حملہ ہو سکتا تھا۔ سرورِ کائنات مسلمانوں کے جتھے روانہ کرتے اور اُس طرف کے قبائل کے ساتھ ناطرفدار رہنے کے معاہدات کرتے رہتے تھے۔
رمضان سنہ۱ھ میں امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس سواروں کے ساتھ سیف البحر کی طرف گشت لگانے گئے تھے اُن کو ابوجہل کا لشکر جس میں تین سو سوار تھے مل گیا۔ ابوجہل نے دیکھا کہ مسلمان ہوشیار ہیں اور ناگہانی حملہ ناممکن ہے لہٰذا وہ واپس چلا گیا۔
شوال سنہ۱ھ میں عبیدہ بن الحارث الہاشمی ساٹھ سواروں کو لے کر مدینہ منورہ سے گشت کو نکلے تو اُن کو بھی ابوسفیان دو سو سواروں کے ساتھ ثنیۃ المرہ کے راستہ پر آملا گیا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمان اس راہ سے بھی غافل نہیں وہ واپس چلا گیا۔
ذیقعد سنہ۱ھ میں سعد بن ابی وقاص اسّی سواروں کے ساتھ مدینہ سے گشت کو نکلے اور جحفہ تک انہوں نے چکر لگایا۔ دشمن نہیں ملا
اس سے تین ماہ بعد بماہ صفر سنہ۲ھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ستر سواروں کے ساتھ الابواء تک نہضت فرما ہوئے اور اس سفر میں عمرو بن مخشی الضمری سے معاہدہ ہوا کہ وہ غیر جانب دار رہے گا۔
ربیع الاوّل سنہ۲ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بواط تک سفر فرمایا۔ یہ مقام ینبوع بندرگاہ کے قریب ہے۔ راہ میں قافلہ قریش ملا جس کا سردار امیہ بن خلف تھا۔ اس کے ساتھ صرف ایک سو اشخاص تھے اور حضور کے ہمرکاب دو سو۔ چونکہ مسلمانوں کا مقصد خود کسی کو

چھیڑنا نہ تھا۔ اس لئے قافلہ نکل گیا اور حضور مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے۔

اسی مہینے میں کرز بن جابر الفہری نے مکہ سے نکل کر مدینہ تک کامیاب حملہ کیا اور اہل مدینہ کے مویشی کو مدینہ کے چراگاہ سے لوٹ کر لے گیا۔ اُس کا تعاقب بھی مقام سفوان تک کیا گیا مگر اسلامی لشکر ناکام رہا۔ سفوان بدر کے قریب ہے اس لئے اس کا نام بدرِ اولیٰ بھی مورخین نے لکھا ہے۔

اس حملہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت محسوس ہوئی کہ بنو مدلج اور بنو ضمرہ کے ساتھ ایک استوار معاہدہ غیر جانبدار رہنے کا کیا جائے۔ جمادی الآخر ۲ھ کو حضور ادھر نہضت فرما ہوئے اور معاہدہ ہو گیا۔

اسی ماہ جمادی الآخر کے آخر میں بارہ سواروں کا ایک جتھا عبداللہ بن جحشؓ کی سرداری میں بھیجا گیا۔ اُن کو قریش کا قافلہ مل گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف مسلمانوں نے تیر چلائے۔ قریش کا ایک آدمی مارا گیا اور دو کس قید ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا قریش کو ادا کر دیا اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ مسلمانوں نے یہ کام اجازت سے بڑھ کر کیا تھا۔

قریش نے تاوان تو وصول کر لیا مگر انہوں نے مسلمانوں کی معذرت کی کچھ قدر نہ کی اور یہ ارادہ کر لیا کہ اب مسلمانوں پر علانیہ حملہ کیا جائیگا۔

قوم کو جوش دلانے کے لئے ابوجہل نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ قریش کے اس قافلہ کو جو ابوسفیان کی ماتحتی میں شام سے آرہا ہے جس کا سرمایہ تجارت پچاس ہزار دینار ہے مسلمان لوٹنا چاہتے ہیں لہذا قافلہ کی حفاظت کے لئے جلد آگے بڑھنا چاہیئے اس کی تدبیر پر تدبیر سریع الاثر ثابت ہوئی اور ایک ہزار کا لشکر جو خوب مسلح تھا اور تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ان کے ساتھ تھے فراہم ہو گیا۔ قریش کے پندرہ سردار لشکر میں شامل ہو گئے اور ہر ایک نے وعدہ کیا کہ یکے بعد دیگرے تمام لشکر کی خوراک کے متکفل ہوں گے۔

ابوجہل مکہ سے چار پانچ منزل پر پہنچا تھا کہ اُسے اطلاع مل گئی کہ ابوسفیان والا قافلہ مع الخیر مکہ پہنچ گیا ہے۔ اہل لشکر نے ابوجہل سے کہا کہ اب ہم کو واپس چلنا چاہیئے کیونکہ ہمارا قافلہ بلا کسی گزند کے گھر پہنچ چکا ہے۔ ابوجہل نے کہا۔ ہاں یہ تو اچھا ہوا لیکن بہتر یہ ہے کہ یثرب کے قرب وجوار تک پہنچیں اور وہاں جشن شادی مرتب کریں۔ اس کا اثر گرد و نواح کے قبائل پر یہ پڑے گا کہ وہ مسلمانوں سے ہم عہد ہونا پسند نہ کریں گے اور مسلمان ہماری کثرت اور شوکت اور جشن کے حالات سن کر مرعوب ہو جائیں گے۔

اہل لشکر نے اس رائے سے اتفاق کر لیا اور اب یہ لشکر سمندر کا ساحل چھوڑ کر جدھر سے قافلہ کے لئے جا رہے تھے مدینہ کے رُخ کو ہو لیے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو حضور نے حکم دیا کہ جو اصحاب اس وقت جلد سے جلد چلنے پر تیار ہو سکتے ہیں وہ ہمرکاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل پڑیں۔ تین سو چودہ بزرگ جو اُس وقت روئے زمین پر بہترین بزرگ تھے حضور کے ساتھ روانہ ہو گئے اس تعداد میں مہاجرین ۸۳، اور انصار ۱۵۲، اوس ۶۱، خزرج ۹۱، اور متعلقین ہر دو قبائل ۹، تھے بعض روایات میں تعداد ۳۱۹ بعض میں ۳۱۵ بیان کی گئی ہے، ۳۱۹ کی روایت مسلم غالباً اُن بزرگوں سمیت ہے جو میدانِ جنگ میں تھے مگر بوجہ صغر سن اُن کو اجازتِ جنگ نہ دی گئی چونکہ ان بزرگوں کو بھی واقعات کی تفصیلی اطلاع نہ تھی اس لئے ان میں سے بھی اکثر کا گمان یہی تھا کہ حضور قافلہ پر حملہ آور ہونے

کو جا رہے ہیں۔ وہ دل ہی میں خوش تھے کہ قافلہ ہی سے مڈبھیڑ ہو۔ کیونکہ مسلمان بلحاظ جنگی ساز و سامان کے مکمل نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ ہی میں مطلع فرما دیا تھا کہ حملہ آور دشمن سے جنگ کے لیے جانا ہے۔

مجلس شوریٰ

سرداران مہاجرین و انصار کی مجلس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی اور اس معاملہ کو شوریٰ میں پیش کر دیا۔

سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ نے اور بعد ازاں عمر فاروقؓ نے گفتگو فرمائی۔ دونوں تقریریں نہایت دلچسپ تھیں۔

بعد ازاں مقداد بن عمرو انصاری نے کہا، یا رسول اللہ جو حکم آپ کو اللہ تعالیٰ سے ملا ہے اس کے لیے سوار ہو جایئے۔ ہم لوگ بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا خدا جاؤ۔ اور لڑو ہم تو بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق و صداقت کیساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ برکۃ الغماد (اقصائے یمن کا ایک مقام ہے) تک جائیں گے تو ہم ساتھ ساتھ ہوں گے اور حضور کو درمیان میں لیتے ہوئے آگے پیچھے۔ دائیں بائیں جنگ کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اس تقریر پر روشن ہو گیا۔ انصار کے لیے شمولیت جنگ کا یہ پہلا موقعہ تھا اور انصار میں سے کوئی کوئی ایسا بھی تھا جو جنگ کو پسند نہ کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر انصار کی طرف رُخ فرما کر دریافت کیا کہ کیا رائے ہے تو سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ کیا حضورؐ کو ہماری رائے کی ضرورت ہے؟

”بخدا ہمارا حضور پر ایمان ہے۔ ہم نے حضور کی تصدیق کی ہے اور شہادت دی ہے کہ حضور جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے ہم نے قبل ازیں سمع و طاعت کے معاہدات بھی حضور سے کیے ہیں لہٰذا ہماری عرض یہ ہے کہ حضور کا جو ارادہ ہے اُسی کے مطابق عمل فرمایا جائے۔“

دوسری روایت میں سعد بن معاذ کے یہ الفاظ بھی ہیں۔ کیا حضور کا یہ خیال ہے کہ انصار حضور کا ساتھ صرف اپنے ہی وطن دیا کریں گے میں اس وقت انصار ہی کیطرف سے اور انہی کی عرض کو پیش کر رہا ہوں کہ حضور کا جو منشا ہو اس پر عمل فرمائیں۔ جس کا رشتہ ملانا ہو۔ ملا دیجئے۔ جس کا رشتہ توڑ دینا ہو توڑ دیجئے جسے موجودہ حالت پر رکھنا ہو۔ اُسے اس کی حالت پر چھوڑ دیجئے ہمارے اموال حاضر ہیں جس قدر منشا ہو قبول فرمایئے اور جس قدر منشا ہو ہمیں بطور عطیہ چھوڑ دیجئے لیکن حضور کا قبول فرمانا ہم کو زیادہ پسند ہوگا اور جو ہمارے پاس رہ جائے گا وہ ناپسند ہوگا۔ ہمارا معاملہ بالکل حضور کے ہاتھ میں ہے۔ حضور برک الغماد تک چلیں۔ ہم سب ہمرکاب ہیں۔

اُس خدا کی قسم جس نے حضور کو سچی نبوت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر ہم کو سمندر چیر کر نکل جانے کا حکم ہوگا تو ہم سب حضور کیساتھ ساتھ چلیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہ جائے گا۔

یا رسول اللہ ہم لوگ جنگ میں جم جانے والے ہیں اور مقابلہ میں اپنی بات کو پورا کر دکھلاتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہماری خدمات حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریر پر نہایت سرور و نشاط کا اظہار فرمایا۔

یہ بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قافلہ شام سے آرہا تھا۔ شام مدینہ سے جانب شمال اور مکہ سے جانب جنوب ہے۔ قافلہ کا راستہ مدینہ سے جانب غروب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ اگر قافلہ کے لئے جانے کا ہوتا تو حضور مدینہ سے جانب مغرب سفر فرماتے حالانکہ حضورؐ مدینہ سے جانب

جنوب نہضت فرما ہوتے تھے۔

اسلامی لشکر میں صرف ستر شتر اور تین گھوڑے سواری کے لئے تھے۔ تین تین سواریوں کے لئے ایک ایک اونٹ مقرر کیا گیا تھا۔ ان تین میں سے ایک پیدل چلتا اور دو سوار ہوتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں بھی سیدنا علیؓ المرتضیٰ و ابولبابہؓ شامل تھے۔ ابولبابہ راستہ میں سے حاکم مدینہ بنا کر واپس کئے گئے تو زید بن حارثہؓ نے اُن کی جگہ لی۔ باقی سب غازی بالکل پیدل تھے۔

میدان جنگ

مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں جہاں اُترنا پڑا۔ وہاں پر ریت بہت تھی۔ آدمیوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور پانی موجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی زور کی بارش بھیجی کہ ریت دب گیا اور مسلمانوں نے ریت ہٹا کر جوہڑ بنا لیا جو پانی سے بھر گیا۔

کفار صاف زمین پر اُترے تھے۔ ادھر سخت کیچڑ ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عریش

لشکر سے پیچھے ایک بلند ٹیلہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چھپر بنا دیا گیا تاکہ حضورؐ اس بلندی سے دونوں لشکروں کے محاربہ کو ملاحظہ کر سکیں۔ صرف سیدنا ابوبکر صدیق اس چھپر کے سایہ میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ ان کا کام حضورؐ کی خدمت بجالانا اپنے لشکر کی حالت عرض کرتے رہنا حضورؐ کے احکام لشکر تک پہنچانا تھا۔ زمانہ حال میں ایسے افسر کو چیف آف سٹاف کہتے ہیں جو پہ سالار اعظم کے ماتحت اور ساری فوج کا نگران حال ہوتا ہے۔ سعد بن معاذ سید الانصار نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ یہ مناسب ہے کہ عریش سے پچھلی طرف حضورؐ کی سواری ہر وقت موجود رہے کیونکہ اگر اسلامی لشکر کو شکست بھی ہوئی۔ اور ہم سب خاک و خون میں مل گئے تب بھی حضورؐ کو مدینہ منورہ جانے کا موقعہ رہے گا۔ وہاں حضورؐ کے جاں نثار اور صدق شعار ابھی تک موجود ہیں جو صدق و خلوص میں ہم سے ہرگز کم نہیں۔ گو تنگی وقت کی وجہ سے وہ ہم رکاب حاضر نہ ہو سکے۔ حضورؐ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

ملاحظہ میدان جنگ

جنگ سے ایک روز پیشتر حضورؐ نے میدان جنگ کا ملاحظہ فرمایا۔ صحابہؓ ساتھ تھے۔ حضورؐ پُر نور جگہ جگہ ٹھہر کر فرماتے جاتے تھے کل یہاں فلاں کافر کی لاش ہو گی اور یہاں فلاں کافر کی۔ جملہ سرداران قریش کے نام اسی طرح حضورؐ نے گنوا دیئے۔

جنگ کے لئے صف بندی

یوم الجمعہ، ۱۷ رمضان ۲ھ کو صف بندی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیلئے صفوں کے سامنے سے گزرے کیا دیکھا کہ ایک انصاری صف سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ حضورؐ کے ہاتھ میں پتلی سی چھڑی تھی..... انصاری کے پیٹ پر چھڑی لگا کر کہا کہ برابر ہو جاؤ۔

اُس نے کہا یا رسولؐ اللہ مجھے تو اس سے سخت تکلیف ہوئی۔ حضورؐ عدل و انصاف کے پیغام رساں ہیں میں تو بدلہ لوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا۔ کہا حضورؐ کرتہ اٹھائیں۔ حضورؐ نے کرتہ اٹھایا تو اس نے آگے بڑھ کر جھٹ حضورؐ کے بطن اطہر کو چوم لیا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کیا وہ بولا حضور دنیا میں یہ آخری گھڑیاں ہیں اور آخری سانس ہے۔ میں نے چاہا کہ اس شرف سے مشرف ہو جاؤں۔ حضورؐ نے اُسے دعائے خیر دی۔ اور بعد ازاں یہ دعا فرمائی۔ یا اللہ یہ وہ اہل ایمان ہیں کہ آج ان کو تو نے ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

اپنی فوج کے ملاحظہ سے فارغ ہوئے تو دشمن کی فوج کی طرف دیکھا اور زبان مبارک سے فرمایا۔ "الٰہی یہ قریش ہیں جو فخر و تکبر سے بھرپور ہیں۔ تیرے نافرمان۔ تیرے رسولؐ سے جنگ آور الٰہی تیری نصرت، تیری مدد کی ضرورت ہے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔

عریش اور دعا

بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شمشیر برہنہ لے کر پہرہ پر کھڑے ہو گئے (نماز کے اندر) حضور نے یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَخْذِلْنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُنْشُدُکَ مَا وَعَدْتَّنِیْ (الٰہی مجھے ندامت سے بچائیو۔ یا اللہ میں تجھے تیرا وعدہ حتمًا یاد دلاتا ہوں)

بعد نماز حضورؐ نے لمبا سجدہ فرمایا۔ اور سجدہ میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ پڑھتے رہے۔ سجدہ کے بعد بھی لمبی دعا میں مصروف رہے۔ دعا ایسے تضرع و ابتہال کے ساتھ تھی کہ حضورؐ کی چادر مبارک بھی کندھوں سے گر گئی تھی اور حضورؐ کا ابتہال بڑھتا جاتا تھا۔ ابوبکرؓ صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہؐ۔ حضورؐ اپنے آپ کو اتنا ہلکان نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ سے فتح و ظفر کا وعدہ فرما چکا ہے۔

اتنے میں حضور پر اُونگھ سی طاری ہوئی اور اُدھر ساری فوج بھی اونگھ گئی۔ حضورؐ نے آنکھ کھولتے ہی فرمایا۔ ابوبکرؓ! تجھے بشارت ہو کہ نصرت الٰہی آ پہنچی۔ جبرئیل بھی آ گئے ہیں۔

فوج نے آنکھ جھپک جانے کے بعد دشمن کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُن کی تعداد بہت کم ہے اور مسلمان تعداد میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس یقین نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں تشریف لائے تو فوج سے فرمایا۔ اپنی جگہ پر قائم رہنا۔ دشمن حملہ کی شکل میں آگے بڑھے تو آگے سے آگے آنے دینا۔ جب وہ تمہارے تیروں کی زد میں آ جائے تب تیر خوب برسانا۔ دشمن اور ہی قریب آ جائے تو نیزوں کا استعمال کرنا۔ تلوار کا استعمال سب سے بعد ہو۔

اس وقت کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف اپنی فوج کے سامنے تقریر کیلئے نکلا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم میں یہ شخص سمجھدار ہے۔ اگر لوگوں نے اس کی بات مان لی تو سیدھی راہ پر ہو جائیں گے۔

عتبہ بولا۔ معشر قریش! محمدؐ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ اگر تم غالب بھی آ گئے۔ تب بھی کیا ہو گا۔ ہم اپنے بھائیوں سے ہمیشہ آنکھ چراتے رہیں گے کوئی چچازاد کو، کوئی خالہ زاد کو قتل کرے گا۔ کوئی اپنے قبیلہ کے بھائی کو مار ڈالے گا۔ چلو واپس چلو۔ عرب والے خود محمدؐ سے سمجھ لیں گے۔ اگر کوئی اور قبیلہ ان پر غالب آگیا تو تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ اور اگر وہ بھی غالب نہ آیا۔ تو تم ندامت و عار سے بچے رہے۔

بعد ازاں یہی پیغام ابوجہل کے پاس بھی بھجوا دیا۔ ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو بلایا۔ کہا دیکھو یہ عتبہ تیرا رقیب ہے اور تجھے بھائی کا انتقام لینے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اُس کا بیٹا مسلمانوں کی طرف ہے۔ اب تم کو لازم ہے کہ آگے بڑھو اور فوج کو گرماؤ۔ اس نے اپنے بھائی کے نام کی دہائی دی اور فوج میں جوش پیدا ہو گیا۔

اسود مخزومی کفار میں سے نکلا اور کہا کہ سب سے پہلے میں بڑھتا ہوں۔ مسلمانوں کے حوض کا پانی پی کر آؤں گا۔ یا وہیں مر جاؤں گا۔ وہ حوض کی طرف چلا تو سیدنا حمزہ نے اس کا تعاقب کیا اور اس کی پیٹھ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں رہ گیا۔

اب اپنی صف سے عتبہ نکلا (غالباً یہ ابوجہل کے طعن کا جواب تھا) اس کا بھائی شیبہ اور فرزند ولید بھی اُس کے ساتھ تھے اس نے نعرہ لگایا کہ کوئی مقابلہ کو نکلے یہ سن کر معاذ اور معوذ پسران حارث باہر نکلے (ان کی ماں عفراء انصاریہ ہیں اس خاتون کے سات فرزند دو شوہروں حارث اور بکیر سے تھے اور ساتوں فرزند میدانِ جنگ میں حاضر تھے۔ کوئی خاتون ان کی اس فضیلت کو نہ پا سکی) عبداللہ بن رواحہ انصاری رضؓ جو نقیب محمدی اور شاعر زبان آور تھے اُن کے ساتھ ساتھ تھے۔

عتبہ نے کہا تم کون ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم انصار ہیں۔ عتبہ بولا ہاں آپ ذی عزت ہیں۔ برابر کے جوڑ ہیں لیکن میں تو اپنی قوم کے اشخاص چاہتا ہوں یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عبیدہ بن حرث تم چلو۔ حمزہؓ تم چلو، علیؓ تم چلو (تینوں ہاشمی ہیں) حمزہؓ نے شیبہ کا اور علیؓ نے اسید کا شکار جاتے ہی کر لیا۔

عبیدہ اور عتبہ ایک دوسرے پر شمشیر زنی کر رہے تھے کہ حمزہ و علی نے بھی عتبہ پر حملہ کر دیا اور اُسے بھی خاک و خون میں سلا دیا۔

اسی جنگ میں راس الکفر اُمیّہ بن خلف جو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمہ توحید پر ستایا کرتا تھا قتل ہوا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا۔ معاذ بن عفراد وغیرہ بھی بلال کی مدد کو پہنچ گئے اور اُس ناپاک کا خاتمہ کر دیا۔

ابوبکر صدیقؓ نے اس شعر میں بلال رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی

حَسْبُنَا زَادَکَ الرَّحْمٰنُ فَضْلَہٗ   فَقَدْ اَدْرَکْتَ ثَارَکَ یَا بِلَالُ

قتل ابوجہل لعنہ اللہ

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ صف بندی میں میرے دائیں بائیں نوجوان لڑکے تھے میں نے دل میں کہا کہ میرے برابر کوئی آموزدہ کار ہوتا۔ تو خوب ہوتا یہ دونوں نوجوان معاذ و معوذ پسران عفراد تھے۔

ایک نے چپکے سے مجھے کہا کہ چچا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں۔ جب ہمارے سامنے آئے تو مجھے بتانا۔ دوسرے نے بھی یہی بات آہستہ سے پوچھی میں نے کہا تم کیا کرو گے اگر اُسے دیکھ لو گے۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ ہم نے عہد کر لیا ہے کہ اُسے ضرور قتل کریں گے یا اپنی جان دیدیں گے۔ اتنے میں ابوجہل چکر لگاتا ہوا لشکر کے سامنے آیا۔ میں نے دونوں لڑکوں سے کہا۔ دیکھو ابوجہل وہ ہے۔ یہ سنتے ہی وہ دونوں ایسے جھپٹے جیسے شہباز کوے پر گرا کرتا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی تلواریں اُس کے پیٹ میں بھونک دیں۔ وہ گر پڑا۔ جان توڑ رہا تھا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کی چھاتی پر پاؤں رکھا۔ سر کاٹا اور داڑھی سے پکڑ کر سر اٹھا لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سہ کی خدمات کو منظور فرمایا۔ نیز ارشاد کیا کہ اس امت کا فرعون یہی ابوجہل تھا۔

جذبات جاں نثاری و جوش صداقت دین

الف: جب کفار کے لشکر سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق مبارز طلب نکلا تو اس کے مقابلہ کو ابوبکر صدیق آمادہ ہو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو روک لیا۔

ب: جب لشکر کفار سے جراح باہر آیا تو اس کے محاربہ کو ابوعبیدہ عامر اُن کے فرزند لشکر اسلام سے روانہ ہو گئے ہر دو امثلہ سے ظاہر ہے کہ ان مجاہدین فی سبیل اللہ کی نگاہ میں نہ باپ کی عظمت باقی رہی تھی اور نہ فرزند کی محبت۔ ان کو ایک وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہی

کبریائی و عظمت کی مستحق نظر آتی تھی اور ایک ذات حمیدہ صفات محمدؐ رسول اللہ ہی کی واجب الاحترام والمحبت دکھلائی دیتی تھی اور بس۔

ج۔ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سن لیا کہ "جو کوئی آج اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ اُس کے لئے جنت واجب ہے"۔ اُن کے ہاتھ میں انگور کا گچھا تھا۔ انگور کھا رہے تھے۔ انہوں نے حضورؐ کے ارشاد کو سنا اور پھر انگوروں کی طرف دیکھا اور کہا۔ اوہ یہ انگور تو بہت ہیں۔ ان کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنت میں جانے سے اتنی دیر کیوں کروں۔ یہ کہہ کر انگور پھینک دیئے۔ آگے بڑھے اور اپنا فرض ادا کرتے ہوتے فردوس کو سدھار گئے۔

لڑائی گھمسان کی ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ملائک کو بھی اہل ایمان کی مدد و نصرت اور ثبات و اطمینان کے لئے نازل فرمایا۔ مسلمان فرشتوں کو انسانوں کی صورت میں چلتے پھرتے دیکھتے تھے اور فرشتے ہر ایک مومن سے کہہ رہے تھے کہ بہادر بنو مضبوط رہو فتح اور نصرت الٰہی تمہارے ساتھ ہے جب مسلمین و کافرین کا ہر شخص جنگ میں مصروف تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی کفار کی جانب پھینک دی اور زبان مبارک سے فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اَللّٰهُمَّ اَرْعِبْ قُلُوْبَهُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ

کنکریوں کا پھینکنا تھا اور کفار کا دل توڑ کر بھاگنا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ستر اشخاص کو قید بھی کر لیا۔

معرکہ میں کافروں کے ستر آدمی ہلاک ہوئے تھے اور مسلمانوں کے صرف چودہ شخص۔ اس روز جنگ میں پہلا شہید ہونے والا مہجع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ جو عمر فاروقؓ کا غلام تھا۔ اہل دنیا اُسے غلام سمجھتے تھے مگر مساوات کے حامی۔ عدل کے مربّی۔ اخوت کے بانی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے "سید الشہدا" کا خطاب عطا فرمایا۔

قیدیوں سے حسن سلوک

ستر قیدیوں میں چند ہاشمی بھی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔

۱۔ انہی میں عباس بن عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔

۲۔ انہی میں سیدنا علیؓ مرتضےٰ کے برادر کلاں بھی تھے۔

۳۔ اور نوفل بن حارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھی۔

۴۔ اور انہی میں حضورؐ کی دختر کلاں زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بھی۔

لیکن یہ سب عام قیدیوں کی طرح بند و سلاسل میں تھے رات کو ایک انصاری نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت نہیں فرماتے اِدھر اُدھر کروٹیں لے رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ حضور کو کچھ تکلیف ہے۔ فرمایا نہیں۔ مجھے تو عباسؓ کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے اور وہی آواز مجھے نہیں سونے دیتی۔ انصاری اٹھا اور عباس کی مشک بندی کھول آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عباس کی آواز نہ سنی تو انصاری سے پوچھا کہا میں ان کی مشک بندی کھول آیا ہوں۔ فرمایا۔ جاؤ۔ اور سب اسیروں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔

مشرکین کی مردہ لاشوں سے سلوک

کفار ایسے بھاگے تھے کہ انہوں نے اپنی فوج کے مُردوں کا بھی کچھ انتظام نہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعاً عادت مبارک یہ تھی کہ جہاں کسی انسان کی لاش کو بلا تدفین دیکھ لیتے۔ دفن کرنے کا حکم دیتے۔ بدر میں بھی حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔

۲۴ سرداران قریش کو ایک گڑھے میں الگ ، اور باقی کفار کو ایک گڑھے میں الگ زیر خاک کر دیا گیا۔[1]

تیسرے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس قلیب (گڑھے) کے کنارہ تک تشریف لے گئے۔ جہاں سرداران قریش کے ناپاک جُثے گرائے گئے تھے اور باآواز بلند فرمایا ۔ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن عتبہ، اے امیہ بن خلف ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں اے فلاں ۔ اللہ نے جو تمہاری بابت کہا تھا کیا اُس کو تم نے ٹھیک پایا۔ مجھے تو جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا میں نے اُسے بالکل درست دیکھ لیا ۔

عمر فاروقؓ نے استفہامیہ لہجہ میں عرض کیا۔ کیا آپ ان لاشوں سے جن میں روح نہیں ۔ تین روز کے بعد خطاب فرما رہے ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّهُمُ الْآنَ لَيَسْمَعُوْنَ (بخاری عن عروہ عن ابن عمر) ہاں یہ لوگ اس وقت سن رہے ہیں ۔ یہ الفاظ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے روایت کیے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک تو یہ تھے اِنَّهُمُ الْآنَ لَيَعْلَمُوْنَ ہاں وہ اس وقت خوب جان گئے ہیں۔

اسیران بدر اور فدیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو کہ اسیروں کے ساتھ کیا کیا جائے ۔ شوریٰ میں پیش کر دیا ۔ عمر فاروقؓ نے کہا ۔ یہ لوگ کافروں کے پیش رو ہیں ۔ میری رائے میں ان کی گردنیں اڑا دی جائیں ۔ فلاں شخص جو میرا قریبی ہے اس کی گردن میں اڑا دوں اور عقیل جو علیؓ کا بھائی ہے ۔ علیؓ اس کی گردن اڑا دے ۔ اسی طرح حمزہؓ اپنے قریبی کی تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دل میں مشرکین کی مودّت ذرا بھی نہیں ۔

ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا ۔ میری رائے ہے کہ ان کو معاف کر دیا جائے اور ان سے فدیہ لیا جائے ۔ فدیہ سے ہم اپنی جنگی حالت کو درست کر لیں گے اور بعد ازاں ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کو اسلام کی نعمت و ہدایت مل جائے اور وہ خود بھی ہمارا قوت بازو ثابت ہو ۔

عبداللہ بن رواحہ انصاری نے کہا ۔ میری رائے ہے کہ جس جنگل میں لکڑی بہت ہو ۔ وہاں ان کو داخل کر کے آگ لگا دی جائے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر تشریف لائے اور یوں ارشاد فرمایا ۔

اللہ تعالیٰ بعض کے دلوں کو نرم کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں بعض کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں ۔

اے ابوبکرؓ ! تو ملائکہ میں میکائیل جیسا ہے جو رحمت کے ساتھ نازل ہوتا ہے ۔

اے ابوبکرؓ ! انبیاء میں تیری مثال ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا ۔

مَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

---

[1] ان چودہ میں سے چار کے نام بروایت مسلم عن انس ہم نے اوپر لکھ دیئے ہیں بعض نے باقی نام اور بھی لکھے ہیں (۵) حنظلہ بن ابوسفیان (۶) ولید بن عتبہ (۷) حرث بن عامر (۸) طعیمہ بن عدی (۹) نوفل بن عبد (۱۰، ۱۱) زمعہ و عقیل پسران اسود (۱۲) عاصی برادر ابوجہل (۱۳) ابوقیس برادر خالد بن ولید (۱۴، ۱۵) بنیہ و منبہ پسران حجاج (۱۶) علی بن امیہ بن خلف (۱۷) عمرو بن عثمان (۱۸) مسعود بن ابوامیہ برادر ام سلمہ (۱۹) قیس ابن فاکہہ (۲۰) اسود برادر ابوسلمہؓ (۲۱) عاصی بن قیس بن عدی (۲۲) امیہ بن رفاعہ (۲۳، ۲۴) بنیہ و عاصی بن ابواحیحہ ۱۲ منہ

اے ابوبکرؓ! انبیاءؑ میں تیری مثال عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے کہا تھا۔ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ

اے عمرؓ! تیری مثال ملائکہ میں جبرائیل جیسی ہے جو شدت اور باس کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔

اے عمرؓ! تیری مثال انبیاءؑ میں نوحؑ کی سی ہے جنہوں نے کہا تھا۔ رَبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا۔

اے عمرؓ! تیری مثال انبیاءؑ میں موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے کہا تھا۔ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤى اَمۡوَالِهِمۡ الآیۃ

اے ابوبکرؓ و عمرؓ! اگر تمہارا اتفاق ہوتا تو میں کچھ اور حکم نہ دیتا۔ اچھا ان سے فدیہ لیا جائے ورنہ ضرب عنق ہوگا۔

بہت لوگوں نے اپنا اپنا زرِ فدیہ وہیں ادا کر دیا اور جو رہ گئے تھے اُن کو مدینہ میں لے گئے۔ قیدیوں میں بعض پڑھے لکھے تھے اُن کو انصار کے بچے سپرد کر دیئے گئے کہ زرِ فدیہ کے عوض میں ان کو تعلیم دیا کریں۔

اسیروں کو مدینہ میں ایسے آسائش و آرام سے رکھا گیا کہ وہ مکہ میں واپس آ کر کہا کرتے تھے خدا اہلِ مدینہ پر رحم کرے خود کھجوروں پر گزارہ کیا کرتے اور ہمیں روٹی کھلایا کرتے تھے۔

فدیہ و غنیمت کے لینے میں اشتباہ

بعض صحابہ کو یہ بھی شبہ تھا کہ کیا زرِ فدیہ و مالِ غنیمت کا استعمال مسلمانوں کو جائز بھی ہے لیکن اللہ پاک نے سورہ انفال میں یہ حکم نازل فرما کر اُن کو بھی مطمئن کر دیا۔

"کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے اس بارہ میں نوشتہ موجود نہ ہوتا تب فدیہ اور غنیمت کے متعلق تم پر عذاب بھی نازل ہوتا لیکن ایسا مال تو طیّب و حلال ہے کھاؤ، پیو، اللہ کا شکر کرو کہ تم کو آسان احکام دیئے گئے ہیں"۔

فضیلت اہلِ بدر

صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافع الزرقی صحابی بن صحابی سے روایت ہے

جَآءَ جِبۡرِيۡلُ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَعُدُّوۡنَ اَهۡلَ بَدۡرٍ فِيۡكُمۡ قَالَ مِنۡ اَفۡضَلِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ قَالَ وَكَذٰلِكَ مَنۡ شَهِدَ بَدۡرًا مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ عَلَيۡهِمُ السَّلَامُ

جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ پوچھا تم اہلِ بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہو۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ جبرئیل نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ ملائکہ میں بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

وَعَنۡ اَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اطَّلَعَ اللهُ عَلٰى اَهۡلِ بَدۡرٍ فَقَالَ اعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَكُمۡ (ابوداؤد)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا اب تم جو چاہو۔ کرو میں تمکو بخش چکا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنَا مِنَ التَّابِعِيۡنَ لَهُمۡ بِاِحۡسَانٍ وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكۡ وَسَلَّمۡ

فہرست اسمائے مبارکہ

شہدائے غزوہ بدر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ

۱۔ مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ

قوم عک سے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام۔ اس غزوہ میں سب سے پہلے ہی شہید ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یَوْمَئِذٍ مِهْجَعٌ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ

یہ اسلام ہی کی انسانیت نوازی ہے کہ ایک غلام کو سید الشہدا کا خطاب عطا فرمایا گیا۔

۲۔ عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی

قریشی المطلبی۔ ابوالحارث یا ابومعاویہ کنیت کرتے تھے سب سے اوّلین سریۂ اسلامی کے سردار بھی بنائے گئے تھے۔ غزوہ بدر میں جب سرور عالم نے اپنے گھرانے کے تین سرداروں کو جنگ میں جانے کا حکم دیا تو امیر حمزہ اور علی مرتضیٰ کے ساتھ تیسرے بزرگ یہی تھے عمر بوقت شہادت ۶۳ سال تھی۔

۳۔ عمیر بن ابو وقاص (مالک) بن اُہیب بن عبد مناف

قرشی الزہری ہیں اور حضرت سعد بن ابو وقاص (احد العشرۃ المبشرہ) اور فاتح ایران کے برادر خورد ہیں ۱۶ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوجہ صغر سنی واپس کرنا چاہا۔ تو یہ رو پڑے۔ اس لیے اجازت دی گئی۔ حوصلہ کے ساتھ لڑے اور خنداں خنداں روضۂ رضواں کو سدھارے۔

۴۔ عاقل بن بکیر بن عبد یالیل

قبیلہ بنولیث سے ہیں ان کے بھائی کا نام خالد تھا۔ وہ بھی غزوہ رجیع میں شہید ہوئے۔

۵۔ عمیر بن عبد عمیر بن نقلہ

ذوالشمالین لقب۔ ابو محمد کنیت۔ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔

۶۔ عوف یا عوذ بن عفراء

انصاری بخاری تھے عفرا ان کی والدہ کا نام ہے۔ اس خاتون بلند پایہ کے ساتوں فرزند غزوہ بدر میں حاضر تھے والد کا نام حارث ہے۔

۷۔ معوذ بن عفراء

صحابی اور والدین بھی صحابی نمبر ۶ کے سگے بھائی

۸۔ حارث (یا حارثہ بن سراقہ بن حارث)

انصاری، ان کی والدہ انس بن مالک کی پھوپھی ہیں حلق پر تیر لگا اور جاں بجاں آفریں کو سپرد کر گئے۔

۹ - **یزید بن حارث یا حرث بن قیس بن مالک**

انصاری، بخاری، مواخات میں نمبر ۵ کے دینی بھائی

۱۰ - **رافع بن معلے بن لوذان**

انصاری ہیں۔

۱۱ - **عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام**

انصاری السلمی مواخات میں حضرت عبیدہ مہاجر نمبر ۷ کے دینی بھائی۔ دونوں زندگی میں بھی اکٹھے رہے اور بہشت بریں میں بھی ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوتے رونق افروز خلد ہوئے۔ میدانِ جنگ میں ان کا رجز یہ تھا۔

رَكْضًا عَلَى اللهِ بِغَيْرِ زَادِ — اِلَّا التُّقٰى وَعَمَلَ الْمَعَادِ

وَالصَّبْرُ فِى اللهِ عَلَى الْجِهَادِ — وَكُلُّ زَادٍ عُرْضَةُ النَّفَادِ

غَيْرُ التُّقٰى وَالْبِرِّ وَالرَّشَادِ

۱۲ - **عمار بن زیاد بن سکن بن رافع**

انصاری الاشہلی۔ ان کے بھائی عمارہ بن زیاد اور ان کے چچا یزید بن سکن غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔

۱۳ - **سعد بن خثیمہ الانصاری الاوسی**

ابو عبداللہ کنیت۔ سعد الخیر لقب، نقیب محمدی تھے۔ باپ نے کہا تم ٹھہرو میں جاتا ہوں انہوں نے کہا۔ ابا۔ مجھے بہشت میں جانے سے نہ روکو۔ اُن کے والد خثیمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے پس شہید بن شہید اور صحابی بن صحابی ہیں۔

۱۴ - **مبشر بن عبدالمنذر بن زبیر بن زید**

انصاری الاوسی ہیں۔ زرقانی میں ہے۔ اُسْتُشْهِدَ يَوْمَ بَدْرٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَرْبَعَةَ عَشَرَ رَجُلًا ج ا ص ۴۲۲

فہرست بالا کے نام زرقانی اور الاستیعاب کے متفق علیہ ہیں۔ بعض نے شہدائے بدر کی تعداد ۲۲ بتلائی ہے۔

مجھے بروایت بعض تین نام اور بھی ملے (۱) سعد بن خولی (۲) صفوان بن بیضا فہری (۳) عبداللہ بن سعید بن عاص اُموی۔

اس طرح فہرست ہذا میں ۱۷ نام درج کیے جا سکتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ شَهَادَةً فِىْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِىْ فِىْ بَلَدِ حَبِيْبِكَ[1]

---

[1] قاضی صاحب مرحوم کی یہ دعا میں نے آپ کی اکثر تحریرات میں دیکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرح شہادت کا بہت شوق تھا اور بیت اللہ الحرام کا جذبہ بھی آپ کے دل میں کارفرما رہتا تھا چنانچہ یکم محرم الحرام ۱۳۴۹ھ کو ایک حد تک آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی آپ حج بیت اللہ الحرام سے واپس آ رہے تھے کہ جدہ کے قریب ہی جہاز میں انتقال فرما گئے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ثُمَّ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ فَاِنَّهٗ
يُبْدِيْ بِهِ الذِّكْرُ الْجَمِيْلُ وَيُخْتَتَمُ

پٹیالہ ۔ یکم رمضان ۱۳۴۸ھ

محمد سلمان منصورپوری
کانَ اللہُ لہ

مہاجرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ولادت مبارک بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاوّل کو مکہ معظمہ میں بعد صبح صادق و قبل از طلوع آفتاب ہوئی۔

دنیا کے مروجہ و مشہور سنین کی مطابقت تاریخ ولادت حضورؐ سے حسب ذیل ہے۔

۹ ربیع الاوّل	سنہ ۱	عام الفیل	۱۰ ماہ ایار	سنہ ۴۳۳۱	عبرانی
۱۸ ماہ مے	سنہ ۴۰	نوشیروانی	۱۹ اپریل	سنہ ۵۲۸۴	جولیانی (جوایِن پیری اڈ)
۲۵ ماہ برمودہ	سنہ ۲۸۷	قبطی جدید	یکم جیٹھ	سنہ ۳۶۷۲	کل جگ
۲۲ اپریل	سنہ ۵۷۱	عیسوی	۱۸ ماہ توت	سنہ ۱۳۱۹	بخت نصری
۲۰ ماہ ہفتم	سنہ ۲۵۸۵	ابراہیمی	۲۰ ماہ نیسان	سنہ ۸۸۲	سکندری
۱ ماہ بیشنس	سنہ ۳۶۷۵	طوفان نوحؑ	یکم جیٹھ	سنہ ۶۲۸	بکرمی شمسی

اکتالیسویں سال کے پہلے دن بعثت نبوت ہوئی۔ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں تبلیغ نبوت فرمائی بروز دوشنبہ، ۲۷ویں شب ماہ رجب سنہ ۱۰ نبوت کو

(بقیہ صفحہ گزشتہ سے)

شہید گناہوں سے ایسا پاک ہوتا ہے کہ اس کے جنازہ کی بھی ضرورت نہیں[1] اسی طرح حدیث شریف میں ہے حاجی جب حج سے فارغ ہو جائے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا۔ تو یہ بھی ایک گونہ شہادت ہی سمجھیے نعم ما قال

غوطہ خوردہ غریق رحمت گشت ۔۔۔ مورد لطف خاص رحماں بود
سال تاریخ ہم بہ بحر سخن ۔۔۔ غرق موج از وفات سلماں بود ۱۳۴۹ھ

[1] یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی بحوالہ مجموعہ خانی جلد اوّل (ادارہ)

معراج ہوا۔

شب جمعہ، ۲۷ر صفر ۱۳ نبوت کو مکہ بعزم ہجرت چھوڑا۔

دوشنبہ ۸ ر ربیع الاول ۱۳ نبوت کو قبا رونق افروز ہوئے۔

دوشنبہ ۲۲ ر ربیع الاول ۱ھ کو قبا میں ۱۴ ر یوم قیام کے بعد نور افزائے مدینہ منورہ ہوئے۔ دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ ۶۳ سال ۴ ر یوم کی عمر میں وصال فرمایا۔ تاریخ وصال دوشنبہ وقت چاشت ۱۲ ر ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔

عالم دینوی میں حضورؐ نے ولادت سے لیکر وفات تک ۲۲۳۳۰ دن ۶ گھنٹے قیام فرمایا۔ یہ ۶ گھنٹے اکتیسویں دن کے تھے۔

مذکورہ بالا ایام میں سے ۸۱۵۶ دن تبلیغ رسالت و نبوت کے ہیں۔ حضورؐ کے ممتاز اسماء محمد، احمد، ماحی، حاشر، عاقب ہیں۔

حضور کے ممتاز خطابات میں سے جو قرآن میں بکثرت ہیں۔ خطابات ذیل بڑی شان کے ہیں۔ عبداللہ، رحمۃ للعالمین خاتم النبیین امام الانبیاء۔ سید ولد آدم۔ شفیع المذنبین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

حضور کا مختصر نسب نامہ یہ ہے

آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک (ہر دو اسماء بھی شمار میں داخل ہیں) ۱۰ پشت

سام بن نوح سے ابراہیم خلیل الرحمٰن تک (ہر دو اسماء شامل ہیں) ۹ پشت

اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام سے اُدد تک (ہر دو اسماء شامل ہیں) ۴۰ پشت

عدنان بن اُدد سے عبداللہ والد بزرگوار آنحضرت تک (ہر دو اسماء شامل ہیں) ۴۱ پشت

میزان ۱۰۰ پشت

ذیل میں عدنان تک کا نسب نامہ مکمل درج ہے کیونکہ اس نسب نامہ کے بعض اسماء کا ذکر مہاجرین کی تاریخ میں بھی آئے گا۔

(۱) عبداللہ بن (۲) عبدالمطلب بن (۳) ہاشم بن (۴) عبد مناف بن (۵) قصی بن (۶) کلاب بن (۷) مُرّہ بن (۸) کعب بن (۹) لُوَیّ بن (۱۰) غالب بن (۱۱) فہر الملقب بہ قریش بن (۱۲) مالک بن (۱۳) نضر بن (۱۴) کنانہ بن (۱۵) خزیمہ بن (۱۶) مدرکہ بن (۱۷) الیاس بن (۱۸) مضر بن (۱۹) نزار بن (۲۰) معد بن (۲۱) عدنان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن غزوات میں شریک ہوئے اُن کی تعداد ۲۷ ہے۔

(۱) غزوہ ودان یا ابواء (۲) غزوہ بواط (۳) غزوہ صفوان (۴) غزوہ ذی العشیرہ (۵) غزوہ بدر الکبریٰ (۶) غزوہ قینقاع (۷) غزوہ السویق (۸) غزوہ قرقرۃ الکدر (۹) غزوہ ذی امر یا غطفان یا انمار (۱۰) غزوہ احد (۱۱) غزوہ حمراء الاسد (۱۲) غزوہ بنو نضیر (۱۳) غزوہ بدر الآخریٰ (۱۴) غزوہ دومۃ الجندل (۱۵) غزوہ بنو مصطلق (۱۶) غزوہ احزاب یا خندق (۱۷) غزوہ بنو قریظہ (۱۸) غزوہ بنو لحیان (۱۹) غزوہ ذی قردہ یا غابہ

(۲۰) غزوہ حدیبیہ (۲۱) غزوہ خیبر (۲۲) غزوہ وادی القریٰ (۲۳) غزوہ ذات الرقاع (۲۴) غزوہ مکہ (۲۵) غزوہ حنین (۲۶) غزوہ طائف (۲۷) غزوہ تبوک۔

غزوہ بدر و حنین کا نام بھی قرآن مجید میں ہے۔

حضور پر نور کے حالات مبارکہ بچوں کو ہماری کتاب مہر نبوۃ میں اور اہل علم کو کتاب رحمت للعالمین میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔

۲ - ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عثمان نام، ابوبکر کنیت، صدیق خطاب، عتیق علم، صاحب الغار لقب ہے۔

طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے اسلام لائے اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال کی تھی اور مکہ معظمہ کے مشہور اور نامی تاجروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور مقدمات دیت کا انفصال انہی کے فیصلہ پر ہوتا تھا۔

آپ کے والدین کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں مُرّہ نمبر ۷ میں شامل ہو جاتا ہے۔ زبیرؓ العوام اور طلحہ، اور عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف یہ چاروں بزرگ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ یہ چاروں حضرت صدیقؓ کی تبلیغ پر داخل اسلام ہوئے

حضرتؓ صدیق نے سات ایسے بزرگوں کو کفار کی تعذیب سے اپنا مال خرچ کر کے رہا کرایا جو اسلام میں بلند تر درجہ رکھتے ہیں۔ انہی سات میں بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

حضرتؓ صدیق ہی ہیں جنہوں نے اسلام میں سب سے پہلے مسجد اپنی زمین پر اس وقت تیار کی جبکہ کفار مکہ مسلمانوں کو حرم میں عبادت نہ کرنے دیتے تھے۔

حضرتؓ صدیق ہی وہ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

حضرتؓ صدیق ہی وہ ہیں جو غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم تھے قرآن مجید نے وَاِذْ هُمَا فِی الْغَارِ کہہ کر ان کی تخصیص فرما دی ہے۔

حضرتؓ صدیق ہی وہ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں اپنے عریش میں اپنے ساتھ ٹھہرایا تھا۔ اس وقت حضرت صدیق وہی فرائض ادا کر رہے تھے جو جنرل اور فوج کے درمیان چیف آف سٹاف کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔

حضرتؓ صدیق ہی کو غزوہ تبوک میں جبکہ سب سے زیادہ فوج کا اجتماع ہوا تھا۔ نشان اعلیٰ عطا فرمایا تھا۔

حضرتؓ صدیق ہی کو فرضیت حج کے بعد پہلے ہی سال امیر الحاج مقرر فرمایا گیا تھا۔

حضرتؓ صدیق ہی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرض الموت کے ایام میں اپنی جگہ امام مسجد نبوی قائم فرمایا تھا۔

انہوں نے سترہ نمازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پاک میں صحابہ کرام کو پڑھائیں۔ ایک نماز (یعنی نماز ظہر یوم یکشنبہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شامل ہوئے تھے اور نبی و صدیق ایک مصلّٰے پر جلوہ گر تھے۔ یوم دوشنبہ کی نماز صبح کا وہ نظارہ جبکہ صدیقؓ امام تھے اور امت کے سب چھوٹے بڑے مقتدی تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ مبارک سے خود ملاحظہ فرمایا تھا اور اس کامیابی کی اعلیٰ مسرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ گھنٹہ کے بعد عالم فانی سے کوچ فرمایا۔

رحلت نبوی کے بعد حضرت صدیق ہی نے اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کا اصول دنیا سے تسلیم کرایا تھا اور اسی اصول پر انصار نے اپنے دعویٰ خلافت اور امارت مشترکہ کو واپس لے لیا تھا۔ ہر سہ خلفاء کی خلافت راشدہ اور ان کے بعد سلطنت ہائے دمشق و بغداد و سپین و مصر و مراکو وغیرہ نے اسی اصول محکم کے استمساک پر دنیا میں حکومت کی۔

خلفاء راشدین میں سے حضرت صدیق ہی کو خلیفہ رسول اللہ کہا گیا۔ دیگر ہر سہ خلفاء تو امیر المومنین کے لقب سے ملقب ہوئے۔

حضرت صدیق کو اپنی خلافت میں جن مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ دیگر خلفاء کے سامنے نہیں آئیں۔ ارتحال نبوی سے اہل ایمان ایسے غمزدہ تھے کہ اکثر ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ اکثر حیرت زدہ تھے اوسان کام نہ کرتے تھے۔ اسی حالت میں منافقین علانیہ اعداء سے جا طے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی دیکھ کر جھوٹے نبی بھی دعویٰ دار نبوت بن گئے۔ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسدی اور مسماۃ سجاح کا شمار ان جھوٹے نبیوں میں ہے جنہوں نے پچاس پچاس ہزار سے زیادہ فوج جمع کر لی تھی اور ان سب کا عزم مجتمعہ مدینہ کو برباد اور اسلام کو تباہ کر دینا تھا حضرت صدیق نے ان سب امور کا انتظام کیا۔ اہل ایمان کو اتنا مستعد بنایا کہ وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نشان کے نیچے موتہ پر دجو ملک شام کی سرحد پر۔ اور سلطنت روما کا مشہور قلعہ بند مقام تھا) لڑے اور انہوں نے ان ظالموں کو سزا دی۔ جنہوں نے حضرت زید کو لوٹا اور شہید کیا تھا۔ منافقین کو تادیب کی گئی اور وہ پھر بدستور آئین اسلام کی اطاعت کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگے۔ اسود اور مسیلمہ اور طلحہ و سجاح کے مقابلہ میں الگ الگ لشکر روانہ کئے گئے اور ان سب کی شان و شوکت اور دعویٰ نبوت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ حتیٰ کہ اسلام کا بول بالا ہو گیا اور احکام اسلام کی تعمیل حجاز و نجد، یمن و حضرموت اور عمان تک ہونے لگی۔ امن بسیط کے قیام اور استحکام کے بعد صدیق اکبرؓ نے اپنی توجہ عراق کی طرف کی۔ یہ ملک اس وقت سلطنت روما کا ایک صوبہ تھا حجاز سے اس کی حدود کا الحاق تھا۔ شہنشاہ روما نے عراق کو عرب پر حملہ کرنے اور اسلام کو تباہ کرنے کے لئے بیس (میدان جنگ) بنایا تھا۔ اطراف ممالک سے روما کی فوجیں چپ چاپ جمع ہو رہی تھیں اور ذخائر جنگ فراہم ہو رہے تھے۔ صدیق اکبر جیسا دور رس خلیفہ ان سب حرکات کو دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے یہ قرار دیا کہ عرب کو جنگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے اور اس لئے خود آگے بڑھ کر دشمن کی حملہ آوری کی تدابیر کو اُلٹ دیا جائے اس رائے کے بعد انہوں نے اپنے پانچ جرنیلوں کے ماتحت پانچ فوجیں دے کر ان کو عراق پر مختلف راستوں سے حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کر دیا۔ ہر ایک جرنیل کو بتا دیا گیا تھا کہ اس نے کہاں تک بڑھنا ہے اور کس مقام پر دوسرے جرنیل سے مل جانا ہے۔ اعلیٰ جرنیل کا مرکز بھی قرار دے دیا تھا یہ ایسی جنگی تدابیر تھیں جن کے جواب میں سلطنت روما بالکل ششدر رہ گئی اور اسلامی افواج ہر جگہ مظفر و منصور ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ سارا عراق فتح ہو گیا پھر سپہ سالاروں کو ملک شام کی فتح کے لئے مامور کیا گیا۔ شام کا کچھ حصہ فتح ہوا تھا کہ حضرت صدیق کا انتقال ہو گیا جب دیکھا جاتا ہے کہ حضرت صدیق کی مدت خلافت صرف دو سال چار ماہ تھی تو یہ سب ایسے کارنامے ہیں جن کی نظیر دنیا کی کوئی سلطنت کوئی فاتح پیش نہیں کر سکتا۔

اندرون ملک میں حضرت صدیق نے اشاعت علم پر سب سے پہلے توجہ فرمائی اور اسی لئے قرآن مجید کو جو اب تک متفرق کاغذوں اور ہڈیوں اور جھلیوں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا ایک جگہ جمع کرایا اور جمع شدہ جلد کا نام مصحف پاک ہوا۔

انہوں نے اپنے احکام و فرامین اور خطبات میں نبوت اور خلافت کے جداگانہ شان اور حقوق کو واضح کیا۔ انہوں نے خلافت کی بنیاد

کو استبداد یا وراثت یا شخصی ملکیت سے علیحدہ رکھ کر جمہوریت پر جس کا حکم قرآن پاک میں موجود تھا بلند کیا اور اس عمارت کو اس اصول کو ایسا مستحکم کیا کہ خلافت راشدہ میں ہمیشہ اسی اصول پر حکومت کی گئی اور اسی لئے ہر چہار بزرگان دین خلفائے راشدین المہدیتین کے لقب صحیح سے روشناس عالم ہوئے۔

حضرت صدیق کی مرویات حدیث کی تعداد ہے۔ صحیح بخاری میں صحیح مسلمؒ میں متفق علیہ دیگر کتب میں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اکابر صحابہ سے جو ذمہ واریوں کی خدمات میں اکثر مامور رہا کرتے تھے روایات کی تعداد کمتر ملتی ہے اور اُن صحابہ سے جو ملکی خدمات سے سبکدوش رہے۔ روایات کی تعداد زیادہ ملتی ہے اور اس کی وجہ مذکورہ بالا فقرات ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس بات کو مثال کے طور پر سمجھنا چاہیے کہ کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ امتحان پاس کرنے کے بعد دو طالب علم نکلے۔ ہر ایک کی قابلیت و لیاقت علمی مسلمہ ہے اُن میں سے ایک تو وزیر سلطنت ہو گیا اور دوسرا پروفیسر (معلم) بنا۔ ظاہر ہے کہ وزیر کو تلامذہ سے سابقہ نہیں پڑا۔ اور اس لیے اُس کے بتائے ہوئے نوٹ لکھوائے ہوئے حواشی ظاہر کیے ہوئے علمی نکات، دائرہ درس و تدریس میں بہت کم موجود ہوں گے۔

دوسری وجہ وہ مدت روائت بھی ہے جو روائت کرنے والے کو ملی۔ یہ مسلمہ ہے کہ روایت احادیث کا طریق بعد از رحلت نبوی جاری ہوا۔ ابوبکر صدیق کو صرف سوا دو سال اور عمر فاروق کو بارہ سال اور علی مرتضٰی کو ۲۹ سال کا عرصہ مل گیا تھا یہی حال ابوہریرہ و جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ہر دو امور کو پیش نظر رکھنے سے ایک جویائے حقیقت کو قلت روایات کی وجہ روشن ہو جائے گی۔

۲۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتھ کعب میں شامل ہو جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن ازاح بن عدی بن کعب القرشی العدوی

ام المومنین حفصہ ان کی بیٹی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوحفص تجویز فرمائی تھی ان کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ہیں نسب میں غلطی کرنے والوں نے حنتمہ کو ابوجہل کی بہن سمجھ لیا حالانکہ ابوجہل کے باپ کا نام ہشام ہے ہاشم نہیں۔

فاروق کے نانا ہاشم عرب کے مشہور شاہ سواروں میں سے تھے اور ان کا لقب "الرمحنین" تھا۔

<u>ولادت</u>: عام الفیل سے ۱۳ سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

<u>قومی عہدہ</u>: قبل از اسلام قوم کی طرف سے "درجہ سفارت" ان کو ملا ہوا تھا۔ معاہدات اور مناقشات اور معاملات جنگ کا فیصلہ انہی کی وساطت سے اور انہی کی رائے کے موافق ہوا کرتا تھا اسلیے قریش کے اندر اور دیگر قبائل کے اندر ان کو خاص طور پر وقار اور وجاہت حاصل تھی۔

<u>حلیہ</u>: بلند بالا۔ سخت گندم گوں، پُر بدن۔ اصلع (چندیا کے بال صاف) سُرخ چشم۔ محنی یا سفید ریش۔

<u>اسلام</u>: ۵ھ یا ۶ھ نبوت کو مکہ مکرمہ میں اور ارقم بن ارقم کے گھر میں امیر حمزہ بن عبدالمطلب سے تین یوم بعد مسلمان ہوئے۔ ان کے

ے افسوس ہے کہ یہاں قاضی صاحب تعداد لکھنا بھول گئے اب آئندہ ایڈیشن میں صحیح تعداد لکھی جائے گی۔ خادم

صدیق اکبر از سعید احمد اکبر آبادی میں مرویات صدیق کی تعداد بحوالہ تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی ۱۴۲ لکھی ہے البتہ الصدیق از مولوی عبدالحفیظ میں ۱۵۰ بیان کی گئی ہے۔ (ادارہ)

بھائی زید بن خطاب اور ان کی ہمشیرہ فاطمہ بنت خطاب قبل ازیں مسلمان ہو چکی تھی۔ فاطمہ خاتون کی سعی سے اُن کے شوہر زید بن سعید بھی اسلام میں داخل ہوئے تھے اور فاروق کو بھی انہی کے مبارک گھر میں قرآن مجید سننے کا موقعہ ملا۔ قرآن پاک کے سنتے ہی یہ اسلام پر پختہ ہوئے اور اُسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ مَا فِی صَدْرِہٖ مِنْ غِلٍّ وَاَبْدِلْہُ اِیْمَانًا — یا اللہ اس کے سینے میں جو کچھ بھی میل کچیل ہو دور کر دے اور اس کے بدلے ایمان بھر دے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ اسلام عمرؓ کے بعد ہم دین اسلام کو اس نوجوان سے مشابہ سمجھا کرتے جس کے قویٰ کا نشو ونما روز بروز ترقی پذیر ہو۔ شہادت عمرؓ کے بعد ہم سمجھا کرتے تھے کہ اب اس شخص کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا ہے عمر بوقت اسلام ۳۳ سال تھی۔

فاروق کا خطاب ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ وَھُوَ الْفَارُوْقُ فَرَّقَ اللّٰہُ بِہٖ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ — اللہ تعالیٰ نے سچ کو عمر کے دل و زبان میں رکھ دیا ہے وہ فاروق ہے حق اور باطل کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اُس کے ذریعہ سے فرق کر دیا ہے۔

اسلام سے چند یوم کے بعد ہی ان کو حضورؐ نے اپنا وزیر بنا لیا۔ ترمذی نے بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَآءِ جِبْرَائِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَ[...] وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ — میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں وہ تو جرائیل و میکائیل ہیں اور میرے دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں وہ ابوبکر و عمر ہیں۔

ہجرت مدینہ علی مرتضےٰ فرماتے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کرنا ایسا مشکل تھا کہ سب نے چھپ چھپ کر ہی ہجرت کی۔ لیکن عمرؓ نے سفر ہجرت کے دن دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے طواف کعبہ کیا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور پھر قریش کے مجمع میں جا کھڑے ہوئے اور کہا۔ اے روسیاہو جو کوئی تم میں سے اپنی ماں کو بے اولادی کا۔ اپنے بیٹے کو یتیمی کا۔ اپنی جورو کو رنڈاپے کا داغ دینا چاہے وہ میرا تعاقب کرے۔ سب نے سنا اور کسی کو بھی عمر کا تعاقب کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

ہجرت کرنے والوں نے ان کی معیت کو غنیمت سمجھا (۱) زید بن خطاب (۲) سعید بن زید (۳، ۴) عمرو عبداللہ فرزندان سراقہ (۵) خنیث بن حذافہ (۶) واقد بن عبداللہ (۷، ۸) خولی و بلال فرزندان ابو خولی (۹) عیاش بن ابو ربیعہ (۱۰-۱۱-۱۲) خالد و ایاس و عاقل فرزندان بکیر (۱۳) سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہم اور بیس دیگر اصحاب نے ان کے ساتھ ہجرت کی۔

فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے فضائل کے متعلق متعدد احادیث ہیں جو بلحاظ صحت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

(۱) ابو موسیٰ اشعری کی حدیث طویل ہے جسے صحیحین میں روایت کیا گیا ہے۔

---

[1] تہذیب الاسماء امام نووی ص۹

ارشادِ نبوی ہے اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ باغ کا دروازہ عمرؓ کے لئے کھول دے اور اُسے بشارت جنت سنا دے۔

۲۔ بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابو وقاص ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا لَقِیَكَ الشَّیْطَانُ سَالِكًا فَجًّا اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّكَ

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس راستہ پر شیطان تجھے چلتا دیکھ لے گا، اُسے چھوڑ کر دوسرے راہ پر ہو جائے گا۔

۳۔ بخاری و مسلم میں طیبہ عائشہ صدیقہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَقَدْ كَانَ فِیْ مَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُنْ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ

پہلی اُمتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جن سے فرشتے باتیں کیا کرتے اگر کوئی میری امت میں ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

۴۔ بخاری و مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک چاہ کے اُوپر ہوں۔ میں نے اُس میں سے ڈول نکالے جتنے منشاء الٰہی تھا۔ پھر ڈول ابوبکرؓ نے لیا اور ایک یا دو ڈول ضعف کے ساتھ نکالے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے ضعف کو معاف کر دیا۔ پھر وہ ڈول عمرؓ نے لے لیا۔ ڈول تو چرسہ بن گیا۔ میں نے کوئی ایسا عجیب شخص نہیں دیکھا کہ اس زور و طاقت کے ساتھ چرسہ نکالتا ہو۔ اُس نے تو سب لوگوں کو سیراب کر دیا حتیٰ کہ اُن کی تونند نکل آئی۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اس کی تعبیر فتوحات اسلامیہ ہیں

۵۔ محمد حنفیہ، رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد بزرگوار علی مرتضیٰؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ کے بعد بہتر شخص کون ہے۔ فرمایا ابوبکر میں نے کہا اُس کے بعد فرمایا عمر یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

۶۔ بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ میں عمر فاروقؓ کے جنازے پر کھڑا ہوا تھا اور بھی بہت لوگ تھے۔ اتنے میں ایک شخص میرا کندھا پکڑ کر آگے بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ علی مرتضیٰ ہیں۔ انہوں نے عمرؓ کے لئے دعائے رحمت کی اور پھر کہا۔ اب تیرے بعد کوئی شخص ایسا نہ رہا جس کے اعمال کو لے کر میں اللہ کی ملاقات کو پسند کروں۔ واللہ میں تو یہ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپکو ان دونوں رفیقوں سے ملا دے گا۔ کیونکہ میں بسا اوقات سنا کرتا تھا کہ رسول اللہ فرماتے میں اور ابوبکر و عمر گئے۔ میں اور ابوبکر و عمر آئے میں اور ابوبکر و عمر وہاں سے نکلے۔

۷۔ عمرو بن العاص کی روایت بخاری و مسلم میں ہے کہ جب وہ جنگ ذات السلاسل سے واپس آئے تو انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور کو سب سے پیارا کون ہے فرمایا عائشہ میں نے کہا مردوں میں سے فرمایئے۔ فرمایا ابوبکرؓ۔ پھر عمرؓ کا نام لیا۔ پھر کئی نام اور بھی شمار کئے۔

۸۔ بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پر چڑھے۔ حضور کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان آئے تھے پہاڑ کو زلزلہ آیا۔ فرمایا احد ٹھہر جاؤ۔ تجھ پر تو ایک نبیؐ ایک صدیقؓ اور دو شہید موجود ہیں۔

۹۔ سنن ترمذی میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔ اگر میرے بعد کسی نے نبی ہونا ہوتا تو عمر ہوتا

۱۰۔ ترمذی میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ

میرے بعد ان دونوں ابوبکر و عمر کا اقتدا کیا کرنا۔

۱۱۔ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر کی بابت فرمایا۔

هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ إِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ

انبیاء و مرسلین کو چھوڑ کر ابوبکرؓ و عمرؓ جنت کے سب اگلے پچھلے اُمّت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سید اور سردار ہیں (ترمذی)

خلافت جب ابوبکر صدیقؓ نے محسوس کر لیا کہ وہ وفات پانے والے ہیں۔ تب انہوں نے مہاجرین و انصار کے مجمع میں اپنے جانشین کا سوال پیش کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، سعید بن زبیر اور اُسید بن حضیر انصاری وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کی اور بالاتفاق انہوں نے عمر فاروق کو شایانِ خلافت قرار دیا۔ اس مشورت کے بعد ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کے استخلاف کی تحریر لکھ دی۔ یہ تحریر ابوبکر صدیق نے مجمع عام میں سنا دی اور سب نے اس تجویز کو بلا اختلاف احدے پسند کر لیا۔ تب ابوبکر صدیق نے عمر کو طلب کیا اور مجمع کے سامنے یہ دعا پڑھ کر اس معاملہ کو ختم کیا۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ لَمْ أُرِدْ بِذٰلِكَ إِلَّا صَلَاحَهُمْ وَخِفْتُ عَلَيْهِمُ الْفِتْنَةَ فَعَمِلْتُ فِيْهِمْ بِمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ فَوَلَّيْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرَهُمْ وَأَقْوَاهُمْ عَلَيْهِمْ وَأَحْرَصَهُمْ عَلٰى مَا أَرْشَدَهُمْ. وَقَدْ حَضَرَنِيْ مِنْ أَمْرِكَ مَا حَضَرَنِيْ فَاخْلُفْنِيْ فِيْهِمْ فَهُمْ عِبَادُكَ وَنَوَاصِيْهِمْ فِيْ يَدِكَ فَأَصْلِحْ لَهُمْ وُلَاتَهُمْ وَاجْعَلْهُ مِنْ خُلَفَائِكَ الرَّاشِدِيْنَ يَتَّبِعُ هُدٰى نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَاصْلِحْ لَهٗ رَعِيَّتَهٗ

یا اللہ میرا مقصود اس کارروائی سے خلق اللہ کی بہبودی ہے کیونکہ مجھے اُن کی حالتوں کو دیکھتے ہوئے (جسے تو خوب جانتا ہے) فتنہ کا اندیشہ ہوا لہٰذا میں نے ان پر اس شخص کو والی کر دیا جو ان میں زیادہ بہتر اور بہت قوی اور بہبود و سود خلائق پر بہت زیادہ حریص ہے۔ الٰہی تو جانتا ہے کہ یہ میرا آخری وقت ہے۔ اس لئے اب تو ہی ان کو سنبھالیو یہ تیرے بندے ہیں۔ ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ یا اللہ مسلمانوں کے سب حکام کو درست فرما دیجیو اور عمرؓ کو خلفاء راشدین میں سے بنائیو۔ جو نبی الرحمۃ کی ہدایت پر چلے۔ الٰہی اس کی رعیت کو بھی درست رکھیو

خلافت عمرؓ پر کسی ایک مسلمان کو بھی اختلاف نہ تھا۔ آپکو خلافت ۲۲ جمادی الآخری ۱۳ھ کو ملی۔

مدت خلافت فاروق دس برس ۶ ماہ ۸ یوم

شہادت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک دفعہ میرے سامنے عمر فاروق نے یہ الفاظ ادا کیے

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ حَبِيْبِكَ "الٰہی مجھے تیرے راہ میں شہادت بھی ملے اور میری موت تیرے پیارے نبی کے شہر ہی میں ہو۔" میں نے دل میں کہا کہ یہ دونوں باتیں کیونکر ہونگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلص صادق کی دعا کو ٹھیک انہی الفاظ میں منظور فرما لیا۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کی نماز صبح کا وقت تھا۔ مسلمان نماز میں تھے کہ ابو لولو مجوسی نے دو دھاری خنجر سے فاروق پر حملہ کیا اور چھ زخم

کاری لگائے وہاں سے بھاگا تو ۱۳ کس دیگر کو بھی زخمی کیا۔

فاروقؓ نے اسی وقت نماز کے لئے ابن عوف کو امام مقرر کر دیا اور پھر مجروح اٹھا کر لائے گئے شنبہ یکم محرم ۲۴ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں صدیقہ عائشہ طیبہ کے گھر میں اُن کی اجازت سے دفن کئے گئے۔ انتقال بعمر ۶۳ سال ہوا۔

علم عمر رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات پر کہا کہ آج ۹/۱۰ علم جاتا رہا۔

صحیحین میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ دودھ کا ایک پیالہ میرے سامنے پیش کیا گیا میں نے پیا۔ اس کی طراوت مجھے اپنے ناخنوں کی جڑ تک معلوم ہوئی۔ پھر جس قدر بچ رہا وہ میں نے عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضورؐ اس کی تاویل (حقیقت اصلیہ) کیا ہے فرمایا **علم**۔

یہ حدیث بہت بڑی شان کی ہے اور صحت کے لحاظ سے ذروۂ اعلیٰ پر ہے۔

ہم لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شان علم کے لحاظ سے بلند ترین ذروہ پر تسلیم کرتے ہیں مگر جو الفاظ حدیث اس بارہ میں زبان زد عوام ہیں وہ بلحاظ سند بالکل غیر ثابت ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا

امام ترمذی نے اس روایت کو منکر بتلایا۔

امام بخاری نے منکر کہنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کے لئے کوئی بھی وجہ صحیح نہیں پائی جاتی۔

امام ابن معین نے کہا یہ کذب ہے اس کی اصل کچھ بھی نہیں۔

ابن الجوزی اور ذہبی نے اس کا شمار موضوعات میں کیا ہے۔

فاروقؓ اور مرتضےٰؓ کے تعلقات مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہردو بزرگواروں کے تعلقات کو بھیانک اور گھنونی صورت میں دکھلایا کرتے ہیں۔ لیکن اس کی کچھ اصلیت نہیں۔

علیؓ مرتضےٰ جناب فاروقؓ کے مشہور وزیر اعظم اور معتمد علیہ تھے۔ فاروق اعظمؓ نے دوبار بجانب شام سفر کیا اور ہردو موقع پر اپنی جگہ علی مرتضیٰؓ کو قائم مقام بنایا۔

فاروق اعظمؓ نے جن چھ اشخاص کو شایان خلافت شمار کیا تھا اُن میں سے سب سے پہلے انہوں نے جناب مرتضیٰ کا اسم گرامی بتایا تھا۔

علی مرتضیٰ نے اپنی دختر ام کلثوم از بطن سیّدہ زہرہ کا نکاح فاروقؓ اعظم کے ساتھ ۱۷ھ خلافت فاروقی میں کر دیا تھا۔ اُن کے بطن سے زید فرزند اور رقیہ دختر عمرؓ فاروق پیدا ہوئی۔ مشیر اعظم ہونے کے ثبوت میں علی مرتضیٰ کے خود الفاظ موجود ہیں۔

نہج البلاغہ جناب امیر ہی کی کتاب ہے اور اسی لئے فرقہ امامیہ نے اس کی حفاظت و نگہداشت میں بہت اہتمام کیا ہے۔ کتاب مذکور میں درج ہے کہ جب عمر فاروقؓ نے سلطنت ایران میں بذات خود جہاد کرنے کا مشورہ لیا تو جناب مرتضےٰؓ نے فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَلَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَّلَا بِقِلَّةٍ، هُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِيْ أَظْهَرَهُ وَجُنْدُهُ الَّذِيْ أَعَدَّهُ وَأَمَدَّهُ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُمَا طَلَعَ وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ وَنَاصِرٌ جُنْدَهُ وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَيَضُمُّهُ فَإِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهِ أَبَدًا۔

وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ وَإِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْإِسْلَامِ عَزِيْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَاسْتَدِرِ الرَّحٰى بِالْعَرَبِ وَأَصْلِهِمْ دُوْنَكَ نَارَ الْحَرْبِ۔

فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْأَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ أَطْرَافِهَا وَأَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ مَا تَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ أَهَمَّ إِلَيْكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكَ۔

إِنَّ الْأَعَاجِمَ إِنْ يَّنْظُرُوْا إِلَيْكَ غَدًا يَقُوْلُوْا هٰذَا أَصْلُ الْعَرَبِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ أَشَدَّ لِكَلَبِهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيْكَ۔

فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيْرِ الْقَوْمِ إِلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْرَهُ لِمَسِيْرِهِمْ مِنْكَ وَهُوَ أَقْدَرُ عَلٰى تَغْيِيْرِ مَا يَكْرَهُ۔

وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ فَإِنَّا لَمْ نَكُنْ نُقَاتِلُ فِيْمَا مَضٰى بِالْكَثْرَةِ وَإِنَّمَا كُنَّا نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُوْنَةِ"[۱۴]

ترجمہ: ہماری حکومت کی کامیابی و ناکامی کثرت یا قلت پر نہیں یہ تو وہ دین الٰہی ہے جسے خدا نے ظہور بخشا ہے اور وہ الٰہی لشکر ہے جسے اسی نے تیار کیا اور پھیلایا ہے حتیٰ کہ جہاں تک پہنچا تھا وہاں پہنچا جہاں سے نور افگن ہونا تھا ہوا۔

ہمارے ساتھ تو اللہ کا وعدہ موجود ہے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور اپنی فوج کی مدد بھی کرے گا۔

حکومت کو تھامنے والے صاحب الامر کا درجہ ایسا ہے جیسا موتیوں کی مالا میں ڈورا کا ہوتا ہے اگر ڈور ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جائیں گے اور پھر وہ سب کے سب کبھی فراہم نہ ہو سکیں گے۔

ہاں عرب والے آج گو تعداد میں کم ہیں مگر وہ اسلام کے طفیل بڑے ہیں اور جمعیت کی وجہ سے عزت اور وقار والے ہیں۔

اب آپ تو قطب بنے رہیں، عرب کی چکّی آپ کے گرداگرد گھوما کرے۔ دشمنوں میں آپ یہیں رہ کر آتش جنگ کو تیز کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ یہاں سے چلے گئے عرب اور اس کے حدود آپ کے وجود سے محروم رہ گئے تو وہ حالت ہو جائے گی کہ پیچھے (اپنے وطن) کا سنبھالنا اگلے (متوقعہ) ملک کے سنبھالنے سے زیادہ ضروری ہو جائے گا۔

یہ بھی ہے کہ جب عجمی آپ کو دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ عرب کی بیخ و بنیاد یہی شخص ہے تو ان کے حملے زیادہ سخت ہو جائیں گے اور وہ بلند حوصلگی کے ساتھ آپ کی مخالفت میں مستعد ہو جائیں گے۔

آپ نے کہا کہ سارا فارس مسلمانوں سے جنگ کے لئے آ رہا ہے سو آپ یاد رکھیں کہ جو چیز آپ کو ناپسند ہے وہ خدا کو اور بھی زیادہ ناپسند تر ہے اور جسے وہ پسند نہیں کرتا اُسے دور کرنے کی قدرت بھی اس میں بہت زیادہ ہے۔

رہی کثرت تعداد سو ہم زمانِ ماضی میں بھی کبھی کثرت تعداد سے جنگ آور نہیں ہوئے ہماری لڑائی تو نصرت الٰہی اور معونت ربانی پر منحصر رہی ہے

علی مرتضیٰ کی اس تقریر پر غور مزید ضروری ہے۔

۱۔ انہوں نے فتوحات فاروقی کو وعدۂ الٰہی انجاز فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس وعدہ سے کلام اللہ کی آیت استخلاف ہی کی جانب اشارہ ہے۔ علی مرتضیٰ کی طرف سے یہ اقرار واضح ہے کہ خلافت فاروقی منجانب اللہ ہے۔

۲۔ اس تقریر میں خالد اور ابوعبیدہ اور فیروز دیلمی وغیرہ قائدین عساکر کو جُند اللہ کہا گیا ہے اور ان کی فتوحات کو نصرت الٰہی اور معیّت ربانی کا نتیجہ قرار دیا ہے اور یہی روشن علامت خلیفہ راشد کی قرآن پاک میں ہے۔

۳۔ فاروق اعظم کو قیم بالامر کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کو قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا ہے یعنی لفظ قیمؔ اقتدار نام کے معنے بھی رکھتا ہے اور اقتدار حق کا لزوم بھی اس معنے میں ہے۔

۴۔ پھر اس مثال پر غور کرو جو مالائے مروارید اور رشتہ مالا کی اسلوب میں پیش کی گئی ہے۔

۵۔ فاروقؓ کو قطب فرمایا ہے۔

ان الفاظ اور اسالیب سے ثابت ہو جاتا ہے کہ فاروق و مرتضیٰ میں مصادقت و موافقت اور اتحاد کس قدر تھا۔

علیٰ ہٰذا سلطنت روما کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جانے کا بھی ارادہ فاروق اعظم نے کیا اور علیؓ مرتضیٰ سے مشورہ لیا تو انہوں نے ان الفاظ میں مشورہ پیش کیا تھا۔

قَدْ تَوَكَّلَ اللّٰهُ لِاَهْلِ هٰذَا الدِّيْنِ بِاِعْزَازِ الْحَوْزَةِ وَسَتْرِ الْعَوْرَةِ وَالَّذِىْ نَصَرَهُمْ وَهُمْ قَلِيْلٌ لَا يَنْتَصِرُوْنَ وَمَنَعَهُمْ وَهُمْ قَلِيْلٌ لَا يَمْتَنِعُوْنَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ اِنَّكَ مَتٰى تَسِرْ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ فَتَلْقَهُمْ فَتُنْكَبْ لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ اَقْصٰى بِلَادِهِمْ لَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ فَابْعَثْ اِلَيْهِمْ رَجُلًا مُجَرَّبًا وَاحْفِزْ مَعَهٗ اَهْلَ الْبَلَاءِ وَالنَّصِيْحَةِ فَاِنْ اَظْهَرَ اللّٰهُ فَذٰلِكَ مَا تُحِبُّ وَاِنْ تَكُنِ الْاُخْرٰى كُنْتَ رِدْءًا لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ (نہج البلاغۃ صفحہ ۱۱ چاپ تبریز)

اس دین والوں کا اللہ خود کارساز بن گیا ہے اُسی نے اندرون ملک کو عزت دی اور اسی نے بیرونی کمزوری سے ہماری حفاظت کی۔ اُسی نے ہماری مدد کی جبکہ ہم کم تھے اور ہمارا کوئی مددگار نہ تھا۔ اُسی نے ہم سے مدافعت کی جبکہ ہماری تھوڑی تعداد مدافعت بھی نہ کر سکتی تھی — اللہ تعالیٰ زندہ ہے لایموت ہے۔ جب آپ اس دشمن کی طرف خود جائیں گے اور اس کی طاقت توڑ دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے ملک کے انتہائی کنارہ تک کوئی پناہ نہ رہے گی اور کوئی مرجع نہ رہے گا جس کی طرف وہ رجوع لا سکیں۔

آپ کسی جنگ آزمودہ کو بھیج دیجئے اور اس کے ساتھ امتحان اور خلوص والے لوگوں کو بھیج دیجئے۔ اگر خدا نے فتح دے دی تب تو آپ کی آرزو پوری ہو گئی اور اگر صورت دگرگونہ ہوئی تب لوگوں کے لئے قوت و شوکت اور مسلمانوں کے لئے ملجا و ماوی تو آپ موجود ہی ہوں گے۔

قابلِ غور یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے اس تقریر میں عمر فاروق کو کانفۃ للمسلمین اور مرجع المسلمین ردءا للناس اور مثابۃ

للمسلمین کے اوصاف سے یاد کیا ہے لفظ ردءا کا استعمال قرآن مجید میں بحوالہ درخواست موسیٰ ہارون علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

ارسلہ معی ردءًا یصدقنی اور مثابۃ للناس خانہ کعبہ کو فرمایا ہے۔ یہاں فاروق کو مرتضیٰ نے ردءًا اور مثابۃ قرار دیا ہے اور یہ عجیب نکتہ ہے کہ لفظ ردءا اور لفظ مثابۃ کا استعمال صرف ایک ایک مقام پر حضرت ہارون اور بیت اللہ کے لیے ہوا ہے اور کسی کے لیے ان کا استعمال قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اب علی مرتضیٰ نے فاروقؓ کے حق میں فرمایا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ اپنے دل سے فاروق اعظم کی کس قدر عزت کرتے تھے اور ان کی شان میں کیسے لاثانی الفاظ کا استعمال کرتے تھے۔

یہ مختصر رسالہ اس مسئلہ کو بالاستیعاب بیان کرنے کے لئے موزوں نہیں۔

جناب فاروق ہی کی برکت تھی کہ عراق و فلسطین دمشق حمص، حماۃ، جزائر آذربیجان، مصر اور فارس کے ممالک داخل اطاعت اسلام ہو گئے۔

پارسیوں نے تو فتح فارس کا انتقام بھی فاروق سے پورا پورا لے لیا وہ مسلمانوں میں ملے اور انہی میں سے بعض نے عقائد میں فاروق کو بھلا برا کہنا داخل ایمان کر دیا۔

انہی کے حکم سے بصرہ و کوفہ آباد کیے گئے انہی نے جملہ ممالک مفتوحہ کا قانونی بندوبست کیا۔

فتوحات ملکی کے بعد فاروق اعظم کی فتوحات علمی بھی بہت زیادہ ہیں دواوین احادیث میں مرویات فاروق کی تعداد ۵۲۹ ہے از انجملہ متفق علیہ ۲۶ انفرد بہ البخاری ۳۴، انفرد بہ المسلم ۲۱ ہیں۔

علی مرتضیٰ کی مرویات کی تعداد جملہ کتب احادیث میں ۵۸۶ ہے یعنی عمرؓ سے ۵۷ زیادہ جب یہ غور کیا جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ عمر فاروق کے بعد قریباً ۱۷ سال تک زندہ رہے تو مرویات عمر کی تعداد کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔

ان صحابہ کے نام جنہوں نے فاروق اعظم سے روایت حدیث کی ہے

۱۔ عثمان ذوالنورین ۲۔ علی مرتضیٰ ۳۔ طلحہ بن عبید اللہ ۴۔ سعد بن ابی وقاص ۵۔ عبدالرحمن بن عوف۔ یہ پانچوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۶۔ ابن مسعود فقیہہ کامل ۷۔ ابوذر زاہد کامل ۸۔ عبداللہ بن عمرؓ ۹۔ حبرالامۃ ابن عباس ۱۰۔ ابن الزبیر ۱۱۔ ابوموسیٰ اشعری ۱۲۔ انس بن مالک خادم الرسول ۱۳۔ جابر بن عبداللہ ۱۴۔ عمرو بن العاص ۱۵۔ ابو لبابہ ۱۶۔ براء بن عازب ۱۷۔ ابوسعید خدری ۱۸۔ ابوہریرہ ۱۹۔ ابن السدی ۲۰۔ عقبہ بن عامر ۲۱۔ نعمان بن بشیر ۲۲۔ عدی بن حاتم ۲۳۔ یعلی بن امیہ ۲۴۔ سفیان بن وہب ۲۵۔ عبداللہ بن سرجس ۲۶۔ فلتان بن عاصم ۲۷۔ خالد بن عرفطہ ۲۸۔ اشعث بن قیس ۲۹۔ ابوامامۃ الباہلی ۳۰۔ عبداللہ بن انیس ۳۱۔ بریدہ بن حصیب الاسلمی ۳۲۔ فضالہ بن عبید ۳۳۔ شداد بن اوس ۳۴۔ سعید بن العاص ۳۵۔ کعب بن عجرہ ۳۶۔ مسعود بن مخرمہ ۳۷۔ صائب بن یزید ۳۸۔ عبداللہ بن ارقم ۳۹۔ جابر بن سمرہ ۴۰۔ حبیب بن مسلمہ ۴۱۔ عبدالرحمن بن ابزی ۴۲۔ عمرو بن حریث ۴۳۔ طارق بن شہاب ۴۴۔ معمر بن عبداللہ ۴۵۔ مسیب بن حزن ۴۶۔ سفیان بن عبداللہ ۴۷۔ ابوالطفیل ۴۸۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ ۴۹۔ ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین۔

اگر پڑھنے والے کے سامنے ان صحابہ کے حالات ہوں اور وہ ان کے علمی کمالات سے اطلاع ہو۔ تب یہ اکتشاف بہترین معلومات کا ذریعہ ہوگا کہ صحابہ کرام کی جماعت میں سے ۴۹ مقدسین نے فاروق کے علوم سے استفادہ کیا ہے اور ان علوم کو خلائق تک پہنچایا ہے۔ صحابہ کی

اتنی جماعت کا مستفیض ہونا فاروق کے کمالات علمی پر شاہد عدل ہے۔

ان تابعین کے نام جنہوں نے فاروق اعظم سے روائت حدیث کی ہے

تابعین کی جماعت کثیرہ نے بھی حضور سے روائت کی ہے۔ اُن کا احصا دشوار ہے صرف چند نام لکھ دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ عاصم بن عمر ۲۔ مالک بن اوس ۳۔ علقمہ بن وقاص ۴۔ ابو عثمان نہدی ۵۔ اسلم ۶۔ قیس بن ابو حازم ان بزرگوں کی روایات کتب احادیث میں بکثرت ہیں۔

فاروق اعظم سے کیاست و فراست عدل و سیاست جود و سخا۔ زہد و ورع۔ صلابت فی الدین، اور شفقت علی الخلق کے متعلق اس قدر روایات صحیح موجود ہیں کہ اُس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

ان کے خطبات اور فتاوے اور فرامین کا اتنا بڑا مجموعہ ہے جو ایک جلد میں جمع نہیں ہو سکتا۔

اَوّلیات عمرؓ

۱۔ یہ پہلے خلیفہ راشد ہیں جنہوں نے دیوان مرتب کیا۔ یعنی باقاعدہ دفتر قائم کیا

۲۔ یہ پہلے خلیفہ ہیں جن کے ہاں نشست میں اور ملاقات میں ترتیب علی قدر مراتب ملحوظ رہتی تھی۔ یعنی سب سے اوّل اہل بدر ہوتے تھے۔ اور اُن میں بھی نشست اوّل پر علی مرتضیٰ رونق افروز ہوتے تھے۔

۳۔ یہ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ جنہوں نے جملہ اہل اسلام کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا اس فہرست کی تیاری میں قرابت رسولؐ کو تقدیم دی گئی تھی۔

یعنی سب سے پہلے بنی ہاشم کا اندراج ہوا۔ پھر بنو مطلب کا۔ چند وظائف کی شرح بھی درج ہے عباس عم رسولؐ عہ ہزار، ام المومنین عائشہ صدیقہ و حسنین علیہم السلام عہ ہزار دیگر ازواج النبی فی مے ہزار اصحاب بدر فی صہ ہزار، اصحاب احد و بیعۃ الرضوان فی للعہ ہزار۔ اہل قادسیہ و شام لہ مے ہزار اہل یرموک ایک ہزار دیگر مسلمانان اطراف فی کس صما سے ڈھائی سو سے کم کسی کا سالانہ وظیفہ نہ تھا۔

۴۔ انہی کے عہد میں ابی بن کعب سید القراء نے نماز تراویح کی امامت شروع کی۔

۵۔ یہی پہلے خلیفہ راشد ہیں جن کا لقب امیر المومنین ہوا۔ سب سے پہلے اس خطاب سے عدی بن حاتم طائی اور لبید بن ربیعہ نے جناب فاروق کو مخاطب کیا پھر عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ نے بھی تب جناب فاروق نے اس مسئلہ کو شوریٰ میں پیش کر دیا۔ اس وقت فاروق کو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کہا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ آئندہ جانشینوں کے وقت میں یہ فقرہ اور بھی لمبا ہو جائے گا۔ اس لیے اس پر غور ضروری ہے غور کے بعد قرار پایا کہ سب اہل ایمان مومنین ہیں اور آپ سب برابر ہیں۔ اس لیے امیر المومنین ہی موزوں اور صحیح لقب ہے۔ اسی پر عملدرآمد ہوا۔ خلفاء راشدین عثمان و علی و حسن علیہم السلام بھی اسی لقب سے بجا طور پر ملقب ہوئے مگر بعد میں ہر ایک تخت نشین دبنو امیہ و بنو عباس حکمران سپین و مصر نے بھی اس لقب کو اپنے نام کا جزو قرار دے لیا)

۶۔ یہ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ جنہوں نے اپنے دوران حکومت میں ہر سال حج کیا۔ اور حج ہی کے موقع پر جملہ ولات ممالک اور حکام علاقجات اور قائدین عساکر کو جمع کیا کرتے تھے اُن کے جملہ افعال و اعمال کا تجسس کیا جاتا تھا۔

۷. یوم الفتح کو بیعت کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہی پیش کرنے والے تھے

قرض مرض الموت میں انہوں نے اپنے قرض کا حساب کرایا تو معلوم ہوا کہ ۸۶ ہزار روپیہ قرض کا دینا ہے۔ یہ قرض اُن کے جود وسخا، اور صرف فی سبیل اللہ کا نتیجہ تھا۔ ابن عمر کو اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

حکومت پر عام رائے دس سال تک ایسی خلافت کی کہ بقول علی مرتضیٰ بعد کے جانشینوں کے لئے انہی کے نقش قدم پر چلنا دشوار تر تھا۔

اسم عمر کی اہلبیت میں قبولیت اور نفاذ

۱. علی مرتضیٰ نے اپنے ایک فرزند کا نام (جو ام البنین بنت حرام کے بطن سے ہیں اور عباس علمدار شہید کربلا کے مات بھائی بھی ہیں) عمر رکھا تھا جو علماء نسب میں عمر (اطراف) کے پتہ سے معروف ہیں۔

۲. امام زین العابدین کے ایک فرزند کا نام (جو زید شہید کے مات بھائی ہیں) عمر ہے اور علماء نسب میں وہ عمر اشرف کے پتہ سے معروف ہیں

۳. امام زین العابدین کے ایک پوتے کا نام (جو حسین بن علی اصغر بن زین العابدین کے فرزند ہیں) عمر تھا۔

۴. امام زین العابدین کے ایک نواسہ کا نام (جو خدیجہ خاتون بنت زین العابدین کے بطن اور محمد بن عمر بن علی کی نسل سے ہیں) عمر ہے اور ان کی نسل بلخ وخراسان میں بکثرت موجود ہے۔

۵. سبط الرسول حسن علیہ السلام کے بارہ فرزندوں میں سے ایک کا نام عمر ہے۔

اس سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ آل رسول میں اسم عمر کس قدر مقبول ومتبرک تھا۔ آج لوگ اگر علی مرتضیٰ، حسن مجتبےٰ اور سجاد زین العابدین کے عمل پر عمل نہ کریں تو اُن کی اپنی مرضی ہے۔

مشاہد غزوات

جملہ مشاہد وغزوات میں ملتزم رکاب نبوی تھے۔ کسی ایک مشہد میں بھی حضور سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ احد وحنین کے غزوات میں اُن بزرگواروں میں سے تھے جنہوں نے میدان جنگ میں شہادت واستقلال کا کامل نمونہ دکھلایا۔ رضی اللہ عنہ

۴۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سرور عالم کے ساتھ نسب میں علی مرتضےٰ کے بعد سب سے اقرب عثمان ذوالنورین ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ان کی نانی ہیں یہ دوہری قرابت ہے۔

ولادت ۶ سنہ عام الفیل۔ خلافت یکم محرم ۲۴ھ مدت خلافت ۱۲ سال سے ۱۲ یوم کم۔ شہادت ۱۸ ذی الحجہ یوم الجمعہ ۳۵ھ عمر ۸۲ سال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر رقیہ اور اُن کی وفات کے بعد ام کلثوم کے شوہر بنے اور اسی لئے ذوالنورین کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ذوالہجرتین ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَاَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ بَعْدَ اِبْرَاهِیْمَ وَلُوْطٍ (الحدیث)

اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابراہیم و لوطؑ کے بعد یہ سب سے پہلے شخص ہجرت کرنے والے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے ۱۴۶ مرویات بیان کی ہیں متفق علیہ ۳ انفراد بخاری ۸ انفراد مسلم ۵۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت میں امصار و بلدان کی فتوحات عظیمہ اہل اسلام کو ارزانی فرمائیں۔ فتح فارس کو مکمل کیا۔ خراسان و سجستان و مرو و کابل کو فتح کیا۔ افریقہ و بربر شامل ممالک اسلامیہ ہوئے۔ جزائر مالٹا، کریٹ، طرابلس فتح کیے۔ انہی کے عہد میں قوت بحری قائم کی گئی جس نے جزائر کو بھی فتح کیا مشرق میں سائبیریا تک ان کی حکومت پہنچ گئی تھی۔

یہ جہاد بالمال میں سب سے پیش پیش تھے۔ جنگ تبوک میں انہوں نے ۹۵۰ شتر مکمل سامان کے ساتھ، ۵۰ فرس اور ایک ہزار دینار چندے میں دیئے تھے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ باغیان مصر نے جب ان کو محصور کیا تب بھی ۲۰ غلام آزاد کیے۔ ایام محاصرہ میں ان سے سوال کیا گیا کہ آپ تو امام الخلق ہیں، پھر باغیوں کے خلاف حکم کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عہد کر چکا ہوں اور اسی عہد پر قائم ہوں جس روز آپ کو شہید کیا گیا اسی روز انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے تھے۔ عثمان آج کا روزہ تم ہمارے پاس افطار کرو گے۔ روزہ سے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے جب باغیان نابہجار نے آپ کو شہید کیا اس گناہ عظیم کا وبال اُمت محمدیہ میں ایسا پڑا کہ اس تاریخ سے محبت اور الفت اور اخوت و مصادقت اڑ گئی۔ آج تک ہزاروں، لاکھوں مسلمان خود مسلمانوں، کلمہ خوانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکے ہیں۔

وہ خاص شرف جو حضرت عثمان کو صحابہ میں امتیازِ خاص عطا کرتا ہے خدمت قرآنِ پاک ہے آج جملہ عالم اسلام قرآت عثمانی اور ترتیب عثمانی پر متفق ہے آج جو کوئی بھی قرآن مجید ہاتھ میں لیتا ہے وہ زیر بار احسان عثمان ذوالنورین ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سرورِ عالم کے ساتھ نسب میں اقرب جملہ صحابہ سے علی مرتضیٰ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی مرتضیٰ کے دادا عبدالمطلب ہیں اور علی مرتضیٰ کے والد ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کے برادر شفیق (ایک ماں باپ سے) ہیں۔

عمر بوقت اسلام دس سال کی تھی۔ اسلام میں یوم نبوت کے پہلے ہی دن داخل ہوئے اور اسی روز طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ اور عتیق ابوبکر صدیق بھی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

مواخات مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بھائی بنایا تھا یہ خصوصیت حضور کو دیگر بنی اعمام سے ممتاز کر دیتی ہے۔

علی مرتضیٰ اُن چار خلفاء میں سے ہیں جو راشدین المہدیین کے لقب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے موصوف کیے گئے۔

اُن چھ میں سے پہلے ہیں جن کو فاروق نے اپنے آخری کلام میں شایان خلافت بتلایا۔

اُن دس میں سے ہیں جن کو نام بنام بشارت جنت اس زندگی میں ہی دے دی گئی تھی۔

آپ سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام جگر گوشہ رسولؐ کے زوج ہیں۔ ابو السبطین ہیں۔ امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد ہیں۔ جملہ مشاہدات میں ملتزم رکاب نبوی رہے۔ تبوک میں اس لیے حاضر نہ تھے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

اسی سفر میں اَمَا تَرضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (صحیحین عن سعید بن ابی وقاص)، کے شرف سے آپ کو مشرف فرمایا گیا۔

بدر میں حضور نے شاندار کارنامے دکھلائے کفار کے نو سرداروں کو یکے بعد دیگرے حیدر کرارؓ نے خاک و خون میں سلا دیا اور جہنم میں پہنچا دیا۔

آپ بماہ ذی الحجہ ۳۵ھ خلیفہ ہوئے اور بامداد ۱۷ رمضان ۴۰ھ یوم جمعہ کو اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر بعمر ۶۳ سال یوم الاحد کو وصال رفیق اعلیٰ سے خورسند و کامیاب ہوئے۔

سیّدہ زہرا فاطمہ بتول کے بطن سے دو فرزند (حسن و حسین)، دو دختران (ام کلثوم و زینب)، اور دیگر آٹھ ازواج سے ۱۸ بیٹے ۱۶ بیٹیاں حضور کی اولاد ہیں۔

ابوالحسن کنیت فرماتے تھے اور ابوتراب کنیت پر جو عطیۂ رسولؐ ہے مفتخر و شاداں ہوتے تھے۔

علم و عمل، زہد و ورع، شجاعت و مروّت میں حضور امام الخلق تھے۔

حُلیہ مبارک

سفید سُرخ، میانہ قد، اصلع، سر اور ریش مبارک کے بال سفید، تناور، شگفتہ رُو، کشادہ جبین، خنداں رُخ، حسین و جمیل، قوی بازو، آہنی پنجہ۔

ترمذی میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ منافقین کی شناخت ہم بُغض علیؓ سے کر لیتے ہیں۔

نہج البلاغت میں امیر المومنین نے فرمایا۔

سَیَهْلِکُ فِیَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ وَخَیْرُ النَّاسِ فِیَّ حَالًا النَّمَطُ الْاَوْسَطُ

میرے بارہ میں دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ محب جو افراط تک پہنچ جائے اسے محبت ہی غیر حق کی طرف لے جائے گی اور مبغض جو تفریط میں ہو۔ اُسے بغض ہی غیر حق کی طرف لے جائے گا۔ میرے متعلق سب میں بہتر شخص ہے جو درمیانی راہ پر چلنے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور نے ۵۸۶ روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ۲۰ متفق علیہ اور ۹ صرف بخاری اور ۱۵ صرف مسلم میں ہیں۔

صحابہ میں سے بزرگوارانِ ذیل نے حضور سے روایت حدیث کی ہے۔ امام حسن، امام حسین محمد بن الحنفیہ، ابن مسعود ابن عمر، ابن عباس ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن زبیر، ابوسعید، زید بن ارقم، جابر بن عبداللہ، ابوامامہ، صہیب، ابورافع، ابوہریرہ، جابر بن سمرہ، حذیفہ بن اسید، سفینہ، عمرو بن حریث، ابولیلی، براء بن عازب، طارق بن شہاب، طارق بن اشیم، جریر بن عبداللہ، عمارہ بن رویبۃ، ابوالطفیل، عبدالرحمٰن بن ابزٰی، بشر بن سحیم، ابوجحیفہ،

تابعین میں سے خلائق کثیر نے حضور سے روائت کی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب

سے بڑے قاضی (جج) علی مرتضیٰ ہیں۔

علی کو ۹/۱۰ حصے علم کے ملے تھے اور دسویں حصہ میں بھی وہ دوسروں کے ساتھ شریک تھے۔ عباس کہا کرتے کہ جب کوئی مسئلہ ہم کو علی مرتضیٰ سے مل جاتا تو پھر دوسرے سے اس کی بابت پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی۔

ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کے سوا اصحابہ میں سے اور کوئی بھی نہیں کہا کرتا تھا سلونی (مجھ سے پوچھ لو جو پوچھنا ہے)

آپ کے فضائل میں سے صحیحین کی حدیث عن سہل بن سعد ہے کہ نبیؐ اللہ نے خیبر میں فرمایا تھا۔

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ	میں کل نشان فوج اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ وہ اللہ اور رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ رسول اس سے محبت رکھتے ہیں

اگلے روز یہ رایت لشکر علی مرتضیٰ کے سپرد کیا گیا۔

آپ کے کمال زہد میں سے یہ تھا کہ کبھی آپ نے اپنے لئے کوئی عمارت نہیں بنائی اور ہزاروں کی آمدنی ہونے پر بھی کبھی کچھ جمع نہیں کیا۔ بوقت شہادت آپ کے خزانہ میں صرف ۶۰۰ درہم پائے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵- ارقم بن ابوالارقمؓ

(عبد مناف) بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی المخزومی

ان کی والدہ بنو سہم میں سے ہیں۔ ابو عبد اللہ کنیت، قدیم الاسلام اور مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ یہ اسلام میں ساتویں یا گیارھویں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر کو دار التبلیغ بنایا تھا۔ یہ گھر کوہ صفا پر تھا۔ اس گھر میں جماعت کثیرہ داخل اسلام ہوئی۔

عمر فاروق اُن میں سے آخری ہیں۔

یہ حلف الفضول کے قائم کرنے والوں میں سے ہیں۔

ان کا انتقال اسی روز ہوا جس روز ابوبکر صدیق کا انتقال ہوا تھا۔

بعض نے ان کا سن وفات ۵۵ھ بتایا ہے اور اندریں صورت بیوم وفات صدیق ان کے والد کا انتقال ہونا سمجھا جاتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶- ایاس بن البکیر رضی اللہ عنہ

یہ قبیلہ بنو لیث سے ہیں، بنو عدی (قبیلہ عمر فاروق) کے حلیف تھے۔

ایاس بدر و احد اور خندق اور دیگر جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی حاضر ہوئے۔

جن دنوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں چپکے چپکے تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے انہی دنوں میں ایاس معہ برادر خود خالد کے داخل اسلام ہوئے تھے اور غزوہ بدر میں خود معہ ہر سہ برادران خود خالد، عامر اور عاقل حاضر ہوئے تھے۔

یہ شاعر بھی تھے ان کا بیٹا محمد بن ایاس ابن عباس و ابن عمر و ابوہریرہ سے حدیث مَنْ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ یَّمَسَّهَا اِنَّهَا لَا تَحِلُّ لَہٗ روایت کیا کرتا تھا۔ ترجمہ حدیث یہ ہے کہ جس نے اپنی عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے تین طلاق دیدی ہو پھر وہ اسے حلال نہیں رہتی

۷۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ

حبشی النسل ہیں، لمباقد، چھریرا بدن، رنگ گہرا سانولا۔ موضع سراۃ (یا مکہ) ہیں پیدا ہوئے۔ یہ اُن سات سابقین میں سے ہیں جو ابتدا اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کے لئے ان پر سخت ظلم ہوئے۔ ایذائیں دی گیئں۔ شریر لڑکے ان کو جانور کی طرح لیے پھرتے تھے اور یہ احد احد ہی کے نعرے لگاتے یا اللہ یا اللہ ہی پکارا کرتے تھے۔ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ پایا کہ اُن کو سخت ایذا دی جاتی ہے۔ ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ اگر روپیہ ہوتا تو بلالؓ کو خرید لیا جاتا۔ صدیق نے حضرت عباس سے جا کر کہا کہ مجھے بلال خرید دو۔ حضرت عباس نے پانچ یا سات یا ۹ چھٹانک چاندی کے بدلے ان کو خرید لیا۔ صدیق نے ان کو آزاد کر دیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اور ابوبکرؓ کے خازن تھے۔ ابوعبداللہ یا ابوعبدالکریم۔ یا ابو عبدالرحمٰن ان کی کنیت تھی۔

ان کے والد کا نام رباح، ماں کا نام حمامہ بھائی کا نام خالد، بہن کا نام عفو تھا۔ وفات صدیقؓ کے بعد یہ جہاد شام میں شریک ہوئے اور دمشق میں ۲۰ھ کو بعمر ۶۳ سال وفات پائی اور باب صغیر کی طرف مدفون ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ لخم بن عدی سے تھے اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ یہ عبداللہ بن حمید کے غلام تھے۔ اپنی قیمت ادا کر کے انہوں نے آزادی حاصل کر لی تھی۔ غزوات بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

سنہ ۶ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے جو عیسائی المذہب تھا کہا کہ اگر محمد نبی اللہ ہیں تو قوم نے ان کو مکہ سے کیونکر نکال دیا۔ حاطب نے فرمایا مسیح کی بابت تو تمہارا عقیدہ بہت کچھ ہے۔ پھر قوم نے ان کو کیونکر پھانسی پر چڑھا دیا۔ بادشاہ اور پادری جواب سے عاجز رہ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کو بار دوم مقوقس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

انہوں نے سنہ ۳۰ھ میں مدینہ منورہ کے اندر وفات پائی اور امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ امیر المومنین حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ سنہ ۶ نبوت کو اسلام لائے۔ یہ آنحضرتؐ کے برادر رضاعی بھی ہیں یعنی ہر دو نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا جنگ بدر میں شجاعت و مردانگی کے اعلیٰ جوہر دکھلائے۔ جنگ اُحد میں بھی بڑے بڑے دشمنوں کو خاک و خون میں سلایا۔ وحشی غلام نے ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر بزدلانہ حملہ ان پر کیا۔ زخم ناف کے قریب ہوا شہید ہو گئے۔ دشمنوں نے ان کا جگر نکالا، کان کاٹے، چہرہ بگاڑا، پیٹ چاک کر ڈالا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو سخت اندوہ گین ہوئے اور سید الشہدا اور اسد اللہ و رسولہ کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کے دو فرزند عمارہ اور یعلیٰ تھے۔ عمارہ کا ایک فرزند حمزہ ہوا اور یعلیٰ کے ۵ فرزند ہوئے یہ نسل آگے نہ چلی۔

امیر حمزہ کی دو لڑکیاں تھیں۔ اُم الفضل جن سے عبداللہ بن شداد نے ایک حدیث روایت کی ہے۔

اُمامہ جس کا نکاح سلمہ فرزند ام المومنین ام سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اُسی کے حق حضانت کے متعلق سیدنا علی و سیدنا جعفر و سیدنا زید رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے دلائل بارگاہ نبوی میں پیش کیے تھے۔

۱۰۔ خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

یہ قرشی السہمی ہیں۔ ام المومنین حفصہ کا نکاح اوّل انہی کے ساتھ ہوا تھا۔ انہوں نے ہجرت حبشہ بھی کی تھی اور وہاں سے واپس آکر جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ جنگ احد میں مجروح ہوئے اور انہی زخموں سے مدینہ میں وفات پائی۔ مہاجرین آولین میں ان کا شمار ہے۔

عبداللہ بن حذافہ السہمی ان کے حقیقی بھائی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسریٰ ایران کے پاس لے کر گئے تھے ابوالاخنس تیسرے بھائی ہیں یہ سب مہاجرین اولین میں سے ہیں۔

۱۱۔ ربیعہ بن اکثم بن سنجرۃ الاسدی

یہ بنو اسد بن خزیمہ کے قبیلہ سے ہیں۔ خزیمہ کا نام نسب نامہ نبوی میں نمبر ۱۵ پر ہے

یہ بنو عبد شمس کے حلیف بھی تھے۔ پست قامت مگر بلند ہمت۔ ۳۰ سال کی عمر تھی جب بدر میں شامل ہوئے پھر احد، خندق اور حدیبیہ میں بھی حاضر تھے۔ جنگ خیبر میں قلعہ نطاۃ پر حارث یہودی کے ہاتھ سے مقتول ہو کر درجہ شہادت کو فائز ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ زاہر بن حرام الاشجعی رضی اللہ عنہ

حجاز کے رہنے والے تھے مگر بادیہ نشین نہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آتے تو کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر آتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک شہری کا کوئی نہ کوئی جنگل کا رہنے والا دوست ہوتا ہے آل محمد کا جانگی دوست زاہر بن حرام ہے۔

ایک روز بازار مدینہ میں کھڑے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آگئے۔ اس کی آنکھوں پر اپنے دست مبارک رکھ دیئے اور فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے وہ بولا کہ حضور تب تو میں بہت ہی کم قیمت ثابت ہوں گا فرمایا نہیں تو بارگاہ الٰہی میں بہت قیمتی ہے۔

آخر عمر میں یہ کوفہ میں جا آباد ہوئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

زبیر رضی اللہ عنہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے برادر زادہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی یعنی صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے۔ ابوبکر صدیق کے داماد یعنی اسماء بنت ابوبکر کے شوہر ہیں۔ امام عروہ بن زبیر کی روایت میں ہے کہ زبیر کی ۱۶ سال کی عمر تھی جب داخل اسلام ہوئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں شمشیر کو میان سے نکالا اور دو دفعہ (احد و قریظہ) میں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فِدَاكَ أَبِي وَاُمِّي فرمایا۔

ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری فرمایا ہے اور علی مرتضیٰ ان کو اشجع العرب کہا کرتے تھے۔ حسان بن ثابت نے ان کو جملہ صحابہ پر ترجیح دی ہے جیسا کہ جعفر طیار کی نسبت ابوہریرہؓ نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یہ اُن چھ میں سے ہیں جن کو فاروق نے اپنے بعد شایان خلافت بتلایا یہ بہت بڑے امیر اور بہت بڑے سخی تھے۔ ان کے پاس ایک ہزار غلام تھے جن کی سب آمدنی راہ خدا میں صرف ہوتی تھی۔

ان سے غلطی یہ ہوئی کہ جنگ جمل میں امیر المومنین علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں نکلے۔ مگر جناب امیر نے ان کو ایک حدیث نبوی یاد دلائی تو تائب و نادم ہو کر جنگ سے علیحدہ ہو گئے۔ عمرو ابن جرموز نے فریب دے کر ان کا سر کاٹا اور علی مرتضیٰ کے پاس لایا فرمایا مجھے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ قاتل زبیر کو دوزخ کی بشارت دے دینا۔ یہ جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی رہے۔ ان کی قبر بصرہ کے متصل ہے۔

عبداللہ بن زبیر امیر معاویہ کے بعد والی حجاز ہوئے اور گیارہ سال تک سلطنت کی اور بالآخر حجاج بن یوسف کے حملہ میں شہید ہوئے عروہ بن زبیر ائمہ حدیث میں سے ہیں حضرت زبیر کے کل دس فرزند تھے۔

ان کی شہادت ۱۰ جمادی الاوّل ۳۶ھ یوم الخمیس کو بعمر ۶۷ سال ہوئی رضی اللہ عنہ

۱۴۔ زید بن خطاب القرشی العدوی

عمر فاروق کے بھائی ہیں۔ زید کی والدہ اسماء بنت وہب ہے اور عمر کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم۔

زید قد کے بہت لانبے تھے ان کا اسلام حضرت عمر کے اسلام سے پہلے کا ہے۔ بدر، احد، خندق، بیعت الرضوان اور جملہ مشاہد میں ہم رکاب نبوی رہے۔

یہ اُس لشکر کے علمبردار تھے جو مسیلمہ کے مقابلہ میں حضرت صدیق نے روانہ کیا تھا۔ دشمن کے ایک حملہ میں ان کا لشکر متفرق ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اب مرد مرد نہیں رہے پھر بلند ترین آواز سے کہا۔ الٰہی میں اپنے ساتھیوں کے فرار کا تیرے حضور میں عذر پیش کرتا ہوں اور مسیلمہ اور محکم بن طفیل کی سازشوں سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔

یہ آگے بڑھے حملہ کیا اور مرتدین و کافرین کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۔ زیاد بن کعب بن عمرو

یہ بنو کلیب، جہنی ہیں۔ بدر و اُحد میں حاضر ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ سالم بن معقل رضی اللہ عنہ

یہ اصلی باشندے اصطخر کے تھے بعض نے ان کا وطن موضع کرمد علاقہ فارس بھی لکھا ہے۔ ثبیتہ بنت تعار انصاریہ کے غلام تھے۔ یہ خاتون ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی زوجہ ہیں۔ انہوں نے ان کو آزاد کروایا اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی تربیت میں لے لیا حتیٰ کہ متبنیٰ بنایا جب تنسیخ تبنیت کا حکم اُترا۔ تو اپنی برادر زادی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قرشیہ کا نکاح ان سے کر دیا۔

حضرت سالم کو انصاری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انصاریہ کے آزاد کردہ تھے اور مہاجر اس لئے شمار کرتے ہیں کہ انہوں نے مکہ میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پرورش پائی اور مکہ سے ہجرت کر کے اُس قافلہ میں مدینہ منورہ پہنچے جس میں عمر فاروق بھی شامل تھے۔

ان کا شمار فضلاء الموالی اور خیار الصحابہ اور کبار الصحابہ میں کیا جاتا ہے۔

ان کو عجمی اصل وطن کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے جید قاری تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلمین قرآن میں ان کے نام کا تعین فرمایا تھا۔ بدر میں حاضر تھے۔

۱۲ھ کو جنگ یمامہ میں یہ اور ان کے مربی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

سالم کا سر ابو حذیفہ کے پاؤں کی جانب تھا۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۔ سائب بن مظعون القرشی الجمحی رضی اللہ عنہ

سائب بن مظعون بن حبیب بن حذافہ بن جمح

عثمان بن مظعون کے برادر شقیق ہیں۔ ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ کی وجہ سے ذوالہجرتین ہیں۔ بدر میں شامل تھے۔ سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

سائب اور عثمان ہر دو بھائیوں کی نسل منقطع ہوگئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ سائب بن عثمان بن مظعون القرشی الجمحی

یہ سائب بن مظعون کے برادر زادے ہیں۔ ان کے والد عثمان بن مظعون اور ان کے چچاؤں قدامہ عبداللہ اور سائب نے ہجرت حبشہ کی تھی۔ یہ بھی حبشہ کی ہجرت دوم میں شامل تھے۔

یوم الیمامہ کو شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر تیس سال سے اوپر تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۹۔ سبرہ بن فاتک الاسدی

ان کا شمار باشندگان شام میں ہوتا ہے یہ اور ان کے بھائی خریم بن فاتک دونوں بدری ہیں۔ بشر بن عبداللہ اور جبیر بن نصیر نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۔ سعد بن ابی وقاص قرشی الزہری

سعد بن مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ میں کلاب کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ماموں کہا کرتے تھے۔ اسلام میں یہ ساتویں ہیں ان سے پہلے صرف چھ کس مسلمان ہوئے تھے۔ بوقت اسلام ان کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ یہ اُن دس میں سے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ اُن چھ میں سے ہیں جن کو عمرؓ نے شایان خلافت بتلایا۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیر افگنی کی۔

فاتح ایران اور بانی کوفہ بھی یہی ہیں۔ خلافت فاروقی میں یہ دوبارہ امارت کوفہ پر متمکن ہوتے۔ اور ایک بار خلافت عثمانیہ میں بھی امیر کوفہ بنائے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی اَللّٰھُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَہٗ وَسَدِّدْ رَمْیَہٗ، الٰہی اس کی دعا قبول فرمایا کر اور اس کی تیر افگنی درست رہے۔

ایک بار حضورؐ نے فرمایا تھا ”میرے ماں باپ تجھ پر قربان تیر چلاؤ“ یہ ایسا فقرہ ہے جو زبیر بن العوام اور ان کے سوا حضورؐ نے کسی دوسرے کو نہیں فرمایا۔

ایام فتنہ میں یہ سب سے الگ رہے وادی عقیق میں انہوں نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر محل بنا رکھا تھا وہیں رہتے، سب سے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے اختلاف اور جنگ کی کوئی بات مجھے نہ سنایا کرو۔

ان سے مرویات حدیث کی تعداد ۲۷۰، متفق علیہ ۱۵ بخاری ۵ مسلم ۱۸ ہیں۔

۵۵ھ میں بعمر ۷۵ سال وفات پائی۔ مدینہ میں دفن ہوئے۔ جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۔ سعد بن خولی رضی اللہ عنہ

یمن کے باشندے تھے اور بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے ان کا شمار مہاجرین اولین میں ہے۔ بدر میں حاضر تھے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی العدوی رضی اللہ عنہ

عمر فاروق کے چچیرے بھائی ہیں اور فاطمہ اخت عمر کے شوہر ہیں۔ فاطمہ ہی کے ذریعہ سے عمر فاروق اسلام تک پہنچے تھے۔ یہ مہاجرین آولین سے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے موقعہ پر کسی خدمت کے لئے بجانب شام بھیجا تھا۔ غنیمت بدر میں سے ان کو حصہ دیا گیا۔ دیگر جملہ مشاہد میں یہ ملتزم رکاب نبوی رہے یہ اُن دس میں سے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت جنت عطا فرمائی تھی۔

ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل اُن بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں موصل، شام وغیرہ کے سفر کئے تھے۔ ایک راہب نے اُن سے عیسائی ہو جانے کو کہا یہ بولے کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کا خالص دین مطلوب ہے مگر وہ بولا کہ جہاں سے تم آئے ہو یہ دین وہیں کا ہے بعثت نبوی سے پیشتر ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ بزرگ بتوں اور استھانوں کے چڑھاوے کا گوشت نہیں کھایا کرتے تھے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد کے حالات جتا کر درخواست کی کہ حضورؐ ان کے لیے دعائے مغفرت عطا فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔

حضرت سعید بن زید کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک جاگیر عطا فرمادی تھی جو دیر تک ان کی اولاد کے پاس رہی۔

حضرت سعید بن زید نے ۵۱ھ میں بمقام وادی عقیق وفات پائی اور مدینہ میں مدفون ہوئے۔

۲۳۔ سلیط بن عمرو القرشی العامری

سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوّی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب نامہ میں لُوّی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

مہاجرین آولین میں سے ہیں ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ سے مشرف ہوئے موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ بدر میں شامل ہوئے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوزہ بن علی حنفی کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ثمامہ بن اثال رئیس نجد کے پاس بھی بطور سفارت گئے تھے۔

سلہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ سوید بن مخشی الطائی

ابو مخشی کنیت سے مشہور ہیں بدر میں شامل ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۵۔ سویط بن سعد القرشی العبدری

سویط بن سعد بن حرملہ بن مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبدار بن قصی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نسب قصی میں شامل ہو جاتا ہے یہ مہاجرین حبشہ میں سے بھی ہیں۔ بڑے خوش مذاق اور خوش طبع تھے۔ بدر میں شامل ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۶۔ سہیل بن بیضاء القرشی الفہری

سہل بن وہب بن ربیعہ بن عمرو بن عامر بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر

ان کی والدہ بیضاء کا نام رعد ہے اور اس کا نسب بھی ضبہ بن الحارث میں شوہر کیساتھ جا ملتا ہے۔ سہل کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ فہر ملا میں جا ملتا ہے۔

سہیل وصفوان ان کے دونوں بھائی بھی صحابی ہیں۔

سہل ان بزرگوں میں سے ہیں جو مکہ میں اسلام لائے تھے مگر یہ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ بدر میں کفار اُن کو اپنے ساتھ لے گئے تھے ابن مسعود نے شہادت دی کہ انہوں نے سہل کو نماز پڑھتے دیکھا۔ حضور نے اُن کو اسیری سے رہائی فرمائی تھی۔

سہل اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صحیفہ قریش کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہاشمیہ کے خلاف لکھا گیا تھا۔ مخالفت کی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ہشام بن عمرو بن ربیعہ ۲۔ مطعم بن عدی بن نوفل ۳۔ زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد ۴۔ ابوالبختری بن ہشام بن حارث بن اسد
۵۔ زہیر بن ابو امیہ بن مغیرہ۔

ان کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ یہ باصطلاح علماء بدری نہیں گو اس وقت مسلمان ہی تھے۔

۲۷۔ شجاع بن ابی وہب الاسدی

شجاع بن ابی وہب (ابن وہب)، ابن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کثیر (کبیر) بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خزیمہ میں شامل ہو جاتا ہے یہ بھی حبش کو ہجرت ثانیہ میں گئے تھے اور پھر یہ سن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں حبش سے واپس آ گئے تھے۔

یہ اور اُن کے بھائی عقبہ بن ابی وہب بدر اور دیگر جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے۔ مواخات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابن خولی کا بھائی بنایا تھا۔

یہی وہ بزرگ ہیں جو حارث بن ابی شمر غسانی اور جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس سفیر نبوی ہو کر گئے تھے۔ یہ لانبے قد اور چھریرے بدن کے انسان تھے۔

یوم یمامہ کو شہید ہوئے اسوقت ان کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی رضی اللہ عنہ

۲۸۔ شقران حبشی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل میت میں حاضر تھے۔

ان کی نسل ہارون الرشید کے عہد میں ختم ہو گئی تھی۔ ان کا نام صالح ہے رضی اللہ عنہ

۲۹۔ شماس بن عثمان بن شرید القرشی المخزومی

شماس ان کا لقب ہے۔ اصلی نام عثمان تھا لقب سے ہی مشہور ہیں۔ ان کی والدہ صفیہ بن ربیعہ بن عبد شمس ہے۔ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں بدر میں حاضر ہوئے۔ احد میں سخت زخمی ہوئے۔

میدان جنگ سے ان کو مدینہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری کرتی رہیں۔ پھر جب جاں بحق ہوئے تو مدینہ سے حسب الحکم نبوی احد میں لائے گئے اور شہیدان احد کے ساتھ مدفون ہوئے۔

جنگ احد میں اتنی جان توڑ کر لڑے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چپ و راست جدھر نظر مبارک اٹھا کر دیکھتے شماس ہی تلوار چلاتا ہوا نظر آتا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۰۔ صفوان بن بیضاء القرشی الفہری

صفون بن بیضاء (وکانت امہ) وہو صفوان بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن وہب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک
نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نسب میں فہر کے ساتھ جا ملتے ہیں۔

یہ اور اُن کے بھائی سہیل بن وہب دونوں بدر میں حاضر تھے۔ ان کی وفات پر اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ رمضان ۳۸ھ میں انتقال ہوا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ بدر میں شہید ہوتے یہ مواخات میں رافع بن عجلان کے بھائی تھے اور دونوں بدر میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ صہیب بن سنان الرومیؓ

بلحاظ نسل یہ عرب تھے اور نمر بن قاسط سے ان کا سلسلہ کنیت جا ملتا ہے ان کا والد سنان بن مالک یا ان کا چچا سلطنت ایران کی طرف سے حاکم ابلہ تھا ان کی رہائش موصل کے متصل تھی۔

اہل روما نے اس علاقہ پر حملہ کیا۔ اس وقت صہیب بہت ہی کم عمر تھے پکڑے گئے پھر قبیلہ کلب میں سے کسی نے ان کو خرید کر مکہ میں فروخت کر دیا عبداللہ بن جدعان تیمی نے ان کو آزاد کر دیا۔ یہ مکہ ہی میں رہنے لگ گئے۔ ان کا چہرہ بہت سرخ رنگ کا تھا۔ رومی زبان خوب جانتے تھے۔ یہ اور عمار بن یاسر ایک ہی دن داخل اسلام ہوئے تھے۔ ان سے پیشتر تیس اور چند کس مسلمان ہو چکے تھے۔ حمران بن ابان جو حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں صہیب کے چچیرے بھائی لگتے ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کی۔ قریش نے کہا کہ تم خود بھی چلے اور اپنا مال بھی جو یہاں بیٹھ کر کمایا ہے۔ لیے چلے صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال قریش کے حوالہ کر دیا کہتے ہیں کہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کا نزول انہی کے واقعہ پر ہوا ہے۔ صہیب کی نشست و برخاست قبل از نبوت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب کو سابق الروم۔ سلمان کو سابق فارس اور بلال کو سابق الحبشہ فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ صہیب سے محبت کیا کرے۔ ایسی محبت جیسی والدہ کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے سفر ہجرت میں یہ اور علی مرتضیٰ دونوں ہمسفر تھے ان کے مزاج میں ظرافت تھی۔ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کھا رہے تھے صہیب بھی شامل ہو گئے۔ حضور نے فرمایا تیری آنکھ دکھتی ہے پھر بھی کھجور کھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو دوسری طرف کے جبڑے سے کھا رہا ہوں جس طرف کی آنکھ نہیں دکھتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھل کھلا کر ہنس پڑے

حضرت فاروق نے زخمی ہو جانے کے بعد حضرت صہیب کو امام نماز مقرر فرمایا تھا۔ فرمایا کہ جب تک کسی خلیفہ کا تقرر نہ ہو صہیب نماز پڑھایا کرے ان کا انتقال شوال ۳۹ھ میں بعمر ۷۳ سال مدینہ میں ہوا۔ ان کی سخاوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۲۔ طفیل بن حارث القرشی المطلبی رضی اللہ عنہ

طفیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلسلہ نسب میں عبد مناف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

بدر میں طفیل اور حصین اور عبیدہ تینوں بھائی شامل تھے۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ تو بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے۔ طفیل اور حصین جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

دونوں بھائیوں نے ۳۲ھ میں انتقال کیا بلطفیل پہلے اور حصین ان سے چار ماہ بعد جنت کو سدھارے تھے۔ رضی اللہ عنہم

۴۳۔ طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی رضؓ

طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لُوی بن غالب

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا سلسلہ نسب کعب بن لوی میں شامل ہو جاتا ہے یکے از عشرہ مبشرہ ہیں۔

جنگ بدر سے پیشتر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرحد شام میں ادھر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا اس لئے غزدہ بدر میں شامل نہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حصّہ شمولیت بھی دیا اور اجر کے عطیہ کی بشارت بھی دی۔ ان کو طلحہ الخیر اور طلحہ الفیاض کہتے ہیں۔ جنگ احد میں انہوں نے شجاعت اور ایثار کے بڑے بڑے جوہر دکھلائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں خود سامنے سپر بنے رہے۔ ایک ہاتھ سے دشمن کے نیزہ کا وار روکا، وہ ہاتھ شل ہو گیا۔ دیگر جملہ مشاہد میں بھی یہ ملتزم رکاب مصطفوی رہے۔ یہ اُن چھ میں سے ایک ہیں جن کو عمر فاروقؓ نے شایان خلافت قرار دیا تھا۔

یہ جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں اترے علی مرتضیٰ نے میدانِ جنگ میں اُن کو بلایا اور واقعات سالقہ یاد دلائے اور یہ جنگ سے علیٰحدہ ہو گئے اس وقت مروان نے ان کے سینہ میں تیر مارا اور اُسی زخم سے ان کا انتقال ہوا۔ یہ صف جنگ سے علیٰحدہ ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ندامة المسعی لما   شربت رغی بن جرم ضبوعی

علی مرتضیٰ نے فرمایا مجھے اُمید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر اس آئت کے مصداق بنیں گے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر ایک بار فرمایا تھا جو کوئی زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ بوقت شہادت ۶۲ سال کی عمر تھی۔ ان کے لنگر میں ہر روز ایک ہزار دینار کے وزن کا غلہ پکا کرتا تھا۔

مرویات حدیث ۳۸ متفق علیہ ۲ بخاری میں ۴ مسلم میں تین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۴۔ طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری رضؓ

طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد بن قصی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قصی رضؓ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کی والدہ اروی بنت عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں دار ارقم میں داخل اسلام ہوئے تھے مسلمان ہو کر والدہ کو اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ بہترین شخص جس کی امداد و اعانت تجھے کرنا چاہیے۔ وہ بھی تیرے ماموں زاد بھائی ہیں اگر عورتیں بھی مردوں کے سے کام کر سکتیں تو ہم خود اس کی حمائت کیا کرتیں۔

یہ مہاجرین حبشہ میں سے بھی ہیں اور حاضرین بدر میں سے بھی۔ اجنادین یا یرموک کی جنگ میں شربت شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۲۵۔ عاقل بن بکیرؓ

بن عبدیالیل بن ناشب بن غیرت بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

یہ بنو عدی بن کعب بن لوئی کے حلیف تھے دار ارقم میں سب سے پہلے اسلام لانے والے یہی ہیں۔ ان کا نام غافل تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقل تجویز فرمایا۔

غزوہ بدر میں خود بھی حاضر تھے اور ان کے بھائی عامر، ایاس وخالد بھی حاضر تھے۔

۳۶۔ عامر بن حارث الفہریؓ

بعض نے ان کا نام عمر بھی بتایا ہے موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ یہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔

۳۷۔ عامر بن ربیعہ العنزی العدوی رضی اللہ عنہ

ان کا سلسلہ نسب نزار بن معد بن عدنان تک منتہی ہوتا ہے عدوی ان کو اس لئے کہتے ہیں کہ خطاب بن نفیل نے ان کو متبنیٰ بنالیا تھا یہ قدیم الاسلام ہیں۔ اسلام کے بعد حبشہ کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ ان کی بیوی بھی مہاجرات حبشہ میں سے ہے پھر بدر اور جملہ مشاہد میں خدمت نبوی کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بیٹے سے روایت ہے کہ جس شب باغیوں نے امیر المومنین عثمان پر حملہ کیا تھا۔ یہ اس شب مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں ذرا سے سو گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اس فتنہ کی پناہ کا سوال کرو جس فتنہ سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بچالے گا۔ انہوں نے اسی طرح دعا مانگی گھر گئے تو بیمار ہو گئے۔ شہادت عثمان سے چند روز بعد ان کا جنازہ ہی ان کے گھر سے نکلا۔ رضی اللہ عنہ

۳۸۔ عامر بن عبداللہ بن جراح القرشی رضی اللہ عنہ

عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نسب فہر میں شامل ہو جاتا ہے۔

قدیم الاسلام ہے۔ سابقین اوّلین میں داخل فضلاء وکبار صحابہ میں شامل تھے۔ بدر اور جملہ مشاہدات نبوی میں حاضر رہے حبشہ کی ہجرت دوم سے مشرف تھے۔

جنگ احد میں ان کے اگلے دونوں دانت ٹوٹ گئے تھے۔ اس طرح کہ خود آہنی کی جو میخیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق مبارک میں کھب گئی تھیں اُن میخوں کو انہوں نے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تھا پہلی میخ نکالی اور دانت ساتھ نکل گیا دوسری میخ نکالی تو دوسرا دانت نکل گیا۔ کہتے ہیں کہ پھر بھی یہ نہایت حسین تھے لانبا قد، چھریرا بدن، ہلکا چہرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی امین حق امین فرمایا۔ کبھی امین الامۃ فرمایا۔ علاقہ نجران پر حکومت کے لئے اور یمن میں تعلیم اسلام کے لئے ان کو سرور عالم نے بھیجا تھا۔ عمر فاروق نے ان کو ملک شام کا سپہ سالار اعظم بنایا تھا۔

۱۸ھ کے طاعون عمواس میں ان کا انتقال بعمر ۵۸ سال ہوا۔ ان کے فضائل بہت ہیں یہ یکے از عشرہ مبشرہ ہیں۔ ابوبکر صدیق نے انکو اپنے انتخاب سے پیشتر مستحق خلافت بتایا تھا رضی اللہ عنہ

۳۹ - عامر بن فہیرہ ازدیؓ

قوم ازد سے تھے۔ سیاہ چہرہ۔ ابو عمر کنیت تھی۔ شروع میں طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے۔ ابوبکر صدیق نے ان کو خریدا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا یہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔

بوقت ہجرت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق غار ثور میں آرام گزین ہوئے تو یہ رات کو اپنا ریوڑ غار پر لے جاتے۔ حضور میں دودھ پہنچاتے اور اسماء و عبدالرحمٰن وغیرہ خاندان صدیق کے آنے والوں کے نشان قدم ریوڑ پھرا کر معدوم کر جاتے اور ہجرت میں رسول اللہؐ و صدیق کے خدمت گزار بھی تھے۔ بدر و احد میں حاضر تھے۔ واقعہ بیر معونہ ۴ھ میں شہید ہوئے۔

عامر بن طفیل قاتل کا بیان ہے کہ میں نے نیزہ لگایا تو ان کے بدن سے ایک نور نکلا۔ بعدازاں دیکھا کہ ان کی لاش کو اوپر اٹھا لیا گیا حتیٰ کہ آسمان اس سے نیچے رہ گیا۔ امام ابن المبارک اور امام عبدالرزاق کی روایات میں ہے کہ مقتولین میں ان کی لاش نہیں ملی تھی۔

ان کا اسلام دار الارقم کی تبلیغ گاہ سے پیشتر کا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۰ - عبداللہ بن جحش بن رباب الاسدی

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خزیمہ میں جا کر مل جاتا ہے۔ یہ حرب بن اُمیہ کے حلیف تھے ان کی والدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔

یہ مہاجرین اولین میں سے ہیں ہجرت حبشہ بھی کی اور ہجرت مدینہ بھی۔ ان کا اسلام اس وقت کا ہے کہ ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں تعلیم و تبلیغ کو شروع نہ فرمایا تھا۔

ان کے بھائی ابو احمد عبد بن جحش بھی ذو الہجرتین ہیں۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کے تیسرے بھائی عبیداللہ کی بیوہ ہیں۔

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان کی ہمشیرہ ہیں ان کا لقب المجدع فی اللہ ہے۔ بدر میں حاضر ہوئے احد میں شہید ہوئے سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش نے مجھے میدان احد میں کہا آؤ۔ تنہا ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہم کچھ دعا کر لیں۔ ہم دونوں سب سے الگ جا بیٹھے۔ میں نے دعا کی ''الٰہی کل میرا مقابلہ ایک بہادر تلور یئے دشمن کے ساتھ ہو ہم خوب لڑیں پھر میں اُسے گراؤں عبداللہ نے کہا آمین۔ پھر اُس نے یوں دعا مانگی۔ الٰہی کل ایک بہادر تلور یئے دشمن کے ساتھ مقابلہ ہو۔ ہم خوب لڑیں بالآخر وہ مجھے گرا لے اور قتل کر ڈالے۔ میری ناک کان کاٹے میں اسی شکل میں تیرے سامنے حاضر ہوں۔ یا اللہ تو مجھ سے پوچھے کہ عبداللہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے میں عرض کروں کہ تیری راہ میں تیرے رسول کی راہ میں اور تو فرمائے کہ سچ ہے''۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۱ - عبدالرحمٰن بن سہل الانصاریؓ

بیان کیا گیا ہے کہ یہ بدر میں حاضر تھے ابو عمر کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ مقتول خیبر کے بھائی ہیں۔ حویصہ و محیصہ ان کے چچا ہیں۔

ایک دفعہ ان کو اثنائے راہ میں ایک قافلہ ملا جو مشکوں میں شراب لئے جاتا تھا۔ انہوں نے سب مشکوں میں نیزہ سے چھید کر دیئے۔ پھر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ ہم شراب کو اپنے گھروں میں داخل کریں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۲ - عبداللہ بن سراقہ القرشی العدویؓ

عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب القرشی العدوی

عمر فاروق رضؓ کے ساتھ نسب نامہ میں عبداللہ بن قرط میں شامل ہوجاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب ہیں۔

ابن اسحٰقؒ نے ان کو اور ان کے بھائی عمرو بن سراقہ کو اہل بدر میں شمار کیا ہے۔

گر موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کا قول ہے کہ یہ بدر میں شامل نہ تھے۔ احد اور مشاہد ما بعد میں برابر حاضر رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۳۔ عبداللہ بن سعید القرشی الاموی رضؓ

عبداللہ بن سعید بن عاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف میں سلسلہ نسب جا ملتا ہے۔ یہ عمدہ خوشخط۔ انشاء نگار تھے۔ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کی کتابت آموزی پر مقرر فرمایا تھا۔

ان کے مقام شہادت میں اختلاف ہے کسی نے بدر، کسی نے موتہ کسی نے یوم یمامہ تحریر کیا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۴۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو القرشی العامری رضؓ

عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوی

یہ ابو جندل مشہور صحابی کے بڑے بھائی ہیں۔ قدیم الاسلام حبش کی ہجرت ثانیہ میں شامل تھے پھر مکہ میں لوٹ آئے تھے۔ باپ نے ان کو پکڑ کر قید کر دیا تھا پھر جنگ بدر میں لشکر کفار کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں آئے اور پھر موقعہ پا کر کفار میں سے جا نکلے اور صحابہ میں جا ملے اور کفار سے نبرد آزما ہوئے اور دیگر جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب محمدی رہے۔ ان کا شمار فضلائے صحابہ میں ہے۔ عہد نامہ حدیبیہ پر ان کے بھی دستخط بطور گواہ ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے دن انہوں نے ہی اپنے باپ سہیل کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کی تھی۔

سہیل بن عمرو وہی مشہور شخص ہیں جو حدیبیہ میں منجانب کفار بطور کمشنر معاہدہ کا کام کرتے تھے حضور نے فرمایا کہ سہیل کو اللہ کی امان ہے اُسے ظاہر ہو جانا چاہیئے۔

پھر فرمایا سہیل میں ایسی عقل و شرف موجود ہے کہ حقیقت اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتا اور اُسے پتہ بھی لگ گیا کہ اس کی سابقہ حالت نے اُسے کیا نفع دیا۔ عبداللہ نے باپ کو سارا واقعہ سنا دیا۔

وہ بولا۔ واللہ حضور لڑکپن ہی سے احسان دوست رہے ہیں۔

عبداللہ یوم یمامہ میں ۱۲ھ کو بعمر ۳۸ سال شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۵۔ عبداللہ بن عبد الاسد بن ہلال القرشی المخزومی رضؓ

ان کا سلسلہ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتھ کعب بن لوی میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان کی والدہ برہ بنت عبد المطلب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی یہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حمزہ سید الشہداء دودھ کے بھائی بھی ہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے انہی کے نکاح میں تھیں۔

انہوں نے اوّل ہجرت حبشہ معہ زوجہ خود ام سلمہ کی تھی پھر بدر میں آ شامل ہوئے تھے۔ جمادی الاخری ۳ھ میں وفات پائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے نابالغ بچوں سلمہ، عمرو اور دختر زینب کی تربیت کی غرض سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۴۶ ۔ عبداللہ بن مخرمہ رضؓ

بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی القرشی العامری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نسب نمبر ۱۱ میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان کی والدہ ام نہیک بنت صفوان ہیں۔

یہ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور بقول ذوالہجرتین بھی ہیں۔

مواخات میں یہ اور فروہ بن عمرو بن ودقہ البیاضی دینی بھائی تھے۔

جنگ یمامہ میں بعمر ۴۱ سال شہید ہوئے۔

انہوں نے دعا کی تھی کہ الٰہی مجھے اُسوقت تک موت نہ آئے جب تک میں اپنے بند بند کو تیری راہ میں زخم رسیدہ نہ دیکھ لوں۔ جنگ یمامہ میں ان کے جسم کا زخموں سے یہی حال تھا کہ جملہ مفاصل پر ضربات موجود تھیں۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس آخری وقت پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ روزہ داروں نے روزے کھول لیے ہیں۔ کہا۔ ہاں۔ کہا میرے منہ میں پانی ڈال دو۔ ابن عمر حوض پر گئے اور ڈول میں پانی لے کر آئے آکر دیکھا تو وہ سانس پورے کر چکے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۷ ۔ عبداللہ بن مسعود الھذلیؓ

عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

ان کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبداللہ بن الحارث بن زہرہ کے حلیف بن گئے تھے ان کی والدہ ام عبد بنت عبدود بھی صاہلہ بن کاہل کی نسل سے ہیں اور ان کی نانی قیلہ بنت الحارث بن زہرہ (زہریہ) ہیں۔

یہ قدیم الاسلام ہیں عمر فاروق سے کچھ پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنت الخطاب ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہ عقبہ بن ابی معیط کا ریوڑ چرایا کرتے تھے۔ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم معہ ابوبکر وہاں سے گزرے۔ پوچھا لڑکے دودھ ہے انہوں نے کہا ہاں۔ مگر میرا نہیں۔ میں تو امانت دار ہوں۔ فرمایا ایسی بکری لے آؤ جس پر نر نہ چڑھا ہو۔ یہ لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن کو بسم اللہ کہہ کر ہاتھ لگایا۔ دودھ نکال لیا خود بھی پیا۔ ابوبکر صدیقؓ کو بھی پلایا۔ بکری کا تھن پھر خشک ہو گیا۔ انہوں نے عرض کی کہ مجھے بھی یہ کلام سکھلا دیا جائے فرمایا۔ ہاں تم تو معلم جوان ہو۔

بعدازاں ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضور کو جوتا پہناتے۔ آگے آگے چلا کرتے خواب سے جگایا کرتے تھے امام ابن عبدالبر نے ایک روایت بیان کی تھی جس میں ان کا نام بھی عشرہ مبشرہ میں آ جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرآن چار شخصوں سے سیکھو۔ ابن مسعود۔ معاذ بن جبل ابی بن کعب اور سالم مولیٰ ابوحذیفہ

ایک بار انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی یہ آرزو پیش کی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ فِیْ اَعْلٰی جَنَّۃِ الْخُلْدِ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی قبولیت کی بشارت عطا فرمائی

ابن مسعود رضی اللہ عنہ قد کے ناٹے تھے لمبے قد کا آدمی بیٹھا ہوا اور یہ کھڑے ہوئے برابر برابر نظر آیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن ابوجہل کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرایا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ بحلف بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق روایت اور عمل کا واقف ابن مسعود سے بڑھ کر ہم کو کوئی معلوم نہیں ابن مسعود کہتے ہیں لوگ جانتے ہیں کہ میں ان سب میں سے کتاب اللہ کا خوب عالم ہوں۔ قرآن مجید میں کوئی سورۃ یا آئت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کب اُتری اور کہاں اُتری۔ ابو وائل راوی کہتا ہے کہ ان کے اس بیان کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ عمر فاروق ان کو علم کی تھیلی کہا کرتے تھے۔

عمر فاروق نے جب عمار بن یاسر اور ابن مسعود کو کوفہ کا منصب دار کر کے بھیجا تو اپنے فرمان میں اہل کو یہ الفاظ لکھے تھے۔

”میں عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیجتا ہوں یہ دونوں اصحاب رسول میں سے نجبا میں شامل ہیں۔ اہل بدر میں ان کی اقتداء کرو اور ان کی بات سنو۔ ابن مسعود کے متعلق تو میں نے اپنی جان پر ایثار کیا ہے“۔

حضرت عثمان کے عہد میں یہ کوفہ سے مدینہ واپس پہنچ گئے تھے اسی جگہ ۳۳ھ کو وفات پائی اور حسب وصیت رات ہی میں بقیع کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

مواخات مکہ میں ان کو زبیرؓ کا بھائی بنایا گیا تھا۔

ان کی زندگی میں باغیان عثمانی کے فتنوں کی ابتداء شروع ہو گئی تھی۔ ابن مسعود نے فرمایا۔ اگر لوگوں نے ان کو قتل کر دیا تو پھر ان کو ایسا خلیفہ نہ ملے گا۔

مرویات حدیث ۸۴۸ از انجملہ متفق علیہ ۶۴ صرف صحیح بخاری میں ۲۱ صرف صحیح مسلم میں ۳۵ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۸۔ عبداللہ بن مظعون قرشی الجمحی رضؓ

عبداللہ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح نہایت قدیم الاسلام ہیں۔

ان کے تین بھائی اور تھے عثمان، سائب، قدامہ چاروں بھائی قدیم الاسلام ہیں۔ چاروں نے اوّل ہجرت حبشہ کی اور پھر ہجرت مدینہ پھر شامل بدر ہوئے۔

عبداللہ بن مظعون نے ۳۰ھ میں بعمر ۶۰ سال وفات پائی رضی اللہ عنہ وعن اخوانہ۔

۴۹۔ عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف قرشی المطلبی رضؓ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا نسب عبد مناف میں شامل ہو جاتا ہے۔ مطلب و ہاشم حقیقی بھائی تھے یہ دونوں اور ان کی اولاد ہمیشہ متحد و متفق رہے۔

بزرگوار عبیدہ قدیم الاسلام ہیں یعنی دار ارقم کے تعلیم گاہ بنائے جانے سے پیشتر مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ ہجرت مدینہ کے وقت طفیل اور حصین ان کے دونوں بھائی بھی رفیق سفر تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قدر و منزلت خاص طور سے فرمایا کرتے تھے۔ اہل بدر میں سب سے زیادہ عمر کے یہی تھے۔ ان کی پیدائش حضور سے دس سال پہلے کی ہے۔

اسلام میں پہلا سردار جو اسی مہاجرین کے لشکر کے ساتھ دشمن کے تجسس میں بھیجا گیا یہی ہیں۔

غزوہ بدر میں انہوں نے عنا عظیم برداشت کی اور مشہد کریم حاصل کیا۔

دشمن کے مقابلہ میں ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ بدر سے ایک منزل پر واپس ہوتے ہوئے ان کا انتقال ہوا اور راہ ہی میں دفن ہوئے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ سے گزرے ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ادھر سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں کیوں نہ ہو یہاں ابومعاویہ کی قبر بھی تو ہے (ان کی کنیت ابو معاویہ تھی) خوش اندام، خوب رو تھے۔ بوقت شہادت ۶۳ سال کی عمر تھی۔ رضی اللہ عنہ

۵۰۔ عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہریؓ

عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب میں کلاب نمبر۶ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ان کی والدہ شفاء بنت عوف بھی قرشیہ زہریہ ہیں۔ واقعہ فیل سے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ قدیم الاسلام ہیں۔ دار ارقم میں آغاز تعلیم سے پیشتر مسلمان ہو چکے تھے۔

یہ اُن دس میں سے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت جنت عطا فرمائی تھی۔

یہ اُن چھ میں سے ہیں جو خلافت کے اصحاب شوریٰ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اَنْتَ اَمِیْنٌ فِیْ اَھْلِ السَّمَآءِ وَاَمِیْنٌ فِیْ اَھْلِ الْاَرْضِ فرمایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دومۃ الجندل کی طرف بنو کلب کی جانب بھیجا تھا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ بسم اللہ جاؤ۔ جب فتح ہو جائے تو وہاں کے حکمران کی بیٹی سے شادی کر لینا۔ بدر میں حاضر تھے۔

جنگ احد میں ان کے جسم میں اکیس زخم آئے تھے ایک زخم ٹانگ پر تھا جس کی وجہ سے یہ لنگڑانے لگے تھے قریش میں سب سے زیادہ مالدار اور سخی بھی اعلیٰ درجہ کے تھے۔

ایک روز تیس غلام راہ خدا میں آزاد کئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امہات المومنین کے مصارف کے کفیل یہی تھے۔

ابن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ جب ان کی میراث تقسیم ہونے لگی تو ان کی مطلقہ عورت کو (جسے مرض الموت میں طلاق دی تھی، ۱/۸ کے حصہ سوم میں سے ۸۳ ہزار روپیہ آیا تھا یعنی کل نقد ۱۹۹۲۰۰۰ روپیہ

نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں ایک سو گھوڑا ورثہ میں چھوڑا تھا

انہوں نے ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں بعمر ۷۲ سال مدینہ منورہ میں انتقال کیا تھا۔

ان کی اولاد حسب ذیل ہے۔

نام زوجہ	اولاد
تماضر بنت الاصبغ	ابوسلمہ فقیہہ
ام کلثوم بنت عقبہ	محمد و سالم و ام القاسم
ام کلثوم بنت عقبہ	ابراہیم، حمید، اسماعیل

نام زوجہ	اولاد
بجیرہ بنت ہانی	عروہ جو افریقہ میں شہید ہوئے
سہلہ بنت سہیل بن عمرو العامری	سالم اصغر
ام حکم بنت قارظ بن خالد	ابوبکر
بنت انس بن رافع الانصاری	عبداللہ اکبر (شہید افریقہ)، قاسم
اسما بنت سلامت بن مخرمہ	عبداللہ اصغر۔ عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن
نفیسہ	مصعب
مجد بنت یزید بن سلامت	سہیل
غزال بنت کسریٰ (مدائن میں گرفتار ہوئی)	عثمان
بادیہ بنت غیلان	جویریہ (زوجہ مسور بن مخرمہ)
سہلہ صغریٰ بنت عاصم بن عدی	محمد، محسن، زید

حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے ۶ بزرگوں کو شوریٰ میں داخل کیا اور ان ہر شش کو مستحق خلافت فرمایا تھا۔ علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف

زبیر نے علی کو، طلحہ نے عثمان کو، سعد بن ابو وقاص نے عبدالرحمٰنؓ کو اپنی اپنی رائے کا وکیل کر دیا۔ اب چھ میں سے علی، عثمان، عبدالرحمٰن رہ گئے۔ عبدالرحمٰن نے فرمایا۔ ھل لکوان اختار لکو وانتفی منہا۔

میں تو الگ ہوتا ہوں اور اگر تم کہو تو تمہارا فیصلہ بھی کر دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا انا اول من رضی فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انت امین فی اھل السماء و امین فی اھل الارض۔

سب سے پہلے میں رضامندی کا اظہار کرتا ہوں کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن آسمان والوں میں بھی امین ہے اور زمین والوں میں بھی۔

اس کے بعد انہوں نے امیر المومنین عثمان کو ترجیح دی اور ان کے ہاتھ پر سب کی بیعت ہو گئی۔

مرویات حدیث ۶۵ متفق علیہ ۲۔ صحیح بخاری میں ۵ ہیں رضی اللہ عنہ

۵۱۔ عبد یالیل بن ناشب اللیثی رضؓ

بنو سعد بن لیث کے قبیلہ سے ہیں۔ بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ خلافت فاروق میں وفات پائی۔ بوڑھے کھوسٹ تھے۔ رضی اللہ عنہ

۵۲۔ عمرو بن الحارث بن زہیر القرشی الفہری رضؓ

عمرو بن ریا عامر ابن حارث بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر

ان کا نسب سرور کائنات کے ساتھ فہر نمبر ۱ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ قدیم الاسلام ہیں مکّہ میں اسلام لائے اور حبشہ کو ہجرت دوم میں ہجرت فرمائی۔

عقبہ نے ان کو اہل بدر میں شامل کیا ہے رضی اللہ عنہ

۵۳۔ عمرو بن سراقہ القرشی العدوی رضؓ

یہ عبد اللہ بن سراقہ کے بھائی ہیں جن کا نسب نامہ لکھا جا چکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرۃ نمبر ۷ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بدر، احد اور دیگر جملہ مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر رہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔

رضی اللہ عنہ

۵۴۔ عمرو بن ابی عمرو بن شداد القرشی الفہری

ابو شداد کنیت کرتے تھے۔ بنو ضبہ میں سے اور اولاد حارث بن فہر میں سے ہیں۔

۳۲ سالہ تھے جب غزوہ بدر میں شامل ہوتے ۳۶ سالہ تھے جب گیتی ناپائیدار سے انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۵۔ عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ القرشی الفہری

عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن عتبہ بن حارث بن فہر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فہر نمبر ۱ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابو سعید کنیت ہے یہ اور ان کے بھائی وہب بن ابی سرح مہاجرین حبشہ میں سے ہیں دونوں بھائی بدری ہیں۔ احد و خندق و دیگر مشاہد میں بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

۳۰ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا رضی اللہ عنہ

۵۶۔ عثمان بن مظعون القرشی الجمحی رضؓ

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن مصیص

ابو السائب کنیت کرتے تھے ان کی اہلیہ نحیلہ بنت العنبس کا نسب بھی جمح میں جا کر شامل ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ ۱۳ کس کے بعد داخل اسلام ہوئے۔

ہجرت حبشہ و مدینہ کا شرف حاصل کیا۔ بدر میں حاضر ہوئے بدر کے بعد ان کا انتقال داخلہ مدینہ سے ۲۲ ماہ بعد ہوا۔ مہاجرین میں سے پہلے شخص ہے جو مدینہ میں فوت ہوئے اور پہلے شخص ہیں جو جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ غسل و کفن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو چوم لیا تھا۔ ایک عورت نے یہ دیکھا تو کہا کہ عثمان کو جنت مبارک ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھر تیز نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا کہ تجھے اسکا پتہ کیونکر ہوا۔ اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی کہ کسی شخص کو قطعی جنتی کہنے کا منصب صرف اللہ اور رسول کو ہے۔ دوسرا شخص قرائن یا قیاس سے ایسا حکم نہیں لگا سکتا۔

حضرت عثمان فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے ایام جاہلیت ہی میں شراب کو چھوڑ دیا تھا کسی نے ان سے وجہ پوچھی کہا میں کیوں ایسا کام

کروں کہ اپنی عقل کو کھو بیٹھوں اور ادنیٰ ادنیٰ درجہ کے شخص کو ہنسنے کا موقع دوں۔ بیٹی بہن کی تمیز سے بھی جاتا رہوں۔

انہوں نے از راہ زہد خصّی بننے کا ارادہ کر لیا تھا۔ آنحضرت نے منع فرمایا روزے زیادہ رکھا کرو۔

ان کی موت پر ان کی بیوی کے یہ اشعار ہیں۔

یا عین جودی بدمع غیر ممنون	علی رزیۃ عثمان بن مظعون
علی امری کان فی رضوان خالقہ	طوبیٰ لہ من فقید الشخص مدفون
طاب البقیع لہ سکنی غرقدہ	اشرقت رضہ من بعد تفتین
واورث القلب حزنا لا انقطاع لہ	حتی الممات دما ترقی لہ شیونی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر ایک پتھر کھڑا کروا دیا تھا شناخت کے لیے

جب ابراہیم بن رسول اللہ کا انتقال ہوا تو ان کو بھی حضرت عثمان کے برابر ہی دفنایا تھا۔ رضی اللہ عنہ

۵۷۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ کا نسب عنس بن مالک سے جا ملتا ہے یہ عرنی قحطانی۔ مذحجی الاصل ہیں۔ یاسر کا ایک بھائی گم ہو گیا تھا اُس کی تلاش میں یاسر اور حارث اور مالک تینوں بھائی مکہ پہنچے۔ حارث اور مالک تو یمن کو واپس چلے گئے اور یاسر مکہ میں ٹھہر گئے اور ابوحذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخذوم کے حلیف بن گئے ابوحذیفہ نے اُن کا نکاح اپنی لونڈی سمیّہ بنت خیاط سے کر دیا۔ جب عمار پیدا ہوئے تو سمیّہ کو آزاد کر دیا گیا اس مناسبت سے آپ کو مخزومی بھی کہتے ہیں۔

یاسر اور سمیّہ اور عمار تینوں اسلام میں ابتدا ایام ہی میں داخل ہو گئے تھے سمیّہ و عمار نے اسلام کے لئے سخت ترین تکالیف کو برداشت کیا۔ خاتون سمیّہ پہلی خاتون ہیں جو اسلام کے لئے شہید کی گئیں۔

حضرت عمار بن یاسر مہاجرین اولین سے ہیں۔ ذوالہجرتین اور نماز گزار قبلتین ہیں جنگ بدر میں حاضر تھے اور سخت امتحان ان کو دینا پڑا تھا۔ جنگ یمامہ میں بھی خصوصیت کے ساتھ انہوں نے تکالیف شاقہ کو برداشت کیا تھا اسی جنگ میں ان کا ایک کان اڑ گیا تھا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں حضرت عمار زخم خوردہ ایک پتھر پڑے ہوئے تھے خون جاری تھا اور وہ باآواز بلند کہہ رہے تھے مسلمانوں کدھر جا رہے ہو۔ کیا جنت سے بھاگتے ہو۔ ادھر آؤ۔ میں عمار یاسر ہوں۔

عمار بن یاسر کہتے تھے کہ میں عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سن ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عمار قدموں تک (کانوں تک) ایمان سے بھرپور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ کے مصداق عمار بن یاسر ہیں۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عمار آئے۔ اندر ہونے کی اجازت مانگی حضور نے فرمایا مرحبا بالطیب المطیب

عبدالرحمن بن ابزی کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں امیر المومنین علی کے ساتھ بیعت الرضوان والے ۸۰۰ بزرگوار تھے جن میں سے ۶۳ شہید ہوئے تھے۔ عمار بھی شہداء میں تھے۔

امیر المومنین عمر فاروق نے ان کو گورنر کوفہ بنایا تھا اور اپنے فرمان میں لکھا تھا کہ میں عمار کو حاکم اور ابن مسعود کو وزیر و معلم بنا کر بھیجتا ہوں ۔ ان کی اطاعت و اقتدا کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کو فرمایا تھا تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ تجھے گروہ باغی قتل کرے گا ۔

صفین میں داد شجاعت دے رہے تھے کہ انہوں نے پانی مانگا ان کے سامنے دودھ پیش کیا گیا دودھ پی کر کہا اَلْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ آج پیارے دوستوں ۔ سے ملاقات ہو گی کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ تیری آخری خوراک دودھ ہوگا۔ ایک اور عورت دودھ لے آئی وہ بھی پیا تو فرمایا اَلْجَنَّةُ تَحْتَ الْأَسِنَّةِ جنت تو نیزوں کے نیچے ہے ۔

ایک حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک نبی کو وزراء اور رفقاء و نجباء سات ملتے رہے ہیں مجھے چودہ ملے ہیں ۔ حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر علی، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، سلمان، عمار، ابوذر، حذیفہ، مقداد، بلال، رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جنگ صفین بماہ ربیع الآخر ۳۷ھ کو ہوئی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی عمر بوقت شہادت قریب نو سال تھی ۔حضرت عمار کی اس روایت سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سن ہیں ان کی عمر ۹۸ سال شمار میں آتی ہے رضی اللہ عنہ

مرویات حدیث ۶۲ متفق علیہ ۲ صرف بخاری میں ۳ صرف مسلم میں ایک ہے ۔

۵۸۔ عمیر بن ابی وقاص القرشی الزہری رضؓ

حضرت سعد بن ابو وقاص (احد العشرۃ المبشرہ) کے بھائی ہیں ۔ بدر میں حاضر ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوٹا سمجھا اور واپس کر دینے کا ارادہ فرمایا یہ رونے لگ گئے حضور نے اجازت جہاد عطا فرمائی لڑے اور شہید ہو گئے اسوقت عمر مبارک ۱۶ سال کی تھی رضی اللہ عنہ

۵۹۔ عمیر بن عوف مولیٰ سہیل بن عمر العامری رضؓ

مکہ میں پیدا ہوئے سہیل بن عمرو کے مولیٰ آزاد کردہ غلام تھے بدر، احد، خندق اور دیگر مشاہد نبوی میں حاضر تھے خلافت فاروقی میں وفات پائی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۰۔ عقبہ بن وہبؓ

ابن وہب بھی مشہور ہیں اور ابن ابی وہب بھی ۔ ان کا سلسلہ نسب اسد بن خزیمہ سے جا ملتا ہے ۔ بدر میں خود بھی حاضر تھے اور ان کے بھائی شجاع بن وہب بھی حاضر تھے یہ دونوں بنو عبد شمس کے حلیف تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۶۱۔ عوف بن اثاثہ قرشی المطلبی

عوف بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف بن قصی مسطح کے عرف سے زیادہ مشہور ہیں ان کی والدہ سلمہ بنت ابو رہم بھی مطلبی ہیں ۔ ان کی نانی ریطہ بنت صخر بن عامر حضرت ابوبکر صدیق کی خالہ ہیں ۔ بدر میں حاضر تھے ۳۴ھ میں بعمر ۵۶ سال انتقال کیا ۔ رضی اللہ عنہ

۶۲۔ عیاض بن زہیر بن ابو شداد القرشی الفہری

ابو سعید کنیت مہاجرین حبشہ میں سے ہیں ۔ ان کا نسب یہ ہے عیاض بن زہیر بن ابو شداد بن ربیعہ بن ہلال بن وہب بن ضبہ بن حارث بن فہر ۔

یہ عیاض بن غنم کے چچا ہیں اور ابن غنم کے کارنامے فتوحات شام میں بہت مشہور ہیں۔

عیاش بن زہیر کا انتقال ۳۰ھ کو شام میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ

۶۳ - قدامہ بن مظعون القرشی الجمحیؓ

قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔ ابو عمرو کنیت کرتے تھے۔ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں اپنے برادران عثمان و عبداللہ کی معیت میں ہجرت کی تھی۔

ام المومنین حفصہ و عبداللہ بن عمر کے ماموں بھی یہی ہیں ان کی ماں بھی بنو جمح میں سے تھی۔

بدر اور جملہ مشاہد میں برابر حاضر رہے۔

ان کی بہن حضرت عمر کے گھر میں اور حضرت عمر کی بہن صفیہ بن الخطاب ان کے گھر میں تھی۔ عمر فاروق نے ان کو حاکم بحرین بنا دیا تھا پھر وہاں سے معزول کر کے عثمان بن ابوالعاص کو ان کا جانشین بنایا تھا۔ وجہ معزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ جارود سید قبیلہ عبدالقیس نے عمر فاروق سے آکر عرض کیا کہ قدامہ نے شراب پی ہے اور میں نے اس کی اطلاع کا آپ تک پہنچانا فرض شرعی سمجھا ہے۔ فاروق نے پوچھا کوئی دوسرا آدمی گواہ، کہا ابو ہریرہ ہیں ابو ہریرہ نے آکر یہ شہادت دی کہ میں نے اُسے پیتے نہیں دیکھا۔ میں نے اُسے نشہ میں دیکھا اور وہ قے کر رہا تھا۔ فرمایا تم تو گہرے لفظوں میں شہادت دیتے ہو بعد ازاں قدامہ کو حاضری کا حکم دیا گیا۔ قدامہ آ گئے تو جارود نے کہا اس پر حد جاری کی جائے۔ فاروق نے فرمایا تم مدعی ہو یا گواہ ہو۔ جارود نے کہا گواہ ہوں۔ فرمایا تم اپنی گواہی دے چکے۔ جارود چپ کر گیا۔ اگلے روز جارود نے پھر کہا کہ اس پر حد جاری کی جائے عمر فاروق نے کہا تم مدعی معلوم ہوتے ہو اور گواہ ایک رہ جاتا ہے جارود نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ عمر نے کہا زبان بند کرو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ جارود بولا بخدا یہ تو ٹھیک نہیں کہ آپ کا ابن العم تو شراب پیئے اور شامت ہماری آئے۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو دختر ولید سے یعنی اہلیہ قدامہ سے دریافت کر لیجیے۔ حضرت عمر نے ہند بنت الولید کے پاس معتبر شخص کو بھیجا اور قسم دے کر دریافت کیا اُس نے شوہر کے خلاف شہادت دے دی۔

اب فاروق نے قدامہ سے کہا تم پر حد جاری کی جائے گی۔ قدامہ بولے اچھا۔ اگر یہی بات ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے شراب پی تب بھی مجھ پر حد نہیں لگائی جا سکتی فاروق نے پوچھا کیوں؟ قدامہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فاروق نے کہا کہ تم نے اس کے معنے میں غلطی کھائی ہے مگر تو تقویٰ اختیار کرتا تو حرام شے سے پرہیز کرتا۔

بعد ازاں عمر فاروق نے شوریٰ کیا اور دریافت کیا کہ قدامہ پر حد جاری کرنے میں اُن کی رائے کیا ہے۔ سب نے کہا کہ جب تک وہ بیمار ہے اس پر حد نہ لگنی چاہیئے۔

حضرت عمر چند روز خاموش رہے پھر عمر نے شوریٰ میں پوچھا اور لوگوں نے کہا کہ ابھی اُسے درد کی شکایت ہے حد نہ چاہیئے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر وہ کوڑے کھاتا ہوا خدا سے جا ملے تو مجھے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میں خدا کے سامنے حاضر ہوں اور اُس کی جوابدہی میری گردن پر ہو۔ اچھا کوڑا لاؤ۔ پورا، پورا بعد ازاں قدامہ کو حد لگائی گئی۔ قدامہ نے اس روز سے فاروق کے ساتھ بولنا چھوڑ دیا

بعد ازاں حضرت عمر حج کو گئے قدامہ بھی ساتھ تھے حضرت عمر خواب سے اُٹھے تو کہا قدامہ کو لاؤ مجھے اس خواب میں کہا گیا ہے کہ قدامہ سے صلح کرلو۔ قدامہ کو بلوایا اور بات چیت کی گئی اور بالآخر صفائی ہو گئی۔

قدامہ ۳٦ھ کو بعمر ٦۸ سال فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

٦۴۔ کثیر بن عمرو السلمیؓ

یہ خلفاء بنو اسد میں سے ہیں۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ بدر میں کثیر بن عمرو اور ان کے دونوں بھائی مالک بن عمرو اور ثقیف بن عمرو بھی شریک ہوئے تھے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ کثیر کا نام صرف ایک ہی روایت میں آیا ہے اور ممکن ہے کہ کثیر ہی کا لقب ثقیف ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

٦۵۔ کناز بن حصین ابو مرثد الغنویؓ

ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مضر میں شامل ہو جاتا ہے۔

کناز اور ان کے فرزند مرثد دونوں بدری ہیں اور ابو مرثد امیر حمزہ بن عبد المطلب کے حلیف ہیں اور کبار صحابہ میں سے ہیں۔

مرثد یوم الرجیع کو شہید ہوئے اور ان کے والد ابو مرثد نے ۱۲ھ کو خلافت ابو بکر میں بعمر ٦٦ سال انتقال کیا۔ مواخات میں یہ عبادہ بن صامت کے بھائی تھے ان کے پوتے اُنیس بن مرثد بھی صحابی ہیں۔

٦٦۔ مالک بن اُمیہ بن عمرو السلمیؓ

یہ بنو اسد بن خزیمہ کے حلیف ہیں بدر میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

٦۷۔ مالک بن ابو خولی الجعفیؓ

مالک بن ابو خولی بن عمر بن خثیمہ بن حارث بن معاویہ بن عوف بن سعد بن جعف (من مذحج) یہ بنو عدی بن کعب کے حلیف ہیں۔

بدر میں حاضر ہوئے ان کے بھائی خولی بن ابو خولی بھی بدری ہیں رضی اللہ عنہ

٦۸۔ مالک بن عمرو السلمیؓ

یہ بنو عبد شمس کے حلیف ہیں بدر میں حاضر تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کے بھائی ثقف بن عمرو اور مدلج بن عمرو بھی بدری ہیں رضی اللہ عنہم

٦۹۔ مالک بن عمیلہ بن السباق

یہ بنو عبد الدار میں سے ہیں امام موسیٰ بن عقبہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۷٠۔ محرز بن نضلہ الاسدیؓ

محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد

یہ بنو اسد بن خزیمہ میں سے ہیں۔ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ بنو عبد الاشہل اُن کو اپنا حلیف بتایا کرتے تھے۔

بدر، احد، خندق میں حاضر تھے غزوہ ذیقعد ٦ھ میں انہوں نے بڑے کارنامے دکھلائے اور مسعدہ بن حکمہ کے ہاتھ سے شربت

شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔ ان کا لقب احزم ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۱۔ مدلاج بن عمرو السلمیؓ

مدلاج (یا مدلج) بنو عبد شمس کے حلیف ہیں۔ بدر میں معہ برادران خود مالک بن عمرو و ثقیف بن عمرو حاضر تھے۔ بدر کے علاوہ مدلج دیگر مشاہد میں بھی ہمرکاب نبوی حاضر تھے ۵۰ھ میں انتقال کیا رضی اللہ عنہ

۷۲۔ مرثد بن ابو مرثد الغنویؓ

مرثد بن ابو مرثد (کناز) بن حصین ان کا نسب غیلان بن مضر تک جاملتا ہے۔

مرثد مواخات میں اوس بن صامت کے بھائی تھے۔ بدر و احد میں حاضر تھے۔ واقعہ رجیع ۳ھ میں شہید ہوئے اس واقعہ کی بھی ابتدا یوں ہوئی کہ عضل اور قارہ اور لحیان کے اشخاص نے سرور عالم سے التماس کی کہ ہمارے قبائل کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے چند اہلِ علم کو مامور فرمایا جاوے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جس میں مرثد اور عاصم ابن ثابت اور حبیب بن عدی اور خالد بن بکیر اور زید بن وثنہ اور عبداللہ بن طارق شامل تھے مامور فرما دیا۔ مرثد یا بقول بعض عاصم ان کے سردار تھے جب یہ صحابہ اور یہ غدار لوگ ہذیل کے علاقہ میں پہنچ گئے تو انہوں نے ہذیل سے جمیعت حاصل کر کے صحابہ پر حملہ کر دیا۔ مرثد و عاصم و خالد تو مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے اور حبیب و زید و عبداللہ اسیر ہوئے۔ عبداللہ راہ میں سے بھاگ گئے اور بالآخر کفار کے پتھراؤ سے شہید ہوئے اور حبیب و زید پھانسی پر لٹکائے گئے۔

حضرت مرثد بڑے بہادر پہلوان تھے ان کی عادت تھی کہ مدینہ منورہ سے چھپ چھپا کر آتے اور اُن مسلمان اسیروں میں سے جن کو کفار نے صرف جرم اسلام میں قید کیا ہوا تھا۔ ایک قیدی کو جیل سے نکال کر لے جاتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یہ مکہ میں اسی غرض سے آئے ان کو راستہ میں عناق مل گئی۔ یہ ایک بدچلن عورت تھی اور قبل از اسلام اس کے تعلقات مرثدؓ کے ساتھ بہت گہرے رہے تھے۔

ان کو دیکھ کر پہچان گئی بولی مرثد ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ بولی خوب۔ میرے ساتھ چلو۔ وہیں رات کو آرام کرنا۔ مرثد نے کہا عناق تو کس خیال میں ہے میں مسلمان ہوں اور اسلام میں زنا حرام ہے۔ یہ جواب سنتے ہی عورت کے تیور بدل گئے۔ لگی چلانے۔ لوگو آؤ۔ تمہارا ملزم موجود ہے۔ جو قیدیوں کو نکال لے جایا کرتا ہے۔ یہ سنکر آٹھ آدمی ان کے پیچھے بھاگے۔ یہ ایک غار میں جا چھپے دشمن بھی وہاں تک پہنچ گیا مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکے وہ واپس چلے گئے تو یہ کچھ عرصہ سستا کر پھر مکہ میں گئے اور بھاری بھر کم قیدی کو جیل سے اپنے کندھے پر اٹھا کر نکال لائے اور بعزت تمام مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس کی کہ میں عناق سے نکاح کر لوں۔ اس وقت تو حضور نے جواب نہ دیا مگر بعد میں آیت ازری اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہ کرنا۔

اس قصہ میں اُن لوگوں کے لئے سخت عبرت ہے جو غیر عورتوں کی محبت کا یقین کر لیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ غیر عورت کی چاہت اور لگاوٹ اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک اُسے یہ گمان رہتا ہے کہ وہ اس مرد سے عیش کر سکے گی جہاں عورت کو یہ پتہ لگ جائے کہ اب وہ اس کام سے دور رہے گا۔ اس وقت عورت کی ساری محبت فوراً ہی غصہ اور انتقام اور کینہ کشی سے مبدل

ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی یہی بات سکھلائی ہے، کہاں تو امراۃ العزیز کی وہ شیفتگی و عشق اور کہاں حضرت یوسف کو پاک باز معلوم کرنے کے بعد یہ سفرت کہ شوہر کو کہہ کہہ کر ان کو جیل میں بھجوایا اور پھر کبھی بات بھی نہ پوچھی۔ فقط رضی اللہ عنہ

۴۳۔ مسعود بن الربیع القاریؓ

ان کے والد کا نام ربیع اور ربیعہ بیان کیا گیا ہے ان کو قاری اس لیے کہتے ہیں کہ خوب قاری میں سے تھے۔ یہ قبیلہ خزیمہ بن مدرکہ کی شاخ ہے یہ اس وقت اسلام لائے کہ ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الارقم میں خفیہ تعلیم کا آغاز نہ فرمایا تھا۔ مواخات میں یہ عبید بن تیہان کے بھائی ہیں۔

۳۰ھ کو بعمر زائد از ساٹھ سال انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۴۔ سیدنا مصعب بن عمیر القرشی العبدریؓ

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب میں قصی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

نوجوانان مکہ میں حضرت مصعب جوانی و رعنائی، خوش پوشی و نازپروردگی میں مشہور تھے ماں باپ کے لاڈلے تھے، ماں کو ہمیشہ یہ خیال رہتا کہ مکہ بھر میں انہی کا لباس سب سے قیمتی ہو اور ان کی عطر سب سے زیادہ خوشبودار ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَا رَأَيْتُ بِمَكَّةَ أَحْسَنَ لِمَّةً وَلَا أَرَقَّ حُلَّةً وَلَا أَنْعَمَ نِعْمَةً مِنْ مُصْعَبِ بْنِ عُمَيْرٍ

ان کا اسلام دار ارقم میں ہوا ماں باپ کے خوف سے اظہار اسلام نہ کرتے تھے آخر ایک روز عثمان بن طلحہ نے ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور انہوں نے قوم کو ان کا مسلمان ہونا بتا دیا، ماں باپ اور قوم سب بگڑ گئی ان کو قید کر دیا۔ ان کو موقعہ ملا تو زندان سے نکلے اور حبشہ کے مہاجرین اولی میں شامل ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد پھر مکہ معظمہ میں واپس آ گئے۔

عقبہ ثانیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ جا کر تعلیم قرآن اور تدریس دین کے لئے مامور فرمایا، سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ انہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے بنو عبد الاشہل کا سارا قبیلہ انہی کے ہاتھ پر اسلام لایا، مدینہ منورہ میں گھر گھر اسلام پہنچ گیا اور ہر طرف سے قرآن کریم کی آواز آنے لگی۔

جنگ بدر میں اسلام کا نشان اعظم انہی کے ہاتھ میں تھا جنگ احد کے نشان بردار بھی یہی تھے ان کی شہادت کے بعد یہ نشان علی مرتضیٰ نے سنبھالا تھا۔

ابو عبداللہ ان کی کنیت تھی اور مدینہ منورہ میں القاری المقری کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ بزرگ ترین صحابہ اور فاضل ترین صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

شہادت غزوہ احد میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر پورے چالیس سال کی تھی یا کچھ زیادہ، تکفین کے وقت ان پر ایک لنگی سیاہ سفید

دھاریوں والی ڈالی گئی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ سر چھپاتے تھے تو پاؤں ننگے رہ جاتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر پر کپڑا اور قدموں پر گھاس ڈال دو۔ یہ اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کی شان میں رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ نازل ہوئی۔ ان کے زہد و ورع کو صحابہ ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۵ معتب بن حمراء الخزاعی السلولیؓ

معتب بن عوف بن عمر بن عامر بن فضل بن عفیف بن کلیب بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بنو مخزوم کے حلیف ہیں۔ ابو عوف کنیت تھی یہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ آپ ابن الحمراء کے نام سے مشہور تھے جو آپ کی والدہ تھیں۔

مواخات میں یہ ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بھائی تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے بوقت انتقال ۷۸ سال کی عمر تھی۔ طبری نے وفات ۵۷ھ بتایا ہے رضی اللہ عنہ

۷۶۔ معمر بن ابی سرح بن ابی ربیعہ القرشیؓ

معمر بن ابی سرح بن ابی ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر القرشی الفہری

بدر میں حاضر تھے ۳۰ھ میں وفات پائی بعض نے ان کا نام بجائے معمر کے عمر تجویز کیا ہے رضی اللہ عنہ

۷۷۔ مہجع بن صالح المہاجر

مہجع بن صالح یمن کے باشندے ہیں یا بقول ابن ہشام قوم عک سے ہیں پکڑے گئے اور غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ عمر فاروق نے ان کو خریدا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا تھا۔

جنگ بدر کے دن مسلمانوں میں سے پہلے شہید یہی ہیں تیر کی زد سے شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۷۸۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی الیربوعی

یہ خطاب بن نفیل کے حلیف تھے قدیم الاسلام ہیں۔ اس وقت اسلام لائے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں تعلیم و تبلیغ شروع نہ فرمائی تھی

سلسلہ مواخات میں بشر بن براء بن معرور انصاری ان کے بھائی تھے۔

واقد اس سریہ میں شامل تھے جو امیر المومنین عبد اللہ بن جحش کی ماتحتی میں بھیجا گیا تھا۔

عمرو بن الحضرمی کے قاتل بھی یہی ہیں۔ قریش نے قتل حضرمی پر اس لیے احتجاج کیا تھا کہ اس روز یکم رجب تھی اور رجب کا احترام مسلمان بھی کرتے ہیں اسی واقعہ کی نسبت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ (الآیۃ) کا نزول ہوا تھا۔

حضرمی پہلا شخص تھا جو مشرکین میں سے قتل کیا گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کی تھی اس بارہ میں عمر فاروق کا شعر ہے ؎

سَقَيْنَا مِنِ ابْنِ الْحَضْرَمِيِّ رِمَاحَنَا

بِنَخْلَةَ لَمَّا أَوْقَدَ الْحَرْبَ وَاقِدُ

واقد رضی اللہ عنہ بدر و احد اور دیگر جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب مصطفوی رہے۔ خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

۷۹۔ وہب بن محصن الاسدیؓ

یہ بنو خزیمہ میں سے ہیں عکاشہ بن محصن کے بڑے بھائی ہیں بنو عبدشمس کے حلیف تھے۔ اپنی کنیت ابوسنان الاسدی سے معروف ہیں۔ بالاتفاق مسلم ہے کہ بیعت الرضوان میں سب سے پیشتر ابتداً انہوں نے کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس بات کی بیعت کرتے ہو۔ عرض کیا جس بات کی بیعت حضور کو مطلوب ہے۔ ۴۰ سال کی عمر تھی جب انہوں نے دنیائے ناپائدار کو ترک فرمایا۔ اس وقت محاصرہ بنی قریظہ جاری تھا رضی اللہ عنہ۔

۸۰۔ وہب بن ابی سرح القرشی الفہریؓ

وہب بن ابی سرح ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبیبن حارث بن القریش

بدر میں معہ برادر خود عمرو بن ابی سرح حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۸۱۔ وہب بن سعد بن ابی سرح القرشیؓ

وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن حذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی

یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بھائی ہیں۔ حدیبیہ، بدر، احد، خندق، خیبر میں موجود تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ مواخات میں یہ اور سوید بن عمرو بھائی بھائی تھے۔ دونوں ہی موتہ کے دن شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۲۔ ہلال بن ابی خولیؓ

ہلال بن ابی خولی (عمرو) بن زہیر بن خیثمہ الجعفی۔ یہ خطاب بن نفیل کے حلیف ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔

ان کے دو بھائی خولی اور عبیداللہ بھی بدری ہیں رضی اللہ عنہ

۸۳۔ یزید بن رقیشؓ

بن رباب بن یعمر، یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ بعض نے ان کا نام اُرید بن رقیش لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے رضی اللہ عنہ

۸۴۔ ابوحذیفہ بن عتبہؓ

ابوحذیفہ بن عتبہ ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشی العبشمی

ان کا نام مہشم یا ہشیم یا ہاشم بیان کیا گیا ہے۔ لانبا قد، خوبرو، احول اثعل تھے۔ اثعل اُسے کہتے ہیں جس کے دانت کی جڑ میں دوسرا دانت نکلا ہوا ہو۔

فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں داخل نہ ہوئے تھے کہ یہ اسلام لا چکے تھے اول ہجرت حبشہ کی پھر مکہ میں آگئے۔ پھر مکہ سے ہجرت مدینہ کی۔ ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو نے ہجرت حبشہ میں ساتھ دیا تھا۔

بدر، احد، خندق، حدیبیہ غرض جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی رہے۔ جنگ یمامہ میں بعمر ۵۳ سال شہادت پائی۔

رضی اللہ عنہ

۸۵۔ ابوسبرہ قرشی العامری رضی اللہ عنہ

ابوسبرہ بن ابورہم بن عبدالعزیٰ بن ابوقیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی
ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ سے مشرف ہوئے۔ یہ اُمِ کلثوم بنت سہیل بن عمرو کے شوہر ہیں۔ ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ بدر و اُحد اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔
خلافت عثمان میں انہوں نے انتقال کیا۔
مواخات میں سلمہ بن سلامت بن انس انصاری ان کے بھائی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۶۔ ابوکبشہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فارسی النسل ہیں۔ مکہ میں پیدا ہوئے غلام تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ ان کا نام سلیم تھا۔
بدری ہیں جملہ دیگر مشاہد میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر رہا کرتے تھے۔ ۱۳ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۷۔ ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ

بنولیث بن بکر بن عبدمناۃ میں سے ہیں حارث نام ہے قدیم الاسلام ہیں۔
بدر میں حاضر تھے اور یوم الفتح کو بنولیث وحمزہ وسعد بن بکر کا نشان ان کے ہاتھ میں تھا ۵، سال کی عمر میں ۶۸ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الانصار

۱۔ ابی بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ

یہ حسان بن ثابت کے بھائی یا برادرزادہ ہیں۔ ابوالشیخ کنیت ہے۔ بدر میں شامل ہوئے اور بیر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار (وہو تیم اللات) بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج الاکبر الانصاری المعاوی۔
بنو معاویہ بنو جدیلہ کے پتہ سے معروف ہیں فحات جدیلہ معاویہ کی اہلیہ تھی۔ تیم لات کو نجار اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کے چہرہ پر تیشہ مار کر اس کا گوشت چھیل دیا تھا۔
ابی بن کعب عقبہ کی ہجرت ثانیہ سے مشرف ہوئے تھے اور پھر بدر و دیگر مشاہد میں بھی حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو سب سے بڑا قاری فرمایا ہے۔

ایک بار سرورِ عالم نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں تجھے اپنا قرآن سناؤں ابی نے عرض کیا میرا نام بھی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر وہ رونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بینہ پڑھ کر سنائی۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تعالیٰ لیھنیک العلمُ تجھے علم مبارک ہو۔ یہ کاتب وحی بھی تھے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پیشتر خدمت کتابت وحی انہی کے سپرد تھی۔

عمر فاروق نے جب تراویح کی جماعت قائم فرمائی تو انہی کو امام تراویح مقرر فرمایا تھا یہ بیس یوم تک تراویح پڑھایا کرتے اور عشرہ آخر میں نہ پڑھاتے۔

ان کا انتقال ۱۹یا۲۰ھ کو خلافت فاروقی میں ہوا بعض نے خلافت عثمانی میں انتقال کا ہونا بھی تحریر کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

کتب احادیث میں ان سے ۱۶۴ مرویات پائی جاتی ہیں جن سے متفق علیہ ۳ صرف صحیح بخاری میں ۳ صرف صحیح مسلم میں ۷ ہیں۔

۳۔ **اسعد بن یزید بن فاکہہ رضؓ**

بن یزید بن خالدہ بن زریق بن عبد حارثہ الانصاری الزرقی۔

موسیٰ بن عقبہ نے ان کا نام اہل بدر میں تحریر کیا ہے مگر کتاب ابن اسحٰق میں ان کا نام درج نہیں۔ رضی اللہ عنہ

۴۔ **اسید بن حضیر بن سماک رضؓ**

بن سہیک بن رافع بن امرا القیس بن زید بن عبد الاشہل الانصاری الاشہلی۔

ان کی مشہور کنیت ابو یحیٰی ہے۔ اسلام میں سعد بن معاذ سے بھی پیشتر داخل ہوئے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے بیعت عقبہ ثانیہ سے مشرف ہوئے۔ بدر، احد اور جملہ مشاہد میں برابر حاضر رہے د صرف ابن اسحٰق نے ان کا نام بدریین میں درج نہیں کیا) احد میں سات زخم ان کے جسم پر تھے یہ اُن لوگوں میں سے تھے جو احد میں ثابت القدم رہے یہ عاقل کامل صاحب فہم و رائے مسلّمہ تھے۔

مواخات میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ قرآن مجید نہایت ہی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ روایت صحیحہ میں ہے کہ ملائکہ ان کی قرأت کی سماعت کے لئے اُترے۔

۲۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ امیر المومنین عمر فاروق کو انہوں نے اپنا وصی بنایا تھا۔ فاروق نے ان کی وفات کے بعد معلوم کیا کہ چار ہزار دینار کا قرض چھوڑ گئے ہیں۔ فاروق نے ان کا نخلستان چار سال کے لئے چار ہزار میں فروخت کر دیا اور اس طرح قرض پورا چکا دیا۔ رضی اللہ عنہ

۵۔ **ابسرہ بن عمرو الانصاری النجاری رضؓ**

بنو عدی بن النجار میں سے ہیں۔ ابو سلیط کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد عمرو بھی ابو خارجہ کنیت سے معروف ہیں۔ بدر اور مشاہد مابعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر رہے ان کی والدہ برہ ہیں جو کعب بن عجرۃ العلوی کی بہن ہیں۔ ابو سلیط کے فرزند عبد اللہ نے ان سے روایت کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۶۔ انس بن مالک بن نضر رض

بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثۃ الانصاری الخزرجی النجاری۔

ان کی کنیت ابو حمزہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہ دس سال کے تھے ان کی والدہ ام سلیم بنت ملحان الانصاریہ نے ان کو حضور میں پیش کیا کہ یہ حضور کی خدمت کیا کرے گا۔ چنانچہ دس سال تک برابر خدمت نبوی میں شب و روز حاضر رہے سفر و حضر میں کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی تھی اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ الٰہی اسے مال و اولاد دے اور برکت عطا فرما۔

کہتے ہیں کہ ان کی پشت سے ۸۰ فرزند اور دو دختران حفصہ وام عمرو پیدا ہوئیں۔ آخر عمر میں بصرہ میں جا آباد ہوتے وہیں ۹۲ یا ۹۳ کو وفات پائی اس حساب سے ان کی عمر ۱۰۲ یا ۱۰۳ سال کی ہوتی ہے۔ رضی اللہ عنہ

ان سے کسی نے پوچھا کہ انس تم بدر میں شامل تھے۔ انہوں نے کہا تیری ماں مرے میں حضور کی خدمت چھوڑ کر کہاں جا سکتا تھا۔

دواوین حدیث میں ان سے ۲۲۸۶ مرویات موجود ہیں از انجملہ ۱۶۸ متفق علیہ ۸۳ صرف صحیح بخاری میں ۷۱ صرف صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

۷۔ انس بن معاذ بن انس بن قیس رض

بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار الانصاری۔ سب کا اتفاق ہے کہ بدر میں حاضر تھے اور واقعہ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

واقدی اس بیان میں منفرد ہیں کہ وہ انس بن معاذ۔ بدر و احد و خندق اور جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی تھے اور خلافت عثمانی میں وفات پائی رضی اللہ عنہ

۸۔ انیس بن قتادہ رض

بن ربیعہ بن خالد بن حارث بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس الانصاری۔

بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہادت پائی۔ خنساء بنت خدام الاسدیہ کے شوہر یہی تھے رضی اللہ عنہ

۹۔ انسہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابو مسرح کنیت بمقام سراۃ پیدا ہوئے جب حضور رونق افروز مجلس ہوتے اُس وقت دربانی کی خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔ بدر و اُحد میں حاضر تھے۔ خلافت ابوبکر صدیق میں انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ

۱۰۔ اوس بن ثابت الانصاری رض

اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار۔

حسان بن ثابت شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی بھائی ہیں۔ عقبہ و بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۔ اوس بن خولی بن عبداللہ رضؓ

بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم الحبلی الانصاری الخزرجی

بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد نبوی میں برابر حاضر رہے۔ مواخات میں یہ شجاع بن وہب الاسدی کے بھائی ہیں۔ انصار میں سے غسل نبوی میں شریک ہونے کی فضیلت انہی کو حاصل ہوئی۔ یہ اس طرح ہوا کہ انصار بوقت غسل جمع ہو گئے۔ اندر سے دروازہ بند تھا انہوں نے شور کرنا شروع کیا کہ ہم آنحضرت کے ننھیال میں سے ہیں ہم کو ضرور شریک کرو۔ کہا گیا کہ تم اپنے میں سے ایک کو منتخب کرلو چنانچہ اوس بن خولی پر انصار نے اتفاق کر لیا اور یہی بزرگ تدفین مبارک میں برابر شامل رہے۔ ان کا انتقال مدینہ میں خلافت عثمانیہ میں ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ اوس بن صامت الانصاریؓ

اوس بن صامت بن قیس بن احرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن الخزرج

بدر، احد اور جملہ مشاہد میں بمعیت رسول پاک حاضر ہوتے رہے۔ امیر المومنین عثمان کی خلافت میں وفات پائی۔

یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور پھر قبل از کفارہ ہم بستری کر لی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا کہ ۶۰ مساکین کو ۱۵ اصاع جو تقسیم کریں۔ یہ عبادہ بن صامت کے بھائی ہیں اور مندرجہ ذیل شعر انہی کا ہے ؎

انا ابن من یقیا عمود مجدے البو عامن ھاء السماء

۱۳۔ ایاس بن ودقہ الانصاری الخزرجی رضؓ

بنو سالم بن عوف بن خزرج سے ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہادت پائی رضی اللہ عنہ

۱۴۔ بشر بن براء بن معرور الانصاری الخزرجی رضؓ

بنو سلمہ میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ سوم کا شرف حاصل کیا۔ بدر، احد، خندق میں شجاعانہ خدمات انجام دیں۔ بمقام خیبر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر تھے جب یہودیہ کا مسموم گوشت پیش ہوا۔ انہوں نے اس میں سے لقمہ کھا لیا اور زہر سے شہید ہو گئے ان کا بیان ہے کہ لقمہ کا مزہ مجھے بھی خراب معلوم ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لقمہ اُگلنا ادب کے خلاف سمجھا۔ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ساعدہ کا سردار مقرر فرمایا تھا۔

ان کے والد بزرگوار براء بن معرور نقبائے محمدیہ میں سے ہیں عقبہ اولیٰ کو بیعت کا شرف حاصل کیا تھا یہ پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے کعبہ کو سمت نماز ٹھہرایا تھا اور پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے قبلہ رُخ لحد میں آرام کیا تھا۔ ان کا انتقال قدوم نبوی سے پیشتر مدینہ منورہ میں ہو گیا تھا۔ رضی اللہ عنہ

۱۵۔ بشیر بن سعد بن ثعلبہ رضؓ

بن خلاس بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج الانصاری۔

ابوالنعمان کنیت تھی۔ عقبۂ بدر میں حاضر تھے۔ سماک بن سعد ان کے بھائی ہیں۔ وہ بھی بدری ہیں۔ بشیر احد اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ساتھ حاضر رہے تھے۔

یوم سقیفہ کو ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر انصار میں سے سب سے پہلی بیعت کرنے والے یہی بزرگ ہیں۔ جنگ عین التمر میں زیر سیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سرگرم پیکار تھے کہ جاں بحق ہو گئے آخر میں سپرد فرمائی یہ واقعہ خلافت صدیقی کا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ ثابت بن اخرمؓ

بن ثعلبہ بن عدی بن العجلان البلوی ثم الانصاری

انصار کے حلیف ہیں۔ بدر اور جملہ مشاہد میں داد شجاعت دینے والے۔ جنگ موتہ میں جب سردار سوم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوچکے تو نشان قیادت ان کو سپرد کر دیا۔ انہوں نے یہ نشان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ آپ مجھ سے بڑھ کر ماہر جنگ ہیں۔

ان کا انتقال ۱۲ھ میں ہوا۔ طلیحہ بن خویلد اسدی نے ایام ردۃ میں ان کو قتل کیا بعد ازاں طلیحہ بھی داخل اسلام ہو گئے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ ثابت بن جذع (ثعلبہؓ)

بن زید بن حارث بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری

عقبہ میں حاضر ہوئے بدر اور جملہ مشاہد میں جوہر مردانگی دکھلائے۔ غزوہ طائف میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ ثابت بن خالد بن نعمان بن خنساء الانصاریؓ

بنو مالک بن النجار میں سے ہیں بدر و احد میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ بعض نے ان کا شمار شہدائے بئر معونہ میں کیا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ ثابت بن عامر بن زید الانصاری

بدر میں حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۲۰۔ ثابت بن عبید الانصاری

بدر میں حاضر تھے اور صفین میں علی المرتضیٰ کی جانب موجود۔ اسی جنگ میں شہادت یاب ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۱۔ ثابت بن عمرو بن زید بن عدیؓ

بن سواد بن مالک بن النجار الانصاری

بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ موسیٰ بن عقبہ ابومعشر اور واقدی و ابن سعد کا متفقہ بیان یہی ہے۔ ابن اسحٰق نے ان کا ذکر بدریین میں اور موسیٰ بن عقبہ نے ان کا ذکر شہدائے احد میں نہیں کیا۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۔ ثابت بن ہزال بن عمرو الانصاریؓ

جو عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ بدر اور جملہ مشاہد میں حاضر رہے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۳۔ ثعلبہ بن حاطب بن عمروؓ

بن عبید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف الانصاری

بدر و احد میں حاضر تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت مال کے متعلق دعا کرنے کی بابت التماس کی تھی حضورؐ نے فرمایا "قَلِيلٌ تُؤَدِّي شُكْرَهُ يَا ثَعْلَبَةُ خَيْرٌ مِنْ كَثِيرٍ لَا تُطِيقُهُ" اے ثعلبہ وہ تھوڑا مال جس کا شکر انہ ادا کیا جا سکے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جسے سنبھال نہ سکو جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۔ ثعلبہ بن عمرو بن عامرؓ

بن عبید بن محصن بن عمرو بن عتیک بن مبذول (سدن) ابن مالک بن نجار الانصاری

بدر، احد، خندق اور دیگر جملہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر رہتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر بیان کیا کہ اُس نے فلاں لوگوں کا اونٹ سرقہ کیا ہے اس پر وہ لوگ بھی طلب ہوتے۔ اثبات جرم کے بعد مجرم کا ہاتھ کاٹا گیا۔ ہاتھ کٹ جانے کے بعد مجرم بولا۔ الحمد للہ الذی طہرنی منک۔ اللہ کا شکر ہے جس نے جسم کا یہ ناپاک حصہ مجھ سے علیحدہ کر دیا۔

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے غالباً جسر ابو عبیدہ کے جنگ میں بعہد خلافت فاروقی شہادت یاب ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۵۔ ثعلبہ بن غنمہ بن عدیؓ

بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمۃ الانصاری۔

یہ بھی اُن بزرگ ستر انصار میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ پر آخری بیعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر کی تھی۔

یہ اُن بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے بنو سلمہ کے بتوں کو توڑا پھوڑا تھا۔ معاذ بن جبل اور عبداللہ بن انیس اس سنت ابراہیمی میں ان کے شریک کار تھے۔ یوم خندق کو شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۶۔ جابر بن عبداللہ بن رباب

بن نعمان بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمۃ الانصاری السلمی

یہ انصار میں پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے عقبہ اولیٰ سے بھی ایک سال پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا۔ صحابی ابن صحابی ہیں۔ بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد مصطفوی میں بالالتزام حاضر ہوتے رہے رضی اللہ عنہ

دواوین احادیث میں ان سے ۱۵۴۰ مرویات موجود ہیں۔ از انجملہ متفق علیہ ۶۰ صرف صحیح بخاری میں ۲۶ صرف صحیح مسلم میں ۱۲۶ ہیں۔

۲۷۔ جابر بن عتیک الانصاری المعادی الاوسیؓ

یہ قبیلہ بنو معاویہ بن مالک سے ہیں۔ بدر میں اور جملہ مشاہد بعد میں حاضر ہونے کی عزت حاصل کی ہے۔ عام الفتح کو بنو معاویہ کا نشان انہی کے

ہاتھ میں تھا۔

حارث بن عتیک ان کے بھائی ہیں اور وہ بھی صحابی ہیں ۲۶ھ کو بعمر ۱، سال انتقال کیا۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۸۔ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

یہ بنجاری وانصاری ہیں جنگ بدر ہی میں شہید ہوئے۔ یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پھوپھیرے بھائی ہیں۔ بوقت شہادت نوجوان ہی تھے۔ لشکر کا پہرہ دے رہے تھے پانی پینے لگے کہ دشمن کا تیر حلق پر آ لگا گر گئے۔ اُن کی والدہ نے عرض کیا کہ حضور جانتے ہیں حارثہ کی منزلت میرے دل میں کیا تھی اگر وہ جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر نہیں تو حضور ہی دیکھ لیں گے کہ میں کیا کچھ کرتی ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت صرف ایک تو نہیں۔ جنان بہت ہیں اور حارثہ جنت الفردوس میں ہے۔

بدر کے دن انصار میں یہ سب سے پہلے شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۹۔ خبیب بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ

قبیلہ بنو جحجبی سے تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے اور ۳ھ کو سریہ رجیع میں کفار نے دھوکہ دے کر ان کو اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو گرفتار کر لیا۔

جنگ بدر میں حضرت خبیب نے حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اس لیے اسیری کے بعد عقبہ بن حارث نے ان کو خرید لیا اور مقتول باپ کا انتقام لینے کے لئے ارادہ کر لیا گیا کہ اُن کو قتل کیا جائے۔ جنگ بدر میں جن خاندانوں کے لوگ قتل ہوئے تھے وہ سب حضرت خبیب کے قتل کو ایک بڑا کارنامہ سمجھتے تھے۔

پہلے ان کو چند روز تک قید رکھا گیا۔ عقبہ کی عورت پر اُن کی اعلیٰ سیرت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بایّام قید ان کو آرام سے رکھا کرتی تھی۔ اُسی کا بیان ہے کہ خبیب کا سا نیک قیدی میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کے پاس انگوروں کے خوشے ہم دیکھا کرتے تھے۔ حالانکہ مکہ میں اُن دنوں انگور کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

قتل کے دن کفار اُن کو حرم مکہ سے باہر لے گئے اور میدان تنعیم میں لے جا کر بماہ صفر ۴ھ اُن کو پہلے قتل کیا اور پھر صلیب پر لٹکا دیا ان کا لاشہ برابر لٹکتا رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اُمیّہ الضمری کو مامور فرمایا کہ لاش اُتار لائیں اُن کا بیان ہے کہ میں نے لکڑی پر چڑھ کر لاش کو نیچے گرایا جب خود نیچے اُترا تو لاش موجود نہ تھی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے اُسے سنت ٹھہرا دیا۔

جو اشعار انہوں نے پھانسی کے نیچے جا کر فی البدیہہ تصنیف کئے تھے وہ کتاب رحمۃ للعالمین میں درج ہیں ان اشعار سے ان کی شیر دلی اور قوت ایمانیہ اور استقلال طبع کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اشعار بالا میں سے یہ دو شعر نہایت مشہور ہیں۔

فَلَسْتُ اُبَالِی حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا　　عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْ　　یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٖ

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے قتل کی پروا نہیں۔ خدا کی راہ میں گرنا خواہ کسی کروٹ پر ہو ذات الٰہی کی یہ قدرت میں ہے

کہ میرے جسم کے ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے۔ رضی اللہ عنہ

۳۰۔ خلاد بن رافعؓ

رفاعہ بن رافع کے بھائی ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ ربیع بن ایاس

بن عمرو بن غنم بن اُمیہ بن لوذان الانصاری۔ خود مع اپنے بھائی کے حاضر بدر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۳۲۔ رفاعہ بن حارث بن رفاعہؓ

بنو عفراء سے ہیں۔ ابن اسحٰقؒ نے ان کا شمار بدریین میں کیا ہے۔ واقدی کو انکار ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۳۔ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ

رفاعہ بن رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق الانصاری الزرقی۔ ابو معاذ کنیت ابی بن سلول کے نواسہ ہیں جنگ بدر میں معہ اپنے ہر دو برادران خلاد و مالک کے شریک ہوئے۔

احد اور دیگر جملہ مشاہد میں بھی ہمرکاب نبوی تھے واقعہ جمل و صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کی جانب تھے۔ امارت معاویہ کے ابتدائی ایام میں وفات پائی۔

یہ ۲۴ حدیثوں کے راوی ہیں جن میں سے صحیح بخاری میں ۳ ہیں۔

۳۴۔ ابو لبابہ رفاعہ بن عبد المنذر الانصاری رضی اللہ عنہ

ابن شہاب و ابن ہشام و خلیفہ نے ان کا نام بشیر لکھا ہے مگر امام احمد و ابن معین و ابن اسحٰق سے ثابت ہے کہ ان کا نام رفاعہ تھا۔ یہ انصاری اوسی ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر بن زید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن الاوس۔

عقبہ میں حاضر تھے اور بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے جنگ بدر میں حضور کے ساتھ نکلے تھے۔ راہ ہی سے حضورؐ نے ان کو مدینہ کا نگران مقرر فرما کر واپس کر دیا تھا اور غنیمت میں حصہ عطا فرمایا تھا۔ غزوہ سویق میں بھی ان کو نگرانی مدینہ کا عہدہ دیا گیا تھا۔ احد اور جملہ مشاہد مابعد میں بھی مستلزم رکاب نبوی رہے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ پھر ان کو اپنے اس ترک سعادت کا خیال پیدا ہوا تو خود کو مضبوط زنجیر کے ساتھ ستون مسجد سے بندھوا دیا۔ اُن کے بیٹے نماز اور ضروریات بشری کے وقت اُن کو کھول دیتے اور پھر باندھ دیتے سات دن بھوکے پیاسے اسی طرح کاٹے اسی عرصہ میں شنوائی کم ہو گئی بینائی کو بھی صدمہ پہنچا ایک روز بوجہ ضعف غش کھا کر گر پڑے آخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کر لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رہائی بخشی، یہ روائت اس روائت سے زیادہ معتبر و صحیح ہے جس میں بنو قریظہ کے اشارہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

قبولیت توبہ کے شکرانہ میں کل مال اور مکان صدقہ کرنا چاہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث مال کافی ہے۔

غزوہ فتح مکہ میں قبیلہ بنو عمرو بن عوف کا نشان ان کے ہاتھ میں تھا۔ امیر المومنین حضرت علی کے آیام خلافت میں انتقال کیا۔

رضی اللہ عنہ

۳۵۔ رفاعہ بن عمرو بن زید الخزرجی الانصاریؓ

بیعت عقبہ میں داخل اور بدر میں شامل تھے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے ان کی کنیت ابوالولید ہے مگر یہ ابن ابی ابولید کے نام سے اس لئے معروف ہیں کہ ان کے دادا زید بن عمرو کی کنیت بھی ابوالولید تھیؓ

۳۶۔ رفاعہ بن عمرو الجہنیؓ

ابومعشر کہتے ہیں کہ بدر و احد میں حاضر تھے ابن اسحٰق و واقدی نے ان کے نام کی تصحیح ودیعہ بن عمرو کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۳۷۔ زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی العجلانیؓ

یہ قبیلہ بلی میں بھی رہے اسی لئے بلوی بھی کہتے ہیں پھر بنو عمرو بن عوف کے حلیف بن گئے تھے اس لئے انصاری ہیں۔ ثابت بن اکرم ان کے چچا ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ نے ان کو بدریین میں شمار کیا ہے جنگ احد میں بھی حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۳۸۔ زید بن دثنہ الانصاری البیاضیؓ

زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ۔ بدر و احد میں شریک ہوئے اور یوم الرجیع میں خبیب بن عدی کے ساتھ کفار کی قید میں اسیر ہوئے۔ صفوان بن امیہ نے ان کو مکہ میں خرید اور قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۹۔ زید بن سہل الانصاری

زید بن سہل بن الاسود بن حرام بن عمرو بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار الانصاری النجاری

ان کی کنیت ابوطلحہ ہے اور زیادہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ انس بن مالک کی والدہ ام سلیم بنت ملحان انہی کے نکاح میں تھیں ایک روز انہوں نے یہ آیت پڑھی انفروا خفافاً وثقالاً۔ جہاد کرو خواہ سامان ہو یا نہ ہو پڑھ کر کہا یا اللہ اس کا مطلب تو معلوم نہیں۔ البتہ جوانی و پیری تو جہاد ہی میں پوری کی ہے۔ پھر اپنی اولاد سے کہا کہ میں جہاد کو جاؤں گا۔ سامان درست کر دو۔ وہ بولے بابا جی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نیز عہد صدیقی میں نیز عہد فاروقی میں جہاد کر چکے ہو، اب آرام کرو۔ بولے نہیں آخر بحری فوج میں داخل ہوئے اور جہاز ہی پر جان دی ان کی لاش کو سات یوم جہاز پر بانتظار جزیرہ رکھا گیا۔ لاش میں ذرا تغیر نہ آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چالیس سال تک متواتر روزے رکھے۔

مدائنی نے سنہ وفات ۵۱ھ تحریر کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۴۰۔ زید بن عاصم المازنی الانصاریؓ

بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ بدر میں حاضر، غزوہ احد میں خود اور ان کی زوجہ ام عمارہ اور ان کے ہر دو فرزند حبیب و عبداللہ نبرد آزما ہوئے۔ ان کی کنیت بظن غالب ابوالحسن لکھی ہوئی ہے۔ رضی اللہ عنہ وعن اہل بیتہ

۴۱۔ زید بن المزین الانصاری البیاضیؓ

بدر و احد میں حاضر تھے۔ یوم الرجیع کو حبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ صفوان بن امیہ نے ان کو خرید اور قتل کیا تھا۔ واقدی نے ان کا نام بجائے زید کے یزید لکھا ہے۔

مواخات مہاجرین و انصار میں مسطح بن اثاثہ ان کے بھائی بنائے گئے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۴۲۔ **زید بن ودیعہ الانصاریؓ**

یہ بنو عوف بن خزرج میں سے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کا صرف بدر میں شامل ہونا تحریر کیا ہے مگر دیگر مورخین نے ان کو بدر و احد کے حاضرین میں درج کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۴۳۔ **زیاد بن لبید بن ثعلبہ انصاری البیاضیؓ**

یہ بنو بیاضہ بن عامر بن زریق سے ہیں۔ ابو عبداللہ کنیت۔ یہ اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ رہے تھے۔ پھر جب حضورؐ نے ہجرت کی تو انہوں نے بھی ہجرت کی۔ لہذا ان کو مہاجری انصاری کہا جاتا تھا۔ عقبہ، بدر، احد، خندق اور دیگر جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاکم حضرموت مقرر فرمایا تھا۔ آغاز حکومت معاویہ میں انتقال فرمایا۔

۴۴۔ **سالم بن عمیر الانصاریؓ**

سالم بن عمیر بن ثابت بن نعمان بن امیہ بن امرء القیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف الانصاری۔

بدر، احد، خندق اور دیگر جملہ مشاہد میں مستلزم رکاب نبوی رہے۔ بسلطنت معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔ یہ اُن بزرگوں میں سے ہیں جو کثرت گریہ کے لئے مشہور تھے۔ رضی اللہ عنہ

۴۵۔ **سبیع بن قیس بن علیشہ الانصاری الخزرجیؓ**

بدر میں شامل تھے ان کے بھائی عباد بن قیس بھی بدری ہیں۔ احد میں بھی شامل ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۴۶۔ **سراقہ بن عمرو بن عطیۃ الانصاریؓ**

سراقہ بن عمرو بن عطیۃ بن خنساء بن بذول بن عمرو بن غنم بن مالک بن النجار۔ الانصاری

بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور عمرۃ القضاء میں ہمرکاب مصطفوی تھے۔ یوم موتہ کو شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۴۷۔ **سفیان بن بشر بن حارث الانصاری الخزرجیؓ**

ان کے والد کو چند مورخین نے بشر (باؤشین کے ساتھ) اور چند مورخین نے نون وسین کے ساتھ لکھا ہے بدر و احد میں خدمت نبوی میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۸۔ **سراقہ بن کعب الانصاریؓ**

سراقہ بن کعب بن عمرو بن عبد العزیٰ بن غزیہ بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن النجار

بدر، احد اور دیگر جملہ مشاہد میں حاضر ہوئے اور سلطنت امیر معاویہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

۴۹۔ **سعد بن خولی الانصاریؓ**

یہ حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام آزاد کردہ تھے۔ کوئی ان کو مذحجی، کوئی کلبی، کوئی فارسی النسل بیان کرتا ہے۔ بدر میں شامل تھے یہیں شہید

ہوئے بعض نے ان کی شہادت غزوہ احد کی بیان کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۵۰۔ سعد بن خثیمہ الانصاری الاوسیؓ

بنو عوف بن عمرو میں سے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر پر چلنے کے لئے فرمایا تو ان کے والد نے کہا کہ میں جاؤں گا اور تم گھر پر ٹھہرو۔ سعد بولے باوا جان یہ بہشت کا معاملہ ہے اس لئے مجھے ہی جانے دیجئے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس جنگ میں مجھے شہادت ضرور نصیب ہو جائے گی۔ آخر قرعہ اندازی ہوئی قرعہ میں بھی ان کا نام نکل آیا۔ خوشی خوشی گئے۔ شہادت پا کر خوشی خوشی جنت کو سدھارے یہ عقبی بھی ہیں اور بدری بھی، ابو خیثمہ یا ابو عبداللہ کنیت کرتے ہیں۔ ان کے والد سال آئندہ جنگ احد میں فائز بہ شہادت ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۵۱۔ سعد بن ربیع الانصاری الخزرجیؓ

سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث۔

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوازدہ نقیبوں میں سے ہیں ایام جاہلیت میں بھی کاتب تھے۔ عقبہ کی بیعت اولیٰ و ثانیہ میں حاضر، بدر میں شامل تھے۔ احد میں شہید ہوئے۔ غزوہ احد کا ذکر ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کی خبر کون لائے گا میں نے دیکھا تھا کہ نیزہ برداروں کا ایک گروہ اُسے گھیرے ہوئے ہے۔ ابی بن کعب خبر لانے کو اٹھے۔ دیکھا کہ شہیدوں کے ڈھیر میں پڑے ہیں۔ ابھی سانس چلتی ہے اور آنکھ جھپکتی ہے مجھے دیکھ کر کہا۔ کیا دیکھتے ہو۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہاری خبر کو بھیجا ہے۔ سعد نے کہا حضور سے میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ مجھے نیزہ کے بارہ زخم آئے ہیں مگر میں نے بھی اپنے حملہ آور کو جانے نہیں دیا۔

قوم کو بھی میرا اسلام کہہ دینا اور کہنا اللہ، اللہ۔ وہ عہد نہ بھول جائیں جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شب عقبہ میں کیا تھا۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ اگر تم میں سے ایک شخص کی زندگی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا سی آنچ لگی تو تم اللہ کے سامنے کچھ جواب نہ دے سکو گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا اللہ تعالیٰ سعد پر رحم فرمائے زندگی اور موت اللہ اور رسول کی خیر خواہی میں پوری کر گیا۔

یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کی اولاد کو سب سے پہلے ترکہ عصبہ شرعی ملا۔ ان کی دو دختروں کو ۲/۳ حصہ ملا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۲۔ سعد بن زید زرقی الانصاریؓ

سعد بن زید بن فاکہ بن زید بن خلدہ بن عامر بن زریق۔ بدر میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۵۳۔ سعد بن سہل الانصاریؓ

سعد بن سہل بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار بن النجار، بدر میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۵۴۔ سعد بن عبید الانصاری الاوسیؓ

سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن زید بن اُمیہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف

ابو زید ان کی کنیت ہے بدر میں حاضر ہوئے اور ۱۵ھ کو بعمر ۶۴ سال جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

یہ "سعد القاری" کے نام سے معروف ہیں اور ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا۔ ان کے فرزند عمیر بن سعد کو فاروق اعظم نے شام کا والی بھی بنا دیا تھا۔ رضی اللہ عنہما

۵۵. سعد مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

غزوہ بدر میں اپنے مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے تھے رضی اللہ عنہ

۵۶. سعد بن عثمان بن خلدہ الانصاری الزرقی رضی اللہ عنہ

سعد بن عثمان بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق الانصاری

ابو عبادہ کنیت ہے بدر میں حاضر ہوئے۔ یہ اُن تین اشخاص میں سے ہیں جو جنگ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے دوسرا ان کا بھائی عقبہ بن عثمان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کو قرآن میں نازل فرمایا رضی اللہ عنہ

۵۷. سعد بن معاذ الانصاری سید الاوس رضی اللہ عنہ

سعد بن معاذ بن نعمان بن امرء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن نبیت (عمرو) ابن مالک بن اوس

عقبہ اوّل و ثانیہ کے درمیان (سلسلہ نبوت) کو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ بدر، احد، خندق میں حاضر ہوئے۔ جنگ خندق میں ان کے ایک تیر گھٹنے کی آنکھ پر لگا تھا۔ رگ کٹ گئی۔ جب خون بند کرتے تو ورم ہو جاتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خیمہ مسجد نبوی میں لگوایا تھا خود تیمارداری فرمایا کرتے تھے۔ جنگ خندق کے بعد قریظہ کا غزوہ شروع ہو گیا۔ انہوں نے دعا مانگی کہ الہٰی جب تک میں بنی قریظہ کا فیصلہ نہ دیکھ لوں۔ اس وقت تک مجھے موت نہ آئے۔ خون بند ہو گیا حتیٰ کہ ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔

اسی اثناء میں بنو قریظہ نے ان کو اپنا حکم تسلیم کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو حکم مان لیا۔

قبل از اسلام اوس اور بنو قریظہ کا اتحاد تھا اور یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ اس خاندانی اتحاد کی بنیاد پر سعد بن معاذ ہماری ہی اعانت کریں گے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ یہ کیا کہ جنگ آوروں کو قتل کر دیا جائے اور اُن کی زن و بچہ کو اسیر کر کے اُن کی قیمت سے مسلمانوں کی حالت درست بنائی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سنکر فرمایا اَصَبْتَ حُکْمَ اللّٰہِ فِیْہِمْ تم نے اُس حکم کے مطابق کہا جو اللہ تعالیٰ کا اُن کے حق میں تھا۔

اس فیصلہ کے بعد پھر زخم سے خون جاری ہو گیا اور اسی عارضہ میں جنگ خندق سے ایک ماہ بعد فائز بہ شہادت ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کے لیے عرش الرحمٰن بھی جھوم گیا۔

فرمایا کہ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے ایسے شامل ہوئے جو کبھی زمین پر نہ اترے تھے۔

حضرت سعد بڑے کڑیل لانبے جوان تھے مگر جنازہ میں ذرا بوجھ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

ایک بار حضرت سعد نے فرمایا کہ میں تو معمولی شخص ہوں لیکن تین باتیں مجھے ضرور حاصل ہیں۔

۱۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرماتے تو مجھے یقین ہو جاتا کہ ٹھیک منجانب اللہ فرما رہے ہیں۔
۲۔ نماز میں اوّل سے آخر تک مجھے کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔

۳. جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتا ہوں تو موت اور مرنے والے کے سوا اور کوئی خیال میرے دل میں واپسی تک پیدا نہیں ہوتا۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ خصلتیں انبیاء کی سی ہیں۔

ان کی والدہ کبشہ بنت رافع بھی صحابیہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۵۸۔ سعید بن سہیل الانصاری الاشہلی رضی اللہ عنہ

سعید بن سہیل بن مالک بن کعب بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار

ابن اسحٰق اور ابو محشر نے ان کو بدر و احد میں حاضر ہونے والا بتلایا ہے ابو محشر ان کی کنیت ہے رضؓ۔

۵۹۔ سُفیان بن بشیرؓ

انصاری ہیں بدر میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۶۰۔ سلمہ بن اسلم الانصاری الحارثیؓ

سلمہ بن اسلم بن حریش بن عدی بن فجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عدی بن مالک بن اوس

بدر و احد اور دیگر جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

۱۴ھ کو جسر ابوعبیدہ والی جنگ میں شہید ہوئے۔ عمر بوقت شہادت بعض نے ۳۸ بعض نے ۶۲ سال درج کی ہے۔ جنگ بدر میں سائب بن عبید اور نعمان بن عمرو کو انہی نے اسیر کیا تھا رضی اللہ عنہ

۶۱۔ سلمہ بن ثابت بن وقش الانصاری الاشہلی

سلمہ بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل الانصاری الاشہلی

بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہادت پائی۔ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد ثابت اور چچا رفاعہ بھی غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کے بھائی عمرو بن ثابت بھی شہید احد ہیں۔ رضی اللہ عنہم

۶۲۔ سلمہ بن حاطب انصاری

سلمہ بن حاطب بن عمرو بن عتیک بن اُمیہ بن زید

بدر و احد میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۶۳۔ سلمہ بن سلامت بن وقش

بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل الانصاری الاشہلی۔

ان کی والدہ سلمیٰ بنت سلمہ بھی انصاریہ حارثیہ ہیں ابو عوف کنیت ہے۔ عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں حاضر تھے۔ بدر اور مشاہد مابعد میں ہمرکاب مصطفوی رہے فاروق اعظم نے ان کو حاکم یمامہ بھی مقرر کر دیا تھا ستر سال کی عمر میں ۴۵ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا رضی اللہ عنہ

۶۴۔ سلیط بن قیس الانصاریؓ

سلیط بن قیس بن عمرو بن عبید بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار

بدر میں حاضر ہوئے اور مابعد کے جملہ مشاہد میں بھی حاضر تھے جسرابی بیمد کے دن شہید ہوئے۔

ان کے فرزند عبداللہ بن سلیط نے ان سے روایت کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۶۵۔ سلیم بن حارث الانصاری رضی اللہ عنہ

سلیم بن حارث بن ثعلبہ بن کعب بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار بن النجار

بدر میں حاضر ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضحاک اور نعمان فرزندان عمرو بن مسعود بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار ان (سلیم بن حارث) کے ماں جائی بھائی ہیں اور وہ بھی بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہم

۶۶۔ سلیم بن قیس بن فہد الانصاری رضی اللہ عنہ

سلیم بن قیس بن فہد (خالد) بن قیس بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار

بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے خلافت عثمان ذوالنورین میں وفات پائی ان کی ہمشیرہ خولہ بنت قیس امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔

ان کے والد بھی صحابہ میں معدود ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۶۷۔ سلیم بن عمرو الانصاری السلمی رضی اللہ عنہ

سلیم بن عمرو بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ

عقبہ اور بدر میں حاضر تھے یوم احد کو شہید ہوئے۔ ان کا آزاد کردہ غلام عنترہ بھی اسی روز شہید ہوا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۶۸۔ سلیم بن ملحان الانصاری رضی اللہ عنہ

سلیم بن ملحان (مالک) بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن عبد بن غنم بن عدی بن النجار

بدر اور اُحد میں یہ بھی اور ان کے بھائی حرام بن ملحان بھی حاضر تھے اور دونوں بھائی بیر معونہ کے واقعہ میں شہید بھی ہوئے انکی نسل نہیں چلی۔

ام سلیم بنت ملحان ان کی ہمشیرہ ہیں رضی اللہ عنہم

۶۹۔ سماک بن خرشتہ الانصاری رضی اللہ عنہ

سماک بن خرشہ بن لوذان بن عبدود بن ثعلبہ بن خرج بن ساعدہ بن کعب خزرج الاکبر

آپ کی کنیت ابودجانہ ہے اور اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔

ان کا شمار چیدہ اور برگزیدہ بہادروں میں ہوتا ہے مغازی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے، بدر میں حاضر تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۷۰۔ سماک بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ

سماک بن سعد بن ثعلبہ بن خلاص بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج

بدر و اُحد میں حاضر تھے ان کے بھائی بشیر بن سعد بھی حاضر بدر تھے۔ رضی اللہ عنہما

۷۱۔ سنان بن ابی سنان رضؓ

سنان بن ابی سنان (وھب) ابن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

بدری ہیں۔ یہ اور ان کے بھائی اور اُن کے والد اور ان کے چچا عکاشہ بن محصن حاضر تھے۔

یہ جملہ بزرگوار جملہ مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر رہے۔

بیعت رضوان سب سے پہلے سنان نے کی یا بقول واعظ ان کے والد ابوسنان سے ابتداء ہوئی۔ رضی اللہ عنہم

۷۲۔ سنان بن صیفی رضؓ

بن فخر بن خناس الانصاری

یہ بنو مسلمہ میں سے ہیں عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۳ سہل بن حنیف الانصاری الاوسی رضؓ

سہل بن حنیف بن وہب بن عکیم بن ثعلبہ بن مجدعہ بن حارث بن عمر بن خناس

ابو سعید کنیت ہے بعض نے کنیت میں اختلاف بھی کیا ہے بدر اور جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب رہے یہ اُن بزرگوں میں سے ہیں جو احد کے دن پہاڑ کی طرح جم کر رہے۔

حضرت سہل دشمن پر برابر تیر برساتے رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ سہل کو تیر دیئے جاؤ۔ یہ سہل ہے۔

خلافت مرتضوی میں یہ حضرت علی کے رفقا میں سے تھے بصرہ کو جاتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ انہی کو والی مدینہ بنا گئے تھے اور انہی کو حاکم فارس بھی کیا تھا۔ مگر اہل فارس نے ان کو نکال دیا۔ تب زیاد کو جناب امیر نے حاکم فارس بنایا۔

سہل بن حنیف کا کوفہ میں ۳۸ھ کو انتقال ہوا۔ ان کے فرزند اور ایک جماعت نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔

ان کے جنازہ کی نماز علی مرتضیٰ نے پڑھائی اور ۶ تکبیرات سے پڑھائی۔ یہ امتیاز اہل بدر کی نماز جنازہ میں قائم رکھا جاتا تھا۔

ان سے چالیس حدیثیں مروی ہیں از انجملہ متفق علیہ ۴ صرف صحیح مسلم میں ۲۔ رضی اللہ عنہ

۷۴۔ سہل بن عتیک الانصاری رضؓ

سہل بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن عامر (مبذول) بن مالک بن نجار

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔

ان کی نسل آئندہ نہیں چلی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۵۔ سہل بن قیس الانصاری السلمی رضؓ

سہل بن قیس بن ابی کعب بن قیس بن کعب بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری

بدر میں حاضر ہوئے اور غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۷۶۔ سہیل بن عمرو بن ابی عمرو الانصاریؓ

بدر میں شامل ہوئے۔ واقعہ صفین ۳۷ھ کو شہید ہوئے لشکر مرتضوی میں تھے رضی اللہ عنہ

۷۷۔ سہیل بن رافع الانصاریؓ

سہیل بن رافع بن ابی عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار

بدر، اُحد، خندق اور جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی رہے۔

جس زمین پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی ہے اسی جگہ ان کے کھلیان کی زمین تھی جس پر کھجوروں کو خشک کیا کرتے تھے آپ سے ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر شامل مسجد نبوی کر دیا تھا۔

خلافت فاروقی میں وفات پائی رضی اللہ عنہ

۷۸۔ سواد بن غزیہ الانصاریؓ

یہ بنو عدی بن النجار میں سے ہیں۔ بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر تھے۔

انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر خیبر بنایا تھا یہی وہ بزرگ ہیں جن کی کمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑی کی نوک چبھو دی تھی اور انہوں نے بدلہ لینے کو کہا تھا اور حضورؐ نے اُسے بدلہ لینے کی اجازت فرما دی تھی۔

اس طرح یہ بزرگوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل بے عدیل کے شاہد صادق ٹھہرے تھے رضی اللہ عنہ

۷۹۔ سواد بن یزید الانصاری السلمیؓ

سواد بن یزید (یا بن رزق، یا بن رزین، یا بن رزیق) بن ثعلبہ بن جبید بن معدی بن غنم بن کعب بن سلمہ

بدر اور احد میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۰۔ ضحاک بن حارثہ الانصاری السلمیؓ

ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ

بیعت عقبہ سے مشرف ہوئے اور غزوہ بدر میں شامل۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۱۔ ضحاک بن عبد عمرو الانصاریؓ

ضحاک بن عبد عمرو بن مسعود بن کعب بن عبد الاشہل بن حارثہ بن دینار بن النجار

بدر و احد میں حاضر تھے بدر میں اپنے بھائی نعمان بن عبد عمرو کی معیت میں تھے۔ رضی اللہ عنہ

۸۲۔ حمزہ بن عمرو الانصاریؓ

یہ بنی طریف کے (جو خزرجی ہیں) حلیف تھے بدر میں شامل ہوئے اور احد میں شہادت پا کر جنت میں داخل ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۸۳۔ طفیل بن مالک الانصاری السلمیؓ

طفیل بن مالک بن نعمان بن خنساء بنو سلمہ میں سے ہیں عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ احد میں مردانہ وار لڑے تھے اور ۱۳ زخم ان کے جسم پر آئے تھے

غزوہ خندق میں بھی شامل ہوئے اور اُسی روز راہی عالم بقا ہوئے رضی اللہ عنہ

۸۴۔ عاصم بن بکیر الانصاریؓ

بنو عوف بن خزرج کے حلیف تھے موسیٰ بن عقبہ نے ان کا نام اہلِ بدر میں تحریر کیا ہے رضی اللہ عنہ

۸۵۔ عاصم بن ثابت الانصاری الاوسیؓ

عاصم بن ثابت بن ابوالا فلح قیس بن عصمت بن نعمان بن مالک بن اُمیہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ابو سلمان کنیت ہے۔

غزوہ بدر میں حاضر تھے۔ یہی واقعہ رجیع کے سردار تھے، عاصم بن عمر فاروقؓ کے نانا بھی یہی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر وفد کو قوم ہذیل کی تعلیم وہدایت کے لئے بھیجا تھا۔ خود قوم کے سردار ان کو مدینہ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے جب یہ لوگ مکہ اور عسفان کے درمیان پہنچ گئے تو بنو لحیان کے ایک سو اشخاص نے ان کے دس شخصوں کو گھیر لیا۔ یہ سب ایک پہاڑی کے ٹیلہ پر پہنچ گئے۔ دشمنوں نے کہا کہ تم سب نیچے اتر آؤ عہد و میثاق یہ ہے کہ تم کو قتل نہ کیا جائے گا۔

عاصم بولا کہ میں تو کافر کی پناہ لینا پسند نہیں کرتا۔ الٰہی ہماری خبر اپنے رسول کو پہنچا دے۔ سات صحابہ کو جس میں عاصم بن ثابتؓ تھے دشمنوں نے تیروں سے شہید کر دیا۔ زید بن دثنہ، خبیب بن عدی ایک اور صاحب رہ گئے جن کو پکڑ لیا ان کا حال حضرت خبیب کے تذکرہ میں ہے۔

عاصمؓ نے بدر میں کفار کا ایک سردار قتل کیا تھا دشمن نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ لے جب لاش کے قریب گئے تو شہد کی مکھیوں نے لاش کے پاس اُن کو نہ جانے دیا واپس آگئے کہا رات کو آئیں گے جب مکھیاں آرام کریں گی رات کو بارش آئی پانی کی رَو میں لاش بہہ گئی کفار کو نہ ملی رضی اللہ عنہ

حسان بن ثابت کے اشعار ہیں۔

لَعَمْرِیْ لَقَدْ شَابَتْ هُذَیْلُ بْنُ مُدْرِكٍ	اَحَادِیْثَ كَانَتْ فِیْ خُبَیْبٍ وَّ عَاصِمٍ
اَحَادِیْثَ لَحْیَانَ صَلُّوْا بِقَبِیْحِهَا	وَلَحْیَانَ رَكَّابُوْنَ شَرَّ الْجَرَائِمِ

۸۶۔ عاصم بن قیس بن ثابتؓ

بن نعمان بن اُمیہ بن امرء القیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف الانصاری

بدر میں حاضر تھے اور احد میں بھی شریک تھے رضی اللہ عنہ

۸۷۔ عامر بن اُمیہؓ

بن زید بن حسحاس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار

یہ ہشام بن عامر کے والد ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ان کے فرزند ہشام ایک روز حاضر ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا تھا کہ عامر خوب انسان تھا رضی اللہ عنہ

۸۸۔ عامر بن ثابت انصاریؓ

یہ عاصم بن ثابت کے بھائی ہیں۔ واقعہ بدر کے بعد انہی نے عقبہ بن ابی معیط ملعون کی گردن تلوار سے اڑا دی تھی۔ رضی اللہ عنہ

۸۹ **عامر بن سلمہ بن عامر البلوی رضؓ**

انصار کے حلیف ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کو اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ بعض نے ان کو عمرو بن سلمہ بھی لکھا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۰ **عامر بن عبد عمرو الانصاری رضؓ**

ان کے نام میں اختلاف ہے اور کنیت کے تلفظ میں بھی اختلاف ہے ان کا نام کسی نے ثابت اور کسی نے مالک بتایا ہے مگر صحیح عامر ہے۔ کنیت ابو حبہ (بالباء) ہے بعض نے بالنون بتائی ہے۔ ان کی والدہ ہند بنت اوس بن عدی ہیں اور یہ سعد بن خیثمہ کے ماں جائے بھائی ہیں۔ سب کا اتفاق ہے کہ یہ بدر میں شامل تھے۔ ابن اسحٰق نے ان کو شہید احد لکھا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۱۔ **عامر بن مخلد بن الحارث الانصاری رضؓ**

عامر بن مخلد بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

بدر میں شجاعت دکھلائی اور احد میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۲۔ **عائذ بن ماعض الانصاری رضؓ**

عائذ بن ماعض بن قیس بن خلدہ بن عامر بن زریق

یہ اور ان کے بھائی معاذ بن ماعض بدر میں حاضر تھے۔ مواخات میں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سویبط بن حرملہ کا بھائی بنایا تھا۔ بیر معونہ یا بقول بعض یوم یمامہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۹۳۔ **عبد اللہ بن ثعلبہ البلوی الانصاری**

بن حزمہ بن اصرم۔ یہ بنو عوف بن خزرج کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے ان کے بھائی بحاث بن ثعلبہ بھی بدری ہیں رضی اللہ عنہما

۹۴۔ **عبد اللہ بن جبیر بن النعمان الانصاری رضؓ**

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ غزوہ احد میں تیر اندازوں کے سردار یہی تھے۔ مقابلہ کرتے ہوئے اپنے مقام متعینہ پر شہید ہوئے۔ خوات بن جبیر ان کے حقیقی بھائی ہیں۔ رضی اللہ عنہما

۹۵۔ **عبد اللہ بن الجد رضی اللہ عنہ**

یہ بنو سلمہ میں سے ہیں بدر و احد میں حاضر تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۶۔ **عبد اللہ بن الحمیر الاشجعی رضؓ**

یہ بنو خنساء بن سنان کے حلیف ہیں اور اس لئے انصاری شمار ہوتے ہیں۔ بدر میں حاضر تھے ان کے بھائی خارجہ بھی بدری ہیں۔ یہ احد میں بھی حاضر ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

۹۷۔ **عبد اللہ بن ربیع بن قیس الانصاری الخزرجی رضؓ**

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۸۔ **عبد اللہ بن رواحہ الانصاری الخزرجی رضؓ**

عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امرء القیس بن عمرو بن امرء القیس الاکبر

بارہ نقبائے محمدی میں سے ہیں۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، عمرۃ القضاء میں حاضر تھے فتح مکہ سے پیشتر فردوس نشین ہو چکے تھے۔ اُن کا شمار شعراءِ نبویہ میں ہے۔ حسان بن ثابت اور کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ اُن شعرائے برگزیدہ میں سے ہیں جن کو آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نے شعراء عام سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ان کو فی البدیہہ کہنے میں مہارت خاص تھی ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی وقت کوئی شعر بنا کر سناؤ۔ ابن رواحہؓ نے کھڑے ہو کر فوراً عرض کر دیا۔

إِنِّي تَفَرَّسْتُ فِيكَ الْخَيْرَ أَعْرِفُهُ — وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنْ مَا خَانَنِي الْبَصَرُ
أَنْتَ النَّبِيُّ وَمَنْ يُحْرَمْ شَفَاعَتَهُ — يَوْمَ الْحِسَابِ لَقَدْ أَزْرَى بِهِ الْقَدَرُ
فَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حَسَنٍ — تَثْبِيتَ مُوسَى وَنَصْرًا كَالَّذِي نُصِرُوا

جنگ موتہ کو جب فوج روانہ ہونے لگی تو اس وقت سالار فوج زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سرور کائنات نے فرمایا۔ اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر طیار کمان گری کرے گا۔ وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ سردار بنے گا۔

روانگی کے وقت الوداع کہنے والوں نے ابن رواحہ سے کہا کہ اللہ تم کو بخیر و عافیت واپس لائے۔ انہوں نے ان کے جواب میں یہ اشعار انشاد کئے

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً — وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا
أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً — بِحَرْبَةٍ تَنْفُذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا
حَتّٰى يَقُولُوا إِذَا مَرُّوا عَلٰى جَدَثِي — يَا أَرْشَدَ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

جب میدانِ جنگ میں زید اور جعفر رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے اور ابن رواحہ سردار فوج بن گئے اور شہادت کے لئے نفس کو تیار کرنے لگے تو یہ اشعار فرمائے

يَا نَفْسُ إِنْ لَمْ تُقْتَلِي تَمُوتِي — هٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ
وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيتِ — إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

اس کے بعد حملہ کر دیا۔ حملہ سے واپس آئے تو ان کے چچیرے بھائی نے یخنی لا کر پیش کی کہا یہ تھوڑی سی پی لو۔ ذرا تکان اترے گی اور طاقت آئے گی۔ دو گھونٹ پیے تھے کہ فوج میں سے شور کی آواز آئی۔ یخنی کا برتن ہاتھ سے پھینک دیا اور بولے افسوس۔ میں ابھی تک دنیا ہی میں ہوں پھر یہ شعر پڑھے۔

أَقْسَمْتُ بِاللّٰهِ لَتَنْزِلَنَّهْ — طَائِعَةً أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ
مَالِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّهْ — وَقَبْلَ ذَا مَا كُنْتِ مُطْمَئِنَّهْ

پھر حملہ کیا اور جنت کو سدھار گئے۔ ان کی شہادت جمادی الاوّل ۸ھ کو بمقام موتہ ہوئی۔ رضی اللہ عنہ

۹۹ . عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبداللہ الانصاری الحارثی رضؓ

یہ بنو الحارث بن الخزرج میں سے ہیں۔ عقبی بھی ہیں اور بدری بھی جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی ہے ۔

ان کو صاحب الاذان بھی کہتے ہیں کیونکہ انہی کو خواب میں اذان سکھائی گئی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بلال رضی اللہ عنہ نے یاد کرلی تھی یہ واقعہ بناء مسجد نبوی کے بعد سلہ کا ہے ۔

فتح مکہ کے دن بنو الحارث بن خزرج کا رایت انہی کے ہاتھ میں تھا۔ ۳۲ھ کو بعمر ۶۴ سال مدینہ میں وفات پائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہوں نے تین احادیث کی روایت کی ہے از انجملہ ایک متفق علیہ ہے ۔

۱۰۰ . عبداللہ بن سعد بن خثیمہ الانصاری الاوسی رضؓ

ان کے والد سعد اور دادا خثیمہ بھی صحابی ہیں ان کے والد غزوہ بدر میں اور دادا غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ عبداللہ کے متعلق بدر میں شامل ہونے کی بابت اختلاف ہے۔

ابن المبارک نے جو روایت مغیرہ بن حکیم سے کی ہے اُس میں یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد نے بتلایا کہ وہ احد میں شامل ہوئے اور عقبہ میں بھی اپنے والد کے ساتھ تھے۔

ناکہانی نے مغیرہ بن حکیم سے روایت کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ بدر اور عقبہ میں حاضر ہوئے ۔

محدثین کے نزدیک ابن المبارک احفظ و اضبط ہیں۔ رضی اللہ عنہ

یہ تین احادیث کے راوی ہیں ۔

۱۰۱ عبداللہ بن سلمۃ العجلانی البلوی الانصاری رضؓ

ان کے والد کا نام سلمہ بفتح سین و کسر لام ہے بلّی کے بنو عجلان سب کے سب بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے اس لیے یہ بلوی و انصاری ہیں۔ بدر میں شریک ہوئے احد میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۱۰۲ . عبداللہ بن سہل الانصاری رضؓ

ابن اسحاق و ابن عقبہ نے ان کو بدری بتلایا ہے اور بنو عبد الاشہل کا حلیف تحریر کیا ہے ۔

ابن ہشام نے ان کو بنو زعوراء کا بھائی بتلایا ہے اور بعض نے ان کو غسانی الاصل بھی تحریر کیا ہے ۔

غزوہ خندق میں شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۰۳ . عبداللہ بن سہل الانصاری رضؓ

بیان کیا گیا ہے کہ یہ بدر میں شامل تھے۔ یہ صاحبِ علم و فہم تھے۔ عبداللہ مقتول خیبر بھی انہی کا بھائی تھا ۔

حویصہ و محیصہ ان کے چچا ہیں۔ جب ان کی موجودگی میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے میں ابتدا کی تھی تو انہی کو حضورؐ نے کَبِّر کَبِّر فرمایا تھا ۔

ایک سفر میں ان کو شراب مشکیزوں میں بھری ہوئی ملی۔ انہوں نے مشکیزوں کو اپنے نیزہ سے چھید دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہم کو شراب پینے سے بھی روکا ہے اور گھروں میں داخل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۰۴۔ عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک البلوی الانصاری رضؓ

قوم بلی میں سے ہیں اور انصار کے قبیلہ بنو ظفر کے حلیف ہیں۔ یہ اُس گروہ میں سے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن اور تفقہ دین کے لئے عضل اور قارہ کے ساتھ روانہ کیا تھا۔

رجیع پر (جو ہذیل کے ایک جوہڑ کا نام ہے) عضلیوں نے اظہار غدر کیا۔ مرثد، خالد، عاصم رضی اللہ عنہم نے تلواریں کھینچ لیں اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

عبداللہ اور زید بن دثنہ اور خبیب بن عدی کو انہوں نے گرفتار کر لیا۔ عبداللہ بن طارق نے کسی طرح رسی میں سے خود کو چھڑا لیا مگر کفار نے ان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشعار میں ان کا نام نظم کیا ہے۔ یہ واقعہ آخر ۳ھ کا ہے رضؓ

۱۰۵۔ عبداللہ بن عامر البلوی الانصاری رضؓ

قوم بلی سے ہیں اور انصار کے قبیلہ بنو ساعدہ کے حلیف بدر میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۰۶۔ عبداللہ بن عبد مناف الانصاری رضؓ

عبداللہ بن عبد مناف بن نعمان بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ
ابو یحییٰ ان کی کنیت تھی۔ بدر و احد میں جوہر شجاعت دکھلائے رضی اللہ عنہ

۱۰۷۔ عبداللہ بن عبس الانصاری رضؓ

یہ بنو عدی بن کعب بن الخزرج میں سے ہیں۔ بدر میں حاضر تھے اور جملہ دیگر مشاہد میں بھی نبرد آزما رہے ان کے والد کا نام بعض نے عبیس بھی لکھا ہے رضی اللہ عنہ

۱۰۸۔ عبداللہ بن عبیس الانصاری رضؓ

یہ بنو الحارث بن خزرج کے حلیف تھے اس لئے انصاری کہلائے ان کا نسب بیان نہیں کیا گیا غزوہ بدر میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۰۹۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول الانصاری الخزرجی رضؓ

یہ بنو عوف بن خزرج میں سے ہیں ان کا قبیلہ مدینہ بھر میں مشہور تھا۔ انہی کو ابن الحبلی بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کا سالم بن غنم اپنی بڑی توند کی وجہ سے حبلی مشہور تھا۔

سلول عبداللہ منافق کی دادی کا نام ہے اُبی اپنی ماں کی نسبت سے مشہور رہے۔

حضرت عبداللہ کے باپ کو اہل یثرب اپنا بادشاہ بنانے لگے تھے اُس کے لئے تاج تیار کرنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں کہ سرور عالم رونق افروز مدینہ ہو گئے۔ خزرجی مسلمان ہو گئے۔ ابن ابی کا اقتدار خاک میں مل گیا۔ رشک و حسد نے اُسے رأس المنافقین بنا دیا۔

لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ کے فقرہ کا گویا یہی مطلب ہے۔ حضرت عبداللہ نے سنا کہ اس گستاخی کی سزا میں اُس کے باپ کو

قتل کا حکم ہونے والا ہے۔ یہ نہایت مخلص تھے۔ حضور میں گئے اور عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو اپنے نالائق باپ کا سر کاٹ کر حاضر کر دوں۔ فرمایا، نہیں تم اپنے باپ سے حسن سلوک رکھو۔

الغرض ابن ابی رأس المنافقین کے گھر میں حضرت عبداللہ صدق و اخلاص کا نمونہ تھے ایمان اور محبت رسول اللہؐ کے مدارج میں ترقی یافتہ تھے۔ ان کا شمار خیار صحابہ اور فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ بدر، احد اور دیگر جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی رہے۔

سنہ ۱۲ھ کو جنگ یمامہ میں شربت شہادت سے شیریں کام ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۱۱۰۔ عبداللہ بن عرفطہ الانصاریؓ

بن عدی بن امیہ بن خدارہ بن عوف بن نجار بن خزرج

یہ مہاجر بھی ہیں۔ سیدنا جعفر طیار کے ساتھ ہجرت حبشہ کی تھی اور بنو الحارث بن خزرج کے حلیف بھی ہیں اس لئے انصاری ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۱۱۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاریؓ

عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ

ان کی کنیت ابو جابر ہے۔ جابر صحابی ہیں جن سے روایات حدیث بکثرت ہیں، انہی کے نامور فرزند ہیں

حضرت عبداللہ عقبی بھی ہیں، بدری بھی اور نقیب قوم کا بھی۔ یوم احد کو شہید ہوئے تھے ان کے ناک کان کاٹے گئے تھے۔

جابر کہتے ہیں کہ میری پھوپھی وہاں پہنچ گئیں۔ وہ بھائی کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر رونے لگیں۔ میں بھی رونے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روؤ یا نہ روؤ فرشتوں نے اپنے پروں سے اس کی لاش پر سایہ کر رکھا ہے۔

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے فرمایا تجھے بتا دوں کہ تیرے باپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا انعام کیا، میں نے عرض کی ہاں۔

فرمایا اُسے سامنے بلایا اور گفتگو فرماتی اوروں سے پس پردہ وہ ہی گفتگو ہوتی تھی اور حکم ہوا اے میرے بندے! جو تمنا ہو بیان کر۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ میں بار دیگر شہادت حاصل کر سکوں۔ حکم ہوا یہ تو قطعی ہے کہ مر کر کوئی شخص دنیا میں واپس نہیں جائیگا۔

عرض کیا کہ ہمارا حال پسماندگان تک پہنچا دیا جائے اس پر آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ کا نزول ہوا۔

عمرو بن الجموح ان کے بہنوئی تھے۔ وہ بھی شہید احد ہیں۔ دونوں ایک ہی قبر میں آرام فرما ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۱۲۔ عبداللہ بن عمیر بن عدی الانصاری الخزرجیؓ

عبداللہ بن عمیر بن عدی بن امیہ بن حدارہ بن عوف بن حارث بن الخزرج

سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ بدر میں شامل تھے مگر ابن عمارہ نے ان کا ذکر احباب انصار میں نہیں کیا۔

۱۱۳۔ عبداللہ بن قیس الانصاریؓ

عبداللہ بن قیس بن خالد بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

بدر میں حاضر تھے ابن سعد کا قول ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے مگر دیگر مورخ کہتے ہیں کہ جملہ مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

حاضر ہوئے اور حضرت عثمان کے عہد میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

۱۱۴۔ عبداللہ بن قیس الانصاری رضؓ

عبداللہ بن قیس بن صخر بن حرام بن ربیعہ بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ

ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ عبداللہ اور ان کے بھائی معبد بن قیس ہر دو غزوہ بدر میں حاضر تھے مگر ابن عقبہ نے ان کا ذکر اہل بدر میں نہیں کیا۔

آگے چل کر سب متفق ہیں کہ یہ احد میں حاضر تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۵۔ عبداللہ بن کعب الانصاری المازنی رضؓ

عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار

بدر میں حاضر ہوئے اور غنائم بدر کے تحویلدار بھی یہی تھے۔ دیگر جملہ مشاہد نبوی میں بھی برابر حاضر ہوتے رہے اور خمس نبوی کے تحویلدار یہی تھے۔

ابو یعلیٰ مازنی ان کے بھائی ہیں سنہ ۳۳ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔ عثمان غنی امیر المومنین نے نماز جنازہ پڑھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۱۱۶۔ عبداللہ بن نعمان بن بلذمہ الانصاری رضؓ

ابو قتادہ انصاری کے چچیرے بھائی ہیں بدر اور احد میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۱۱۷۔ عبدالرحمٰن بن جبر الانصاری رضؓ

عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ابو عبس کنیت تھی اور یہی کنیت نام پر غالب آگئی تھی۔ غزوہ بدر میں ان کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ کعب بن اشرف یہودی کے قتل میں بھی یہ شامل تھے سنہ ۳۴ھ کو بعمر ستر سال انتقال کیا۔

یہ ان اشخاص میں سے ہیں جو قبل از اسلام نوشت و خواند سے واقف تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۱۸۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ البلوی الانصاری رضؓ

یہ فرار بن بلی کی نسل اور بنو قضاعہ میں سے ہیں بنو جحجبا کے حلیف تھے ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن عدو الاوثان تجویز فرمایا بدر میں حاضر تھے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۱۱۹۔ عبدالرحمٰن بن کعب المازنی الانصاری رضؓ

ابو یعلیٰ لقب کرتے تھے بدر میں حاضر ہوئے اور سنہ ۲۳ھ کو انتقال فرمایا۔

یہ بھی ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو غزوہ تبوک میں سواری نہ ملی تھی اور وہ جہاد میں شامل نہ ہونے کی حسرت میں گریہ وزاری کرتے تھے ان کا مذکور اس آیت میں ہے۔

تَوَلَّوا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ

۱۲۰ ۔ **عبد ربہ بن حق الانصاری الساعدیؓ**

بن اوس بن ثعلبہ بن طریف بن الخزرج بن ساعدہ ۔ مورخین نے نام میں تھوڑا سا اختلاف کیا ہے ۔ کسی نے عبد رب کسی نے عبداللہ لکھا ہے ۔ بدر میں حاضر تھے ۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۱ ۔ **عباد بن بشر بن وقش الانصاری الاشہلیؓ**

عباد بن بشر بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبد الاشہل الانصاری الاشہلی ۔

یہ قدیم الاسلام ہیں ۔ مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے بدر، اُحد اور دیگر جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ۔ فضلاء صحابہ میں سے ہیں ۔ انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ شب تاریک میں ان کا عصا روشن ہو جایا کرتا تھا ۔

یہ اُن چھ بزرگوں میں سے ہیں جو کعب بن اشرف یہودی کے قتل میں شامل تھے ۔ یہ یہودی ہمیشہ غیر اقوام کو حضورؐ کے خلاف اور اسلام کے خلاف آمادہ جنگ و اذیت کرتا رہتا تھا اس واقعہ کے متعلق ان کے اپنے اشعار بھی ہیں ۔

صَرَخْتُ لَهُ فَلَمْ يَعْرِضْ لِصَوْتِي   وَوَافَى طَالِعاً مِنْ رَأْسِ جُدْرِ
فَعُدْتُ لَهُ فَقَالَ مَنِ الْمُنَادِي   فَقُلْتُ أَخُوكَ عَبَّادُ بْنُ بِشْرِ
وَهٰذِي دِرْعُنَا رَهْناً فَخُذْهَا   لِشَهْرٍ إِنْ وَفَى أَوْ نِصْفِ شَهْرِ
فَقَالَ مَعَاشِرٌ سَغِبُوا وَجَاعُوا   وَمَا عَدِمُوا الْغِنَى مِنْ غَيْرِ فَقْرِ
فَأَقْبَلَ نَحْوَنَا يَهْوِي سَرِيعاً   وَقَالَ لَنَا لَقَدْ جِئْتُمْ بِأَمْرِ
وَفِي أَيْمَانِنَا بِيضٌ حِدَادٌ   مُجَرَّبَةٌ بِهَا الْكُفَّارَ نَفْرِي
فَعَانَقَهُ ابْنُ مَسْلَمَةَ الْمُرَدِّي   بِهَا الْكُفَّارَ كَاللَّيْثِ الْهِزَبْرِ
وَشَدَّ بِسَيْفِهِ صَلْتاً عَلَيْهِ   فَقَطَّرَهُ أَبُو عَبْسِ بْنُ جَبْرِ
فَكَانَ اللّٰهُ سَادِسَنَا فَأُبْنَا   بِأَنْعَمِ نِعْمَةٍ وَأَعَزِّ نَصْرِ

وَجَاءَ بِرَأْسِهِ نَفَرٌ كِرَامٌ
هُمُو نَاهِيكَ مِنْ صِدْقٍ وَبِرِّ

یوم الیمامہ کو مردانہ لڑتے مارتے ہوئے بعمر ۴۵ سال شہید ہوئے ۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۲ ۔ **عباد بن الخشخاش بن عمرو الانصاریؓ**

واقدی نے خشخاش کو بسین ہائے مہلہ بیان کیا ہے قوم بلی (قضاعہ) سے تھے ۔ انصار کے حلیف تھے بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے ۔

مجذر بن زیاد ان کے چچیرے اور ماں جائے بھائی تھے ۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ نعمان بن مالک اور مجذر بن زیاد اور عبادہ بن خشخاش ہر سہ ایک قبر میں سلائے گئے تھے ۔ رضی اللہ عنہم

۱۲۳۔ **عبادبن عبید بن التیہانؓ**

طبری نے ان کو حاضرین بدر میں تحریر کیا ہے۔

۱۲۴۔ **عبادبن قیسؓ**

بن عامر بن خلدہ بن عامر بن رزیق الانصاری الزرقی، عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ غزوہ احد میں بھی حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۵۔ **عبادبن قیس الانصاریؓ**

عباد بن قیس بن علبہ بن اُمیہ بن مالک بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج
یہ اور ان کے بھائی سبیع بن قیس بدر میں حاضر تھے انہوں نے یوم موتہ شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۶۔ **عبادہ بن الصامت الانصاری السالمیؓ**

عقبہ اولی، ثانیہ اور ثالثہ میں حاضر تھے بارہ نقبائے محمدی میں سے آپ ایک ہیں۔ مواخات میں یہ ابومرثد الغنوی کے بھائی تھے۔ بدر اور جملہ مشاہد نبوی میں حاضر رہے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ نے ان کو شام کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا حمص میں قیام رکھا کرتے تھے۔ پھر فلسطین گئے وہیں انتقال کیا۔ بعض نے مقام وفات رملہ و بیت المقدس بھی تحریر کیا ہے۔ ۳۴ھ کو بعمر ۷۲ سال انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۷۔ **عبادہ بن قیس الانصاریؓ**

عبادہ بن قیس بن زید بن اُمیہ (الخزرجی)
بدر، اُحد، خندق، حدیبیہ اور خیبر میں حاضر تھے جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۱۲۸۔ **عبید بن ابوعبید الانصاریؓ**

ان کا تعلق قبیلہ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس سے ہے۔ بدر، احد، خندق میں برابر حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۹۔ **عبید بن اوس الانصاری الظفریؓ**

عبید بن اوس بن مالک بن سواد بن کعب۔ ابوالنعمان کنیت تھی قبیلہ اوس میں سے تھے۔

جنگ بدر کے دن انہی نے عقیل بن ابی طالب اور عباس و نوفل کو اسیر کیا تھا اور ان تینوں کو مع ایک اور قیدی کے ایک ہی رسی میں باندھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا تھا۔ حضور نے فرمایا لَقَدْ اَعَانَکَ عَلَیْھِمْ مَلَکٌ کَرِیْمٌ (ان کی گرفتاری کرانے میں ایک بزرگ فرشتہ نے تیری معاونت کی ہے) اسی بات پر اُن کو مُقَرِّن کا خطاب بھی عطا ہوا۔

امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عباس کو کعب بن عمرو نے گرفتار کیا تھا۔ رضی اللہ عنہ

۱۳۰۔ **عبید بن تیہان الانصاریؓ**

یہ ابوالہیثم بن تیہان کے بھائی ہیں۔ بعض مورخین نے ان کو نفس انصار میں شمار کیا ہے اور بعض نے ان کو قبیلہ بلی کا بتلا کر حلیف انصار بتلایا ہے۔

یہ اُن ستر میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ میں بیعت نبوی کی تھی۔ غزوہ بدر میں بھی حاضر تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۳۱۔ عبید بن زید الانصاری الزرقی رضؓ

عبید بن زید بن عامر بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق۔ بدر اور احد ہر دو مقامات شرف میں حاضر تھے۔

۱۳۲۔ عبس بن عامر الانصاری رضؓ

عبس بن عامر بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ
بیعت عقبہ کی عزت حاصل کی غزوہ بدر اور غزوۂ احد میں داد شجاعت دی رضی اللہ عنہ

۱۳۳۔ عتبہ بن ربیعہ البہرانی الانصاری رضؓ

یہ بہرانی یا بہزی ہیں۔ انصار کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے بعض کو اس بارہ میں اختلاف بھی ہے

۱۳۴۔ عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنساء الانصاری رضؓ

عقبہ میں بھی بیعت سے مشرف ہوئے اور بدر میں بھی حاضر ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ اجمعین

۱۳۵۔ عتبہ بن غزوان بن جابر المازنی رضؓ

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اٹھارویں پشت میں مضر بن نزار میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ بنو نوفل بن عبد مناف بن قصی کے حلیف بھی ہیں ان کی کنیت ابو غزوان اور ابو عبداللہ ہے ان کا اسلام چھ صحابہ کے بعد تھا۔ انہوں نے اوّل ہجرت حبشہ کی تھی پھر مکّہ میں آ رہے۔ پھر مقداد بن عمرو کی رفاقت میں ہجرت مدینہ فرمائی اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ امیر المومنین عمر فاروق نے ان کو تسخیر حیرہ پر مامور فرمایا تھا اور فرما دیا تھا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس علاقہ کا فاتح بنائے گا میں نے علاء بن حضرمی اور عرفجہ بن خزیمہ (یا ہرثمہ) کو لکھ بھیجا ہے کہ وہ تیری ماتحتی میں کام کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی فتح ابلہ اور فتح حیرہ انہی کے دست و بازو پر ہوئی۔ انہی نے بصرہ کو بسایا اور انہی کے حکم سے محجن بن ادرع نے بصرہ کی مسجد اعظم کی بنیاد رکھی تھی۔

۱۵ھ کو بعمر ۵۷ سال انہوں نے انتقال کیا مدینہ یا ربذہ میں مدفون ہوئے ان کا ایک خطبہ محدثین کے نزدیک محفوظ ہے جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ اٰذَنَتْ بِصَرْمٍ وَّ وَلَّتْ حَذَّاءَ وَاِنَّمَا بَقِیَ مِنْهَا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ وَاَنْتُمْ مُنْتَقِلُوْنَ عَنْهَا اِلٰی دَارٍ لَا زَوَالَ لَهَا فَانْتَقِلُوْا بِخَیْرِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ

۱۳۶۔ عتبان بن مالک الانصاری السلمی رضؓ

یہ بنو عوف بن خزرج میں سے ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے۔ ان کی بینائی شروع ہی سے کمزور تھی آخر میں بینائی بالکل بند ہو گئی تھی حکومت امیر معاویہ تک زندہ رہے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۳۷۔ عدی بن الزغباء الجہنی الانصاری رضؓ

عدی بن سنان (زغباء) بن سبیع بن ثعلبہ بن ربیعہ، قوم جہینہ سے ہیں انصار بنو النجار کے حلیف تھے بدر و احد و خندق اور جملہ مشاہد

میں ملتزم رکاب محمدی رہے۔

واقعۂ بدر میں ان کو اور بسبس بن عمرو جہنی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی خبر لانے کو مامور فرمایا تھا۔

خلافت فاروق میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۱۳۸۔ عصمت الانصاریؓ

بنو عوف کے حلیف ہیں، اور قوم اشجع میں سے تھے موسیٰ بن عقبہ نے ان کو بدریین میں شمار کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۳۹۔ عصمۃ بن الحصین الانصاریؓ

عصمت بن الحصین بن وبرہ بن خالد بن العجلان۔ یہ قبیلہ بنو عوف بن خزرج میں سے ہیں۔

یہ اور ان کے بھائی ہبیل بن وبرہ (نسبت بہ جد) بدر میں شامل ہوئے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ۔ واقدی۔ ابن عمارہ کی یہی تحقیق ہے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔

البتہ ابن اسحاق وابو معشر نے ان کا ذکر اہل بدر میں نہیں کیا۔ رضی اللہ عنہ

۱۴۰۔ عصیمۃ الاسدیؓ

بنو اسد بن خزیمہ میں سے ہیں۔ بنو مازن بن نجار کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۱۴۱۔ عصیمۃ الاشجعیؓ

یہ بنو سواد بن مالک بن غنم کے حلیف تھے۔ بدر، احد اور جملہ مشاہد مابعد میں حاضر ہوتے رہے۔ امارت امیر معاویہ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۱۴۲۔ عطیہ بن نویرہؓ

بن عامر بن عطیہ بن عامر بن بیاضۃ الانصاری الزرقی البیاضی۔

بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۴۳۔ عقبہ بن عامر الانصاری الخزرجی السلمیؓ

بیعت عقبہ اولیٰ سے مشرف تھے بدر و احد میں حاضر۔ یوم احد کو خود آہنی پر سبز عمامہ سجا رکھا تھا۔ اور دوسروں سے نمایاں ہوتے تھے۔

خندق اور دیگر مشاہد نبوی میں بھی بالالتزام حاضر رہے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۱۴۴۔ عقبہ بن ربیعہ الانصاریؓ

بنو عوف بن خزرج کے حلیف ہیں موسیٰ بن عقبہ نے ان کو اہل بدر میں سے بتلایا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۴۵۔ عقبہ بن عثمان بن خلدہؓ

بن خلدہ بن عامر بن زریق الانصاری

بدر میں یہ اور ان کے دونوں بھائی ابو عبادہ وسعد بن عثمان حاضر تھے عقبہ وسعد اور عثمان بن عفان یوم احد کو دامان کوہ اعوص تک بھاگ گئے تھے وہاں پہنچ کر پھر سنبھلے اور پھر جنگ میں آ شامل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی قرآن مجید میں نازل فرمائی۔ یہ بھی اصحاب مصطفویہ کا خاص شرف ہے کہ اُن کی زلات کی معافی کلام الٰہی میں فرمائی گئی۔ جیساکہ ابونا آدم و یونس علیہما السلام کے عفو کا اعلان فرمایا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۴۶۔ عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابومسعود الانصاری رضؓ

یہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں بنوحارث بن خزرج سے ہیں ابومسعود بدری کے عرف سے مشہور ہیں۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ انہوں نے بمقام بدر سکونت اختیار کر لی تھی اسی لیے بدری کہلائے۔ ورنہ غزوہ بدر میں شامل نہ تھے ہاں بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور اس روز سب سے چھوٹے بھی تھے۔

امام بخاری اور ایک جماعت کی تحقیقات یہ ہے کہ یہ غزوہ بدر میں بھی شامل تھے۔ احد اور مشاہد مابعد کی حاضری پر سب کا اتفاق ہے۔ جنگ صفین کو جاتے ہوئے علی مرتضیٰ نے انہی کو امیر کوفہ بنایا تھا۔ ان کا انتقال ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں مدینہ یا کوفہ میں ہوا رضی اللہ عنہ

۱۴۷۔ عقبہ بن وہب بن کلدۃ الغطفانی رضؓ

بنوسالم بن غنم بن عوف بن خزرج کے حلیف ہیں بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں حاضر تھے بدر و احد میں نمایاں کام کیے۔ یہ پہلے بزرگوار ہیں جو انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مکہ ہی میں حاضر ہو گئے تھے۔ پھر جب حضور نے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی ہجرت کی اسی لئے آپ کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے۔

جنگ اُحد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں خود آہنی کے حلقے کھب گئے تھے ان کے نکالنے میں یہ بھی ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۴۸۔ علیفہ بن عدی بن عمرو الانصاری البیاضی رضؓ

علیفہ بن عدی بن عمرو بن مالک بن عمرو بن مالک بن علی بن بیاضہ

اصحاب بدر میں سے ہیں۔ ان کے نام میں مؤرخین کو التباس ہوا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا نام خائے معجمہ (علیخہ) سے تحریر کیا ہے رضی اللہ عنہ

۱۴۹۔ عمرو بن ایاس بن زید الیمنی الانصاری رضؓ

یہ یمن کے باشندے اور انصار کے حلیف تھے بدر اور احد میں حاضر تھے۔ ربیع بن ایاس اور ورقہ بن ایاس ان کے بھائی ہیں اور دونوں صحابی رضی اللہ عنہم۔

۱۵۰۔ عمرو بن ثعلبہ بن وہب الانصاری رضؓ

عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار

ابوحکیم یا ابوحکیمہ کنیت تھی اور کنیت ہی پر زیادہ مشہور تھے بدر اور اُحد میں حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۱۵۱۔ عمرو بن الجموح الانصاری السلمی رضؓ

عمرو بن الجموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ

ایام جاہلیت میں یہ انصار کے دیوتاؤں بتوں کے پجاری تھے۔ عقبہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ احد میں فائز بہ شہادت

ہوئے۔ یہ اعرج تھے بیٹوں نے کہا کہ آپ گھر ٹھہریں آپ معذور ہیں۔ کہا مجھے امید ہے کہ میں بھی لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچوں گا جب گھر سے چلے تو ان الفاظ میں دعا مانگی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی الشَّھَادَۃَ وَلَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ خَائِبًا

احد کے دن جب مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں تو یہ اور ان کے فرزند خلاد دونوں آگے بڑھے اور مشرکین پر جا پڑے اور اتنا لڑے کہ وہیں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہما۔

۱۵۲۔ عمرو بن عتمہ بن عدی الانصاری الخزرجی رض

عمرو بن عتمہ بن عدی بن نابی بنو سلمہ میں سے ہیں۔ یہ اور ان کے بھائی بیعت عقبہ سے مشرف ہوئے بدر میں حاضر تھے۔

یہ اُن رونے والوں میں سے ایک ہیں جن کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ رضی اللہ عنہ

۱۵۳۔ عمرو بن عوف الانصاری رض

یہ بنو عامر بن لوی کے حلیف ہیں۔ مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابن اسحق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سہیل بن عمرو کے مولیٰ ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ نسل گم ہوگئی مسور بن مخرمہ نے ان سے ایک حدیث یہ روایت کی ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الْجِزْیَۃَ مِنْ مَجُوْسِ الْبَحْرَیْنِ رضی اللہ تعالٰی عنہ

۱۵۴۔ عمرو بن غزیہ بن عمرو الانصاری المازنی رض

عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ ان کے فرزند کلاں حارث کو بھی صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حارث کے دوسرے بھائی صحابی نہیں رضی اللہ عنہم

۱۵۵۔ عمرو بن قیس بن زید الانصاری النجاری رض

جمہور کی رائے ہے کہ بدر میں حاضر تھے۔ سب متفق ہیں کہ اُحد میں یہ اور ان کے فرزند قیس دونوں شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہما

۱۵۶۔ عمرو بن معاذ بن النعمان الانصاری الاشہلی رض

مشہور صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے برادر خورد ہیں۔ بدر میں حاضر تھے احد میں بعمر ۳۲ سال شہید ہوئے رض

۱۵۷۔ عمارہ بن حزم الانصاری الخزرجی رض

عمارہ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن النجار

یہ اُن ستر بزرگواروں میں سے ہیں جنہوں نے شب عقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ مواخات میں یہ محرز بن نضلہ کے بھائی تھے۔ بدر، اُحد، خندق اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ غزوہ فتح میں بنو مالک بن النجار کا نشان انہی کے ہاتھ میں تھا۔ قتال اہل الردہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے تھے۔ یمامہ میں شہید ہوئے ان کے بھائی عمرو بن حزم اور معمر بن حزم بھی صحابی ہیں معمر کی اولاد میں سے ابو طوالہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن امام مالک کے شیخ ہیں۔ رضی اللہ عنہم

۱۵۸۔ عمرو بن معبد رض

عمرو بن عبید بن ازعر بن زید بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس الانصاری الضبیعی بدر میں حاضر ہوئے تھے بعض نے ان کا نام عمیر بھی تحریر کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۵۹۔ **عمیر بن عامر بن مالک الانصاری المازنی رضؓ**

ابو داؤد کنیت ہے غزوہ بدر میں حاضر ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۰۔ **عمیر بن حارث بن ثعلبہ الانصاری رضؓ**

یہ بنو حرام میں کعب سے ہیں عقبی و بدری ہیں احد میں حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۱۶۱۔ **عمیر بن حرام بن عمرو بن الجموح الانصاری رضؓ**

واقدی و ابن عمارہ کا بیان ہے کہ بدری ہیں مگر موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق و ابو معشر نے ان کا نام اہل بدر میں تحریر نہیں کیا۔ رضی اللہ عنہ

۱۶۲۔ **عمیر بن الحمام بن الجموح الانصاری السلمی رضؓ**

مواخات میں یہ عبیدہ بن الحارث مطلبی کے بھائی تھے۔ یہ انگور کھا رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ فرمایا۔
وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یُقَاتِلُھُمُ الْیَوْمَ رَجُلٌ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَیْرَ مُدْبِرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ
عمیر بولے خوب خوب۔ بس جنت میں جانے کی صرف اتنی ہی دیر ہے کہ کفار میں سے مجھ کو کوئی قتل کر دے یہ کہہ کر انگور پھینک دیئے اور یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

رَکْضًا اِلَی اللّٰہِ بِغَیْرِ زَادٍ ۔۔۔ اِلَّا التُّقٰی وَعَمَلَ الْمَعَادِ
وَالصَّبْرِ فِی اللّٰہِ عَلَی الْجِھَادِ ۔۔۔ وَکُلُّ زَادٍ عُرْضَۃُ النَّفَادِ
غَیْرَ التُّقٰی وَالْبِرِّ وَالرَّشَادِ

تلوار چلاتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۳۔ **عمیر بن معبد بن ازعر الانصاری رضؓ**

یہ بنو ضبیعہ بن زید میں سے ہیں۔ بعض نے ان کا نام عمرو بھی لکھا ہے۔ بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی تھے ان کا شمار ان ایک سو صابرین کے اندر ہوتا ہے جو یوم حنین میں صابر رہے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۶۴۔ **عمیر الانصاری رضؓ**

ان کا پتہ اسی قدر درج ہے کہ یہ سعید بن عمیر انصاری کے والد ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے
مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ صَلٰوۃً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (جو کوئی میری امت میں سے مجھ پر بصدق دل ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار بھیجے گا)

۱۶۵۔ **عمار بن زیاد بن سکن الانصاری رضؓ**

بدر میں حاضر ہوئے اور شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۱۶۶۔ عنترہ السلمی ثم ذکوانی رضؓ

کسی نے ان کو انصار کا مولیٰ اور کسی نے بنو سلمہ انصار کا حلیف تحریر کیا ہے۔ سب متفق ہیں کہ بدر میں حاضر تھے۔ جمہور کا اتفاق ہے کہ احد میں شہید ہوئے اور قول شاذہ ہے کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۷۔ عوف بن عفراء الانصاری رضؓ

عوف بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار۔

بدر میں حاضر ہوئے ان کے بھائی معاذ و معوذ بھی بدری ہیں۔ عوف بن عفراء کی بابت یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اُن چھ میں تھے جنہوں نے عقبہ پر بیعت کی بعد ازاں عقبہ کی دوسری و تیسری بیعت میں بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

عفراء ان کی والدہ کا نام ہے والد کا نام حارث ہے۔

۱۶۸۔ عویم بن ساعدہ بن عائش رضؓ

یہ بنو قضاعہ میں سے ہیں بنو اُمیہ کے حلیف تھے عقبہ کی بیعت میں یکے از ہفتاد تھے۔

بدر و احد اور خندق میں حاضر تھے۔ عہد نبوی میں انتقال کیا یا بقول بعض عہد فاروقی میں بعمر ۶۵ ، ۶۶ سال مدینہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

۱۶۹۔ عویمر بن اشقر بن عوف الانصاری رضؓ

ان کو بنو مازن میں سے بیان کیا گیا ہے۔ اہل مدینہ میں ان کا شمار ہوتا ہے بدر میں حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۱۷۰۔ غنام رضی اللہ عنہ

ان کو رجلٌ مِنَ الصحابہ بتلایا گیا ہے۔ اہل بدر میں شامل ہیں ابن غنام صحابی اور راویان حدیث میں سے ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۱۔ فروہ بن عمرو الانصاری رضؓ

فروہ بن عمرو بن جبیہ بن عامر بن بیاضۃ الانصاری البیاضی

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی اور مشاہد مابعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حاضر رہا کرتے تھے۔ مواخات میں عبداللہ بن مخرمۃ العامری کے بھائی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۲۔ فاکہہ بن بشیر الانصاری الزرقی رضؓ

فاکہہ بن بشیر بن فاکہہ بن زید بن خلدہ بن عامر بن زریق

یہ بنو جشم بن الخزرج میں سے ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۳۔ قتادہ بن نعمان بن زید الانصاری الظفری رضؓ

قتادۃ بن نعمان بن زید بن عامر بن سواد بن کعب (المسمیٰ ظفر) بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ابو عمرو کنیت تھی اور ابو عبداللہ بھی عقبی ہیں اور بدری بھی۔ جملہ مشاہد میں حاضر ہونے والے جنگ اُحد میں ان کی آنکھ نکل پڑی تھی۔ لوگ قطع کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ڈھیلے کو آنکھ میں رکھ دیا اور ہتھیلی سے دبا دیا اور زبان سے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَکْسِھَا جَمَالاً الٰہی اس آنکھ کو

صاحب جمال بنا دے یہ آنکھ عمر بھر کبھی نہ دکھی۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ بنو ظفر کا نشان انہی کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت قتادہ کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سخت تاریکی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی۔ ابر تھا قتادہ نماز عشاء کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے سرورِ عالم نے ان کو دیکھا تو فرمایا قتادہ ہے۔ یہ بولے ہاں۔ پھر کہا میں نے سمجھا کہ آج نماز میں حاضر ہونے والے کم ہوں گے میں ضرور چلوں۔ فرمایا واپس جاؤ تو مل کر جانا۔ پھر حضور نے اُن کو کھجور کی ایک شاخ دے دی جو تاریکی میں روشنی دیتی تھی دس دس قدم آگے دس دس قدم پیچھے۔

ان کا انتقال ۲۳ھ بعمر ۶۵ سال ہوا۔ عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور ابو سعید خدریؓ جو ان کے مات بھائی تھے قبر میں اترے رضی اللہ عنہ

۱۷۴۔ قطبہ بن عامر بن حدیدۃ الانصاری الخزرجیؓ

قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ

بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ میں حاضر تھے۔ بدر، احد اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلنے والے تھے جنگ اُحد میں ۹ زخم ان کے جسم پر آئے تھے ایک پتھر ان کے جسم پر آ کر گرا۔ یہ بولے کہ جب تک یہ پتھر نہیں بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا۔ فتح مکہ کے دن بنو سلمہ کا نشان انہی کے ہاتھ میں تھا ابو زید کنیت تھی۔ امیر المومنین عثمانؓ کے عہد میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۵۔ قیس بن السکن الانصاری الخزرجیؓ

قیس بن سکن بن قیس بن زعوراء بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار

ابو زید کنیت ہے اور کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی نسل باقی نہیں رہی۔ بدر میں حاضر تھے ۱۵ھ کو جنگ جسر ابو عبید کے دن شہید ہوئے۔

یہ انصار کے ان چار بزرگوں میں سے ہیں جو عہد نبوی میں جامع قرآن تھے یعنی زید بن ثابت معاذ ابن جبل ابی بن کعب۔ چوتھے خود یہ۔ مہاجرین میں حافظ و جامع قرآن مجید نبوی یہ ہیں۔ عثمان بن عفان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہم۔

۱۷۶۔ قیس بن عمرو بن سہل الانصاری المدنیؓ

قیس بن عمرو بن سہل بن ثعلبہ بن حارث بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار

بدر میں حاضر تھے یہ بزرگوار یحییٰ و سعید و عبد ربہ فقہاء مدینہ کے جدِ اعلیٰ ہیں

۱۷۷۔ قیس بن محصن بن خالد بن مخلد الانصاری الزرقیؓ

بدر و اُحد میں شریک ہوئے تھے ان کے والد کا نام بعض نے حصن بھی لکھا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۸۔ قیس بن مخلد الانصاری المازنیؓ

قیس بن مخلد بن ثعلبہ بن صخر بن حبیب بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار

بدر میں شامل ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۱۷۹۔ قیس بن ابی صعصعہ الانصاری المازنیؓ

قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ بدر میں پیدل نوجوانوں کے سردار تھے۔ بعد ازاں احد میں بھی حاضر ہوئے۔ وقت وفات معلوم نہیں ہو سکا رضی اللہ عنہ

۱۸۰۔ کعب بن جماز الانصاریؓ

یہ قوم غسان میں سے ہیں مگر بنو ساعدہ کے حلیف تھے اس لئے انصاری ہیں۔ کعب بدری ہیں اور ان کے بھائی سعد غزوہ احد میں تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

دارقطنی نے ان کے والد کا نام حمان تحریر کیا ہے مگر ابن عبد البر جماز ہی کو صحیح بتاتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۱۔ کعب بن زید الانصاریؓ

کعب بن زید بن قیس بن مالک بن کعب بن حارثہ بن دینار بن النجار

بدر میں حاضر ہوئے اور یوم الخندق کو شہید ہوئے۔ یہ بیر معونہ کے بزرگوں میں سے ہیں جہاں ان کے ساتھی سب کے سب مارے گئے تھے اور صرف یہی ایک جان بر ہو سکے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۲۔ کعب بن عمرو بن عباد الانصاری السلمیؓ

بنو سلمہ میں سے ہیں۔ ابوالیسر کنیت ہے اور کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ عقبہ میں حاضر ہوئے۔ پھر بدر میں بعمر بست سال شامل ہوئے۔ یہ قد کے چھوٹے تھے انہوں نے عباس بن عبد المطلب کو جو بلند بالا اور ذوی الجثہ شخص تھے بدر میں اسیر کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَعَانَکَ عَلَیْہِ مَلَکٌ کَرِیْمٌ بزرگ فرشتہ نے تجھے مدد دی۔ انہی نے مشرکین کا جھنڈا بھی جو ابن عمیر کے ہاتھ میں تھا چھین لیا تھا۔

صفین میں علی مرتضیٰ کی جانب تھے۔ مدینہ منورہ میں ۵۵ھ کو انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۳۔ مالک بن تیہان

بن مالک بن عبید بن عمرو بن عبد الاعلم البلوی الانصاری

ابوالہیثم کنیت ہے عقبہ کے ہر سہ مواقع میں حاضر تھے اور بنو عبد الاشہل کا گمان ہے کہ سب سے پہلے بیعت عقبہ کرنے والے بھی یہی تھے۔

بعض نے ان کو قوم بنی بن صاف بن قضاعہ سے بتایا اور بنو عبد الاشہل کا حلیف تحریر کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ خود انصاری الاوسی ہیں۔ بدر و احد اور جملہ مشاہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

سنہ ۲۰ھ کو بعہد فاروقی انتقال ہوا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ صفین میں منجانب علی مرتضیٰ تھے وہیں شہید ہوئے لیکن صفین میں ان کے بھائی عبید کا شہید ہونا متحقق ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۴۔ مالک بن دخشم الانصاریؓ

ابن اسحاق و موسیٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت عقبہ بھی کی تھی مگر واقدی و ابو معشر کو اختلاف ہے۔

سب متفق ہیں کہ یہ بدر اور جملہ مشاہد مابعد میں حاضر رکاب مصطفوی تھے۔

ایک بار ان کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا۔ ایک شخص نے جوان کو نفاق آلود سمجھتا تھا ان کو گالی دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِی (میرے صحابی کو گالی نہ دو) رضی اللہ عنہم

۱۸۵۔ مالک بن رافع بن مالک الانصاریؓ

یہ اور ان کے والد رافع اور ان کے بھائی خلاد اور رفاعہ چاروں بدری ہیں۔ رضی اللہ عنہم

۱۸۶۔ مالک بن ربیعہ الانصاری الساعدیؓ

ان کی کنیت ابو اسید ہے اور کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ بدر، احد اور جملہ مشاہد نبوی میں حاضر ہوئے۔ آخری عمر میں بینائی بند ہو گئی تھی ۶۰ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔ اہلِ بدر میں سے یہ آخری شخص ہیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی بدری زندہ نہ رہا تھا۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۷۔ مالک بن قدامہ الانصاری الاوسیؓ

مالک بن قدامہ بن عرفجہ بن کعب بن لحاظ بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرء القیس، ابن مالک بن الاوس۔ بدر میں حاضر تھے ان کے بھائی منذر بن قدامہ بھی بدری ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۱۸۸۔ مالک بن مسعود بن البدن الانصاری الساعدیؓ

مالک بن مسعود بن بدن بن عامر بن عوف بن حارثہ بن عمرو بن الجموح بن ساعدہ

سب کا اتفاق ہے کہ یہ بدر و احد میں شامل ہوئے۔ ابو اسید الساعدی ان کے چچیرے بھائی ہیں رضی اللہ عنہ

۱۸۹۔ مالک بن نمیلہ مزنی الانصاریؓ

نمیلہ ان کی والدہ کا نام ہے والد کا نام مالک بن ثابت ہے۔ قوم مزنیہ سے ہیں۔ وہ انصار اوس کے حلیف تھے بدر میں حاضر ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۰۔ مبشر بن عبد المنذر الانصاریؓ

مبشر بن عبد المنذر بن زنبر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس

بدر میں معہ برادر خود ابو لبابہ بن عبد المنذر حاضر ہوئے اور بدر ہی میں مبشر حاضر ہوئے بعض نے ان کو شہید خیبر بتلایا ہے رضی اللہ عنہ

۱۹۱۔ المجذر بن زیاد البلوی الانصاریؓ

مجذر (عبد اللہ) بن زیاد بن عمر بن زمزمہ بن عمرو بن عمارہ۔ بدر میں حاضر تھے۔ یہ قوم بلّی سے تھے۔ جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صلت کو قتل کیا تھا۔

جنگ احد میں حارث بن سوید نے باوجود خود مسلمان ہو جانے کے مجذر کو پس پشت سے حملہ کر کے قتل کر دیا اور پھر مکہ میں مرتد ہو کر چلا گیا۔ فتح مکہ کے بعد پھر حارث مسلمان ہو کر آ گیا۔ اس پر قتل مجذر کا مقدمہ چلایا گیا اور قصاص لیا گیا۔

جنگ بدر میں مجذر ہی نے ابو البختری عاص بن ہشام بن حارث کو قتل کیا تھا۔ ابو البختری لشکر کفار میں تھا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی حصہ نہ لیا تھا بلکہ قریش نے جو عہد نامہ بنو ہاشم و بنو مطلب کے خلاف لکھ کر خانہ کعبہ سے آویزاں کر دیا تھا۔ ابو البختری نے اس کے منسوخ

کرانے میں سعی کی تھی لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ جس کسی کی مٹ بھیڑ ابوالبختری سے ہو جائے وہ اُسے قتل نہ کرے۔

ابوالبختری انہی کو مل گیا مجذر نے کہا کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ تجھے قتل نہ کیا جائے۔ ابوالبختری نے کہا کہ ایک شخص جبارہ بن ملجہ قوم بنولیث کا ہے وہ میرا ہم عہد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تم اُسے بھی چھوڑ دو۔ مجذر بولا کہ اور کسی کے چھوڑنے کی اجازت نہیں آخر لڑے اور ابوالبختری مارا گیا۔

مجذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ میں نے اُسے اسیر ہو جانے کو کہا تھا مگر وہ اس پر رضامند نہ ہوا اور آخر مجھے لڑنا پڑا۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۲۔ محرز بن عامر بن مالک الانصاریؓ

محرز بن عامر بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ بدر میں حاضر ہوئے ان کی وفات ٹھیک اُس دن بوقت صبح ہوئی جس روز جنگ احد واقع ہوئی تھی۔ نسل نہیں چلی۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۳۔ محمد بن مسلمہ الانصاری الحارثی

محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک ابن اوس۔

بنو عبد الاشہل کے حلیف ہیں بدر اور جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب مصطفویؐ رہے۔ تا زندگی مدینہ ہی میں آباد رہے۔ ۴۳ھ بعمر ۷۷ سال انتقال کیا۔

گندم گوں لانبا قد پُر بدن تھے۔ کعب بن اشرف یہودی کے قتل میں شامل تھے ان کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حاکم مدینہ مقرر فرمایا جبکہ حضور غزوات کو باہر تشریف لیجایا کرتے تھے۔

یہ ان بزرگواروں میں سے ہیں جو مسلمانوں کی باہمی جنگ کے وقت سب سے الگ تھلگ رہے اور ربذہ میں جا ٹھہرے تھے۔

سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید وہ بزرگ ہیں جو جمل و صفین سے علیحدہ رہے۔ انہوں نے ان دنوں میں لکڑی کی تلوار ہاتھ میں لے لی تھی اور کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ دس بیٹوں اور ۶ بیٹیوں کے والد ہیں رضی اللہ عنہ

۱۹۴۔ مرارہ بن ربیعہ العمری الانصاریؓ

مرارہ بن ربیعہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ بدر میں حاضر ہوتے یہ ان تین صحابہ میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں بچھڑ گئے تھے اور قرآن مجید میں ان کی قبولیت توبہ کا فرمان اترا۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۵۔ مسعود بن اوس بن زید الانصاریؓ

قبیلہ مالک بن النجار سے ہیں غزوہ احد اور مشاہد مابعد میں حاضر ہوئے تھے ابن اسحاق نے ان کا نام اہل بدر میں نہیں تحریر کیا۔ خلافت فاروقی میں انتقال کر گئے تھے۔ کلبی کا بیان ہے کہ جنگ صفین تک زندہ تھے اور منجانب علی مرتضیٰ لڑے تھے۔

ان کا مذہب تھا کہ وتر واجب ہیں عبادہ بن صامت اس کی تکذیب کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔

۱۹۶۔ مسعود بن خلدہ بن عامر بن زریق الانصاری الزرقیؓ

بدر میں حاضر تھے اور احد میں بھی۔ بیر معونہ پر شہادت پائی بعض نے ان کو شہید جنگ خیبر بتلایا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۷۔ مسعود بن ربیع القاریؓ

قوم قارہ سے تھے اس لئے قاری مشہور ہوئے مواخات میں عبید بن تیہان کے بھائی تھے ۳۰ھ کو بعمر زائد از شصت ۶۰ سال وفات پائی۔

ابو عمیر کنیت ہے۔ رضی اللہ عنہ

۱۹۸۔ مسعود بن سعد

مسعود بن سعد بن قیس بن خالد بن عامر بن زریق الانصاری الزرقی۔ واقدی کا قول ہے کہ بدر و احد میں حاضر تھے اور بیر معونہ پر شہید ہوئے۔ رضؓ

۱۹۹۔ مسعود بن عبد سعود الانصاریؓ

قبیلہ اوس میں سے ہیں صرف ابن اسحٰق نے ان کو خزرجی بتلایا ہے بدر میں حاضر تھے اور خیبر میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۰۰۔ امام العلماء معاذ بن جبل الانصاری الخزرجیؓ

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد بن علی بن اسد بن سارده بن یزید بن جشم بن الخزرج الانصاری

ابو عبدالرحمٰن کنیت ہے۔ درازقد، خوب رو، سفید رنگ، دانت سفید و روشن، بزرگ چشم، انہوں نے بیعت عقبہ ستر صحابہ کی شمولیت میں کی تھی اور مواخات میں ان کو عبداللہ بن مسعود کا بھائی بنایا گیا تھا بعض نے بیان کیا کہ جعفر بن ابی طالب ان کے دینی بھائی تھے۔ بدر اور جملہ غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب برابر حاضر ہوئے۔ سرور عالم نے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ان کو یمن کے ایک حصہ کا حاکم بنا کر بھیج دیا تھا۔ رخصت کے وقت فرما دیا تھا کہ تم مجھے اب اس دنیا میں نہ ملو گے۔

حضورؐ نے ملک یمن کو پانچ قسمتوں پر تقسیم فرما دیا تھا۔

۱۔ صنعاء — یہاں کا حاکم خالد بن سعید مقرر فرمایا
۲۔ کندہ — 〃 〃 حاکم مہاجرین ابو اُمیہ
۳۔ حضرت موت — 〃 〃 حاکم زیاد بن لبید
۴۔ زبیدہ، رمعہ، عدن اور ساحل یہاں کا حاکم ابوموسیٰ اشعری
۵۔ جند — یہاں کا حاکم معاذ بن جبل

شرائع اسلام کی تعلیم اور قرآن مجید کی عام تدریس اور مقدمات عامہ کی نگرانی اور جملہ عمال یمن کے اموال کی فراہمی بھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہی کے متعلق تھی۔

ان کی مدح میں ایک تو یہ ارشاد نبوی ہے اعلمہم بالحلال والحرام معاذ بن جبل حرام حلال کے جاننے میں سب سے زیادہ عالم معاذ بن جبل ہے۔

دوسری یہ حدیث یاتی معاذ بن جبل یوم القیامۃ امام العلماء۔ قیامت کے دن معاذ بن جبل جملہ علماء کے پیش پیش چلتے ہوئے حاضر ہوں گے۔

فروہ اشجعی کی روایت ہے کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے باآواز بلند یہ الفاظ پڑھے اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں تو اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکرر اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً پڑھا میں سمجھ گیا کہ یہ دانستہ پڑھ رہے ہیں بعد ازاں ہم سے ابن مسعود نے پوچھا تو جانتا ہے کہ "اُمّت" اور "قانت" کے معنے کیا ہیں۔ میں نے کہا خدا ہی خوب جانتا ہے۔

ابن مسعود نے کہا اُمّت وہ ہے جو خیر کا معلم ہو اور اس کی اقتدا کی جائے اور قانت کے معنے اللہ کی اطاعت کرنے والا ہیں۔ معاذ بن جبل اسی صفت کے تھے کہ وہ معلم للخیر بھی تھے اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے بھی تھے۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ معاذ بن جبل امور خیر میں بہت خرچ کرنے والے تھے حتیٰ کہ ان کے سر بہت قرضہ ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جائیداد کو زیر نگرانی خود لے کر جملہ قرضداروں کا قرضہ چکا دیا۔ معاذ کے پاس کچھ نہ رہا۔

فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن جا کر تجارت کرنے کے لئے بھیج دیا اور بیت المال سے امداداً روپیہ عنایت فرمایا۔ جب معاذ بعد از انتقال نبوی مدینہ میں آئے تو فاروق نے ابوبکر صدیق سے کہا کہ معاذ سے وہ روپیہ واپس لینا چاہیے ابوبکر نے فرمایا میں تو کچھ نہ لوں گا وہ خود واپس کریں تو اُن کی مرضی ہے کیونکہ یہ روپیہ اُن کو رسول اللہؐ نے دیا تھا۔ پھر عمر فاروق معاذ بن جبل سے خود علیحدہ ملے اور اُن کو واپسی رقم کے لئے کہا معاذ نے کہا کہ یہ رقم تو رسول اللہ ہی نے میری حالت کو درست کرنے کے لئے دی تھی۔ اب میں کیوں واپس کروں۔

عمر واپس آگئے۔ پھر معاذ حضرت عمر سے ملے۔ کہا میں تمہاری بات مان لینے کو تیار ہوں کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی کے گڑھے میں ہوں اور ڈوبنے لگا ہوں تم نے مجھے وہاں سے نکالا۔ بعد ازاں معاذ ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور تمام ماجرا سنایا اور حلفیہ کہا کہ میں کوئی رقم چھپا کر نہ رکھوں گا۔

ابوبکر نے فرمایا میں تم سے کچھ واپس نہ لوں گا بلکہ تمام رقم کو ہبہ کر دیتا ہوں عمر نے کہا یہ بہت خوب ہے۔ بعد ازاں معاذ جہاد شام کو چلے گئے ان کا انتقال طاعون عمواس میں ۱۸ھ کو ہوا۔ بوقت انتقال ان کی عمر ۳۳ یا ۳۸ سال کی تھی دواوین احادیث میں ان سے ۱۵۷ مرویات ثبت ہیں۔ متفق علیہ ۲ صرف صحیح بخاری میں ۳ صرف صحیح مسلم میں ایک۔

۲۰۱۔ معاذ بن عفراء الانصاری رضؓ

یہ قبیلہ بنو مالک بن النجار سے ہیں۔ عفراء ان کی والدہ کا نام ہے جس کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے والد حارث بن سواد بن مالک ہیں یہ انصار میں سے ایمان لانے میں اُن اوّلین میں سے ہیں جن پر کسی انصاری کو تقدم حاصل نہیں جنگ بدر میں معاذ بھی حاضر تھے اور ان کے دونوں بھائی عوف و معوذ بھی یہ دونوں تو بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے مگر معاذ رضی اللہ عنہ دیر تک زندہ رہے۔

ابوجہل کی پنڈلی پر انہی نے تلوار ماری تھی۔ ابوجہل کے بیٹے نے ان کے شانہ پر تلوار لگائی ہڈی کٹ گئی مگر بازو لٹکتا رہا یہ اسی طرح مصروف جہاد رہے۔

جب اس مجروح ہاتھ کو انہوں نے مانع سعی جہاد سمجھا تو کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر اور جھٹک دیکر علیحدہ کر دیا اور پھر بفراغت تمام دن پھر مصروف جہاد رہے۔

ان کے سن وفات میں اختلاف ہے بعض نے بتلایا ہے کہ یہ خلافت علی مرتضیٰ تک زندہ رہے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۲۔ معاذ بن عمرو بن الجموح الانصاری السلمی رضی اللہ عنہ

ان کے والد عمرو بن الجموح اور معاذ دونوں بدر میں شامل تھے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب بدر میں صف بندی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے چپ و راست انصار کے دو نوجوان لڑکے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ میرے برابر بلکہ پورے جوان ہوتے تو خوب ہوتا۔ ان میں سے ایک بولا، چچا تم ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، تم کیا چاہتے ہو؟ کہا سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ دیکھ پاؤں تو اسے قتل ہی کر کے چھوڑوں۔ دوسرے لڑکے نے بھی مجھ سے آہستگی سے یہی بات کہی۔ اتنے میں مجھے سامنے ابوجہل نظر پڑ گیا۔ میں نے دونوں سے کہا تمہارا مطلوب وہ ہے۔ دونوں شہباز کی طرح جھپٹ پڑے۔ معاذ بن عمرو کے بیان میں بھی بازو کٹ جانے اور جھپٹ کر گرا دینے کا واقعہ اسی طرح بیان ہوا ہے جس طرح معاذ بن عفراء کے بیان میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ہاں تم دونوں نے ابوجہل کو ضربات لگائی ہیں۔ معاذ بن عمرو بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۳۔ معاذ بن ماعص الانصاری الزرقی رضی اللہ عنہ

معاذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ بن عامر بن زریق۔ بدر و احد میں حاضر تھے۔ یہ شہسوار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر میں ابوعیاش زرقی کا گھوڑا دلا دیا تھا جبکہ ابوعیاش گھوڑے سے گر پڑے تھے۔

واقدی اس قول میں منفرد ہیں کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۴۔ معبد بن عبادہ الانصاری السالمی رضی اللہ عنہ

معبد بن عبادہ بن قشیر۔ یہ قبیلہ بنو سالم بن عوف سے ہیں۔ ابوحمیضہ ان کی کنیت ہے اور کنیت ہی سے زیادہ مشہور بھی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۵۔ معبد بن قیس بن صخر الانصاری رضی اللہ عنہ

معبد بن قیس بن صخر بن حرام بن ربیعہ بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمٰی

بدر میں حاضر تھے۔ ان کے بھائی بھی بدری ہیں دونوں بھائی احد میں بھی حاضر ہوئے رضی اللہ عنہما

۲۰۶۔ معبد بن وہب العبدی بن عبد القیس رضی اللہ عنہ

بدر میں حاضر تھے اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر چلا رہے تھے۔ ام المومنین سودہ کی بہن بریرہ بنت زمعہ ان کے نکاح میں تھیں رضی اللہ عنہ

۲۰۷۔ معتب بن بشیر بن ملیل الانصاری رضی اللہ عنہ

معتب بن بشیر (قشیر) بن ملیل بن زید بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف۔

عقبی بھی ہیں اور بدری بھی۔ احد میں بھی حاضر تھے رضی اللہ عنہ

۲۰۸۔ معتب بن عبید بن ایاس البلوی الانصاری رضی اللہ عنہ

انصار بنو ظفر کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر تھے بعض نے ان کا نام مغیث بتلایا ہے۔ رضی اللہ عنہ

۲۰۹۔ معقل بن منذر بن سرح الانصاری رضی اللہ عنہ

معقل بن منذر بن سرح بن خناس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ
عقبی بھی ہیں اپنے بھائی زید بن منذر کے ساتھ بدر میں بھی حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۱۰ - معمر بن حارث القرشی الجمحی

معمر بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح
حاطب کے بھائی اور عثمان بن مظعون کے ہمشیرزادہ ہیں والدہ کا نام قتیلہ تھا مواخات میں معاذ بن عفراء کے بھائی ہیں، بدر، احد اور جملہ مشاہد میں شامل ہوئے اور خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۱ - معن بن عدی بن جد بن عجلان بن ضبیعۃ البلوی الانصاریؓ

انصار بنو عمرو بن عمرو کے حلیف تھے۔ عاصم بن عدی کے برادر حقیقی ہیں۔ مواخات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن خطاب کو ان کا بھائی بنایا تھا عقبہ میں بھی حاضر ہوئے اور بدر و احد اور خندق اور دیگر جملہ مشاہد میں ہمرکاب محمدی تھے۔
جب سرور عالم کا انتقال ہوا تو لوگ کہنے لگے کاش ہم حضور سے پہلے مر گئے ہوتے معن بن عدی نے کہا میں تو یہ پسند نہیں کرتا کہ حضور سے پہلے مر گیا ہوتا اس لیے کہ میں حضورؐ کی تصدیق حضورؐ کے انتقال کے بعد بھی ویسے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ زندگی میں حضور کی تصدیق کرتا رہا۔
مسیلمہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۲ - معن بن یزید بن اخنس بن خباب السلمیؓ

معن اور یزید اور اخنس تینوں صحابی ہیں۔ بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۲۱۳ - معن بن عفراء الانصاریؓ

یہ معاذ بن عفراء کے بھائی ہیں ابوجہل پر حملہ کرنے میں بھائی کیساتھ شامل تھے بدر میں حاضر تھے وہیں سے خلد بریں کو سدھارے رضی اللہ عنہما

۲۱۴ - معوذ بن عفرا بن الجموح الانصاریؓ

معاذ بن عمرو کے بھائی ہیں بھائی کے ساتھ ہی بدر میں شامل تھے ابن اسحٰق نے ان کا نام اہلِ بدر میں ذکر نہیں کیا۔ رضی اللہ عنہ

۲۱۵ - ملیل بن وبرہ بن خالد بن عجلان الانصاریؓ

یہ قبیلہ بنو عوف بن خزرج سے ہیں بدر و احد میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۶ - منذر بن قدامہ الانصاری الاوسیؓ

بنو غنم میں سے ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۱۷ - منذر بن عرفجہ الاوسی الانصاریؓ

یہ بنو غنم میں سے ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۱۸ - منذر بن محمد بن عقبہ الانصاریؓ

یہ قبیلہ مالک بن اوس میں سے ہیں بدر و احد میں حاضر ہوئے اور بیر معونہ پر شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۱۹ نحاث بن ثعلبہ بن حزمہ البلوی رضؓ

نحاث بن ثعلبہ بن حزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ۔ قوم بلی سے ہیں۔ انصار کے حلیف تھے بعض نے ان کا نام بائے موحدہ سے لکھا ہے۔ بدر میں حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۰۔ نصر بن حارث بن عبید بن رزاح بن کعب الانصاری الظفری رضؓ

بدر میں حاضر تھے اور ان کے والد حارث کو بھی صحابی ہونے کا شرف ہے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۱۔ نعمان بن ابی خزمہ الانصاری الاوسی رضؓ

بعض نے خزمہ بن نعمان نام لکھا ہے۔ بن امیہ بن برک (امرء القیس) بن ثعلبہ۔ بدر میں حاضر تھے۔ ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ احد میں بھی موجود تھے۔ رضؓ

۲۲۲۔ نعمان بن سنان الانصاری رضؓ

یہ بنو سلمہ کے مولیٰ ہیں۔ بدر و احد میں حاضر ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۳۔ نعمان بن عبد عمرو نجاری الانصاری رضؓ

نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبد الاشہل بن حارثہ بن دینار بن النجار

بدر میں اپنے بھائی ضحاک بن عبد عمرو کی معیت میں حاضر تھے۔ یوم احد کو شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۴۔ نعمان بن اعقر بن الربیع البلوی الانصاری رضؓ

یہ انصار بنو معاویہ بن مالک کے حلیف تھے۔ بدر، احد اور خندق و جملہ مشاہد میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۵۔ نعمان بن عمرو بن رفاعہ الانصاری رضؓ

مالک بن النجار کے قبیلہ سے ہیں ان کو نعیمان بھی کہا جاتا ہے یہ اُن ہفتاد تن میں سے ہیں جو بیعت عقبہ سے مشرف ہوئے تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے اور دیگر جملہ مشاہد میں بھی حاضر تھے سلطنت امیر معاویہ میں وفات پائی۔

۲۲۶۔ نعمان بن نوفل (بن ثعلبہ)

موسیٰ بن عقبہ نے ان کا شمار اہل بدر میں کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ احد میں بھی حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۷۔ نعمان بن مالک بن ثعلبہ الانصاری رضؓ

نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دعد بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عوف بن خزرج۔

ثعلبہ بن دعد کو نوفل بھی کہا کرتے تھے اور ان کی اولاد کو دیوانِ فاروقی میں بنو نوفل کے پتہ سے تحریر کیا گیا تھا۔ بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔

مورخ محمد بن عمارہ کا قول ہے کہ بدر میں حاضر ہونے والے نعمان الاعرج بن مالک تھے۔ یہ نعمان بن مالک وہی ہیں جنہوں نے میدان احد کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا یا رسول اللہ بخدا میں جنت میں ضرور داخل ہوں گا۔ فرمایا کیونکر عرض کیا کہ کلمہ شہادت پر میرا ایمان ہے اور جنگ میں سے فرار ہونا میں نہیں جانتا فرمایا سچ کہتے ہو۔ چنانچہ میدان احد ہی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۸۔ نعیمان بن عمرو بن رفاعہ الانصاری رضی اللہ عنہ

نعیمان بن عمرو بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

ان کا شمار کبار صحابہ اور قدمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ بدر میں حاضر تھے۔ ان کی ظرافت و خوش طبعی کی حکایات بہت سی ہیں از انجملہ ایک یہ ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کے لیے بصریٰ کو روانہ ہوتے نعیمان بن عمرو اور سویط بن حرملہ (دونوں بدری ہیں) بھی ان کے ہمراہ تھے باورچی خانہ کا انتظام سویط کے سپرد تھا۔ نعیمان نے ان سے کہا کہ مجھے کھانا کھلاؤ۔ سویط نے کہا ابوبکر کو آ لینے دو۔ نعیمان بولے کہ اچھا تمہاری خبر لوں گا۔ نعیمان پاس کے گاؤں میں چلے گئے لوگوں سے کہا کہ میرے پاس عربی غلام ہے زبان دراز ہے خریدنا ہو تو خرید لو لیکن وہ کہے گا کہ میں آزاد ہوں اگر تم نے خریدنا ہو تو اس کی بات نہ سننا ورنہ وہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا

آخر سودا دس اونٹنیوں پر پختہ ہو گیا۔ اونٹنیاں لے لیں اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر کیمپ میں آئے اور سویط کی طرف اشارہ کر دیا کہ غلام وہ ہے یہ لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے سویط سے کہا کہ ہم نے تجھے خرید لیا ہے وہ بولے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے میں تو آزاد ہوں لوگوں نے کہا کہ ہمیں تیری بات پہلے ہی سے معلوم ہو چکی ہے غرض سویط کو وہ باندھ کر لے گئے جب ابوبکر صدیق وہاں پہنچے اور انہوں نے ماجرا سنا تب انہوں نے سویط کو چھڑایا اور اونٹنیاں واپس کرائیں۔

انہی کی عادت تھی کہ جب کوئی نیا پھل یا نئی چیز مدینہ میں آتی تو رسول اللہ کی خدمت میں لے آتے اور عرض کرتے کہ یہ ہدیہ ہے۔ پھر جب قیمت کا اُن پر مطالبہ ہوتا تو دوکاندار کو حضور کے سامنے لاتے کہ حضور اس کی قیمت دی جائے۔ حضورؐ ہنسنے اور فرماتے وہ تو ہدیہ تھا۔ نعیمان عرض کرتے کہ یارسول اللہ میرے دل نے چاہا کہ حضورؐ کے سوا اور کوئی نیا پھل نہ کھائے مگر قیمت میرے پاس موجود نہیں۔ حضورؐ ہنسا کرتے اور قیمت ادا فرما دیتے

کہتے ہیں کہ عہد معاویہ تک یہ زندہ رہے۔ رضی اللہ عنہ

۲۲۹۔ نوفل بن ثعلبہ الانصاری السالمی الخزرجی رضی اللہ عنہ

یہ بنو سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج میں سے ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے اور یوم احد کو شہید ہوئے رضی اللہ عنہ

۲۳۰۔ ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ

ہانی بن نیار بن عمرو بن عبید قوم بلّی اور بنو قضاعہ میں سے ہیں۔ انصار کے حلیف تھے۔ ابوبردہ کنیت۔ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ عقبی بھی ہیں اور بدری بھی، دیگر مشاہد میں بھی برابر حاضر رہے۔

براء بن عازب مشہور صحابی کے ماموں ہیں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۲۳۱۔ ہبیل بن وبرۃ الانصاری

یہ بنو عوف بن الخزرج سے ہیں۔ یہ بھی بدری ہیں اور ان کے بھائی عصمت بن وبرہ بھی بعض نے کہا کہ وبرہ ان کے دادا کا نام ہے اور باپ کا نام حصین بن وبرہ ہے۔ رضی اللہ عنہما

۲۳۲۔ ہلال بن امیہ الانصاری الواقفی رضی اللہ عنہ

یہ انصار کے قبیلہ بنو واقف سے ہیں۔ یہ اُن تین میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں سے پیچھے رہ گئے تھے اور قرآن مجید کی آیت وَعَلَى الثَّلَاثَةِ

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا میں جن کا ذکر ہے۔ ان ہر سہ کے نام یہ ہیں۔ کعب بن مالک از بنو سلمہ، مرارہ بن ربیع از بنو عمرو بن عوف، ہلال بن اُمیہ از بنو واقف رضؓ

۲۳۳۔ ہلال بن معلی الانصاری الخزرجی رضؓ

ہلال بن معلی بن لوذان بن حارثہ۔ یہ بنو جشم بن الخزرج میں سے ہیں۔ بدر میں معہ برادر خود رافع بن معلی کے حاضر تھے۔ رضی اللہ عنہما

۲۳۴۔ ہمام بن حارث بن ضمرہ رضؓ

بدر میں حاضر تھے ان سے کسی روایت کا ہونا نہیں پایا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۵۔ ودقہ بن ایاس الانصاری رضؓ

ودقہ بن ایاس بن عمرو بن غنم بن امیہ بن لوذان، بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد میں سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر رہے تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۳۶۔ ودیعہ بن عمرو بن جراد بن یربوع الجہنی رضؓ

انصار کے قبیلہ بنو سواد کے حلیف ہیں، بدر و اُحد میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۷۔ یزید بن اخنس السلمی رضؓ

یہ ملک شام کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ معہ والد خود و پسر خود معن غزوہ بدر میں حاضر تھے مگر اہلِ بدر میں ان کا نام معروف نہیں۔ البتہ یہ تینوں بیعت نبوی سے مشرف ضرور ہوئے۔

کثیر بن مرہ اور سلیم بن عامر نے ان سے روایات بیان کی ہیں۔ رضی اللہ عنہم

۲۳۸۔ یزید بن ثابت بن الضحاک الانصاری رضؓ

یہ مشہور صحابی زید بن ثابت کے بھائی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ بدر میں بھی شامل تھے۔ احد میں ان کی شمولیت اور جنگ یمامہ میں ان کا شہید ہونا تو مسلّمہ ہے۔ زید بن ثابت نے ان سے روایت کی ہے رضؓ

۲۳۹۔ یزید بن ثعلبہ بن خزمہ رضؓ

قبیلہ بلّی سے ہیں انصار بنو سالم بن عوف کے حلیف تھے بیعت عقبہ یا عقبتین میں حاضر تھے۔ بدری ہیں احد میں بھی حاضر تھے ابو عبد الرحمٰن کنیت سے مشہور تھے۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۰۔ یزید بن حارث الانصاری رضؓ

یزید بن حارث بن قیس بن مالک بن احمر بن حارثہ بن ثعلبہ بن کعب بن الحارث بن الخزرج

انہی کو یزید بن فسحم بھی کہتے ہیں۔ مواخات میں ذو الشمالین مہاجر ان کا بھائی تھا۔ بدر میں حاضر ہوئے اور اسی روز شہید بھی ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۱۔ یزید بن عامر بن حدیدۃ انصاری رضؓ

بنو سواد بن غنم میں سے ہیں۔ سب متفق ہیں کہ یہ بیعت عقبہ میں شامل تھے موسیٰ بن عقبہ نے ان کا نام اہلِ بدر میں لیا ہے اور اکثر مورخین نے ان کو بدر و احد میں شمار کیا ہے۔ ابو المنذر کنیت سے معروف ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۲۔ یزید بن منذر الانصاریؓ

یزید بن منذر بن سرح بن خناس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ

عقبہ، بدر، احد میں حاضر تھے۔

سلسلہ مواخات میں عامر بن ربیعہ حلیف بنو عدی المہاجران کے بھائی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۳۔ ابو صرمہ الانصاری المزنیؓ

ان کے نام میں اختلاف ہے مالک بن ابی بن انس یا مالک بن اسعدان کا نام بتایا گیا ہے۔

یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں سب کا اتفاق ہے کہ غزوہ بدر میں حاضر ہوئے اور دیگر مشاہد مابعد میں بھی ملتزم رکاب محمدی تھے ان کا شمار عمدہ شاعروں میں کیا جاتا ہے۔ نمونہ کلام درج ہے۔

لناصرم یزدل الحق فیھا … واخلاق یسود بھا الفقیر
ونصح للعشیرۃ حیث کانت … اذا ملئت من الغش الصدور
وحلوکا یسوغ الجھل منہ … واطعام اذا قحط الصبیر
بذات ید علی ما کان فیھا … نجود بہ قلیل او کثیر

ان سے احادیث کی بھی روایت ہوتی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۴۔ ابو الضیاح الانصاری الاوسیؓ

ان کا نام نعمان یا عمیر بتایا گیا ہے۔ بن نعمان بن اُمیہ بن امرا القیس ہیں اور کنیت کے ساتھ معروف، بدر واحد اور خندق وحدیبیہ میں حاضر تھے جنگ خیبر میں آب شمشیر سے شربت شہادت پیا۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۵۔ ابو علیٰ الحارثی الانصاریؓ

بدر میں حاضر تھے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں انتقال کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ان کی عیادت کو بھی تشریف لے گئے تھے۔ محمد بن کعب قرظی اور صالح نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۶۔ ابو فضالہ انصاریؓ

بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور صفین میں امیر المومنین علی کے ساتھ حاضر تھے۔

ان کے فرزند فضالہ بن ابو فضالہ نے بیان کیا ہے کہ ایک بار علی مرتضیٰ اینبوع میں سخت بیمار ہو گئے حالت خطرناک ہو گئی۔ میرے والد نے کہا بہتر ہے کہ ہم آپ کو مدینہ میں لے چلیں۔ یہاں تو قوم جہینہ کے سوا اور کوئی جنازہ پر بھی آنے والا نہیں، مرتضیٰ نے فرمایا میں اس معرض میں فوت نہ ہوں گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا ہے کہ میری موت اس وقت ہو گی جبکہ میرے سر کے خون سے میری داڑھی رنگین ہو گی۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۷۔ ابو قتادہ انصاری السلمیؓ

یہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، "فارس رسول اللہ" ان کا لقب تھا۔

ان کے نام میں سخت اختلاف ہے۔ حارث یا نعمان یا عمرو بن المعلی کہا گیا ہے۔ بعض نے نعمان بن عمرو بتایا ہے اور بعض نے بلدمہ بن خناس یہ مسلم ہے کہ اُن کی والدہ کبشہ بنت مظہر بن حرام ہیں۔ ابن عقبہ و ابن اسحٰق نے ان کا نام اہلِ بدر میں نہیں لکھا لیکن واقدی کی تحریر اور دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بدر میں حاضر تھے سب کا اتفاق ہے کہ امیر المومنین علی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ نماز جنازہ میں سات یا چھ تکبیریں ادا کی تھیں۔ اہل بدر کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جایا کرتی تھی۔

غزوہ احد میں اور دیگر مشاہد میں ہمرکاب نبوی رہے اور خلافت علی مرتضیٰ میں بھی جملہ مشاہد میں جناب مرتضوی کی طرف حاضر رہے۔

۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

۲۴۸۔ ابو ملیل الانصاری الضبعی رضی اللہ عنہ

ابو ملیل بن ازعر بن زید بن عطاف بن ضبیعہ

بدر و احد میں حاضر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ
هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ ۴)

اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی، اور اللہ کی بات اونچی ہی ہے۔
اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔



واقعۂ ہجرت
کی عالمگیر اہمیت

واقعۂ ہجرت کی عالمگیر اہمیت

تحریر:- ڈاکٹر سید مطلوب حسین

ہجرت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ہَجَرَ، یَہجُرُ، ہَجراً ہے۔ اس کے لغوی معنی ترک کرنا، چھوڑنا، قطع تعلق کرنا، الگ ہونا، نیند میں بڑبڑانا، خواہشات کا ترک کرنا اور جذبات پہ قابو پانا ہیں۔ لیکن ادب اور تاریخ میں انہی مفاہیم سے جدائی، خانہ بدوشی، ترک وطن اور نقل مکانی کے مطالب اخذ کئے گئے ہیں۔

اگر مؤخر الذکر دو معنوں کو سامنے رکھا جائے تو تمام انسانی زندگی ہجرت سے عبارت معلوم ہوتی ہے۔ ہجرت افراد نے بھی کی ہے اور قبائل و اقوام نے بھی۔ اس کے اسباب و مقاصد بہرحال مختلف رہے ہیں۔ کسی نے دشمن کے خوف سے وطن چھوڑا، کسی نے قحط کے ڈر سے، کسی نے حصول ملازمت کے لئے دیار غیر کا سفر کیا تو کسی نے سیاحت کی غرض سے۔ کوئی سیلاب میں بہہ کر دوسری ولایت پہنچ گیا تو کوئی غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ کسی نے کشور کشائی کے لئے بلاد و امصار بپیروں تلے روند ڈالے تو کسی نے گدائی میں "ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست" کہتے ہوئے ہر روز ایک نیا وطن آباد کیا۔

ان ہجرتوں نے مثبت و منفی دونوں قسم کے اثرات مرتب کئے۔ افراد نے افراد کو اور اقوام نے اقوام کو متاثر بھی کیا اور تباہ و برباد بھی۔ لیکن اس کے باوجود نسل انسانی کو تجربات حاصل ہوئے جس سے حیاتِ انسانی کو ارتقاء کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے میں مدد ملی۔ "توڑ پھوڑ"، خوف و ہراس، تباہی و بربادی سے بھرپور ہجرتوں کے ساتھ ساتھ بعض ایسی ہجرتیں بھی ہوئیں جنہوں نے ہر دور میں انسان کی اصلاح و فلاح اور تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں خاص طور پر مثبت کردار سر انجام دیا۔ یہ ہجرتیں منشائے ایزدی کے تحت، انبیاء اور مرسلین علیہم السلام نے کیں، مبلغین اور مصلحین نے کیں۔ کبھی انفرادی طور پہ اور کبھی اجتماعی طور پہ۔ ان کے نتائج تاریخ پر ہمیشہ مفید اور گہرے نقش ہوئے ہیں۔

ان میں سرفہرست ہجرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ جسے مذہبی کتابوں اور تاریخ میں ہبوط کا نام دیا گیا ہے۔ مذہبی روایات کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو خلق کیا تو انہیں خلا میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے شجر ممنوعہ کو چھونے یا اس کے قریب جانے سے روکا۔ لیکن شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور وہ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکے یہ فعل سرزد ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں بہشت کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں کی طرف ہبوط کا حکم دیا جو تخلیق آدم سے قبل وجود میں آ چکی تھی۔

دونوں ساتھی زمین پہ مختلف مقامات پر اترے۔ جب انہوں نے آنکھ کھولی ہو گی تو ہر طرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا نظر آیا ہو گا دن کو سورج کی روشنی اور حرارت، رات کو ستاروں کی سبک خرامی، چاند کی ملگجی روشنی، فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، زمین پر سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور نشیب و فراز، نباتات کی صورت آرائیاں، پھولوں کی رعنائیاں، پرندوں کی نغمہ سنجیاں، غرضیکہ تمام تماشا گاہ ہستی میں حسن کی نمائش، نظر افروزی اور رنگ و نور کی جلوہ آرائی کے باوجود انہیں کوئی رعنائی اور زیبائی مسحور نہ کر سکی

دوسری طرف بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا زلزلہ، دریاؤں کا سیلاب، ہواؤں کا طوفان، صحرا کا گرد و غبار اور تخریب کی دوسری ہولناکیاں انہیں ڈرا نہ سکیں اور نہ ہی تنہائی کے احساس نے اُن میں مایوسی اور قنوطیت پیدا کی۔ البتہ جنت گم گشتہ کے تصور اپنے کئے کا پچھتاوے اور ساتھی سے جدائی کے غم نے انہیں محوِ سفر رکھا حتیٰ کہ وادیٔ عرفات میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی ملاقات کا اہتمام کیا۔

یہ انسان کی پہلی ہجرت تھی جو اقطار السموات سے زمین کی سطح پہ آ کر رکی اور پھر زمین کے کونوں سے اُس کے مرکز پر آ کر اختتام پذیر ہوئی بہر حال جب حضرت آدم اور حوا کو ہجر و فراق کے صدمے سے نجات ملی تو زندگی ایک ڈگر پہ چل نکلی۔ اس کے بعد اولاد آدم پھلی پھولی اور زمین کی مختلف سمتوں میں پھیل گئی۔

اس ہجرت کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں انسان کی شکل میں ایک ایسی مخلوق زمین پہ آباد ہوئی جسے عقل، نطق، علم ارادہ، جذبات و احساسات کی وجہ سے کائنات میں اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر زمین کی تمام اشیاء، جمادات، نباتات اور حیوانات میں اُس کے لئے افادہ و فیضان کی ایسی صورت پیدا کی کہ انسانی زندگی کے ہر گوشہ کو ہر طرح کی وابستگی، تسکین اور آسودگی میسر ہو۔ شروع میں چونکہ ان اشیاء کا حصول آسان نہ تھا اس لئے انسان کو بڑی تگ و دو کرنا پڑی۔ اور اس کی یہی دوڑ دھوپ اور محنت انسانی تمدن کے ارتقا کا سبب بنی ان مادی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُس کی معنوی ہدایت کے لئے بھی فیضان کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلے دور کے انسان کے لئے خود حضرت آدم علیہ السلام کا وجود چشمۂ فیض تھا۔ جس سے ابتدائی انسان نے اپنی معنوی پیاس بجھائی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اُس پہ یا تو فکرِ معاش کا زیادہ غلبہ رہا یا پھر اُس نے مادی تسکین و راحت کے حصول کی طرف میلان رکھا۔ جس کے نتیجہ میں اُس کی روحانی اور اخلاقی حالت بد سے بدتر ہونے لگی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی وفات سے قبل صرف ۷۰۰ سال کی قلیل مدت میں آٹھ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے۔ گویا تقویم کی کوئی بھی صدی کسی نبی کی بعثت سے خالی نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود انسان کی طبیعت سرکشی کی جانب مائل رہی حتیٰ کہ وفات آدم علیہ السلام کے صرف ۱۰۵۶ سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اُنہوں نے کئی سو سال تک اپنی قوم کو دعوت حق دی اُن کی قوم نے اُس کے جواب میں نہ صرف یہ کہ احکامِ الٰہی کی کھلی نافرمانی کی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے چند ماننے والوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اللہ تعالےٰ نے اُنہیں سزا دینے کے لئے ایک زبردست طوفان بھیجا۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی سالہا سال کی رشد و ہدایت کے باوجود جب اُن کی قوم راہِ راست پہ نہ آئی تو اللہ تعالےٰ نے اُن پہ وحی نازل کی اور فرمایا کہ اب اس قوم پر محنت فضول ہے جو ایمان لا چکے سو لا چکے غرقابی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ ہم ایک کشتی بنانا شروع کرو۔ اُنہوں نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کشتی بنانا شروع کی۔ منکرین میں سے جو کوئی بھی گزرتا وہ اُن کا تمسخر اڑاتا اس کے باوجود وہ اُنہیں سمجھاتے رہے کہ تم اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ عنقریب ایک طوفان آنے والا ہے۔ یہ مذاق تمہارے لئے سامان عبرت بنے گا۔ مگر وہ باز نہ آئے اور طوفان کا وقت آ گیا۔ حضرت نوح نے فرمانِ خداوندی کے مطابق اپنے اہل و عیال، مٹھی بھر مومنین اور تمام جاندار مخلوق کا ایک ایک جوڑا لے کر اُنہیں کشتی میں سوار کر لیا۔ ایک طرف زمین سے چشمے اُبلنے لگے اور دوسری طرف آسمان سے چھاجوں پانی برسنے لگا۔ کشتی اس طوفان میں روانہ ہو گئی۔ اسرائیلی ایک روایت کے مطابق یہ طوفانِ باد و باراں چالیس روز تک جاری رہا جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس کی مدت ڈیڑھ سو ایام بتائی گئی ہے۔

بارش تھم گئی، طوفان رک گیا اور پانی اتر گیا تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری۔ جہاں سے نیچے اتر کر حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے آکر ایک بستی آباد کی۔ ایک روایت کے مطابق اس بستی کا نام "سوق الثمانین" رکھا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ طوفان سے بچنے والے کل افراد کی تعداد اسّی تھی۔

یہ دوسری عظیم ہجرت تھی۔ جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انجیل کے باب پیدائش کے مطابق اِس طوفان سے تمام مخلوق خدا متاثر ہوئی اور سوائے کشتی نوح پر سوار افراد اور حیوانات کے روئے زمین پر زندگی کے تمام آثار مٹ گئے۔ اس کے بعد حضرت نوح نے اہلِ ایمان کی مدد سے دنیا کی از سرِ نو تعمیر کی۔ اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں تقریباً وہی کام سرانجام دینا پڑا جو حضرت آدم علیہ السلام نے ہبوط کے بعد دیا۔ لیکن دونوں میں ایک نمایاں فرق تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جس انسان کو تربیت دی وہ ذہنی لحاظ سے بالکل بچہ تھا جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی ہر لحاظ سے عاقل و بالغ تھے۔ اسی وجہ سے موخر الذکر نے نسبتاً ایک اعلیٰ اور ارفع تمدن کی بنیاد رکھی۔ اس کا ثبوت ہمیں یوں ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے تین سو سال بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شعور کی آنکھ کھولی تو اُنہوں نے عراق کے ایک علاقے میں ایسا معاشرہ دیکھا جو ہر لحاظ سے ترقی یافتہ اور مہذب تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ۱۹۴۸ سال بعد عراق میں پیدا ہوئے اُن کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعہ، حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ جب اُنہوں نے ہوش سنبھالا تو ہر طرف بُت پرستی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ بلکہ گھر میں تو بُت گری اور بت فروشی باقاعدہ ایک پیشہ تھا۔ جب اُنہوں نے بت پرستی کے خلاف آوازہ حق بلند کیا تو اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے۔ باپ نے گھر سے نکال دیا۔ اسی عالم میں نمرود کے دربار میں حاضری دینا پڑی۔ بُت شکنی کے جرم میں آتشِ نمرود میں جھونکے گئے۔ حق غالب آیا لیکن عراق چھوڑنا پڑا۔ اپنی بیوی حضرت سارہ، اپنے برادر زادہ حضرت لُوط اور اُن کی اہلیہ کو لے کر فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ پھر اہل و عیال کو چھوڑ کر تبلیغ دینِ حنیف کی خاطر مصر کی طرف ہجرت کی۔ جہاں کے بادشاہ نے اپنی بیٹی حضرت حاجرہ کو اُن کے نکاح میں دے دیا۔ جن کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ پہلی بیوی کی آزردگی کے سبب ماں بیٹے کو ساتھ لیا اور ایک اور ہجرت کی۔ یہ کاروانِ ہجرت صرف تین افراد پر مشتمل تھا۔

خدا کا قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
مسلط جن کو ہونا تھا زمین و آسمانوں پر

یہ ہجرت صرف افراد کی ہجرت تھی، لیکن تاریخ ہجرت میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں۔ حضرت حاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے وادئ غیر ذی ذرع کو اپنا وطن بنایا۔ جو بعد میں مکہ کے نام سے عالمگیر شہرت کا حامل ہوا۔ یہ وادی سنگلاخ چٹانوں اور بے آب و گیاہ اراضی پر مبنی تھی لیکن ان دو مقدس ہستیوں کے قدموں کی برکت سے ہر طرح سے آباد ہو گئی۔ پانی بھی میسر آ گیا۔ کھانے کا بندوبست بھی ہو گیا۔ چشمۂ شیریں (زمزم) کے جاری ہونے سے قافلے بھی قیام کرنے لگے۔ اِدھر اُدھر سے آکر کچھ لوگ بھی آباد ہو گئے۔

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سنِ بلوغت کو پہنچے تو شفقتِ پدری نے زور مارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کا رخ کیا۔ پھر اللہ تعالےٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹے نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی جو آنے والے تمام زمانوں کے لئے آلِ ابراہیم اور پھر تمام عالم اسلام کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مرکز قرار پایا۔ آلِ اسمٰعیل یہیں پر آباد رہی۔ اُنہیں ہر دور میں اہلِ عرب کی سیادت کا شرف حاصل رہا۔ اس حقیقت کے باوجود

کہ جزیرہ نما عرب میں حکومت، سلطنت، ریاست، مملکت وغیرہ کا کوئی تصور نہ تھا، ہر قبیلہ کے لوگ اپنے قبائلی معاملات اور باہمی جنگ و جدل کے فیصلوں کے لئے اہلِ مکہ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ اسی مقصد کے تحت اُن کے ایک بزرگ قصی نے مکہ میں دارالندوہ کی تعمیر کی تھی جس میں مختلف امور کے لئے مختلف قبائل قریش کو قیادت سونپی گئی تھی۔ مکہ کے تقدس اور کشش میں سب سے بڑا متحرک خانہ کعبہ کا وجود تھا۔ جہاں تمام اہلِ عرب ہر دور میں زیارت کے لئے آتے، حج کرتے اور اپنے جھگڑوں کو حل کر کے صحرا میں پھیل جاتے مکہ کی یہ عظمت اس پر ابرہہ کے عظیم لشکر کی حملہ آوری کا سبب بنی۔ اُس کے لشکریوں کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے ابرہہ نہ صرف اپنے مذموم عزائم میں ناکام ہوا بلکہ اُس کا ایسا عبرت ناک انجام ہوا کہ اُس کے بعد بھی کسی کو اہل مکہ پر حملہ کرنے کی جراُت نہ ہو سکی۔ یہ روایت آج تک قائم ہے۔ ارضِ مقدس کے کناروں سے روم و فارس کی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف بار بار گزریں، یہ سرزمین گھوڑوں اور جنگی رتھوں سے بار بار روندی گئی لیکن کسی کی ارضِ حجاز کی طرف نگاہ بھی نہ اُٹھ سکی۔ اور یہ علاقہ اپنی مقدس روایات کے ساتھ تمام عالم کے اثر و نفوذ سے محفوظ رہا۔

جس طرح حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد وادیٔ طیبہ میں پھلی پھولی بالکل اسی طرح اُن کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد فلسطین کے علاقے میں آباد و خوشحال ہوگی۔ یہیں پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو حضرت اسحٰق کے بیٹے تھے۔ اسرائیل انہی کا لقب تھا۔ جو عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "عبداللّٰہ"۔ یہ لقب اللّٰہ تعالےٰ نے اُن کی بندگی سے خوش ہو کر دیا تھا۔ اُن کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے دو چھوٹے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یمین ایک ماں کے بطن سے تھے اور باقی دس دوسری ماؤں سے تھے۔ دونوں چھوٹے بیٹوں کی والدہ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان دونوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللّٰہ تعالےٰ نے حسن و جمال کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ نیز اُن کی عادات و خصائل احسن تھیں۔ اُن کے دوسرے بڑے بھائی گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے جبکہ حضرت یوسف اپنے والد کی آنکھوں کا تارا بنے ہمہ وقت اُن کی صحبت و نگرانی میں رہتے اس وجہ سے دوسرے بھائی اُن سے حسد کرنے لگے۔ اُنہوں نے سازش کر کے اُنھیں اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ جہاں سے ایک قافلے نے انہیں نکال لیا اور مصر میں ایک سردار کے پاس بطور غلام فروخت کر دیا۔

اس طرح یوسف علیہ السلام کی فلسطین سے مصر کو جبری ہجرت فرد واحد کی ہجرت تھی اس واقعہ نے مصر کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ حضرت یُوسف نے ایک غلام کی حیثیت سے سزائے زنداں بھی برداشت کی، لیکن پھر ترقی کرتے ہوئے، پہلے عزیزِ مصر کے مشیر و وزیر مقرر ہوئے اور پھر وہاں کے حکمران (عزیز) متعین ہوئے۔ دونوں حیثیتوں میں اُنہوں نے مصر کی تہذیب و اصلاح اور خوشحالی و فارغ البالی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت یُوسف علیہ السلام کے دورِ حکومت میں اُن کے والدین اور سب بھائی بھی نقل مکانی کر کے مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس آکر آباد ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ایک طویل عرصہ تک آلِ اسرائیل مصر میں خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب مصر پر قبطیوں کی حکومت ہوئی اور یکے بعد دیگرے فراعین عنانِ حکومت سنبھالتے رہے تو اُن کا رویہ آلِ اسرائیل کے ساتھ بدلتے بدلتے ایسا ہو گیا کہ اُن کی حیثیت مصر میں غلاموں کی سی رہ گئی۔ پھر کتاب سفر کے مطابق ایک فرعون نے آلِ اسرائیل کی افرادی قوت کو کم کرنے کے لئے ایک حکم ناطق جاری کیا کہ آئندہ تمام نومولود لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ اسی زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی ولادت ہوئی وہ کسی نہ کسی طرح اس واردات سے محفوظ ہو کر فرعون کے محل میں پرورش پانے لگے۔ وہیں اُن کی والدہ بھی دودھ پلانے کے لئے پہنچ گئیں۔ اس طرح وہ اپنی والدہ کے سایۂ عاطفت میں فرعون کے محل میں پرورش حاصل کرتے ہوئے جوانی کو پہنچے۔ اُنہوں نے بنی اسرائیل کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو اُن کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے اِس بنا پر اُنہیں مصر کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور مدین میں قیام پذیر ہوئے ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ وہ اپنی قوم کو فرعون کے عذاب سے بچائیں تو وہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی معیت میں مصر پہنچے اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ اپنی قوم کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ فرعون مصر کے جادوگروں سے مقابلے بھی کئے لیکن فرعون پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ آل اسرائیل کے درپے آزار رہا۔ ان حالات سے پریشان ہو کر حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر ہجرت کے لئے نکل پڑے۔ کتاب سفرؔ کے مطابق مہاجرین کی تعداد عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر چھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ جو ممکن ہے مبالغہ آمیز ہو۔ لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ اس ہجرت میں ایک بہت بڑی تعداد نے حصّہ لیا۔

فرعون کو پتہ چلا تو اپنے لشکر کے ساتھ اُن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں سمندر تھا۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا سمندر پر مارا۔ پانی دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا اور حضرت موسیٰ کی قوم حفاظت کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ فرعون نے اُن کے تعاقب میں لشکر کو اُتار دیا۔ ابھی وہ سمندر کے درمیان ہی میں تھے کہ پانی کے دونوں حصّے مِل گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت پانی میں غرق ہو گیا۔

پانی سے نکل کر حضرت موسیٰ کی قوم صحرائے سینائی میں اس عالم میں پہنچی کہ نہ اُن کے پاس دُھوپ سے بچنے کے لئے کوئی خیمہ تھا اور نہ ہی سایہ میسّر تھا۔ نہ ہی کھانے پینے کے لئے اشیاء دستیاب تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے زمانۂ مہاجرت کے دوران میں چالیس سال تک آسمان کو ابر آلود رکھا اُن کے کھانے کے لئے مَن و سلویٰ عطا کیا۔ پانی کی احتیاج ہوئی تو ضربِ کلیمی سے ایک چٹان میں سے بارہ پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور تمام قبائل نے اپنے لئے الگ الگ چشمہ مخصوص کر لیا۔

آخر اُن کی صحرا نوردی کا دور ختم ہوا اور وہ ارضِ فلسطین میں داخل ہو گئے۔ ویسے تو فلسطین کا علاقہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق علیہما السلام کے زمانے میں خاص اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ آل اسرائیل کی ہجرت سے اس کی عظمت و تقدس میں مزید اضافہ ہوا۔ خاص طور پر بیت المقدس کا مقام تو زیادہ احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ کیونکہ یہیں پر قبۃ الصخرا تھا جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کروائی تھی۔ پھر تابوت سکینہ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے آثار تھے، اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اسی مقام پر محفوظ کیا گیا

بنی اسرائیل کی آمد سے اس شہر کی شہرت اور عزّت کو چار چاند لگ گئے۔ ابتداء میں اُنہوں نے فلسطین میں امن امان قائم رکھا اور دینِ حنیف کی روح برقرار رکھی۔ پھر مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر وہ بھی شرک و کفر کی رسـ ـے میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا چنانچہ تھوڑے عرصے میں اُن پر فلسطیوں نے حملے شروع کر دے۔ اور وہ تابوت سکینہ بھی چھین لیا جس میں تبرکات محفوظ تھے۔ جالوت بادشاہ کے دور میں اُن پر مظالم کی انتہا ہو گئی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے اُن کے درمیان طالوت کو پیدا کیا جس نے رفتہ رفتہ آل اسرائیل کی کھوئی ہوئی اور منتشر طاقت کو جمع کیا اور جالوت کے لشکر کے ساتھ نبرد آزمائی شروع کر دی۔ ان جنگوں میں ایک نوجوان داؤد نے بہادری کے جوہر دکھائے جالوت اُسی کے ہاتھوں قتل ہوا اور پھر ایک بار فلسطین میں بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہو گئی۔

ایک خاص وقت پر اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بیک وقت نبوت اور بادشاہت کے مناصب پر فائز کیا۔ اُن کے دور میں آل اسرائیل نے صرف فلسطین اور اُس کے قرب و جوار میں ہی سلطنت قائم نہیں کی بلکہ اُس کی سرحدیں دُور دراز علاقوں تک پھیل گئیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے وراثت میں بادشاہت بھی ملی۔ اُنہوں نے اپنے دور میں بیت المقدس میں عظیم ہیکل سلیمانی کی تعمیر بھی کروائی۔ اور آل اسرائیل کو اتنی شہرت و توقیر دی کہ اُس کی نظیر نہ اس سے پہلے تھی اور نہ ہی بعد کے ادوار میں ملتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اُن کی طاقت پھر زوال پذیر ہونے لگی اور وہ بداخلاقیوں اور شرک و کفر میں مستغرق ہو گئے۔ حضرت الیاس اور حضرت الیسع علیہما السلام نے اُنہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود حتیٰ کہ بخت نصر نے اُن پر حملہ کر کے انہیں تاراج کر ڈالا مقامات مقدس تباہ و برباد کر دیے اور اُنہیں ملک بدر کر دیا۔ البتہ ایران کے خسرو نے ۵۳۹ قبل مسیح میں بابل فتح کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو دوبارہ فلسطین جانے کی اجازت دے دی۔ بیت المقدس بھی آباد ہوا اور ہیکل سلیمانی کو از سر نو تعمیر کیا۔ اس زمانے میں حضرت عزیر علیہ السلام نے تجدید شریعت کا بہت کام کیا اور تورات مرتب کی لیکن اُنہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ بلکہ شمالی فلسطین کے اسرائیلیوں نے تو بیت المقدس کے مقابلے میں اپنا الگ قبلہ بھی مقرر کر لیا۔

پھر ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور یونانیوں کے عروج نے اُن کو خاصا نقصان پہنچایا۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر اُن میں ایک زبردست تحریک اُٹھی جو مکابی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے نتیجے میں اُن کی ایک آزاد مذہبی ریاست قائم ہو گئی جو ۶۷ قبل مسیح تک موجود رہی۔ پھر یہ علاقہ رومتہ الکبریٰ کی حدود میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کا مرکز اسی علاقے کو بنایا۔ لیکن بنی اسرائیل نے رومی گورنر کو اُن کے خلاف بغاوت اور ملک دشمنی کی شکایات کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانا چاہا۔ جب رومی قیصر قسطنطین نے عیسائی مذہب قبول کیا اور قسطنطنیہ کو مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت بنایا تو فلسطین بھی عیسائیوں کے اثر و نفوذ میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں اسے اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد بھی اس علاقے نے متعدد نشیب و فراز دیکھے۔ اور آج یہ پھر آل اسرائیل کے قبضے میں ہے غرضیکہ اس علاقے پر جتنے اثرات دیکھنے میں آئے، سب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کی ہجرت کے بعد شروع ہوئے۔

ابھی تک ہم نے جن ہجرتوں کا ذکر کیا ہے اُن کا تعلق ایک مخصوص سرزمین۔ شام، فلسطین، بابل عراق اور مصر و عرب تک محدود رہا ہے۔ ان کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ہجرتیں ہوئی ہوں گی، انفرادی اور اجتماعی بھی، لیکن تاریخ میں جتنا اہم کردار ان ممالک نے ادا کیا ہے، دوسرے ممالک نے نہیں کیا۔ از منۂ قدیم کی تاریخی جنگیں یہیں پر لڑی گئیں۔ نئی تہذیب و تمدن کو انہی علاقوں نے جنم دیا۔ زیادہ تر انبیاء علیہم السّلام انہی علاقوں میں پیدا ہوئے، اُنہی علاقوں کو اُنہوں نے تبلیغ دین کا مرکز بنایا اور یہیں پر مدفون ہوئے۔

یہ تمام ہجرتیں مذہبی نوعیت کی تھیں۔ ان کے پیچھے ہمیشہ کسی نہ کسی برگزیدہ پیغمبر کا ہاتھ تھا۔ ان میں سے آدم اور نوح علیہما السلام کو چھوڑ کر باقی سب کا تعلق انبیائے بنی اسرائیل سے تھا۔ اس لئے ان ہجرتوں کا حال یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں۔ توریت اور اناجیل میں تفصیل سے ملتا ہے اس لئے یہ دونوں قومیں نہ صرف انبیاء کی صداقت و عظمت کی قائل ہیں بلکہ ان ہجرتوں کو دینی تحریکوں کی حیثیت دیتے ہیں۔ اور ان کی کامیابی کو ایک حد تک اُن کی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ ان ہجرتوں کی طرح ایک اور ہجرت ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ کی طرف کی گئی۔ یہ ہجرت جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی، تمام سابقہ ہجرتوں سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی، کیوں؟ اس کا جواب ہم مناسب مقام پر دیں گے۔ لیکن فی الحال اس قدر بیان

کرنا ضروری ہے کہ جس طرح سابقہ ہجرتیں انبیائے آلِ اسرائیل کی نبوت کی دلیل ہو سکتی ہیں۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب ہجرت بھی آپ کی نبوت کی صداقت کے لئے ایک دلیل ضرور ہے۔

لیکن اس کے برعکس مستشرقین کی ایک جماعت جن میں کیتانی، سپرنگر، جرجی زیدان، بیکر، فلپ ہٹی وغیرہ سرِفہرست ہیں، نیز جن کا تعلق ان دونوں مذاہب۔ یہود و نصاریٰ سے ہے، نے اس ہجرت کی اہمیت کو کم کرنے اور پیغمبر اسلام کی نبوت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنے کے لئے ایک نظریہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ابتدائی عربوں نے صحرا کو بطور وطن اپنایا تو رفتہ رفتہ اُن کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ صحرا کی بے رحم آب و ہوا اور قلیل پیداوار اُن کی کفالت نہ کر سکی۔ اس لئے اُن کی کثیر تعداد نے ہلالِ زرخیز کی طرف ہجرت کی۔ اُن کا کہنا ہے کہ اس قسم کی ہجرت ہر ہزار سال بعد ہوتی تھی۔ اُنہوں نے تاریخ سے اس قسم کی چار پانچ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ اور پھر ہلالِ زرخیز کی طرف توسیع دراصل سامی ہجرت کا آخری دور تھا۔ ان دونوں میں صرف یہ فرق تھا کہ یہ ہجرت زیادہ منظم، توانا اور عسکری نوعیت کی تھی۔

مستشرقین کے نظریے کی تردید یا تائید سے قبل اُن ہجرتوں کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔

۱۔ سامی النسل عربوں کی پہلی ہجرت ۳۵۰۰ قبل مسیح میں ہوئی جس میں فاضل آبادی نے جزیرہ نمائے عرب کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے وادیٔ نیل میں قدم رکھا یا پھر مشرقی افریقہ کا شمالی راستہ اختیار کرتے ہوئے مصر میں رہائش اختیار کی۔ مقامی آبادی اور مہاجرین کی باہمی آمیزش نے مصری تاریخ پر بڑا اثر ڈالا۔ ان دونوں عناصر نے ہمارے تمدن کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ انہی لوگوں نے مل کر عمارت سازی کے فن کو بھی ترقی دی اور شمسی تقویم کی ارتقاء میں حصہ لیا۔

۲۔ تقریباً اسی دور میں ایک متوازی ہجرت بھی ہوئی جس میں مہاجرین نے مشرقی راستہ اختیار کرتے ہوئے وادیٔ دجلہ و فرات میں قدم رکھا۔ اُس زمانے میں یہ سرزمین سمیریوں کے قبضۂ قدرت میں تھی جو خاصے مہذب اور متمدن لوگ تھے۔ اہلِ عرب خانہ بدوش وحشیوں کی طرح سے وادی میں داخل ہوئے تھے لیکن وہاں کے مقامی لوگوں سے اُنہوں نے مکانات بنانے اور آبپاشی کے طریقے سیکھے۔ سمیریوں کا سامی نسل سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان دونوں کے امتزاج سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوئی جو تاریخ میں اہلِ بابل کے نام سے مشہور ہے۔ اس نئی قوم نے اہلِ مصر کی طرح تہذیبی ورثے کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں دوسری ایجادات کے علاوہ اُنہوں نے فنِ تعمیر میں محراب سازی اور قوسی چھتیں بنانے کی ابتداء کی۔ اُنہوں نے پہیوں والی گاڑیاں استعمال کیں اور وزن اور ناپ کے پیمانے ایجاد کئے۔

۳۔ تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح میں سامی النسل لوگوں کی ایک اور ہجرت ہلالِ زرخیز کی طرف ہوئی۔ ان کی اور اہلِ کنعان کی آمیزش سے جو نسل تیار ہوئی وہ عموریین کہلاتے تھے جبکہ اہلِ یونان انہیں فونیقی کہتے تھے اس مخلوط نسل نے بنی نوع انسان کو حروفِ ابجد سے آشنا کرایا جو تعداد میں بائیس تھے۔

۴۔ ۱۵۰۰ ق م اور ۱۲۰۰ ق م کے درمیان عبرانیوں نے جنوبی شام، فلسطین اور آرمینیہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ سب سے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے انسان کو توحید کا تصور دیا جو دنیا کے تین بڑے مذاہب۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

۵۔ تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح میں اہلِ انباط نے جزیرہ نما سینائی کے شمالی مشرقی علاقے کی طرف ہجرت کر کے وہاں کی وطنیت اختیار کی۔ اُنہوں نے رومی اقتدار کے زیرِ اثر شاندار ترقی کی جس کی مثال بطرا (PETRA) کے کھنڈرات ہیں۔ یہ مقام سبا اور بحیرۂ روم کے درمیان کاروانِ تجارت کی گزرگاہ پر کلیدی شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا موجودہ نام وادیٔ موسیٰ ہے۔

مندرجہ بالا ہجرتوں کے تذکرے کے بعد جب مستشرقین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت کی طرف اپنا اشہب قلم موڑتے ہیں تو سطحی طور پر ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں معروف مستشرق فلپ ہٹی اپنی کتاب تاریخ اہل عرب میں یوں رقمطراز ہے۔

"یہ واقعہ (ہجرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اپنی جائے پیدائش کو ایک غیر پسندیدہ نبی کی حیثیت سے چھوڑ کر آپ نے شہر (مدینہ) میں ایک معزز رئیس کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ آپ کی روشن ضمیری پس منظر میں چلی گئی اور ایک عملی سیاسی شخصیت ابھر کر سامنے آ گئی۔ بالفاظ دیگر نبوت پر حکمت عملی غالب آ گئی۔"

یہی بات ایک دوسرے مستشرق منٹگمری واٹ نے دوسرے انداز سے کہی ہے۔

"آپ نے مکہ کو ایک نبی کی حیثیت سے چھوڑا اور مدینہ میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوئے۔"

لیکن مستشرقین کا یہ تجزیہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ہمیں پیغمبر اسلام کی مکی زندگی پر نظر ڈالنا ہوگی۔ آپؐ اپنی زندگی کے ابتدائی چالیس برس تک مکہ کی باوقار اور محترم شخصیت تصور کئے جاتے تھے۔ قبیلہ قریش کی معزز شاخ بنو ہاشم کے معزز فرزند۔ الصادق اور الامین کے القاب سے معروف جو اس دور جہالت میں مفقود صفات تھیں۔ تاہم اس سے ایک حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اُس زمانے میں بھی زندگی کی بنیادی اقدار۔ نجابت، شرافت، صداقت، دیانت، شجاعت بلکہ اہل عرب کی لغت کے مطابق مُروّۃ یہ نہ صرف یقین تھا بلکہ ان اقدار کے حامل افراد واقعی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ رسول اللہ میں چونکہ یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اس لئے آپ لاریب سب سے زیادہ معزز تھے۔ اُس حقیقت کا ادراک ہمیں عمارِ کعبہ میں سنگِ اسود کی تنصیب کے واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ یہ آپ کی بصیرت اور حکمت کا کمال تھا کہ آپؐ کے احسن فیصلے کی وجہ سے قریش کے قبائل میں ایک خونی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی

آپؐ کی عزت و وقار کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو اپنے کاروبار تجارت کے لئے ایک باصلاحیت اور دیانت دار منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُن کی نگاہ انتخاب بھی آپؐ پر ہی پڑی۔ اس کام کو آپ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ سر انجام دیا نیز اس دوران میں آپ کی خوبیوں، بھلائیوں اور نیکیوں کا پرتو جمیل جو سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ کے قلب و ذہن پر پڑا اُس نے اُنہیں آپؐ سے شادی کے لئے سوچنے پر مجبور کیا حالانکہ حضورؐ کے مقابلے میں قریش کے دیگر رؤسا بھی اِس رشتہ کے لئے درخواست گزار تھے۔

ایسی مثالیں اور بھی بہت سی مل سکتی ہیں۔ ان سے بہر حال یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ چالیس سال کی عمر تک جو عزت و شرف اور مقام حضورؐ کو حاصل تھا وہ مکہ کے رؤسا۔ اور شیوخ کو بھی میسر نہ تھا

لیکن جب آپؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور تمام اہل مکہ کو حق کی دعوت دی تو مخالفتوں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور کون سا ظلم و ستم ایسا تھا جو آپؐ کے لئے روا نہ رکھا گیا۔ ان حوادث کے باوجود بعض ایسی سعید طبیعت شخصیتیں تھیں جنہوں نے نہ صرف آپ کی تعلیمات کو سنا بلکہ آپؐ کے کردار و افعال اور پاکیزگی سے متاثر ہو کر اسلام بھی قبول کیا اور راہِ حق میں تمام مصائب اور مشکلات کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جب قریش کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تجربہ کیا اور اپنے صحابہ میں سے ایک جماعت کو تیار کیا کہ وہ سمندر پار جا کر حبشہ کے عوام، بادشاہ اور حکومت کے طور طریقے اور مزاج کو سمجھیں اور اسلام کی مقبولیت کے لئے لائحہ عمل مرتب کریں۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ یہ ہجرت

اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر کی گئی تھی غلطی ہوگی۔ اگر یہی مقصد پیش نظر ہوتا تو کمزور اور مفلس قسم کے صحابہ ہجرت کرتے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مہاجرین کی فہرست میں صرف معززین اور بڑے بڑے گھرانے کے افراد کے نام شامل ہیں جو مکہ میں رہ کر بھی اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔

یہ مختصر سی جماعت جو گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھی، صرف تین ماہ کا عرصہ گزار کر وطن واپس آئی۔ اس میں اگرچہ کفار مکہ کی باقاعدہ منصوبہ بندی کو دخل تھا تاہم جس مقصد کے لئے حضور علیہ السلام نے انہیں وہاں روانہ کیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے آپؐ نے کچھ عرصہ بعد ایک باقاعدہ جماعت ترتیب دے کر دوبارہ حبشہ بھیجی۔ اس کی راہ میں اہل مکہ نے بہت سی رکاوٹیں پیدا کیں مگر کارواں روانہ ہو کر حبشہ پہنچ گیا۔ یہ گروہ ۱۰۳ افراد پر مشتمل تھا۔

اس صورتِ حال نے کفار مکہ کو پریشان کیا۔ انہوں نے قیمتی تحائف دے کر ایک وفد شاہِ حبشہ کے دربار میں بھیجا۔ حضور شاہ تحائف نذر کرنے کے بعد مہاجرین حبشہ کی شکایت کی اور ان کی واپسی کے لئے عرض کیا۔ اس پر مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا گیا اور صورتِ حال کی وضاحت چاہی اس پر مہاجرین کے قائد جناب جعفر بن ابی طالب نے یہ جواب دیا۔

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مردار کا گوشت کھاتے تھے، بدکاری کا ارتکاب کرتے تھے۔ ہمسایوں کو تنگ کرتے تھے، طاقتور لوگ کمزوروں کا حق غصب کر جاتے تھے۔ پھر ہم میں ایک نبی مبعوث ہوا جس کی شرافت، دیانت، امانت اور پاکدامنی کے سب معترف تھے۔ اُس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور یہ تعلیم دی کہ ہم بتوں کو پوجنا ترک کر دیں، سچ بولیں، خونریزیاں چھوڑ دیں، صلہ رحمی کریں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ پڑوسیوں سے نیک سلوک کریں۔ ایک خدا کی عبادت کریں۔"

"ہماری قوم کو یہ باتیں گوارا نہ تھیں۔ وہ ہم پر ستم کرنے لگے۔ جب اُن کا ظلم و ستم حد سے زیادہ ہو گیا تو ہم آپ کے ملک میں آگئے۔ ہمیں امید ہے کہ یہاں کوئی زبردستی نہ ہو سکے گی۔" اور واقعی شاہ نجاشی نے اُن کے ساتھ کوئی زبردستی نہ کی۔ لیکن مشرکین قریش نے ایک دوسری ترکیب سوچی اور دوسرے روز دربار میں رسائی حاصل کر کے بادشاہ سے کہا کہ وہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُن کا عقیدہ معلوم کریں۔ اس پر مہاجرین کی دوبارہ طلبی ہوئی اور اُن سے دریافت کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُن کا کیا عقیدہ ہے۔ اس پر مسلمانوں کے قائد۔ حضرت جعفر طیار نے جواب دیا۔

"وہ (حضرت عیسیٰ) اللہ کے بندے، اُس کے رسول، روح الہٰی اور کلمۃ اللہ ہیں جو اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم کو مرحمت فرمایا"

اِس پر شاہ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھایا اور کہا کہ تمہارے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے کا بھی فرق نہیں۔

اس پر دربار میں موجود فوجی سرداروں اور مذہبی رہنماؤں کی تیوریوں میں بل پڑ گئے۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ مجھے تمہارے تیوریوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر مسلمانوں کی طرف رُخ کیا اور فرمایا۔

"آپ لوگ میرے ملک میں اطمینان سے رہ سکتے ہیں جو آپ لوگوں کو بُرا کہے گا سزا پائے گا جو بھی ناسزا کہے گا اُسے جرمانہ ہوگا جو کوئی اس کو سے گا سزا بھگتے گا۔ آپ کو دکھ دینے کے عوض اگر سونے کا پہاڑ بھی ملے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ نصیب ہوا خدا کی قسم اگر میں شاہی ذمہ داریوں میں گھرا ہوتا تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی جوتیاں سیدھی کرتا اور اپنے ہاتھوں سے اُن کو وضو کراتا۔"

اس کے بعد کے حالات کی تفصیل تو نہیں ملتی۔ البتہ اس بات کا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ:

۱۔ مسلمان مہاجرین جب تک حبشہ میں مقیم رہے انہیں کوئی دکھ اور تکلیف نہیں ہوئی۔

۲۔ خدا کے رسولؐ کی تعلیمات کا چرچا سُن کر حبشہ کے عیسائی پادریوں نے تحقیق حال کے لئے بیس تیس علماء پر مشتمل ایک وفد مکہ بھیجا جنہوں نے حضورؐ کی نشست و برخاست اور آداب و اطوار کا جائزہ لیا اور قرآن کریم کی چند آیات سے حضرت عیسٰی کے بارے میں اپنا عقیدہ درست کیا۔ مثلاً

"جس دن اللہ تعالٰے رسُولوں کو جمع کرے گا پھر پُوچھے گا کہ تمہیں لوگوں کی طرف سے دعوت حق) کا کیا جواب ملا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ یقیناً غیب کی باتیں تو ہی جاننے والا ہے جبکہ اللہ فرمائے گا اے عیسٰی ابن مریم! مَیں نے تم پہ اور تمہاری ماں پر جو احسانات کئے ہیں اُنہیں یاد کرو۔ جب میں نے تمہاری روح القدس کے ذریعہ مدد کی۔ تم پنگوڑے سے لے کر آخر عمر تک لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ اور جب ہم نے تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور تورات و انجیل۔ اور جب تم نے میرے حکم سے مٹی سے چڑیا بنائی اور میرے حکم سے اُس پر دم کیا تو وہ طائر بنی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرکے قبروں سے نکالتے تھے اور جب تم بنی اسرائیل کے پاس معجزے لے کر آئے اور اُس وقت میں نے اُن کو تم پر دست درازی کرنے سے روکا تو اُن میں سے بعض کفار بولے یہ تو صریحاً جادو ہے"۔ (سورۃ المائدۃ ۱۰۹ تا ۱۱۱)

روایت ہے کہ ان آیات کو سُن کر عیسائی رہنما شدتِ اثر سے رونے لگے۔ اُنہوں نے قرآن کریم کی تصدیق کی اور رسُول کریم کو سچا جانا۔ پھر یہ لوگ خانہ کعبہ سے اُٹھ کر آگے بڑھے تو ابُوجہل کے آدمیوں نے اُنہیں روک کر بہت بُرا بھلا کہا۔ مگر اُنہوں نے مطلقاً پروا نہیں کی۔

۳۔ شاہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور تا حیات اس عقیدے پر قائم رہا۔ اُس نے اپنے بیٹے کا نام (محمد) رکھا اُس نے رسُول کریمؐ کی خدمت میں تحائف روانہ کئے۔ اس کا بھیجا ہوا ایلچی حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہا اور پھر حضرت علی کی اراضی اور چشموں کی نگرانی کرتا رہا۔

اس کے باوجود مستشرقین نے ہجرت حبشہ کو ناکام قرار دیا ہے۔ مورخین اسلام بھی اس واقعہ کا سطحی طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر بنظر غائر اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ہجرت انقلاب اسلام کی جانب پیش قدمی اور سفر کی ایک اہم منزل تھی۔ اس موضوع پر ملک کے مشہور عالم اور ممتاز مفکر و دانشور سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے نہایت معقول اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ہجرت حبشہ قریش کے منصوبوں کے لئے ناکامی کا سبب ہوئی۔ مسلمانوں کو ایک سیاسی طاقت سے کمک ملی کہ یمن کے عیسائی اُن کی مخالفت میں وہ نہ کر سکے، جو اُن سے متوقع تھا۔ مسلمان دشمنوں کی اذیت رسانی سے بچے، دوسرے براعظم میں اسلام کی تبلیغ شروع ہوگی۔ عرب و عجم، سیاہ و سفید کا فرق مٹا اور عوام پر یہ ثابت ہوگیا کہ اسلام تمام انسانوں کی مساوات و آزادی کا حامی ہے"۔

"آپؐ نے مصائب سے گھبرا کر لوگوں کو ترک وطن کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ مصائب سے مقابلہ کرنے کے واسطے، ترک وطن کی مشقت پر آمادہ کیا تاکہ اسلام کا بول بالا ہو۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود بنفسِ نفیس اس میدان میں کھڑے رہے اور مقابلہ کے سخت ترین امتحانوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے رہے"۔

"آپؐ کی زندگی تضاد کے سائے سے دُور تھی، آپؐ خود پریشانیاں برداشت کرتے رہے مگر دوسروں کو آرام پہنچانے کی سعی میں کمی نہ کی، اگر حضور خود حبشہ تشریف لے جاتے تو یقیناً زیادہ عظمت و راحت حاصل کرتے مگر یہ بات حضور کی فطرت بلند کے خلاف تھی"۔

ہجرت حبشہ نے حضور کی بلندی، مستقبل پر نظر رکھنے والی بصیرت اور حال سے نپٹنے کی قوت، دشمن کو شکست دینے کی طاقت، سرد جنگ فتح کرنے کی صلاحیت کا جو ثبوت مہیا فرمایا ہے، اس پر مؤرخ و مفکر حیران اور آپؐ کو نبی آخرالزمان ماننے والے شادماں ہیں"۔ (نقوش، رسُول نمبر جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰۔ جنوری ۱۹۸۲ء ص ۵۹۵)

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ نے مسلمانوں کے عزم و یقین اور ایمان و ایقان میں مزید اضافہ کیا اور اُنہیں یہ احساس ہوا کہ جس اللہ تعالٰے کی راہ

میں اُنہوں نے اپنا وطن، گھر اور عزیز رشتہ داروں کو چھوڑا ہے، وہ اُن کو مجبور و لاچار رہنے نہیں دے گا۔ نیز یہ کہ اسلام دنیا میں ختم ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ سردار بننے اور ترقی کرنے کے لئے آیا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ہجرت ایک تجربہ تھی جس پر آپ کو وسیع طور پر عمل کرنا تھا اور بین الاقوامی سطح تک وسعت دینا تھا اُدھر کفارِ مکہ کو مسلمانوں کے ثبات و استحکام اور اُن کی بیرونِ عرب کامرانیوں نے مزید پریشان کیا۔ جس کے نتیجہ میں اُنہوں نے مسلمانوں پر مکہ میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی اس میں سب سے زیادہ تکلیف دہ زمانہ شعب ابی طالب میں نظربندی کے تین سال تھے جس دوران میں آپؐ اور آپؐ کے خاندان کے افراد نے اس قدر صعوبتیں برداشت کیں جنہیں احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ مگر ہمارا مقصد یہاں پر نہ تو اُن تکالیف و مصائب کے ذکر کا اعادہ ہے اور نہ ہی اُن حالات و واقعات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے کہ جس کے تحت آپؐ اور آپ کے صحابہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ہم اس واقعہ کو اس قدر اہمیت دینے پر بھی اکتفا نہیں کر سکتے کہ حضور کی مکی زندگی کے زمانے میں اسلام صرف گنتی کے لوگوں تک محدود تھا اور ہجرتِ مدینہ کے بعد چونکہ مسلمانوں کو اہلِ مکہ کے ہاتھوں کسی قسم کا خوف نہ تھا، اس لئے انہیں دین پھیلانے میں آسانی ہوئی، جہاں رفتہ رفتہ اُنہوں نے اتنی طاقت اور جمعیت فراہم کر لی کہ اہلِ مکہ کے لئے وہ چیلنج بن گئے۔ حتیٰ کہ اسلام غالب آیا اور مشرکین کی باطل قوت مٹ گئی۔

نہیں نہیں، یہ واقعہ صرف ان چند الفاظ، چند سطور اور چند صفحات کا متحمل نہیں ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ تاریخِ عالم کا نہایت اہم واقعہ ہے جس کے بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے اس حقیقت کے ادراک کے لئے ماضی کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ تفصیل میں مت جائیے، صرف اس بات کا جائزہ لیجئے کہ حضورؐ کے اعلانِ نبوت سے قبل تمام عالم میں انسان کس مقام پر تھا؟

آئیے ذرا وادیٔ نیل کی حالت ملاحظہ فرمائیے یہ بجا کہ انسانی تہذیب کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ جہاں کے عالی دماغ لوگوں نے آج سے چھ ہزار سال قبل تقویم کے علم کو رواج دیا، فنِ تعمیر، طب، جراحت اور مصوری میں مہارت حاصل کی، لیکن ایک عام انسان کے حصہ میں کیا آیا؟ غلامی، ظلم و ستم، افلاس و غربت، بھوک، بیماری اور خدمت و محنت!

رومتہ الکبریٰ، جس کی تہذیب و ثقافت، عظمت و شرف، حکمت و تدبر، علوم و فنون اور سیاسی و فوجی برتری کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا مختلف معاشی اور معاشرتی طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ سوائے شاہی خاندان کے افراد، فوجی سرداروں اور کلیسا کے ذمہ دار اور با اثر اسقفوں، پادریوں اور رہنماؤں کے روم و یونان کے تمام شہری تقریباً غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ رہے مفتوحہ علاقوں کے لوگ، اُنہیں وہ وحشی اور بربر سمجھتے تھے۔ غلامی کو سوسائٹی کا لازمی جزو سمجھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ارسطو جیسا فلسفی اور حکیم کہتا ہے کہ فطرت کا مقصد یہی ہے کہ تمام غیر یونانی یونانیوں کے غلام ہوں۔ چھٹی صدی عیسوی میں اگرچہ روم کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا، لیکن اس نے بھی انسان کی عزت و وقار میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ انسانیت کی ذلت و رسوائی جو پہلے تھی اُس میں سرِمو فرق نہ آیا تھا۔ امیر اُسی طرح امیر رہا، غریب، غریب اور غلام اپنی صدیوں کی غلامی پر شاکر و صابر۔

بیزنطینی حکومت کے بعد دوسری بڑی طاقت ایران کی تھی۔ اس نے ایک زمانے میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دئے، لیکن ظہورِ اسلام کے وقت اس عظیم الشان سلطنت کی شوکت و سطوت کے صرف افسانے باقی رہ گئے تھے۔ اس تہذیب کے زوال کے اسباب میں سب سے اہم برسرِ اقتدار طبقے کے لوگوں کا اخلاقی انحطاط ہے۔ عوام کی پست حالی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور اکاسرہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے، اُن کی اُلوہیت کے گیت گاتے اور اُنہیں اپنا رازق و مالک سمجھتے تھے۔ کھیتوں میں شبانہ روز کام کرتے پھر بھی نانِ شبینہ کو محتاج رہتے۔ امرا اور رؤسا کی

عیش پرستی کا تمام تر دار و مدار اسی غریب طبقہ پر تھا جو اپنے آقاؤں کے ہاتھوں غلاموں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے۔

مشرق میں قدیم تہذیب کے لئے چین کا نام ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ یہاں سب سے پہلے لاؤ تزے اور اس کے بعد کانگ فوتسی (کنفوشس) نے لوگوں کو معاشرتی حقوق و فرائض کا ایک ضابطہ دیا۔ جس کی وجہ سے عوام نے کسی حد تک سکھ کا سانس لیا، لیکن مذہب اور اخلاقی ضابطے کے فقدان کی وجہ سے اُن کی یہ حالت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی چنانچہ قدیم مذہبی رسم و رواج کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، قربانیاں دینے کی روایت اُسی طرح جاری رہی۔ نتیجتاً دیانت، سَرّیت اور خشک فلسفہ مسیحیات کے رواج نے ایک خاص طبقے کے لوگوں کے علاوہ عوام کی اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی حالت میں کوئی اضافہ نہ کیا۔

ہندوستان بھی قدیم تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کی تاریخ عجیب و غریب وہم پرستیوں، پُراسراریت اور دیو مالا سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانے سے ہندی سوسائٹی متعدد طبقات میں منقسم تھی، جن میں سے ایک کی حیثیت تو دیوتاؤں اور اوتاروں جیسی تھی، جبکہ سب سے پست طبقے کے لوگوں کو حیوانوں سے بھی کم تر درجہ دیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں ہم مشہور ہندو مؤرخ "آر۔ سی۔ دت" کی کتاب A HISTORY OF CIVILIZATION IN ANCIENT INDIA سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"ذات پات کی تقسیم نے برہمنوں کے وقار کو بہت بلند کیا، جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہر قسم کی صنعت و حرفت اور تجارت تباہ ہو گئی۔ صرف برہمنوں کی تجارت باقی رہ گئی۔ اس تقسیم نے ہندو قومیت کو ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ باہمی نفرتوں اور کدورتوں میں بھی اضافہ کیا۔ صرف برہمنوں کی عزت و عظمت کی خاطر تمام قوم کو ذلیل کر دیا۔ امیر لوگوں کی جائیداد میں سب سے زیادہ قیمتی اور انمول چیز غلام سمجھے جاتے تھے۔ گھر کے غلام بکتے تھے۔ قرضہ لینے والے اپنی لونڈیاں ساہو کاروں کے پاس رہن رکھ دیتے تھے۔ غلاموں کی سات اقسام میں سے، جنگی قیدی، غلاموں کی اولاد اور زر خرید غلام زیادہ اہم تھے۔"

عورت بھی سوسائٹی کا ایک حصہ ہے، اگر ہندوستان میں اس صنف کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو سب سے زیادہ مظلوم مخلوق یہی تھی۔ خواہ اُس کا تعلق اونچی ذات یعنی برہمن یا کشتری سے تھا خواہ چھوٹی ذاتوں یعنی ویش یا شودر سے ہو۔ اگر کوئی بڑی ذات کا مرد پست ذات کی عورت سے زنا کا مرتکب ہوتا تو کوئی جرم نہ تھا اور اگر کوئی چھوٹی ذات کا مرد بڑی ذات کی استری کو چھو لے تب بھی وہ سزائے موت کا مستحق ہوتا تھا۔ اگر کوئی کم ذات بڑی ذات والے کو مارے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتے تھے، گالی دے تو زبان کاٹ لیتے اور اگر تعلیم حاصل کرتے تو گرم گرم تیل اس کے منہ میں انڈیل دیتے تھے۔ عورتیں جوئے میں بھی ہاری جاتی تھیں۔ ایک عورت کے بیک وقت متعدد شوہر ہوتے تھے۔ مہابھارت شہرت کے پانڈو بھائی بیک وقت ایک استری سے تصرف کرتے تھے۔ حالانکہ قانونی اور سماجی طور پر وہ استری اُن کے سب سے بڑے بھائی ارجن نے سوئمبر میں بیدھ کر کے جیتی تھی۔ اگر کسی استری کا پتی مر جاتا، تو اُس پر دنیا کا سکھ چین حرام ہو جاتا اسی ڈر سے پتی ورتا استریاں اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ چتا میں زندہ جلنے کو ترجیح دیتی تھیں۔ لڑائی میں شکست کے خوف سے ناریوں کے بھائی یا باپ قتل کر دیتے تھے۔ عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے پُوجا کرتے تھے۔ مذہبی تہواروں کے موقعوں پر لوگ شراب میں اتنے بدمست ہو جاتے تھے کہ ماں، بہن اور بیٹی کی تمیز نہیں رہتی تھی۔ غرضیکہ دیوتاؤں، اوتاروں اور رشیوں مُنیوں کی جنم بھومی بھی، انہی مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی بداخلاقیوں میں مبتلا تھی جس کا شکار فارس، روم، چین، جاپان اور دنیا کے دیگر ممالک تھے۔ (سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش، باب گیارہ)

البتہ جزیرہ نما عرب میں صورتِ حال ذرا مختلف تھی۔ قطع نظر اس کے کہ غلامی وہاں بھی رائج تھی، عربوں کے ہاں ایسے قوانین یا زیادہ صحیح ہو کر رسم و رواج تھے جن کے تحت غلام کبھی نہ کبھی آزادی حاصل کر سکتا تھا۔ مثلاً جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر اُن کے چچا ابولہب نے سُنی تو اس نے اس خوشی کے موقع پر اپنی کنیز حضرت ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں متعدد غلاموں نے مختلف مواقع پر آزادی حاصل کر کے موالیوں کا درجہ حاصل کیا جو مکمل طور پر آزاد تو نہ ہوتے تھے، تاہم دوسرے درجے کے شہریوں کی طرح قریباً آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ویسے بھی قبائلی نظام میں قبیلے کے تمام افراد اپنے سردار اور شیخ سے برابر کی حیثیت سے ملتے تھے اور قبیلہ کے مسائل پر کھل کر آزادانہ رائے دیتے تھے جس کا احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اُن میں بعض ایسی خصوصیات اور صفات پائی جاتی تھیں جو عام طور پر دُنیا کے کسی خطّے کے لوگوں میں موجود تھیں۔ عورت کو بھی یہاں کی سوسائٹی میں اس قدر حقارت اور نفرت سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ یہ تسلیم کہ بنو تمیم اور چند دیگر قبائل میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج بھی تھا، تاہم ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں جن سے عورتوں کی قدر و منزلت اور اُن کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً سیدہ۔ طاہرہ۔ خدیجۃ الکبریٰ کی مثال لیجئے وہ مالدار عورت تھیں۔ آزادانہ طور پر تجارت کرتی تھیں۔ مکّہ میں اُن کی بہت عزت تھی۔ خانسہ ہندہ یمن کی ایک مشہور شاعرہ تھی ظہورِ اسلام سے قبل، سوق عکاظ میں ایک بار اُسے مشاعرہ کا جج مقرر کیا گیا تھا۔ تاریخ میں ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ غالباً عربوں کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اسلام کی ابتدائی تجربہ گاہ کے لئے ارضِ حجاز کو منتخب کیا اور یہیں سے وہ پُرامن عالمگیر انقلاب شروع ہوا جس کے اثرات آج تک ظاہر ہو رہے ہیں۔

یہ بھی غالباً اہلِ مکّہ کی خصوصیت ہی تھی کہ اُنہوں نے اس نئے دین، نئے عقیدہ، نئی تہذیب اور نئے انقلاب کی دِل کھول کر مخالفت کی اور اسے ختم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ کون سا ستم تھا جو اہلِ ایمان کے خلاف روا نہ رکھا۔ ان حالات میں اگر حضور علیہ السلام چاہتے تو بہت پہلے ترکِ وطن کر جاتے۔ خاص طور پر حبشہ میں جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور تبلیغ و اشاعت کی پوری آزادی تھی۔ لیکن اس کے برعکس آپؐ نے ان تمام مصائب کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا حالانکہ اس دوران میں حضورؐ کو اُن مسلمانوں کی طرف سے جو مکّہ کے اطراف اور دُور دراز علاقوں میں رہا کرتے اور اپنے قبائل میں بہت اثر و نفوذ رکھتے تھے، مسلسل دعوت نامے بھی موصول ہو رہے تھے کہ آپ مکّہ چھوڑ کر اُن کے پاس مہمان کی حیثیت سے رہیں۔ نیز انہی دنوں صدیق اکبر نے کئی بار حضور سے ہجرت کی اجازت چاہی تھی لیکن آپؐ نے ہر بار یہی جواب عطا فرمایا تھا اے ابوبکر! جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ تعالےٰ کوئی رفیقِ سفر پیدا کر دے۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور کو ہجرت کی اتنی عجلت نہ تھی۔ آپ کسی غیبی اشارے کے منتظر تھے۔ چنانچہ جب سورہ عنکبوت کی یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔

"یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ"

"اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو۔ میری زمین وسیع ہے۔ (سو تم جہاں بھی رہو) میری عبادت کرو"

اور اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر کے ساتھ سفر کرتے ہوئے چند روز کے بعد مدینہ منوّرہ پہنچے۔ اور انبیائے سلف کی سنت ادا کرتے ہوئے ہجرت فرمائی جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ہجرت سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام کی ہجرتیں بامقصد تھیں۔ اور اُن کی وجہ سے نہایت دور رس نتائج برآمد ہوئے، بالکل اسی طرح حضور کی یہ ہجرت بھی بامقصد تھی اور نتائج کے اعتبار سے اُن سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے

جس کے ذریعے دو قسم کے اثرات مرتب ہوئے۔ فوری اثرات اور دور رس اثرات۔

فوری اثرات

۱۔ اسلامی اخوت کا درس

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ظہورِ اسلام سے قبل تمام دنیا رنگ، نسل، خون اور علاقائی عصبیتوں میں مبتلا تھی۔ بلکہ ایک نسل اور رنگ کے لوگوں میں بھی امتیاز تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر رکھی تھی۔ مگر چونکہ وہ ایک مجبوری اور بحرانی دور تھا اس لئے اس قسم کی یگانگت اور یکجہتی کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔ آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ تمام امتیازات و مفاخرات کو ختم کیا اور مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت پیدا کیا۔ آپ نے دونوں گروہوں کے افراد کو یکجا کیا اور ایک مہاجر کا ہاتھ پکڑ کر ایک انصار کے ہاتھ میں دیا اور اُن دونوں کو آپس میں بھائی بنا دیا۔ یہ رشتہ صرف نظریاتی اور زبانی طور پر نہیں تھا بلکہ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے اتنا ایثار کیا کہ جس کے پاس دو مکان تھے اُس نے ایک اپنے بھائی کو دے دیا، نصف دولت مہاجر بھائی کو دے دی، باغات تقسیم کئے، زمین کی تقسیم حتیٰ کہ بعض حالات میں انصار نے اس حد تک قربانی دی کہ جن کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں اُنہوں نے ایک کو طلاق دے کر اس کی شادی اپنے بھائی سے کرا دی۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے انصار کے دو مشہور قبائل اوس و خزرج جو ہمیشہ سے آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے اُنہیں بھی رشتہ محبت و اخوت میں ایسا پرو دیا کہ مدینہ منورہ اور اُس کے قرب و جوار کے تمام مسلمان ایک جماعت۔ حزب اللہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

۲۔ یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدۂ امن

انصار کے علاوہ مدینہ منورہ میں دوسرا گروہ یہودیوں کا تھا جن میں تین قبائل، بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ زیادہ اثر و رسوخ اور اقتدار کے مالک تھے۔ ان کا کاروبار تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا بلکہ علاقے کی معاشی زندگی کا تمام تر دار و مدار اُن پر تھا یہی وجہ ہے کہ اوس و خزرج اُن کے ہاتھوں بہت پریشان رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ کے بعد گروہِ یہود کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اُن کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا۔ جس کی اہم شقیں مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ یہود یا مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی بیرونی حملہ کی صورت میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔

۲۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۳۔ مدینہ پر حملے کی صورت میں دونوں مل کر دفاع کریں گے۔

۴۔ اگر ایک فریق کسی دشمن کے ساتھ معاہدہ صلح و امن طے کر لے تو دوسرے کو اُس کا ساتھ دینا ہو گا لیکن مذہبی جنگ اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

۵۔ ایامِ جنگ میں یہودی بھی اخراجاتِ جنگ برداشت کریں گے۔

۶۔ فریقین کے درمیان فساد یا جنگ کی صورت میں حتمی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمائیں گے۔

یہ معاہدہ حضور علیہ السلام کی ابتدائی مدنی زندگی کے زمانے کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک تو یہودیوں کا

خطرہ ٹل گیا۔ دوسرے معاہدے کی آخری شق کی وجہ سے مسلمانوں کی حیثیت اور مرتبہ زیادہ بلند ہو گیا۔ لیکن چونکہ غزوۂ خندق کے ایام میں ان قبائل نے اس معاہدے کا احترام نہ کیا، اس لئے معاہدے کی شرائط کے مطابق اُنہیں مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔ تورات کی مقررہ سزا کے طور پر جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مسلمانوں کو بہر حال یہ فائدہ ہوا کہ اُن کی توجہ صرف دوسرے بڑے دشمن قریش کی جانب مرتکز ہو گئی۔

۳ - اہلِ مکہ کے ساتھ نبرد آزمائی اور جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا نفاذ

مکہ حضور علیہ السلام اور تمام مہاجرین کا آبائی اور پیدائشی وطن تھا، جہاں اُنہیں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مدینہ میں بھی اُنہیں اہلِ مکہ سے ہر دم خطرہ رہتا تھا، اس لئے مدینہ کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے ساتھ جنگ ناگزیر تھی، جس کی ابتدا بھی اُنہی کی طرف سے ہوئی اور معرکۂ بدر پیش آیا۔ مسلمانوں نے بے سرو سامانی کی حالت میں نہ صرف اس جنگ میں فتح حاصل کی بلکہ اور بھی کئی معرکوں میں اُنہیں شکستِ فاش دی۔ جس کی وجہ سے کفارِ مکہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اب سے چھ ہجری میں حضور کو حج کرنے کا خیال ہوا۔ صحابہ سے تذکرہ ہوا اور چودہ سو فرزندانِ توحید کی ایک جماعت تیار ہو کر سوئے مکہ عازمِ سفر ہوئی۔ کفارِ مکہ کو خبر ہوئی تو اُنہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضور جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو اہلِ مکہ کی سرگرمیوں کا پتہ چلا۔ آپ نے اُنہیں کہلوا بھیجا کہ ہم حج کی غرض سے آئے ہیں، اُنہوں نے حقیقتِ حال جاننے کے لئے ایک وفد حدیبیہ روانہ کیا۔ جس نے اُس سال تو حج کی اجازت نہ دی، البتہ مسلمانوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا جو تاریخ میں صلح نامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے کی شرائط سے بظاہر مسلمانوں کی شکست کا اظہار ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم نے اسے فتح مبین کے نام سے یاد کیا۔ اور واقعی یہ بعد میں فتح مبین ثابت ہوئی کیونکہ اس کی وجہ سے ملک کی دو اہم جماعتوں میں صورتِ جنگ ختم ہو گئی، ملک میں امن و امان قائم ہو گیا، اہلِ مکہ کو مدینہ آنے اور مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنے اور اُن سے روابط بڑھانے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد میں دن رات اضافہ ہونے لگا نیز اس معاہدہ کی سب سے زیادہ ہتک آمیز شرائط فتحِ مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں، جس کے بعد صرف دو سال کے عرصے میں تقریباً تمام جزیرہ نمائے عرب پر نہ صرف مسلم اقتدار قائم ہو گیا بلکہ لوگوں کی اکثریت نے مذہب اسلام قبول کر لیا۔

عالمگیر اثرات

۱ - تصوّرات کی دُنیا میں انقلاب

اسلام سے قبل عقائد و نظریات اور افکار و تصورات کی دنیا پر جمود چھایا ہوا تھا۔ کہیں پتھروں کو معبود سمجھا جاتا تھا، کہیں درختوں کے سامنے سجدہ ریزیاں ہوتی تھیں، کوئی ناگ کا پجاری تھا تو کوئی غیر معمولی انسانوں کو پوجتا تھا، کہیں سورج کی پرستش ہوتی تھی اور کہیں چاند کو الٰہ سمجھا جاتا تھا، کہیں آتش پرستی تھی تو کہیں اوہام پرستی۔ کسی نے محض خشک فلسفہ کے ذریعہ زمانے کو خدا جانا، کسی نے مادہ کو ہی سب کچھ مانا، کوئی تثلیث کا پجاری تھا تو کوئی ثنویت کا حامی۔ کسی نے خدا سے بیٹے اور بیٹیاں منسوب کر رکھی تھیں کوئی خود کو دیوتا کہلواتا تھا۔ کسی نے اگر خدا کو ایک جانا بھی تو اُس کا درجہ ایک شوہر یا باپ کے برابر متعین کیا، اکثر جگہ دیو مالائی تصورات کی عملداری تھی، غرضیکہ تمام عالم ایک قسم کے مذہبی طلسم ہوشربا میں گرفتار تھا، جہاں سے رستگاری اور نجات کی کوئی سبیل نہ تھی۔

تمام دنیا میں اسی قسم کے افکار و نظریات کا دور دورہ تھا کہ ایسے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ نے انسان کو جو پیغام اور دعوت دی اُس سے عقائد کے تمام ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ آپؐ نے بتایا کہ اس ساری کائنات کا مالک، خالق اور رازق خدائے واحد ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ ثانی، اس لئے وہی عبادت کے لائق ہے۔ آپؐ نے یہ بھی سکھایا کہ پیغمبر اسلام ہی تمام انسانیت کا پیغمبر اور نجات دہندہ ہے۔ تمام انسانی عظمتوں، سعادتوں اور شرافتوں کا معیار آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ اس فانی دُنیا کے بعد ایک اور بھی دنیا ہے، جہاں موت کے بعد ہر ایک ذی روح کو اُٹھایا جائے گا اور اس کے اعمال و افعال کا محاسبہ ہوگا۔ ان تصورات کی بدولت ایک طرف بین الاقوامی اخوت کا تصور اُبھرا اور دوسری طرف انسانی مساوات کا نظریہ اجاگر ہوا۔ نیز حیات بعد الموت کے تصور نے ایک ایسا ضابطہ اخلاق دیا جس کے سامنے تمام مصلحین، معلمین اور فلسفیوں کے اخلاقی ضابطے ہیچ تھے۔

جب تک آپؐ کا قیام مکہ میں رہا حضورؐ کی تعلیمات کا اثر محدود پیمانے پر ظاہر ہوا لیکن جب آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو یہ تعلیمات عالمگیر حیثیت اختیار کر گئیں۔ مدینہ منورہ میں آمد کے بعد چونکہ حالات خاصے بدل گئے تھے۔ نیز صلحنامہ حدیبیہ کے بعد امن و امان کی صورت مزید بہتر ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے اس وقت کو اپنی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے استعمال کیا۔ چنانچہ آپؐ نے مبلغین کی ایک جماعت کو عرب کے قبائل کی طرف بھیجا جہاں اُنہیں بہت کامیابی حاصل ہوئی، اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے ہوتے آپؐ کی حیات طیبہ کے اندر ہی تقریباً تمام اہل عرب نئے دین میں شامل ہو گئے۔ آپؐ کا مشن چونکہ عالمگیر تھا اس لئے آپؐ نے عرب سے ملحقہ ممالک، ایران، شام، مصر اور حبشہ میں سفارتیں بھیجیں اور وہاں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ صحیح ہے کہ آپؐ کی زندگی میں پوری طرح کامیابی تو نہ ہوئی، لیکن یہ بھی حقیقت کہ آپ کا پیغام بہر حال، مقامی سطح سے نکل کر بین الاقوامی سطح تک پہنچنا ضروری تھا۔ چنانچہ جب آپؐ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسلمان، صحرائے نفوذ کو عبور کر کے ہلال زرخیز میں داخل ہوئے تو اُنہیں مفتوحہ اقوام کو اسلامی نظریات و عقائد سمجھانے میں آسانی ہوئی اور وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ سلسلہ اسلام کے دور اقتدار ہی میں جاری نہیں رہا بلکہ آج بھی جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق بعید کے بعض ممالک مثلاً چین، جاپان، برما، فلپائن، ویت نام، تھائی لینڈ وغیرہ جہاں مسلمان فاتح کی حیثیت سے داخل نہیں ہوئے وہاں بھی خاصی بڑی تعداد میں مسلم آباد ہیں۔

یہ تو خیر اشاعت اسلام کی بات تھی، جس کی متعدد وجوہات ہیں۔ جس کا تذکرہ یہاں پر ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد مختلف ذرائع اور مختلف ادوار میں اسلام کے عقاید و نظریات جو غیر مسلم اقوام تک پہنچے اُن کی وجہ سے ان مِلّے اور مختلف نظریات میں بھی لچک پیدا ہوئی۔ مثلاً سب سے پہلے یونان، مصر اور ہندوستان کے دیو مالائی تصوّرات کا خاتمہ ہوا۔ اگرچہ اب بھی یہ تصورات موجود ہیں لیکن ان پر یقین رکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں۔ اسلام کی وجہ سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث میں بھی ایک حد تک اصلاح ہوئی اوّل تو یہ کہ اُن کے کلیسا میں اب حضرت عیسٰی کے بُت نصب نہیں کئے جاتے دوسرے یہ کہ اُن میں ایسے معقول لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جو حضرت عیسٰی کو اللہ تعالیٰ سے کمتر درجہ دیتے ہیں۔ بنیادی عقیدہ میں اس حد تک اصلاح کبھی خوش آئند تصور کی جا سکتی ہے، کیونکہ انسان میں اصلاح کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے۔

ہندو مت اگرچہ نوعیت کے لحاظ سے ایک گورکھ دھندہ ہے، لیکن اسلام کی وجہ سے اُن کے بنیادی عقیدہ میں بھی فرق واقع ہوا۔ سکھ مت کے بانی، گورو نانک کا نظریہ توحید دراصل اسلام ہی کے بنیادی عقیدے کی صدائے بازگشت تھی۔ اس تحریک کی وجہ سے پنجاب کے ہندوؤں کی بہت بڑی کثرت بت پرستی چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کرنے لگی۔ بھگتی تحریک پر اسلامی تصورات کی گہری چھاپ تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہندوؤں میں کئی ایک تحریکیں اُٹھیں جن کے ذریعے اُن کے بنیادی عقائد میں اصلاح ہوئی۔ اس کی زندہ مثال "آریہ سماج" ہے جو باوجود اپنی ہندوانہ روش اور عبادت کے

ریاضت کی روایتی رسوم و رواج کے تمام دیوی دیوتاؤں سے بلند تر تصور اللہ کے قائل ہیں جسے پرمیشر اور ایشور جیسے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی سوامی دیانند جیسی بعض ہستیاں اُن کے درمیان پیدا ہوئیں جنہوں نے دیو مالائی تصورات کے خلاف جہاد کیا۔ بعض ایسے بھی لوگ اُبھرے جنہوں نے اداگون جیسے مسئلے پر خالص فلسفیانہ انداز میں بحث کر کے اس کی نامعقولیت کے خلاف لکھا۔ بعض نے اس کے خلاف نظریۂ ارتقاء کے حق میں براہین و دلائل فراہم کئے۔ غرضیکہ نظریات و عقائد میں گزشتہ چند صدیوں میں جو دنیا کے ہر گوشے میں اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ اس کا تمام تر سہرا اسلام کے سر ہے ورنہ اس سے قبل دنیا ایک ہی ڈگر پر چل رہی تھی۔

۲۔ احترامِ آدمی

گزشتہ صفحات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ اسلام سے قبل دنیا کے تمام ممالک اور علاقوں میں ہر سوسائٹی مختلف معاشی مذہبی اور سیاسی طبقات میں بٹی ہوئی تھی جس میں نچلے طبقے کے لوگ اعلیٰ درجے کے افراد کے ہاتھوں غربت، افلاس اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس سے پہلے اگر کسی جرأت مند انسان نے اس کے خلاف آواز بلند بھی کی تو اُسے یا تو زہر کا پیالہ پینا پڑا، یا صلیب پر چڑھنا پڑا یا خشت زنی کا شکار ہونا پڑا۔

اسلام نے پہلی بار صحیح معنوں میں حقوقِ انسانی کی بات کی۔ اور بتایا کہ انسان اس کائنات میں اللہ تعالےٰ کی حکمت و صنعت کا شہکار ہے اس لئے یہ اُس کے وقار و شرف کے منافی ہے کہ وہ اپنے خالق کے علاوہ کسی انسان، دیوتا یا بُت کے سامنے سرِ نیاز خم کرے اور دستِ طلب دراز کرے۔ اس سادہ سے اعلان نے انسان کو اُس کے خود ساختہ خداؤں، آقاؤں اور دیوتاؤں کے چنگل سے نجات دلوائی۔ لیکن چونکہ یہ آواز سب سے الگ، منفرد اور سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کے مزاج کے خلاف تھی، اس لئے مکہ میں آپؐ اس کی اشاعت نہ کر سکے۔ ہجرتِ مدینہ نے آپؐ کے لئے زبردست موقعہ فراہم کیا تاکہ آپؐ اس پیغام کو تمام عالمِ انسانیت تک پہنچا سکیں اس پیغام کا نقطۂ آغاز مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخاۃ کا اعلان تھا جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور نقطۂ انتہا۔ خطبہ حجۃ الوداع ہے، جسے دنیائے انسانیت کا پہلا منشور کہا جا سکتا ہے۔

یہ خطبہ اپنی سلاست، بلاغت، جامعیت اور معنویت کے لحاظ سے عربی ادب کا شہ پارہ ہے اور اپنے مندرجات کے اعتبار سے ایک ایسی دستاویز ہے، جس سے گزشتہ چودہ سو سال سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے اور آئندہ قیامت تک استفادہ کیا جاتا رہے گا۔ اس کے مخاطب کسی خاص مذہب، فرقے، ملک، معاشرے اور نسل کے لوگ نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کے لوگ ہیں۔

یہ خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اُس دور میں دیا جب آپؐ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب اسلام کا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچ سکے گا۔ آپ نے سب سے پہلے، ذات پات، رنگ نسل اور قبائلی اور علاقائی عصبیتوں کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا" لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انسانو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہیں جماعتوں اور قبائل میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہے" چنانچہ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے، نہ کسی عجمی کو عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ"۔

"انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں"۔

یہ محض نظریاتی بات نہیں تھی، حضور علیہ السلام نے اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ کیا سیدنا بلال، حضرت زید بن حارث، اسامہ بن زید اور بہت سے صحابہ کرام کالے رنگ کے نہ تھے۔ جن کا اسلام سے قبل عرب سوسائٹی میں کوئی مقام نہ تھا۔ لیکن دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اُن کی عزت و توقیر میں جو اضافہ ہوا۔ سب کو معلوم ہے۔ آپؐ کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور عامۃ المسلمین نے ہر دور میں حضورؐ کے ارشاد پر عمل کیا۔ آج بھی مساجد میں اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر بین الاقوامی سطح پر اس کے اثرات دیکھنے ہوں تو حج کے لئے تشریف لے جائیے، جہاں ہر ملک، ہر علاقے، ہر رنگ، نسل اور مرتبے کے لوگ بیک وقت، ایک سی لباس میں ملبوس، ایک ہی صف میں استادہ مناسک حج ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اسلامی معاشرے کا تو یہ طرۂ امتیاز ہے ہی، لیکن جب مسلمان عساکر، تاجر، صوفیہ اور مبلغین دوسرے ممالک میں پہنچے اور انہوں نے اخوت و مساوات کا مظاہرہ کیا تو اس کا اثر دوسری اقوام پر بھی پڑا۔ صرف ہندوستان کی مثال لے لیجئے کیونکہ ذات پات کی تقسیم میں یہ سرفہرست تھا کیا آج ہندو معاشرہ میں شودر کا وہی مقام ہے۔ جو ہندوستان میں اسلام سے قبل تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کے ہاں اب بھی ذہنوں اور خیالوں میں یہ امتیاز باقی ہے لیکن عملی طور پر اس میں بہت فرق واقع ہو چکا ہے۔ یہی صورت حال دوسرے مشرق مغرب سب معاشروں کی ہے۔ اُن کے نقطہ ہائے نظر میں جو انسانی عظمت کے سلسلہ میں واضح تبدیلی رونما ہوئی ہے اس میں براہِ راست یا بالواسطہ اسلام کا ہاتھ کار فرما ہے۔

قبل اسلام دُنیا کی ہر سوسائٹی میں سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا۔ حضورؐ نے ان کے بارے میں اپنے اِس بصیرت افروز خطبے میں ارشاد فرمایا اُس کے الفاظ یہ ہیں: "لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ اُنہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔"

یہ الفاظ ممکن ہے آج اتنے زیادہ حوصلہ افزا اور حیرت انگیز محسوس نہ ہوں۔ لیکن اگر ہم تاریخی تناظر میں اس کا جائزہ لیں تو ان کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔ خاص طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی چند صدیاں اسلامی غلبہ اور مسلمانوں کی فتوحات کا زمانہ تھا جس کے نتیجہ میں مفتوحہ اقوام میں سے لاکھوں کی تعداد میں غلام آئے کیونکہ اسلام میں غلام صرف جنگی قیدی کی صورت ہی میں اس درجہ کو پہنچ سکتا ہے غلامی کی باقی تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ بہرحال کیا دورِ فتوحات میں مسلمان حکومتوں کے ہاتھ آنے والے سب غلام، ہمیشہ غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے غلاموں کو آزاد ہونے کے اتنے مواقع فراہم کئے کہ وہ اسلامی معاشرے میں جلد ہی نہ صرف آزادی حاصل کر لیتا تھا بلکہ اکثر اوقات اعلیٰ مقام تک جا پہنچتا تھا۔ مثلاً بعض غلام فدیہ دے کر آزاد ہو جاتے تھے۔ بعض "تدبیرِ مکاتبت" اور "ام الولد" کے معروف طریقوں کے ذریعے آزادی حاصل کر لیتے تھے۔ اسلامی ریاست خود صدقات میں سے اُن کی قیمت چکا کر انہیں آزاد کراتی تھی۔ بعض مخیّر اور خدا ترس مسلمان محض حصولِ تقویٰ کی غرض سے غلاموں کو آزاد کرتے رہتے تھے۔ بعض گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلاموں کو آزاد کرتے تھے۔ بعض مسلمان سورج اور چاند گرہن کے اوقات میں غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تھے۔ ان تمام طریقوں کے بعد غلامی صرف برائے نام رہ جاتی تھی۔ اس پر طرّہ یہ کہ مسلمان گھرانوں میں بھی غلاموں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا جاتا تھا اُس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُن گھرانوں کے افراد متصوّر ہوتے تھے۔ جو دوسرے افراد خانہ کی طرح گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ پھر جب دَورِ فتوحات ختم ہو گیا تو اسلامی معاشرے میں غلاموں کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے غلاموں کے مرتبے اور حیثیت میں اس قدر اضافہ کیا کہ جس کا تصور دنیا کا کوئی معاشرہ کر ہی نہیں سکتا۔ تاریخ اسلام میں کم از کم دو حکمران خاندان ایسے گزرے ہیں جن کا تعلق غلام نسل سے تھا۔ یعنی "مملوک مصر" اور ہندوستان کا "خاندان غلامان"۔ کیا اس کی مثال کسی دوسرے مہذب معاشرے اور ریاست

میں ملتی ہے۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ تھا دوسرا رُخ یہ ہے کہ جب دوسری قوموں کا مسلمانوں کے ساتھ ربط و ضبط بڑھا تو اُنہوں نے بھی غلامی کے مسئلہ پر نظرِ ثانی کی جس کی وجہ سے اُن کی سماجی اور معاشی حیثیت میں فرق واقع ہوا۔ البتہ اس ادارہ کا خاتمہ ڈنمارک میں ۱۷۹۲ء امریکہ میں ۱۷۹۴ء برطانیہ میں ۱۸۱۱ء میں اور فرانس میں ۱۸۲۵ء میں ہوا جبکہ اسلامی ممالک میں اسے ختم ہوئے زمانہ گزر چکا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰، عنوان "غلامی")

اسلام سے قبل دوسرا مظلوم طبقہ عورتوں کا تھا جن کے حالات کا مختصر سا جائزہ لے چکے ہیں۔ ان کے بارے میں حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں جو کچھ ارشاد فرمایا اُس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"لوگو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اُن سے بہتر سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں چنانچہ اُن کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کیونکہ تم نے اُنہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اُسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔"

اس کے عملی پہلو کا اندازہ لگانا ہو تو رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کی خانگی زندگی کا مطالعہ کیا جائے معلوم ہو گا کہ دورِ فتوحات میں بالخصوص اور عام حالات میں بالعموم جن مسلمانوں نے متعدد شادیاں کیں، اُنہوں نے اپنی تمام بیویوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر دور میں عورتوں کو ہر شعبۂ زندگی میں برابر کے حقوق دیئے گئے والدین، خاوند اور اولاد کی جائداد میں عورتوں کا حصہ بھی مخصوص کیا گیا، نکاح میں اُن کی رضامندی ضروری رکھی گئی۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں اُنہیں حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ طلاق کی صورت میں اگرچہ اصل فیصلہ مرد کے ہاتھ میں ہے، تاہم بعض ناگزیر حالات میں اُسے خلع کی اجازت دی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں ہمارا مقصد اسلام میں حیثیت نسواں کا تعین کرنا نہیں ہے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام نے جو حقوق اور مراعات اس صنف کو دیئے ہیں وہ کسی اور معاشرے نے نہیں دی نیز ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے جو اُس کا مقام ہے اُس کا مقابلہ مہذب دنیا کی عورتیں بھی نہیں کر سکتیں۔

اسلام کا یہ احسان صرف مسلمان عورتوں پر ہی نہیں ہے۔ بلکہ تمام عالم نسواں پر ہے کیونکہ جب اہلِ اللہ دوسرے بلاد و امصار میں گئے اور وہاں کی غیر مسلم رعایا نے اُن کا سلوک عورتوں کے ساتھ دیکھا تو اس کا اثر اُن پر بھی پڑا۔ ہندوستان میں ستی کی رسم اگرچہ بالکل ختم تو نہ ہو سکی تاہم مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں اس میں بہت حد تک کمی واقع ہوئی۔ بیوہ عورتوں کی شادی بھی ہونے لگی۔ غرضیکہ اسلام کے سایۂ عاطفت میں بھی ہندی عورت نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ مسلمانوں کے دیکھا دیکھی یورپ اور مشرقِ بعید کے ممالک میں بھی عورتوں کی آزادی اور حقوق کے لئے تحریکیں اُٹھیں اور انہیں خاصی حد تک کامیابی ہوئی۔

رسولِ رحمت نے جب منشورِ انسانی دیا اُس کے بعد سے دنیا کے مختلف ممالک میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے بڑی بڑی تنظیمیں قائم ہوئیں ادارے وجود میں اور انجمنیں بنائی گئیں، اُنہوں نے کسی حد تک اس مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ حقوقِ انسانی کے تحفظ کا سب سے زیادہ دعویدار "اقوامِ متحدہ" ہے۔ اس نے اپنے منشور کی شق نمبر ایک میں یہ بات کہی ہے "عام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور اپنے رتبے اور حقوق میں مساوی ہیں" اول تو ان الفاظ میں اجمال و ابہام ہے دوسرے یہ کہ شاید اسی ابہام کی وجہ سے یہ ادارہ بھی انسانوں کو اُن کے اصل حقوق دلوانے میں زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا۔ تاہم اس کی کوشش کو سراہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس ادارے کے سامنے بھی حقوقِ انسانی کے سب سے بڑے مؤید سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا متن رہا ہو گا۔ جس میں تمام طبقات کے انسانوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی

گئی ہے۔

اسلام سے قبل مذہب بھی انسانی احترام کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ کسی جگہ کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ سوادِ اعظم کے ہاتھوں اقلیتوں نے بڑے دکھ اُٹھائے۔ آلِ اسرائیل کے زمانۂ اقتدار میں غیر اسرائیلی اقوام نے ہر علاقے میں ظلم ڈھائے۔ یونانی اور رومی یہودیوں پر مظالم ڈھاتے رہے۔ پھر جب شاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو مشرقی رومی سلطنت میں رہنے والے یہودی نصاریٰ کے ہاتھوں تختۂ مشق بنے رہے۔ اور سب سے بُرا حال تو ہندو معاشرے میں رہنے والے افراد کا تھا، جس نے اپنے ہی مذہب اور عقیدے کے ایک طبقے کے لوگوں کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔

اسلام مذہب کے نام پر کسی قسم کے ظلم و ستم کی اجازت نہیں دیتا۔ صدرِ اسلام میں عرب میں یہودی، عیسائی، سبائی، بُت پرست وغیرہ مختلف عقائد و نظریات کے لوگ آباد تھے۔ انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ اگر اُن کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کیا بھی گیا تو اُس کی ذمہ داری بھی اُن پر عائد ہوتی ہے۔ ورنہ عام حالات میں سب غیر مسلم سکون و امن سے رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر قبل مسلمانوں کو وصیت فرمائی تھی کہ آپؐ کے بعد اہلِ ذمہ (غیر مسلم رعایا) کا خاص خیال رکھا جائے اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپؐ کے ماننے والوں نے اس پر پُوری طرح عمل کیا۔ حضرت عمر فاروق نے اپنی شہادت کے وقت یہ فرمایا کہ مَیں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اگر ضرورت پڑے تو اُن کے حقوق کے تحفظ کے لئے جدال بھی کرے۔

مجموعی طور پر مسلمان حکمرانوں نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ نہایت عادلانہ اور فراخدلانہ سلوک کیا۔ بلکہ بعض ادوار میں تو اُن کی حالت مسلمانوں سے بھی بہتر تھی۔ اُن کے اپنے معاملات کے لئے اُن کی عدالتیں الگ تھیں جہاں اُن کے قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ سیکرٹریٹ اور فوجی شعبہ میں بھی غیر مسلم رعایا کے ناموں کا ثبوت ملتا ہے۔ خاص طور پر مالیات کے شعبہ میں اُن کا عمل دخل بہت زیادہ تھا۔

اس حسن سلوک نے غیر اقوام کو بھی متاثر کیا۔ اور جہاں جہاں غیر مسلم حکومتیں قائم ہوئیں انہوں نے بھی اپنی اقلیتوں کو کسی حد تک مراعات دینے کی کوشش کی۔ آج تقریباً ہر مملکت میں اقلیتی امور سے متعلق وزارتیں یا محکمے قائم ہیں جن کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے زیرِ اقتدار اقلیتوں کو انصاف دیں اور اُن کے حقوق کی دیکھ بھال کریں۔

۳۔ معراجِ علم و تحقیق

انسان بنیادی طور پر جاہل پیدا ہوتا ہے، لیکن تجسس اُس کی فطرت میں ہے۔ یہی جذبہ اُسے اشیا کی حقیقت، ماہیت اور حکمت کو جاننے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے اُس کے دل و دماغ میں کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟ وغیرہ جیسے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہی جذبہ ان سوالات کے جواب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب ابتدائی دَور کے انسان نے کرۂ ارضی پر آنکھ کھولی تو اُس نے اپنے ارد گرد کائنات کی بیکراں وسعتوں کو بکھرے ہوئے دیکھا جو لاتعداد حقائق اور حکمتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ اُس نے ان سب پر غور و فکر کیا اور وقت کے ساتھ ساتھ اُس پر اسرارِ کائنات کھلتے گئے جسے وہ اپنے دماغ میں محفوظ کرتا رہا اور آنے والی نسلوں کے سینوں میں منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ اُس نے شعور و آگہی کی وادی میں قدم رکھا اس منزل پر انسان نے اپنی قوتِ مشاہدہ کو اور تیز کیا اور مزید تجربات کر کے علم کو محفوظ کرنے کا فن ایجاد کیا۔ یہی تجربات اُس کے علم کی اساس و بنیاد

ٹھہرے۔ گویا علم ہر دَور میں موجود تھا مگر اُس کے حامل چند لوگ تھے۔

اس بنا پر ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اسلام سے قبل انسان مکمل طور پر جہالت اور تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا لیکن اس کا افادہ محدود تھا۔ اس پر صرف ایک خاص طبقہ کے لوگوں کی اجارہ داری تھی۔ یورپ میں صرف اہل کلیسا اس پر قابض تھے عوام کو اس کی نہ ضرورت تھی اور نہ ہی اُن کے پاس اس کے اکتساب کے ذرائع تھے۔ ہندوستان میں اس پر صرف برہمنوں کا تصرف تھا چھوٹی ذات کے لوگ اسے حاصل تو کیا کرتے انہیں تو ہندومت کی بنیادی کتابوں کے اشلوک اور شبد سننے کی بھی اجازت نہ تھی۔ عرب میں چند کاہن اور عارف اس کے دعویدار تھے۔ بلاذری کی ایک روایت کے مطابق ظہور اسلام کے وقت مکہ میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھوں میں شمار ہوتے تھے۔ یہی صورتِ حال دوسرے ممالک کی تھی۔ ایک زمانے میں روم اور یونان میں اس کا چرچا ضرور تھا لیکن وہ بھی صرف چند حکماء اور فلاسفہ کی حد تک۔

مکہ میں جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ نے تبلیغ دین کے ساتھ علم کے حصول پر بھی زور دیا۔ باوجودیکہ آپ کا مکی دَور تمام تر صعوبتوں اور مصائب میں بسر ہوا پھر بھی آپ نے علم کی اشاعت کی مقدور بھر کوشش کی۔ اس زمانے میں مندرجہ ذیل مقامات تعلیمی اور تدریسی مراکز کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

۱۔ دارِ رسول۔ یہاں پر اکثر مسلمان جمع ہوتے تھے اور حضور خود تعلیم دیا کرتے تھے۔

۲۔ دارِ ارقم۔ مشہور جگہ تھی یہاں بھی مسلمان اکثر جمع ہو کر علم و حکمت کی باتیں کرتے تھے۔

۳۔ دارِ اُمّ ہانی حضور کی پھوپھی کا گھر تھا۔ واقعۂ معراج یہیں پیش آیا۔ یہاں بھی علمی اور تبلیغی سرگرمیاں رہتی تھیں۔

۴۔ دارِ ابوطالب۔ آپ کے چچا کا گھر تھا۔

۵۔ قبہ ابوبکر۔ یہاں صدیق اکبر تعلیم دیا کرتے تھے۔

جب حضور مکہ سے ہجرت کر کے اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے تو دعوت حق کے لئے آپ کے سامنے صرف ایک بستی، ایک آبادی اور ایک شہر کے لوگ نہ تھے بلکہ آپ کے مخاطب تمام بنی نوع انسان تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے مشن کا آغاز اسی نقطۂ نظر سے کیا۔ جہاں آپ نے انسان کو زندگی کی مختلف جہتوں اور حقائق سے آگاہ کیا۔ اُس کے ساتھ ہی آپ نے علم کی اشاعت کے لئے بھی اُسی خلوص اور جذبہ کے ساتھ انتظام کیا۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے علم کے لیے اجارہ داری کو ختم کر کے اسے پوری انسانیت کے لیے عام کیا اور فرمایا:

"طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کل مسلمٍ و مسلمۃٍ"

یعنی طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلمانوں میں علم صرف کسی خاص طبقہ، خاص نسل، خاص رنگ، خاص علاقے کے لوگوں میں محدود ہو کر نہیں رہا بلکہ عربوں کے علاوہ، موالیوں، غلاموں، مردوں، عورتوں حتیٰ کہ مفتوحہ اقوام کے افراد تک پھیل گیا۔ اس کی وجہ سے علم کا فیضان اور افادہ تمام انسانوں کو یکساں پہنچا۔ اور اُس پر سے اہل کلیسا اور مذہبی طبقہ کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ آج پُوری دنیا کے لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت اور رنگ و نسل جو اکتساب علم کر رہے ہیں اور اس کا جو ثمر عام انسان کھا رہا ہے تو یہ اسلام ہی کا فیض ہے۔

دوسرا اہم کارنامہ جو علم کے سلسلے میں اسلام نے سرانجام دیا وہ ہے خود آگاہی۔ اس سے قبل جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، انسان اپنی

حیثیت، مرتبہ اور کائنات میں اپنے مقام سے آگاہ نہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ غلامی کی کڑی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ جس سے مر کر ہی نجات حاصل ہو سکتی تھی۔ ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی کہ انسان جملہ مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کا شاہکار ہے۔ اس کی وضاحت ہم احترام آدمی کے عنوان سے گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں اس لئے یہاں پر اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تیسرا کارنامہ جو اسلام نے علم کے ذریعے سرانجام دیا وہ ہے خدا آگاہی۔ کیونکہ اُس کے نزدیک ہر وہ علم جو خداشناس نہ ہو جہل مرکب کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام میں سب سے زیادہ زور قرآن کریم کے معانی، تفسیر اور احادیث نبوی کی تشریح و توضیح پر دیا گیا۔ کیونکہ علم کے یہ دو مصادر خداشناسی کی صحیح ترجمانی کر سکتے تھے۔ تاہم ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کو علم کی دوسری شاخوں پر توجہ دینے کی تلقین بھی فرمائی تھی۔ مثلاً زید بن ثابت سے یہ کہا گیا کہ وہ عبرانی، فارسی اور یونانی زبانیں سیکھیں کیونکہ اُس دور میں علم و فنون کی تحصیل کا سب سے اہم ذریعہ یہی زبانیں تھیں۔ اس فرمان پر حضرت زید بن ثابت نے کما حقہ عمل کیا اور ایک روایت کے مطابق اُنہوں نے صرف سترہ ایام کے اندر عبرانی زبان سیکھی۔ جس تعلیمی نظام کی اساس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رکھی تھی، اس پر عہد خلفائے راشدین میں مزید اضافے ہوئے اور قرآن و حدیث کی حفظ و کتابت اور فقہی مسائل کی تعلیم و تدریس کے علاوہ اخلاقی شعار، اشعار عرب اور ادب کو بھی نصاب تعلیم کا جزو بنایا گیا۔

یہ دور چونکہ برق رفتار فتوحات کے لئے خاص طور پر شہرت رکھتا ہے، اس لئے مسلمانوں کا واسطہ مفتوحہ اقوام سے بھی پڑا۔ جن کا کچھ نہ کچھ علمی ورثہ موجود تھا۔ مسلمانوں نے اُن سے بھی علم سیکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور انتظامی امور، طریق جنگ، بین الاقوامی تجارت، تاریخ، سوانح نویسی، طب اور دوسرے علوم میں اکتساب کیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور نے کوئی بہت بڑا دانشور پیدا نہیں کیا، لیکن اس نے مسلمانوں میں وہ روح بیدار کی جس کے نتیجہ میں آنے والی صدیوں نے لاتعداد علماء فضلاء دانشور اور محقق پیدا کئے اس دور نے تحقیق کے اصولوں کی بنیاد رکھی اور علم و تحقیق کی صحیح قدر و منزلت کی شناخت کروائی اس کی وجہ سے مسلمانوں میں علوم و فنون کے سیکھنے کی ایسی تڑپ اور لگن پیدا ہوئی جس نے اُنہیں دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں پھیلنے اور انہیں فتح کرنے کا عزم پیدا کیا تاکہ وہ مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی حکمت اور صنعت کو دیکھیں، پرکھیں، ضروری سمجھیں تو اُس میں ترمیم کر کے اپنائیں اور اضافہ کریں۔ اس کے نتیجہ میں بنو امیہ کے دورِ زوال اور بنو عباس کے عہد شباب و عروج میں تین قسم کی علمی تحریکات اُٹھیں۔ ۱۔ حرکتِ دینی۔ ۲۔ حرکت تاریخ و قصص و سیر نویسی اور ۳۔ حرکت فلسفیہ، منطق، کیمیا اور طب وغیرہ۔ ان تحریکوں کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام طبقات میں علم و تحقیق کا زبردست شوق پیدا ہوا۔ ان کا نقطۂ آغاز مسجد نبوی تھا، جہاں اپنی حیات طیبہ میں حضور خود درس دیا کرتے۔ پھر یہیں سے عاشقان علم کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہیں اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ ان کی بدولت علم مدینہ منورہ کے علاوہ قبائل عرب میں بھی پھیلا۔ رفتہ رفتہ تمام ممالک کی مساجد میں مکاتب کھل گئے ان مکاتب میں پہلے رضاکارانہ تعلیم و تدریس دی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں باقاعدہ معلمین اور مدرسین مقرر کئے گئے جنہیں سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔

خلفائے بنو عباس کے زمانے میں مساجد تعلیم کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگیں تو مدارس کے لئے الگ عمارتیں بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کا رواج عام ہو گیا۔ مساجد میں بھی حسب سابق تعلیم دینے کا رواج جاری رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت تک دورِ فتوحات ختم ہو چکا تھا اس لئے خلفاء، سلاطین اور امراء وزراء کی توجہ علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف مبذول ہوئی۔ علم کے لئے کتاب کی ضرورت تھی، اُس زمانے میں چھاپہ خانہ تو نہ تھے، اس لئے حکومت کی سرپرستی اور عوام کے شوق کی وجہ سے تمام ممالک اسلامیہ میں کتب خانے قائم ہوئے جہاں ہر علم پر اور ہر بڑے مصنف کی تصانیف محفوظ کر لی جاتی تھیں۔

مسلمانوں نے دورِ حاضر کے انسان پر ایک احسان یہ بھی کیا کہ دنیائے قدیم کے ممتاز دانشوروں، حکماء اور فلاسفہ کی نگارشات کو بھی منظرِ عام پر لائے۔ اس ضمن میں خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس نے اسلامی مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں لائبریریوں کے ساتھ دارالتراجم قائم کئے اور ماہرین کی خدمات حاصل کیں، جنہوں نے تھیلز (THALES) سے لے کر بطلیموس تک کی تصانیف عربی زبان میں منتقل کیں، ان پر شرحیں لکھیں، ان کی غلطیاں نکالیں اور ان پر نہایت معقول اضافے کئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج کا انسان سقراط، افلاطون، ارسطو، جالینوس اور ایسے متعدد مصنفین کے کارناموں سے ناآشنا رہتا اور جن علوم پر انہوں نے کام کیا انہیں ابتداء سے شروع کرنا پڑتا۔

جب تشنگانِ علم کی پیاس اِن اداروں سے بھی نہ بجھی تو علم دوست مسلم خلفاء، سلاطین اور ملوک نے اپنی حدودِ خلافت، سلطنت اور مملکت میں بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کیں، جہاں تمام مدارس و مکاتب کے فارغ التحصیل ماہرین اپنے شوق کے علوم میں تخصص کا درجہ حاصل کرتے تھے۔

مسلمانوں کے عہدِ زریں میں اس قسم کی جامعات کے لئے بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، قاہرہ، بخارا، سمرقند وغیرہ خاص شہرت کے حامل رہے ان اداروں میں علوم نقلیہ کے علاوہ، تمام علوم عقلیہ مثلاً طبیعیات، میکانیات، بصریات، فلکیات، ریاضی، ہندسہ، نباتیات، حیوانیات، طب، جراحت، کیمیا اور علم الادویہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

ہمارا مقصد یہاں پر مسلمانوں کے علمی کارنامے بیان کرنا نہیں۔ یہ موضوع بہت طویل ہے اس کے لئے دفتر درکار ہوں گے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان تمام علمی سرگرمیوں کا فائدہ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں پہنچا بلکہ ان یونیورسٹیوں سے غیر مسلم طلبہ بھی یکساں مفید ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثریت کا تعلق تو مقامی آبادیوں سے تھا تاہم بعض غیر مسلم طلبہ بیرونی ممالک سے آکر علم کے ان سرچشموں سے فیض حاصل کرتے تھے اور اپنے ممالک میں واپس جاکر اپنے ہم وطنوں کو اس سے روشناس کرتے تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں علم کے ذریعے انسانی تہذیب و تمدن کو وہ ترقی دی کہ وہ ویرانۂ عالم چمن زار بن گیا۔ اس حقیقت کا اعتراف اکثر مستشرقین نے کیا ہے۔ ہم یہاں پر صرف ایک بیان پر اکتفاء کرتے ہوئے رابرٹ بریفالٹ کا حوالہ پیش کرتے ہیں جو اپنی مشہور کتاب (MAKING OF THE HUMANITY) میں لکھتے ہیں۔

"مغربی ثقافت میں ایسا کوئی شعبہ نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہو لیکن ایک شعبہ تو ایسا ہے، جس میں یہ اثر بالکل کھل کر سامنے آجاتا ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت عصرِ حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے۔ یعنی علم الاشیاء۔ سائنس کی روح' ہماری سائنس عربوں کی صرف اس حد تک مرہونِ منت نہیں کہ انہوں نے ہمیں عجیب و غریب نظریات و انکشاف سے روشناس کیا بلکہ ہماری سائنس کا وجود انہی کا شرمندۂ احسان ہے۔"

اب تک جو کچھ بیان کرچکے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہر دور اور ہر خطے کے انسان نے مختلف اسباب و وجوہات کی بنا پر انفرادی اور اجتماعی ہجرت کی جس کا اثر افراد اور اقوام پر پڑا لیکن جو ہجرتیں انبیاء علیہم السلام نے منشائے ایزدی کے تحت کیں ان کی وجہ سے انسانی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب ہوتے رہے۔ جہاں تک سامی النسل قبائل کی ہجرتوں کا تعلق ہے۔ ان کے اثرات کو بھی ہم کسی حد تک تسلیم کرتے ہیں لیکن ان ہجرتوں کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ساتھ کسی طرح کی مطابقت اور مماثلت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اول الذکر ہجرتیں صرف معاشی نوعیت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کی گئی تھیں جن کا اثر بھی صرف مقامی لوگوں تک محدود رہا۔ جبکہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کی ہجرت کی نوعیت صرف مذہبی اور معاشرتی تھی۔ نیز یہ ہجرت صرف مدینہ جاکر ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد اس کی ابتداء ہوئی اور ایک عالمی معاشرتی انقلاب

کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس نے اقوام و ملل، مذاہب و ادیان اور انسانی تہذیب و تمدن کے ہر گوشہ کو متاثر کیا۔ تاریخ میں یہ عمل آج بھی جاری ہے اور جب تک یہ دنیا قائم رہے گی جاری رہے گا حقیقت یہ ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد ہی آپؐ نے اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور وہ مشن یہ تھا کہ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے اور مختلف حیثیتوں سے اُن کے باہمی تعلقات کس طرح ہونے چاہئیں اور کائنات کے خالق کے ساتھ اُس کا کیا تعلق ہے! اس کے لئے آپ نے حقوق و فرائض پر مبنی ایک ضابطہ عطا فرمایا جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حدود کا تعین کیا۔ حقوق اللہ کی بجا آوری کے لئے آپؐ نے تصورات اور عبادات کا جامع نظام دیا اور حقوق العباد کے لئے اپنا اسوہ بطور نمونہ پیش کیا اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی ضروری وضاحت کے لئے صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ انسان کی معاشرے میں مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں وہ حاکم بھی ہوتا ہے اور شہری بھی۔ وہ باپ بھی ہوتا ہے اور بیٹا اور بھائی بھی۔ وہ تاجر بھی ہوتا ہے اور گاہک بھی۔ آجر بھی ہوتا ہے اور مزدور بھی۔ سپہ سالار بھی ہو سکتا ہے اور معمولی سپاہی بھی۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے آپؐ کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ آپؐ کی زندگی کا کوئی گوشہ انسانی آنکھ سے اوجھل نہیں ہے۔ آپؐ نے جس انداز سے زندگی بسر کی اور مختلف شعبوں، پیشوں، طبقات اور حیثیتوں کے لوگوں کے ساتھ جس طرح روابط و تعلقات کا مظاہرہ فرمایا اُس سے حقوق العباد کی حدود کا تعین مشکل نہیں ہے آپؐ نے یہ معیار صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں پیش کیا بلکہ آپؐ کی ذات گرامی تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک معیار ثابت ہوئی۔ جس سطح کا انسان چاہے آپؐ کی حیات طیبہ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے غرضیکہ آپؐ نے افراد کو حقوق و فرائض کی زنجیر پہنا کر ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جو نہ صرف آپؐ کے دورِ مبارک میں مثالی تھا۔ بلکہ آنے والے تمام ادوار کے لئے ایک مثال بنا۔

معاشرے کے متعدد و اہم وظائف میں سے ایک ریاست بھی ہے۔ یہ معاشرے کے متمدن اور مہذب ہونے کی دلیل ہے ریاست اگرچہ نبوّت کے مقاصد جلیلہ میں سے نہیں ہے تاہم یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ کی نئی سوسائٹی میں ایک منظم ادارہ وجود میں آیا جس کے وظائف میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ شامل تھے، اسی تنظیم کو مفکرین اور مؤرخین نے ریاست نبویہ یا ریاست مدینہ کا نام دیا ہے یہ ریاست وسعت اور رقبہ کے اعتبار سے اتنی بڑی نہ تھی لیکن اس کے تحت، اس میں رہنے اور بسنے والوں کی خوشحالی، فارغ البالی، مرفہ الحالی حریت اور دیگر بنیادی شہری حقوق کا جتنا خیال رکھا گیا اُس کی مثال ہمیں آج کی مہذب ریاستوں کے منشور میں بھی نہیں ملتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اسی چھوٹی اور محدود ریاست کی بنیادوں پر مسلمانوں نے نہایت پُر شکوہ خلافتوں، سلطنتوں اور مملکتوں کی تعمیر کی۔ جس کے نتیجہ میں مہذب ممالک کے لوگ بھی مفتوحہ اقوام کی حیثیت سے داخل ہوئے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان اسلامی حکومتوں کے تحت جس قدر خوشحالی اور مذہبی اور سیاسی آزادی سے مفتوحہ اقوام لطف اندوز ہوئیں، اُس کا عشر عشیر بھی انہیں اپنے ہم مذہب اور ہم وطن بادشاہوں اور حکمرانوں کی عملداری میں نصیب نہ تھا اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ بعض اوقات جب کسی سیاسی یا فوجی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو مفتوحہ مقامات سے اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں تو وہاں کی مقامی رعایا کی اکثریت نے اس پر آنسو بہائے اور اُن کے واپس آنے کی دُعائیں مانگیں۔

ان کوائف و حقائق کی روشنی میں ہم اگر ہجرت نبوی کا تجزیہ کریں تو بلا جھجک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ واقعہ تاریخ اسلام ہی کا عظیم واقعہ نہ تھا کہ جس کے بعد اسلام کی شوکت و عظمت میں بے پناہ اضافہ ہوا بلکہ تاریخ انسانی میں بھی اس کی اہمیت و خصوصیت کسی طرح کم نہیں ہے اس واقعہ نے انسانی تاریخ کو دو واضح ادوار میں تقسیم کر دیا۔ ایک انسان کی پیدائش سے لے کر ہجرت سے پہلے کا دور اور دوسرا ہجرت کے بعد کا دور اور

جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ پہلے دورِ طویل میں انسان نے صرف گھٹنوں کے بل چلنا سیکھا۔ جب کہ دوسرے دور کے انسان نے نہ صرف بھاگنا بلکہ فضا میں اڑنا سیکھا۔ پہلے دور کا انسان سورج، چاند، ستاروں کے بارے میں غور و فکر کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ دوسرے دور کا انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ فکر کے بل بوتے پر تسخیر ماہ و پروین کر رہا ہے اور جیسے جیسے وہ تسخیر کائنات میں کامیابیاں حاصل کرتا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ کیونکہ یہ چاند ستارے اور کہکشاں تو آپؐ کے پاؤں کی گرد ہے کیونکہ شب اسریٰ تمام کائنات آپؐ کے قدموں تلے تھی اور آپؐ کا جسم اطہر تمام افلاک کی بلندیوں سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ پر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا۔

شب معراج عروج تو از افلاک گذشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

ہجرتِ مدینہ کے اسباب و محرکات

ڈاکٹر نشار احمد

قرآن اور سیرت رسول اللہ لازم و ملزوم ہیں۔ دینی و شرعی لحاظ سے بھی اور تاریخی و واقعاتی اعتبار سے بھی دین کی تکمیل کے لئے بھی دونوں کی یکساں ضرورت و اہمیت ہے اور تاریخ اسلامی کیلئے بھی یہ دونوں اولین مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن سیرت رسول اللہ کا پہلا سرچشمہ اور مستند[1] مرجع ہے اگرچہ حضرت عائشہ نے یہ فرما کر " کَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْآن " اس بات کی کافی وضاحت کردی ہے کہ جو کچھ قرآن میں موجود ہے اس کا عملی نمونہ رسول اللہ کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ تاہم تاریخی طور پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول[2] یکبارگی نہیں ہوا[3]۔ بلکہ آہستہ آہستہ[4] تیئیس سال کے عرصہ میں تکمیل ہوا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس تیئیس سال کے عرصہ میں وقت، ضرورت اور حالات نے جو رخ بھی اختیار کیا اسی کے مطابق وحی الٰہی میں احکام و ہدایت کا اجرا[5] ہوا۔ نزول وحی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب کہ رسول اللہ کی عمر چالیس سال تھی اور وفات سے پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ کی حیات طیبہ کی آخری تیئیس[23] سالہ سرگرمیوں پر قرآن شاہد عادل ہے اور اس عرصہ میں رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ، افعال و کردار اور مختلف حیثیتوں میں آپ کے طرز عمل کو صراحتہً یا کنایتہً بیان کرتا ہے جب کہ ابتدائی چالیس سالہ زندگی کے بارے میں بھی قرآن خاموش نہیں ہے بلکہ آپ کی ابتدائی زندگی، یتیمی، غربت، نشو و تربیت، تلاش حق، مشاغل و کردار، اور بعثت و نبوت کے مقدمات پر بھی نہ صرف پوری روشنی ڈالتا ہے۔ بلکہ آپ کی قبل بعثت کی زندگی کو بطور دلیل حجت کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے"

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون " اور وَانَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ " کہہ کر مجموعی طور پر آپ کی پوری مکی زندگی پر تبصرہ بھی کر دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے تمام نقوش و تاثرات قرآن حکیم میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔

۱۔ کیونکہ یہ جس عبارت میں اترا تھا اسی میں آج تک محفوظ ہے۔ جس میں کسی قسم کی کمی بیشی تحریف و تخفیف اور نقصان و اضافہ کا امکان نہیں ہے دیکھیے سورہ حجر (۹) کہف (۱، ۲، ۷)، شعراء (۱۹۲، ۱۹۳، ۲۱۰، ۲۱۱) نجم ۳، ۴ حٰم سجدہ (۴۱، ۴۲) سبا (۶) الحاقہ (۵۱) بقرہ (۲۱)، یونس ۱۵۔

۲۔ شعراء ۱۹۳، بقرہ (۹۹)، مائدہ (۴۸)، نحل (۴۴، ۶۴) طٰہٰ ۲، عنکبوت ۴۸، زمر (۲، ۴۱)

۳۔ کفار کا تو اعتراض ہی اس بات پر تھا کہ قرآن یکبارگی نازل کیوں نہ ہو گیا اسکا جواب سورہ فرقان میں دیا گیا دیکھیے سورہ فرقان ۳۲

۴۔ سورہ دہر ۲۳، انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا۔

۵۔ اسکی حکمت یہ بیان ہوئی کہ ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق و احسن تفسیرا۔ (فرقان ۳۳)

اور دوسری تفصیلات کے دوش بدوش قرآن واقعات سیرت کا بھی حسین مرقع ہے اور یہاں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ چونکہ قرآن غیر متبدل صحیفہ اور لافانی کتاب ہے۔ اس لئے بیان سیرت کے لئے یہ کتاب وہ میزان بھی فراہم کر دیتی ہے۔ جس کے پیش نظر واقعات سیرت کی جہاں بین، تحقیق و تفتیش اور تجسس و تفحص آسان بن جاتی ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کا محرک صرف قرآن تھا۔ اور زندگی کے کسی گوشہ میں بھی آپ نہ اس سے تجاوز کر سکتے تھے نہ انحراف!

قرآنی نقطہ نظر سے اگرچہ تمام واقعات سیرت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس وقت صرف واقعہ ہجرت کے ایک پہلو پر بحث کرنا مناسب ہے۔ ہجرت رسول کا واقعہ ۲، سیرت کا ایک انتہائی اہم باب ہے۔ تاریخی لحاظ سے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کے اسباب کی تعیین کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن غالباً قرآن کی روشنی میں ہجرت کے واقعات و اسباب کا قابل ذکر مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مختصر سے مقالے میں ہجرت رسول کے اسباب و محرکات کا قرآنی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہجرت کے لغوی معنی جدائی، علیحدگی اور ترک تعلق کے ہیں ۳ جبکہ قرآن کی متعدد آیات ۴ میں لغوی معنی کی رعایت رکھتے ہوئے مہاجرت سے مراد گھر بار ملک و وطن (دار الکفر) چھوڑ کر کسی دوسری جگہ (دار الاسلام) منتقل ہو جانے کے ہیں۔ مثلاً سورۃ النساء میں ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ومن یہاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغماً کثیراً وسعۃ ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی ——— اللہ ۵ اور پھر بطور ایک مستقل اصطلاح قرآن

۱۔ سورہ یونس (۱۵)، نجم (۳،۴)

۲۔ ہجرت مدینہ کے لئے رسول اللہ کی مکہ سے روانگی کی تاریخ کو مورخین عام طور پر بیان نہیں کرتے ہیں لیکن سب کے نزدیک روانگی کا دن دو شنبہ کا تھا اس وجہ سے غالباً یہ مقدس سفر یکم ربیع الاول مطابق ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء بروز پیر شروع ہوا۔ پھر جملہ مورخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ قبا میں آپ کا ورود مسعود ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء بروز دوشنبہ ہوا۔ قبا میں رسول اللہ کا قیام چار روز رہا جیسا کہ مورخین اور اصحاب سیر کا اس پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ البتہ صحیح بخاری کی ایک روایت ۱۴ دن کی ہے اور جسے علامہ شبلی نے بھی بغیر کسی دلیل کے صحیح مان لیا ہے (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۷۵) لیکن یہ ناقابل فہم بات ہے۔ کیونکہ قبا میں رسول اللہ کی آمد ۸ ربیع الاول کو ہوئی جس کا اعتراف علامہ شبلی نے بھی کیا ہے اور اس تاریخ کو دو شنبہ تھا۔ جیسا کہ خود علامہ شبلی نے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ جدید حساب سے دو شنبہ کا دن آیا ہے تو جمعہ کا دن چار دن بعد ہی آئے گا۔ چودہ دن بعد تو اتوار ہوگا۔ جبکہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ مدینہ میں آپ کا داخلہ جمعہ کے دن ہوا جس کی صراحت طبری کے یہاں موجود ہے۔) خلاصہ یہ ہے آپ مکہ سے ہجرت فرما کر ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ مدینہ میں داخل ہوئے۔

۳۔ ہجرت لفظ ہجر سے ماخوذ ہے۔ یہ وصل کی ضد ہے۔ (ابن درید جمہرۃ اللغۃ ج ۲ ص ۸۷۔ دکن ۱۳۴۵ھ

۴ قرآن نے لفظ ہجر اور اس کے مشتقات کو ۳۱ مقامات پر استعمال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم از محمد فواد عبدالباقی۔ مکتبہ وحیدیہ۔ عابدین ۱۳۷۸ھ ص ۳۰،۳۱، نیز قرآن کی یہ آیات خاص ہیں۔ بقرہ (۲۱۸)، نساء (۸۹)، حشر (۸)

۵۔ نساء (۱۰۰) ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے (گھر بار چھوڑ جائے) تو وہ زمین میں بہت سی جگہ کشائش پائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے اور پھر اس کو موت آ پکڑے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

یہ بھی وضاحت کر دیتا ہے کہ اللہ کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ یا مقصد کے لئے نقل مکانی ہجرت نہیں کہلاتی یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہجرت کا ذکر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "فی سبیل اللہ" کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں[1] تاکہ یہ امر ثابت ہو جائے کہ ہجرت وہی معتبر ہے جو ایمان، اخلاص نیت اور فی سبیل اللہ کی شرائط کے ساتھ ہو۔ اس کی تشریح رسول اللہ نے اس طرح فرمائی ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه ومن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله[2]

یہ رسول اللہ کا صرف ارشاد ہی نہ تھا بلکہ آپ اور آپ کے صحابہ نے ہجرت بالفعل پورے اخلاص کے ساتھ اور رضائے الٰہی کے لئے کی تھی چنانچہ حضرت خباب کا بیان ہے کہ۔ کنا هاجرنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم نبتغی وجه الله۔

قرآن ایک طرف تو وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[3] کہکر انسان کے مقصد تخلیق کو متعین کر دیتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ایک جگہ خدا کی بندگی میں مشکلات درپیش ہوں اور زمین اس کے لئے تنگ ہو گئی ہو تو وہ جگہ وہ زمین اور وہ ملک چھوڑ دیا جائے کیونکہ اصل چیز قوم، وطن اور ملک نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کی بندگی ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت و اطاعت اور بندگی و غلامی رب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نئی دنیا آباد کرنی ہوگی، کہ خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔ اس مضمون کو سورہ عنکبوت میں ایک ہی جملے میں اسطرح سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے کہ:

یٰعبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون[4] اور سورۃ نساء کا انداز بیان یہ ہے کہ:

قرآن انسانی فطرت کی تمام باریکیوں اور اس کی طبیعت کے تمام تقاضوں پر نظر رکھتے ہوئے بجا طور پر یہ محسوس کرتا ہے کہ ہجرت فی الواقع بڑا مشکل کام ہے[6] اس لئے جو لوگ اپنی عزیز ترین اشیاء کو چھوڑ کر، گھر بار اثاثہ ملک و وطن کو خیرباد کہہ کر، عزیز و اقارب سے ترک تعلق کر کے بے سہارا، و بے یار و مددگار ہوکر، ہجرت کے لئے قدم اٹھاتے ہیں وہ فی الحقیقت اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں اجر و ثواب بھی ان کا ان قربانیوں کے شایان شان دیا جائے چنانچہ قرآن مہاجرین کے لئے اجر عظیم کی بشارت سناتے ہوئے متعدد انعامات کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے انہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی حاصل ہوگی[7] وہی لوگ بلند مرتبہ اور کامیاب و

۱- بقرہ (۲۱۸)، نساء (۸۹، ۱۰۰)

۲- بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینہ

۳- ترجمہ: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ پس جس کی ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی تو یہ انہی چیزوں کیلئے ہوگی اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی تو اسکی ہجرت انہی کی طرف ہوگی۔ (اور اس کا اللہ اور رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا: ۳: ذاریات (۵۶)

۴- آیت (۵۶)، ترجمہ: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو! میری زمین فراخ ہے۔ تو میری ہی عبادت کرو!!

۵- آیت (۹۷) ترجمہ: کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔

۶- جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ عن الهجرة فقال ویحک ان الهجرة شأنها شدید (بخاری)

۷- حشر (۸)

کامران ہونے والے ہیں۔ انہیں دائمی آسائش حاصل ہو گی [1] اللہ ان کی برائیوں اور سیّات کو مٹا دے گا اور دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ عطا فرمائے گا اور وہ لوگ بالآخر آخرت میں بھی نائز المرام ہوں گے [2]

مہاجرین کے لئے قرآن میں جس اجر و ثواب کی بشارت سنائی گئی ہے اور جس کا خلاصہ ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے ان سے اگرچہ مثبت طور پر ہجرت کی تحریک ہوتی ہے اور تسلی و تشفی کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ منفی طور پر ان موانعات کو بھی دور کر دیا جائے جو ہجرت کی راہ میں ہر مہاجر کو پیش آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی متعدد وجوہ سے ہجرت کرنے سے رک سکتا ہے۔ مثلاً

(ا) اسے اپنے وطن میں آرام و آسائش حاصل ہے۔ دنیاوی لذتیں بہم ہیں اور زندگی کی دلچسپیاں اس کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس کی ساری تگ و دو، شب و روز کی سعی و جہد اسی دنیا کی دولت و ثروت اور خوش حالی اور فارغ البالی کے حصول کیلئے وقف ہے تو ایسی صورت میں وہ پسند نہ کریگا کہ ان تمام چیزوں سے دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہو۔

(ب) یہ بھی خدشہ لاحق ہو سکتا ہے کہ ایک ٹھکانہ اجاڑ کر نکل جائیں گے تو پھر دوسرا ٹھکانہ میسر بھی آئے گا یا نہیں۔ پھر ہجرت کے بعد کی زندگی، ذلت و محکومی کی نذر ہو گی یا واقعی بہتر انجام اور رفعت و سربلندی کی امید رکھی جاسکتی ہے؟

(ج) تمام مال و متاع سے اغماض برت لینے کے باوجود ہجرت کے بعد یہ مسئلہ سب سے زیادہ پریشان کن ہے کہ کھانے پینے اور رہنے سہنے کی کیا ضمانت ہے؟

یہ موانعات ہجرت کے باب میں فی الواقع بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا قرآن ان موانعات کو دور کرنے کیلئے جو ہدایات و تعلیمات پیش کرتا ہے۔ ان کا خلاصہ (حسب ترتیب بالا) یہ ہے:-

(ا) :- یہ دنیا اور اس کی تمام لذتیں، بے حقیقت، اس کی ترقی و خوشحالی، بے وقعت اور اس کا عروج و فروغ بے مایہ ہے اس سلسلے میں قرآن کی متعدد مکی سورتوں [3] میں مختلف انداز سے یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ یونس میں حیات دنیاوی کی مثال بارش سے دیتے ہوئے فرمایا گیا۔ انما مثل الحیاۃ الدنیا کماءٍ انزلناہ من السمآء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس والانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفھا وازینت وظن اھلھا انھم قدرون علیھا اتھا امرنا لیلاً او نھاراً فجعلنٰھا حصیداً کان لم تغن بالامس کذالک نفصل الایات لقوم یتفکرون [5]

اسی طرح سورہ انعام میں ارشاد ہوا۔ وما الحیاۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون، افلا تعقلون [6] سورہ کہف کا انداز تخاطب بڑا سخت ہے۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا۔ الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ اولٰئک الذین کفروا بایات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔ [7] اور سورۂ حجر میں رسول اللہؐ کو یہ ہدایت

۱- توبہ (۲۰، ۲۱) ۲ آل عمران (۱۹۵) نحل (۴۱)

۳- نحل (۴۱)، عنکبوت (۶۰)

۴- دیکھئے اعراف (۵۱)، نحل (۳۰)، کہف (۲۹)، سبا (۳۷)، وغیرہ

(بقیہ حواشی صفحۂ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

صاف حکم سنایا گیا کہ لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم ولا تحزن علیھم۔ ان تعلیمات کا مقصد یہ تھا کہ ہجرت کرنے والوں کے سامنے ان چیزوں کی قدر و قیمت کھل جائے جنہیں وہ بہت عزیز رکھتے ہیں اور جن کو چھوڑنے میں وہ اپنا سراسر نقصان تصور کر رہے ہیں جبکہ ہجرت کرنے کی صورت میں انہیں اس مال و متاع سے زیادہ قیمتی چیز اللہ کی رضا اور خوشنودی اور آخرت میں اجر انہیں مل رہی ہے۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے سلسلے میں اس تعلیم کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ مثلاً حضرت صہیبؓ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب خوب مالدار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہتے ہو تو خالی ہاتھ ہی جا سکتے ہو اپنا مال نہیں لے جا سکتے۔ حضرت صہیبؓ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ اہل مکہ کے حوالے کر کے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑے کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس طرح حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر ابو سلمہ اپنے دو ماہ کے بچے کے ہمراہ ہجرت کیلئے نکلے تو بنی مغیرہ (ام سلمہ کے خاندان) نے رستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا کہ تمہارا جی جہاں چاہے چلے جاؤ مگر ہماری لڑکی کو نہیں لیجا سکتے۔ مجبوراً حضرت ابو سلمہ بیوی کو چھوڑ کر چل دیئے۔ اسی اثناء میں بنی عبد الاسد (ابو سلمہ کے اہل خاندان) نے انہیں روک لیا، اور کہا کہ بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو۔ اس طرح بچہ بھی چھن گیا۔ لیکن حضرت ابو سلمہ کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ جبکہ ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ تقریباً ایک سال تک بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہی اور آخر کار بڑی مصیبت سے اپنے بچے کو حاصل کر کے مکے سے اس حال میں روانہ ہوئیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھی اور ان راستوں پر جا رہی تھی جن سے مسلح قافلے بھی گذرتے ہوئے خطرہ محسوس کرتے تھے

(ب) دوسرے خدشہ کو دور کرنے کے لئے قرآن اپنے مخاطبین کے سامنے پچھلی تاریخ کے تمام اہم حوالے نقل کر کے اور انبیاء و رسل کے اہم واقعات سنا کر یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ ہجرت کی وجہ سے تمہیں پریشان و ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵۔ آیت (۲۴) ترجمہ "دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے۔ کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا، پھر اس کے ساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں، مل کر نکلا۔ یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

۶۔ آیت (۳۲) ترجمہ: "اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغلہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کے لئے جو اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟"

۷۔ آیت (۱۰۳ تا ۱۰۵) ترجمہ: کہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بڑے خسارے پر ہیں۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔"

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱۔ آیت (۸۸) ترجمہ: "اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں کو (جو فوائد دنیاوی سے) متمتع کیا ہے تم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا اور ان کے حال پر تاسف کرنا۔"

کیونکہ ہجرت کے بعد کی زندگی میں تمہیں سرفرازی، رفعت و سربلندی اور کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی جس طرح تم سے پہلے کی امتوں کو ملی تھی۔ واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربھا التی بٰرکنا فیھا۔[1] اور کہا گیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ اچھا ٹھکانا بھی فراہم کرے گا۔ انہیں خوشحالی و فارغ البالی بھی عطا کرے گا اور انہیں زمین کی خلافت و تمکنت بھی بخشے گا۔ والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون[2]۔ سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا: ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون[3] سورۂ قصص کا پیرایۂ لطیف یہ ہے۔ وقالوا ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا اولم نمکن لھم حرماً آمنا یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیء رزقا من لدنا ولکن اکثرھم لا یعلمون[4]۔ سورۂ ہود میں فرمایا گیا۔ ویستخلف ربی قوما غیرکم[5]۔ یہاں ایک انتہائی اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن نے صرف استخلاف فی الارض کی بالواسطہ یا بلاواسطہ پیشین گوئیوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک طرف تو کھلی تاریخی صداقتوں کو دہراتے ہوئے حضرت موسیٰ کے حوالے سے یہ کہا کہ: قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون[6]۔ مکہ کے مخصوص حالات میں ظاہر ہے حضرت موسیٰ کی اپنی قوم سے یہ گفتگو نہ صرف معنی خیز بلکہ حقیقت سے انتہائی قریب ہے۔ کیونکہ یہ تاریخی واقعہ سب کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی اقتدار و اختیار، غلبہ و تمکن اور خلافت ارضی کے مواقع ہجرت کے بعد میسر آئے تھے اور مکی سورتوں میں سے ہی ایک سورۂ ابراہیم میں یہ فرما کر بلاغت کا اہتمام و اکمال کر دیا گیا کہ الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت

۱- اعراف (۷، ۱۳۷) ترجمہ: اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، ان کو زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی، وارث بنا دیا۔"

۲- نحل (۴۱، ۴۲) ترجمہ: "اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد خدا کے لئے وطن چھوڑا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش وہ (اسے) جانتے۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں

۳- آیت (۱۰۵) ترجمہ: "اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔"

۴- آیت (۵۷) ترجمہ: "اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں۔ کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے، جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

۵- آیت (۵۷) ترجمہ: "اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا

۶- اعراف (۱۲۸، ۱۲۹) ترجمہ "موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔ زمین تو خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ اس کا مالک بناتا ہے اور آخر کار بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وفرعہا فی السماء. تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون۱

اس آیت کا لفظی مفہوم کچھ ہی ہو یہ زبان حال سے نشوونمائے دعوت اور فروغ اسلام کی نقیب ہے اور اس کے غلبہ وتمکن کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات کے مضامین مسلمانوں کو یہ سمجھانے کے لئے کافی ہیں کہ ہجرت کے بعد کی زندگی یقیناً ہجرت سے پہلے کی زندگی سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مہاجرین کو ضرور ٹھکانا عطا فرمائے گا چنانچہ ان آیات کے نزول پر زیادہ عرصہ نہ گزرا ہوگا کہ دنیا نے ان کی مادی تعبیر دیکھ لی۔ کہ خود اہل مدینہ متعدد بار مکہ حاضر ہوئے اسلام لائے اور پھر مسلمانوں اور رسول اللہ کو اپنے یہاں آنے کی اجتماعی دعوت دی۔ بلکہ ہجرت سے کچھ ماہ پیشتر بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انہوں نے رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کے لئے آمادہ کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کو بھی ذہنی و نفسیاتی طور پر تیار کر دیا چنانچہ یہی موقعہ تھا کہ جس کے بعد مسلمانوں نے بھی مدینہ جانا شروع کر دیا۔ اور رسول اللہ نے بھی سفر مدینہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

(ج) ہجرت کے بعد سب سے اہم مسئلہ کھانے پینے، رہنے سہنے کی ضمانت کا ہے تو اس بارے میں قرآن کا سیدھا اور صاف بیان یہ ہے کہ۲ وکاین من دابۃ لا تحمل رزقہا، اللہ یرزقہا وایاکم۳۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہجرت کرنے پر فکر جان کی طرح فکر روزگار سے پریشان نہ ہونا چاہیئے، آخر بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوان بھی تو ہیں جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا، خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں۔ بھلا ان میں سے کون اپنا سامان رزق اٹھائے پھرتا ہے؟ ظاہر ہے۔ اللہ ہی سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سوچ کر ہجرت سے منہ نہ موڑنا چاہیئے۔ کہ اگر ایمان کی خاطر چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ جہاں اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے۔ ان مہاجرین کو بھی ضرور دے گا۔ اگر بائبل کا بیان صحیح مانا جائے تو حضرت عیسیٰ نے بھی ایک موقع پر اپنے حواریوں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ "کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا۔ اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا۔ اور دوسرے کو ناچیز سمجھے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے، کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتے؟۴ قرآن کی اس ضمانت کی شہادت بھی

۱۔ آیت (۲۴) ۲۵، ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسا ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں ہوں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا اور میوے دیتا ہو۔ اور خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں"۔ ۲۔ عنکبوت (۶۰) ۳۔ مزید دیکھئے: قصص (۵۷)

۴۔ ملاحظہ ہو۔ متی باب ۶ آیت ۲۴ تا ۲۷۔ کتاب مقدس
پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۹ء

تاریخ نے اس وقت دیدی جب کہ رسول اللہؐ اور مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور اہل مدینہ نے نہ صرف انہیں ٹھکانہ عطا کیا، اپنا گھر بار پیش کیا ان کے قیام و طعام کی ذمہ داری لی بلکہ دل و جان نذر کر کے رکھ دیئے اور اسی لئے ان کا نام "انصار" رکھا گیا۔

مندرجہ بالا مباحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن نے ہجرت کے لئے سامان ترغیب فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ راہ ہجرت کی تمام رکاوٹوں کو بھی دور کر دیا تاکہ لوگوں کو ہجرت کرتے وقت کسی ذہنی کشمکش یا نفسیاتی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن ہجرت کب اور کیسے کی جائے۔ اس کا تعین لازمی طور پر حالات ہی کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں قرآن حالات کا انتہائی حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا ہے اور آہستہ آہستہ حالات کی رفتار اور تحریک اسلامی کا رخ دیکھ کر تعلیم و ہدایت کا اجراء کرتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی مکی دور میں رسول اللہؐ کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں کفار و مشرکین نے جو مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کے ضمن میں قرآن یہ کہتا ہے کہ دین کی دعوت و اشاعت ایک صبر آزما کام ہے اور تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ لوگوں کے سامنے جب اس قسم کی دعوت پیش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے کے بجائے انکار، غرور، تضحیک و استہزاء، افواہ طرازی، اور الزام تراشی سے کام لیا اور بالآخر انبیاء و رسل پر ظلم و ستم ڈھانے بلکہ انہیں قتل کرنے میں بھی منکرین حق نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود ۔ و عاد و فرعون و اخوان لوط و اصحاب الایکۃ و قوم تبع کل کذب الرسل فحق وعید ا۔[1] مطلب یہ تھا کہ رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے سامنے ایک طرف تو یہ حقیقت آجائے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ کرنا کن کن قربانیوں کا متقاضی ہے۔ دوسری طرف یہ بتلا دیا جائے کہ ہمت شکن حالات میں صبر و استقامت ضروری ہے۔ اس انداز بیان سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم کی طرف سے محض تکذیب و تردید اور انکار و تمرد، ہجرت کا جواز معقول نہیں ہے۔ ہاں مکی دور متوسط میں جب ظلم و ستم کی چکی چلنی شروع ہو گئی اور لوگوں کو ایمان و اسلام کی خاطر سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا تو عارضی حکمت عملی کے طور پر، ہجرت حبشہ کی اجازت دی گئی ہجرت حبشہ سے غالباً یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ ہجرت کی صورت میں کفار کا طرز عمل کیا ہو گا اور آئندہ مستقل ہجرت کی صورت میں کن کن ضروریات کا لحاظ کرنا ہو گا۔ پھر حالات نے جیسے جیسے شدت اختیار کی اور مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لیے تنگ سے تنگ تر ہوتی چلی گئی تو اسی کی مناسبت سے قرآن حکیم کا انداز تخاطب بھی بدلتا چلا گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور کے آخری دو تین سالوں میں نازل ہونے والی سورتوں میں ایک طرف تو ایسے انبیاء و رسل کی زندگیوں کے واقعات کو خاص طور پر دہرایا گیا۔ جنہوں نے معنوی طور پر کفر و شرک سے جدائی اور طاغوت کی بندگی و اطاعت سے اظہار برأت کیا تھا اور ظاہری طور پر بھی ایک جگہ خدا کی زمین تنگ ہو جانے کے بعد دوسری جگہ، ہجرت فرمائی تھی اور تاریخی تسلسل سے یہ بھی ثابت کر دیا گیا کہ ہجرت سنت انبیا رہی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوا وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظالمین ولنسکننکم الارض من بعدھم[2] اور سورۂ اعراف میں فرمایا گیا: قال الملاء الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یشعیب والذین

۱۔ ق (۱۲، ۱۳، ۱۴) ترجمہ: "ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی، اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری (عذاب کی) وعید بھی پوری ہو کر رہی ۲۔ آیت ۱۳، ۱۴ (ترجمہ اگلے صفحہ پر)

آمنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا[۱]۔ نیز جن انبیاء و رسل کی زندگیوں کو مثال اور نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا انہی سے خاص پر حضرت ابراہیم کا تذکرہ مختلف پیرائے میں بار بار کیا گیا ہے بلکہ قرآن رسول اللہؐ سے ایک جگہ تو اتباعِ ابراہیمی کا مطالبہ کرتا ہے[۲]۔ اور دوسری جگہ ان کے اسوہ کو مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ ممتحنہ میں دو مقامات پر اس کا حکم دیا گیا ہے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٰؤا منکم و مما یعبدون من دون اللہ[۳] اور کچھ آگے فرمایا۔ لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ[۴] اور یہ سب جانتے ہیں کہ اسوہ ابراہیمی کی سب سے بڑی خصوصیت ہجرت ہی ہے۔ حضرت ابراہیم نے معنوی طور پر کفر و شرک بت پرستی اور صنم پرستی سے ترک تعلق اختیار کیا پھر ظاہری طور پر اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کی اور مختلف دیار و امصار کا سفر کرتے ہوئے بالآخر مکہ (وادی غیر ذی زرع) تشریف لائے۔ یہی حال حضرت موسیٰ کی ہجرت کا ہے۔ حضرت موسیٰ کی ہجرت کے سلسلے میں سورہ بنی اسرائیل میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنٰہ ومن معہ جمیعا وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض[۵]۔ سورۂ بنی اسرائیل واقعہ معراج کے بعد ہجرت سے تقریباً ایک سال قبل نازل ہوئی، اس زمانے میں حضرت موسیٰ کی ہجرت کا جس انداز بلکہ جن الفاظ کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے وہ بڑا معنی خیز ہے۔ کیونکہ اسی سورہ میں رسول اللہؐ سے بھی خطاب فرما کر کم و بیش یکساں الفاظ و معانی کے ذریعہ تاریخ دہرائی گئی ہے۔ وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا واذا لا یلبثون خلفک الا قلیلا[۶]۔ یعنی یہ لوگ اس بات پر بھی تلے ہوئے ہیں کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ (یا تو) ہم تم کو اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ تو پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔ اور ان کے بعد تم کو اس زمین میں آباد کریں گے۔"

۱ آیت (۸۸) ترجمہ: (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔"

۲۔ نحل (۱۲۳) الفاظ یہ ہیں ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔"

۳۔ آیت (۴) ترجمہ: "تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے رفقاء کا اسوہ حسنہ واجب ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو اظہار برأت کرتے ہیں۔" یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم کی طرح ہجرت ظاہری سے بہت پہلے اس ہجرت معنوی کا اتباع کرتے ہیں چنانچہ زبان رسالت سے یہ کہلایا گیا کہ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال (کا)، تم میرے اعمال پر جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دہ نہیں ہوں۔

۴ آیت (۶) ترجمہ: تم (مسلمانوں کے لئے) ابراہیم اور ان کے رفقاء کا طرز عمل عمدہ نمونہ ہے۔

۵۔ آیت (۱۰۳ و ۱۰۴) ترجمہ: تو اس (فرعون) نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اسکو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو ۔ ۶۔ آیت (۷۶)

سے نکال باہر کریں۔ لیکن اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد یہ خود یہاں کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ جب بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کی جاتی ہے اور مومن عبادت رب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں بالآخر حق غالب ہوتا ہے اور کفر مغلوب، مہاجرین فتح یاب ہوتے ہیں اور منکرین و مخالفین مفتوح جیسا کہ حضرت موسیٰ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ آیت ہجرت کے آنے والے قریب ترین وقت کا درپردہ اعلان بھی کر رہی ہے، اور ہجرت کی صورت پر اس کے انجام کی تاریخی شہادت بھی پیش کر رہی ہے چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ سرزمین مکہ جہاں سے مسلمانوں اور رسول اللہ کو نکالا گیا تھا چند سال بعد ہی رسول اللہ کے پائے مبارک سے پامال ہوئی۔ مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور خدا کا کلمہ بلند ہوا۔

(۲) دوسری طرف حالات کے پس منظر میں بعض اہم باتوں کو بظاہر معمولی الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کے لحاظ سے ان کی معنویت بے انتہا تھی۔ اور ان کا مقصد خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کو ذہنی و نفسیاتی طور پر تیار کرنا تھا مثلاً اسی سلسلے میں "سیروا فی الارض" کے فقرہ کی متعدد سورتوں میں تکرار کی گئی ہے[۱]۔ اس کے لفظی ترجمے ("ملک میں چلو پھرو") سے زیادہ قابل غور بات اس فقرہ کا مدعا ہے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب سورہ عنکبوت کی آیت "ان ارضی واسعۃ[۲]" اور زمر کی آیت "وارض اللہ واسعۃ[۳]" سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یعنی ان تمام فقرات میں "ہجرت کی ترغیب و تحریک" تاریخی حالات کی عینک سے بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح سورۃ انبیاء کا ابتدائی جملہ اقترب للناس حسابھم[۴] (لوگوں کے حساب کا وقت قریب آپہنچا) بادی النظر میں آخرت سے متعلق ہے اور لوگوں کی غفلت اور قرب قیامت پر دلالت کر رہا ہے لیکن اگر ہم یہ سامنے رکھیں کہ سورۂ انبیاء ہجرت مدینہ سے اندازاً دو ڈھائی سال قبل نازل ہوئی اور دو ڈھائی سال کا عرصہ قوموں کی زندگی میں لمحات سے زیادہ نہیں ہے تو آیت کی شائد اس معنویت کو بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اہل مکہ کے حساب کا وقت بھی قریب آگیا ہے ان کی قسمت کے فیصلے کا وقت دور نہیں ہے۔ یعنی ہجرت کا مرحلہ آنے میں اب کچھ ہی عرصہ درکار ہے اس مفہوم کو تقویت اسی سورت کی بعض دوسری آیات سے بھی ملتی ہے۔ ارشاد یہ ہوا کہ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ان فی ھذا لبلٰغاً لقوم عابدین وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین[۵] ان آیات کے عام معنی اور تفسیر میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ حالات اور تاریخ کی روشنی میں ان آیات کا تیکھا پن اس بات کو مترشح کر رہا ہے کہ یہ سرزمین مکہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اللہ کی زمین وسیع ہے اور زمین کی وراثت اللہ کے نیک بندوں کا حق ہے

۱۔ سورہ انعام (۱۱)، نحل (۳۶)، نحل (۶۹)، عنکبوت (۴۰)

۲۔ آیت (۵۶) ترجمہ: "میری زمین فراخ ہے۔"

۳۔ آیت (۱۰) ترجمہ: "اور خدا کی زمین کشادہ ہے"

۴۔ انبیاء (۱)

۵۔ انبیاء آیت (۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷)

اس لیے اب اپنی صلاحیتوں کے دائرہ اور تبلیغ وسعی کے حلقہ کو صرف مکہ تک محدود رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی بعثت تو تمام کائنات ارضی و سماوی کے لیے ہوئی ہے اس لیے ابر رحمت کو وادی بطحا کی اس سنگلاخ زمین سے آگے بڑھ کر اب دوسرے مقامات پر بھی برسنا چاہیئے۔ اس موقع پر قرآن کی ان آیات کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو مناسب ہوگا کہ حضرت موسیٰ نے بھی ہجرت سے پہلے اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے کچھ اس قسم کا اظہار کیا تھا کہ قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ۱۔

ہمارا اب تک کا مطالعہ یہ صراحت کر دیتا ہے کہ قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو ذہناً ہجرت کے لیے آمادہ کرتا رہا اور عملی طور پر ان کے اندر ایسی اخلاقی صفات کو جلا بخشتا رہا جو ہجرت کے سخت مرحلہ کو آسان بنانے والی اور ہجرت کے بعد خلافت و تمکن کی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری تھیں۔

پھر قرآن نے صرف ذہنی تیاری، نفسیاتی آمادگی، اور نفوس کے تزکیہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وظیفہ ہجرت کی مکمل ادائیگی کے لیے پوری رہنمائی بھی فراہم کی اور حالات کی مناسبت سے تلقین و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ اپنے مولد و وطن کو خیرباد کہہ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ جب مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے انتہائی نزاکت اختیار کر گئے اور کفار و مشرکین کے لیے مسلمانوں کا وجود ناقابل برداشت بن گیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ شجر اسلام کی بیخ کنی اسوقت تک ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ شمع رسالت کو ہی گل نہ کر دیا جائے اور اس غرض سے انہوں نے خفیہ طور پر دارالندوہ میں اپنا خاص اجلاس منعقد کر کے رسول اللہ کو شہر بدر کرنے یا قید کرنے کی تجاویز رد کر کے یہ طے کر لیا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ کفار و مشرکین کی طرف سے یہ اتنا جرأت انگیز فیصلہ تھا۔ جس کا نوٹس لیا جانا ضروری تھا چنانچہ وحی اللہ کے یہ الفاظ ان کے اس سازشی کردار کی نقاب کشائی کر رہے ہیں کہ ام ابرموا امرا فانا مبرمون۔ ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجوٰھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون ۲۔ اب وہ موقع آ گیا تھا کہ جب اہل مکہ کا طرز عمل اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ قبول حق کی مزید سکت ان میں باقی نہیں رہی ہے اور اب ان کے سامنے دعوت حق پیش کرنا لاحاصل ہے۔ لقد حق القول علیٰ اکثرھم فھم لا یؤمنون انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا فھی الی الاذقان فھم مقمحون۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون وسوآء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ۳۔ کفار و مشرکین کی آخری ناکام کوشش، صورت حالات اور مدینہ کی سربرآوردہ جماعتوں کے قبول اسلام اور دعوت نے باآخر رسول اللہ کے لیے رخت سفر باندھنے کا موقع فراہم کر دیا اور فی الحقیقت ان اسباب و مقاصد کی تکمیل کا وقت آ گیا جنہیں قرآن میں متعدد مقامات پر

۱۔ سورۂ اعراف (۱۲۸، ۱۲۹)۔ ان آیات کا ترجمہ پہلے آ چکا ہے۔

۲۔ زخرف (۷۹، ۸۰) ترجمہ: "کیا انہوں نے کسی بات کا فیصلہ کر لیا ہے؟" (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

بیان کیا گیا ہے[1]۔ یعنی بندگی و عبادت رب کے تقاضے پورے کرنے، ایمان کو بچانے اور اسلام کے غلبہ و تمکن کے لئے ہجرت ناگزیر ہو گئی۔ چنانچہ پہلے دوسرے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت فرمائی اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عازم مدینہ ہوئے۔ یہ ہے ہجرت مدینہ کے اسباب و محرکات کا مختصر سا قرآنی جائزہ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تو ہم بھی فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں ہیں۔ ہاں ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔"

۳ یاسین (۷ تا ۱۰) ترجمہ "ان میں سے اکثر پر (خدا کی) بات پوری ہو چکی ہے۔ سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں۔ اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں تو ان کے سر اُبل رہے ہیں اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کھینچ دی اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور تم ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۴۔ عنکبوت (۵۶)، نساء (۹۷) آل عمران (۱۹۵) وغیرہ

ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سید اسعد گیلانی

اسلامی انقلاب کی جد وجہد میں ہجرت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ افسوس کہ اس مقام کی اہمیتوں کو بہت کم اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ایک مختصر سے مرحلے کی حیثیت سے ذرا سا بیان کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔ زیادہ وقت سیرت کے دوسرے پہلوؤں اور غزوات پر صرف کیا گیا ہے۔ یا دعوتِ حق کی دوسری مشکلات کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض مورخین نے تو ہجرت کو صرف مسلمانوں پر کفار کے ظلم وستم کے نتیجے میں ایک مجبورانہ افتاد کی حیثیت دے دی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہجرت اس سے بہت زیادہ اہم ہے جس قدر اسے اب تک اہمیت دی گئی ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ جب سید احمد شہید نے اپنی تحریک مجاہدین کی بنیاد رکھی اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مظلومیت کو رفع کرنے اور افرنگ کے جابر طاغوت کو دفع کرنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا تو اس وقت بھی انہوں نے ہندوستان سے ہجرت کرکے آزاد علاقہ سرحد میں جاکر اپنی جہادی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا اور جب ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک آزادی ایک خاص مرحلے میں داخل ہوئی، اس وقت بھی بعض لوگوں نے ہندوستان سے ہجرت کرکے افغانستان جانے اور وہاں سے انگریزوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ ریشمی رومال کی تحریک اسکی تاریخی یادگار ہے۔ جہاں جہاں مسلمانوں نے جہادی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے وہاں وہاں ہجرت کے مراحل بھی درپیش رہے ہیں۔

یوں تو جب سے حق وباطل کی کشمکش کا ریکارڈ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے ہمیں اس میں بے شمار ہجرتیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے مقام دعوت سے ہجرت کرکے دوسرے علاقے میں جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے ہجرت کرکے شام، مصر اور فلسطین میں سے ہوتے ہوئے حجاز میں آنا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذریعے اسے اپنی دعوت کا مرکز بنانا، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی ہجرت مصر کی طرف، حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت علاقہ سدوم کی طرف، حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی پہلی ہجرت مدین کی طرف اور پھر دوسری ہجرت ارض فلسطین کی طرف اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف، غرض اسلامی دعوتوں کے ساتھ ہجرتوں کا سلسلہ مربوط چلا آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقام دعوت کو چھوڑنے کے لیے بے شمار شرائط ہیں اور جب تک اتمام حجت کی حد تک اسلامی دعوت معاشرے کے سامنے پیش نہ کردی جائے اور پورا معاشرہ کھنگال کر اس کا دعوتی اور ایمانی مکھن سمیٹ نہ لیا جائے، ہجرت کی اجازت عام نہیں ہے۔ لیکن کسی معاشرے کا مکھن کب نکل چکا ہے، اس بات کو تو خدا کا نبی، وحی سے اور ایک عام داعیٔ دعوتِ حق اپنے اجتہاد اور ساتھیوں کے مشورے سے ہی معلوم کرے گا۔ ہجرت نہ اتنی عام ہے کہ جب کسی کا دل اپنے علاقے کے بام ودر سے گھبرائے اور

اس کے ماحول میں ذرا پریشانی پیش آئے تو ہجرت اس کے لئے لازم ہو جائے اور نہ اس کی شرائط ایسی کٹھن گھاٹی ہیں کہ ان کا پورا پورا ہونا کسی صورت ممکن ہی نہ ہو جب تک کہ پورا معاشرہ واقعی دو حصوں میں ٹھیک تقسیم نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی ایمان لانے والوں کا سلسلہ جاری رہا تھا اور وہ لوگ بھی بالآخر ایمان لے آئے تھے جو اپنے ظلم و ستم کے باعث مسلمانوں کی ہجرت کا باعث ہوئے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کا موضوع دعوتِ دین اور اس کے طریقِ کار میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اور ہجرت اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ جہاں ہمارے اسلامی لٹریچر میں جہاد کے موضوع پر کافی ذخیرہ موجود ہے وہاں ہجرت کے موضوع پر سرے سے کوئی سنجیدہ جامع تالیف موجود نہیں ہے۔ شاید اس لیے کہ ایک طویل عرصے سے نفاذِ نظامِ اسلامی کی جدو جہد کا سلسلہ معطل ہے۔ بہرحال میں نے اپنے طور پر اس موضوع کو سامنے رکھ کر اپنے خیالات کو یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مضمون کو دینی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے احباب کے لیے مفید اور مؤثر بنائے اور نفاذِ دین کے مراحل کا شعور اُجاگر کرنے میں مدد دے۔

مَیں نے ہجرت کے موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے اسے نو عنوانات پر تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:

۱- ہجرت کا پس منظر	۲- فلسفۂ ہجرت	۳- احکام ہجرت
۴- واقعاتِ ہجرت	۵- اثراتِ ہجرت	۶- مقامِ ہجرت
۷- فوائدِ ہجرت	۸- نتائج ہجرت	۹- ہجرت اور اسلامی انقلاب

اس مضمون میں ہم انہیں عنوانات کے تحت بالترتیب گفتگو کریں گے۔

۱- ہجرت کا پس منظر

وادیٔ ہاجرہ اور شہرِ اسماعیل کے غارِ حرا سے دعائے ابراہیمؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلامی کا علم لے کر بستی والوں کے درمیان تشریف لے آئے تھے۔ جب تک دعوتِ اسلامی سامنے نہ آئی تھی قریش کے لیے ممکن تھا کہ جاہلیت کے اندر لپٹے ہوئے عربوں پر مسجد کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے مذہبی اجارہ داری کا سکہ چلائیں اور حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبے کی حفاظت کرنے کے سبب عرب کے سردار کہلائیں۔ لیکن جب مالک کائنات کی طرف سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود پیغامِ حق لے کر آگئے اور صفا و مروہ کے درمیان کھڑے ہو کر انہوں نے بستی والوں کو اللہ کے پیغام سے آگاہ کر دیا تو پھر اس کے بعد کوئی چارہ نہ رہا کہ باطل حق کے لیے مکمل طور پر جگہ خالی کر دے۔ اور جب تک یہ مرحلہ نہ آئے پیغامِ حق پر لبیک کہنے والے آگے بڑھ کر اپنے عزم و استقامت کا ثبوت دیتے رہیں۔

قریش کی رعونت

قریش نے اپنی رعونت اور سرداری کے کبر کے سبب اپنے حقیقی سردار کو پہچان لینے کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لیا اور مخالفت و مزاحمت کا بازار گرم کر دیا۔ بستیوں والے آپ کی امانت،

صداقت، شرافت، دیانت اور کردار کی بلندی، اخلاقی برتری کے پہلے سے قائل تھے لیکن پیغامِ حق آنے کے بعد اُن کے لیے جرأت سے اعترافِ حق مشکل ہو گیا تھا۔ مختلف عصبیتوں نے راستہ روک لیا تھا۔ البتہ جن میں حق کے سوا دوسری کوئی عصبیت نہ تھی، جن کی نظامِ غالب سے کوئی لاگ اور وفاداری نہ تھی جن کے مفاد اور وجود حراہٹ کے ناطے باطل سے استوار نہ تھے اور جو طاقت کے آلۂ کار نہ تھے اُن کے لیے نعرۂ حق لگا کر میدان میں آجانا قطعاً مشکل نہ تھا۔ وہ جان ہتھیلی پہ رکھ کر نکل آئے۔ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، آلِ یاسر اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ لیکن جن کے مفاد و عصبیت کے رشتے باطل سے استوار تھے ان کے لیے ان تعلقات کو منقطع کر کے دار و رسن کی اس وادی میں اپنی صلیب خود اٹھائے ہوئے نکل آنا آسان نہ تھا۔ وہ آزمائش کی بھٹی کا ایندھن بننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے وہ باطل کے طرف دار بنے رہے اور یہ سول یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کشمکشِ حق و باطل نے مختلف صورتیں اختیار کیں جس شخص کے پاس اپنی بات کے لیے دلیل موجود نہ ہو لیکن مادی قوت موجود ہو وہ ہمیشہ قہر اور ظلم کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ قریش کے سرداروں اور امیروں نے دعوتِ اسلامی کی مزاحمت کے لیے تشدد اور ظلم و ستم کا راستہ اختیار کیا۔ مسلمان ظلم و ستم سہتے سہتے بے حال ہوئے جاتے تھے اور بعض اوقات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اپنے ساتھیوں پر ایسے ظلم کا نظارہ قابلِ برداشت نہ ہوتا تھا۔ مکہ میں دعوتِ اسلامی کا کھرا مال تیار کرنے کے لیے آزمائش کی بھٹی اتنی سخت گرم تھی کہ لوگ تڑپ تڑپ جاتے تھے اور رحمت للعالمین کے لیے ان کا یہ حال دیکھا نہ جاتا تھا۔

چنانچہ ایک اجتماعِ مسلمین میں حضور اکرمؐ نے فرمایا :-

لَوْخَرَجْتُمْ اِلٰی اَرْضِ الْحَبْشَۃِ فَاِنَّ بِھَا مَلِکًا لَایُظْلَمُ عِنْدَہٗ اَحَدٌ وَھِیَ
اَرْضُ صِدْقٍ۔ حَتّٰی یَجْعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ فَرَجًا مِّمَّا اَنْتُمْ فِیْہِ ؕ

ترجمہ: "اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور بھلائی کی سرزمین ہے جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔"

یہ مسلمانوں کی اپنے وطن مالوف سے پہلی ہجرت تھی۔

ظاہر ہے کہ مکہ کرمہ میں یہ لوگ مسلمان ہونے سے پہلے بھی رہ رہے تھے اور قریش کے سرداروں اور امراء کو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا وہ مکہ کے باشندے تھے اور وہاں پُرامن طور پر رہنے کا حق رکھتے تھے۔ وہ خود قریش میں سے تھے اور اُن کے حقوق مساوی تھے وہ آزاد لوگ تھے اور اس نعمتِ آزادی سے وہ پوری طرح بہرہ ور تھے جو وہاں ہر کسی کو حاصل تھی۔

ہر شے سے بالا نعمتِ ایمان

پھر یہ لوگ اپنے وطن آزادی، قبیلے اور عزیز و اقربا کو چھوڑ کر حبش جیسے پردیس کی طرف کیوں نکل رہے تھے؟ اس لیے کہ ان کے پاس ایک اور ایسی نعمت آگئی تھی جو ان کی مکی شہریت، قریشی نسبت، عربی قومیت اور وطن عزیز میں آزاد زندگی سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔ جسے بچانے کے لیے یہ سب کچھ قربان کیا جا رہا تھا نعمتِ ایمان

تھی جس کے لیے زندگی قربان ہو سکتی تھی لیکن زندگی اور آرام و راحت کے لیے یہ نعمت قربان نہیں کی جا سکتی تھی۔

زندگی کی دیگر نعمتوں کا تو کیا تذکرہ، ان سب میں انسان کو سب سے عظیم دو ہی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ زندگی اور مقصدِ زندگی یا حیات اور ایمان جو شخص حیات کے لیے ایمان چھوڑ دیتا ہے وہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔ اور ہمیشہ کی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص زندگی کو ایمان پر قربان کر دیتا ہے وہ اپنا احسن تقویم ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ اور ہمیشہ کی زندگی پا کر موت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔

غرض مکہ میں دعوت اسلامی کے پانچویں سال میں یہ مسئلہ مسلمانوں کے سامنے آ گیا کہ انھیں ایمان پر دنیا کی ہر متاع عزیز کو قربان کرنا ہوگا اور انہوں نے خوشی خوشی یہ امتحان دینے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا اسلام کے راستے میں اس سنت ابراہیمی پر چلنے کے لیے پہلی کھیپ میں ۱۴ افراد مرد و زن نکلے اور پھر دوسرے ہی سال دوسری بڑی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی اس میں کم و بیش ۱۰۳ افراد مرد و زن کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ عظیم ہجرت تھی جس کا کھلا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحج ۱۳ نبوی میں تمام مسلمانوں کو دے دیا تھا اور اب نام لے کر بتا دیا گیا تھا کہ یہ ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہوگی۔

سب سے پہلے مشہور صحابی ابو سلمہ اپنی اہلیہ اور بچے کے ساتھ ہجرت کے لیے نکلے اور پھر تو تانتا ہی لگ گیا یہاں تک کہ مرکز تحریک مکہ سے مدینہ منتقل ہو گیا اس کے بعد ہجرت تاریخ اسلام میں ایک درخشاں نشان ایمان بن گئی۔

ہجرت مدینہ ہی کیوں؟

تبدیلی مرکز کی بنیادی ہجرت حبشہ کی طرف کیوں نہ ہوئی جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کی حکومت کے بارے میں نہایت اچھی رائے رکھتے تھے اور مدینہ منورہ کی طرف ہی کیوں ہوئی۔ اس امر پر غور کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ حبشہ اس معاشرے سے مختلف معاشرہ تھا جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالمی دعوت اسلامی کے علمبردار اور پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن دعوت کو بنیادی طور پر کامیابی کے مراحل تک پہنچانے، ایک اسلامی انقلاب برپا کرنے اور اس معاشرے میں مثالی اسلامی ریاست قائم کرنے کی فطری ابتدائی ذمہ داری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب معاشرے کے بارے میں ہی عائد ہوتی تھی۔ اور درحقیقت جس معاشرے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش پائی تھی اسلام کا ابتدائی عملی مظاہرہ اسی معاشرے میں ہی ممکن اور ضروری تھا۔ اس سے مختلف کسی معاشرے میں اتمام حجت کے بغیر اس کے منتقل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور منتقل ہونے کے بعد پہلا معاشرہ تباہی سے بچ نہیں سکتا اور دوسرا معاشرہ حقیقی اور فطری مخاطب نہ ہونے کے سبب حقیقی اسلامی انقلاب برپا کرنے سے معذور رہتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی ہجرت عرب کے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف ہی ہوئی نہ کہ ایک ملت سے دوسری ملت کی طرف۔ قدرت کی فطری تدبیر یہی تھی کہ اسلامی انقلاب اسی معاشرے میں برپا ہو جہاں دعوتِ اسلامی برپا ہوئی تھی اور یہیں سے عالمگیر دعوت اٹھے اس لیے مدینہ ہی دار الہجرت بنایا گیا۔

ہجرت۔ تقویم اسلامی کی بنیاد

مسلمانوں کی تقویم کا آغاز ولادتِ نبوی سے ہوتا یا رحلت نبوی سے ہوتا یا نزول وحی کی تاریخ سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی، بلکہ فتح مکہ کی تاریخ سے بھی ہوتا تو

عین زمانے کے دستور کے مطابق ہوتا۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس کا آغاز انتہائی مظلومیت کے دن سے ہوتا ہے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہجرت کا واقعہ منفرد اور تاریخ اسلام میں اپنی اہمیت کے لحاظ سے تاریخ ساز واقعہ ہے جسے زمانے نے لوحِ تاریخ پر لکھ دیا ہے۔

دنیا کی مختلف قومیں اپنی تقویم مختلف انداز سے شروع کرتی ہیں۔ ان میں کسی کے سال کا آغاز کسی بادشاہ کی پیدائش سے ہوتا ہے، تو کوئی موسمی تغیر سے اپنے سال کا آغاز کرتا ہے۔ کسی معاشرے میں کسی بڑی شخصیت کی نسبت اس کا باعث بنتی ہے لیکن مسلمان پوری دنیا میں ایک منفرد اور نظریاتی گروہ ہے جس کی تقویم کا آغاز ایک انقلابی نظریاتی جدوجہد کے ایک اہم اقدام سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ہجرت سے ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم اسلامی تحریک کی جدوجہد میں واقعۂ ہجرت بظاہر تو ایک ناخوشگوار واقعہ ہے لیکن حقیقتاً یہ اسلامی انقلاب کی منزل کی طرف ایک اہم پیشقدمی ہے۔ مسلمانوں نے اسی لئے اپنی تقویم کو کسی شخصیت، خاندان یا قوم کی طرف نسبت دینے کی بجائے اسے ایک نظریہ کی جدوجہد کے ایک مخصوص مرحلے سے نسبت دی ہے۔ مسلمانوں کا سن، سن ہجری ہے یعنی جو سن ہجرت کے واقعہ سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر دفعہ جب مسلمان اپنے سالِ نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ اپنی تاریخ کی عظیم ترین اسلامی تحریک کی بھرپور جدوجہد کے ایک ایسے مرحلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب وہ کس مپرسی اور جبر و تشدد کے ماحول سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے مرحلے میں قدم رکھ رہے تھے۔

سن ہجری، قمری مہینوں کا سال ہے۔ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے واحد تقویم ہے جس کا سال چاند کی تاریخوں سے بننے والے بارہ مہینوں پر مشتمل ہے۔ دنیا بھر میں تمام لوگوں کے سال شمسی مہینوں سے وجود میں آتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا سال قمری مہینوں سے وجود میں آتا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اسلام کی ساری عبادات سال کے بارہ مہینوں میں آنے والے موسموں کے اندر گردش کرتی رہتی ہیں۔ مسلمان سردی میں بھی روزے رکھتے ہیں اور پھر گرمیوں میں بھی رکھتے ہیں۔ اور انہیں اس امر کا حتمی احساس ہو جاتا ہے کہ گرمی میں بھوکا رہنا کیسا ہوتا ہے۔ اور سردی میں بھوکا رہنا کیسا ہوتا ہے۔ ادھان موسموں میں جو لوگ بھوکے رہتے ہیں ان کا داخلی احساس کیسا ہوتا ہے۔ وہ گرمی میں بھی سفر حج کرتے ہیں اور پھر سردیوں میں بھی یہ سفر کرتے ہیں۔ مختلف چاند کی بدلنے والی تاریخوں کے ساتھ مسلمانوں کی تمام عبادات، تمام تہوار اور سارے اجتماعی پروگرام سال کے سارے ہی موسموں میں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مسلمان سفر و حضر اور عبادات و مشاغل میں موسمی تغیرات کی ہر کیفیت سے آشنا ہوتے رہتے ہیں۔

یہ اللہ کی حکمت ہے کہ ہجرت کی تاریخ نئے سال کی یکم تاریخ کے ساتھ اس طرح منطبق ہو گئی ہے کہ ہجرت ہی مسلمانوں کے سال نو کا موضوع بن کر رہ گئی ہے۔

ہجرت کے واقعہ نے ماہ ہجرت کو بھی نہایت اہم بنا دیا ہے۔ اسی ماہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ راشد ثانی کی شہادت ہوئی اور اسی مہینہ میں نواسۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میدانِ کربلا میں شہادت

ہوئی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اہم ترین واقعہ وہی ہے۔ جس سے ان کی تقویم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس طرح ہجرت کا واقعہ مسلمانوں کی تاریخ میں اہم ترین واقعہ کی حیثیت سے ثبت ہو گیا ہے۔ اس طرح جب مسلمان اپنے سالِ نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو ایک نظریاتی انقلابی گروہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہجرتِ مدینہ کا واقعہ اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے فتح مکہ سے کسی صورت کم نہیں ہے بلکہ شاید کچھ زائد ہی ہے۔ اس لیے جس روز ہجرت کر کے مکہ چھوڑا جا رہا تھا اسی روز تاریخ کے ایوان میں مکہ کی فتح کا سنگِ بنیاد بھی رکھا جا رہا تھا۔

مکہ کی تربیت گاہ

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اپنے مفہوم کے اعتبار سے محض نقل مکانی ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ باطل کے مدِ مقابل حق پرستوں کی مورچہ بندی ہے۔ اس مورچہ بندی سے پہلے ان کی ابتدائی نظریاتی تربیت ضروری تھی۔

جب تک مسلمانوں کی ابتدائی تربیت کی ضرورت تھی حضورؐ کا قیام مکہ میں رہا جو شخص بھی مسلمان ہونے کا اعلان کرتا تھا اس پر مصائب اور مظالم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑتا تھا۔ چاروں طرف سے باطل پرست ہمسایہ اور اقربا اس پر یورش کرتے اور اسے بے دینی کی تنگ و دو کرتے تھے۔ کلمہ طیبہ کا اظہار ہوتے ہی اس کا معاشی مقاطعہ اور معاشرتی بائیکاٹ ہو جاتا تھا۔ اسے سماجی لحاظ سے اچھوت بنا کر رکھ دیا جاتا تھا۔ اس کی جان و مال و آبرو سب کفار کے لیے مباح ہو جاتی تھی۔ اور اگر نیا نیا ایمان لانے والا شخص اپنے ایمان میں کچا ہوتا تھا تو اس مار اور رگڑے سے گھبرا کر پسپائی اختیار کر لیتا تھا۔ اس طرح اسلامی تحریک کچے لوگوں کی کمزوری سے بچ جاتی تھی اگرچہ ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا۔

جو لوگ اسلامی گروہ میں شامل ہوتے تھے ان کو چاروں طرف سے اتنا مارا، رگڑا، پیسا، روندا اور بھینچا جاتا تھا کہ کمزور ارادے کے آدمی کے لیے ایسی کھکھیڑ سہنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایسی سخت تربیت سے گزرنے کے بعد مسلمان انتہائی مضبوط، عقیدے میں سخت، عمل میں نڈر، جد و جہد میں ثابت قدم اور نظریے میں پختہ ہو جاتے تھے۔ پھر اس کے بعد ان کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت تھی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحبت، وحی کی تعلیمات اور عبادات و اعمال میں انہماک کے ذریعے کرتے تھے۔ اس طرح تیرہ سال تک مکہ میں اسلامی تحریک کی ایک ایسی قیمتی تربیت گاہ قائم رہی جس میں سونا کندن بن بن کر نکلتا اور کھوٹ ایک طرف ہو جاتا رہا۔

مکہ مکرمہ کی اس ابتدائی تربیت گاہ نے اسلامی تحریک کو جو حیرت ناک، جامع صفات، نیا نظریاتی انسان بنا کر دیا اسی تربیت یافتہ انسان نے خلافتِ راشدہ کو چار ادوار تک آسمانی تعلیمات کے عین مطابق چلا کر دکھایا جس تربیت گاہ میں ایسے ایسے لوگ تیار ہو گئے جو معرکوں میں اعلیٰ پائے کے دیانت دار سپاہی، فوجوں کے سالار، عدالتوں کے جج، ولایتوں کے گورنر اور خلقِ خدا کے معلم اور استاد ثابت ہوئے۔

ہجرت سے پہلے مکہ کی یہ تربیت گاہ اسلامی تحریک کی جد و جہد کا وہ قیمتی حصہ ہے جس کے بغیر پختہ عقائد کے حامل اور صالح اعمال کے عامل افراد تیار نہ ہو سکتے تھے۔ ہر تحریک کو ایسے ساتھیوں اور موزوں افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قبل ہجرت مکہ کے تشدد آمیز ماحول نے وہ تربیت گاہ فراہم کر دی جس کا

مزہ کڑوا لیکن جس کا پھل میٹھا تھا اس تربیت گاہ سے اخلاقی اور دینی تربیت حاصل کر کے ہجرت کے بعد جب لوگ مدینہ میں پہنچے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پَیکرِ نورِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بن کر سامنے آئے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شخصیت کے حامل ثابت ہوئے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے لئے شفقت و محبت اور جود و سخا کا خزانہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہرِ علم کا عظیم الشان باب بن کر نمودار ہوئے۔ اس عظیم الشان تربیت گاہ کے بعد پھر ہجرت مدینہ انسانی صلاحیتوں کو چمکانے اور انھیں اسلامی تحریک کے لیے استعمال کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔

قریش کے خوفناک منصوبے

مکہ معظمہ کے تیرہ سالہ دورِ نبوت میں قریش کے ظالمانہ طرزِ عمل نے ہجرت کے سوا دوسرا کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑا تھا۔ شعب ابی طالب کے تین سالہ جبری قید و بند اور معاشی ناکہ بندی نے قریش کے ظالمانہ عزائم کو بے نقاب کر دیا تھا حضرت ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد تو مکہ کی بستی اسلامی دعوت کے لئے اور بھی تنگ ہوگئی تھی مسلمان پہلے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک بار حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص آسانی سے اپنے گھر بار، کاروبار، عزیز و اقربا، دوست احباب اور اپنے دیس کی پر محبت گلیاں چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ جس طرح زمین میں درختوں کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اسی طرح اپنے وطن میں انسانوں کی بھی پائیدار جڑیں ہوتی ہیں اور یہ جڑیں اکھاڑنے سے سارا انسانی وجود لرز جاتا اور بے سہارا ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی کوئی ظلم ان سب باتوں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور بعض انسان اپنے بھائیوں کے لیے اتنے ظالم ہو جاتے ہیں کہ مظلوم اپنا گھر بار اور دیس چھوڑ کر بے گھر اور پردیسی ہو جانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ قریش نے مکہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کے لیے بالعموم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالخصوص کچھ ایسی ہی فضا بنا دی تھی۔

اب تو انہوں نے ایک ایسی بات سوچی تھی کہ اگر پہاڑوں پر رکھی جاتی تو وہ بھی لرز جاتے اور پتھروں سے کہی جاتی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور درختوں کے سامنے آتی تو وہ جل کر راکھ ہو جاتے۔ اَب وہ ظالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی عام اجازت دے دی تھی۔ وہاں کے باشندوں نے عہد و پیماں کر کے مسلمانوں کو مدینہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہمارے اشراف قتل بھی کیے جائیں اور ہمارے اہل و عیال پہ تلواریں بھی برسیں اور ہمیں تباہی میں جھونک دیا جائے اور سارا عرب بھی دشمن بن کر ہم پر پل پڑے تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ اہل مدینہ نے حضور اکرم کے ساتھ بیعت کر کے یہی عہد کیا تھا اور وہ اس پہ مضبوطی سے قائم تھے۔

اس پیمانِ وفا کے بعد مسلمانوں کی کثیر تعداد ایک ایک کر کے مدینے چلی گئی تھی۔ ہر مہاجر ایک دکھ بھری داستان تھا۔ ہر شخص کی کہانی آنسوؤں اور خون سے مکمل ہوئی تھی اور اب مکہ میں صرف تھوڑے سے مسلمان ہی باقی رہ گئے تھے۔ بیشتر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پہ سب کچھ قربان کر کے مدینہ جا چکے تھے۔ یہی ایام تھے جب قریش نے ایک اجلاس طلب کیا۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع کبھی میسر نہ آئے گا۔" مجلس کی یہ متفقہ رائے تھی۔ اس مجلس میں قریش کے

بڑے بڑے سردار بیٹھے تھے اور قتل کی تدابیر پر غور کر رہے تھے۔

ایک بولا "بہتر ہے کہ اسے پکڑ کر بیڑیاں زنجیر ڈالو اور ایک مکان میں قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر کے دیوار چن دو۔ بس خود ہی تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔"

دوسرا بولا "نہیں نہیں یہ تدبیر ٹھیک نہیں ہے اس کی رہائی کا خطرہ پھر بھی موجود رہے گا اس کے قید ہونے کی خبر سن کر مسلمان جان کی بازی لگا دیں گے اور اسے چھڑا لے جائیں گے۔"

اور ایک اور بولا "میری رائے تو یہ ہے کہ ایک سرکش اونٹ پر بٹھا کر ہم اُسے شہر سے باہر نکال دیں۔ ہماری بلا سے پھر وہ چلے یا کہیں جائے۔"

پھر ایک اور نے کہا "نہ بھئی یہ رائے ٹھیک نہیں ہے تم اس کی دلآویز باتوں سے واقف نہیں ہو وہ تو جس سے ملتا ہے اس کا دل موہ لیتا ہے۔ وہ جہاں جائے گا وہاں کے باشندوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا اور بالآخر وہ لوگ تم سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔"

آخر میں ابوجہل کہنے لگا "یہ سب بیکار باتیں ہیں اصلی تدبیر وہ ہے جو میں بتاتا ہوں۔ سنو "عرب کے ہر ایک قبیلے سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کرو وہ سب رات کی تاریکی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر لیں۔ جب وہ صبح کی نماز کے لیے باہر نکلے اسی وقت یہ سب بہادر بیک وقت اس پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیں۔" اس نے مزید کہا "اس تدبیر سے بنو ہاشم محمد کے قتل کا بدلہ نہ لے سکیں گے اور خون بہا لے کر خاموش ہو جائیں گے۔"

بس اس کی اس شیطانی تدبیر پر سب راضی ہو گئے۔ لیکن اللہ کی تدبیر مختلف تھی اور اسی تدبیر نے ہی قریش کے تمام لشکروں کو بالآخر شکست دے دی۔

اہلِ مدینہ کی دعوت

ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پہلے اور نبوت کے تیرھویں سال مدینہ سے حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مدینے کے وہ نومسلم بھی آئے جن کو حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنی تبلیغ و تعلیم کے ذریعے دین اسلام میں داخل کیا تھا۔ یہ سب ۷۳ مرد اور دو عورتیں یعنی کل ۷۵ افراد تھے۔ مدینے میں تعلیمات قرآنی خوشبو کی مانند پھیل رہی تھیں۔ وہاں حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغی سرگرمیاں بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھیں کبھی وہ باغوں میں پہنچ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے اور کبھی کھیتوں میں، کبھی چوپالوں میں اور کبھی گھروں میں۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کو جب ان تبلیغی سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے قبیلے کے چند نوجوانوں کو بلا کر کہا۔

"تم کس غفلت میں پڑے ہوئے ہو تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمہارے گھروں میں آ کر وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا اور بہکا رہا ہے۔ جاؤ اس کو جھڑک دو کہ خبردار ہمارے محلوں میں آ کر ہمیں پریشان نہ کرے۔"

لیکن جب خود انہوں نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی باتیں سنیں۔ قرآن سنا تو فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع

کر کے کہا ۔

"اے بنی عبدالاشہل تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے ۔"

سب نے کہا " آپ ہمارے سردار ہیں ۔ آپ کی رائے بہتر اور آپ کا فیصلہ درست ہوتا ہے ۔"

یہ سن کر سعد بن معاذ بولے :

" تو سنو ! خواہ کوئی مرد ہو یا عورت میں تم میں سے کسی سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک تم خدا پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ ۔"

بس اتنی سی بات ہوئی اور پورا قبیلہ اسی کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ۔

مدینے کے ۷۵ مسلمانوں کا قافلہ رات کی تاریکی میں اس مقام پر پہنچا جہاں ان کے ساتھیوں نے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی وہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ چلنے کی دعوت دینے آئے تھے اس بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے ۔

حضرت عباس نے اس گروہ سے مخاطب ہو کر کہا :

"یثرب کے لوگو ! تمھیں پتہ ہے کہ قریش کہ محمدؐ کے جانی دشمن ہیں ۔ اگر تم ان سے کوئی عہد و پیمان کرو تو پہلے یہ سمجھ لینا کہ یہ بڑا نازک اور مشکل کام ہے تم سرخ و سیاہ لٹیروں کو دعوت دو گے جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ کچھ نہ کرو ۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خدا کا کلام سنایا اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا اس پر سب لوگوں نے حضور اکرمؐ کو اپنے شہر یثرب چل کر ان کے پاس رہنے کی دعوت دی تاکہ وہ سب لوگ آپ سے فیض حاصل کر سکیں ۔

آپؐ نے فرمایا :

۱۔ کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے ؟

۲۔ کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی طرح کرو گے ؟

مدینے والوں نے کہا :

"اے خداؐ کے رسولؐ ۔ اس کا ہمیں کیا صلہ ملے گا ؟"

حضورؐ نے فرمایا :

"جنت اور خدا کی خوشنودی ۔"

ان لوگوں نے کہا :

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ منظور ہے"

پھر ان میں سے ایک نوجوان اسعد بن زرارہؓ اٹھے جو سب میں کم سن تھا ۔ اس نے کہا ۔

"ٹھہرو اے یثرب والو! ہم لوگ ان کے پاس یہ سمجھ کر آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ ان کو یہاں سے نکال لے جانا پورے عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کارروائی کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تم پر تلواریں برسیں گی۔ اگر تم میں برداشت کی قوت ہے تو ان کا ہاتھ پکڑو۔ بخدا یہ بڑی سعادت ہے اور اگر تم کو اپنی جانیں اور مال عزیز ہیں تو ابھی عذر کر دو۔ اس وقت کا عذر خدا کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہے۔"

ایک دوسرا شخص اٹھا جس کا نام عبادہؓ بن نضلہ تھا۔

اس نے کہا: "تم جانتے ہو کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟"

آوازیں آئیں: "ہاں ہم خوب جانتے ہیں۔"

اس نے کہا: "سنو تم یہ دعوت دے کر دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ اگر تم نے ہلاکت اور تباہی دیکھ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو بخدا یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تم نے اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود اپنا وعدہ نبھایا تو بخدا یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔"

اس پر سارے وفد نے بہ آوازِ بلند کہا: "ہم اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے خطرے قبول کرنے کو تیار ہیں۔"

اس پر حضور اکرمؐ نے فیصلہ کر دیا کہ وہ مدینہ والوں کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔

تب چند افراد نے اُٹھ کر کہا:

"اے خدا کے رسولؐ یہ تو ہماری تسلی کرا دیجیے کہ پھر آپ ہم کو چھوڑ نہ دیں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مدینہ والو مطمئن رہو کہ میرا جینا اور میرا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔"

حضورؐ کے اس ارشاد پر وفد میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ ہو گیا۔

۲۔ فلسفۂ ہجرت

دعوتِ اسلامی کے مختلف مراحل میں سے ایک مرحلہ ہجرت بھی ہے۔ دعوت و تبلیغ، بشارت و تنبیہ، تعلیم و تربیت، اصلاح تزکیہ، نظم و تنظیم کے سارے مراحل سے گزر کر ہم مقصد، ہم خیال اور ہم ذوق افراد ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں اور نظامِ غالب کے مدِمقابل ایک مخالف اجتماعی قوت وجود میں آتی چلی جاتی ہے۔ جو نظریہ اور مقصد کے دشمنوں سے اذیتوں اور تکالیف کا راشن لیتی ہے۔ معاشی تنگی اور معاشرتی مقاطعہ کا حصہ وصول کرتی اور ظلم و ستم کے مقابلے میں صبر و تحمل، قناعت و عزیمت اور برداشت و پائیداری

کا سبق حاصل کر کے ایک توانائی اور طاقت بنتی چلی جاتی ہے۔ کھولتے جذبات پر قابو پانے، مصائب پر صبر کرنے اور تکالیف پر اُف نہ کرنے سے جو مثبت طاقت پیدا ہوتی ہے وہی قوت ہے جو حق کا اصلی اور موثر ہتھیار ہوتی ہے۔ یہ ہتھیار باطل قوتوں کے پاس کبھی نہیں ہوتا۔ یہ غیر مرئی منفرد ہتھیار حق کو بے سرو سامانی اور قلت تعداد کے باوجود میدان فتح کرنے میں خالقِ کائنات کی غیبی امداد کا ذریعہ بن جایا کرتا ہے۔

لیکن غیبی امداد لانے میں بے وطنی اور بے سرو سامانی بھی بہت کارگر ہوتی ہے جب مومن اپنے ہینے بنائے خوب صورت گھر، بستی اور وطن سے ہجرت کر کے خالص مالک الملک کا مہمان بن جاتا ہے اور صرف اسی پر تکیہ کرنے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی کے در کا درویش اور اسی کے راستے کا قلندر ہو جاتا ہے جب وہ سارے سرو سامان سے دست بردار ہو کر صرف مالک کے غیبی سروسامان پر تکیہ کر لیتا ہے تو مالک کی غیبی امداد جوق در جوق اور فوج در فوج آتی ہے اور اپنے لڑکھڑاتے ہوئے بندے کو تھام کر اس کے سر پہ عزیمت و استقامت کا سایہ تان دیتی ہے۔

انقلابی سیرت سازی کا ذریعہ

ہجرت مالک کے راستے کی فقیری ہے۔ یہ لامکان کے مسلک کی پیروی اور اس کے منشا کی تکمیل ہے اس میں استغنا توانائی پیدا کرتا ہے، توکل اعتماد ربانی اور صبر قوت روحانی پیدا کرتا ہے جس سے ضرب کلیمی وجود میں آتی ہے جو میدانِ بدر میں پہنچ کر ضربت حیدری بن جاتی ہے ہجرت کی بے سرو سامانی سے بدر کی ضربت حیدری تک کے فاصلے کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ؎

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

شبانی سے کلیمی دو قدم اس وقت ہوتی ہے جب انسان طاغوت کے مصر (یا مکہ) سے حالت بے سرو سامانی میں نکل کر مدین (یا مدینہ) کا راستہ پکڑتا ہے اور اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کر دیتا ہے پھر جس طرح کلیم اللہ حالت سفر اور غربت میں یہ بات کہتا ہے کہ

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

"پروردگار جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا حاجت مند ہوں"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے راستے کے فقر پر فخر کرتے دکھائی دیتے تھے۔ الفقر فخری "اللہ کی راہ کا فقر میرے لیے فخر ہے"۔

غرض ہجرت دعوتِ اسلامی کی منازل مقررہ میں سے ایک دائمی اور حقیقی منزل ہے۔ یہ نفسِ امارہ سے تہیت کی طرف، بے صبری اور اشتعال سے صبر و حکمت کی طرف۔ غیر اللہ پر توقعات سے توکل علی اللہ کی طرف ہجرت ہے۔ یہ دنیوی سہاروں سے غیبی امداد کی طرف ہجرت ہے۔ ہجرت دعوت اسلامی کے مراحل میں سے ایک عظیم الشان مرحلہ ہے۔

لیکن زیر دعوت قوم پر اتمامِ حجت کے بغیر ہجرت کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے مکہ کی ایک چھوٹی سی بستی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۳ برس صرف کرنے پڑے تھے تاکہ وہاں کا ایک فرد بھی دعوت کی خبر، اس کی نوعیت، حقیقت، نتائج اور قبولیت سے

بے خبر نہ رہے۔

کسی قوم کی طرف سے دعوتِ اسلامی کے راستے میں معمولی درجے کی مزاحمت و مخالفت ہجرت کے لئے کافی عذر نہیں ہوتا ہے حضرت یونس علیہ السلام کی بستی میں دعوتِ اسلامی اور ہجرت کے مراحل کا واقعہ سب کے سامنے ہے۔ اگر کسی گروہ میں قبولیتِ حق کے لیے دور کا شائبہ بھی موجود ہو تو اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بستی سے داعئ حق کا نکل جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ وہ بستی غضبِ الٰہی کی براہِ راست زد میں آجاتی ہے۔ وہ ناکارہ کوڑے کا ایک ایسا ڈھیر شمار ہونے لگتی ہے جو بزمِ ہستی میں ناقابلِ برداشت بوجھ کی مانند ہوتا ہے۔ پھر مالک کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس بستی کو انسانی آبادیوں میں سے اٹھا دیے جانے اور صاف کر دینے کا حکم کارکنانِ قضا و قدر کو دے دے۔ اس کے بعد تو جو کچھ مہلت ہوتی ہے وہ صرف مالک کے رحم و کرم پر ہی منحصر ہوتی ہے۔

اس لئے کسی قوم میں سے داعیانِ حق کے ہجرت کر جانے کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے کہ جب دل گھبرایا تو بوریا بستر اُٹھا کر رخصت ہو گئے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اب دعوت کے مخاطب لوگوں میں صالحیت اور صلاحیت کی مقدار صفر کے مقام پر پہنچ گئی ہے۔ انہیں صفحۂ ہستی پر رہنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت پر مہلت دیتا اور سدھرنے کے مواقع دیتا چلا جاتا ہے کسی ایک بھٹکے ہوئے انسان کا بھی اپنے مالک کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے کے لیے لَوٹ آنا مالک کو بے حد پسند ہے۔

ایران کے انقلابی مفکرین یہ کہتے ہیں کہ ہجرت بطورِ حکمت انقلاب بھی اختیار کی جاتی ہے۔ جو تحریک کو دور دراز تک متعارف کرانے، نئے افراد کو متوجہ کرنے، کھلی اور آزاد فضا میں پہنچ کر طاغوتِ وقت کے خلاف جد و جہد کرنے میں مددگار ہوتی ہے اس لئے ہجرت کے لیے منصوبہ بندی بھی کی جا سکتی ہے۔ گویا لاچاری اور مجبوری کی ہجرت کے علاوہ رضاکارانہ ہجرت کا تصور بھی موجود ہے۔

ہجرت دعوتِ اسلامی کے لیے ناسازگار ماحول کی طرف سے سازگار ماحول کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ حبشہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہاں کا حاکم خدا ترس اور وہاں کی حکومت امن پسند ہے۔ وہاں چلے جاؤ اور یا پھر مدینہ کی ہجرت کہ جسے بقول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ قرآن نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا اور سارا مدینہ تیزی سے مسلمان ہوتا چلا جا رہا تھا اور عملاً وہاں کے دو طاقتور قبائل اسلام قبول کر کے مدینہ کو شہرِ اسلام بنا چکے تھے۔ ایک ناسازگار ماحول سے دوسرے ناسازگار ماحول میں ہجرت کرنے کی نہ کوئی مثال موجود ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔ اس سے دعوتِ اسلامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

یہ لازم نہیں ہے کہ ہجرت ایک ملک سے کسی دوسرے ملک کی طرف ہی کی جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی بلکہ ملک کے ایک ایسے دور علاقے سے دوسرے سہند علاقے کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔ جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ہجرت داعیانِ حق کے قلبی اور باطنی احساسات کی جغرافیائی تکمیل کرتی ہے اللہ کے وہ بندے جو دعوتِ دین کا کام کرتے ہیں وہ باطل کے ماحول، حالات، فضا، معاملات اور پورے معاشرے سے باطنی طور پر متنفر اور بیزار تو پہلے ہی ہوتے ہیں اور جسمانی طور پر اس ماحول میں رہنے کے باوجود روحانی طور پر اس سے علاحدہ اور ممتاز رہتے ہیں پھر جب وطنی ہجرت ہوتی ہے تو یہ ہجرت ان کی باطنی ہجرت

کی ظاہری تکمیل کا ہی ذریعہ بنتی ہے ۔ اس طرح باطنی مہاجر پھر وطنی مہاجر بھی بن جاتے ہیں اور یہ ہجرت تکالیف و شدائد کی افراط کے باوجود ان کی آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے ۔

ہجرت نفاق کا شافی علاج

ہجرت نفاق کا شافی علاج اور تزکیہ اہل ایمان کا ذریعہ ہے ۔ مخلص و غیر مخلص کے درمیان یہ حدِ فاصل ہے ۔ ہجرت کی پل صراط پر سے غرض مند اور مفاد پرست آدمی نہیں گزر سکتا ۔ اس کی کاٹ تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے جو مفاد پرستی میں مبتلا دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے اور وہ بال سے زیادہ باریک ہوتی ہے جو غیر مخلص دل کو بھینچ کر رکھ دیتی ہے ۔ ایک غیر مخلص شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ مخلصینِ دعوت کے دوش بدوش اور ہم قدم چلنے کا زیادہ عرصہ ڈھونگ رچا سکے ۔ مفاد پرستی اور غرض مندی کا روگ لے کر اگر کوئی اسلامی تحریک کے ساتھ چند قدم چلنے کا مظاہرہ کرتا بھی ہے تو ہجرت کا مرحلہ اس کا پول کھول کر رکھ دیتا ہے ۔

ہجرت انقلابی افراد کی تیاری میں اہم درسگاہ کا کام دیتی ہے ۔ کوئی انقلاب بھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پاس جاں نثار کارکنوں اور با بصیرت پر عزیمت قائدین کی ایک مؤثر ٹیم موجود نہ ہو ۔ ہجرت اسلامی تحریک کی اس ضرورت کو احسن طریقے سے پورا کرتی ہے ہجرت کے بعد اہل حق کی تعلیم و تربیت و تنظیم کا کام بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے اور صالح سوسائٹی ۔ نظریاتی معاشرے کی ابتدائی تشکیل کے ذریعے ذمہ داریاں سنبھالنے اور مناصب کے فرائض ادا کرنے کی تربیت دینے کا ذریعہ بنتی ہے ۔

ظاہر ہے کہ حق پرستی کا پودا باطل کی پابندِ سلاسل متعفن فضاؤں میں پرورش نہیں پا سکتا ۔ اس کے لیے سیاسی آزادی ، حریتِ فکر ، شورائیت اور ضمیر و ایمان کی عملی آزادی درکار ہوتی ہے ۔ جو شے صرف زبان سے تسلیم کی جائے اور اس پر عملدرآمد کے لئے ماحول موجود نہ ہو وہ ایک خاص مدت تک تو جذبہ عمل کو ابھارنے اور قربانیاں پیش کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے لیکن زمانہ کی دست برد کی زد میں آنے کے بعد جب عقیدہ عمل سے مختلف ، عملی حالات کا پابند ، اور اس سے متصادم ہو کر رہ جاتا ہے ، تو غیر محسوس طور پر انسانی ضمیر میں نفاق و نقاہت اور ضعف و گریز کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں اور تدریجاً صورت حال یہ بن جاتی ہے کہ جو بات عقیدے کا جزو تھی وہ رسم کا موضوع اور جو عمل و کردار کے لیے برحق تھی وہ موضوعِ سخن بن کر رہ جاتی ہے اور انسانی ضمیر اس تضاد میں اضطراب تلاش کرنا چھوڑ دیتا ہے ۔ یہ فضا کسی انقلابی تحریک کے لیے سم قاتل سے کسی صورت کم نہیں ہوتی اس لیے ایسی فضا سے نکلنے کی تدبیر ضروری ہوتی ہے تاکہ فضا بدلے ، حالات بدلیں ، ماحول بدلے ، اور بندۂ مومن صرف مالک و خالق کی بندگی کے لئے آزاد ہو جائے چاہے اسے مکہ کی پیاری گلیاں چھوڑنی پڑیں یا بازارِ مصر کی رونقوں سے نکل کر دشت و صحرا کی خاک چھاننی پڑے ۔

ہجرت ہی اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ جذبہ کو بیدار کرے ، ماحول کو سازگار کرے ، حالات کو تبدیل کرے اور تحریک کی جدوجہد کے لیے نئی فضا اور نئے حالات پیدا کرے ۔ حق کا شجرِ طیبہ باطل کے شجرِ خبیثہ کے سائے میں پرورش نہیں پا سکتا ۔

ہجرت ، اسلامی تحریک کو ایک زوردار پیش قدمی کا موقع فراہم کرتی ہے ۔ ایک بہت بڑی چھلانگ جو باطل کے سر کے اوپر سے نکل جاتی اور سازگار فضا میں خیمے گاڑ دینے کا کام دیتی ہے اس لیے کہ حق ایک نظامِ زندگی بن کر ہی نکھرتا اور سنورتا ہے ۔ اس کے شیریں پھل ، خوشنما پھول ، سایہ دار شاخیں ، دلکشا کلیاں ، دلفریب غنچے ، پرکیف خوشبو ، ٹھنڈا سایہ اور پُربہار

کیفِ زندگی اس کے مکمل نفاذ کے بعد ہی اپنی حقیقی صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مکان کے کاغذی نقشے اور اس کی حقیقی عمارت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے کاغذی نقشہ کسی کو نہ سردی گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ بارش اور دھوپ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ کسی نظام کے حقیقی نفاذ کا مرحلہ ہجرت کے بعد ہی سنورتا ہے اور ایک آزاد فضا میں ہی اس کی خوبیاں دل کو لبھاتی اور برکات زندگی کو سنوارتی ہیں۔ اگر کسی نظامِ زندگی کو عملی نفاذ میسر نہ آئے، تو اس کے سارے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں اور اس کی حقانیت پر عملی دنیا کے لوگوں کو مطمئن کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ ہجرت نفاذ نظام کے لیے ایک شاہراہ کا کام دیتی ہے۔

باطل کے مقابل مورچہ بندی

جب تک اسلامی تحریک نظامِ طاغوت کے دائرۂ اثر کے اندر رہے۔ اس کا مقابلہ طاغوتی طاقتوں سے برابر کا مقابلہ نہیں ہوتا لیکن جب مومنین ہجرت کر کے نظام طاغوت سے باہر کوئی آزاد ٹھکانہ بنا لیں تو پھر اس طاغوت سے مومنین کی ٹکر مقابلے کی ٹکر بن جاتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اپنی تعلیمات و افکار و تربیت کے ذریعے ایک ایسا گروہ تیار کر دیا تھا جو دنیوی حرص و ہوا سے ماورا، اسلام کے انقلابی عقائد کا حامل تھا، توحید کی قوت سے آپ نے اس کے ایمان کو مضبوط کیا حقیقت رسالت کے چشمے سے آپ نے اسے سیراب کیا۔ آخرت کی جواب دہی کے خوف سے آپ نے اس لوہے کو موم بنایا، اسلامی تعلیمات و کردار کے سانچے میں اُسے ڈھالا اور تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کے آب سے آپ نے اس گروہ کو فولادی گروہ بنا دیا۔

جب آپ نے ایک ایسا گروہ تیار کر دیا جو اپنی نفسانی اغراض سے بے نیاز اور دنیوی مفاد و مقاصد سے بالاتر ہو کر صرف خدا کی رضا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے جان پر کھیل سکتا تھا۔ مال لٹا سکتا تھا، گھر بار قربان کر سکتا تھا، چلتے ہوئے کاروبار اور تجارتوں پر لات مار سکتا تھا۔ جو خدا کے سوا دوسرے کسی کا وفادار اور پرستار نہ تھا اور رسول اکرم کے سوا دوسرے کسی کا تابع اور جاں نثار نہ تھا۔ تب آسمان سے حکم ہوا کہ اب یہ گروہ پختہ کار اور مقبول بارگاہ تھا اور اسے باطل کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں اتارا جا سکتا تھا۔ ایمانی پختگی کے اس مقام پر پہنچ کو ہجرت عام کا حکم ہوا تھا۔ اب یہ سونا کندن بن گیا تھا اور اب اسے باقاعدہ آزمائش میں لایا جا سکتا تھا۔ اسلامی تحریک اب عدم تشدد اور ظلم برداشت کرنے کے دور سے گزر کر قوت آزمائی اور مخالفانہ جدوجہد کے دور میں داخل ہو گئی تھی۔ ہجرت کا اعلان یہی ثابت کرتا تھا۔ اب اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہ تھا کہ دونوں کشمکش کرنے والے گروہ مخلوط نہ رہیں بلکہ مدِ مقابل ہو جائیں۔ آمنے سامنے آ جائیں اور ہر شخص اپنے نظریات کی صداقت و حقیقت کا امتحان میدانِ جنگ میں دینے کے لیے تیار ہو جائے۔

ہجرت کے بعد باطل سے دست بدست کش مکش کا مرحلہ سامنے آ گیا تھا۔ یہ کش مکش اگر کافر و مسلم کے مخلوط معاشرے میں ہوتی تو اس کی نوعیت خانہ جنگی سے زیادہ نہ قرار پاتی اور اس کے نتائج ایک منظم حکومت اور مہذب معاشرے کی صورت میں نمودار نہ ہوتے ظاہر ہے کہ باہمی دست و گریبان خانہ جنگی میں مبتلا کسی معاشرے میں سے بھی کوئی صالح اور پاکیزہ شورائی نظام نمودار نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو ایسی کشمکش کی نوعیت مسلم اور غیر مسلم فسادات سے زیادہ مختلف نہ بنتی اور دونوں گروہوں کے کردار کی امتیازی خصوصیات بھی کھل کر سامنے نہ آ سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ بے پناہ خون خرابہ ہونے کے باوجود کسی منظم، مہذب اور قانون و آئین کی پابند حکومت کے برسرِ اقتدار

آنے کے امکانات کم سے کم تر ہو جاتے بلکہ ملک کسی غیر ملکی مداخلت اور ہر جُو جابر حکمران کی آماجگاہ بننے کے لیے نرم چارہ بن جاتا۔

حضور اکرمؐ کی حکمت دینی و سیاسی اس امر کی متقاضی تھی کہ ایک واضح نصب العین کو حاصل کرنے اور ایک بامقصد انقلاب برپا کرنے کے لیے کشمکش کرنے والے مسلم و کافر دونوں گروہوں کی مورچہ بندی باقاعدہ ہو، علیحدہ علیحدہ ہو اور کسی ٹھوس اور واضح نتیجے کی حامل ہو۔ اس کے علاوہ ہر غیر جانبدار گروہ یا قبیلے کو دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ حلیف بن کر تعاون کرنے یا حریف بن کر جنگ آزما ہونے کے واضح مواقع موجود ہوں، اس طرح ہجرت کے اس واقعہ سے کافر و مسلم گروہوں کے درمیان نظریاتی کے ساتھ ساتھ جغرافیائی، سیاسی اور معاشرتی لکیر بھی کھنچ گئی اور ہجرت کے بعد جس کسی نے اس کش مکش میں حصہ لیا، معروف اور معلوم طریقے سے لیا۔ ہجرت سے دوست و دشمن میں امتیاز قائم ہو گیا۔ اپنے اور بیگانے نمایاں ہو گئے۔ غرض حکمتِ ہجرت کے ذریعے اسلامی تحریک کو تنظیم و وحدت کے علاوہ نظم و ضبط اور معاشرتی قربت کا موقعہ بھی میسر آ گیا۔ اس سے ایک اسلامی سوسائٹی وجود میں آ گئی جو پہلے نہیں تھی۔ اس یکجائی نے مسلمانوں کی اخلاقی اور اجتماعی قوت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

ہجرت اجتماعِ قوت کا ذریعہ

طاغوتِ وقت کے خلاف مورچہ بندی کے علاوہ ہجرت اسلامی تحریک کے لیے اجتماعِ قوت کا ذریعہ بھی ہوتی ہے۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جماعت کی بکھری ہوئی قوت کو سمٹ کر ایک معاشرتی ٹیم اور ایک دفاعی ہتھیار کی صورت میں تبدیل کر لیا۔ مخلوط سوسائٹی میں نظریاتی اقلیت کا گروہ کمزور اور زیر دست گروہ ہوتا ہے اور جب مخلوط اجتماعیت سے گزر کر جداگانہ ممتاز اجتماعیت کا اصول وجود میں آتا ہے تو اس سے نظم و ضبط، اجتماعی ارادہ، اجتماعی قوتِ فیصلہ اور اقدام وجود میں آتا ہے۔ معاشرتی اعتبار سے تعلیم و تربیت کا نظام حرکت میں آ جاتا ہے اور کردار سازی اور انسان سازی کا نظریاتی کارخانہ اپنے بہترین نتائج دکھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے دور میں مصر کی مخلوط سوسائٹی نے بنی اسرائیل کو اپنے عقائد میں کمزور اور کردار میں مضمحل کر کے ان کے نظریاتی مؤقف سے بہت کچھ دور کر دیا تھا چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے جہاں ایک طرف اللہ کے دین کی دعوت فرعون اور اس کی رعایا کے سامنے پیش کی، وہاں بنی اسرائیل کو مصر کی قبطی سوسائٹی سے علیحدہ اور آزاد کر دینے کا مطالبہ بھی کیا اور وہیں یہ اہتمام بھی فرمایا کہ جماعتی سطح پر بنی اسرائیل کے علیحدہ علیحدہ بستیوں میں جداگانہ حلقے قائم کئے تاکہ وہ اپنی فلاح اور اجتماعی جدوجہد کے لیے مشورے کر کے نظم، ارادہ اور قوتِ اقدام پیدا کر سکیں۔ اس کام میں ان کے نوجوانوں نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب وہ مصر کی مخلوط سوسائٹی سے ہجرت کر کے ایک مہاجرانہ اجتماعیت بن چکے تھے۔ جہاد کے لیے طاغوت کے تعین کے علاوہ تنظیم و اجتماع بہت ضروری شرائط ہیں۔

حضور اکرمؐ نے ہجرت کے ذریعے اپنی اسلامی قوت کو سمیٹنے اور اس سے اجتماعی جدوجہد میں مؤثر کام لینے کا اہتمام فرمایا۔ ہجرت کے ذریعے دوست و دشمن علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ جاں نثار رفیق سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو گئے۔ باہمی مشورہ کرنا آسان ہو گیا باہمی کام کا نقشہ بنانا ممکن ہو گیا اس طرح کام تقسیم کار اور منصوبہ بندی کے ذریعے ہونے لگا اور ہر کام کے لیے اہل تر افراد موجود اور میسر آنے لگے۔

ظاہر ہے کہ انبیاء کرامؑ کا کام تو اللہ کا ہی کام ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ وہ نظام باطل پہ ضرب لگاکر نظام حق برپا کرنا چاہتا ہے لیکن اگر کوئی ضرب صرف فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا سامان تو کر دے اور خلق خدا کی عزت و آبرو اور جان و مال کو بڑے پیمانے پر خطرے میں تو ڈال دے لیکن نتائج لازمی طور پر حق کے مخالف نکلنے کا خطرہ ہو تو یہ ضرب باطل کی بجائے مخلوق خدا پر پڑ جاتی ہے جو خدا کا کنبہ ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

ہجرت قوت و اجتماع فراہم کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق کو فساد فی الارض سے بچایا جائے۔ اگرچہ سب سے بڑا فساد خود نظام باطل ہے لیکن اس کے خلاف بھی عملی جدوجہد میں حرب و ضرب کا مقام تب آتا ہے جب کامیابی اور اصلاح کے امکانات بہت واضح موجود ہوں ظاہر ہے کہ ایسی ضرب لگانے کا موقعہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب دوست اور دشمن آمنے سامنے ہوں اور فریقین کی قوت اور حالات کا تخمینہ کارکنوں کے سامنے ہو۔

ہجرت دوست اور دشمن کو ممتاز کر دیتی ہے ان کو آمنے سامنے کر دیتی ہے ان میں معاشرتی اور معاشی تعلقات منقطع کر دیتی ہے ان کے مشترک مفادات جو کمزوری کا باعث ہوا کرتے ہیں ختم کر دیتی ہے اور منظم و متحد ہو کر ایک نظریاتی گروہ کی حیثیت سے جدوجہد کے میدان میں کامیابی کی طرف پیش قدمی کا موقعہ فراہم کرتی ہے۔ ہجرت اجتماعِ دوستاں کا ذریعہ ہے اور قوت و توانائی کا منبع ہے۔ اسی میں اسلامی تحریک کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

ہجرت، اپنے پرائے کی شناخت کا ذریعہ

ہجرت دراصل اپنے پرائے کی شناخت کا بہترین ذریعہ ہے حضور اکرمؐ نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں دعوتِ اسلامی کا مرکز قائم رکھا۔ یہ دعوت صرف قریش تک ہی محدود نہ تھی بلکہ شہر مکہ سے نکل نکل کر اطراف عرب کے قبائل اور آبادیوں میں بھی پھیل رہی تھی۔ لوگ قریش سے کاروبار کرنے شہر آتے تھے تو حضور اکرمؐ کی دعوت اسلامی سے روشناس ہو کر واپس جاتے تھے۔ لوگ حج کے لیے ملک کے طول و عرض سے آتے تھے تو حضور اکرمؐ ان کی قیام گاہوں پر جا جا کر ان کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرتے تھے۔ طواف بیت اللہ، دورانِ قیام حرم، منیٰ کا کیمپ، عرفات کا قیام، مزدلفہ کا ڈیرہ غرض ایام حج میں حضور اکرمؐ کا دعوتی مشن بہت سرگرم اور بھرپور ہوتا تھا اور آپ سارے حاجیوں پر اسلام کی تعلیمات واضح کرتے تھے۔ اس طرح اسلام کے ماننے والے صرف مکہ میں ہی نہیں تھے بلکہ بادیہ پیما قبائل اور دور دراز کی بستیوں میں بھی موجود تھے۔

سب اپنے اپنے علاقوں میں اور لوگوں میں کہیں کھلم کھلا اور کہیں چپکے چپکے منتشر طور پر مصروفِ کار تھے۔ پھر ہجرت کا حکم ہوا تو اسلام کے ہر نام لیوا کے سامنے یہ سوال آگیا کہ کیا وہ اسلام کی خاطر گھر بار، قبیلہ و خاندان معیشت و تجارت چھوڑ کر دار الہجرت مدینۃ الرسول میں چلا جائے یا اس حکم کو ٹال دے۔ چنانچہ جس جس کے دل میں اسلام کی محبت، خدا کی خشیت اور رسولؐ کی رسالت کا نقش گہرا تھا اس کا راستہ بہت واضح تھا۔ اسے خدا اور اس کے رسول نے پکارا تھا تو وفاداری کے لیے اس پکار پر بیٹھے رہنا ایمان کے منافی تھا، جو دامن جھاڑ کر چل پڑا وہ امتحان میں پاس ہو گیا اور جو بیٹھا رہ گیا تو اس کا دین و ایمان ہی بیٹھ گیا۔ بس اس وقت صاحب ایمان کا یہی نشانِ شناخت قرار پایا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ کس کس میں ایمان کی جڑیں پائیدار اور مضبوط ہیں اور کون کون کچا یا جھوٹا دعویدار ہے بکس

میں اللہ کی محبت کے مقابلے میں جان، مال، تجارت گھر بار اور بیوی بچوں کی محبت زیادہ ہے۔ کون ہے جو رسولؐ کی محبت پر جہانِ آرزو کو نثار کرتا ہے اور کون ہے جو زمین سے چمٹ کر رہ جاتا ہے اور اس کے لیے دینِ حق کی عظیم الشان منازل کی طرف گامزن ہونا بوجھل ہے۔ کون اللہ کے راستے میں نکلتا ہے چاہے ہلکا ہو یا بوجھل، اور کس کے پاؤں بوجھل اور دل مضمحل ہو کر رہ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہجرت نے وفادار اور غیر وفادار اپنے اور پرائے، حقیقی مومن اور کھوکھلے دعویدار کے درمیان امتیاز قائم کر کے دکھا دیا۔ ہجرت سے پہلے ایمان کے دعویداروں کے لیے ممکن تھا کہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر صرف دعاگوئی کا فرض سرانجام دیتے ہیں، لیکن ہجرت کے ذریعے سے جب مومنوں اور کافروں کے درمیان مسافت کی دیوار اور ایثار و قربانی کی باڑ لگ گئی تو پھر ہر مدعی کے لیے دار و رسن کا اعزاز حاصل کرنا ممکن نہ رہا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہجرت نے کھرے کھوٹے اور سونے تانبے میں امتیاز کرنے والی ایک ایسی کسوٹی کا کام کیا جس کے بعد مومنین کی منتشر جمعیت نے ایک منظم جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ ہجرت کا یہ طریقِ کار انقلابی بھی تھا اور نظریاتی بھی۔ اس اقدام نے ایک متعین منزل کی طرف پیش قدمی کا ایک مضبوط عمل سرانجام دیا۔

ہجرت، جہاد کا دروازہ

ہجرت نے مکہ میں مسلمانوں کی مظلومیت کے دور کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اللہ کے دین کی حکمت جہاں مسلمانوں کی مظلومی سے ان کی پختگی اور عقائد و ایمان کی مضبوطی کا کام لے رہی تھی وہاں نوجوان جاں نثار مسلمانوں میں کفار کے مقابلے میں عدم تشدد کا رویہ اختیار کرنے پر اضطراب بھی موجود تھا۔ وہ دعائیں کرتے تھے کہ انھیں بھی میدان مقابلہ میں ان دشمنانِ خدا و رسولؐ سے تلوار کا مقابلہ کرنے کا موقعہ ملے تو وہ انھیں بتائیں کہ مومن اللہ کے راستے میں جان دینے کا کیسا سلیقہ اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ کو سزا دینے کا کتنا حوصلہ رکھتا ہے۔

لیکن ایامِ مظلومیت میں مسلمانوں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ ابوجہل کے مظالم بہت بڑھ گئے تھے۔ عقبہ اور ولید کی گستاخیاں حد سے آگے نکل گئی تھیں۔ بیکس اور لاچار مسلمانوں پر جبر و تشدد کی انتہا ہو گئی تھی۔ ابولہب کانٹے بچھاتے بچھاتے دعوت اسلامی کے راستے کا کانٹا بن گیا تھا۔ ابوجہل مظلوم مومنہ حضرت سمیہ کو شہید کر کے اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھنے لگا تھا۔ شعب ابی طالب کے تین سالوں میں مسلمان مظلومیت کا سخت ترین دور گزار چکے تھے۔ یہ وہ امتحان تھا جسے حضور اکرمؐ اور آپ کے خاندان نے مشکل ترین حالات میں پاس کیا تھا۔ اور مسلمانوں کا پیمانۂ صبر بار باران مظالم کے مقابلے میں چھلکنے لگتا تھا۔

ایک بار ابوجہل نے حالت نماز میں حضور اکرمؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنے بل دیے کہ نماز کے دوران حضورؐ گھٹنے کے بل گر پڑے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آگے بڑھ کر اس ناہنجار کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور فرمایا۔

> "کیا تم ایک شخص کو اس لیے ہلاک کئے دیتے ہو کہ وہ ایک اللہ کو اپنا رب کہتا ہے اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت حمزہؓ کو معلوم ہوا تو وہ غصے سے لال پیلے ہو گئے انہوں نے مجلس میں آ کر ابوجہل کے سر پر اپنی کمان اتنے زور سے ماری کہ اس کا سر زخمی ہو گیا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ابوجہل سے آپ کا انتقام لے لیا ہے۔"

حضورؐ نے بہت پرسکون لہجے میں فرمایا :

"چچا میں انتقام لینے کے لیے تو نہیں آیا مجھے تو تب خوشی ہوگی جب تم ایمان لے آؤ گے۔"

اور حضرت حمزہؓ کلمہ طیبہ پڑھ کر وہیں مسلمان ہو گئے۔

اس طرح مسلمانوں کی صفوں میں نوجوانوں، صف شکن مجاہدوں، بہادر سپاہیوں اور رزم آرا شمشیر زنوں کا اضافہ ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی کل جماعت اس مقام کو پہنچ رہی تھی کہ اگر اسے اپنے دین کا دفاع اور اپنی عزت و آبرو کا تحفظ کرنے کے لئے جان و مال کی قربانیاں دینی پڑیں تو وہ مثالی قربانیاں دے سکیں۔

مسلمان جہاد کا حکم ملنے کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ اور دشمنانِ دین سے انتقام حق لینے کی آرزوئیں کرتے تھے۔ تب ان کو ہجرت کا حکم ہوا تاکہ ان کا یہ شوقِ جہاد پایہ تکمیل کو پہنچ سکے اور وہ اللہ کے راستے میں جنگ آزمائی کا شوق پورا کر سکیں۔ اب ان کی طلب صادق اور ان کی آرزوئے اقامت دین پختہ ہو چکی تھی اس لئے اب انھیں مزید روکنا مناسب نہ تھا۔ اب انہیں جہاد کے مدنی مورچے پر پہنچنے کا حکم ہو گیا۔ یہی وہ مورچہ تھا جس سے انہوں نے باطل کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کرنا تھا۔ ہجرت پُرامن تبلیغی سرگرمیوں سے مسلح انقلابی جدوجہد کی طرف پیش قدمی کی پہلی منزل ہے۔ ہجرت جہاد کا آتشیں دروازہ ہے جہاں سے شہداء کے سرخرو خاطے گزرا کرتے ہیں۔

ہجرت، انقلابِ اسلامی کا نقطۂ آغاز

ہجرت سے پہلے حضور اکرمؐ کو مکہ میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ۱۳ سال گذر گئے تھے۔ لیکن قریش کی مزاحمت دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی تھی اب ان کے درمیان مزید رہنا تضیع اوقات تھا۔ اب اللہ کے کلمے کو بلند کرنے، دین اسلام کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ثابت کرنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے داعیانِ حق کے سامنے ہجرت ایک فیصلہ کن مرحلہ بن کر آ گئی تھی۔ ظاہر ہے کفر کے علاقے کو چھوڑ کر اللہ کی خاطر دینِ اسلام کے علاقے کی طرف سفر کر جانے کا نام ہی تو ہجرت ہے۔ اللہ کے لئے، اس کے دین کے لئے اور اپنے ایمان کے لیے اپنے گھربار عزیز و اقربا، تجارت و کاروبار چھوڑ کر خالی ہاتھ پردیس کی طرف نکل جانے کا نام ہی ہجرت ہے۔ اقامت دین کی منزل کا ایک مرحلہ یہ ہجرت بھی ہے۔

غلبۂ اسلام کے لیے فرد کی اصلاح پہلا قدم ہے تو معاشرے کی اصلاح دوسرا قدم ہے اور دیارِ کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا تیسرا قدم ہے۔ ان مراحل سے گزر کر ہی تو اسلام کا حیات آفریں اور زندگی بخش نظام قائم ہوتا ہے۔

مکہ میں دعوت اسلامی پیش کرتے ۱۳ برس بیت گئے تھے اور حضور اکرمؐ کی عمر ۵۳ سال کی ہو گئی تھی۔ آپ طائف کی دعوتی مہم سے زخمی ہو کر واپس تشریف لے آئے تھے۔ آپ کے مشفق چچا ابوطالب اور غمگسار اہلیہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا۔ قریش اب حضورؐ کی جان کے درپے تھے ان کی مجالس میں حضورؐ کے قتل کے منصوبے زیرِ غور آتے تھے۔ حضورؐ کے گرد کفار کا نرغہ شدید سے شدید تر ہو گیا تھا۔ یہی موقعہ تھا جب مدینہ کے چند افراد نے حج کے موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا اور دوسرے سال ۷۵ افراد نے اسلام

قبول کرکے آپ کو مدینے منتقل ہونے کی پُرزور دعوت دی اور جان نثاری کے عہد و پیمان کیے تھے۔ مدینہ والوں پر اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے تاریخِ اسلام کے دھارے کا رُخ مکہ سے مدینے کی طرف موڑ کر پوری انسانیت پر احسان کیا۔

مدینہ والوں سے پختہ عہد و پیمان ہونے کے بعد ہجرت کے لئے حضورؐ کو صرف یہ انتظار تھا کہ اللہ کی طرف سے کب اذنِ سفر ہوتا ہے اور آپ کے ساتھ رفاقتِ سفر کا کسے شرف حاصل ہوتا ہے۔

جو رات قریش نے حضورؐ پر حملے کے لیے مقرر کی تھی وہی خاص رات آپ کے لئے ہجرت کی رات بھی مقرر کی گئی تھی۔ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر اسی رات حضور اکرمؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ گھر میں تخلیہ کرا دیا گیا اور ابوبکرؓ کو ہجرت کا حکم آجانے کی خبر سنائی گئی۔

"کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ سفر کی اجازت ہے؟" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا۔

"ہاں تمہیں بھی میرے ساتھ سفرِ ہجرت کرنا ہوگا۔" حضورؐ نے فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ بات سن کر اباجان زار و قطار رو پڑے تب میں نے پہلی بار جانا کہ انسان غم میں ہی نہیں خوشی میں بھی روتا ہے۔

یوں ہجرت کا حکم آیا، ہجرت ہوئی۔ پہلا پڑاؤ غارِ ثور تھا جہاں تین دن قیام فرمایا گیا اور جب تعاقب کرنے والوں کے پاؤں بھی نظر آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اس غار میں دو میں کے دوسرے تھے بہت گھبرائے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھ لیں تو ہم پکڑ لیے جائیں گے۔"

حضورؐ نے جواب میں فرمایا:

"ابوبکر! لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (اللہ ہمارے ساتھ ہے غم نہ کرو)۔"

اور بلاشبہ ہجرت کرنے والے پاک نبیؐ کے ساتھ اللہ تھا اور جب وہ پاک نبی مدینہ پہنچا تو گویا وہاں کامیابیوں کا چاند طلوع ہو گیا۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہجرت اسلامی انقلاب کا نقطۂ آغاز ہے۔ ہجرت اسلام کی کامیابیوں کی طرف پہلا مضبوط قدم ہے۔ ہجرت کفر و اسلام کے درمیان سفرِ مفارقت ہے۔ ہجرت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان قوت آزمائی کا وسیع میدان جنگ ہے۔ ہجرتِ اسلام کی فتح کا دروازہ ہے۔ ہجرت کے پیچھے کفر کی ناکامیوں کا ہجوم ہے اور ہجرت کے آگے اسلام کی کامیابیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

طاغوت سے برابر کی ٹکر

حضور اکرمؐ نے ہجرت کے ذریعے تحریک اسلامی کو مظلومیت سے اٹھا کر قریش کے مدِمقابل لا کھڑا کیا۔ ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ وہ ظلم و ستم سہنے کی کمزوری سے نجات پائیں اور دشمن کا مقابلہ میدان میں کرنے کا مقام حاصل کریں۔ ہجرت کے ذریعے اسلام کی چاروں طرف بکھری ہوئی طاقت سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو گئی اور ایک قائد کے زیرِ نگرانی اور زیرِ ہدایت ایک صف میں آگئی۔ ہجرت کے ذریعے افراد کی شناخت ہو گئی۔ جو شخص خدا اور رسولؐ کے حکم پر دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا وہ اسلام میں صفِ اول کا آدمی قرار پایا اور جو زمین و مکان سے چمٹ کر رہ گیا وہ آخری صف میں چلا گیا۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام کے راستے میں قربانیاں پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ ہجرت کے ذریعے کفر کو

چیلنج کرکے اسے میدان میں قوت آزمائی کی خاطر اترنے کے لیے للکارا گیا اور مدمقابل ہونے کی حیثیت سے اسلام کے لئے کفر پر ضرب لگانے کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد اس کش مکش کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں فتح و نصرت کا نزول ہوا کرتا ہے۔

ہجرت نے تمام قبائلِ عرب کو بھی موقعہ دے دیا کہ وہ چاہیں تو کفار کے حلیف بن جائیں اور چاہیں تو اسلام کے حلیف بن کر سامنے آئیں۔ ہجرت سے باشندگانِ مدینہ کو بھی قربانیاں دے کر اپنے ایمان کا امتحان دینے کا موقعہ ملا اور نئے آنے والوں کی میزبانی اور ان کی آبادکاری میں مدد کے ذریعے اسلام میں مقامِ انصار قائم کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ ہجرت نے وہ میدان مقابلہ قائم کر دیا جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد اپنے مخلص بندوں کے حق میں اترا کرتی ہے اور بلاشبہ پھر وہ غیبی مدد اتری اور کفار کو تباہ کرنے میں مسلمانوں کا دستِ غالب بن گئی۔

ہجرت کا حکم ملنے کے بعد سارے مسلمانوں کو بار بار ہجرت کرنے پر ابھارا گیا تاکہ وہ سمٹ کر دارالاسلام مدینہ میں جمع ہو جائیں اور کفر کے خلاف معرکہ برپا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسی لیے جو مسلمان ہجرت سے پہلوتہی کرتے تھے انھیں ضعیف اور کمزور مسلمان شمار کیا گیا اور جن کا اخلاص بھی ثابت نہ تھا انھیں تو منافق کہا گیا اور ان کے بارے میں حکم ہوا کہ اگر وہ مجبوری سے بھی کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی کریں گے تو ان کا قتل جائز ہے اور ان کے ساتھ وہی کارروائی کی جائیگی جو دوسرے کفار کے ساتھ ہو گی۔

ہجرت دو رنگی کو چھوڑ کر یک رنگ ہونے کا عمل ہے۔ یہ مصلحت پرستی کی بجائے عزیمت کا راستہ ہے یہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینے کا فیصلہ ہے ظاہر ہے کہ بیٹھ رہنے والے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ہجرت سے جی چرانا بیٹھ رہنا اور ہجرت کرنا میدان جہاد میں جانے کے مترادف ہے۔ جہاد کا عمل ہجرت سے کچھ بھی دور نہیں ہے۔ ہجرت کے بعد دوسرا اقدام جہاد ہی ہوا کرتا ہے۔ ہجرت سے جی چرانے والوں کے بارے میں ہی قرآن نے بتایا ہے کہ جب ان کی جانیں فرشتوں نے قبض کیں۔ تو ان سے کہا گیا۔

"کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے"

اس لیے کہ حقیقی عمل تو اسلامی نظام حیات ہے۔ اگر کسی جگہ اس پر عمل کرنا ہی ممکن نہ ہو تو پھر اس سرزمین میں بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ انسان جنگلوں کو آباد کرے۔ صحراؤں میں نکل جائے اور خدا کی وسیع زمین میں جہاں کفر سے آزادی ہو وہاں جا کر ڈیرے ڈال دے۔ ہجرت کا مقصد غلبۂ کفر سے نکل کر اسلامی قوانین پر عمل کے لیے آزادی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

حضورؐ نے ہجرت کے اقدام کے ذریعے دعوتِ اسلامی کی تحریک کو پرامن انقلاب کے راستے سے گزار کر مسلح انقلاب کے مقام پر لا کھڑا کیا اور بالآخر ہجرت کے ذریعے حضورؐ کی پُرامن دعوتی جدوجہد قوت و شوکت کے مسلح مرحلے میں داخل ہو گئی۔ اس طرح حضور اکرمؐ نے اپنی انقلابی حکمت کا ایک اہم مرحلہ طے کر لیا جس کے بعد باطل کے سامنے زندگی اور موت کا کھلا چیلنج رکھ دیا گیا۔ ہجرت کے ذریعے دعوتِ اسلامی کی تحریک جنگ و جہاد کے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ وہ جہاد جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں لڑوں اور مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر لڑوں اور مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں یوں اللہ کے راستے

میں زندگی اور موت کا یہ سلسلہ اللہ کی رضا کی خاطر پیہم جاری رہے۔ زندگی کو موت کے سر پہ ضرب لگانے کے لیے استعمال کرنا ہی دراصل جہاد ہے۔ اور جہاد ہی اسلامی انقلاب کا سب سے قوی اور مؤثر ہتھیار ہے۔

ہجرت کامیابی کا زینہ

ہجرت اسلامی انقلاب کی عظیم الشان جدوجہد میں ایک ناگزیر مرحلہ ہے۔ دعوتِ اسلامی کی تاریخ میں اللہ کے نبیوں کو اللہ کے دین کی دعوت کے دوران بالعموم ہجرت کے مرحلے سے بھی گذرنا پڑا ہے۔ اللہ کی زمین پر خلافتِ ربانی کا فریضہ ادا کرنے اور اللہ کی مرضی کو زمین پر نافذ کرنے کے لیے حضرت آدم کا نزول بھی جنت سے زمین کی طرف ہجرت کا ہی ایک مرحلہ ہے۔ انسان کی زمین پہ آمد، ایک ہجرت ارضی و سماوی کا ہی کرشمہ ہے۔ نسلِ انسانی سے پہلے جوڑے نے بھی ہجرت کے ذریعے ہی زمین پر اپنی آباد کاری کا آغاز کیا تھا۔

ان کی آمد کے بعد ہی اس زمین پہ انسان کی آباد کاری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ زمین پر اپنی آمد کے دن سے آج کے دن تک انسان مسلسل ہجرت مکانی و زمانی کر رہا ہے۔ اگر انسان ہجرت کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تو زمین کے ان براعظموں میں یوں انسان کا پھیلا ہوا تمدن اور چھایا ہوا تہذیبی قافلہ ہر جگہ خیمہ زن نہ ہوتا۔ اور لوگ جس جگہ پیدا ہوتے اگر اسی جگہ ٹھکانہ بنا کر بیٹھے رہتے تو دنیا کی آبادی، ترقی، تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور قافلہ ہائے رنگ و بو کی یہ چہل پہل موجود نہ ہوتی اور دنیا یوں آباد نہ ہوتی جس طرح یہ آج آباد ہے اور نہ ہی اس میں وہ تنوع، وہ رنگا رنگی اور وہ خوبصورتی اور رعنائی ہوتی جو آج ہجرت مکانی کے پیہم اور مسلسل عمل کے ذریعے پائی جاتی ہے۔

دعوتِ اسلامی دینے والی یاکمانہ ہستیاں بھی اپنے اپنے دور میں ہجرت کے مرحلوں سے دوچار ہوتی رہی ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اپنے شہر اور ملک سے ہجرت اور متعدد ملکوں اور علاقوں کا سفر۔ کہیں فلسطین میں ان کے قافلے کا پڑاؤ اور کہیں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے دامن میں ان کے اہل و عیال کا ٹھکانہ، حضرت یوسفؑ کی کنعان سے مصر تک جبری ہجرت، حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی مصر سے جبلِ طور اور جبلِ طور سے ارض مقدس تک ہجرت، حضرت لوطؑ کی وادی سدوم سے ہجرت، حضرت یونسؑ کی اپنے زیرِ دعوت علاقے سے ہجرت، حضرت عزیرؑ کی بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت، حضرت یعقوب کی فلسطین سے مصر تک ہجرت، حضرت ہاجرہؑ کی مصر سے مکہ تک ہجرت اور حضور اکرمؐ کی مکہ سے مدینہ تک ہجرت۔ ہجرت تو دعوتِ اسلامی کی گاڑی کا ایک خود کار پہیہ ہے۔ ہجرت اسلام کی کامیابی کا نشان ملتِ اسلامیہ کی روایت اور سنتِ ابراہیمیؑ ہے۔

اللہ کے دین کے لیے اس کے بندوں کو ہمیشہ ہجرت سے دوچار ہونا پڑتا رہا ہے۔ اللہ کا دین ہجرت کے مرحلے سے گزر کر ہی کامیابی کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے اللہ کا دین اپنی دعوت کے دوران جس اصلاحی راستے سے گزرتا ہے اس کے چار مرحلے ہیں۔

۱۔ فرد کی اصلاح کا مرحلہ ہے یعنی تزکیہ نفسِ انسانی اور افراد کی تیاری۔

۲۔ معاشرے کی اصلاح کا مرحلہ ہے یعنی اصلاح یافتہ افراد کی تنظیم و تربیت اور ان کے اجتماعی اخلاق کی تیاری۔

۳۔ ہجرت کا مرحلہ ہے یعنی دشمنوں اور دوستوں کے درمیان مخلوط حالت سے نکل کر اسلامی جماعت کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا۔

۴۔ جہاد اور فتح کا مرحلہ ہے یعنی دشمنانِ اسلام کے خلاف جاں گسل کشمکش کر کے اللہ کے دین اور اس کی حاکمیت کو تمام دوسرے

نظاموں پر غالب کرنا۔

اس طرح ہجرت دعوتِ اسلامی کا ایک ایسا ناگزیر مرحلہ ہے جس سے گزرے بغیر کوئی اسلامی دعوت کامیابی کی منزل میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ ہجرت ہی کامیابی کا زینہ ہے۔

ہجرت، طریقِ کار میں تبدیلی کا اعلان

ہجرت دعوتِ اسلامی کے طریقِ کار میں تغیر کا اعلان اور اس میں نمایاں تبدیلی کا نشان ہے۔ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کا طریقِ کار ایک تھا اور ہجرت کے بعد دعوتِ اسلامی کا طریقِ کار تبدیل ہو کر دوسرا ہو گیا۔ پہلے طریقِ کار میں حضرت عیسٰیؑ کی دعوت کا انداز پایا جاتا تھا تو دوسرے طریقِ کار میں حضرت موسٰیؑ کا طریقِ دعوت دکھائی دینے لگا۔ ان دونوں نبیوں کی دعوت کے طریقے اسلام کی دعوت کے ان دونوں ادوار۔ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد، میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ دونوں طریق ہائے کار سے اسلام کو تقویت پہنچی ہے۔ ایک طریقہ ضعف اور کمزوری کے دور کا ہے اور دوسرا قوت و توانائی کے دور کا۔ پہلے طریق کار سے کردار سازی اور تزکیہ و تربیت کا اہتمام ہوتا ہے تو دوسرے طریق کار سے فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔

ہجرت بتاتی ہے کہ نظامِ کفر کے ساتھ سازگاری مسلمان کی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ نظامِ کفر کے تحت زندگی بسر کرنا گناہ سمجھتا ہے۔ اس کا اسلامی قانون نظام کفر کے تحت معطل ہو جائے تو اس کی ساری اسلامی زندگی معطل ہو جاتی ہے۔ ولیم ہنٹر نے مجاہدین کی تحریک کے اسباب بیان کرتے ہوئے یہی بات کہی تھی کہ "مسلمان اپنے عقیدے کی رُو سے کفر کے نظام کے تحت مصالحت نہیں کر سکتے اسی لئے اسلامی قوانین کی غیر موجودگی میں وہ جہاد پر مجبور ہوتے ہیں"۔ درحقیقت ایک مسلمان صرف دو ہی نوعیتوں کا تعلق کفر کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔

۱۔ وہ دارالکفر میں رہتے ہوئے اسلام کو غالب کرنے اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے جد و جہد کرتا رہے۔

۲۔ جب تک کفر کے نرغے سے نکلنے کی راہ میسر نہ آئے وہ شدید ناگواری کے ساتھ وہاں رہے اور وہاں رہ کر بھی اپنی دعوت کو پیش کرنے کا فریضہ مسلسل ادا کرتا رہے۔

نظام کفر کے تحت رہنا، اس کے تحت مناصب اور منافع حاصل کرنا اور کبھی اس کے وجود کی تلخی تک اپنے ضمیر میں محسوس نہ کرنا یہ کیفیت تو ایمان کے منافی ہے اس لیے کہ جہاں خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور مسلمان اس میں خود بھی مبتلا ہو رہا ہو وہاں مسلمان کے لئے یہ صورت ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان متعفن گندگی کے گہرے گڑھے میں گرا ہوا ہو اور وہاں پڑے رہنے پر اسے کراہت کا احساس بھی نہ رہ گیا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت نہیں ہے۔ بلاشبہ کفر کا زور ٹوٹ جانے کے بعد جب سارا علاقہ خدا کے قانون کے لیے آزاد ہو جائے تو ہجرت کر کے کہیں جانے کی مسلمان کو کوئی مجبوری باقی نہیں رہ جاتی لیکن یہ حالت ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایسی صورت پھر کہیں پیدا ہو جائے، کفر کا غلبہ ہو جائے اور خدا کے احکام پر عمل ممکن نہ رہے۔ اس صورت میں دعوت اسلامی، تنظیم و تربیت، جماعت بندی پھر ہجرت اور جنگ و جہاد کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہجرت

کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی ہے۔

فرمایا گیا۔

"جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے، ان کو ہم دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رَبّ کے بھروسے پر کام کر رہے ہے کہ کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ اچھا انجام دنیا میں اسلام کی فتح کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم کی صورت میں۔

ہجرت، معیارِ وفاداری

ہجرت مدینہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کی گئی، دوسری طرف انصارِ مدینہ کے ساتھ ایک تاریخی معاہدے کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ ۱۲ نبوی کو حضورِ اکرمؐ نے باضابطہ انصار کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ ایک عظیم ہجرت تھی۔ ہجرت حبشہ کے مقابلے میں بہت بڑی ہجرت ہمہ گیر، ہمہ پہلو اور وسیع الاطراف ہجرت۔ تمام اہلِ ایمان کے لیے لازم تھا کہ وہ ہجرت کریں۔ کوئی مدعیٔ ایمان جو اس ہجرت میں شریک نہ ہوا اس سے خدا اور اس کے رسولؐ کا ذمہ اٹھا لیا گیا تھا۔ مدینے کی ہجرت ہمہ گیر ہجرت تھی۔ ہر چیز چھوٹ رہی تھی۔ مکان، کھیت، دکان، دوست، عزیز، وطن اور شہر غرض یہ کہ ہر چیز سے کلی ہجرت تھی۔ یہ بڑی آزمائش تھی چنانچہ اس موقع پر اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی اور واضح ہدایت دی گئی۔

- جان کی فکر نہ کریں کہ جان تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے۔ مکہ میں گئی یا مدینے میں گئی یا راہِ حق کے کسی مقام پر گئی۔ بس یہ دیکھیں کہ جان ایمان کے ساتھ جائے اور ایمان پہ ہی قربان ہو۔
- دنیا کی نعمتوں کی فکر نہ کریں کہ جس نے یہ نعمتیں دی تھیں، اس کے راستے میں جب جا رہے ہیں تو وہ دوبارہ ان سے بہتر نعمتیں دے سکتا ہے۔
- اپنے کاروباروں، جائیدادوں، کنبوں اور قبیلوں کی فکر نہ کریں کہ ان کا اجر آخرت میں بیش بہا محفوظ ہے اور دنیا میں بھی بہتر بدلہ دینے والا خدا موجود ہے۔
- روزگار کی فکر نہ کریں کہ رازق تو اپنی حقیر ترین مخلوق کو بھی بھرپور رزق دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دعوتِ حق میں ایک ایسا مرحلہ ضرور آتا ہے۔

جب ایک اللہ کے بندے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ سارے اندیشہ ہائے سود و زیاں اور غم ہائے دور دراز کو چھوڑ کر بس اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی لگا دے اور تمام دنیوی سہاروں سے یکسر قطع نظر کرے اور اپنے مقصد کے لیے اپنی پوری ہستی کو لگا دے یہ وہ انقلابی جذبہ ہے جو زمانے میں تغیرات لاتا ہے اور کسی نصب العین کو کامیاب کرتا ہے۔ جو لوگ نفع و نقصان کے حساب لگاتے رہتے ہیں اور کامیابی و ناکامی کے امکانات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں وہ کبھی ایسے اقدامات نہیں کر سکتے جن سے کوئی انقلاب رونما ہو۔ ہر چہ بادا باد کہہ کر اپنے مقصدِ زندگی کے لیے سب کچھ نچھاور کر دینے والوں کی جد و جہد سے ہی وہ انقلاب رونما ہوتا ہے جس کے سامنے سارے

باطل کے کلمے پست ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ کا کلمہ بلند ہو کر رہتا ہے۔

ہجرت کے ذریعے ایک بندہ مومن یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ صرف خدا کا بندہ ہے۔ وطن، خاندان، قبیلے، روزگار اور نسل کا بندہ نہیں ہے۔ اس طرح جو شخص اپنا کلمہ حق اپنے وجود معنوی و مادی پر طاری کرتا ہے وہی کلمہ انقلاب آفرین اور انقلاب انگیز ہوتا ہے ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے خوش آئند وعدے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ (النحل ۴۱-۴۲)

ترجمہ: ” جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں کہ کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے۔“

لیکن جو لوگ خدا کی راہ میں حکم ملنے کے بعد بھی ہجرت نہ کریں ان کا شمار منافقین میں ہوتا ہے۔ انقلابی جدوجہد میں جو لوگ اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیں کہ انھیں اسلام کے احکام اور خدا اور رسولؐ کے مقابلے میں اپنے گھر بار، کھیتی باڑی، کاروبار اور دوسرے دنیوی رشتے زیادہ عزیز ہیں۔ ان کے اس صریح اظہارِ نفاق کے بعد پھر مسلمانوں کے ذمے ان کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ البتہ ان لوگوں کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے جو شرعی مجبوریوں کی بنا پر ہجرت پر عملاً قادر نہ ہوں۔ جان بوجھ کر ہجرت سے باز رہنے والے لوگوں کے بارے میں قرآن نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔

فرمایا گیا ہے:

” جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین پر کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ہاں جو مرد اور عورتیں واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔“

(النساء آیت ۹۷، ۹۸، ۹۹)

حقیقت یہ ہے کہ جب ہجرت کا حکم آجاتا ہے تو پھر وہی ایمان کا معیار بن جاتا ہے۔

۳- احکام ہجرت

ہجرت اسلامی انقلاب کے لیے دعوتِ اسلامی کی جدوجہد کا ایک اہم مرحلہ ہے جو اپنے اندر دستوری اور قانونی اثرات رکھتی

ہے اس کے منتقد ہونے سے شہریت کے حقوق، معاشرتی حقوق و فرائض اور قانونی اور دستوری نتائج مرتب ہوتے ہیں اور بہت سی باتوں کے احکام تغیرِ حالات سے بدل جاتے ہیں اس لیے کسی اسلامی تحریک کا کسی مقام سے ہجرت کر جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے جسے معمولی درجے کے حالات کی سنگینی اور کسی فرد کی کیفیتِ اشتعال پر منحصر کیا جا سکتا ہو۔ یہ اقدام پوری تحریک کے مستقبل پر دور رس اثرات ڈالتا ہے اس لئے یہ بہت گہرے سوچ بچار اور بصیرت افروز مشاورت و اجتماع کے متفقہ فیصلے سے ہی ہو سکتا ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی اسلامی دعوت کی رہنمائی چونکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی خصوصی نگرانی و حفاظت میں ہو رہی تھی اس لیے حالات کی مکمل پختگی، تحریک کے کارکنان کی مظلومیت کے نقطہ عروج اور مخالفینِ دعوتِ اسلامی کی ہٹ دھرمی کے آخری حد تک پہنچنے کے بعد ہی ہجرت کا حکم دیا گیا تھا وہ بھی اس حالت میں کہ جس مقام کی طرف ہجرت کی جا رہی تھی وہاں تحریک کے پاؤں جمانے کے لیے پہلے سے ضروری سازگار حالات میسر ہو چکے تھے اور تحریک کے کسی اور ابتلاء میں پڑ جانے یا بالکل منتشر ہو جانے کا خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔

ہجرت روٹی، کپڑے اور مکان کی خاطر نہیں کی جاتی۔ ہجرت جان بچانے کے لیے کرنا بھی شیوۂ مومن نہیں ہے۔ مومن کے لئے دنیا کی سب سے قیمتی متاع وہ اصول ہوتے ہیں جن پر ایمان لا کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت اور رسولِ اکرمؐ کی سنت کا اتباع اور آخرت میں مالک الملک کی رضامندی پا لینے کا ذوق و شوق بس مومن کی یہی متاعِ بے بہا ہے۔ اگر یہ اصول خطرے میں پڑ جائیں تو پھر مومن کے لئے اپنا پیارا وطن بھی ناقابلِ قبول اور قابلِ ترک ہو جاتا ہے۔ مومن کے لیے جان کو قربان کر دینا آسان کام ہوتا ہے لیکن وہ اپنے ایمان کی قربانی کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔

قرآن کا اشارۂ ہجرت

مکہ میں جب مسلمانوں پر مظالم کی انتہا ہو گئی اور انہیں اسلامی دعوت کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا دوبھر کر دیا گیا تو ہادیِ برحقؐ کی معرفت انہیں ہجرت کے لئے تیار ہونے کا اشارہ کیا گیا اور انہیں ہجرت کے کٹھن حالات کے لیے نفسیاتی طور پر تیار کرنے کے احکام بھی دیئے جانے لگے۔ فرمایا گیا۔

> "اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے پس تم میری بندگی بجا لاؤ۔ ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والے کے لئے ...... ان لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے آپ پر بھروسا کرتے ہیں اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"
>
> (العنکبوت ۵۶ تا ۶۰)

ان ارشادات میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مکہ میں خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو خدا کی زمین بہت وسیع ہے تم اسے چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جا سکتے ہو جہاں خدا کی بندگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تمہیں قوم اور وطن کی نہیں صرف خدا کی بندگی کرنی چاہیے۔ اور مومن کا شیوہ یہی ہے کہ وہ صرف خدا کی بندگی ہی کرتا ہے اور اگر وطن اور قوم بھی اس کی بندگی میں حائل ہوں تو وہ ان سے قطع تعلق کرنا

بھی ضروری سمجھتا ہے۔

گھر بار چھوڑنے سے اندیشہ رزق کی تنگی کا بھی ہو سکتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں بھی فرمایا گیا کہ تمہیں رزق قوم اور وطن نہیں دیتے خدا جو سب کا رازق ہے وہی رزق دیتا ہے اس لیے اسی پر تکیہ کرنا چاہیے جس کی خاطر تم ملک و قوم کو چھوڑو گے وہ تمہیں اپنے رزق سے محروم نہیں کرے گا وہ تو کیڑے مکوڑوں تک کو رزق دیتا ہے تو اپنی اشرف المخلوقات کو رزق کیوں نہیں دے گا۔

اللہ کے راستے میں مومن جان جانے کی فکر کبھی نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جان نے تو کبھی نہ کبھی جانا ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کس جدوجہد میں گئی؟ اور کس حالت میں گئی۔ اگر وہ اللہ کی راہ میں نکلنے پر گئی تو اس سے بہتر اس کا مصرف اور کوئی نہ ہو سکتا تھا اس لیے کہ وہ اسی کی دی ہوئی تھی اور اسی کی خاطر اسے جانا چاہیے تھا۔

اسی طرح ہجرت کے ذریعے کاروباروں اور جائیدادوں کا چھوٹ جانا بھی بظاہر بہت بڑا نقصان ہے۔ لیکن خدا کی رضا ان سب چیزوں سے قیمتی متاع ہے۔ جو اگر حاصل ہو جائے تو بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے جہان کی دولت دے کر بھی اسے حاصل کرنا مومن کی عین تمنا ہونی چاہیے۔

ہجرت کے احکام قرآنی

اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قریش کے مظالم اور مزاحمت کی شدت کو مسلمانوں سے دُور کرنے اور مسلمانوں کو دین کے راستے میں آزمانے کے لیے بالآخر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ فرمایا گیا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝ (بنی اسرائیل)

"اور اے نبی دعا کیجئے کہ اے میرے رب مجھے داخل کر سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ اور مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور کسی طاقت کو میرا مددگار بنا دے۔"

اس طرح ہجرت کا دروازہ کھل گیا اور مسلمان گھر بار چھوڑ چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانے لگے۔

اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اکرام و اعزاز ہے۔ ان کے لئے مالِ غنیمت تک میں حصہ مخصوص کیا گیا۔ فرمایا گیا:

"مالِ غنیمت میں ان حاجت مند مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کر دیے گئے۔" (حشر ۱)

ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی رضا، نصرت، رحمت اور درجات کی بلندی کا پہلے سے اعلان فرمایا گیا۔

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور دائمی آسائش کے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جہاں یہ ہمیشہ

رہیں گے۔" (توبہ رکوع ۲)

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے بخشش اور مغفرت اور خطاؤں سے صرفِ نظر کا وعدہ بھی فرمایا ہے:

"جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔ وطن سے نکلے اور تکلیفوں سے دوچار ہوئے پھر راہِ حق میں لڑے اور مارے گئے ہم ان کی خطاؤں کو محو کر کے انھیں ہمیشہ کی جنت میں داخل کر دیں گے۔" (آلِ عمران ع ۲۰)

مومنین کو ہجرت پر ابھارتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر ٹھکانے دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے:

"جن مسلمانوں نے مظلومیت کے سبب ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش وہ اس کو جانتے۔" (نحل ع ۶)

ہجرت کو اخلاص فی الاسلام کی کسوٹی بھی قرار دیا گیا ہے جس سے مومن و منافق میں امتیاز ہوتا ہے۔ فرمایا:

"جب تک یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔" (النساء ع ۱۱)

دوستی کا معیار ایمان اور اخلاص فی الاسلام ہے اور اخلاص فی الاسلام کا معیار ہجرت قرار دیا گیا:

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اُن کو جگہ دی اور ان کی مدد کی بس یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔ (انفال ع ۱۰)

ایک وقت آیا کہ ایمان کا انحصار ہجرت پر ہی ہو گیا۔ فرمایا گیا:

"وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔"

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر رکھا گیا۔

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے نصرت اور عزت کی روزی ہے۔" (انفال ع ۱۸)

ارشاد نبویؐ ہجرت کی اس امتیازی شان کے ذکر میں انصار مدینہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا:

"اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔"

ہجرت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اس کا دار و مدار نیت پر رکھا کہنے لگے:

"میں نے حضورؐ اکرم کو فرماتے سنا کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے پس جس کی ہجرت دنیا کے لیے یا کسی عورت سے شادی کے لئے ہوگی تو وہ اسی کے لئے ہوگی اور جو ہجرت خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لیے



مسجد نبویؐ کا بیرونی حصّہ اور روضۂ رسولؐ کا منظر

ہو گی اس کا خدا و رسول کی خوشنودی میں شمار ہو گا۔"

ہجرت صحابہ کرامؓ میں سرمایہ فخر و ایمان سمجھی جاتی تھی چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دو ہجرتیں کی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ ذکر فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے ہجرت کرنے والے قیامت کے دن سورج کی مانند چمکنے والے نور کے ساتھ اٹھیں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ فقرأ مہاجرین، دوسرے اہل ایمان کے مقابلے میں چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اسی لیے تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا تھا کہ مہاجرین میں نفاق ممکن نہیں ہے اس لیے کہ جو خدا کے راستے میں نکلتا ہے اس کا سارا کھوٹ نکل جاتا ہے۔ وہ کھرا سونا بن جاتا ہے۔ مکی سورتوں میں نفاق کا ذکر نہیں ہے۔ مہاجر منافق نہیں ہو سکتا۔

یہ ہیں وہ سعادتیں جو ہجرت کے نتیجے میں ایک مومن کو حاصل ہوتی ہیں اور انھیں خوبیوں اور سعادتوں کے لیے دورِ اول کے مسلمان جان ہتھیلی پر رکھ کر باطل سے ٹکرایا کرتے تھے۔

ہجرت جہاد کا دروازہ ہے جو ہجرت کے راستے پر چلتا ہے۔ وہ بالآخر باطل کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے تلوار لے کر میدان جہاد میں ضرور آتا ہے۔ اسی لیے ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے اس لیے کہ جہاد میں کوئی شخص نہیں جا سکتا جس کے پاس ایمان کا وافر سرمایہ موجود نہ ہو۔

غرض یہی وہ ہجرت ہے جو مومنین مکہ کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت میسر آئی تھی اور مسلمان ایک ایک کر کے مکہ سے مدینے کے لیے رخصت ہو رہے تھے۔ سارے ہی مسلمان جا چکے تھے۔ اب تو صرف حضور اکرمؐ اور آپ کے ساتھ چند رفقا ہی رہ گئے تھے اور خود حضور اکرمؐ بھی مالک کی طرف سے حکم سفر کے منتظر تھے۔

رسولِ اکرمؐ کو ہجرت کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک دوپہر حضور اکرمؐ منہ ڈھانکے ہوئے ہمارے ہاں تشریف لائے جو خلاف معمول وقت تھا اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے آپ اس وقت تشریف لائے ہیں۔" حضورؐ نے تشریف لانے کے بعد تخلیہ کرایا اور پھر فرمایا:

"ابوبکر مجھے نکلنے (ہجرت کرنے) کی اجازت دے دی گئی ہے۔"

"حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے تو معیت کا شرف نصیب ہو گا۔"

آپؐ نے فرمایا: "ہاں"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ پر حضورؐ کی رفاقت کی خبر سن کر خوشی سے رقت طاری ہو گئی پھر کہنے لگے "یا رسول اللہؐ میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں۔"

آپ نے فرمایا: "مگر قیمت دے کر لوں گا۔"

اُس کے بعد روانگی کے انتظامات مکمل کر لیے گئے۔

اسی ہجرت کے ایام کو یاد دلا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

"اگر تم (مسلمان)، اس کی (یعنی اللہ کے نبی کی)، مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب اسے کافروں نے نکال دیا تھا جب وہ دو میں کا ایک تھا جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے"

(توبہ — ۴۰)

پھر ہجرت کرنے کے عظیم کارنامۂ ایمان کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ (توبہ - ۱)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے اللہ ان کو اچھا رزق دے گا یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔"

مزید فرمایا گیا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۔ (النحل ۔ ۴۱)

"جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کرتے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش جان لیں، وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ کیا اچھا انجام ان کا منتظر ہے)"۔

وہ لوگ جو اپنے نصب العین کے لیے ظلم سہنے کی قوت اور برداشت رکھتے ہیں اور دشمنوں کے مظالم اور تشدد کے باوجود اپنے مسلک حق سے نہ روگردانی کرتے ہیں اور نہ اس سے انحراف کرتے ہیں ان میں بالآخر قوت مزاحمت بڑھتے بڑھتے جرأت و شجاعت و تہور کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر جب وقت آتا ہے تو وہ اپنے دشمنوں سے پوری جانبازی اور جذبہ و جوش کے ساتھ نپٹتے اور اپنی مظلومیت کی قوت سے مجرم ضمیر ظالموں کو پچھاڑ دیتے ہیں۔

سورۃ النحل میں ہی ایمان کی خاطر ہجرت کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"کافروں اور منافقوں کے مقابلے میں مومنین کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں دین کی خاطر ستایا جاتا ہے تو وہ نہ گڑگڑاتے ہیں نہ شکست قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے مسلک حق سے باز آتے ہیں بلکہ اپنے مسلک کی خاطر اپنے گھر بار عزیز و اقربا اور کاروبار تک چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔"

فرمایا گیا: ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النحل - ۱۱۰)

ترجمہ: " جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے
گھر بار چھوڑ دیے، ہجرت کی، راہِ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا۔ ان کے لیے
یقیناً تیرا ربّ غفور رحیم ہے۔"

غرض ہجرت حضور اکرمؐ کی اسلامی دعوت کے مراحل میں سے ایک نہایت ہی اہم مرحلہ ہے۔ جب دعوتِ اسلامی کے کارکنوں کی تعلیم و تربیت اس مقام کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے مقصد کی خاطر گھر بار چھوڑ سکتے ہیں تو ان سے گھر بار چھڑوا کر دینِ حق کے لئے قربانیاں دینے والے گروہ کی حیثیت سے یکسو اور نامزد کر لیا جاتا ہے تاکہ کفار اور مومنین میں ایک واضح امتیاز پیدا ہو جائے۔ ساتھ ہی مومنین کی مظلومیت اور کفار کا ظلم و ستم بھی اظہر من الشمس ہو جائے۔ اس طرح وہ اتمام حجت ہوتی ہے جس کے بعد پھر نصرتِ الٰہی کے نزول کا مرحلہ آتا ہے۔

ہجرت حبشہ بھی ایسے ہی دلگداز حالات تھے جن میں حضور اکرمؐ نے اپنے مظلوم صحابہ اور صحابیات کو ظالموں کی بستی سے نکل جانے کی اجازت دی تھی اور پھر وہ حالات سخت سے سخت تر ہوتے چلے گئے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے لئے مکہ کی اس بستی میں امن کا سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر بھی رحم نہیں کیا جا رہا تھا اور شعب ابی طالب کی جبری اقتصادی اور معاشرتی ناکہ بندی کے بعد قریش کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے تھے چنانچہ حضور اکرمؐ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "مجھے وہ بستی دکھائی گئی ہے جو میرے لیے دار الہجرت بنائی گئی ہے۔ وہ دو سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان ہے۔"

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

" خداوند تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ ان تین شہروں میں سے تم جس میں ہجرت
کر جاؤ گے وہی تمہارا دار الہجرت ہوگا۔ مدینہ، بحرین اور قنسرین۔"

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف)

اور پھر حضرت جریر بن عبداللہؓ ہی سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" میں بیزار ہوں ہر اس مسلمان سے جو مشرکوں کے اندر اقامت اختیار کرے۔" (ابوداؤد)

نیز حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:۔

" مشرکوں کے ساتھ سکونت مت رکھو اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہو جو ایسا کرے گا وہ انہیں
کے مثل ہے۔"

قرآن کی اس آیت نے حکمِ ہجرت کی اہمیت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ فرمایا گیا:۔

" بے شک جن لوگوں کی روحیں فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ کافروں میں رہ کر ہجرت
نہ کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے۔ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ تمہیں اس حق پر عملدرآمد
سے کس چیز نے روکا تھا وہ کہیں گے ہم کمزور تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی
کہ تم ہجرت کر جاتے۔"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ـ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ

ترجمہ: "جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ اپنے لیے زمین میں کشادگی اور وسعت پائے گا۔"

قرآن نے حکم دیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ـ (توبہ)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے لیکن ہجرت نہیں کی ان کی دوستی کسی کام کی نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔"

نیز ہجرت کو اتنا بڑا ثواب قرار دیا گیا کہ جو شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا لیکن راستے میں ہی فوت ہو گیا تو اسے ہجرت کا کامل ثواب ملے گا۔

چنانچہ حضور اکرمؐ نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی عام اجازت دے دی اس کے نتیجے میں شب و روز مسلمان مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تنہا بھی اور گروہ در گروہ بھی۔ تمام مزاحمتوں کے باوجود اور تمام رکاوٹوں کے علی الرغم قربانیاں دینے والے قربانیاں دیتے رہے اور گھربار، کاروبار لٹا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرتے رہے۔ ابو سلمہؓ گئے، عمرؓ گئے، سلمانؓ فارسی گئے، ابو عبیدہؓ گئے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ بقول حضرت براؓ بن عازب انصاریؓ "ہمارے پاس سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ آئے اور آکر لوگوں کو قرآن پڑھانے لگے پھر بلالؓ، سعدؓ، عمار بن یاسرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ آئے اور پھر یکے بعد دیگرے مکہ سے مہاجرین آتے چلے گئے"۔

یہ سلسلہ اتنا پھیلا کہ بیشتر مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ قریش کو یہ بات کھٹک رہی تھی بستی بھر میں غم و اندوہ کی عام لہر گھر گھر میں پھیلی ہوئی تھی جب قریش کے سرداروں نے اپنے جرگے کا اجلاس دار الندوہ میں کیا اور وہ خونیں فیصلہ کیا جس نے انھیں ایک مغضوب قوم بنا دیا۔ جس نے بار بار مار کھانے کے بعد بالآخر راہِ راست پر آنا تھا۔ انہوں نے اجتماعی شب خون مار کر رسول اللہؐ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے اس خونیں مشورے سے آگاہ بھی کر دیا اور ساتھ ہی اسلامی تحریک کی کشتی کے اس عظیم قائد کو بھی ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اس اجازت کا انتظار آپؐ کو کئی دن سے تھا۔ اجازت ملتے ہی آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر پہنچے۔

روداد ہجرت بزبان حضرت عائشہ صدیقہؓ

ان حالات کی روداد حضرت عائشہ صدیقہ نے خود بیان فرمائی ہے۔ "ایک دن ہم گھر میں دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے دیکھا کہ رسول اکرمؐ سر پر چادر ڈالے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ ایسا وقت تھا کہ آپ کبھی اس وقت ہمارے ہاں نہیں آتے تھے۔ اس پہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ خدا کی قسم کوئی ضروری بات ہی ہوگی۔ پھر حضورؐ تشریف لے آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت کے بعد آپ نے تشریف لاتے ہی حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "جو لوگ تمہارے پاس ہوں ان کو ہٹا دو"۔

ابوبکرؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ بس میرے اہلِ خانہ ہی ہیں"۔

اس پر آپ نے فرمایا "سنو ابوبکرؓ مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے"۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یارسول اللہؐ کیا مجھے بھی رفاقت کی اجازت ہوگی"
آپؐ نے فرمایا " ہاں "
اس پر ابوبکرؓ نے کہا "تو پھر میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپؐ لے لیجیے"
رسول اکرمؐ نے فرمایا "ہم تو قیمت سے لیں گے"
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "پھر ہم تیزی سے انھیں تیار کرنے میں لگ گئے"

قریش کی انہی خونیں سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا تھا:-

"یاد کرو اس گھڑی کو جب کفار تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید میں ڈالیں یا قتل کر دیں یا باہر نکال دیں، وہ اپنی سی تدبیریں لڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کرتا ہے اور اللہ تدبیر کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔" (انفال - ۳۰)

حضور اکرمؐ نے حرم کعبہ سے وداع ہوتے ہوئے اس پر آخری نگاہ ڈالی اور فرمایا۔

"خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا" (ترمذی)

قریش کی انہی زیادتیوں کا نتیجہ تھا کہ جب معرکہ بدر میں قریش کے ستر سے زائد اکابرین مارے گئے تو اسلامی تحریک کے لیے راستہ صاف ہوگیا۔ تب حضور اکرمؐ ان کی لاشوں کے ڈھیر پر تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

"اے سرداران قریش، کسی نبی کے لئے اس کے قرابت دار جس درجہ برے ہو سکتے تھے۔ تم اپنے نبی کے حق میں اتنے ہی برے ثابت ہوئے تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری صداقت کی تصدیق کی تم نے مجھے وطن سے نکالا اور دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے پاس جگہ دی تم میرے خلاف لڑنے آئے اور دوسرے لوگوں نے مجھے تعاون پیش کیا"

ایسے ہی تھے وہ سرداران قریش جن کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مسلمان مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے تھے اسی لئے مہاجرین کو مکہ میں جا کر دوبارہ آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

حضرت علا بن حضرمیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:-

"مہاجرین کو معروف وداع کے بعد مکہ میں بس تین دن رہنے کی اجازت ہے" (بخاری)

۴۔ واقعاتِ ہجرت

اکابرین قریش نے اپنے کبر و غرور اور عصبیت جاہلیہ کے سبب اول روز سے اسلامی دعوت کے ساتھ معاندانہ روش اختیار کر لی تھی۔

جن لوگوں نے اسلامی دعوت کو دل وجان سے قبول کیا، اُن کی بڑی تعداد ضعفاً، غربا و مساکین، غلام، مجبور و بے کس مظلوم و بے سہارا اور بے نوا لوگوں پر مشتمل تھی۔ مظلوموں نے اس نظام جبر و تکبر میں اسلام کی دعوت کو اپنے دل کی آواز سمجھا اور لپک کر اسے قبول کر لیا۔ گویا اسلام ان کی دست گیری کے لیے ہی نازل ہوا تھا اور جو مالدار، قومی سردار اور متکبر لوگ تھے، انہوں نے اس دعوت پر غور کرنا بھی ضروری نہ سمجھا اور صرف اپنے جبر و تشدد اور ظلم و ستم سے ہی اسے دبانے کی کوشش کی۔ حالانکہ اسلام کے دامن میں ان کے لیے بھی فلاح کا پیغام تھا۔

کمزور و مظلوم مسلمانوں کو علاقۂ امن میں جانے کی ہدایت

۵ نبوی مطابق ۴۵ عام الفیل میں حضورؐ نے حالات کی تنگی، کفار کی شدتِ ظلم و ستم اور نومسلموں کی پریشانی اور مظلومیت کے پیشِ نظر اپنے اصحاب کا اجتماع بلا کر ان سے فرمایا:

"اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے جب تک اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔"

حضورؐ کے اس ارشاد کے نتیجے میں حبش کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت ہوئی جس میں ۱۱ مردوں اور چار خواتین نے حصہ لیا۔ قریش نے اُن کا تعاقب کیا لیکن مہاجرین کی کشتی قریش کے تعاقب کرنے والوں سے پہلے روانہ ہو گئی۔ اس طرح وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

اس کے بعد تو ظلم شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ قریش کی حبش کے مہاجرین کو واپس لانے کی ناکامی نے انہیں اور بھی جھنجلا دیا اور ان کے ظلم و تشدد کی بھٹی زیادہ شدت سے بھڑکنے لگی۔ چنانچہ دوسرے ہی سال ۶ نبوی میں دوسری ہجرت بھی حبش کی طرف ہی ہوئی جس میں قریش کی مزاحمتوں کے باوجود ۸۰ سے زائد مرد اور ۱۸، ۱۹ خواتین نے شرکت کی۔ پھر اسی طرح کچھ لوگ یمن سے اسلام قبول کر کے بذریعہ کشتی مکہ جانے کے لیے روانہ ہوئے لیکن شدید ہواؤں نے ان کی کشتی کو بھی حبش میں پہنچا دیا۔ یہ کشتی تقریباً ۵۲، ۵۳ افراد پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ بھی جا کر حضرت جعفر بن ابی طالب امیر مہاجرین حبشہ سے مل گئے۔

مہاجرین کے حبش میں جا کر پر امن حالات میں رہنے کے سبب قریش کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا اور وہ اس مقام پر پہنچ گئے کہ اس دعوت کو ظلم و جور سے ختم کر دیا جائے اور اس کے داعی کی زندگی سے لی جائے۔ یہ صورتِ حال اس حد تک پہنچی کہ رسول اکرمؐ پر قریش نے دست درازیاں شروع کر دیں۔ شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ حضورؐ پر گندگی اچھالنے کے علاوہ گندگی ڈالنے کے واقعات بھی ہوئے۔ گلے میں کپڑا ڈال کر ختم کرنے کا قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ طائف کا دردناک سفر بھی پیش آیا۔ یہاں تک کہ طائف سے واپسی پر حضور اکرمؐ کو ایک سردار قریش کی پناہ حاصل کر کے شہر میں داخل ہونا پڑا۔

یوں ظلم و تشدد اس مقام تک پہنچا کہ پھر حضور اکرمؐ کے قتل کے منصوبے باقاعدہ قریش کی مجالس میں باندھے جانے لگے۔

اس وقت مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا عام حکم مل گیا تاکہ اس نئے مرکزِ دعوت کی طرف آہستہ آہستہ رجوع ہو اور دعوتِ اسلامی کو ایک نئے مرکز میں لے جا کر قوت و توانائی کے ساتھ کفار کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہی حالات تھے جب مسلمان حضورؐ کے حکم سے

مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تھے اور مسلمانوں کے لئے مدینہ ہی آخری طور پر دارالہجرت قرار دیا گیا تھا۔

ہجرت کیلئے مدینہ کا انتخاب

ہجرت تاریخ دعوت اسلامی میں ایک ناقابل فراموش واقعہ اور ایک عظیم الشان دعوتی مرحلہ ہے۔ بلاشبہ حضور اکرمؐ کی دعوت اسلامی کی توسیع اور فروغ میں ہجرت نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے اور اپنے نصب العین تک پہنچنے کے لئے جو عملی تدابیر اختیار کیں ان میں ایک ہجرت بھی ہے۔ کسی نصب العین کی خاطر اس کے پیروکاروں کی سب سے بڑی قربانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے گھربار، عزیزواقارب کھیتی باڑی، کاروبار، تعلقات اور تمام رشتے ناطے چھوڑ سکیں اور اس آزمائش پر پورے اتریں جس آزمائش میں اترے بغیر کوئی گروہ سند وفاداری اور تمغہ ایمان حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ آزمائش اپنے نصب العین کی خاطر، دارالکفر کے محبوب وطن سے ایمان کی سلامتی کے پردیس کی طرف ہجرت ہے۔ اس ہجرت کا اجر جنت فرمایا گیا ہے

ہجرت کے بغیر وفادار اور بے وفا، کھوٹے اور کھرے، اصلی اور نقلی، حقیقی اور غیر حقیقی دعویداران ایمان میں تمیز نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی تحریک کے پیش نظر ایک زبردست انقلابی کشمکش اور جان لیوا جدوجہد ہو تو اس کے لئے اپنے پیروکاروں کو ہجرت کی کسوٹی سے گزار کر پرکھنا اور میدان میں لانے سے پہلے بے وطنی کی کسمپرسی کی بھٹی میں تیار کرکے ان کا انقلابی کھرا پن معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ ہجرت انقلاب اسلامی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ جو حضور اکرمؐ کی اسلامی دعوت کا نگہبان و نگران اور پاسبان و ہادی تھا۔ اس نے اسلام کے غلبے کے لیے برپا کی جانے والی جدوجہد میں جو ترتیب و تدریج قائم فرمائی اس میں ہجرت کا مرحلہ بھی شامل تھا۔ اس ہجرت کے بغیر اہل ایمان کا محاذ اہل کفر کے عین مقابل نہ کھل سکتا تھا۔ اسلامی تحریک کے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ مدعیان ایمان میں انقلابی روح کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا کر کون کون آگے بڑھنے کی ہمت و جرأت کرسکتا ہے۔

ہجرت مدینہ سے پہلے ہجرت حبشہ ہوئی تھی وہ ہجرت حضورؐ کی اسلامی تحریک کی پہلی آزمائش تھی۔ اس سفر پر جاتے ہوئے حضورؐ نے حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم کے بعد راہ خدا میں تم پہلا جوڑا ہو جو گھربار سے ہجرت کی نیت سے نکلے ہو۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنی بستی سے باہر ایک غیر ملک کی طرف اسلام کی خاطر سفر کرنے کا پہلا تجربہ حاصل ہوا تھا۔ وہاں جاکر وہ نئے حالات سے دوچار ہوئے اور ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کا حوصلہ اور فہم بھی ان میں پیدا ہوگیا تھا۔ ان میں وہاں اپنے ملک سے باہر جاکر ایک نظریاتی معاشرتی گروہ ہونے کا احساس پہلی بار ابھرا۔ یکساں نوعیت کے مصائب سے دوچار ہونے کے سبب ان میں یک جہتی، یکسانیت اور یکتائی کی خوبیاں اجاگر ہوئیں۔ انھیں عربوں کے علاوہ غیر ملکی لوگوں کے سامنے بھی دعوت اسلامی پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ انھیں مشکل حالات پر قابو پانے کا تجربہ ہوا۔ مشرکوں کی بجائے اہل کتاب کے سامنے ایک نئے انداز میں دعوتِ اسلامی پیش کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس طرح دعوتِ اسلامی کو مکہ کی بستی سے نکال کر عرب سے باہر حبش کے ملک میں پہنچا دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طرح ہجرت حبشہ کے ذریعہ اسلامی دعوت اپنے ملک کی سرحدات پار کرکے ایک دوسرے ملک کی سرحدوں میں داخل ہوگئی تھی۔ اس طرح اس دعوت میں بین الاقوامیت کا رنگ پیدا ہوگیا۔ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ انھیں کچھ دنوں کے لیے مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے بچ کر عیسائی اہل کتاب کے ساتھ رہنے ملنے جلنے

اور اپنی بات کہنے کا موقعہ میسر آگیا۔ ان کے ہاتھ دعوتِ دین کا ایک نیا میدان اور ایک نیا راستہ کھل گیا۔

پہلی ہجرت میں بھی کفار نے مہاجرین کا حبشہ تک تعاقب کیا تھا وہ ایک سفارت شاہ حبش کے دربار میں لے کر گئے تاکہ مہاجرین مسلمانوں کو واپس لاکر ان پر ظلم و ستم کا عمل بے دریغ جاری رکھا جا سکے۔ اس وقت مہاجرین مسلمانوں کو پہلی بار ایک بے لاگ مباحثے میں ایک بادشاہ کے دربار میں اسلام کا حقیقی موقف پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ مباحثے میں کفار کے سفیروں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ درباریوں میں تقسیم کی ہوئی ان کی رشوتیں اور ہدیے کسی کام نہ آئے اور وہ سفارت خائب و خاسر اور محروم واپس آئی۔ اس مباحثے میں کامیابی سے مسلمانوں میں احساسِ فتح اور اطمینانِ قلب اور اپنے موقف کی صداقت کا یقین پیدا ہوا اور ان کا دل بڑھ گیا۔ پھر انھیں یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کی بات اگر معقولیت کے ساتھ سنی جائے تو اس کی صداقت کے وزن کو ہر غیر جانبدار مبصر محسوس کر سکتا ہے اور ان کا موقف اگر بڑی سے بڑی مجالس میں بھی زیرِ بحث آئے تو اس کی معقولیت بہت زیادہ قابلِ قبول اور قابلِ تسلیم سمجھی جاتی ہے۔

مہاجر مسلمانوں کو یہ بھی پہلی بار تجربہ ہوا کہ اپنی بات بے لاگ انداز میں کسی ہیر پھیر کے بغیر، ہر جگہ پیش کرنے کی جرات دکھانا ہی ان کے شایانِ شان اور ان کے دین کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ انھیں یہ بھی پتہ چلا کہ اگر وہ مخالفین کے مروجہ عقائد کی پروا کئے بغیر پورا پورا بے لاگ حق بیان کریں تو اس میں بہت زیادہ قوت اور وزن ہوتا ہے جسے سننے والا اچھی طرح محسوس کرلیتا ہے۔

حضور اکرمؐ نے ہجرت کے لیے پہلی بار جو علاقہ منتخب کیا وہ حبش کا ملک تھا جو ایک عیسائی مملکت تھی وہ ملک بیشتر اہلِ کتاب کی آبادی پر ہی مشتمل تھا۔ اہلِ کتاب اپنے عقائد اور اقرارِ خدا اور ایمان رسالت و آخرت کے بارے میں مسلمانوں سے قریب تر تھے۔ اس وقت کے عیسائی بالعموم یہود کے مقابلے میں زیادہ خدا ترس اور خدا خوف تھے ان میں ابھی تک حضرت عیسٰیؑ کی اچھی تعلیمات کے اثرات بھی باقی تھے۔ حضرت عیسٰیؑ کی تعلیمات نے ان میں خدا خوفی، ہمدردی، رحم اور مسافر نوازی کی خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ پہلی ہجرت کے موقع پر حضورؐ کی نظر نے مظلوم مسلمانوں کے لیے جو علاقہ تجویز کیا وہ ملک حبش کا علاقہ تھا غالباً اس وقت وہ موزوں ترین ملک تھا۔

غرض حبشہ کی طرف مظلوم مسلمانوں نے دو بار ہجرت کی۔ جس کے نتیجے میں حضورؐ کے ساتھ مکہ میں صرف تھوڑے سے افراد ہی باقی رہ گئے۔ جن لوگوں نے حبش اور مدینے کی طرف دو ہجرتیں کیں انھوں نے بلاشبہ اپنے رب سے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ حاصل کیا۔ ہجرت کے لیے پہلی بار حبش کا انتخاب حضورؐ کی دانش و حکمت کا عمدہ نمونہ تھا۔ اس سے مسلمانوں نے خدا کی راہ میں نکل کر بہت سے ایمانی فوائد حاصل کیے۔ پہلی ہجرت حبشہ کا زمانہ پانچ نبویؐ کا زمانہ تھا ہجرت مدینہ اس کے سات سال بعد ہوئی اور درحقیقت یہ ہجرت مدینہ ہی تھی جس نے تاریخ اسلام کا رخ کامیابی کی طرف موڑ دیا۔

ہجرت کی تیاری

مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے مسلمانوں کو عام حکم مل چکا تھا۔ مسلمان مرد اور عورتیں وقفہ وقفہ سے ایک ایک دو دو کر کے مدینے کی طرف جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مکہ خالی ہوتا جا رہا تھا جیسے جہاز کے مسافر اترتے چلے جا رہے ہوں اور اب جہاز کا کپتان اور اس کے چند ساتھی ہی باقی رہ گئے ہوں خود حضور اکرمؐ بھی ہجرت

کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ بس اللہ کی طرف سے اذنِ سفر کا انتظار تھا۔ دشمن بھی غافل نہیں تھا۔ قریش دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ان کے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔ ان کی نگاہیں رسول اکرمؐ پر تھیں۔ انہوں نے اپنی مخفی تدبیر طے کر لی تھی وہ حضورؐ پر بیک وقت اجتماعی قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو ختم کر دینا چاہتے تھے یہ وہی قریش تھے جن کی بے شمار امانتیں حضور اکرمؐ کے پاس جمع تھیں۔ وہ اس شدید دشمنی میں بھی شہر بھر میں اپنے اس معتوب ترین دشمن کو ہی بہترین امانت دار اور دیانت دار انسان سمجھتے تھے۔ حضورؐ کا گھر ان دشمن قریش کی مختلف امانتوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضور اکرمؐ کو یہ امانتیں واپس کرنے کی بیحد فکر تھی۔

کوئی دوسرا ہوتا تو ایسے دشمنوں کی امانتوں کو ایسے وقت میں تلف کر دینا یا اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے جانا ہی دانشمندی قرار دیتا اور اپنے دشمنوں کو مال کے ان ذرائع سے محروم کرنا بھی اپنی تدبیر کا ایک حصہ سمجھتا۔ آخر بنی اسرائیل جب مصر سے ہجرت کر کے چلے تھے تو اپنے اعتراف کے مطابق امانتیں ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر اپنے دشمن قبطی ہمسایوں سے مال و سامان مانگ مانگ کر بھی اپنے ہمراہ لے گئے تھے جیسا کہ ان کے سفر ہجرت کے بارے میں ان کا عہد نامہ قدیم بیان کرتا ہے لیکن حضور اکرمؐ کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ اگر ذات پر جن لوگوں نے اعتماد کر کے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوائی تھیں ان امانتوں کو ان تک کیسے پہنچایا جائے۔ خود واپس کریں تو ہجرت کا راز کھلتا ہے جو حکمت کے خلاف اور سخت خطرناک بات تھی اور اگر واپس نہیں کرتے تو دعوت اسلامی کے دامن پر بدنما دھبہ لگتا ہے حضور اس مسئلے کے حل پر مسلسل غور فرما رہے تھے

بالآخر آپ نے اس مسئلے کا یہی حل نکالا کہ اپنے گھر کے انتہائی قابلِ اعتماد فرد کو اپنی طرف سے ان امانتوں کو واپس کرنے کے لیے مامور کر دیا۔ یہ آپ کی شخصی ذمہ داری تھی جسے پورا کرنے کے لیے کوئی آپ کا اہل خانہ ہی موزوں ہو سکتا تھا۔

"علی۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جتنی میٹھی نیند مجھے اس رات اس بستر پر آئی اتنی میٹھی نیند مجھے عمر بھر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے آقا، اپنے نبیؐ اور اپنے قائد پر اعتماد و ایمان کا کمال تھا۔ وہ بستر جس پر سارے قریش کے منتخب جوانوں کی برہنہ تلواروں نے برسنا تھا۔ وہ بستر جس پر اس رات موت کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ وہ بستر جس پر گلے کی تدبیریں سوچی جا چکی تھیں۔ وہ بستر جس پر مکہ کے خونخوار سرداروں کی خون آلود نگاہیں تھیں۔ حضرت علیؓ اس بستر پر اتنی میٹھی نیند سوئے کہ انھیں وہ میٹھی نیند عمر بھر یاد رہی اور وہ تب اُٹھے جب مکہ کے خونخوار قاتلوں نے چادر کھینچ کر انھیں اٹھایا۔

رات کے وقت حضور اکرمؐ وقت مقررہ پر اُٹھے اور پہرہ دینے والے ان بے نور دیدے والوں اور دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے محاصرے سے باہر نکل گئے۔ کسی نے بھی آپؐ کو جاتے ہوئے نہ دیکھا۔ آپؐ اس محاصرے سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ ہجرت کی رفاقت کے لیے پہلے سے تیار تھے۔

صبح قریش کے خونخواروں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا۔

"بتاؤ محمد کہاں ہیں؟" انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"مجھے کیا خبر کیا میں ان پر پہرہ دے رہا تھا؟" حضرت علیؓ نے طنزیہ کہا۔

اور اپنی بات کہنے کا موقعہ میسر آگیا۔ ان کے ہاتھ دعوتِ دین کا ایک نیا میدان اور ایک نیا راستہ کھل گیا۔

پہلی ہجرت میں بھی کفار نے مہاجرین کا حبشہ تک تعاقب کیا تھا وہ ایک سفارت شاہ حبش کے دربار میں لے کر گئے تاکہ مہاجرین مسلمانوں کو واپس لا کر ان پر ظلم و ستم کا عمل بے دریغ جاری رکھا جا سکے۔ اس وقت مہاجرین مسلمانوں کو پہلی بار ایک بے لاگ مباحثے میں ایک بادشاہ کے دربار میں اسلام کا حقیقی موقف پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ مباحثے میں کفار کے سفیروں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ درباریوں میں تقسیم کی ہوئی ان کی رشوتیں اور ہدیے کسی کام نہ آئے اور وہ سفارت خائب و خاسر اور محروم واپس آئی۔ اس مباحثے میں کامیابی سے مسلمانوں میں احساسِ فتح اور اطمینانِ قلب اور اپنے موقف کی صداقت کا یقین پیدا ہوا اور ان کا دل بڑھ گیا۔ پھر انھیں یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کی بات اگر معقولیت کے ساتھ سنی جائے تو اس کی صداقت کے وزن کو ہر غیر جانبدار مبصر محسوس کر سکتا ہے اور ان کا مؤقف اگر بڑی سے بڑی مجالس میں بھی زیرِ بحث آئے تو اس کی معقولیت بہت زیادہ قابلِ قبول اور قابلِ تسلیم سمجھی جاتی ہے۔

مہاجر مسلمانوں کو یہ بھی پہلی بار تجربہ ہوا کہ اپنی بات بے لاگ انداز میں کسی ہیر پھیر کے بغیر، ہر جگہ پیش کرنے کی جرات دکھانا ہی ان کے شایانِ شان اور ان کے دین کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ انھیں یہ بھی پتہ چلا کہ اگر وہ مخالفین کے مروجہ عقائد کی پروا کئے بغیر پورا پورا بے لاگ حق بیان کریں تو اس میں بہت زیادہ قوت اور وزن ہوتا ہے جسے سننے والا اچھی طرح محسوس کر لیتا ہے۔

حضور اکرمؐ نے ہجرت کے لیے پہلی بار جو علاقہ منتخب کیا وہ حبش کا ملک تھا جو ایک عیسائی مملکت تھی وہ ملک بیشتر اہلِ کتاب کی آبادی پر ہی مشتمل تھا۔ اہلِ کتاب اپنے عقائد اور اقرارِ خدا اور ایمان رسالت و آخرت کے بارے میں مسلمانوں سے قریب تر تھے۔ اس وقت کے عیسائی بالعموم یہود کے مقابلے میں زیادہ خدا ترس اور خدا خوف تھے ان میں ابھی تک حضرت عیسٰیؑ کی اچھی تعلیمات کے اثرات بھی باقی تھے۔ حضرت عیسٰیؑ کی تعلیمات نے ان میں خدا خوفی، ہمدردی، رحم اور مسافر نوازی کی خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ پہلی ہجرت کے موقع پر حضورؐ کی نظر نے مظلوم مسلمانوں کے لیے جو علاقہ تجویز کیا وہ ملک حبش کا علاقہ تھا غالباً اس وقت وہ موزوں ترین ملک تھا۔

غرض حبشہ کی طرف مظلوم مسلمانوں نے دو بار ہجرت کی جس کے نتیجے میں حضورؐ کے ساتھ مکہ میں صرف تھوڑے سے افراد ہی باقی رہ گئے۔ جن لوگوں نے حبش اور مدینے کی طرف دو ہجرتیں کیں انھوں نے بلاشبہ اپنے رب کے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ حاصل کیا۔ ہجرت کے لیے پہلی بار حبش کا انتخاب حضورؐ کی دانش و حکمت کا عمدہ نمونہ تھا۔ اس سے مسلمانوں نے خدا کی راہ میں نکل کر بہت سے ایمانی فوائد حاصل کیے۔ پہلی ہجرت حبشہ کا زمانہ پانچ نبویؐ کا زمانہ تھا ہجرت مدینہ اس کے سات سال بعد ہوئی اور درحقیقت یہ ہجرت مدینہ ہی تھی جس نے تاریخِ اسلام کا رخ کامیابی کی طرف موڑ دیا۔

ہجرت کی تیاری

مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے مسلمانوں کو عام حکم مل چکا تھا۔ مسلمان مرد اور عورتیں وقفہ وقفہ سے ایک ایک دو دو کر کے مدینے کی طرف جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مکہ خالی ہوتا جا رہا تھا جیسے جہاز کے مسافر اترتے چلے جا رہے ہوں اور اب جہاز کا کپتان اور اس کے چند ساتھی ہی باقی رہ گئے ہوں خود حضور اکرمؐ بھی ہجرت

کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ بس اللہ کی طرف سے اذنِ سفر کا انتظار تھا۔ دشمن بھی غافل نہیں تھا۔ قریش دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ان کے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔ ان کی نگاہیں رسول اکرمؐ پر تھیں۔ انہوں نے اپنی مخفی تدبیر طے کر لی تھی وہ حضورؐ پر بیک وقت اجتماعی قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو ختم کر دینا چاہتے تھے یہ وہی قریش تھے جن کی بے شمار امانتیں حضور اکرمؐ کے پاس جمع تھیں۔ وہ اس شدید دشمنی میں بھی شہر بھر میں اپنے اس معتوب ترین دشمن کو ہی بہترین امانت دار اور دیانت دار انسان سمجھتے تھے۔ حضورؐ کا گھر ان دشمن قریش کی مختلف امانتوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضور اکرمؐ کو یہ امانتیں واپس کرنے کی بیحد فکر تھی۔

کوئی دوسرا ہوتا تو ایسے دشمنوں کی امانتوں کو ایسے وقت میں تلف کر دینا یا اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے جانا ہی دانشمندی قرار دیتا اور اپنے دشمنوں کو مال کے ان ذرائع سے محروم کرنا بھی اپنی تدبیر کا ایک حصہ سمجھتا۔ آخر بنی اسرائیل جب مصر سے ہجرت کر کے چلے تھے تو اپنے اعتراف کے مطابق امانتیں ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر اپنے دشمن قبطی ہمسایوں سے مال و سامان مانگ کر بھی اپنے ہمراہ لے گئے تھے جیسا کہ ان کے سفرِ ہجرت کے بارے میں ان کا عہد نامہ قدیم بیان کرتا ہے لیکن حضور اکرمؐ کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ اکر ذات پر جن لوگوں نے اعتماد کر کے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوائی تھیں ان امانتوں کو ان تک کیسے پہنچایا جائے۔ خود واپس کریں تو ہجرت کا راز کھلتا ہے جو حکمت کے خلاف اور سخت خطرناک بات تھی اور اگر واپس نہیں کرتے تو دعوتِ اسلامی کے دامن پر بدنما دھبہ لگتا ہے۔ حضور اس مسئلے کے حل پر مسلسل غور فرما رہے تھے

بالآخر آپ نے اس مسئلے کا یہی حل نکالا کہ اپنے گھر کے انتہائی قابلِ اعتماد فرد کو اپنی طرف سے ان امانتوں کو واپس کرنے کے لیے مامور کر دیا۔ یہ آپ کی شخصی ذمہ داری تھی جسے پورا کرنے کے لیے کوئی آپ کا اہلِ خانہ ہی موزوں ہو سکتا تھا۔

"علی۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔" حضورؐ اکرم نے فرمایا۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جتنی میٹھی نیند مجھے اس رات اس بستر پر آئی اتنی میٹھی نیند مجھے عمر بھر پھر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے آقا، اپنے نبیؐ اور اپنے قائد پر اعتماد و ایمان کا کمال تھا۔ وہ بستر جس پر سارے قریش کے منتخب جوانوں کی برہنہ تلواروں نے برسنا تھا۔ وہ بستر جس پر اس رات موت کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ وہ بستر جس پر حملے کی تدبیریں سوچی جا چکی تھیں۔ وہ بستر جس پر مکہ کے خونخوار سرداروں کی خون آلود نگاہیں تھیں۔ حضرت علیؓ اس بستر پر اتنی میٹھی نیند سوئے کہ انھیں وہ میٹھی نیند عمر بھر یاد رہی اور وہ تب اُٹھے جب مکہ کے خونخوار قاتلوں نے چادر کھینچ کر انھیں اٹھایا۔

رات کے وقت حضور اکرمؐ وقت مقررہ پر اُٹھے اور پہرہ دینے والے ان بے نور دیدے والوں اور دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے محاصرے سے باہر نکل گئے۔ کسی نے بھی آپؐ کو جاتے ہوئے نہ دیکھا۔ آپؐ اس محاصرے سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ ہجرت کی رفاقت کے لیے پہلے سے تیار تھے۔

صبح قریش کے خونخواروں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا۔

"بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں۔" انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"مجھے کیا خبر کیا میں ان پر پہرہ دے رہا تھا؟" حضرت علیؓ نے طنزیہ کہا۔

وہ جلے بھنے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر خانہ کعبہ تک لے گئے اور وہاں لے جا کر کچھ دیر کے لیے حبسِ بے جا میں رکھا پھر مایوس ہو کر انھیں چھوڑ دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش اور تعاقب میں لگ گئے ۔

اہل مدینہ کا ایمان

آغاز میں حضور اکرمؐ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مدینہ ہی آپ کا دار الہجرت ہوگا۔ کسی اسلامی تحریک کے لیے دار الہجرت وہی مقام ہو سکتا ہے جو اپنے معاونین کے لحاظ سے سب سے زیادہ منضبط اور محل وقوع کے لحاظ سے تحریک اور دعوت دونوں کے لیے موزوں ترین ہو اور جس کے باشندے ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد اور بھروسے کے لوگ ہوں آہستہ آہستہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان خوبیوں کے لحاظ سے موزوں ترین مقام مدینہ ہی تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ مدینہ کے لوگوں نے نبوت کے گیارہویں سال حضور اکرمؐ کی نبوت سے آشنا ہونے کے بعد اپنے ایمان کا ایسا زبردست ثبوت دیا جو بے مثال ہے۔ اس وارفتگیٔ عشقِ رسولؐ میں وہ سب سے آگے نکل گئے اور حضور اکرمؐ کے اولین انصار و اعوان قرار پائے۔ تاریخ نے بھی انھیں انصارِ رسول کا ہی خطاب دیا ہے۔

حج کا موسم تھا اور حضور اکرمؐ حسب معمول اللہ کے دین کی دعوت حاجیوں کے ایک کیمپ میں پہنچاتے پھر رہے تھے۔ جب رات کی تاریکی میں منیٰ کے علاقے عقبہ کے مقام پر حضورؐ نے بعض لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا تو حضورؐ اُن لوگوں کے پاس پہنچے یہ مقام منیٰ اور غار حرا کے درمیان واقع تھا۔ جب حضورؐ اُن کے پاس گئے تو وہ کل ۶ آدمی تھے اور یثرب کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے میں مدینہ کا یہی نام تھا۔ اللہ کے نبیؐ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی۔ ان کے دل میں خدا کی محبت کو گرمایا ان کو بتوں سے نفرت دلائی۔ ان کو پاکیزگی اور طہارت کا سبق دیا۔ ان کو گناہوں سے بچنے کی تلقین کی اور انھیں نیکیوں کا حکم دیا۔ آپ نے قرآنِ پاک کی تلاوت کرکے ان کے دلوں کو منور اور ان کے ذہنوں کو روشن کر دیا۔

یہ لوگ اگرچہ بُت پرست تھے لیکن ان کے ہمسائے یہودی تھے جن سے انہوں نے سن رکھا تھا کہ ایک نبیؐ ظاہر ہونے والا ہے جو لوگوں کو خدا کا کلام سنائے گا بدیوں سے روکے گا اور نیکیوں کی تلقین کرے گا۔ انھیں قرآن کی پُر وقار تلاوت میں خدا کا کلام بولتا ہوا نظر آیا اور حضورؐ کی تلقین میں انھیں نبیوں کا سا انداز محسوس ہوا۔ وہ یہودیوں سے بھی پہلے اس نبی پر ایمان لانا چاہتے تھے جن پر ایمان لانے اور بت پرستی کو مٹانے کا اعلان اور دعوےٰ یہودی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں پر سبقت لے جانے اور نبی کی تعلیم پر سب سے پہلے ایمان لانے کے خیال سے سرشار ہو کر وہ حضور اکرمؐ پر اسی وقت ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے وطن کو واپس گئے تو وہ ان تعلیماتِ نبویؐ کے معلّم، مبلّغ اور دین اللہ کے نقیب بن کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہ ہر کسی کو یہ خوشخبری سناتے پھرتے تھے کہ جس نبیؐ کا سارے جہان کو انتظار تھا وہ نبیؐ آگیا ہے۔ ہم اس سے مل کر آئے ہیں۔ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ، شرک اور بت پرستی چھوڑ دو۔ زنا کے قریب نہ جاؤ۔ خلقِ خدا کے ساتھ رحم و ہمدردی سے پیش آؤ، نیکی کرو اور بدیوں سے بچو، ہر شخص ان کے پاس آ کر نبی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا اور وہ ہر کسی کو بڑے ذوق و شوق سے بتلاتے تھے کہ ہم نے اس نبی کا کلام خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور اس نبی کو اپنی آنکھوں سے خود دیکھا ہے اور اس نے

ہمیں ایک ایسے زندہ و پائندہ خدا سے آشنا کیا ہے جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے لیے دنیا کی زندگی اور موت کی منزل سب ہیچ ہے اور یہ دونو منزلیں نہایت آسان ہو جاتی ہیں۔

حضور اکرمؐ پر مدینہ سے آکر اوّلیں ایمان لانے والوں میں یہ چند خوش نصیب حضرات تھے۔ ابو امامہؓ، اسعد بن زرارہؓ، عوف بن حارثؓ، رافع بن مالکؓ، قطبہ بن عامرؓ، عقبہ بن عامرؓ، سعد بن ربیعؓ۔

حج سے واپسی پر مدینہ میں ان کی آمد کے ساتھ ہی اس نبی عربیؐ اور اس کے نئے دین کا گھر گھر چرچا پھیل گیا اور اگلے سال کے حج میں اس نبیؐ سے ملاقات کرنے اور اس پر ایمان لانے کے لیے مدینے کے بارہ باشندے مکہ مکرمہ پہنچے۔ ان لوگوں نے حضور اکرمؐ کے ہاتھ پر ایمان لا کر بیعت کا معاہدہ جن باتوں پہ کیا وہ پانچ باتیں تھیں انہوں نے عہد کیا کہ:

۱۔ وہ صرف خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

۲۔ وہ چوری اور زناکاری نہیں کریں گے۔

۳۔ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

۴۔ وہ کسی پہ جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی اور غیبت کریں گے۔

۵۔ اور وہ حضور اکرمؐ کی اطاعت ہر معروف کام میں کریں گے۔

ان باتوں کا عہد کر کے جب وہ مدینہ واپس جا رہے تھے تو حضور اکرمؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو معلم بنا کر ان کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ مدینے میں پہنچ کر ایک سال کے اندر اندر انہوں نے اہل مدینہ کی خاصی بڑی آبادی کو مسلمان کر لیا۔ اس طرح مدینہ ایمانی لحاظ سے حضور اکرمؐ کی آمد کے لیے تیار ہو گیا۔ اور اس شہر خوباں نے حضور اکرمؐ کے دارالہجرت کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خوب فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کو حضور اکرمؐ نے اور مدینہ منورہ کو قرآن نے فتح کیا۔

مسلمان مہاجرین اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت کے بعد حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا عام حکم تو دے ہی دیا تھا۔ مسلمان قریش کے شب و روز کے مظالم سے پہلے ہی پریشان تھے ان کے لیے مکہ کی زمین تنگ کر دی گئی تھی۔ اس لیے وہ آزادی اور کشادگی کی راہ تک رہے تھے جہاں وہ خدا کے دین کی پیروی آزادی اور اطمینان کے ساتھ کر سکیں اپنا ہی وطن ان کے لیے آگ کا کھیت بن کر رہ گیا تھا۔ وہ خوش تھے کہ اب انہیں اللہ کے دین کی پیروی اور خدائے واحد کی عبادت کی پوری آزادی ملنے والی تھی۔

آہستہ آہستہ سارے ہی مسلمان اپنی جگہ رختِ سفر باندھنے لگے تھے۔ صہیبؓ رومی چلے تو کفار نے انہیں آکر روک لیا۔ کہنے لگے، صہیب جب تم مکہ میں آئے، تو مفلس اور قلاش تھے یہ سارا اسباب و سامان لے کر تم کہاں جا رہے ہو؟

انہوں نے کہا "یہ سامان میں نے اپنی محنت اور حلال کمائی سے پیدا کیا ہے اور میں یہ سب لے کر مدینہ جا رہا ہوں چونکہ تم ہمیں یہاں رہنے نہیں دیتے"۔

کفار کہنے لگے "یہاں کا کمایا ہوا مال لے کر تم کہیں نہیں جا سکتے"۔

صہیب نے کہا: "اور اگر یہ سارا مال و متاع اور سامان تمہیں دیدوں پھر تو تم جانے دو گے نا؟"

انہوں نے کہا: "ہاں پھر تم جا سکتے ہو۔"

حضرت صہیبؓ نے سارا مال و متاع ان کے حوالے کیا اور خود خالی ہاتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس پہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ صہیب نے جو کچھ کمایا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ ابدی آرام و راحت کا سامان۔

حضرت ابو سلمہؓ چلے اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں۔ وہ اپنا سفرِ ہجرت بیان کرتی ہیں کہ ابو سلمہ نے مجھے اونٹ پر بٹھایا۔ میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چلے تو بنو مغیرہ نے آکر ابو سلمہ کو گھیر لیا اور کہا:

"تم جہاں جا ہو جاؤ لیکن تم ہماری لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔"

چنانچہ انہوں نے مجھے ابو سلمہ سے چھین لیا۔ پھر ابو سلمہؓ کے قبیلے والے بنو عبدالاسد بھی آگئے انہوں نے کہا۔

"تم اپنی لڑکی کو لے جا سکتے ہو لیکن یہ بچہ تو ہمارے قبیلے کا ہے تم اسے نہیں لے جا سکتے۔"

اس طرح مجھے میرے خاندان والے اور میرے ننھے بچے کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے چھین کر لے گئے اور ابو سلمہؓ جو دین کے لیے ہجرت کر رہے تھے وہ اپنا پیارا بچہ اور معصوم بیوی کو چھوڑ کر تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ ہشامؓ اور عیاشؓ دو نوجوان صحابی سفر کر رہے تھے۔ عین روانگی کے وقت میرے ساتھی ہشام کو قریش نے گرفتار کر کے قید کر دیا اور وہ ہم سے بچھڑ گئے۔ عیاش میرے ساتھ مدینے پہنچ گئے لیکن ان کے گھر والوں کی طرف سے ابو جہل یہ پیغام لے کر آیا کہ اس کی ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش خود آکر اسے چھاؤں میں نہیں بٹھائے گا وہ دھوپ میں بیٹھی رہے گی اور سر میں کنگھی بھی نہیں کرے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عیاشؓ کو سمجھایا کہ اس میں تو مجھے فریب دکھائی دیتا ہے لیکن دوسروں نے کہا کہ جاکر اپنی ماں کی قسم پوری کرآؤ۔ چنانچہ جب وہ مکہ گئے تو انہیں بھی وہیں قید کر لیا گیا۔

ابو جہل کہتا تھا۔ "ہم ان احمق لونڈوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔"

غرض ہجرت کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ سب کچھ لٹا دینے کے باوجود یہ ہزار مزاحمتوں میں سے گزر جانے کا مرحلہ تھا۔ قبیلے اور گھر والے مزاحمت کرتے تھے۔ قریش قید کر لیتے تھے اور چونکہ بیشتر مسلمان قریشی خاندانوں کے نوجوان ہی تھے اور نوجوانوں میں ہی اسلام زیادہ تیزی سے پھیلا تھا۔ اس لیے ہر ہر گھر کا کوئی نہ کوئی نوجوان فرد چلا جا رہا تھا اور مکہ کے بیشتر خاندان اس ہجرت کی جدائی سے متاثر اور اداس تھے۔ ہر خاندان اپنے اپنے نوجوانوں پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ جبکہ ہجرت کا سودا ہر اہلِ ایمان کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ ایک معلوم تکلیف دہ حال سے ایک نامعلوم سہانے مستقبل کی طرف ہجرت کی جا رہی تھی۔ ہجرت اپنی تمام لطف اور خوش آئند آزادی کے ساتھ مکے میں موجود ہر ہر مسلمان کے دل کی آرزو تھی۔ ہر شخص آگے کی طرف دیکھ رہا تھا اور ان کے آگے ہجرت کے ساتھ وابستہ اسلامی دعوت کا درخشاں مستقبل موجود تھا۔

ہجرت کا سفر

خونخوار قریش کے جھرمٹ میں سے صحیح سلامت نکل کر حضورؐ صدیقِ اکبرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے پہلے ہی روانگی کا سامان تیار کر رکھا تھا۔ دونوں حضرات جو دونوں ہی نیلان کے ساتھ

ان کا رب کریم تھا۔ انتہائی خاموشی کے ساتھ مکہ کی بستی میں سے نکل گئے۔ مکہ سے پانچ میل کے فاصلے پر کوہ ثور ہے اس پہاڑ کی چڑھائی سخت اور راستہ سنگلاخ ہے۔ دونوں حضرات اس کے ایک غار میں جا کر ٹھہر گئے اور تین دن تک وہیں ٹھہرے رہے اس دوران میں قریش کی طرف سے ان کے تعاقب اور تلاش کا سلسلہ انتہائی سرگرمی سے جاری رہا۔

قریش نے حضورؐ کی روانگی پر آپؐ کی گرفتاری کے لیے سو سرخ اونٹوں کا انعام مقرر کر دیا تھا جس انعام کو حاصل کرنے کے لیے متعدد لوگ آپؐ کی تلاش میں لگ گئے تھے۔

غار ثور کے قیام کے دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آزاد کردہ غلام عامر اپنی بکریاں چراتا ہوا انھیں غار کے قریب لے آتا اور آپ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے عبداللہ مکہ میں قریش کی خبریں معلوم کر کے رات کو آ کر بیان کر جاتے۔ آپ نے پہلے سے عبداللہ بن اریقط کو مدینہ کا راستہ دکھانے کے لئے ملازم رکھ لیا تھا جو انتہائی قابلِ اعتماد شخص تھا۔ انہوں نے سفر کی سواری کے لیے اسے اونٹنیاں دے رکھی تھیں۔

تین دن کے بعد عبداللہ اریقط رہبری کے لیے اونٹنیاں لے کر آ گیا اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر کے ہمراہ چار افراد کا یہ مختصر قافلہ ساحل ساحل مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

قریش کی طرف سے حضورؐ کی گرفتاری کے لیے ۱۰۰ اونٹ کا انعام بہت سے لوگوں کے لیے لالچ کا باعث تھا اور کئی لوگ تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ ان میں ایک شخص سراقہ بن مالک بھی تھا وہ بھی گرفتاری کی دھن میں سرگرداں تھا۔ بار بار گھوڑے کے ٹھوکر کھانے کے باوجود وہ برابر تعاقب کرتا رہا یہاں تک کہ اسے حضورؐ کا مختصر قافلہ سامنے نظر آنے لگا۔ حضورؐ نے خطرے کو قریب محسوس کیا تو فرمایا۔

"الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔"

حضورؐ کا یہ کہنا تھا کہ اچانک سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور زمین سے اتنا گرد و غبار اٹھا کہ ہر طرف دھواں دھار ہو گیا جس سے سراقہ گھبرا گیا۔ جب ذرا غبار کم ہوا تو اس نے اپنے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنسے ہوئے دیکھے۔ اس نے لاچار ہو کر دور سے آواز دی کہ "میں سراقہ بن مالک ہوں ...... اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ خدا کے لئے میری بات سنتے جایئے۔" حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو وہ قریب آ گیا اس نے کہا: "میں آپؐ سے امن کی ایک نشانی چاہتا ہوں جو میرے اور آپؐ کے درمیان ہو۔"

حضورؐ کے ارشاد پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک چمڑے پہ تحریر لکھ دی اور وہ واپس چلا گیا۔

اس کے بعد حضورؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ساحل کی طرف چلے گئے اور پھر منزل بہ منزل مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ مختصر قافلہ ایک چھوٹے سے صحرائی ٹیلاؤ کے قریب سے گزرا۔ جہاں بنو خزاعہ کی ایک بڑھیا ام معبد کا خیمہ تھا۔ ام معبد مسافروں کی خبر گیری اور خدمت میں مشہور تھی اور لوگوں کی تواضع کرتی تھی پانی پلاتی اور مسافر اس کے خیمے پر آرام کے لئے ٹھہرا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑھیا سے کھانے کے لیے کچھ پوچھا تو وہ کہنے لگی:

"اگر کوئی شے موجود ہوتی تو آپ کے کہنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔"

حضور اکرمؐ نے خیمے کے گوشے میں ایک دبلی پتلی بکری کھڑی ہوئی دیکھی۔ آپؐ نے بڑھیا سے پوچھا کہ وہ بکری کیوں کھڑی تھی ام معبد نے بتایا کہ وہ بہت کمزور تھی اور ریوڑ کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھی۔

حضورؐ نے فرمایا "اگر اجازت ہو تو ہم اسے دوہ لیں"۔

بڑھیا نے کہا "اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو بے شک دوہ لیجیے"۔

حضورؐ نے بسم اللہ پڑھ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا اور دوہنے کے لیے برتن مانگا۔ برتن بھر کر اچھل گیا پھر دوسرا برتن بھر گیا۔ پھر تیسرا برتن بھر گیا یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر دودھ پیا اور بہت سا دودھ گھر والوں کے لیے چھوڑ کر مدینہ کے چاروں مسافر آگے کی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہجرت کے پڑاؤ

حضورؐ کے سفر ہجرت کے عجیب و غریب واقعات ہیں۔ خونخوار قریش پہرہ داروں کی آنکھوں کا اندھا پن رسول اکرمؐ کا ان کے سامنے بے تکلف نکل جانا۔ غار ثور تک کفار کے پہنچ جانے کے باوجود حضورؐ کا ان کی پہنچ سے باہر رہنا۔ غار ثور کے منہ پر کبوتروں کے جوڑے کا انڈے دینا اور مکڑی کا جالا تن دینا۔ سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جانا اور امان طلب کرنا۔ ام معبد کی نحیف و نزار بکری کے تھنوں میں دودھ کی نہر کا بہہ نکلنا جس سے گھر کے تمام برتن بھر گئے۔ مالک الملک اپنے جس بندے کا پشت پناہ ہوتا ہے اسے اسی طرح دشمنوں کے نرغے سے نکال لے جاتا ہے۔ مالک الملک کے انداز نرالے ہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

ام معبد کے گھر میں دودھ کے برتن بھرے ہوئے تھے کہ ام معبد کا شوہر آ گیا۔ وہ برتنوں کو دودھ سے بھرے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے پوچھا "اتنا سارا دودھ کہاں سے آ گیا"۔

ام معبد نے کہا "ایک بابرکت شخص ہمارے خیمے میں آیا تھا بس یہ اسی کی برکت کا نتیجہ ہے"۔

وہ بولا "پھر تو مجھے یہ وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی اور جس کو دیکھنے کے لئے میرا دل ترستا تھا۔ ام معبد تم مجھے ذرا اس کا حلیہ تو بتاؤ"۔

اس خاتون نے حضور اکرمؐ کا حلیہ اپنے شوہر کے سامنے بیان کیا وہ بولی:

"ابو معبد میں کیا بیان کروں کہ وہ شخص کس توصیف کا مالک ہے۔ پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا اور نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھونگھریالے بال، خاموش اور باوقار، دور سے دیکھنے میں دلفریب، قریب سے نہایت شیریں اور کمال درجہ حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، گفتگو موتیوں کی لڑی، میانہ قد ایسا کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتا۔ نہ اتنا طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے، زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، رفیق ایسے جان نثار کہ ہر وقت گرد و پیش جب وہ کچھ کہتا ہے چپ چاپ سنتے ہیں، حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں، مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گفتگو۔

یہ حلیہ ہے جو ام معبد نے حضور اکرمؐ کا حالت ہجرت میں اپنے شوہر کو بتایا یہ سن کر وہ کہنے لگا "پھر تو وہ ضرور ہی صاحب قریشؐ

ہیں۔ میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ملوں گا۔"

ایک اور قبیلے کا سردار بریدہ اسلمی بھی اپنے ستر ساتھیوں کے ہمراہ حضورؐ کا تعاقب انعام کے لالچ میں کر رہا تھا۔ جب وہ حضورؐ کے سامنے ہوا اور آپؐ سے ہم کلام ہوا تو اپنے ستر ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی سفید پگڑی اتار کر نیزے پر باندھ لی جس کا پھریرہ اس بات کا اعلان کرتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا علمبردار، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھر دینے والے سرکار دوعالمؐ کی سواری آ رہی تھی۔

اس طرح حضورؐ طویل سفر کر کے قبا کے قریب پہنچ گئے۔ مدینہ کے انصار روزانہ آپ کا انتظار کرتے تھے اور صبح سے شام تک راہ دیکھتے رہتے تھے۔ اُس روز بھی انتظار کر کے مسلمان واپس جا رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ کی سواری دیکھ لی اور پکار کر کہا۔

"اے مدینے والو تمہاری خوش بختی کا سامان آ پہنچا ہے۔"

بس اس آواز کے ساتھ ہی مدینہ میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔

آپؐ نے مدینے کے محلے قبا میں چودہ دن قیام فرمایا پھر شہر میں جانے کا فیصلہ کیا۔ ہر شخص کی آرزو تھی کہ آپؐ اس کے پاس ٹھہریں لیکن جب آپؐ سوار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میری اونٹنی مامور ہے وہ جہاں بیٹھے گی میں وہیں مقیم ہوں گا۔ اونٹنی چلتے چلتے وہاں آ بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی ہے اس جگہ کے متصل حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان تھا۔ آپؐ نے مسجد نبوی اور اس کے حجروں کی تعمیر تک ابو ایوبؓ انصاری کے مکان پر ہی قیام فرمایا۔

اس طرح حضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینے میں مقیم ہو گئے اور مدینہ کو وہ فخر حاصل ہوا جو فخر پھر کسی دوسرے شہر کو کبھی حاصل نہ ہو سکا۔ اس دن سے اس شہر کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔

۵۔ اثراتِ ہجرت

مکہ کی مشرک سوسائٹی پر مسلمانوں کی ہجرت کے بے پناہ اثرات مرتب ہوئے ہر قبیلہ، خاندان بلکہ ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد ہجرت کر کے اپنی پیدائش کی بستی چھوڑ رہا تھا۔ گھر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا ——— کہرام ہجرت حبشہ کے موقع پر بھی مچا تھا لیکن ہجرت مدینہ نے تو اسے انتہا تک پہنچا دیا۔ کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، کسی کا ماموں، کسی کا بھانجا، کسی کا چچا اور کسی کا بھتیجا چلا جا رہا تھا۔ مکہ کی بستی میں ہجرت نے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا تھا جسے کسی صورت پُر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گلیاں سونی ہو گئی تھیں اور بستی کی ہماہمی میں فرق آ گیا تھا۔ بس ہر طرف مسلمانوں کی ہجرت کا ہی چرچا تھا۔ اس کے سوا دوسری کوئی بات نہ تھی۔

غم و اندوہ اور غور و فکر اس کے نتیجے میں بعض لوگوں کے دل تو غم و غصہ سے اور زیادہ سخت ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی اس کارروائی کے بعد ظلم و ستم کو بڑھا دینے اور قتل و غارت

تک نوبت پہنچا دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعض لوگوں پر ہجرت کے مثبت اثرات ہوئے وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کیوں ہو رہا تھا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ یوں بستی ویران نہ ہوتی۔ یوں گھر نہ اجڑتے، یوں گلیاں سونی نہ ہوتیں یوں محبت و اخوت کے رشتے نہ کٹتے۔ آخر جانے والے کیوں جا رہے تھے۔ اسلام کیا چیز تھا جو ان کو اس قربانی پر آمادہ کر رہا تھا:

بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے دینِ اسلام کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہ کیا تھا لیکن اب وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ایک کسک اور چبھن محسوس کرنے لگے تھے۔

حضرت عمرؓ کا پہلا تاثر

ہجرت حبشہ کے سلسلے میں تاثر کا ایک واقعہ طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اپنی کتاب سرورِ عالمؐ کے حصہ دوم میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک خاتون لیلیٰ بنت ابی خثمہ حضرت عمرؓ کی قریبی رشتہ دار تھیں! وہ اپنے شوہر حضرت عامر بن ربیعہؓ کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر آئے جبکہ وہ ابھی شرک پر قائم تھے اور ہم ان کے ہاتھوں بہت تکالیف اٹھا چکے تھے مگر اس وقت وہ کھڑے ہو کر چپ چاپ میری مشغولیت دیکھتے رہے۔ پھر وہ کہنے لگے۔

"عبداللہ کی ماں۔ کیا بس اب روانگی ہے؟"

میں نے کہا "ہاں تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا اور ظلم کیا ہے اب ہم خدا کی زمین میں کہیں بھی نکل جائیں گے۔ جہاں خدا ہمارے لیے اس مصیبت سے بچنے کی کوئی راہ نکال دے گا"

اس پر عمر نے کہا "اللہ تمہارے ساتھ ہو"

حضرت لیلیٰ کہتی ہیں کہ میں نے اس وقت ان پر وہ رقت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہمارے وطن چھوڑنے پر غمگین ہو کر وہ واپس چلے گئے اس کے بعد جب عامر آئے تو میں نے کہا "عبداللہ کے ابا کاش تم اس وقت عمر کو دیکھتے ہمارے حال پر اس کی رقت اور رنج کو دیکھتے، ابھی ابھی وہ یہاں سے ہو کر گئے ہیں"

عامر نے کہا "کیا تمہیں اس کے مسلمان ہونے کی امید ہو گئی ہے"

میں نے کہا "ہاں"

عامر نے کہا "جس شخص کو تم نے دیکھا ہے وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہو گا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے"

یہی تاثر تھا جس نے عمر کو مایوسی اور ذہنی پراگندگی سے اس درجہ دوچار کیا کہ وہ حضورِ اکرمؐ کے قتل پر آمادہ ہو گئے تاکہ اس سارے تنازعے اور کشمکش کا خاتمہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کے دروازے پر حضورِ اکرمؐ کے قدموں میں لا ڈالا۔ ان کے دل میں پہلا رقت انگیز تاثر اسی ہجرتِ حبشہ نے پیدا کیا تھا۔ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام میں مددگار پہلا تاثر ہجرتِ حبشہ تھا اور آخری تاثر اُن کی ہمشیرہ فاطمہ کی پر عزیمت جرأت آمیز یہ بات تھی کہ "عمر جو چاہو کر لو اب اسلام دل سے نہیں نکالا جا سکتا"

خاندانِ ابوسلمہؓ کے مصائب

حضرت ابوسلمہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ اور بھی زیادہ اثر انگیز تھا۔ انہوں نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی اور پھر واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے بھی وہ پہلے مسلمان تھے۔

حضرت ام سلمہ اپنی ہجرت کی داستانِ الم بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"میرے شوہر ابوسلمہؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ اپنے بچے سلمہؓ کو گود میں لیے ہوئے نکلی اور وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل تھامے آگے چل پڑے۔ میرے میکے کے لوگوں نے انھیں جاتے ہوئے دیکھ لیا تو راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ "تم خود جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ لیکن ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ مارا مارا پھرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔" چنانچہ انہوں نے ابوسلمہؓ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے لے چلے۔ اس کے بعد ابوسلمہؓ کے خاندان والے آ گئے۔ انہوں نے کہا۔ "تم نے جب ہمارے آدمی سے اپنی لڑکی چھین لی ہے تو پھر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو اس کے پاس کیسے چھوڑیں۔" چنانچہ وہ بچے کو چھین کر چل دیے۔ اس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اتر گیا لیکن وہ ظالم لے ہی گئے۔ خاندان والوں نے مجھے گھر لے جا کر بند کر دیا اور ابوسلمہ تن تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں سال بھر تک روزانہ گھر سے نکل کر اس جگہ چلی جاتی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور وہاں بیٹھ کر روتی رہتی۔ ایک روز ایک شخص کو بے حد ترس آیا تو اس نے جا کر میرے خاندان والوں سے کہا کہ تم اس مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے تم نے اسے شوہر سے بھی جدا کر دیا اور بچے سے بھی۔ یہ انصاف نہیں ہے چنانچہ میرے اہلِ خانہ نے مجھے اجازت دے دی کہ اگر تو اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ ابوسلمہ کے خاندان والوں نے میرا بچہ بھی واپس کر دیا اور میں بچے کو لے کر اکیلی مدینے کے لیے روانہ ہو گئی۔"

حضرت ام سلمہؓ کی یہ داستان بتاتی ہے کہ اپنے دین میں ان کی استقامت نے بالآخر دونوں خاندانوں کے دل نرم کر دیے اور انہوں نے ایک خاتون پر مزید ظلم کرنے سے اجتناب کیا لیکن اپنے مشن میں پختہ ایک خاتون کی تنہا سفری کی عزیمت کا جو اثر ایک شریف انسان پر ہوا وہ بھی قابلِ دید ہے۔ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔

"جب میں تنعیم کے قریب پہنچی تو خاندان عبدالدار کے ایک بزرگ عثمان بن طلحہ راستے میں ملے۔"

انہوں نے کہا۔ "بنو امیہ کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟"

میں نے کہا۔ "اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔"

کہنے لگے۔ "تمہارے ساتھ کوئی ہے؟"

میں نے کہا۔ "خدا اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔"

کہنے لگے۔ "خدا کی قسم میں تمھیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔" اور وہ میرے اونٹ کی نکیل تھام کر آگے آگے چلنے لگے۔ واللہ میں

نے ان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ جب کسی منزل پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھا کر خود دور ہٹ جاتے جب میں بچے کو لے کر نیچے اتر آتی تو وہ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے جا لیٹتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو لا کر بٹھا دیتے پھر الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاتے اور مجھ سے کہتے "سوار ہو جاؤ" میرے سوار ہونے کے بعد وہ اونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہو جاتے۔ مدینے تک سارا راستہ انہوں نے یونہی طے کیا جب قبا کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا:

"تمہارے شوہر وہاں ہیں ان کے پاس چلی جاؤ اللہ تمہیں برکت دے۔"

اس کے بعد جس طرح پیدل وہ آئے تھے اسی طرح پیدل مکہ کی طرف وہ روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کفار قریش کے مظالم مسلمانوں پر زیادتیاں اور پھر ان کی ہجرت کو دیکھ دیکھ کر خود ان کے اندر بھی خدا ترس اور شریف النفس لوگوں میں اس ظلم سے بیزاری اور مسلمانوں سے ہمدردی پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اسلام سے عداوت رکھنے کے باوجود ان کے شرفاء اور انسانیت پرور لوگوں میں ان مسلمانوں کی قدر و منزلت بڑھتی جا رہی تھی جو اپنے مقصدِ زندگی اور اصولوں کی خاطر ظلم سہہ رہے تھے اور گھر بار چھوڑ کر اپنے اصولوں کو بچانے کے لیے پردیس کی طرف چلے جا رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور قبیلہ خارہ کا سردار

خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حالات سے پریشان ہو کر ایک بار ہجرت حبشہ کا ارادہ کر لیا اور واقعی وہ سفر پر روانہ بھی ہو گئے ابھی وہ مکہ سے ایک دو دن کا راستہ ہی طے کر پائے تھے کہ انھیں قبیلہ خارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔

وہ کہنے لگا: "ابوبکر کدھر کا ارادہ ہے؟"

ابوبکر کہنے لگے "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے سخت اذیتیں دی ہیں اور زندگی تنگ کر دی ہے۔"

وہ کہنے لگا "کیوں! ابوبکر تم جیسا آدمی نہیں نکل سکتا اور نہیں نکالا جا سکتا خدا کی قسم تم تو معاشرے کی زینت ہو نادار کو کما کر دیتے ہو صلہ رحمی کرتے ہو۔ عاجز و درماندہ کا بار اٹھاتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہو۔ واپس چلو میں تمہیں اپنی حفاظت میں لیتا ہوں۔ تم اپنے شہر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو۔"

اور وہ حضرت ابوبکرؓ کو واپس مکے میں لے آیا اور اس نے ایک ایک شخص کے پاس جا کر کہا کہ ابوبکرؓ جیسا آدمی نہیں نکالا جا سکتا تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جس میں ایسی ایسی خوبیاں ہیں۔

یہ مسلمانوں کے اخلاقی اثرات تھے اور ان کی ہجرت نے اس طرح گھر گھر میں ہر معقول انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کتنے ہی دل ہجرت کی ضرب سے حق کے لیے نیم وا ہو گئے تھے۔

۶۔ مقامِ ہجرت

تاریخی پس منظر

مدینۃ الرسولؐ اور مرکزِ دعوتِ اسلامی بننے سے پہلے مدینہ یثرب کہلاتا تھا۔ جس میں یہودی اہلِ کتاب بھی آباد تھے جو ہرقل

کے فتح فلسطین کے بعد وہاں سے بھاگ کر مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ بستی مکہ معظمہ سے ۳۰۰ میل شمال کی طرف واقع ہے اور مکہ کے ساتھ اس کی کھجوروں اور اناج کی تجارت تھی۔ یہ جگہ سطح سمندر سے ۲۳۰۰ فٹ بلند ہے۔ یہ شہر تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جن میں پانچ میل سے ۱۱ میل تک کا فاصلہ موجود ہے۔ شہر کی میدانی آبادی جنوب کی طرف ہے۔ برساتی ندی نالے آس پاس سے آکر اسے زرعی کاشت کے قابل اور شاداب بناتے ہیں۔

یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے نخلستانی رقبہ ہے۔ کھجوروں کے باغات قدیم سے چلے آتے ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ بیسیوں قسم کی کھجوروں کا مرکز ہے لیکن کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی ہے۔ مدینہ کے خاص آباد کار اوس و خزرج کے قبائل تھے۔ جو زراعت پیشہ لوگ تھے۔ یہودی تجارت کے زور سے زراعت پر بھی قابو یافتہ تھے ان کی اصل معیشت ساہوکاری تھی۔

اوس و خزرج کا قبیلہ بنی قحطان تھا۔ یہ بھی باہر سے ہی آکر آباد ہوئے تھے۔ ان کی کشمکش باہمی بھی چلتی رہتی تھی۔ یہودیوں کے ساتھ بھی جنگیں جاری رہتی تھیں۔ یہودیوں کی انہی جنگوں کے دوران پھیلائی ہوئی یہ باتیں اوس و خزرج کو یاد تھیں کہ ایک نبیؐ آئے گا جس کے آنے پر وہ اس کے ساتھ مل کر اپنی شکستوں کا بدلہ اوس و خزرج سے لیں گے۔ چنانچہ مدینہ کے ان بت پرست قبائل کو بھی غیر محسوس طور پر اس نبی کا انتظار تھا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ مکہ کے سالانہ میلے "جاہلیت کے دور کا حج" پر گئے تو حضور اکرمؐ سے ان کی ملاقات منیٰ کے مقام پر ہو گئی اور وہ مسلمان ہو کر واپس آ گئے۔ وہ یہ فخر یہود سے پہلے حاصل کرنا چاہتے تھے کہ آنے والے موعودہ نبی پر وہ ان سے پہلے آگے بڑھ کر ایمان لائیں اور انہیں ان کی رفاقت حاصل ہو جائے۔ انہیں بنی قحطان کے لوگوں نے حضور اکرمؐ کو یثرب تشریف لانے کی محبت بھری دعوت دی تھی۔

اللہ کی قدرت سے یثرب کو دفاعی حیثیت سے پورے حجاز میں ایک مرکزی مقام حاصل تھا۔ یہ قافلوں کی گزرگاہ بھی تھی تجارتی منڈی بھی تھی اور اس دور کے تین مشہور تجارتی راستے اس کی زد میں آتے تھے۔ یہاں پانی اور اناج وافر تھا۔ سایہ اور نخلستان تھے۔ قریش نے یثرب کے بعض قبائل کو بے جا طور پر ہراساں کر کے اپنا مخالف بھی بنا لیا تھا۔ اس لیے وہ اپنی روایت کے مطابق قریش سے ناراض بھی تھے یوں بھی حضور اکرمؐ کا مدینہ والوں سے ننھیالی رشتہ تھا جس کی وجہ سے فطرتاً وہ حضورؐ کے بارے میں اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔

مدینہ کے مرکزِ دعوتِ اسلامی بن جانے کے بعد قریش کے تجارتی راستے بھی حضورؐ کی زد میں آتے تھے اور مدینہ کے باشندوں کی یہود سے جذبہ سبقت کے سبب مدینہ کی فضا حضورؐ کے حق میں سب سے زیادہ سازگار تھی۔ اگر اتنے فاصلے پر قریش جنگ کے لیے آتے تو اُن کے لیے سامان رسد کی فراہمی اور پسپائی کی صورت میں دور دور تک پاؤں جمانے کی کوئی جگہ موجود نہ تھی۔

غرض حضور اکرمؐ کی مدینہ کی طرف ہجرت ایک ایسا دفاعی اقدام تھا جس کے بعد اسلامی جماعت خود بخود جنگی پوزیشن اختیار کر کے کامیابی تک پہنچ سکتی تھی۔ غرض ہجرت حضور اکرمؐ کی وہ حکمت عملی تھی جس کے ذریعے اسلامی تحریک نے یکا یک اپنی حکمتِ دعوت بدل کر باطل اور طاغوت کو چیلنج کرنے کا لائحہ عمل طے کر لیا تھا۔

اس طرح ہجرت کا اقدام کوئی مجبوری اور بے چارگی کے تحت جلاوطنی اور فرار (FLIGHT) کا اقدام نہیں تھا بلکہ ایک سوچے

نئے منصوبے کے تحت حکمتِ تحریک میں تبدیلی، قوت کے استعمال سے باطل کو سرنگوں کرنے کے اقدامات کا فیصلہ اور طاغوت سے براہ راست پنجہ کشی کا اقدام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے ہی سال جب اسلامی تحریک کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کو ہدف بنائے یا جنگی قوت کا سامنا کرے تو حضور اکرمؐ نے بے سروسامانی کے باوجود جنگی قوت کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا اس لیے کہ جنگی قوت کا مقابلہ کرنے سے وہ انقلابی نتائج برآمد ہوتے ہیں جو باطل نظام کو جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں حضورؐ نے اس انقلابی راستے کو ہجرت کے ذریعے اختیار کیا تھا۔

مدینہ - ہجرت سے پہلے اور بعد

مدینہ ہجرتِ رسولؐ کے وقت ایک معمولی بستی تھا اوس و خزرج کے دونوں قبائل اس میں آباد تھے۔ وہ مدتوں سے باہمی جنگ و جدل کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ مدینے کے مضافات و اطراف میں یہودیوں کے تین قبائل تھے۔ مشرقی حصے کی جانب بنو نضیر کی بستیاں اور ان کے باغات تھے۔ جنوب کی طرف بنو قریظہ اور ان کی آبادی تھی اور جنوب مغرب کی طرف بنو قینقاع تھے۔ ان یہودیوں کی مجموعی آبادی بھی اوس و خزرج کی مجموعی آبادی کے لگ بھگ تھی۔ یہ ساری آبادی مل کر ۵، ۶ ہزار سے زائد نہ تھی۔ مدینہ ایک چھوٹی سی بستی تھا جس کی معیشت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر تھا۔ دوسرے درجے پر تجارت تھی جو بیشتر یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ قبیلہ بنی قحطان کے دو خاندان اوس و خزرج دونوں کاشت کار تھے اور قریش ان کو جنگجو قبائل میں شمار ہی نہ کرتے تھے۔

مدینہ ایک غیر معروف چھوٹی سی بستی تھا۔ جب ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا اور مکہ سے حضور اکرمؐ اور مہاجرین آئے تو ساری بستی کا معاشرتی، تجارتی اور اخلاقی نقشہ یکایک بدل گیا۔ بستی آہستہ آہستہ بڑھنے، پھیلنے اور ترقی کرنے لگی۔ جو قصبہ کاشتکار انصار اور مہاجن یہودیوں پر مشتمل تھا اب اس میں قریش کے تجارت پیشہ لوگ بھی آ گئے تھے اور ان کے آنے سے بازاروں اور تجارت کے کاموں میں چہل پہل ہو گئی تھی۔ شہر کی قوت کا توازن جو پہلے یہودیوں کے حق میں تھا اس لیے کہ مدینے کے باشندے ان کے اہلِ کتاب اور مالدار ہونے کے سبب ان سے کچھ مرعوب تھے۔ اب مہاجرین اور ایک رسولؐ کی آمد سے وہ توازن بدل کر مسلمانوں کے حق میں چلا گیا تھا جو یہودیوں کو بہت ناگوار تھا۔ نبوت پر ایمان لانے کے نتیجے میں یہودیوں کے اثرات انصار پر سے بھی دن بدن کم ہوتے چلے گئے۔ مدینہ نئی اسلامی ریاست کا دارالسلطنت بن گیا۔ وہاں سے فوجیں منظم ہو ہو کر دشمنِ کفار کے خلاف جانے لگیں۔ ہر طرف سے قبائل کے وفود آنے لگے۔ حکومتوں کے سفیر آنے لگے۔ قیدی آنے لگے۔ ہر طرف سے بے شمار مالِ غنیمت آنے اور مدینے کے باشندوں میں تقسیم ہونے لگا۔ جو لوگ پہلے صرف کاشتکار تھے۔ اب وہ اسلامی افواج کے مجاہد اور کمانڈر بن کر جانے لگے۔ جن لوگوں کی معاشی حالت سخت خستہ تھی اب ان کے پاس مالِ غنیمت لونڈی و غلام، قیدی اور مال آنے لگا۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے کوہ احد کے دامن میں آباد ایک چھوٹی سی بستی جدید ترین خطوط پر قائم ایک اسلامی ریاست کا مرکزی مقام ہونے کی حیثیت سے دور دور تک معارف ہوتی چلی گئی۔

اس شہر کی آبادی کی حیثیت بڑھ گئی اس کے باشندے نئی اسلامی ریاست کے اعوان و انصار بن گئے۔ اس کے نوجوان فوجوں کے مجاہد بن گئے۔ اس کے بزرگ ریاستی وفود کے رکن بن بن کر مختلف حکومتوں کی طرف جانے لگے اور ہجرت کے بعد صرف آٹھ یا نو سال کی مدت کے اندر اندر کوہ سلع اور کوہ احد کے درمیان یہ چھوٹی سی کاشت کار آبادی اسلامی حکومت کا دارالسلطنت بن کر سارے

عالم میں مشہور ہو گئی۔ ہجرت کے واقعہ نے اس شہر کی قسمت آسمان تک پہنچادی۔ یثرب کی بستی مدینہ منورہ کا شہر بن گئی۔ یہ ہجرت کے ثمرات تھے۔

مرکز اسلام اور داعی اسلام

مدینہ دفاعی نقطۂ نظر سے نہایت اہم مقام تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو اپنی اسلامی دعوت کا مرکز منتخب کرنے میں بہت سے امور کو ملحوظ رکھا تھا۔

۱۔ سب سے اہم مسئلہ رفقائے کار کا تھا۔ ہجرت کے بعد حضورؐ کو جو ساتھی مدینے میں ملے ایسے ساتھی شاید ہی کسی نبی کو اپنی بعثت و نبوت میں ملے ہوں، ایثار پیشہ، جانثار اور حوصلہ مند

۲۔ دوسرا مسئلہ مدینے کے محل وقوع کا تھا جو ایسے مقام پر تھا کہ قریش کے لیے مسلمانوں کے ساتھ عناد اور دشمنی رکھ کر اپنی شام کی تجارت کو بحال رکھنا ممکن نہ تھا۔ لڑائی کی صورت میں انھیں ایک طویل راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا جس میں خوراک کی قلت ہوتی اور نقل و حمل کی دشواریاں دوچند ہو جاتیں۔

۳۔ تیسرا مسئلہ مکے کے لیے خوراک کا تھا۔ اگر وہ مدینے والوں سے لڑیں تو مدینے کے غلے اور کھجوروں سے محروم رہیں چنانچہ ایک بار تو مکہ میں قحط پڑ گیا تھا جس پر حضورؐ نے مکہ والے دشمنوں کو ہدیے کے طور پر غلہ ارسال کیا تھا۔

۴۔ چوتھا مسئلہ مدینے سے حضورؐ کا ننھیالی تعلق تھا۔ جس کی وجہ سے حضور کو ان کی طرف سے تائید کی زیادہ سے زیادہ امید تھی۔ اگر قریش مدینہ والوں سے لڑ کر شکست کھاتے تو وہ بالکل ہی تباہ ہو جاتے جیسے کہ چند لڑائیوں سے ہی وہ ایسے کمزور ہوئے کہ بالآخر حضور نے مکہ کو جنگ کے بغیر فتح کر لیا۔

غرض ہجرت کر کے مدینہ کو مرکز بنانے میں بہت سے مصالح تھے جن کا پورا پورا فائدہ اسلامی تحریک کو پہنچا۔

جب حضورؐ مدینے میں تشریف لائے تو اجتماعی زندگی سے مسلمانوں کے اخلاق کے جوہر بھی کھلے اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جو شخص آتا حضورؐ کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔

عبداللہ بن سلام نے کہا: "میں نے جونہی حضور کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔"

ابو رمثہ تمیمی نے کہا: "میں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا تو لوگوں نے مجھے دکھایا کہ یہ ہیں خدا کے رسولؐ! دیکھتے ہی میں نے کہا واقعی یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

ایک قافلہ کی خاتون نے اپنے قافلہ والوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا: "مطمئن رہو میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ وہ کبھی تمہارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں ہو سکتا۔"

ایک بڑھیا نے دیکھا تو کہا: "خدا کی قسم ہم نے ایسا خوبرو شخص کبھی نہیں دیکھا۔ ہم نے اس کے منہ سے روشنی نکلتی دیکھی ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: "حضور سے زیادہ خوبرو اور کوئی نہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا آفتاب چمک رہا ہے۔"

حضرت علیؓ نے کہا: "دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مرعوب ہو جاتا تھا۔"

حضرت جابرؓ نے کہا: "میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورؐ کو دیکھ رہا تھا۔ آپؐ اُس وقت سُرخ جوڑا پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو بالآخر میں اس فیصلے پر پہنچا کہ حضور اکرمؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔"

کعب بن مالک کہتے ہیں: "خوشی میں حضورؐ کا چہرہ ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے، اسی چمک کو دیکھ کر ہم آپؐ کی خوشی کو پہچان لیتے تھے۔"

یہ سب لوگ حضور اکرمؐ کے دالا و شیدا تھے اور حضور اکرمؐ کو بھی ان کی دلداری مطلوب تھی۔ حضور اکرمؐ ان کی دلنوازی کا کتنا اہتمام فرماتے تھے اس کا ایک نقشہ جنگ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم پر بعض انصار نوجوانوں کی شکایت پر حضور اکرمؐ کے شاہکار خطاب سے بھی سامنے آیا۔ فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں مکہ کے بہت سے نومسلم نوجوان بھی شامل ہو گئے۔ فتح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ان نومسلموں میں بہت فراخدلی سے مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ اس پر انصار میں سے بعض نوجوانوں نے رنج محسوس کیا اور اس کا دبے لفظوں میں اظہار بھی کیا۔ حضور اکرمؐ کے علم میں آیا تو آپؐ نے ایک خیمہ نصب کرایا اور پھر تمام انصار کو اس میں جمع کر کے بات کی حقیقت معلوم کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ واقعہ تو سچا تھا لیکن ایسی بات سمجھ دار لوگوں میں سے کسی نے نہیں کہی۔ بعض نوخیز نوجوانوں نے ایسا اظہارِ خیال کیا تھا آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے گروہ انصار، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے اور اللہ نے میرے ذریعے تم کو ہدایت دی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے اور اللہ نے میرے سبب سے تم میں اتحاد اور اتفاق پیدا کیا تم مفلس اور نادار تھے۔ پھر اللہ نے میرے ذریعے تم کو آسودہ حال کیا۔ آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرے پر انصار جواب دیتے جاتے تھے کہ "اللہ اور اس کے رسولؐ کا احسان ہم پر سب سے بڑھ کر ہے۔"

پھر اچانک آپ نے پلٹ کر فرمایا:

"لیکن اے انصار، تم یہ جواب کیوں نہیں دیتے کہ اے محمدؐ تجھ کو لوگوں نے جب جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ کو لوگوں نے جب چھوڑ دیا تو ہم نے تجھ کو پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا اور ہم نے ہر طرح تمہیں مدد بہم پہنچائی، تجھ کو جب لوگوں نے ذلیل کیا تو ہم نے تمھیں عزت دی۔"

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا:

"اے گروہ انصار، تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ بےشک تم سچ کہتے ہو۔"

بس حضورؐ کا یہ پُرشفقت محبت بھرا اندازِ شکوہ تھا کہ انصار کی شدتِ جذبات سے چیخیں نکل گئیں اور روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

پھر حضورؐ نے فرمایا۔

"لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ قریش تو اونٹ اور بکریاں اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے گھر لے جاؤ۔"

اس پر سب انصار بے اختیار پکار اُٹھے اور کہنے لگے:

"اے اللہ کے رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں صرف آپ درکار ہیں۔ ہمارے لئے اللہ کا رسولؐ کافی ہے۔ ہمارے لیے اللہ کا رسولؐ کافی ہے۔"

یہ تھے حضور اکرمؐ اپنے ساتھیوں کا دل موہ لینے والے رحمت للعالمین۔

پہلی اسلامی ریاست کا صدر مقام

مدینہ عرب میں پہلی اسلامی ریاست کے صدر مقام کی حیثیت سے ابھرا۔ یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو سکتی تھی کہ جو بستی، شہرِ نبوت مکہ سے ساڑھے تین سو میل دور واقع تھی بالآخر وہی بستی اس امتیازی فخر کی حامل ثابت ہو گی کہ اسے پوری دنیا میں پہلی نظریاتی اسلامی مملکت اور تا حشر ایک مثالی اسلامی حکومت کے صدر مقام کا رتبہ حاصل ہو گا۔

اس فخر میں کتنے ہی عوامل نے حصہ لیا تھا۔ مدینہ ایک طرح سے نبیؐ کے ننھیال کا شہر تھا اور ننھیال کے دل اپنے نواسوں کے لئے ہمیشہ نرم اور فطری طور پر سوزِ محبت سے گداز پائے گئے ہیں۔ پھر اسی شہر میں حضور اکرمؐ کے والد مکرم دفن تھے اور اس بستی کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ جاہلیت کے تمام جنگ و جدل کے باوجود دلوں کی نرمی اور طبائع کا گداز اس بستی کے باشندوں کی خصلت میں بہت نمایاں تھا۔ ان کی یہ خصوصیت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ جہاں مکہ میں برسوں تک دعوتِ دین کا کام ہوا اور تھوڑے سے افراد اسلام لائے وہاں فطری صالحیت کا مظہر مدینہ کے لوگ بات سنتے ہی ایمان لائے اور پھر جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے اور ایک مبلغ کی سرگرمیوں سے تقریباً سارا مدینہ مسلمان ہو گیا، اسی لیے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا تھا کہ مکہ فوج سے اور مدینہ قرآن سے فتح ہوا۔

غرض مدینہ والوں میں مسافر نوازی اور خدا خوفی بھی بہت پہلے سے موجود تھی۔ خود اوس و خزرج کے قبائل بھی یہاں مسافرانہ طور پر ہی آ کر آباد ہوئے تھے اور پہاڑوں کے درمیان شاداب وادی کی مٹی میں یہ شادابی موجود تھی کہ اسے نبی رحمت کا میزبان اور بالآخر صدر مقام بننا تھا۔ عرب آپس میں متصادم رہتے تھے اور یہی ان کے لئے خون گرم رکھنے کا ایک بہانہ تھا لیکن یہی عرب غیروں کے لیے بڑے مہربان اور مہمان نواز لوگ تھے۔ مکے والوں کے لیے یہ بہت دشوار ہو گیا تھا کہ اپنی ہی بستی کے ایک آدمی کو جا ہے وہ اسے اپنے درمیان سب سے بہتر سمجھتے ہوں نبی تسلیم کر کے اس کے احکام کے مطابق اپنے رسوم و رواج بدل دیں۔ اپنے عادات و حرکات میں تبدیلی پیدا کر لیں اور اپنے نظریات و روایات اور تہذیب و تمدن میں رواج کی بجائے احکام الٰہی کی پیروی کریں۔ اسی مشکل سے ابوجہل دوچار ہوا تھا اور اسی مشکل سے قریش کے سارے بڑے بڑے سردار دوچار تھے۔ اس طرح اسلام کی دعوت کو سرداران قریش کے لیے نہ نگلنا ممکن رہا تھا اور نہ انھیں اگلنے کی ہمت تھی چنانچہ دباؤ میں اضافہ کرتے چلے جانا ہی ان کے لئے ممکن تھا تاکہ کوئی نتیجہ خود بخود سامنے آ جائے۔

وہ نتیجہ جو خود بخود سامنے آیا وہ مسلمانوں کی مدینہ سے ہجرت تھی لیکن یہ نتیجہ انجام کار کے لحاظ سے انھیں خطرناک نظر آتا تھا اس لیے وہ اسے بھی پسند نہ کرتے تھے۔ جب کسی معاشرے میں اسلامی دعوت کا آغاز ہو جاتا ہے تو پھر وہ معاشرہ آزمائش سے دوچار ہو جاتا ہے قریش بھی اسی آزمائش سے دوچار تھے۔ اسی آزمائش کی شدت میں وہ اپنے اندر اپنے بہترین بھائی اور پاکیزہ ترین انسان کو رد کرنے سے لاچار

ہو گئے تھے چنانچہ مکہ کا یہ پکا ہوا شیریں پھل جس کی شیرینی سے سارے عالم نے استفادہ کرنا اور جس کی خوشبو سے ساری دنیا نے مہکنا تھا مدینہ کی جھولی میں گرا اور مدینہ کے کاشت کار ساری دنیا کے اس بہترین پھل کو لے کر ساری دنیا کے رہنما اور اسلام کی دولت کو امین کے امین بن گئے۔

اسلام جو باتیں سکھا رہا تھا، قریش اپنی دنیوی حشمت کا اس میں نقصان محسوس کرتے تھے۔ وہ نسب پر فخر کرتے تھے اور اسلام سارے انسانوں کو ایک باپ کی اولاد بتا کر عربوں کو عجمیوں کے بھی برابر قرار دے رہا تھا۔ وہ اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق میں مبتلا تھے اور اسلام غلاموں کو اٹھا کر حلقۂ رفاقت میں شامل کر رہا تھا۔

وہ لڑکیوں کو حقیر مخلوق اور عورتوں کو جانوروں کی طرح سمجھتے تھے اور اسلام عورتوں کو انسانی سطح پر مردوں کے برابر اور لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دار بنا رہا تھا۔ قریش یہ محسوس کرتے تھے کہ دعوتِ اسلامی اپنے دامن میں ایک ایسا انقلاب سمیٹے ہوئے چلی آ رہی تھی جس کی رو میں ان کے بہت سے جاہلی امتیازات بہ جانے والے تھے اور ان کا بہت سا جاہ و حشم جو انھیں ان کے بکدۂ حرم کے سبب میسر تھا اس دعوتِ توحید سے اس کے چھن جانے اور بیٹھ جانے کا اندیشہ لاحق تھا۔ ان اندیشوں نے انھیں بالآخر مجبور کر دیا تھا کہ اپنے حقیقی فخر کا تاج جو نبوت کے ذریعے ان کے سر پہ رکھا جا رہا تھا خود ہی اٹھا کر مدینے کے چرواہوں کے سر پہ رکھ دیں اور انہوں نے کمال بیدردی سے یہ کام سرانجام دے دیا۔

اس طرح حضور اکرمؐ مدینہ کی گود میں سرورِ عالم بن کر تشریف لے آئے اور مدینہ جو ایک گمنام بستی اور قافلوں کا ایک سکونتی پڑاؤ تھا یکایک تاریخ انسانیت میں ابھر کر مہرِ درخشاں بن گیا۔ مدینہ کی یہ وہ سعادت ہے جس میں اس کے بخت رسا کا بہت حصہ ہے ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دعوت اسلامی کا صدر مقام بننے کے بعد بالآخر مدینہ عالم اسلام کا صدر مقام بن گیا اور پھر دنیا کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے ہر مسلمان کے لئے اس کی مرکزیت کا یہ عالم ہوا کہ اس کا دل اس بستی کی محبت سے معمور ہو گیا۔ اسی محبت سے مجبور ہو کر شاعر نے کہا تھا ۔

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

مدینہ محبوب بستی

حضور اکرمؐ کی آمد نے یثرب کے قصبے کو شہر محبوب بنا دیا اور اس کا مرتبہ بیت اللہ کے شہر کو چھوڑ کر دنیا کی تمام بستیوں سے بالا اور برتر ہو گیا۔ اب وہ محض پہاڑیوں کے درمیان ایک زرخیز و سرسبز و شاداب وادی کا زرعی شہر نہ رہا جس میں اوس و خزرج اور یہود کے قبائل آباد تھے بلکہ ہجرت کے بعد وہ حرم کی مانند محفوظ مقدس اور محترم شہر ہو گیا۔

اللہ کے رسولؐ کی زندگی ان دو شہروں نے دو حصوں میں تقسیم کر دی ہے جن میں سے ایک مکی دور کہلاتا ہے، تو دوسرا مدنی

دور، مکی دور مصائب و عسرت کا دور اور مدنی دور فتح و نصرت کا دور بن کر تاریخ کے صفحات پر نقش ہو گیا ہے۔ اسی شہر کے بارے میں دنیا کے اہل ایمان شعرا نے لاتعداد قصیدے لکھے ہیں اور رسول اکرم کی محبت کا دم بھرنے والوں نے اس شہر کی مٹی کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمہ قرار دیا ہے۔ اس شہر کو دیکھنے اور اس کی گلیوں میں محبت کا آوازہ بلند کرنے کے لیے لاکھوں اور کروڑوں اہل ایمان دنیا کے گوشے گوشے میں ترستے ہیں اور عمر بھر اس کی حسرتِ دید دل میں لیے رہتے ہیں۔

یہ بستی اب اہل ایمان کے لیے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن گئی ہے۔ آخر اس کی محبوبیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جس میں محبوب خدا نے اپنی زندگی کے دس کامیاب و کامران سال گزارے ہیں۔ جس شہر میں آپ کے ہاتھوں سے بنائی ہوئی آپ کی اپنی مسجد موجود ہے اور جس مسجد میں آپ اور آپ کے صحابہ کبار نمازیں پڑھتے، اجتماعات کرتے، انفرادی و اجتماعی اور ملکی و ملی مسائل پر شب و روز باتیں، مشورے اور فیصلے کرتے رہے ہیں۔ اس شہر کے شمال کی طرف احد کا وہ پہاڑ ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ ہمارا ہمسایہ ہے ہمیں اس سے محبت ہے اور اسے ہم سے محبت ہے۔ اسی کے دامن میں معرکہ ہائے جہاد برپا ہوئے۔ احد بھی اور خندق بھی اور اسی شہر میں وہ پاک روحیں خوابیدہ ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔

غرض مدینہ محبوب جہاں بستی ہے اور یہی وہ بستی ہے جو رسول اکرم کے لیے جائے امن ثابت ہوئی۔ جب مکے والوں نے آپ کو نکالا تو اس بستی نے آپ کو پناہ دی۔ جب مکے کے باشندوں نے آپ پر ظلم کیا تو اس بستی کے باشندوں نے آپ کا محبت بھرا استقبال کیا، جب مکہ کی گلیاں مسلمانوں کے لیے خاک و خون کا سامان کرتی تھیں تو مدینہ کی گلیاں مسلمانوں کی میزبانی کا دم بھرتی تھیں۔ یہ شہر محبت و رحمت و شفقت کا شہر ہے۔ یہ رحمۃ للعالمین کا مدینۃ الرسولؐ ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

۷۔ فوائدِ ہجرت

دعوتِ اسلامی کے لئے ہجرت سراسر حکمت دین کا حصہ اور اخلاقی اور روحانی فوائد سے معمور دینی اقدام ہے۔ اس سے مومن کی روحانی بلندی کا سامان ہوتا ہے۔ دنیوی سرو سامان کی محبت سے نجات ملتی ہے۔ دنیوی بندھنوں کو نظر انداز کر کے راہِ حق میں قدم اٹھانے کا عملی تجربہ ہوتا ہے۔ اسلامی تحریک کو اجتماعیت یک جہتی اور آزادی کا ماحول میسر آتا ہے۔ کام کی منصوبہ بندی کے لیے بے خوف فضا مہیا ہوتی ہے۔ اللہ پر توکل بڑھ جاتا ہے اور مادی اسباب کے مقابلے میں مالک الملک کی مدد اور اس کی پشت پناہی پر اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔ مسافر ہو کر مومن میں ہر چہ بادا باد کا جذبہ اور راہِ حق میں مر مٹنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے وہ کردار نمودار ہوتا ہے جو دنیا کے لیے نمونے کا کام دے سکتا ہے۔

ہجرت کے تبلیغی فائدے

اللہ کی راہ میں ہجرت ایک ایسا اقدام ہے جو سراسر تبلیغ حق ہے۔ جس حق کے لئے انسان عزیز و اقربا، گھر بار، دوست

احباب، مال وجائیداد اور وطنِ عزیز چھوڑ کر ایک نامعلوم مستقبل کی طرف نکل کھڑا ہوتا ہے۔ وہ حق اگر کسی کے دل میں پوشیدہ بھی تھا تو اس علی الاعلان اقدام سے وہ کھل کر ساری دنیا کے سامنے آ جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ حق کسی شخص کے لیے اتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ اس کے لیے وہ دنیا کی ہر قیمتی متاع کو تج کر اور اپنے دامن کو جھاڑ کر اٹھ سکتا ہے۔ یہ کارروائی خود ایک عظیم الشان تبلیغ ہے جو حق کو اندھوں کے لیے قابلِ دید اور بہروں کے لیے بھی قابلِ شنید بنا دیتی ہے۔

رسولِ اکرمؐ کی ہجرت کے نتیجے میں اسلام کی تبلیغ کے لیے عالمِ عرب میں فوری طور پر ایک وسیع میدان کھل گیا اور دور و نزدیک کے عرب قبائل کے لیے قریش کی مزاحمت اور رکاوٹ ختم ہونے کے بعد یہ ممکن ہو گیا کہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ مسلمانوں کے لیے بھی یہ ممکن ہوا کہ وہ تبلیغی وفود بنا کر مختلف قبائل کی طرف جائیں اور ان کے سامنے دعوتِ دین پیش کریں۔ تبلیغ کے سلسلے میں اگرچہ بعض قبائل کی غداری اور سازش کے چند حادثات بھی پیش آئے اور مبلغین اسلام کو تکالیف سے دوچار ہونا پڑا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایسے تبلیغی مواقع مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے کبھی میسر نہ آئے تھے جو مواقع ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو میسر آ گئے۔

تبلیغ کا بنیادی تقاضا خود مبلغ کا اس نصیحت پر عمل پیرا ہونا ہے جو نصیحت وہ اپنے مخاطب کو کرنا چاہتا ہے۔ قول ایک ہوائی عمل ہے اور عملِ صالح ایک ٹھوس حقیقت۔ اگر مبلغ کا عمل اس کے قول کی خود تردید کر رہا ہو تو پھر کوئی شخص اس کی بات پر کان نہیں دھر سکتا۔ درحقیقت قول ایک دعویٰ ہے اور عمل اس کی دلیل ہے۔

ہجرت اور حکمتِ تبلیغ

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے امر کی کبھی تبلیغ نہیں کی جس پر آپ نے خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو یہ وہ عملی تبلیغ تھی جس سے لوگ اسلام کی حقیقت پر ایمان لے آتے تھے اور یہ بھی جان لیتے تھے کہ اس کام میں بھلائی اور خیر ہے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے علمِ صحیح کی تبلیغ کرتے تھے جو زبان سے گزر کر دلوں میں جگہ پکڑ لیتا تھا۔

ہجرت سے پہلے اور بعد میں بھی ہمیشہ حضور اکرمؐ تبلیغِ دین میں اس امر کا اہتمام فرماتے تھے کہ لوگوں کی سہولت اور توجہ کا لحاظ رکھیں۔ آپ موقع بے موقع تبلیغ نہیں فرماتے تھے اور نہ اتنی کثرت سے دعوت پیش کرتے تھے کہ لوگ گھبرا کر اکتا جائیں۔ اسی طرح آپ اس حال میں بھی تبلیغ نہ کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعض دوسرے اہم کاموں میں مشغول ہوں حضورؐ کی تبلیغ بیشتر تعلیم قرآن پر مبنی ہوتی تھی۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے قرآن نہایت درجہ ناقابلِ مزاحمت مؤثر کلام تھا۔ آپ تبلیغ کی زبان ہمیشہ آسان اور عام فہم رکھتے اور اپنی بات مثالوں سے واضح فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ بالعموم اپنی بات تین بار دہرایا کرتے تاکہ جن پر بات واضح نہ ہوئی ہوتی ان پر بھی بات واضح ہو جائے اور خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حضورؐ کے رفیقِ تبلیغ حضرت علیؓ نے اپنی حکمتِ تبلیغ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

" دلوں میں کچھ خواہشات اور میلانات ہوتے ہیں اور کسی وقت وہ بات سننے کے لیے تیار رہتے ہیں اور کسی وقت اس کے لیے تیار نہیں رہتے تو لوگوں کے دلوں میں اس میلانات کے اندر داخل ہو اور اس

وقت اپنی بات کہو جب کہ وہ سننے کے لیے تیار ہوں اس لئے کہ دل کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور بات قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔"

(کتاب الخراج ابو یوسف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین میں لوگوں سے کبھی ترش روئی اور بے رخی بھی نہیں برتتے تھے۔ کبھی دعوت پیش کرنے میں بے پروائی اور بے نیازی نہیں دکھلاتے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بھی ہدایات دے رکھی تھیں کہ ہر بندۂ خدا کی طرف مساوی توجہ کی جائے اور ہدایت پہنچانے کا کام بلا امتیاز جاری رکھا جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضورؐ ان لوگوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے جو خدا سے برگشتہ، دنیوی وجاہت کے بھوکے اور متکبر و مغرور ہوتے تھے۔ آپ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دعوت پیش کرنا پسند نہ کرتے تھے جو اسے سننے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ جو لوگ حق سے بے نیازی کا رویہ اختیار کرتے۔ آپ بھی وقارِ دعوت کے پیش نظر ان کے پیچھے نہ پڑتے تھے البتہ دعوتِ عام پیش کرنے میں آپ کوئی کمی یا کوتاہی نہ کرتے تھے آپؐ ہمیشہ آسان ترین پیرائے میں اپنی دعوت پیش کرتے تھے۔ ہمیشہ اس بات پر نظر رکھتے تھے کہ کون دعوت سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہے اور کس میں راہ حق کی طرف گامزن ہونے کے لیے آمادگی پائی جاتی ہے۔ آپ جس میں ایسی آمادگی پاتے وہی سعید فطرت لوگ آپ کی نگاہِ التفات کے مستحق قرار پاتے اور پھر آپ ان کی تعلیم و تربیت پر زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول فرماتے۔ آپ جس کے دل میں بھی خدا کا خوف محسوس فرماتے اس کی نصیحت اور ہدایت کی آپ زیادہ کوشش فرماتے حضورؐ کے اس طرزِ عمل کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸: ۲۲)

ترجمہ "بس اے نبی نصیحت کئے جاؤ۔ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔"

چنانچہ حضور اکرمؐ اس حکم خداوندی کے مطابق مسلسل دعوت دین پیش فرماتے رہتے تھے۔ نہ آپ کبھی استکبار کرنے والوں کے کبر سے پریشان ہوئے اور نہ انکار کرنے والوں کے انکار سے بددل ہوئے اور نہ ان کی مخالفت سے مایوس ہو کر اپنا کام چھوڑا۔ اسی مستقل مزاجی کے نتیجے میں کلمہ حق بار بار سن سن کر کسی کے دل میں ایک وقت اور کسی کے دل میں دوسرے وقت اسلام اترتا چلا جاتا تھا۔ ہٹ دھرم ایک طرف ہوتے چلے جاتے۔ حضور اکرم نہایت خوب صورتی سے اللہ کی ان صفات کو بنیاد بنا کر جنھیں عام کفار بھی تسلیم کرتے تھے کہ وہ خالق اور رب ہے انھیں یہ بھی تسلیم کرا لیتے تھے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک، مسجود، حاکم اور بادشاہ بھی ہے۔

تبلیغ دین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا خود قرآن نے بھی آل عمران آیت ۱۵۹ میں ذکر فرمایا ہے:

"اے نبی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم خو ہو ورنہ اگر تم ورشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔"

دوسری جگہ فرمایا تھا:۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ -

ترجمہ: "اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے

طریقہ پر جو بہترین ہو۔"

گویا شیریں کلامی اور اعلیٰ درجے کے شریفانہ اخلاق اور معقول اور دل لگتے دلائل کے ساتھ دعوتِ حق پیش کرنے کی آپ کو تعلیم دی گئی تھی اور حضورؐ اسی پر عمل پیرا تھے۔

حضور اکرمؐ نے حکمت تبلیغ کے اس میدان میں اپنے آپ کو صرف مکے کی بستی تک ہی محدود نہیں رکھا تھا بلکہ سعید روحوں کی تلاش میں آپ ہجرت کے بعد بھی دین حق کی دعوت پہنچانے کی پیہم کوشش کرتے رہے۔ آپ لوگوں کے عام اجتماعات میں بھی جا کر فرداً فرداً دعوت دین ان کے سامنے پیش فرماتے۔ نئے افراد سے ملتے، جو لوگ بسلسلہ تجارت یا متفرق کاموں سے شہر میں آتے ان تک بھی دعوت حق پہنچاتے۔ میلوں اور بازاروں میں جہاں دور دور سے لوگ آئے ہوتے ان کے سامنے بھی دعوت کی تفصیلات رکھتے تاکہ دعوت اسلامی کی جڑیں بستی سے باہر تک بھی پھیل جائیں اور تحریک اسلامی کے دست و بازو دور دور تک پہنچ جائیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر حضورؐ بیرونی قبائل تک دعوت پہنچانے کے لیے اکثر و بیشتر تبلیغی اور تعلیمی وفود بھی ارسال فرماتے رہتے تھے۔

تبلیغ دین کے لیے ہی جب حضور اکرمؐ نے مکہ مکرمہ کو تنگ اور مدینہ منورہ کو کشادہ پایا اور حضورؐ کے ارسال کردہ مبلغین کی مدینہ میں خوب پذیرائی اور کامیابی ہوئی تو ہجرتِ کامل کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ بڑا کٹھن کام تھا لیکن مسلمانوں نے تبلیغ دین کی خاطر اور اپنے باوقار نصب العین کے لیے ہجرت جیسے کٹھن مرحلے میں بھی قدم رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ ایک مضبوط قوت ارادی کا مالک ہی ہجرت کا اقدام کر سکتا ہے۔ ایک ایثار پیشہ شخص ہی ہر شے قربان کر کے اٹھ سکتا ہے۔

ہجرت کامرانی کا باب

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کامیابیوں، کامرانیوں اور فتح مندیوں کا سب سے بڑا باب ہے۔ یہ جہاں مشکل کام ہے وہاں اس میں دین و دنیا کے بھرپور فوائد بھی پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ حضور اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام کی ہجرت نے ہی دین اسلام کی مکمل کامیابی کے لیے راستے کھولے۔ حضور اکرمؐ کے اس ایک حکیمانہ اقدام سے اسلامی تحریک کے لیے اتنے تبلیغی اور دعوتی فوائد سامنے آئے کہ جنھیں شمار کرنا آسان نہیں ہے۔ ان فوائد میں سے چند ایک کا ذکر بہت ضروری ہے۔

۱۔ سب سے پہلا فائدہ یہ ہوا کہ "اسلامی تحریک کو مرکز تبلیغ فراہم ہو گیا۔ مدینہ جس کا صدر مقام تھا۔ اس مرکز تبلیغ میں تحریک کے داعی کی حیثیت سربراہ مرکز تبلیغ کی تھی۔

۲۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ دعوت اسلامی کے لیے تبلیغ کا ایک وسیع و عریض میدان فراہم ہو گیا پہلے دعوت جن لوگوں کو دی جا رہی تھی وہ بدل گئے۔ اب ان کی جگہ نئے لوگوں کو دعوت دی جانے لگی۔ یہ تبدیلی تبلیغی توسیعی اور دعوتی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہوئی اس کے بعد اسلام کی دعوت اور اس کی توسیع کے لیے واضح مواقع پیدا ہو گئے۔

۳۔ اس کا تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ تحریک کے لیے جسمانی تشدد ختم ہو گیا اور صحابہ کرام کو دل جمعی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا موقع مل گیا۔ مدینہ منورہ اسلامی دعوت کا مرکز بنا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کے عروج کا دور بھی شروع اور کفار اور مشرکین کے زوال

کا آغاز ہو گیا اس کے بعد اسلام کا ہر قدم تبلیغی، توسیعی اور حربی لحاظ سے آگے اور کفر کا ہر قدم پیچھے ہی ہٹتا چلا گیا۔

۴- پھر اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہُوا کہ ہجرت کے ذریعے کھرے کھوٹے مسلمانوں کی پہچان ہو گئی۔ میدانِ تبلیغ کا ناکارہ عنصر چھٹ کر پیچھے ہٹ گیا اور کھرا قوی اور طاقتور عنصر تحریک کی جھولی میں آگرا۔

۵- اور پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ ہجرت کے اقدام نے مسلمانوں کو ضعف سے اٹھا کر قوت کے راستے پر ڈال دیا وہ ایک نئی ابھرنے والی اسلامی ریاست کے معاون اور مددگار بن گئے۔ اور یہ بات بھی عرب پر ثابت ہو گئی کہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک برابر کی اجتماعی قوت ہیں جنھیں اکھاڑ پھینکنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور یہ قوت اپنے اندر زبردست تبلیغی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

۶- پھر اس کا یہ بھی فائدہ ہوا کہ ہجرت کے بعد اسلامی معاشرہ اپنی ساری ضروریات اور خصوصیات کے ساتھ جداگانہ طور پر وجود میں آگیا جس سے نظریاتی اجتماعیت کی برکات کا ظہور ہوا اور آزاد اسلامی معاشرہ اپنے بہترین نتائج دکھانے کے قابل ہو گیا جس سے وہ معاشرہ مجسم تبلیغ بن گیا۔

۷- پھر ایک یہ فائدہ بھی ہوا کہ ہجرت سے سارے عرب میں بکھری ہوئی مسلمانوں کی جاندار اسلامی قوت سمٹ کر مدینے کے مرکز میں جمع ہو گئی جس سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور اسلام ایک مضبوط نظریاتی قوت بن کر ابھرنے لگا۔

۸- پھر یہ فائدہ بھی ہوا کہ مدینہ میں ہجرت کے بعد اسلام کے نظریاتی تصورِ قومیت کا عملی ظہور ہو گیا جس سے جاہلی تصوراتِ اجتماعیت دب گئے، نیز جاہلی تصورات نسلی، علاقائی اور لسانی قومیتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا اور ان کے مقابلے میں اسلامی قومیت وجود میں آگئی۔

۹- پھر یہ فائدہ بھی ہوا کہ مدینے میں پہنچ کر مسلمانوں اور کفارِ مکہ میں باقاعدہ حالتِ جنگ قائم ہو گئی اور دونوں برابر کے فریق بن کر سامنے آگئے۔ مسلمانوں کا دورِ مظلومیت ختم ہُوا۔ بالآخر ہجرت کے بعد پیدا ہونے والی کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کی واقعی اور آخری شکست ہوئی اور مسلمانوں کو کامل اور مکمل فتح حاصل ہوئی گویا ہجرت کے ذریعے جس سمت کی طرف دعوتِ انقلاب کا آغازِ سفر ہوا تھا فتح مکہ اس کی آخری منزل تھی۔ اس کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام اطاعتوں پر خالق اللہ کی بندگی ہے اور سب راستوں سے سیدھا راستہ اللہ کا راستہ ہے جس پر مومن کو چلنا چاہیے۔ بندگی اور اطاعت کا اللہ کے سوا اور کوئی حقدار نہیں ہے

۱۰- پھر ہجرت کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ ہجرت کے ذریعے ایک عالمی غیر نسلی اور غیر نسبی برادری کی بنیاد رکھدی گئی۔ خالص نظریاتی برادری تھی۔ جس برادری میں مساوات تھی اخوت تھی اور اس میں چھوٹے بڑے رنگ و نسل اور عرب و عجم کی قومیت کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ وہ سب بھائی بھائی تھے اور اس سطح پر سب برابر تھے۔

غرض ہجرت کے اقدام نے اسلام کی کامیابی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور بالآخر وہ وقت سامنے آگیا جس بارے میں فرمایا گیا تھا کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ لوگ گروہ در گروہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے اور اسلام ایک عالمگیر قوت اور برادری کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آگیا۔ پھر اس کی صداقت کو تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی دشواری باقی نہ رہی۔ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ، رسول اکرم کی ختم نبوت اور آخرت میں جواب دہی کی بات ساری دنیا کی سمجھ میں آگئی اور دینِ اسلام کا کامل اور مکمل ہونا بھی سب پر ثابت اور روشن ہو گیا۔

ہجرت کے سیاسی فائدے

مکہ کرمہ میں حضور اکرمؐ کی دعوتِ اسلامی سخت ترین مزاحمت کے دور سے گزر رہی تھی۔ جب آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ کچھ دن پہلے قریش نے متفقہ طور پہ حضورؐ اور آپ کے اہلِ خاندان کو شعب ابوطالب کے شدید ظالمانہ قید و بند سے گزارا تھا اور آپؐ کے معاشرتی بائیکاٹ کے ساتھ آپؐ کا اقتصادی بائیکاٹ بھی پورے دو سال تک جاری رہا تھا۔ جب آپؐ طائف کی طرف دین اسلام کی دعوت لے کر گئے تو وہ پہاڑی علاقہ دعوت اسلامی کے لئے اور بھی زیادہ سنگلاخ ثابت ہوا وہاں کے سرداروں نے آپؐ پر پتھر برسائے اور آپؐ کے پیچھے شہر کے اوباشوں کو لگا دیا۔ انھوں نے آپؐ کو پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا اور شہر سے باہر دھکیل دیا۔ اہلِ طائف نے دعوتِ اسلامی کی طرف سے کان یکسر بند کر لیے چنانچہ آپؐ انتہائی دل شکستگی کی حالت میں کہ واپس تشریف لائے تو آپؐ کو قریشِ مکہ نے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا یہاں تک کہ آپؐ کو ایک شریف النفس قریشی کی حفاظت میں اپنے ہی گھر میں داخل ہونا پڑا۔

طائف سے واپسی پر قریش نے وہاں کے حالات سن کر اور بھی سختی شروع کر دی اور آپ کی جان لینے کے منصوبے بنائے جانے لگے۔ غرض جب کفر کی طرف سے مزاحمت اس مقام کو پہنچ گئی اور دعوت اسلامی نے جان ہتھیلی پہ رکھ کر بتیس دانتوں کے درمیان زبان کی مانند اپنی طرف سے شہادتِ حق کا فریضہ پورے طور پر ادا کر دیا جب تبلیغ و تلقین میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی اور دعوتِ اسلامی نے اپنی طرف سے حجت تمام کر دی تو بالآخر آپ کو ہجرت کا حکم مل گیا جس کے لیے زمین پوری طرح تیار ہو گئی تھی اور مسلمان اس ظالمانہ ماحول اور اس کافرانہ مزاحمت مظلومیت سے نکلنے کے لئے دعائیں کر رہے تھے جب ان کی آرزو تھی کہ انھیں اللہ کے راستے میں حفاظتِ دین کی خاطر کفار سے لڑنے اور انتقام حق لینے کا موقعہ دیا جائے تب انھیں موقعہ دے دیا گیا اور مسلمان ایک ایک کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے

یہ ہجرت یونہی حفاظت جان و مال کی خاطر راہِ فرار نہ تھی اس لیے کہ مال تو سارے کا سارا پیچھے ہی رہا جا رہا تھا اور وہ ایک نامعلوم معاشی مستقبل کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ جان بچانے کا مسئلہ بھی درپیش نہ تھا اس لئے کہ جان لینے دینے کے مواقع تو اب پیدا ہونے والے تھے جو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ بزدلانہ راہِ فرار بھی نہ تھی جیسے کہ بعض عیسائی مستشرقین اس ہجرت کے لیے فلائٹ کا لفظ استعمال کر کے اپنی بدباطنی یا کم فہمی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ہجرت دعوتِ اسلامی کی طویل جد و جہد کے مختلف انقلابی مراحل میں سے ایک زبردست انقلابی مرحلہ تھی۔ اس ہجرت کے ذریعہ اسلامی تحریک نے سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا پہلو اختیار کیا جس سے تحریک کو بے شمار سیاسی فائدے حاصل ہوئے۔ ہجرت کے اس ایک اقدام نے ہی تحریک اسلامی کو کامیابی کی بے شمار منزلیں طے کروا دیں۔ آپ اس دعوتی اور سیاسی اقدام کی اہمیت کا سیاسی تخمینہ اس بات سے لگائیں کہ تقویم اسلامی کا آغاز ابتدائے دعوت کی بجائے ہجرت سے کیا گیا۔ دعوت اسلامی کے اولیں داعیوں کے نزدیک واقعہ ہجرت کی سیاسی اہمیت ہر واقعہ سے زیادہ تھی۔

ہجرت کے جہاں بلشمار دیگر فوائد ہوئے وہاں سیاسی فائدے بھی اَن گنت ہوئے۔

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کے گروہ کی حیثیت مظلوموں اور زیرِ تشدد افراد کی تھی جو اپنی قوم کے آبائی دین سے منحرف ہو کر نئے عقائد اختیار کرنے کے نتیجے میں مظالم کا نشانہ بن رہے تھے ان کی کوئی داد فریاد نہ تھی۔ ان کا کوئی حلیف اور ساتھی نہ تھا ان کی کوئی سیاسی اور مضبوط گروہی حیثیت نہ تھی۔ وہ دعوتِ دین پیش کرنے والا ایک ایسا گروہ تھا جو خود اپنے ہی علاقے اور شہر میں اختلافِ عقیدہ کی سزا بھگت رہا تھا لیکن ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کو انصارِ مدینہ کی صورت میں دو بڑے حلیف قبیلے میسر آئے جو مسلمانوں کی مدد اور پشت پناہی از روئے معاہدہ کرنے کے پابند تھے۔ اس معاہدے نے مسلمانوں کو ایک مؤثر سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھارا اور انھیں تبلیغی اور دعوتی قوت کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی اور اجتماعی قوت کی حیثیت سے بھی عرب میں روشناس کرایا۔

اس ہجرت کا دوسرا سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہو کر متحدہ قوت بنانے کا موقعہ مل گیا۔ پہلے مسلمان منتشر تھے بکھرے ہوئے تھے کچھ مکہ مکرمہ کے دیار میں تھے۔ کچھ چند قبائل میں منفرد اور منتشر تھے۔ کچھ حضور اکرمؐ کی اجازت سے حبشہ چلے گئے تھے اور ہر جگہ ان کی حیثیت ایک مظلوم اقلیت کی تھی۔ ہجرت مدینہ کے ذریعے انھیں متحد اور یکجا ہو کر ایک مثبت قوت بننے کا موقعہ میسر آ گیا۔

ہجرت مدینہ کے ذریعے وہ بے شمار غلام اور مظلوم لوگ بھی جو جگہ جگہ دینِ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں سزائیں بھگت رہے تھے مظلومیت کی اس حالت سے نکل کر امن و امان کی حالت میں آ گئے جس کی وجہ سے دعوتِ اسلامی مظلوموں، غلاموں، زیردستوں، کمزوروں اور بے سہارا غریبوں کی تحریک بن گئی۔ اس دعوت نے سارے ہی زیردست لوگوں کی حمایت کی سارے ہی محروم طبقات کو حقِ انسانیت اور شرفِ انسانیت سے نوازا جس کے نتیجے میں اپنے اولین دور میں اسلام اس طرح ابھرا کہ جیسے وہ تمام ظالم آقاؤں کے مقابلے میں مظلوم غلاموں اور زیردستوں کا مددگار اور دست گیر نظامِ فکر و عمل تھا اور غریبوں اور محتاجوں کا حاجت روا تھا اس اس طرح زیردست لوگ اسلام کا دامن تھام کر ایک فعال اور متحرک اجتماعی قوت بن کر اُٹھے۔ اسلام نے معاشرتی مرتبے کو مال و دولت اور حسب و نسب کی بجائے تقویٰ اخلاق اور کردار سے وابستہ کر کے سب لوگوں کے لئے فضیلت اور بزرگی کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح ہجرت کے بعد اسلام ایک ہمہ پہلو انقلابی اور ہمہ گیر انسانی قوت بن کر سامنے آیا۔

ہجرت نے دعوتِ اسلامی کو ایک مرکز فراہم کر دیا جس کی ابتدائی صورت ایک زیرِ تشکیل ریاست کی سی تھی۔ اس مرکز سے مسلمانوں کو وہ سیاسی قوتِ فراہم کی جس کی مدد سے مدینہ کی اولیں اسلامی ریاست کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ہجرت نے ہی دینِ اسلام کو نفاذِ قانونِ اسلامی کے لیے ایک ریاستی صورت فراہم کی۔

ہجرت کے نتیجے میں ہی وہ میثاقِ مدینہ وجود میں آیا جو اسلامی ریاست کا اولیں منشور اور اس کا نظریاتی سنگِ بنیاد ثابت ہوا۔ یہ معاہدہ حضور اکرمؐ اور یہودیوں کے درمیان تھا جو کاروبار یا رہائش کے محل و قوع کے سبب مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ یہ پہلا سیاسی معاہدہ تھا اس معاہدے کی رُو سے یہودی مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنا دشمن اور ان کے دوستوں کو اپنا دوست سمجھنے کے پابند تھے۔ ان پر لازم تھا کہ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو وہ اس کے خلاف مسلمانوں سے تعاون کریں ان کے تعلقات باہمی خیر خواہی خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہوں۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں

شریک ہوں۔ معاہدے میں یہ بھی طے ہوا کہ مظلوم کی مدد و نصرت کی جائیگی۔ مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا جرم ہوگا۔ اگر معاہدے کے اندر کوئی اختلاف ہوگا تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔

اس معاہدے کے ذریعے مسلمانوں کی ایک ایسی سیاسی مرکزی قوت وجود میں آگئی جو مسلمانوں کے لئے آگے چل کر فتح و نصرت کے دروازے کھولنے والی تھی۔ اس سیاسی معاہدے سے بلاخون خرابہ، مسائل کو دانش و حکمت سے ترتیب دینے سے ایک اسلامی اقتدار وجود میں آگیا جس میں فیصلے کی آخری اتھارٹی خدا اور رسولؐ کو حاصل تھی۔

ہجرت کا ایک سیاسی فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کو عرب کے دیگر قبائل سے معاہدات کرنے اور انھیں اپنا حلیف بنا کر اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کرنے کے مواقع میسر آگئے۔ سیاسی حلیفوں کے درمیان تعاون کے دوسرے راستوں میں سے تبلیغ دین کا راستہ بھی نکلتا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کو ہر قبیلے میں سے اپنے نظریاتی معاون بھی ملتے چلے گئے۔

ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر زندگی کا میدان طے کرنے کا موقعہ میسر آیا چنانچہ مسلمانوں میں ایسے ایسے جوہر قابل تیار ہوئے کہ جن کے بارے میں ہجرت سے پہلے کسی نے خواب میں بھی ایسے کارناموں کا تصور نہ کیا تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ زبردست جنگی جرنیل بن کر نمودار ہوئے اور حضرت عمرؓ ایک عظیم منتظم فاتح، دانشور اور ایثار پیشہ حکمران کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ غرض ہجرت نے صحابہ کرامؓ کے چھپے ہوئے جوہر کھول کر سارے زمانے پر عیاں کر دیئے اور اسلام کے دامن میں ایسے ایسے قیمتی جواہر پیدا ہوئے جن کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے باری باری سے نپٹنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ جب انہوں نے مکہ فتح کیا تو ان کا یہود سے معاہدۂ صلح تھا اور جب انہوں نے خیبر کو فتح کیا تو ان کا قریش سے معاہدہ صلح تھا۔ مسلمانوں نے دشمنوں کے نرغے اور یلغار میں آگے بڑھنے کی ترتیب اس انداز میں رکھی کہ وہ بیک وقت ایک ہی دشمن سے نبرد آزما ہوتے تھے۔ جنگ احزاب میں جو دشمنوں کا ہجوم گھر کر آگیا تو اس میں ایک طرف حضورؐ کی جنگی حکمت عملی کام آئی دوسری طرف تدبیر خداوندی نے سارے ہجوم اعداء کو تتر بتر کر دیا۔ ورنہ عام حالات میں مسلمانوں کی جنگ کی حکمت عملی یہی تھی کہ وہ ایک وقت میں ایک محاذ پر نبرد آزما ہوتے تھے۔ ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ممکن ہوا کہ معاہدات کے ذریعے اس سیاسی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہو سکیں۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنا ایک سیاسی نظامِ مملکت تشکیل دینا بھی ممکن ہو گیا۔ مختلف جنگی مہمات میں امراء کا تقرر۔ مختلف کاموں کے لیے افراد کا انتخاب اور ان کی صلاحیت کے مطابق ان سے کام لینے کا اہتمام۔ تدبیر مملکت کے لیے مشاورتی اجلاس اور شورائی نظام کا ارتقاء، قوانین ملکی کی تشکیل اور ان کا اجراء اور نفاذ، ریاست کے مساکین کے لیے بہبود فنڈ، زکوٰۃ کا قیام اور اس کے ذریعے معاشرے کے محروم طبقات کی دست گیری۔ اسلام کے سیاسی نظام کا ارتقاء اور صورت گری۔ معاشرتی قواعد و قوانین کی تشکیل و تدوین غرض ہجرت کے بعد مسلمان ایک صالح معاشرے کی صورت اختیار کر گئے ان کی اجتماعیت نے ریاستی شکل اختیار کر لی اور ایک نئے سیاسی معاشی اور معاشرتی نظام کی صورت گری ہونے لگی۔

ہجرت کے بعد عرب معاشرے میں مظلوم اور محکوم لوگ سمٹ سمٹ کر اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے تھے۔ اسلام معاشرتی مساوات،

سیاسی پناہ اور اقتصادی تعاون کرنے والا ایک خدا ترس معاشرہ قائم کر رہا تھا اور وہ مظلوموں کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا۔ اسلام کے سیاسی نظام نے ان کی صلاحیتوں کو بیدار کر دیا۔ ان کی قوتوں کو دوچند کیا اور انھیں فلاحِ عامہ کے عمومی مشن پر لگا دیا۔ اس طرح اسلام ایک ابلتے ہوئے چشمے کی مانند نمودار ہوا جس سے ہر شخص استفادہ کر سکتا تھا پھر ہجرت کے بعد تو اس کا فیض عام ہو گیا۔

ہجرت کا ایک سیاسی فائدہ یہ بھی ہوا کہ حضور اکرمؐ کی اسلامی تحریک نے اپنا وہ عظیم منشور دنیا کے سامنے پیش کر دیا جو اسلام کے سیاسی خدوخال کو پوری طرح واضح کرتا اور دنیا کو اسلام کے حقیقی پروگرام سے روشناس کرتا تھا۔ وہ منشور چودہ[14] واضح نکات پر مشتمل تھا۔ اسلام نے دُنیا کے سامنے انسانی مسائل کو حل کرنے کا یہ ۱۴ نکاتی فارمولا رکھا جو سورہ بنی اسرائیل میں بیان کیا گیا ہے وہ چودہ نکات کا منشور یہ ہے:

۱۔ صرف خُدا کی بندگی کی جائے اور اقتدارِ اعلیٰ میں اس کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

۲۔ تمدن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے، اولاد والدین کی فرمانبردار اور خدمت گزار ہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار ہوں۔

۳۔ معاشرے میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا جو لوگ وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیے جائیں۔

۴۔ دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مالدار دولت کو بری طرح فضول خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

۵۔ لوگ اپنے اخراجات کو اعتدال پر رکھیں۔ بخل کر کے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مشکلات پیدا کریں۔

۶۔ رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام کرنے والا ہی اپنی مصلحتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اس میں حتی الوسع مداخلت نہ کی جائے۔

۷۔ معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں۔ جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے آنے والی نسلوں کے لیے بھی وہی انتظام کرے گا۔

۸۔ خواہشِ نفس کو پورا کرنے کے لیے زنا کا راستہ بُرا راستہ ہے لہٰذا نہ صرف زنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے اسباب کا دروازہ بھی بند ہونا چاہیے۔

۹۔ انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے۔ نہ کوئی اپنے آپ کو قتل کرے اور نہ کسی دوسرے کو قتل کرے۔

۱۰۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے، جب وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں۔ ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

۱۱۔ عہد و پیمان کو پورا کیا جائے۔ انسان اپنے معاہدات کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

۱۲۔ تجارتی معاملات میں لین دین اور ناپ تول ٹھیک ٹھیک راستی پر ہونا چاہیے۔ اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

۱۳۔ جس چیز کا تمھیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔ وہم و گمان پر نہ چلو کیونکہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جواب دہی

کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

۱۴۔ نخوت اور تکبر سے پرہیز کرو۔ غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

ان چودہ[14] اصولوں پر حضور اکرمؐ نے اسلامی معاشرے کو اجتماعی طور پر استوار کرنے کا اعلان فرمایا اور ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کا معاشرہ اجتماعی طور پر ان اصولوں میں ڈھال دیا گیا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ تھا جس کی مثال نہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ ہی زمانہ اس کی مثال پھر اس کے بعد کبھی پیش کر سکا۔ اور جب تک ان اصولوں کو کسی معاشرے میں تعلیم و تربیت قانون و حکمت اور اجتماعی سیاسی قوت کے ذریعے نافذ نہ کر دیا جائے اصلاح معاشرے کے حقیقی تقاضے کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔

۸۔ نتائج ہجرت

حضور اکرمؐ کی ہجرت دعوتِ اسلامی کی کامیابی پر فتح ہوئی اور ہجرت کی یہ فطری خصوصیت ہے کہ وہ مومنین کو عزیمت اور کفار کو ہزیمت دیتی ہے۔ دعوتِ اسلامی پر سے کفار کا دباؤ اور تشدد کم ہوتے ہی دعوت ہمیشہ پوری قوت سے پھیلتی ہے اس لیے کہ اسلام کی فطرت میں قبولیت ہے۔ وہ انسان کی اپنی فطرت کی پکار ہے۔ کفر خلافِ فطرت طرزِ زندگی ہے اور اس زمین پر نظامِ فطرت نظامِ اسلامی ہی ہے۔ جب تک حق و باطل اور کفر و اسلام کا مقابلہ نہ ہو غیر جانبدار اور بے نیاز دنیا نہیں جان سکتی کہ خالص حق کہاں ہے لیکن جب دونوں آمنے سامنے اور مدِمقابل بن کر آئیں تو باطل مٹنے لگتا ہے اور اسلام پھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ جب تک چراغ غار کے اندر رہے اندھیروں کے لیے آزادی ہوتی ہے کہ دنیا پر چھائے رہیں۔ لیکن جب مشعلِ حق برسرِعام نمودار ہو جائے تو پھر اندھیرے اپنے ڈیرے ڈال نہیں سکتے خالص باطل کبھی پرورش نہیں پا سکتا۔ جب دعوت اسلامی میدانِ عمل میں نمودار ہوتی ہے تو اہلِ ایمان کی ضربوں سے مٹ جاتا ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی براہِ راست مداخلت سے فنا ہو جاتا ہے۔ البتہ حق کے نمودار ہونے کے بعد اس کا باطل کے مقابلے میں آنا ضروری ہے جب تک حق کو باطل سے ٹکرایا نہ جائے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے اور حق کو باطل سے ٹکرانے کے مرحلے سے پہلے کا مرحلہ ہجرت ہی ہوتا ہے۔

ہجرت، ایمان کا امتحان

ہجرت مسلمان کا امتحان ایمان ہے اور جب اس کا حکم ہوتا ہے تو سب کے لیے ہوتا ہے اس میں کسی کے لئے کوئی استثنا نہیں ہوتا ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

لیکن یہ اتنا آسان اس وقت تو بالکل نہیں تھا جب مکہ میں حضور اکرمؐ نے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے مکہ کے گلی کوچوں میں قریش کی تلواروں کے درمیان اسلام کو قبول کیا تھا۔ اسلام قبول کر کے قریش کے تشدد سے کوئی شخص بھی محفوظ نہ رہا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ جیسے بااثر اور متمول انسان کو بھی ان کے خاندان والوں نے چٹائی میں لپیٹ کر پیٹا اور چٹائی کو آگ سے سلگا کر انہیں دھوئیں اور آگ سے پریشان کیا تھا۔ وہاں تو عورتوں تک کی جان محفوظ نہ تھی۔ ابوجہل جیسے سنگ دل نے تو بی بی سمیہ کو نیزہ مار کر شہید ہی

کر دیا تھا کہ مکہ کی گلیاں روزانہ ایسے ہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ کہیں عمر بن خطابؓ اپنی بہن اور بہنوئی کو پیٹتے دکھائی دیتے تھے اور کہیں بلال حبشی تپتی ریت پر گھسیٹے جاتے تھے اور کہیں خباب بن ارت کوئلوں پر لٹائے جاتے تھے۔ غرض مکہ کا شاید ہی کوئی مسلمان ہو گا جو ظلم و ستم کے دو پاٹوں کے درمیان گندم کی طرح پیسا نہ گیا ہو۔ ہجرت کرنے والے مسلمان ہجرت سے پہلے اپنے شہر میں برسوں تک اپنے ایمان کا امتحان دے چکے تھے اور اپنا مخلص و خالص ہونا پوری طرح ثابت کر چکے تھے۔

اس جسمانی تشدد کے بعد ان پر دوسرا امتحان آیا اور یہ مال، تجارت گھر بار، عزیز و اقربا، اور وطن کی محنت قربان کرنے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں فقیر بن کر نکل جانے کا امتحان تھا۔ جب یہ امتحان سامنے آیا تو مکہ کے مسلمانوں نے یہ امتحان بھی درجہ اول میں پاس کیا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنی پیدائشی بستی سے انجان بستی کی طرف نکل گئے۔ حضرت ام سلمہ کا بچہ تک ظالموں نے چھین لیا کہ ہم اپنے قبیلے کا بچہ ساتھ جانے نہیں دیں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے سارے مال و متاع پر قبضہ کر لیا گیا کہ تم یہ سب کچھ ہمارے شہر سے کما کر دوسرے شہر میں لے جانے کا کیا حق رکھتے ہو۔ غرض بیٹا، ماں باپ سے ایمان کی خاطر بچھڑ گیا اور شوہر بیوی سے الگ ہو گیا۔ والدین بچوں سے بچھڑ گئے اور بھائی بھائیوں سے جدا ہو گئے۔ ہجرت نے گھر گھر میں مفارقت کے غم انگیز مناظر پیدا کر دیے۔ لیکن سب مسلمان اس امتحان میں پورے اترے کسی نے بھی گھر بار والدین بچے، بھائی بہن عزیز و اقربا کو چھوڑتے ہوئے راہ حق میں کمزوری نہ دکھائی ہر مسلمان عزیمت کا پہاڑ ثابت ہوا۔

یہ امتحان ابھی اپنے نتائج سمیٹ نہ چکا تھا کہ معرکہ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان سامنے آ گیا اب وہ جو مان جاتے تھے، تلواریں لیے سامنے کھڑے تھے۔ بھائی کے سامنے بھائی، چچا کے سامنے بھتیجا، باپ کے سامنے بیٹا، بھانجے کے سامنے ماموں، یوں ایک ہی تلوار کا وار دو جسموں کا ایک ہی خون بہا دینے کے لئے تیار تھا۔ بدر کے اس میدان میں سارے ہی رشتے شمشیر حق سے کٹ گئے تھے۔ حق کی تلوار بے لاگ چلتی ہے وہ اپنے مد مقابل خون کے رشتوں کو دیکھ کر بھی نہیں تھمتی۔ وہ دور کے لوگوں کو ساتھی اور رفیق بنا کر پہلو میں لا کھڑا کرتی ہے۔ جہاد کا میدان جب رضائے الٰہی کی خاطر گرم ہوتا ہے تو اس میں تعلق باللہ اور اخلاص فی سبیل اللہ کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ مہاجرین نے وہ امتحان اپنے پہلے ہی معرکے میں بدر کے مقام پر پاس کر لیا۔

جنگ کے بعد جب عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے والد سے مخاطب ہوئے۔

"ابا جان جنگ کے میدان میں آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے والد سمجھ کر چھوڑ دیا۔"

بیٹے کے باپ حضرت ابوبکر صدیق بولے۔ "بیٹا تم اپنے کفر میں بچے نکلے اگر تم میری تلوار کی زد میں ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔" انقلابی باپ نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کا امتحان پاس کیا تھا ان کے لیے آگے کے امتحان آسان ہو گئے تھے چنانچہ جس نے ہجرت سے قوت حاصل کر لی پھر اس نے ہر آزمائش کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور وہ ہر ابتلا سے ہنسی خوشی عہدہ برا ہوا۔ بلاشبہ ایمان جب انسان کے رگ و ریشے میں اتر جاتا ہے تو وہ ایسی کرامتیں دکھانے پر قادر ہو جاتا ہے۔

ہجرت، خدا کی بادشاہت کی طرف سفر

ہجرت درحقیقت طاغوتِ وقت سے قطع تعلق کر کے خدا کی بادشاہت کی طرف سفر کا نام ہے۔ عربوں کے دورِ جاہلیت میں بھی سال کے چار مہینوں کو محترم سمجھا جاتا تھا جس میں جنگ و جدل کو حرام قرار دیا جاتا تھا کہ حج کے لئے آنے والے حاجیوں کو آمد و رفت میں پریشانی اور حج سے واپسی میں جنگ کا خطرہ موجود نہ رہے۔ حدودِ حرم میں تو ویسے بھی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی ایک سنگین جرم شمار ہوتا تھا۔ عربوں کی اس روایت نے ان محترم مہینوں میں لوگوں کے لیے عرب کے طول و عرض میں آمد و رفت تجارت اور بیت اللہ کے سفر کو آسان بنا دیا تھا۔

بالآخر یہی محترم مہینے مسلمانوں کی ہجرت کے یادگار مہینے بن گئے ہجرت سے اسلام کی تاریخ میں بھی ایک انقلابی تبدیلی واقع ہو گئی۔ ہجرت کے بعد اسلام کی مظلومیت اور بیچارگی کا دور گزر گیا ہجرت کے نتیجے میں اسلام کو مدینہ جیسی ایک محبوب بستی میسر آ گئی جس میں حضور اکرم داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں نے خوشیاں منائیں دور تک آگے پہنچ کر آپ کا استقبال کیا۔ بچوں اور بچیوں نے دف بجا کر اور نعت کے پرمحبت گیت گا گا کر آپ کا خیر مقدم کیا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

"اللہ کا شکر کہ ان جنوبی سمت کے ٹیلوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا ہے۔"

اور یہ چودھویں کا چاند مدینے کی بستی پر ہی نہیں ساری دنیا پر طلوع ہوا تھا اور اس کی روشنی نے صرف مدینے کی بستی کو ہی منور نہیں کیا تھا بلکہ سارا عالم انسانیت اس سے روشنی حاصل کرنے والا تھا اور اس کی روشنی صرف انھیں ایام کے لیے نہیں تھی جب وہ سب کے سامنے موجود تھا بلکہ اس کی تابانی اور تنویر تا قیامت بنی نوع انسان کو صراطِ مستقیم دکھانے والی تھی۔

مدینے کے لوگ کتنے خوش نصیب تھے اور اس وقت کے بچے کتنے خوش بخت تھے جو محسن انسانیت کا سرکارِ مدینہ کی حیثیت سے استقبال کر رہے تھے انھیں محترم مہینوں میں حضور نے ہجرت کی۔ انہی محترم ایام میں آپ نے تقریباً ساڑھے تین سو میل کا سفر مکمل کیا۔ یہ سفر ہجرت عالم بیچارگی سے عالم آزادی و حریت کی طرف سفر تھا۔ یہ سفر دنیا سے جاہلیت کے دور کا خاتمہ کر کے تہذیبِ نو کا آغاز کرنے والا سفر تھا۔ یہ سفرِ ہجرت ایک نئے انسان کی پیدائش اور نئے تمدن کا افتتاحی سفر تھا اس سفر کے ذریعے دنیا علمِ حقیقی سے آشنا ہوئی۔ مخلوق نے اپنے خالق کو پہچانا۔ انسان نے انسان کے حقوق کا علم حاصل کیا اس سفر کے بعد خالق کائنات اور حاکمِ حقیقی کا حکم بندوں پر اسی طرح جاری ہوا جس طرح اس کا حکم پانی ہوا بادل زمین چاند سورج موسمِ گل اور بادِ بہاری پر جاری ہوتا ہے جس حکم میں انصاف ہے ربوبیت ہے، رزاقیت ہے، خیر و عافیت ہے، دست گیری ہے، ظلم سے نجات اور جھوٹے خداؤں کی بندگی اور چاکری سے رہائی ہے۔ جس حکم میں مظلوم کی دست گیری ہے۔ ظالم پر گرفت ہے اور گرنے والوں کے لیے سہارا ہے۔ جس حکم میں غریب کی پشت پر حق پرستی کی قوت ہے اور ظالم کی گردن پر حق و انصاف کی مضبوط گرفت ہے۔ اللہ کے رسول کا یہ سفرِ ہجرت درحقیقت خدائی کے جھوٹے دعویداروں کی دنیا سے اللہ کی واحد اور سچی بادشاہت کی طرف سفر تھا۔ اس ہجرت نے نور کو ظلمت پر اور صداقت کو جھوٹ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلبہ دیا اور اس ہجرت کے ذریعے انسان اپنی مستقل اور پائیدار انسانی قدروں سے آگاہ ہوا۔ ہجرت بلاشبہ اللہ کی حاکمیت کے راستے کا

عظیم الشان سنگ میل ہے۔

بے وطنی کا علاج، اصول مواخاۃ

ہجرت کا حکم ہوا تو مکہ کی طرف سے مسلمان آبادی کا بہاؤ مدینہ کی طرف ہو گیا۔ مکہ کے علاوہ بھی مسلمان جہاں جہاں تھے وہ سب اس نئے مرکز کی طرف رجوع کرنے لگے ایک مرکز پر جمع ہو جانے کے حکم نے سارے عرب قبائل میں منتشر مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور ایک اسلامی معاشرے میں سمٹ آنے پر آمادہ کر دیا۔

جو لوگ مکہ کے ظالم کفار کے ظلم و ستم سے پریشان ہو کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے وہ بھی نئے دار الہجرت کی اطلاع ملتے ہی بتدریج سمٹ سمٹا کر اس مرکز میں جمع ہونے لگے جہاں اللہ اور اس کے رسول اکرم کے احکام پر عمل پیرا ہونا ممکن تھا۔ مدینہ ہجرت کے ذریعے اسلام کا مرکز اعصاب بن گیا۔

ہر طرف سے مہاجرین کے بہاؤ نے مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں آباد کاری کے مسائل پیدا کر دیے۔ نئے آنے والے اپنے علاقوں سے کفار کے ظلم و ستم سے پریشان، لٹے پٹے ہجرت کرتے چلے آرہے تھے ان کے پاس کوئی ذرائع و وسائل موجود نہ تھے۔ ذاتی سامان روزمرہ کے استعمال کے لئے بھی میسر نہ تھا۔ کوئی روزگار نہ تھا صرف ایک مقصد زندگی کا عشق اور دین کی محبت کا سودا ان کے دل و دماغ میں موجود تھا شہر میں آبادی یکایک بڑھ جانے اور آنے والوں کی بدحالی کے نتیجے میں معاشی، معاشرتی اور اجتماعی بے شمار نوعیت کے متفرق مسائل پیدا ہو گئے جن سے مدینے میں وجود میں آنے والی مفلوک الحال لیکن سب سے پہلی اسلامی ریاست کو سابقہ در پیش تھا۔ اس بے سر و سامانی میں آتی بے گھر، بے روزگار آبادی کو اس کے پاؤں پر کھڑا کرنا نہایت دشوار کام تھا مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضورؐ کو یہی مسئلہ درپیش تھا۔ یعنی مہاجرین کی آبادکاری اور ان کے روزگار کا مسئلہ۔

حضورؐ کے کمالِ تدبر نے اس پیچیدہ مسئلے کو آسان ترین پیرائے میں نہایت خوب صورت طریقے سے حل کر دیا جس سے حکومت پر کوئی زاید بوجھ نہ پڑا حکومت اس وقت ابھی ایک تنکے کا بوجھ بھی سہار نہ سکتی تھی۔ خود سربراہ ریاست بھی مہاجر تھے۔ حضورؐ نے اس پیچیدہ انسانی مسئلہ کو باہمی اصول مواخات کے ذریعے حل کیا اور ساری نئی آبادی کا بوجھ ساری پرانی آبادی کے افراد کے ذمے تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ لگا دیا۔ مہاجرین کے فرد فرد کو انصار کے فرد فرد کے ساتھ بھائی چارے کے رشتے میں پرو دیا اور اس نئے رشتے کے حقوق مقرر کر دیے گیے اس نظریاتی برادری کے وجود میں آنے سے معاشرتی، معاشی اجتماعی، انفرادی اور اخلاقی سارے مسائل بیک وقت حل ہو گئے نئے آنے اور پرانے استقبال کرنے والوں کے لئے اجنبیت کی فضا محبت اور برادری کی فضا سے بدل گئی۔

بھائی بھائی بن جانے سے نئے آنے والوں کا بوجھ پرانی آبادی کے دلوں سے اتر گیا۔ اجتماعی فنڈ نہ ہونے کے سبب فرد فرد کا معاشی بوجھ فرد فرد پر پڑنے سے تقسیم ہو کر سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ جہاں چند افراد کی رہائش کا بندوبست پہلے سے موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ وہاں تنگی ترشی سے چند مزید افراد کو سمویا جا سکتا ہے۔ جہاں چند افراد کے کھانے پینے کا انتظام پہلے سے موجود ہو وہاں چند افراد کو اپنے کھانے پینے میں مزید شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے عصبیتیں دب گئیں مہمان اور میزبانی کی فضا پیدا ہو گئی گھر کے افراد کی طرح دل کھل گئے

اور جو نئے معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوئے تھے وہ حضور اکرم کی اس حیرت انگیز تدبیر سے سارے سُلجھ گئے۔ بھائیوں کی پرانی آبادی نے نئے بھائیوں کی نئی آبادی کو سنبھال لیا اور مہاجرین مدینے میں نہایت آسانی سے یوں سما گئے جس طرح مٹی میں پانی سما جاتا ہے۔

معاشی مسئلے کا حل

یوں تو مکہ کے مسلمان اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑنے، کاروبار لٹانے اور عزیز و اقربا کو ترک کرنے پر پہلے سے تیار تھے۔ وہ کفار کی پیدا کردہ ظلم کی فضا اور تشدد کی چلتی ہوئی چکی سے نجات پانا چاہتے تھے۔ وہ دشمنانِ حق کو میدان مبارزت میں کھلم کھلا للکارنا چاہتے تھے لیکن ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے جن کو ہجرت کے ساتھ کاروبار کا خاتمہ، پردیس میں بے سہارا ہونے کا اندیشہ، معاشی بے روزگاری سے دوچار ہونے کا خطرہ اور بھوکوں مرنے کا غم اندر ہی اندر کھائے جاتا تھا جن کے اندر ایمان نے پوری طرح ابھی گھر نہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاشی اندیشوں کو زائل کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

"اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

(العنکبوت ۶۲)

اس طرح اللہ نے ان لوگوں کو تسلی دی جو معاشی پریشانی کے اندیشوں سے پریشان اور اس کے غم میں غلطاں و حیراں تھے۔ قرآن نے انھیں بتایا کہ تم جہاں جاؤ گے تمہارا رب تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ تمہارے لیے رزق فراہم کرے گا۔ آخر جنگلوں کے جانور بھی ہیں جن کی خوراک اللہ تعالیٰ انھیں فراہم کرتا ہے سمندروں اور دریاؤں کے جانور بھی ہیں وہ بھی اپنے مالک سے رزق پاتے ہیں۔ آخر وہ مالک اپنے راستے میں گھر بار چھوڑ کر نکلنے والے مخلص بندوں کو رزق سے کیوں محروم کرے گا۔ اپنی مخلوقات کو پالنا تو خود اللہ نے ہی اپنے ذمے لے رکھا ہے اس کے پالنے سے ہی اربوں اور کھربوں حیوانات اپنی اپنی مطلوبہ غذا کے ساتھ پل رہے ہیں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو جو معاشی تفکرات میں غلطاں رہتے اور اپنے معاشی اندیشوں سے اللہ کے دین کا ساتھ دینے سے ہچکچایا کرتے تھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

"دیکھو تم خدا اور دولت دونوں کی بیک وقت خدمت نہیں کر سکتے اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے، کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں اور نہ کاٹتے ہیں اور نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں اور پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔

تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم کن چیزوں کے محتاج ہو۔ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو۔ یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔ کل کے لیے فکر نہ کرو۔ کل کا دن اپنی فکر آپ کرے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔" (متی باب ۶)

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حق پرستوں کے راستے میں حق کی دعوت دیتے ہوئے ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب ایک حق پرست انسان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ مادی اسباب کے سارے سہارے توڑ کر اور انہیں نظر انداز کرکے صرف اور محض اللہ کے بھروسے پر حق کے لیے جان جوکھوں میں ڈال دے اور جان کی بازی لگا دے۔ ظاہر ہے کہ فیصلہ کن مرحلے پر جو لوگ حساب کرنے بیٹھتے ہیں اور گن گن کر مستقبل کے نفع و نقصان کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے سارے مفادات کے پیشگی تحفظات تلاش کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھا سکتے اور نہ انہوں نے تاریخ میں اب تک کوئی انقلابی کام کیا ہے البتہ جو لوگ فیصلہ کن مرحلے میں جان ہتھیلی پہ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ادھر خطرے کو بے دھڑک برداشت کرتے ہیں ان کی قربانیوں سے ہی اللہ کا کلمہ بلند ہوتا اور اسلام کا جھنڈا لہراتا ہے۔

ہجرت ایسے ہی تاریخی مواقع میں سے ایک اہم موقعہ ہوتا ہے جب بندہ مومن حق کے لیے کیے ہوئے اپنے دعوے کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے اور جب وہ اللہ کے راستے میں سب کچھ لٹا کر نکل کھڑا ہوتا ہے تو پھر بدر سے کر فتح مکہ اور فتح خیبر تک کے سارے مراحل ایک ایک کرکے طے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہجرت بلاشبہ بندۂ مومن کی ایک بھاری آزمائش ہے اور اس میں سے گذر کر ہی وہ اللہ کی رضا حاصل کرتا اور دین کا پرچم لہراتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اقدام کرتے ہوئے مومن کے پیشِ نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ جس کے دین کے لیے ہجرت کا اقدام ہے اس کے ذمے معاشی مسئلے کا حل بھی ہے۔ بظاہر یہ طرح مادی نقطۂ نظر سے مختلف ہے لیکن اسلام نے بھی تو مادہ پرستی کی بجائے خدا پرستی کا ہی حکم دیا ہے۔

قانونی تعلقات اور ہجرت

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینے میں ابتدائی طرز کی ایک اسلامی ریاست وجود میں آگئی جس کے ذریعے مسلمانوں کو ایک جائے پناہ فراہم ہو گئی ہجرت کے اس عمل نے تمام مسلمانوں کے لیے جو دور و نزدیک کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ اگر وہ ہجرت کرکے مدینہ میں پہنچ جاتے ہیں تو اُن کو اسلامی ریاست کے باشندے ہونے کی حیثیت سے اسلامی سوسائٹی کے محترم شہری کا ممتاز مقام حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ہجرت کرکے دارالاسلام میں نہیں پہنچتے تو ان کی حیثیت بالکل مختلف ہو جاتی ہے ان کی کوئی ذمہ داری اسلامی ریاست پر قائم نہیں ہوتی ان کا اخلاص اور ایمان بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تو مسلمانوں میں بعض لوگوں کے لیے اس وقت ہجرت نہ کر سکنے کے متعدد وجوہ بھی ہو سکتے تھے یہ وجوہ بعد میں بھی ہر دور میں ہجرت کرنے والوں کو پیش آسکتے ہیں اگر کسی کے ہجرت نہ کرنے کی یہ وجہ ہو کہ اس کے لیے حکم رسول اور ارشاد خداوندی کے باوجود اپنے گھر بار، کاروبار، عزیز و اقربا، کھیتی باڑی، مال و اسباب اور شہر چھوڑنا مشکل ہو تو یہ صریحاً نفاق ہے جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بالکل منافی ہے۔ قرآن ایسے مسلمان کہلانے والوں کو مسلمان تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے بلکہ وہ ان کو منافق قرار دیتا ہے اس لیے کہ وہ کفار کے جبر سے مسلمانوں کے

صاف وہ ساری کارروائیاں کرنے پر مجبور رہتے ہیں جو کفار مسلمانوں کے خلاف کرتے ہیں۔

ہجرت نہ کرنے والوں میں دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہو سکتی ہے جو کفار میں گھر گئے ہوں وہ ہجرت تو کرنا چاہتے ہیں لیکن ہجرت کر نہیں سکتے۔ مجبور ہیں معذور ہیں، کمزور ہیں، دل سے ایمان رکھتے ہیں مسلمانوں کے خلاف کفار کی کارروائیوں سے اجتناب کرتے ہیں بلکہ حتی الوسع مسلمانوں کو ان سے آگاہ بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کفار میں رہنے پر ہرگز راضی نہیں ہیں لیکن مجبور و معذور ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو قرآن مستضعفین یعنی ضعفا اور کمزور مسلمان قرار دیتا ہے اور اسلامی حکومت کے ذمے یہ فریضہ لگاتا ہے کہ وہ انکی رستگاری کی کوشش کرے ان کو کفار کے نرغے سے چھڑائے ان کو پناہ فراہم کرے اور کفار سے مذاکرات یا جہاد کے ذریعے ان مسلمانوں کی امداد کرکے انھیں اسلامی فضا مہیا کرے۔

کافروں کے زیر غلبہ رہنے والے تیسری قسم کے وہ مسلمان ہو سکتے ہیں جو کافروں کے ساتھ اپنی مجبوریوں کے سبب رہتے ہیں ان کو کفار کے درمیان خوف و خطر تو کوئی نہیں ہوتا البتہ انھیں اخلاقی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر اسلامی حکومت کا اس کافر حکومت سے معاہدہ ہو تو اس معاہدے کی پابندی ضرور کی جائے گی البتہ انھیں اخلاقی تحفظ مہیا کرنے کے معاہدے کے اندر رہتے ہوئے کوشش بھی کی جائیگی۔

ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت صرف ان شہریوں کی ذمہ داری لے سکتی ہے جو اس کی حدود میں رہتے ہوں اس کی حدود سے باہر رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری کا بار اس کے سر پر نہیں آ سکتا چنانچہ حضورؐ نے فرمایا تھا:

"میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔"

بن اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ایسے مسلمان جن کا اخلاص تو ثابت ہے لیکن ان کی کمزوری کی وجہ سے وہ کوئی بڑا قدم اٹھانے سے قاصر ہیں انھیں اسلامی حکومت کی اگر سیاسی حمایت حاصل نہیں ہو سکتی تو پھر اخلاقی حمایت بھی حاصل نہ ہو۔ عقل و ایمان و دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں اخلاقی حمایت تو ضرور حاصل ہونی چاہیے اس لیے کہ دینی اخوت کے رشتے سے بہر حال وہ خارج نہیں ہوتے ہیں۔ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ وہاں سے ہجرت کرنے پر بھی قادر نہ ہوں تو اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالسلام کی حکومت اور اس کے باشندے ان کی مدد کر سکتے ہیں البتہ ان کی مدد کا فریضہ اندھا دھند سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی ذمہ داریوں معاہدات اور اخلاقی حدود کا لحاظ اور اہتمام ضرور رکھا جائے گا۔

معاہدات کو نبھانے کے بارے میں بھی اسلامی حکومت کی حدود کے اندر رہنے والے مسلمان ذمہ دار ہوں گے اس کی حدود سے باہر رہنے والے مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ یہی سبب ہے کہ مدینہ کی طرف ہجرت کے ایام میں جو معاہدہ حضور اکرمؐ نے صلح حدیبیہ کی صورت میں کفار مکہ سے کیا تھا۔ اس کی کوئی ذمہ داری حضرت ابو بصیر اور ابو جندل پر عائد نہیں ہوئی تھی چونکہ وہ اسلامی حکومت کی رعایا نہیں تھے اسی لیے انہوں نے اپنا آزاد کیمپ لگا کر کفار کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ بالآخر قریش کو معاہدۂ حدیبیہ میں سے وہ شق خود ختم کرنی پڑی جو مسلمانوں کو بہت ناگوار تھی یعنی اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا اور اگر کوئی کافر مکہ سے مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔

درحقیقت ہجرت ایک ایسا عظیم انقلابی اقدام ہے جس کے نتیجے میں بہت سی قانونی اور دستوری صورتیں بدل جاتی ہیں۔ ہجرت کرنے اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان میں زبردست قانونی اور دستوری فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ہجرت کرنے والا مسلمان ہجرت نہ کرنے والے سے رتبے، حقوق اور حیثیت میں ممتاز اور ممیز مسلمان شمار ہوتا ہے۔

بالاتر مرکز وفاداری

ہجرت باطل کے تسلط سے بغاوت کر کے خدا کی بندگی اختیار کرنے کا کھلم کھلا اعلان ہے۔ ہجرت ملک و ملت، برادری نسل قبیلہ اور وطن خون کے رشتے اور گروہی عصبیتوں کے خلاف کامیاب اقدام ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر شخص کے لیے اس کا ملک ایک عزیز خطہ زمین ہوتا ہے جس سے ایک انسان کو بے حد محبت ہوتی ہے۔ بلاشبہ ہر شخص کے لیے اس کی قوم ایک حد درجہ عزیز گروہ ہوتا ہے جس کے ساتھ انسان خون کا تعلق رکھنے کے سبب بے حد محبت کرتا اور اس سے جدا ہونا کبھی گوارا نہیں کرتا، بلاشبہ وطن کی بہتری اور بھلائی کے لئے انسان ہمیشہ بڑی بڑی قربانیاں دیتا رہا ہے۔ بے شک وطن انسان کے لئے ایک محبوب شے کا نام ہے اور اس کا نام آتے ہی ایک مسافر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی مدینہ میں آ کر مکہ کے شب و روز کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک مسافر کو اپنے وطن کی چڑیوں، کوؤں اور پرندوں تک سے محبت ہوتی ہے لیکن ہجرت کے ذریعے اسلام اپنے ماننے والوں کو محبت و الفت کا ایک بلند ترین معیار اور نصب العین عطا کرتا ہے وہ معیار خدا و رسولؐ کی محبت ہے۔ نظریے اور مقصد زندگی کی محبت ہے۔ دوسری چیزوں کی محبت اگر نظریے کی محبت کے ساتھ ساتھ چلے تو اسے زندہ رکھنے، پرورش کرنے اور پروان چڑھنے کا حق حاصل ہے لیکن اگر دوسری چیزوں کی محبت اسلام کے نظریے کی محبت سے ٹکرا جائے تو اسلام اپنی محبت کو دوسری ہر محبت سے زیادہ فائق اور لائق ترجیح قرار دیتا ہے۔ خدا و رسولؐ کی محبت کے لئے قوم کو چھوڑا جا سکتا ہے وطن اور ملک کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ بلکہ اگر وہ خدا اور رسولؐ اور اسلام کی محبت میں رکاوٹ ڈالیں تو ان کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں بے سروسامان نکل کھڑے ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ یہی ہجرت کی حکمت اور اس کی شانِ ایمان ہے

دنیا میں لوگ ملکوں کے لیے جانیں قربان کرتے ہیں اور ملک و وطن کو خدا کی طرح پوجتے ہیں لوگ قوم اور ملت کی محبت کو نیشنلزم کا نام دے کر اسے ہر چیز سے بالاتر قرار دیتے ہیں اور اس کی محبت میں انسانیت کے خلاف خوفناک لڑائیاں لڑتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان خدا کے سوا کسی اور شے کو نہیں پوجتا اور رسول اکرمؐ کے سوا اور کسی کو اپنا رہنما اور ہادی قرار نہیں دیتا۔ وہ ہمیشہ انھیں کے احکام کی پیروی کرتا ہے ہجرت نے ساری دنیا پر مسلمانوں کے اس مسلک کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ مسلمان ملک کا وفادار ہے، وطن کا دوست ہے قوم کا خیر خواہ ہے۔ لیکن جب تک یہ چیزیں اس کی بالاتر محبت خدا اور رسولؐ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اگر یہ چیزیں خدا کی محبت کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں تو ایک مومن ان کو اپنے راستے سے روڑے کی طرح ہٹا دیتا ہے۔ یہ بات حضور اکرمؐ نے اپنے عمل سے اور صحابہؓ کرام نے حضورؐ کے حکم پر ہجرت کر کے ساری دنیا پر ہمیشہ کے لیے واضح کر دی ہے۔ چنانچہ ہر ملک، وطن اور ملت مسلمان کی حدِ وفاداری سے خوب آگاہ ہے مسلمان کے مذہب میں خدا کے سوا پرستش کسی کی بھی نہیں ہے۔ پرستش صرف خدا کی ہے اور پیروی صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور سیدھا راستہ صرف دین اسلام ہے جس پر چل کر انسان خدا کی رضا کو پا سکتا ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہجرت کے اقدام نے ساری دنیا کے سامنے پوری طرح بے نقاب کر دی ہے۔

جینے کا حق

ہجرت نے دعوتِ اسلامی کی ۱۳ سالہ صورتِ حال کو یکسر بدل دیا۔ جو لوگ مظلوم تھے انھیں مقام مظلومیت سے نکل جانے کا موقع مل گیا وہ کافروں کی دست برد اور جبر و تشدد سے آزاد ہو گئے۔ ہجرت کی برکت سے انہوں نے ایک آزاد اور اطمینان بخش فضا میں پہنچ کر آزادی کا سانس لیا۔ مدینے کے نئے مرکز میں پہنچ کر ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ سابقہ صورتِ حال میں اپنے طرزِ عمل پر غور کریں اور اب کوئی نیا لائحہ عمل سوچیں۔ اب ظلم و ستم سہنے اور اس پر خاموشی سے صبر کر لینے کا دور گزر گیا تھا ہجرت کے نتیجے میں اب مسلمان ظالموں کے خلاف ہاتھ اٹھا سکتے تھے اور حق و صداقت کے باغیوں سے انتقام حق لے سکتے تھے۔ ہجرت کے ذریعہ اب انھیں کفر کا مقابلہ قوت کے ساتھ کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔

قریش پہلے کی طرح ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو شاید نرم چارہ سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے یکے بعد دیگر مسلمانوں کو دھمکیاں دینی شروع کیں۔ مدینے کے مضافات میں مسلمانوں کے مویشیوں پر ڈاکے ڈالے۔ مدینے کے اندر منافقین سے روابط پیدا کر کے انھیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ عبداللہ بن ابی جیسے دشمن اسلام کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمیوں کو پناہ دی ہے انھیں نکال باہر کرو ورنہ ہم حملہ کر کے تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنائیں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کریں گے۔ وہ منافق بھی قریش کی شہ پر یونہی سوچنے لگا لیکن حضورؐ نے موقعہ پر پہنچ کر دھمکایا جس سے وہ دبک گیا۔ اس کے بعد پھر کسی سازش کو بروئے کار لانے کی جرأت اسے نہ ہوئی۔ سازش کا قلع قمع، سازش کا انکشاف اور بزدل سازشیوں کے خلاف قوت کا مظاہرہ کرنے سے ہی ہوتا ہے۔

ہجرت کو ابھی پورا سال بھی نہ گزرا تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح مدینہ میں جمنے بھی نہ پائے تھے کہ قریش نے مسلمانوں کو للکار دیا لیکن اب مسلمان مکے کے مظلوم لوگ نہیں تھے اب ہجرت کے بعد وہ آزاد فضا میں پہنچ گئے تھے اور انھیں انتقام حق لینے کی اجازت مل گئی تھی شعبان دو ہجری میں قریش کا ایک قافلہ ۵۰ ہزار سے زیادہ اشرفی کا مال لے کر مدینے کے قریب سے گزرا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کی زد میں ہونے کے خوف سے قریش کی طرف احتیاطاً ایلچی دوڑا دیا کہ وہ قافلہ کی حفاظت کے لیے پہنچ جائیں ایلچی کے دہشت ناک پیغام سے متاثر ہو کر ابوجہل ایک ہزار کے لگ بھگ جنگ جو آہن پوش لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا جس شان سے وہ لشکر آیا تھا اگر مسلمان اس کا نوٹس نہ لیتے تو پھر ان کی ایسی ہوا اکھڑتی کہ صحرائی قبائل اور یہودی اور منافقین مسلمانوں کو مدینہ میں بھی اطمینان سے نہ رہنے دیتے اور ان کے لیے پنپنا مشکل ہو جاتا۔ یہ ایسا موقع تھا کہ مسلمانوں اور اسلام کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا مقابلے میں نہ نکلیں تو قبائل مسلمانوں کو مدینے میں سے اچک لے جائیں اور نکلیں تو مسلمان جس کس مپرسی اور غربت کی حالت میں تھے وہ حالت کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ چنانچہ حضور اکرمؐ جیسے مدبر اور بہادر قائد کا فیصلہ یہی تھا کہ میدان جنگ میں مقابلہ ہوگا اور تجارتی قافلے پر قبضے کی بجائے میدانِ جنگ گرم ہوگا۔ پھر اس کے بعد قدرت جس کو مہلتِ زندگی دے گی وہ زندہ رہے گا اور جس کے مقدر میں فنا ہوگی وہ اس سے دوچار ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معمول کے مطابق اس امر میں اپنے صحابہؓ سے بھی مشورہ لیا تو مہاجرین میں سے

حضرت مقداد بن عمرو رضؓ نے اُٹھ کر کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جدھر آپؐ کا رب آپؐ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں جب تک ہم میں ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔ ہم آپؐ کا ساتھ دیں گے۔"

پھر انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضؓ اُٹھے اور انہوں نے کہا:

"یا رسول اللہؐ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں آپؐ نے جو کچھ ارادہ کر لیا ہے اسے کر گزریے۔ خدا کی قسم اگر آپؐ سمندر میں کود دیں گے تو ہم آپؐ کے ساتھ کود دیں گے بس اللہ کے بھروسے پر ہمیں لے چلیے۔"

اس کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ کفار کا مقابلہ کیا جائے گا۔ میدانِ بدر کو گرم کیا جائے گا۔ اور جسے اللہ تعالیٰ جسے جینے کی مہلت دے گا بس وہی جئے گا چنانچہ ہجرت کے بعد اس پہلے ہی معرکے نے اسلام کے لیے جینے اور کفر کے لیے مٹ جانے کا فیصلہ سنا دیا۔

ہجرت، جہاد اور غلبہ

ہجرت کے نتائج میں ایک نہایت اہم نتیجہ دعوتِ اسلامی کے لیے جہاد بالسیف کے دروازے کا کھل جانا ہے یہ دروازہ مکہ مکرمہ میں بند تھا مسلمانوں کو سخت ترین اذیتوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ چھپ چھپ کر اجتماعات کرنے پڑتے تھے۔ بچ بچ کر دعوتِ دین اور تبلیغِ دین کا کام ہوتا تھا۔ کفار کی دہشت گردی نے سارا ماحول دہشت زدہ کر دیا ہوا تھا

جو لوگ اسلام لائے ہوئے تھے وہ کمزور اور ضعیف تھے تعداد میں کم، دنیوی مال و حشمت میں کمزور اور معاشرتی رتبے میں غیر نمایاں تھے چنانچہ کمزوروں پر سے طاقتوروں کا غلبہ کسی صورت کم نہ ہوتا تھا۔ اور جب وہ دیکھتے تھے کہ مظلوموں کی مصلحت انھیں ہاتھ اٹھانے اور مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو وہ اور بھی جری ہو جاتے تھے۔ شاید ہی کسی نبی اور اس کے ساتھیوں کو ان کی قوم نے ایسی سختیوں سے دوچار کیا ہو جیسے حضور اکرمؐ اور آپ کے بے بس اور کمزور ساتھیوں کو کیا گیا تھا۔ کون ہے جو تقریباً اپنا آبائی گھر چھوڑ کر بے وطن اور مہاجر ہوتا ہے لیکن مسلمان دو بار حبشہ کی طرف گئے اور بالآخر سب کے سب اپنا گھر بار چھوڑ کر حکم خداوندی سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تنگ فضا سے گھبرا کر طائف تک تشریف لے گئے تھے لیکن مکہ کی سنگلاخ چٹانوں کی سختی طائف کے پہاڑوں تک بھی جا پہنچی تھی اور حضورؐ وہاں سے بھی مایوس اور پریشان خاطر واپس تشریف لائے۔

مکہ نے جب اپنے پیارے اور صداقت شعار مکینوں پر اپنی سرزمین تنگ کر دی تو ہجرت کے حکم نے مظلوم مسلمانوں کے لیے مدینے کے راستے ہی نہیں بلکہ جہاد کے راستے بھی کھول دیے اور جو لوگ چپکے چپکے تبلیغ کرتے اور بے بسی سے مار کھاتے تھے اب وہ تلواریں سونت کر میدانِ بدر میں پہنچ گئے معرکہ بدر نے ثابت کر دیا کہ اب تک جو ظالم تھا اب اسے زمین پر مزید ظلم کرنے کا حق باقی نہ رہا

تھا اور جو مظلوم اور صابر تھا اس کے لیے زمین کی وسعت اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے اور زیادہ کشادہ کی جانے والی تھی تاکہ وہ اپنے رب کا کلمہ بلند کرے اپنے مالک کے گھر کا طواف کرے اور دنیا کو سلامتی کا راستہ دکھائے۔

ہجرتِ مدینہ نے جہاد کا دروازہ کھول کر حقیقت میں مسلمانوں کے لئے غلبہ کا دروازہ کھول دیا اور ظاہر ہے کہ مومن جب اپنی جان ہتھیلی پر لے کر میدانِ جہاد میں اترتا ہے تو ظالم کے سر چھپانے کی جگہ باقی نہیں رہ جاتی یہ بات تو بدر کے پہلے معرکہ نے ہی دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی کہ تاریخ کا پلڑا اب کس کی طرف جھک جانے والا تھا لیکن جن لوگوں نے ۱۳ سال تک صبر و حکمت کی تعلیم و تربیت مکہ کی گلیوں میں حاصل کی تھی اس تعلیم و تربیت کے کچھ سبق ابھی باقی تھے جو اُحد خیبر اور طائف کے معرکوں میں دیئے جانے والے تھے چنانچہ مکہ کے ۱۳ سالہ قیام میں جہاں ہجرت سے پہلے ایک بھی معرکۂ جہاد برپا نہیں ہوا تھا وہاں ہجرت کے بعد صرف ۹ سال کی مدت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸۲ معرکے برپا فرمائے اور ۲۸ میں تو خود بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے گویا مدینہ کے قیام میں سال میں نو بار لشکرِ اسلام حرکت میں آتا تھا اور ہر تیسرے ماہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے کر کفار کا تعاقب کرتے اور اسلام کے غلبہ کی خاطر سر ہتھیلی پر لے کر نکلتے تھے۔

اس طرح ہجرت نے جہاد کا راستہ صاف کیا اور جہاد نے غلبہ دین کا راستہ ہموار کیا اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ دین کے غلبہ کے لیے سر ہتھیلی پر لے کر نکلنے کا نسخہ ہی وہ مجرب نسخہ ہے جو ہر دور میں کارگر ثابت ہوتا رہا ہے ساتھیوں کو جمع کرنے کے لیے جسے جتنی مدت درکار ہو وہ اتنی مدت عدم تعرض کی حکمت کے تحت معاشرے میں سے اپنی ضرورت کا انسانی مال چھانٹ سکتا ہے اور اس چھانٹی کے لیے وہ جس قدر مدت لے گا اس ذریعے سے وہ صرف اپنی ابتدائی قوت ہی مہیا کرے گا البتہ جب بھی وہ انقلابِ اسلامی کے لیے اپنا آخری فیصلہ کرے گا تو اسے جہاد کا راستہ ہی اختیار کرنا ہوگا۔ جہاد کا راستہ ہی درحقیقت غلبہ حق کا راستہ ہے۔ رسولؐ اکرم کے انقلابِ اسلامی نے حضور کی سنتِ اقدس کا یہی رُخ زمانے کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور اسی رُخ نے زمانے کا رُخ بھی بدلا ہے تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کی طویل سے طویل مدت جسے ساڑھے نو سو سال تک بھی کھینچا جاسکتا ہے ہجرت اور جہاد کے بغیر صرف تبلیغِ دین کے مرحلے تک ہی محدود رہتی ہے غلبہ دین کا مرحلہ جہاد کے بغیر اس کی دسترس سے باہر رہتا ہے۔

ہجرت، تشکیل اجتماعیت کا ذریعہ

رسول اکرم کی ہجرت نے یہ موقع بھی مہیا کر دیا کہ مسلمان اپنی اجتماعیت کی تشکیل کر سکیں اور اسلام کے اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے احکام کو اپنی انفرادی زندگیوں میں نافذ کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی زندگی ایک اجتماعی اور معاشرتی زندگی تھی اب وہ سارے فرائض اور حقوق پوری وسعت کے ساتھ باہمی ایک دوسرے پر عائد ہوتے تھے جو اسلامی معاشرتی زندگی کا خاصہ ہیں۔ مدینہ میں مسلمانوں کو اسلامی معاشرتی زندگی کا پہلا اجتماعی تجربہ درپیش تھا ہجرت نے انہیں ایک نئے ماحول والے اسلامی معاشرے میں لا بٹھایا تھا اور ان کے لیے لازمی تھا کہ وہ اسلام کی معاشرتی زندگی سے آگاہ ہوں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر ہی مسلمانوں کو جمع کرکے ان سے خطاب فرمایا اور ان پر اسلامی معاشرہ میں اجتماعی زندگی کے باہمی حقوق واضح

فرمائے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا ...... :

" ایہا الناس! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق ادا کرو اور اس کے بندوں کے حقوق بھی ادا کرو۔ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کے حقوق کیا ہیں؟ یاد رکھو کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چار حقوق ہیں :

۱۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔

۲۔ جب وہ تکلیف میں ہو تو اس کی اعانت کرے۔

۳۔ جب وہ مدد چاہے تو اس کی مدد کرے۔

۴۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرے۔

اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے مسلمانو! ایک دوسرے کی مدد کرو اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ایک دوسرے کا مال بے جا غصب نہ کرو۔ ایک دوسرے کو بے عزت نہ کرو۔ یاد رکھو کہ اپنے غریب مسلمان بھائی کو حقارت سے دیکھنا سب سے بُری برائی ہے۔"

پھر آپؐ نے اپنے اس خطبے میں اولاد کے حقوق والدین پر بیان فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا :

"مسلمانو! تم پر تمہاری اولادوں کے بھی حقوق ہیں جس کسی کے اولاد پیدا ہو اسے چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے اس کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے کوشش کرے۔ جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے اور کسی بے جا رسم کی وجہ سے شادی میں تاخیر نہ کرے۔ اولاد کو ادب سکھانا اور عقل و تمیز اور تہذیب و شائستگی کی تعلیم دینا والدین کا فرض ہے۔"

پھر آپؐ نے فرمایا :

"مسلمانو! جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو اسے نماز کی تاکید کرو جب دس برس کی ہو جائے تو نماز کے لیے تنبیہ کرو اس لیے کہ نماز عظیم الشان عبادت ہے جو شخص اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس کی روح سنور جاتی ہے اور وہ اپنے مال کو مسکینوں اور محتاجوں کے لئے خرچ کرتا ہے مصیبت میں صبر و استقلال سے کام لیتا ہے اور راحت میں خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے ہمسائے کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

" اے مسلمانو تم پر ہمسائے کے حقوق بھی ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اپنے ہمسایوں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ ان کو تکلیف نہ دو جو انہیں تکلیف دیتا ہے وہ اپنے لیے آگ کا عذاب تیار کرتا ہے۔ جس شخص کی برائیوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے اس میں ایمان نہیں ہے۔ ہمسایوں میں زیادہ حق اس کا ہے جس کا دروازہ

تمہارے قریب ہے۔ جو شخص عبادت تو کرے لیکن اس کا ہمسایہ اس سے تنگ ہو اور اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ دوزخ میں جائے گا۔"

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان معاشرے میں والدین کے حقوق بیان کئے۔

آپؐ نے فرمایا:

"اے حاضرین! اولاً یہ ماں باپ کے بھی حقوق ہیں خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو والدین کو ہوتا جب وہ ضعیف ہوں تو تم اُن سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ ان کے سامنے اُف بھی نہ کرو نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ جو کچھ کہنا ہو نہایت ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ کہو۔ ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ اے پروردگار جس طرح وہ میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں تو بھی ان کے حال پر رحم فرما۔ والدین کو ہمیشہ آرام پہنچاؤ۔ ان کی اطاعت کرو یاد رکھو کہ خُدا کی رضامندی باپ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور خدا کا غصہ باپ کے غصے سے وابستہ ہے جو شخص ماں باپ کو خوش کرتا ہے۔ اس کے لیے آخرت میں بھلائی ہے اور جو ان کو ناراض کرتا ہے اس کے لئے دنیا و آخرت کی برائی ہے یاد رکھو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی عزت کرو اور ان کی خدمت کرو۔"

ان اجتماعی تعلقات کی ہدایات کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی معاشرہ کا آغاز فرمایا اور انہی تعلیمات کی بنیاد پر دنیا کا یہ مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔

۹۔ ہجرت اور اسلامی انقلاب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلامی کی ۲۳ سالہ جدوجہد میں ایک اہم موڑ ہجرت کا واقعہ ہے مؤرخین نے اس اہم واقعہ کی طرف کوئی قابلِ ذکر توجہ نہیں دی ہے۔ بہت سے عملی پہلو جن کا تعلق حکمت انقلاب سے ہوتا ہے انہیں معجزاتی دائرے میں رکھ دینے سے عقیدت و تقدس کا ذوق تو پورا ہو جاتا ہے لیکن حضور اکرم جو رحمۃ للعالمین کے ساتھ ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں اور آپؐ کا لایا ہوا دین ہی آخری دین اور پوری انسانیت کے لیے رہنمائی و ہدایت کا ذریعہ ہے اگر یہ دین بھی اپنی پوری شان اور خصوصیت کے ساتھ نافذ اور قائم نہ ہو تو پوری انسانیت گمراہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس پہلو کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

دین اسلام ایک عملی نظامِ زندگی ہے، یہ پوری انسانیت کا دین ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری دینِ انسانیت ہے اسی کے قیام و نفاذ پر پوری انسانیت کے امن و سلامتی کا دارومدار ہے۔ یہ قائم نہ رہے تو اسلام کا عملی نمونہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر محض کتابیں اور دینِ حق کی عملی برکات سے محروم و مقہور مسلمان ہی باقی رہ جاتے ہیں جن کے پاس اپنے دین کی حقانیت کے لئے صرف کتابیں اور کلامی دلائل ہی ہوتے ہیں لیکن دنیا کی کتنی آبادی صرف کتابیں اور کلامی دلائل سے قائل ہو کر کسی شے کو زندگی بھر کے لیے اختیار کر سکتی ہے اور اس کی خاطر اپنے سابقہ ادیان کو چھوڑ سکتی ہے یہ بات قابل غور ہے جبکہ خود دین اسلام پر بھی اس کے نفاذ کے بغیر بہت کم حصے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

دنیا سے اسلام کی حقانیت منوانے اور اس کی ابدیت ثابت کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جائے اور عملی نمونہ اگر موجود نہ ہو تو تبلیغِ اسلام کا ہی یہ سب سے بڑا شعبہ ہے کہ اس نمونے کو دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں مہیا کر کے دنیا کے سامنے اسے رکھا جائے۔ اگر مسلمان اسلام کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے نہ رکھیں نہ اپنی زندگیوں میں اسے رواں دواں دکھائیں نہ اپنے کسی معاشرے میں اسے نافذ و قائم کریں اور نہ اس کی اجتماعیت کی برکات کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں تو دنیا کو گمراہی سے بچانا جو مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے یہ کبھی ادا نہیں ہو سکتا اور اگر مسلمان یہ فریضہ ادا نہ کر سکیں تو دنیا کی گمراہی کی ذمہ داری پہلے مسلمانوں پر اور پھر دوسرے درجے میں گمراہ ہونے والوں پر عائد ہوتی ہے۔

اس لیے دعوتِ اسلامی کا ہی یہ داخلی تقاضا ہے کہ اگر دین قائم و نافذ نہ ہو تو اُسے قائم کرنے کا طریقہ خود اس کی تعلیمات میں موجود ہو اور حضورِ اکرمؐ کی نسبت سے ثابت و معلوم ہو ورنہ اگر اسلام ایک دفعہ نافذ نہ رہے اور پھر مسلمان اسے کبھی بھی نافذ نہ کر سکیں اور نہ ہی ان کا دین انھیں اپنے نفاذ کے بارے میں کوئی رہنمائی دے سکے تو پھر ایسے دین کے بارے میں آخری اور کامل دین ہونے کا دعویٰ دنیا کیسے تسلیم کر سکے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی سیرتِ پاک نفاذِ اسلام کی جد و جہد کی ایک مکمل داستان ہے۔ حضور اکرمؐ کا طریقِ عمل نفاذِ اسلام کا ہی طریقِ عمل ہے اور اس ۲۳ سالہ کشمکش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و بصیرت کے ساتھ ساتھ عملی جد و جہد اور مشکلاتِ راہِ حق کو جرأت مندانہ انداز میں انگیز کرنے سے ہی وہ طریق کار واضح اور متعین ہوتا ہے۔

حضور اکرمؐ کی دعوتِ اسلامی کی جد و جہد میں فرد کی تیاری کا مرحلہ بڑا قابلِ غور ہے حضورِ اکرمؐ ایک عام عرب کو کلمہ توحید پڑھانے کے بعد وہ انسان بنا دیتے ہیں جسے ہم "صحابیٔ رسولؐ" کہتے ہیں وہ شخص اسلام قبول کر کے اخلاق و کردار کا ہمالہ اور سیرتِ صالحہ کا بہترین نمونہ بن جاتا ہے۔ پھر اسے دنیا کی کسی بھی قوم کے بہتر سے بہتر فرد کے مقابلے میں پیش کر کے اخلاقی اور عملی لحاظ سے برتر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کلمہ پڑھتے ہی وہ ایثار و قربانی کا پتلا بن جاتا ہے۔ عزیز و اقربا دوست احباب سے اپنے کلمہ کی خاطر کشمکش ہوتی ہے تو وہ پوری برادری اور خاندان کو تج کر دولتِ ایمان سمیٹ لیتا ہے اور جب دشمنوں کی طرف سے اذیت کا سامان مہیا ہوتا ہے تو وہ گرم سلاخوں سے داغا جاتا ہے۔ پتھروں کے نیچے کچلنا، تپتی ریت پر لیٹنا اور سرِ عام پٹیا جانا گوارا کرتا ہے لیکن جس چیز کو اس نے ایک بار حق جان لیا اور مان لیا ہے اس سے بے وفائی کرنا اسے کسی صورت گوارا نہیں ہوتا۔

یہی فردِ اسلامی انقلاب کی عظیم الشان عمارت کی پہلی اینٹ ہے یہ پختہ اینٹ جب کسی انقلاب کو مہیا ہو جاتی ہے تو پھر کوئی طاقت اس انقلاب کو میدانِ جنگ میں ہرا نہیں سکتی۔ حضورِ اکرمؐ فرد کی تیاری کے ساتھ ساتھ ان میں تعلیم و تربیت کے ذریعے ایک حیرت انگیز اجتماعیت بھی پیدا فرماتے ہیں۔ وہ اجتماعیت جوان کو جوڑ کر بنیانِ مرصوص بنا دیتی ہے جو انھیں باہمی مل کر دنیا کا ہر دکھ سہہ جانے کے قابل کر دیتی ہے جس میں معروف میں اپنے سردار کی مکمل اطاعت ہے اور منکر میں اس کا احتساب و مواخذہ ہے جس اجتماعیت میں ایک فرد دوسرے کا دینی بھائی ہے جو خون کے بھائی سے زیادہ عزیز اور قریب ہے۔ یہ اجتماعیت ان کو مل کر رہنا، ایک دوسرے کے غم میں شریک ہونا، ایک دوسرے کے نقصان سے رنجیدہ اور نفع سے خوش ہونا سکھاتی ہے۔ یہ اجتماعیت انہیں باہمی حقوق و فرائض کی ایک ایسی لڑی میں پرو دیتی ہے کہ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہے اور اگر ہر شخص اپنے فرض کو ادا کرے تو پوری اجتماعیت میں فرد فرد کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں اور یہی اجتماعیت

میں باہمی حقوق کی ادائیگی کی ضمانت موجود ہو اس اجتماعیت کی قوت و استحکام کو متزلزل کرنا آسان کام نہیں ہے۔

پھر اس اجتماعیت کی تربیت کے لیے حضور اکرمؐ نے اپنی جد و جہد کے عین وسط میں ہجرت کی تدابیر اختیار کیں۔ یہ وہ وقت تھا جب دشمنوں پر ضرب کاری لگانے کی ضرورت تھی تاکہ تحریک آگے قدم بڑھا سکے اور دشمنوں نے دعوت اسلامی کا گھیراؤ کرنے کے لئے چاروں طرف سے جو اس کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ یہ ناکہ بندی توڑے بغیر اب دعوت اسلامی آگے نہ بڑھ سکتی تھی اور یہی وقت تھا جب تحریک ہجرت کی جست لگا کر دشمنوں کے مدِمقابل بن کر سامنے آ ئی۔

چنانچہ ہجرت کا حکم ملا۔ یہ ہجرت حبشہ کی طرف پہلے بھی دو بار ہو چکی تھی لیکن وہ مظلومیت میں اپنی قوت کو محفوظ کرنے کی ایک تدبیر تھی اور اب یہ تیسری ہجرت مدینہ، باطل کے مقابل میدانِ عمل میں آنے کی تدبیر تھی۔ یہ ہجرت دو دھاری تلوار تھی۔

باطل کی کثیر جماعت پر ضرب کاری لگانے کے لئے ایک ایسی جاں نثار جماعت کی ضرورت تھی جو بے شک قلیل ہو لیکن اس کا ہر فرد قربانی کا مثالی نمونہ ہو اور وجود نیا کے ہر فائدے، لالچ تعلق اور محبت کو تج کر صرف اسلامی دعوت کے لیے جان ہتھیلی پر لے کر میدان میں نکلنے کا داعیہ رکھتا ہو۔

ایسے ایثار و قربانی کے لئے زبانی اقرار کرنے کی حد تک بے شمار لوگ ہر جماعت میں حلف لینے کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں لیکن جب تک ایسے منتخب لوگ موجود نہ ہوں جن کی جانیں واقعی ہتھیلیوں پر ہوں، جو واقعی ہر عصبیت تعلق اور نفع کو چھوڑ کر آئے ہوں اس نوعیت کے منتخب لوگوں کی فراہمی ہجرت کے بغیر ممکن نہ تھی اس لیے کہ ہجرت ایسے تمام تعلقات پر میدانِ عمل میں قینچی کا کام کرتی ہے۔ اس طرح ہجرت کے لیے جو لوگ کھڑے ہوئے وہی لوگ بدر میں کفار کے مقابلے میں آئے اور وہی لوگ ہر نوعیت کے تعلق کو تلوار کی کاٹ سے منقطع کرنے پر قادر ہو سکے۔ اس ہجرت نے حضور اکرمؐ کو ایسے ساتھی فراہم کر دیے جن میں سے ایک ایک فرد پر آنکھیں بند کر کے کامل اعتماد کیا جا سکتا تھا اسی لیے ان دنوں جب کفر سے دو بدو جنگ تھی اور اسلام کے لیے مسئلہ زندگی اور موت کا تھا، تو یہی ہجرت اس وقت اسلام سے وفاداری اور ایمان میں استواری کا نشان بن گئی۔ اس سے لوگ اسلام کے ساتھی یا کفر کے ساتھی پہچانے جاتے تھے اور اسی ہجرت نے مسلمانوں کے لئے غلبہ اور نفاذ اسلام کے دروازے کھولے در حقیقت انقلابِ اسلامی کے لئے ہجرت ایک ناگزیر مرحلہ ہے ممکن ہے کہ کسی معاشرے کے خصوصی حالات میں اس کے بغیر بھی کام چل جائے۔

یہ تو نفاذ اسلام کے لئے جد و جہد کرنے والے مسلمانوں کی اجتماعی مشاورت ہی طے کر سکتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان مجاہدین کے اندر یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ نفاذ اسلام کی جد و جہد میں ہجرت کا مرحلہ ناقابل فراموش ہے اور کفر کے خلاف عمل جہاد کے لئے ہجرت ہی دروازہ کھولتی ہے۔ یہی میدان جنگ فراہم کرتی ہے یہی چھانٹ کر کام کے آدمی تیار کرتی اور انھیں کفر کے خلاف اسلام کے حق میں میدان میں لا تی ہے اور یہی ہجرت ہے جو اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہر دور میں کام آتی رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاد کے ساتھ ہجرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلامی سپاہ بھی ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہجرت کر کے ہی کفر کے علمبرداروں سے جنگ آزما ہوتی ہے اور ہجرت وہ میزان ہے جس میں تل جانے کے بعد مومن کا ایمان محکم اور اس کا اسلام پائیدار ہو جاتا ہے اور اس میں وہ توانائی پیدا ہو جاتی ہے جو اسے ہر معرکے میں کامیابی و کامرانی کا راستہ دکھاتی ہے۔

ہجرتِ نبوی

(راہیں، قیام، منزلیں)

بقلم: عبدالقدوس انصاری، ترجمہ و تلخیص: محمد مسعود مشہدی

"ان تمام مراحل و منازل کی محققانہ تفصیلات جنھیں ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تاریخ ساز برکات سے نوازتے ہوئے ان چٹانوں، ریگ زاروں اور بستیوں کو شرفِ قدم بوسی بخشا۔"

ابتدائیں الہامی اشاروں سے

"صحیح بخاری" میں محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری نے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی روایت سے پہلے اشارہ کی نشاندہی یوں فرمائی ہے۔

غارِ حرا سے پہلی بار نزولِ وحی کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس لرزہ براندام تشریف لائے اور جبریلِ امین کی مہیب و محیر آمد، حکم اقرأ اور اپنے تاثرات و کیفیات کی تفصیل بیان فرمائی، تو وہ انہیں اس وقت کے معمر و جید عالم اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل نے تفصیلات سنیں اور کہا ھذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسیٰ "یہ وہی ناموس (جبریلِ امین) ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ نازل فرمایا۔ اس کے بعد ایک لمحہ گہرے تفکر میں ڈوبے پھر دل کی حسرت بھری تمنا کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"افسوس اس وقت میں کسی کام آسکتا۔ ہائے . . . میری زندگی اس وقت تک وفا کرتی۔ جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی۔" یالیتنی فیہا جذعًا . . . لیتنی اکون احیا. پھر سے اور کہا اذیخرجک قومک "جب تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت و استعجاب سے استفسار فرمایا۔ اَوَمُخْرِجِیَّ . . . ھم . . . "کیا وہ مجھے . . . نکال دیں گے۔" ورقہ بن نوفل نے کہا "ہاں تمہاری قوم تم کو نکال دے گی"۔

دوسرا الہامی اشارہ

اللہ کی وحدانیت کی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اپنی ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے مشرکین اور کفارِ مکہ کی سرد مہری، تشدد، جبر و ستم پہ رحمتِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی دل برداشتہ نہ ہوئے! چشم مبارک کبھی نمناک نہ ہوئی۔ صبر و استقامت میں کبھی اضمحلال نہ آیا۔ لیکن رؤف و رحیم آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی امت توحید و رسالت کے جان نثاروں پر انتہائی وحشتناک مظالم ہوتے ہوئے دیکھ کر قلب اطہر ضرور افسردہ ہوتا۔ قرآن مجید گواہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی افسردہ ہوئے تو فوراً بارگاہِ الٰہی سے نزولِ حوصلہ افزائی ہوا۔ چنانچہ انہی دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا ایک خواب سنایا "قد اُرِیتُ دار ھجرتکم۔ ادیت سبخۃ ذات نخل بین لابتین"

"میں نے خواب میں مقامِ ہجرت دیکھا ہے۔ جو انتہائی سرسبز و شاداب مقام ہے" بحوالہ صحیح بخاری باب الہجرت' خیال تھا کہ یہ مقام یمامہ' بحرین یا مدینہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا الہامی اشارہ: منبعِ دانش و بینش' مصدرِ عرفان و ادراک' معلمِ دینِ قیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کرام کی ایک مختصر جماعت کو ملک حبشہ میں ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما کر اللہ سے اُن کی امداد کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ شاہ حبشہ نجاشی نے ان مہاجرین سے نہ صرف بہترین سلوک کیا۔ بلکہ اپنے حسن سلوک کا مثالی مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی استقامت دکھائی کہ کفارانِ مکہ دنگ رہ گئے جتنی بار دشمنی کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کوشش کی اتنی ہی بار ان کو منہ کی کھانی پڑی' اور مہاجرین کی جماعت اپنے افعال و اقوال کی خوبیوں سے حبشہ میں چاروں طرف خوشبو پھیلاتی رہی۔ اندوہ و الم سے بھرپور وقت گزرتا گیا۔ اس اثناء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفارانِ مکہ کا دل شگاف سلوک دیکھتے تو انتہائی غم میں ڈوبی ہوئی آواز اور انتہائی ادب کے ساتھ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے "ہجرت" کی التجا فرماتے! ارشادِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا "میں اللہ جل شانہ کے حکم کا منتظر ہوں"

آخر وہ عظیم شب آ ہی گئی وہ شب جسے امت مسلمہ کی عظیم الشان سیاسی' اقتصادی' معاشی اور آفاقی امن و سکون سے لبریز زندہ رہنے کے آداب کی تاریخ کا نقطۂ آغاز کہلانے کا شرف نصیب ہونا تھا۔ اُس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن مکرم سے چند قدم کے فاصلے پر قصیٰ بن کلاب کے گھر دارالندوہ کے بند دروازوں اور کھڑکیوں کے اندر قریش قبائل کے سردار ایک واردات قتل کو ایسی شکل دینے پر غور و خوض کر رہے تھے جو ایک تیر اور دو نشانوں کے مترادف ثابت ہو۔ واردات قتل بھی کامیاب ہو' اور مقتول کا بدلہ لینے سے نہ صرف اُس کا خاندان بنو ہاشم بے بس و لاچار ہو' بلکہ اس کے جاں نثار بھی مجبور و بے اختیار ہو کر رہ جائیں۔

ہر ایک نے اپنی اپنی بساطِ عقل کے مطابق تدبیریں پیش کیں' لیکن جس پر سب نے متفقہ طور پر صاد کیا۔ وہ ابوجہل کی تدبیر تھی کہ تمام قریش اپنے اپنے قبیلہ سے ایک ایک نوجوان منتخب کریں اور یہ نوجوان ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے مسکن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رات گھیرے میں لے لیں۔ صبح کے وقت جب (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیئے گھر سے نکلیں تو ایک ساتھ حملہ آور ہو کر انہیں ختم کر دیں۔

مگر اس طریقۂ واردات پر صاد کرتے ہوئے انہیں اس بات کا احساس نہ ہوا کہ یہ سوچ اسی سوچ کا چربہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت العتیق میں "حجر اسود" کے نصب کرنے کے لیئے قوم کے سامنے پیش فرما کر انہیں اپنا معترفِ حکمت بنایا تھا۔

وہ یہ بھول گئے کہ لاشعوری طور پہ نہ صرف ابوجہل نے اُسی حکمت کا سہارا لے کر آپ کی مدبرانہ عظمت کا اقرار کیا ہے۔ بلکہ اُس کے ساتھ وہ خود بھی اُسی اعتراف کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اُس حکمت کا منبع سراپا خیر و برکت تھا۔ اس سوچ کا مخزن رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اس سوچ کے دھارے اس دماغ سے پھوٹے تھے جو سراپا فساد و شر تھا۔

اللہ نے جاہل انسان کے اس "زعمِ عقلمندی" کا تجزیہ ان الفاظ میں فرمایا۔
"و اللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ وَلٰکِنَّ اکثر النّاسِ لَا یعلمون"
"اللہ تعالےٰ اپنے امور کی تکمیل پر مکمل دسترس رکھتا ہے۔ لیکن بہت سے انسانوں کو اس کا علم نہیں"

دستک — ادھر تدبیر ابوجہل تشکیل دی جانے لگی۔ ادھر خلیب اطہرؐ کو جبرئیل نے دستک دی اور فرمانِ خداوندی سنایا۔
"وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کفروا لیثبتوک اَوْ یقتلوک" او یخرجوک وَ یمکرون و یمکر اللہ وَ اللہ خیر الماکرین" "جب کافروں کا ایک گروہ تمہیں قید کرنے "قتل کرنے" یا جلا وطن کر دینے کی خفیہ تدبیریں سوچ رہا تھا۔ تو اللہ تعالےٰ بھی دیتا دل) خفیہ تدبیر طے کر چکا تھا۔ اور اللہ سے بہتر کوئی خفیہ دسربستہ راز) تدبیر نہیں کر سکتا۔

اس کے ساتھ اذنِ ہجرت کے علاوہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔
"لاتسبیت اللیلۃ علیٰ فراشک۔ الّذِی کنت تبیت علیہ"
"آج کی رات اپنے بستر پہ آپؐ استراحت نہ کریں"

اس کے بعد جبرئیل امیںؑ گئے اور مینارِ ہدایت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اطمینان کے ساتھ۔ گھر کے باہر چاروں سمت نگاہ ڈالی۔ اُس وقت تک مسکن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ آپؐ نے علی کرم اللہ وجہہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

آج کی رات تم میرے بستر پہ چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ مطمئن رہو کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ صبح ہوتے ہی یہاں کے لوگوں کی امانتیں انہیں لوٹا دینا۔ میری اور تمہاری ملاقات اب مدینہ میں ہوگی۔

گویا اس رات کو بستر نہیں بلکہ بظاہر تلواروں کی تیز دھاروں کا بچھونا تھا۔ جس پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بلا حیل و حجت چادر اوڑھ کر لیٹے۔ اور اس طرح قیامت تک آنے والی امتِ مسلمہ کو محبت، وفا اور ایمان کے معرکۂ امتحان میں کس حوصلہ مندی سے دادِ شجاعت دے گئے۔

امتِ مسلمہ کی تاریخ کا "کل" اللہ کے محبوب محمد، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اپنے مسکن سے نکلے۔ دروازے پہ ایک لمحہ توقف فرمایا۔ زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور گھات میں بیٹھے ہوئے نوجوانوں کے چہروں پہ پھینکی۔ اور انتہائی اطمینان کے ساتھ سورۂ یٰسین کی آیات

یٰسٓ ہ والقرآن الحکیم ہ اِنَّکَ لمن المرسلین ہ علیٰ صراط مستقیم ہ تنزیل العزیز الرّحیم ہ
یٰسین۔ قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہے۔ محمدؐ بے شک تم پیغمبروں میں سے ہو۔ سیدھے راستہ پہ۔ یہ خدائے غالب اور مہربان نے نازل کیا ہے۔

لتنذر قوماً مَّا انذر اٰباؤھم فھُمْ غافلون ہ
تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو تنبیہ نہیں کیا گیا تھا۔ متنبہ کرو۔ کیونکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○

ان میں سے اکثر پر اللہ کی بات پوری ہو چکی، سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں۔ اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ○

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا۔ وہ دیکھ نہیں سکتے۔

پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے مامون و محفوظ گزر گئے اور دشمنوں کی آنکھیں غنودگی کی دھند میں ڈوب کر رہ گئیں۔

آیات کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ کے حوصلوں کو بڑھا وا دے رہے ہیں اور دوسرے حصہ میں اس سچائی کے خلاف خود سر افراد کو جنہوں نے اس واردات قتل میں فکری اور عملی اشتراک کیا۔ شرف انسانی یعنی "ایمان" کی نعمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ سنا رہے ہیں۔ احکم الحاکمین نے اپنے اس خصوصی اور غیر مرئی انداز حفاظت کا اظہار اپنے کلام بلیغ و مقدس میں اس طرح فرمایا۔

وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

نور اسلام کی سلامتی اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے۔ اگرچہ یہ بات کافروں کو بہت ہی ناپسند ہے۔

اب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین جبل بو قبیس سے محلہ مسفلہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چلتے چلتے جب بیت اللہ شریف پہ نگاہیں پڑیں تو ایک لمحہ رکے اور فرمایا۔ میرا دل تم سے الگ ہونا نہیں چاہتا لیکن تیرے شہر کے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اس کے بعد پھر روانہ ہوئے اور محلہ مسفلہ میں واقع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر رکے۔ دستک دی، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ کھولا۔ سامنے اتنی رات گئے آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آنکھیں فرش راہ کیں اور عرض کیا۔ اندر تشریف لائیے۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا۔ گھر میں اور کون ہے ؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں . . .

آپؐ اندر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ ان اللہ اذن لی فی الخروج والهجرة

"مجھے اللہ تعالیٰ نے اذنِ خروج و ہجرت دے دیا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں ہمرکابی کے وفور شوق سے آنسو چھلکے۔ عرض کیا۔ کیا مجھے بھی ؟ . . . میرے ماں باپ آپ پہ قربان ؟ رحمتِ عالمؐ نے تصدیقِ سعادت فرمائی۔

باہمی مشورہ سے ہجرت کی پہلی منزل مکہ مکرمہ سے تین میل دور داہنی جانب غار ثور طے پائی۔ لیکن ہجرت کے اوّلین مرحلہ کے آغاز سے قبل چند دوسرے امور کی جلد سے جلد اور محتاط تکمیل بھی ضروری قرار پائی۔

(۱) عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت کے بعد کفارانِ مکہ کی تمام سرگرمیوں کے بارے میں ہر شام تفصیلی خبریں پہنچانے کی ذمہ داری سونپنا۔

(۲) عامر بن فہیرہ (غلام) کو اس علاقہ میں بکریاں چراتے ہوئے عبداللہ بن ابوبکر کے نقوش کو مٹانے کی ذمہ داری سپرد کرنا۔
(۳) اور غارِ ثور میں تین راتوں کے قیام کے درمیان طعام کا اہتمام کرنا۔
(۴) عبداللہ بن اریقط کو معقول معاوضہ دے کر دلالتِ راہ کے لئے مقرر کرنا۔

چنانچہ یہ سب کچھ انتہائی عجلت اور پُراسرار طریقہ سے بحسن و خوبی انجام پایا۔
حضرت اسماءؓ نے عجلت میں ناشتہ دان کا منہ بند کرنے کے لئے رسی، دھاگہ یا کپڑے کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے "نطاق" (کمر بند) کو دو ٹکڑے کر کے اسی سے ناشتہ دان کا منہ بند کر دیا۔ ان کے اسی عمل کے حوالے سے وہ بعد یں (ذات النطاقین) کے لقب سے پکاری جانے لگیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اندوختہ ساتھ لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلو میں نکلے۔ اور جان نثارؓ کبھی پیچھے اور کبھی برابر میں ہم قدم ہو جاتے۔

گلیوں، محلوں، اور پھر شہر مکہ نے خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل ہوتے دیکھا۔ تو بے ساختہ کہا! ہائے یہ مکہ کے لوگ کیسے ہیں! ایسے امین، ایسے سچے، ایسے مشفق و مہربان ایسے خوشخو ایسے خوش نفس سے ایسا سلوک! توبہ

مکہ والو! بے غیرتی، بے حیائی، بدکلامی، بے اصولی، وحشت و درندگی کی بدبودار بیماریوں میں سڑتے ہوئے جسموں کو شفا بخشنے والے مہربان حکیمؐ سے ایسا برتاؤ۔

اُف، بدنفس، بدصورت، بدسیرت معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق اور انسانیت کا حسن و جمال بخشنے والے کمال محاسن انسانیتؐ سے ایسا رویہّ!

آہ! جہالت، کہانت، خباثت کی دلدل سے نکال کر علم و حکمت، توحید و رسالت، حق و صداقت کی جنت میں بسانے والےؐ سے ایسی بدسلوکی۔

توبہ! توبہ! ہمارا کیا بگڑا۔ تم اپنا ہی سب کچھ اپنے ہاتھوں لٹا بیٹھے ہو۔ ہمارے ذرّوں نے تو اُس وقت بھی گواہی دی تھی۔ آج بھی گواہی دیتے ہیں

اللہ سچا — اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے!

غرض راہوں کے ذرّے الوداعی قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے رہے۔ رات کا کافی حصہ گذر چکا تھا۔ صبح جاگنے کے لئے انگڑائیاں لے رہی تھی۔

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق ہجرت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جبل ثور کے دامن میں پہنچ گئے اور پھر جبل ثور کو اپنی بلند و بالا چوٹی کو عظمتِ انسانیت کے پیکر اوصاف کے قدموں میں پھیلانے کا شرف نصیب ہوا۔
گھاٹیاں فرشِ راہ بنیں۔ نوکیلے پتھروں نے پھول بن کر قدموں کو چوما۔ سرورِ کونینؐ اللہ اکبر ورد زبان فرماتے ہوئے رہے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کا معمول تھا۔ جب کسی بلند چوٹی پر چڑھتے تو زبان پر اللہ اکبر کا ورد ہوتا) جب ایک غار کے دہانہ پہ پہنچے تو رفیقِ سفر صدیق اکبرؓ نے آپؐ سے وہاں رکنے کی درخواست کی۔

حضرت صدیق اکبرؓ خود غار کی گہرائی میں اترے۔ غار کے کونہ کونہ کو نیچے، اوپر، دائیں، بائیں اچھی طرح ٹٹولا۔ کہیں کوئی بچھو، سانپ یا دوسرا موذی نہ ہو۔ اطمینان ہوا تو آپ سے اندر آنے کی التجا کی۔ آپ غار میں تشریف لے گئے۔

ہجرت کی پہلی منزل جبل ثور

جبل ثور جو کل تک ایک عام پہاڑ تھا جسے آس پاس کے چرواہوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ آج کائنات کے حاصل رحمت کل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے دل کی گہرائیوں میں مہمان تھے۔ اس کی رگ رگ سے صدا بلند ہوئی الحمد للہ والشکر للہ آج اُسے عظمت بخشنے والے نے تاریخی عظمت بخش دی! کیونکہ

"یسبح للہ ما فی السمٰوٰت والارض"

ان انسانوں سے میرا بے شعور پتھریلا جسم بھلا جسے امانت رسول برحق نصیب ہوئی۔

جبل ثور کی یہ خوشی صحیح بھی تو تھی۔ آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کی دشوار گھاٹیاں اور کالے رنگ کے نوکیلے پتھر امت مسلمہ کی نگاہوں میں لازوال رنگ و جمال کا مخزن ہیں۔ اور تاقیامت رہیں گے۔

صبحِ اسلام شامِ کفر

مقررہ وقت کے انتظار میں نوجوانان قریش گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے انہیں چونکایا۔ "تم لوگ کس فریب میں ہو۔ تمہارا مقصود تو نکل گیا"

سب کو اپنی آنکھوں پہ یقین تھا۔ ایک ساتھ بولے۔ تم خود فریب نظر کا شکار ہو۔ ہم سب سانپ کی طرح آنکھ جھپکے بغیر گھات میں بیٹھے ہیں۔

انہیں اپنی بات پہ اتنا وثوق تھا کہ مخبر کو خود اپنی نظر پہ شبہ ہونے لگا۔ صبح نے ان کی حماقت پر مسکرانا شروع کیا۔ وقت نے تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا مقررہ وقت گزرتے ہوئے محسوس کیا۔ تو اپنے قبائل کے متفقہ فیصلہ (رات کی تاریکی میں کسی کے گھر میں گھس کر حملہ آور ہونا بزدلی کے مترادف ہے) کو توڑتے ہوئے مسکن نبوی میں داخل ہوئے۔

بستر پہ چادر اوڑھے سوئی ہوئی شخصیت وفا، ایثار اور ایمان کی غیر فانی علامت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پہ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ کی موجودگی کا یقین لئے خون آشام تلواریں لے کر لپکے، چادر پہ جھپٹے تو سب پہ سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔

علی کرم اللہ وجہہ نے پر وجاہت نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ روحِ شجاعتؓ کی ایک ہی نگاہ نے انہیں بدحواس کر دیا۔

پاگلوں کی طرح چلائے ـــ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے؟

علی کرم اللہ وجہہ نے بڑے اطمینان سے فرمایا۔ اس بات کا علم تمہیں ہونا چاہیے جو رات بھر گھات لگائے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد کئی آوازوں نے گھیرا ـ کعبہ شریف میں، گھر میں، ہر ایک آواز کا ایک ہی سوال تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں گئے۔

اور علیؓ کا ایک ہی جواب تھا۔ یہ جاننا تمہارا کام ہے میرا نہیں۔

اس طرح وہ صبح کفارانِ مکہ کے ناپاک ارادوں کی سیاہ قبر کی طرح تاریک رات تھی، اور ملت اسلامیہ کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی سطح پر عظیم الشان تاریخ کی منور صبح!

موجودگی سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیاب کفارانِ مکہ کے لئے سوہانِ روح بن گیا۔ مستقبل کے انجانے خوف نے ان کے دلوں میں بے چینی کے الاؤ جلا دیئے جس کی روشنی میں انہیں اپنی جہالت اور جبر و استبداد کی تڑپتی ہوئی لاشیں نظر آنے لگیں گو بظاہر ان کی اکثریت اور طاقت کے ہوتے ہوئے اس بوکھلاہٹ کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن ان کا اپنا خبث باطن غیر شعوری طور پر سچائی کی قوت سے خائف تھا۔ انہوں نے مختلف سمتوں میں کئی سواروں کو تعاقب کے لئے روانہ کیا۔

تعاقب کرنے والوں کا ایک گروہ غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاؤں کی آہٹ سن کر خائف ہو گئے۔ مگر سرورِ کونین علیہ التحیۃ والسلام مطمئن تھے۔ فرمایا۔

"لا تحزن ان اللہ معنا" گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

ٹھیک اسی وقت کفارانِ مکہ کی نگاہوں میں مدبر الامور نے مکڑی کے جالے اور کبوتر کے انڈوں کا تصور دے کر ان کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا کہ اس غار میں کسی کا داخلہ ہی ناممکن ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے:- ظنوا الحمام وظنوا العنکبوت علیٰ

خیر البریہ لم تنسج ولم تحِمُ

وقایۃ اللہ اغنت من مضاعفۃ

من الدروع وعن عال من الاطم

اللہ جل شانہٗ نے اس واقعہ کو اپنے کلام قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

تم اگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالےٰ اُن کی مدد اس وقت ہی کر چکا ہے۔ جب کافروں نے جلا وطن ہونے پہ مجبور کر دیا اور اُس وقت بھی مدد کی جب کہ غار ثور) میں دو میں ایک آپؐ تھے۔ اور آپ نے اپنے ہم ہجرت رفیقِ غار سے کہا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دل میں اطمینان نے بسیرا کر لیا۔ پھر ہم نے تمہیں دکھائی نہ دینے والے بے حد و حساب لشکر سے اس کی مدد کی اور ثابت کر دیا۔ کافروں کی بات گھٹیا ہے اور اللہ کی بات بلند و بالا اور ہر حالت میں یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ اللہ تعالےٰ زبردست حکمت کا مالک ہے۔

تعاقب کرنے والوں کا یہ گروہ بھی ناکام لوٹا۔ تو شہر میں دو سو اونٹوں کے انعام کی منادی کرا دی گئی۔ تازہ دم تعاقب کرنے والے پھر نکل پڑے۔

ہجرت کا دوسرا مرحلہ

یہی وہ مرحلہ ہے جس کے واضح اور مصدقہ خطوط کی دریافت کرنا، ان مراحل و منازل پہ صدیوں کے اندھیرے کی دبیز چادروں کا سینہ چاک کرنا ہمارے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

ہم نے اس موضوع سے متعلق لکھی ہوئی قدیم متوسط اور دورِ حاضر میں لکھی ہوئی جو بھی کتاب دستیاب ہوسکی۔ اس کا ورق ورق چھانا۔ تاریخ، جغرافیہ، بلدانیات اسلامیہ، سیرۃ، احادیث، لغت سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کسی محقق نے مراحل کے ناموں کی مماثلت کی بنا پر غلطی کھائی تو کسی نے جغرافیائی حدود کے تعین میں گریز اختیار کرتے ہوئے نزول مدینہ پہ جست لگا دی۔

ہماری جستجو یہ تھی کہ ہم طریقِ ہجرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس بھی گھاٹی، پہاڑ، ریگزار، مرغزار، بستی یا ویرانے کی قسمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا نصیب ہوئے۔ اس جگہ کا نام اور جغرافیائی ہیئت بالکل مصدقہ ہو۔ جہاں دن ہوا، دن ڈھلا شام ہوئی، رات آئی، قیام ہوا، سفر ہوا۔ سب کی نشاندہی بالکل درست ہو۔

آخر کار ہم نے اپنی اس دریافت کا انحصار انہی پہ ٹھہرایا۔ جو ان راہوں کے خود مسافر تھے۔

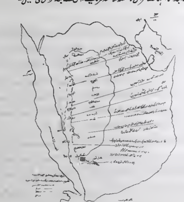
(۱) سرورِ کونین رحمت دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(۳) عبداللہ بن اریقط

(۴) غلام عامر بن فہیرہ

لہٰذا پہلے آپ ابتدا تا انتہا ——— مراحل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد مراحل کی تفصیل۔



(یہ نقشہ صفحہ ۳۳۶ پر بھی ملاحظہ فرمائیں -)

(۱) مکہ مکرمہ میں مسکن نبوی سے "قدیم نام مبنی جمع" محلہ مسفلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر رات کے سناٹے میں گلیاں محلے گزرتے ہوئے اللہ کی عظمتیں بیان کرتے ہوئے۔

(۲) جبل ثور تک پہنچے۔ جبل ثورؔ کے غار میں تین دن اور تین راتیں قیام — اس کے بعد غار ثور سے رات دن پھر رات بحرۂ احمر کے کنارے کی طرف عام راستے سے بچتے ہوئے۔

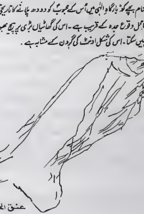
(۳) وادی عسفان کے نچلے حصہ کی طرف سے "صخرۃ الطویلہ" (طویل چٹان) میں دوپہر کے وقت استراحت فرمائی۔

سورج ڈھلنے کے بعد روانگی سے قبل کی مختصر تفصیل

"قافلہ ہجرت دن کا ایک حصہ چلا۔ پھر رات کو سفر کیا۔ پھر دوسرے دن اور رات کے سفر کے بعد تیسرے دن جب دوپہر کا وقت ہوا تو یہ قافلہ کڑکتی دھوپ میں بے آب وگیاہ چٹانوں کے طویل پیچ وخم سے گزر رہا تھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چٹان کے کسی حصہ میں سایہ دار مقام تلاش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استراحت کی درخواست کرتے ہوئے چادر بچھائی۔ آپؐ نے قبول فرمائی۔ طویل سفر کی تھکان کے سبب آپؐ سو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جاگتے رہے۔ پیاس کی شدت محسوس کی۔ اٹھے چٹان کے مختلف حصوں پہ دور دور تک تا حد نگاہ نظر ڈالی۔ دور ایک بدو بچہ بکریاں چراتا نظر آیا۔ صدیق اکبرؓ اس کے پاس گئے۔ کٹورا لیا۔ صاف کیا۔ بچہ کی اجازت سے اُس کی ایک بکری دوہی۔ دودھ بھرا کٹورا نبی رحمتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے نوش جان فرمایا۔

اس طرح ایک گمنام بچے کو بارگاہِ الٰہی میں اُس کے محبوبؐ کو دودھ پلانے کا تاریخی شرف نصیب ہوا۔ یہ صخرۃ الطویلہ آج بھی من وعن موجود ہے۔ اس کا محل وقوع جدہ کے قریب ہے۔ اس کی گھاٹیاں بڑی پیچ بھول بھلیاں ہیں جس کی وجہ سے عام مسافر یا قافلہ اس طرف کا رخ کرہی نہیں سکتا۔ اس کی شکل اونٹ کی گردن کے مشابہ ہے۔



عنق الجبل

زمانۂ جہالت میں بنو کنانہ کا سعد نامی بت یہاں نصب تھا۔ ایک بدو اونٹ پر سوار ادھر سے آنکلا۔ اس کا اونٹ اس طویل چٹان کی صورت دیکھ کر بدکا۔ اعرابی نے کنکر اٹھا کر مارتے ہوئے یہ شعر پڑھے۔

اتینا الی سعد لیجمع شملنا　　فشتتنا سعد فلانحن من سعد

فھل سعد الاصخرۃ فی تنوفہ　　من الارض لایدعی لغی والارشد

یہاں سے عبداللہ بن اریقط وادی غزان المعروف فی بلاد بنی سلیم کے جنوبی حصے (عام شاہراہ چھوڑ کر چلا) قافلہ بحیرہ احمر کا کنارہ لیے ہوئے جب تلعہ رابغ کے سامنے ریگزار میدان میں پہنچا تو بظاہر مختصر مگر حقیقت میں حاصل کائنات کا قافلہ ایک تعاقب کرنے والے کی زد میں آگیا۔ یہ متعاقب تھا "سراقہ بن مالک بن جعشم" تیر و تلوار سے لیس، گھوڑے پہ سوار۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ' نے اسے اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنتے ہوئے اس خطرے سے آگاہ کیا۔

لیکن پیاسے اور بھیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ منوّر پہ اطمینان تھا۔ نگاہوں میں سکون تھا ——— فرمایا "گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

اس اثناء میں سراقہ نے تین بار حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک بار گرا۔ دوسری بار۔ زمین میں دھنسا۔ تیسری بار پھر گستاخی کی تو پھر وہی حال ہوا۔ اب ہوش آیا تو معافی مانگی۔

جان کا دشمن ——— وہ بھی اتنا گھٹیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سرکار دو عالمؐ کے پاس نہ تلوار ہے نہ ڈھال۔ جان نثار ساتھی بھی مدافعت کے ہتھیاروں سے لیس نہیں ہے۔ پھر بھی دو سو اونٹوں کے لالچ میں حملہ آور ہوا۔ لیکن کمالِ شفقت و مہربانی رؤف و رحیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف معاف فرمایا۔ تحریر امان بخشی۔ بلکہ اس کے ہاتھوں میں شاہِ ایران کے بیش بہا کنگن پہننے کی بشارت بھی عطا فرمائی۔ جو عمر فاروقؓ کے زمانے میں سراقہ نے پہنے۔

سفر جاری رہا ——— ریگزار قدم بوسی کرتے رہے۔

(۴) وادی اجح تک پہنچے ——— سفر اب بھی جاری ہے۔

(۵) وادی قدید بھی الوداعی سلام کہتے گزری

(۶) وادی خرار کی جانب عبداللہ بن اریقط ——— راستہ بتاتے ہوئے چل رہا تھا۔ پیاس اور بھوک محسوس ہوئی ——— قافلہ رکا۔ یہیں ایک بڑھیا عورت نے مسافروں کو پانی پلانے اور ستانے کے لیے خیمہ لگا رکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس سے سامان خورونوش قیمتاً حاصل کرنا چاہا۔ اس نے معذوری ظاہر کی۔ اتفاق کی بات نہ آج پانی تھا' نہ کھانے کی کوئی چیز۔ اس بڑھیا کا نام تھا ——— "اُمِّ معبد"۔ خزاعیہ" قبیلہ کی اس بڑھیا کو کیا معلوم تھا آج اس کا مہمان کون ہے۔ آج کا مسافر کتنا عظیم ہے۔ وادی قدید کی حدیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔ اس بڑھیا نے معذرت کی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ' نے ایک بکری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا اس بکری کا دودھ مل سکتا ہے۔

بڑھیا نے کہا۔ اس کے تھن سوکھ چکے ہیں۔ لاغر اور کمزور بکری میں دودھ کہاں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "ہمیں اجازت دو۔ ہم دودھ دوہ لیں گے"

بڑھیا نے حیرانی سے کہا۔ تم ناکام کوشش کر کے دیکھ لو۔ اسے کیا معلوم تھا۔ سوال کرنے والی عظیم شخصیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک خود خیر و برکت کا منبع ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن صاف فرما کر دودھ دوہنا شروع کیا تو آنا دوہا کہ کٹورا بھر بھر کر ام معبد کو دیا۔

عبداللہ بن اریقط بھی سیراب ہوا۔

عامر بن فہیرہ نے بھی خوب پیاس بجھائی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بھی جی بھر کر پیا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نوش جاں فرمایا۔

بڑھیا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس پر تو جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا ہو۔

ام معبد دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ حیرت نے اس کے دل و دماغ اور رگ و ریشہ پہ پورا پورا قبضہ جما رکھا تھا۔ وہ کبھی رخِ منور کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتی، کبھی خیر و برکت والے ہاتھوں کو دیکھتی۔ غرض عجیب کیفیت تھی۔ وہ حیرت میں ڈوبی رہی اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر سرگرم سفر ہوئے۔ شام تک بڑھیا پہ یہی کیفیت طاری رہی۔ جب شام کو اس کا شوہر لوٹا تو اس واقعہ کو سناتے ہوئے کبھی وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کی تعریف کرتی تو کبھی آپ کی گفتارِ شیریں مقال کی تعریف، کبھی وجاہت و جلال کی بات کرتی تو کبھی اخلاق جمیلہ بیان کرتی۔ بڑھاپے کی اس عمر تک اُسے جتنے اچھے سے اچھے الفاظ ملے تھے وہ ختم کرنے کے باوجود آخر بولی۔ میں تو اس تعریف والے کی ذرا سی بھی تعریف نہیں کر سکی۔

شوہر نے بے ساختہ کہا۔ یہ تو وہی قریش کا گوہرِ بے بدل ہے۔ جوہرِ کل ہے۔ جس کے شرفِ نیاز کے لئے میں آج تک بے تاب ہوں۔

گویا —— ہر قدم پہ ابرِ رحمتؐ اپنی برکات پھیلاتے ہوئے سرگرم ہجرت تھے۔

جب وادی خرار سے آگے جحفہ کی سرحدوں سے ملتے ہوئے علاقہ میں رونق افروز ہوئے تو قبیلہ بنی سہم کے ۷۰ آدمیوں کے ساتھ ان کا ایک گھوڑ سوار سامنے آیا۔ آیا تو تھا دو سو اونٹوں کے لالچ میں لیکن رحمت عالمؐ کی ایک نگاہِ کرم افشاں نے اس کی جھولی دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بھر دی۔ اور تھوڑی دیر پہلے جن نیزوں کی انی کو مقدس خون سے رنگنا چاہتا تھا۔ اب وہ اس پہ اپنی پگڑی کا علم بنائے آگے آگے چلتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے اور عظمتِ دین قیم کا اعلان کرتے ہوئے چل رہا تھا۔ "اس کا نام تھا بریدہ اسلمی"۔

راستوں کی نشاندہی کرنے والے عبداللہ بن اریقط نے اب ——

(۷) ثنیة المرة —— ہوتے ہوئے

(۸) لقف یا (لفت) ثنیة الخائر المعروف بہ مدب المغاثر کی طرف رخ کیا۔

(۹) وادی مدلجہ مجاح کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک اور اونٹ سوار چہرے کو ڈھانپے ہوئے (اسی لئے اس کو تاریخ میں (ابن الرداء) کہا گیا) بارگاہِ رسالتمآبؐ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

(۱۰) مرجح مجاح سے ہوتے ہوئے

(۱۱) الاجرد نقشِ پا ہوا۔

(۱۲) وادی تعشو (القاحہ اور سقیا کے درمیان) "جبل ثاقل" کے قریب سے گزرتے ہوئے۔

(۱۳) العبابید یا العبابیب کی منزلیں گزریں تو

(۱۴) القاحہ مدینہ منورہ سے تین شب و روز کی مسافت پر عبداللہ بن اریقط نے

(۱۵) العرج کا رخ اختیار کیا جو مدینہ منورہ سے ۲۱ فرسخ یعنی ۶۸ کلومیٹر ہے۔

یہیں پر دورانِ سفر دو غریب الدیار کا احوال امام احمد بن حنبلؒ نے مصعب بن عبداللہؓ کے حوالے سے ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے۔

عبادل اور ابراہیم بن سعد کہتے ہیں۔ ہم دونوں پیدل جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک کمسن بچی تھی۔ تھکن کے مارے ہم نڈھال ہو رہے تھے۔ بچی کے لئے چلنا اور ہمارے لیے اسے اٹھانا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اس اثناء میں ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ محو سفر ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری حالت دیکھ کر ہم سے نام پوچھا۔ ہم نے اپنی پریشانی بتاتے ہوئے عرض کیا۔ (نحن مھانان) ہم خدمت پیشہ غریب گھٹیا لوگوں میں سے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا۔ نہیں "انتم المکرمان" "تم لوگ باعزت لوگ ہو" اور ہماری منزل تک کے لئے ہمیں سوار کر لیا اور کمسن بچی کو خود لے لیا۔ الصلوٰۃ والسلام علیہ۔

غرض نبی رحمتؐ ہر قدم ہر نفس یہاں کی بستی اور یہاں کے رہنے والوں کے لئے بارگاہ الٰہی سے خیر و برکت مانگتے ہوئے۔

(۱۶) ثنیۃ الغائر المعروف بدرب الغائر جلوہ فشاں ہوتے ہوئے مدینہ منورہ سے تین میل دور

(۱۷) وادی مریم میں داخل ہوئے۔ جہاں سرراہ شام سے لوٹتے ہوئے زبیرؓ زیارت سے مشرف ہوئے اور بہت سا قیمتی سامان اور لباس نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور روانہ ہو گئے۔

مریم کی وادی جبل عیر کی مشرقی جانب گھنے جنگل پر مشتمل تھی۔ جہاں اس وقت لومڑیاں اور دوسرے موذی جانوروں کا بسیرا تھا۔ اس کا ایک کنارہ وادی عقیق سے بغلگیر ہوتا ہے۔ اس کے جنوب کی طرف کھجوروں کے گھنے باغ اور لہلہاتے سبزہ کے کنارے کنارے شرف سفر بخشتے ہوئے بے حد و حساب موجودات کو عموماً اور انسان کو خصوصاً رحمت و محبت کی ٹھنڈک بخشنے والے نبی آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اتنا طویل اور انجانی راہوں کا سفر، ہر قدم پہ دشمنوں کی گھات کے خطروں سے مامون و محفوظ اپنی منزل مقصود پہ پہنچ کر جتنا انسان کو سکون پہنچتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکون تھا۔ عامر بن فہیرہ کو اطمینان تھا۔ اللہ کے اس احسان عظیم پہ بے حد و حساب شکر بجا لاتے ہوئے اپنے آقا محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر اس دعا پہ آمین کہہ رہے تھے جو کسی نئی بستی میں داخل ہونے سے پہلے نظر پڑتے ہی آپؐ پڑھا کرتے اور اپنی امت کو ایسا کرنے کی تلقین فرماتے۔

دعا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا۔(تین بار) اے اللہ یہ بستی ہمارے لئے بابرکت بنا دے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاھَا وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا: اے اللہ اس بستی کے پھل، فوائد سے ہمیں متمتع فرما۔ اس کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دے۔

وَحَبِّبْ صَالِحَ اَھْلِھَا اِلَیْنَا:۔ اور ہمارے دلوں میں اُس کے نیک لوگوں کی محبت ڈال دے۔

جب سے مہاجرین اور انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ(رض) کی زبانی سنا تھا۔ ہر روز صبح و شام راہ تکتے اور پھر مایوس لوٹ جاتے۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں

محبت کرنے والوں سے کوئی پوچھے، انتظار میں کیا لذت اور کیا اذیت ہوتی ہے؟ انصار اور مہاجرین نے آنکھوں میں دن کاٹے، راتیں گزاریں اور ٹھیک دوپہر کی چلچلاتی دھوپ ۱۲ ربیع الاوّل دو شنبہ کا دن جب ان کے محبوبؐ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو اتفاق کی بات زیادہ تر انصار مایوس ہو کر مدینہ جا چکے تھے۔

سفید کپڑے زیب تن، چمکتا نورانی چہرہ ــ چہرہ بھی ایسا کہ اس جیسے خدوخال نہ کسی کو میسّر ہوئے، نہ قیامت تک ہوں گے۔ جوں ہی ایک یہودی کی نظر پڑی تو بے ساختہ پکارا۔

"یا معشر العرب ھذا احدکم الذی تنتظرون"

اے عرب کے لوگو، یہی ہے تمہارا وہ بزرگ و برتر جس کا تم شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

(۱۸) وادی قباء ــ مدینہ منورہ کے جنوب کی طرف تین میل دور سے آواز نے لمحوں میں سفر کیا۔ اور انصار اور مہاجرین پروانوں کی طرح اڑ کر پہنچنے شروع ہوئے۔ فضا میں اللہ اکبر کی صدائیں گونجیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں توقف فرمایا۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔

بعض انصار کو ابھی تک شرف زیارت نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق(رض) اپنے آقا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پہ اپنی چادر کا سایہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ انصار کے بچے، جوان، بوڑھے مرد اور عورتوں کے دل، دماغ، جسم اور زبانیں ہی نہیں بلکہ ان کی روحیں بھی والہانہ محبت، خلوص اور ادب بھری نگاہوں سے چہرۂ مبارک کا طواف کر رہی تھیں۔

سورج بالکل ڈھل گیا تو قباء کے ممتاز خاندانِ انصار کے ایک خوش نصیب انصاری کلثوم بن ہدم کو اپنے غریب خانہ میں شرف میزبانی نصیب ہوا۔ جہاں آپ سے پہلے کئی مہاجر ابو عبیدہ(رض)، مقداد(رض)، خباب(رض)، سہیل(رض)، صفوان(رض)، وہب بن سعد(رض)، عیاض(رض)، عبداللہ(رض) ابن مخرمہ(رض)، معمر بن ابی سرح(رض) اور عمیر بن عوف(رض) قیام پذیر تھے۔

یہاں کتنے دن قیام رہا۔ مورخین نے اس سلسلہ میں ۴ دن اور ۱۴ دن کی میعاد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ قیام کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلے کام سرانجام دیا۔ وہ نہ اپنا گھر تھا، نہ فوجی تشکیل تھی۔

نہ ہی کوئی ایمن — آپ نے سب سے پہلے اللہ کا گھر — دارکلثوم بن ہدم کے ساتھ، وہ مسجد تعمیر کی جس کی عظمت اور تقدیس پہ خود اللہ تعالےٰ نے مہر تصدیق ان کلمات جلیلہ میں ثبت فرمائی۔ اُسِّسَ علی التقوی من اوّل یوماً۔

یوں تو ہجرت کے پہلے قدم سے لے کر آخری قدم تک ہر قدم ملتِ اسلامیہ کی سیاسی، معاشی، اقتصادی، تاریخی، تہذیبی عمارت کے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن واضح اور ناقابل تردید "بنیاد" یہی مسجد ہے۔

مسجدِ قباء۔ تعمیر مسجد کے حوالے سے طبرانی روایت کرتے ہیں۔

ثم قَالَ	پھر فرمایا
یَا اھل قباء	اے قباء کے لوگو!
اَئتونی بِاحِجَارٍ مِنْ ھذہ الحرۃ	پتھروں کے اس ڈھیر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔
فجمعت عندہ احجاراً کثیرۃ	سب نے آپ کے پاس بہت سے پتھر جمع کر دیئے۔
وَمعہ عنزۃ لہٗ	اس وقت آپ کے پاس (نیزہ نما) لکڑی تھی۔
فَخَطَّ قبلتھُمْ	آپ نے سمت قبلہ کی نشاندہی فرمائی۔
فاخذ حجراً فوضعہ	پھر سب سے پہلے خود ایک پتھر اٹھایا اور اسے تعمیر کے لئے رکھا۔
ثُمَّ قال یاابوبکر خذ حجراً فضعہ الی حجری	پھر ابوبکرؓ سے فرمایا۔ ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے برابر رکھو۔
ثم قال یاعمرؓ	پھر عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا۔
خذ حجراً فضعہٗ اِلیٰ جانب حجر ابوبکرؓ	ایک پتھر اٹھاؤ اور اُسے ابوبکرؓ کے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔
ثم قال یاعثمان خذ حجراً	پھر حضرت عثمانؓ سے کہا۔ اے عثمانؓ تم بھی پتھر اٹھاؤ۔
فضعہ الیٰ جنب حجر عمرؓ	اور اسے عمرؓ کے پتھر کے پہلو میں رکھ دو
ثم قال یاعلی خذ حجراً	پھر فرمایا۔ علیؓ تم بھی پتھر اٹھاؤ
فضعہ الیٰ جنب عمر	اور اسے عمرؓ کے پتھر کے برابر میں رکھ دو۔
ثم التفت الی الناس	پھر تمام لوگوں سے متوجہ ہو کر فرمایا۔
لیضعْ کُلّ رجل حجرۃ حیث احب علیٰ ذلک الخط	تم سب ان خطوط پر جہاں چاہے پتھر رکھ دو۔

اس طرح یہ تقریب سعید تعمیر مسجد تمام ہوئی۔

۱۴ دن کے بعد قصواء پہ سوار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز کے بعد عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ قصواء مدینہ منورہ کی شمالی سمت مدینہ منورہ کی طرف چلی تو جب ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچی تو فضاؤں میں انصار عورتوں کے خوشی اور تشکر بھرے ترانے فضا میں گونجنے لگے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع   وجب الشکر علینا مادعا للہِ داع

پر مجبور ہوگی کہ اس نشان کا آدمی سوائے رسولؐ کے کوئی عام انسان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

رسولؐ کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ

رسولؐ کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ خدا کی کوئی "آسمانی کتاب" ہوتی ہے۔ رسولؐ کے ساتھ آسمانی کتاب کا ہونا دو وجہوں سے ضروری ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اس کے پاس ایک ہدایت نامے کا ہونا ضروری ہے جس کے مطابق وہ بندوں کی رہنمائی کرے اُنہیں راہ راست پر چلائے اور خدا کے احکامات اور اُس کی مرضی سے اُنہیں روشناس کرائے۔

عقل کہتی ہے کہ آسمان سے نازل شدہ کسی بھی الہامی کتاب میں درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

کیوں ضروری ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے لیکن آنے والے مباحث کی روشنی میں ذرا بھی ذہن پر زور دیا جائے تو کیوں کا جواب خود بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ان اُمور کی نشاندہی جن کا کسی بھی الہامی کتاب میں ہونا ضروری ہے۔

۱. عبادات اور جملہ شعبہ ہائے زندگی سے متعلق احکام و قوانین اور مفید ہدایات جن کا تعلق عمل اور جوارح سے ہے۔

۲. عقائد، اصول اور ایمانیات جن کا تعلق قلبی تصدیق سے ہے۔

۳. خدا کی ذات و صفات سے متعلق واضح بیانات۔

۴. عالم آخرت اور جزا و سزا کی تفصیلات۔

۵. گزشتہ نبیوں، رسولوں اُن کی کتابوں اور قوموں کے تذکرے۔

۶. جس رسول پر کتاب نازل ہوئی اُس کے متعلق ہدایات۔

۷. خود اُس نازل شدہ آسمانی کتاب کے متعلق تذکرہ۔

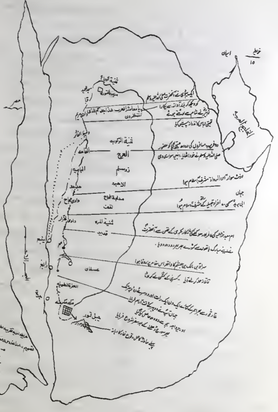
۸. جس دور میں وہ کتاب نازل ہوئی اُس دور اور اُس دور کے لوگوں کے متعلق تذکرہ۔

۹. آئندہ کے واقعات اور اسرار غیب کی اطلاع۔

۱۰. کائنات کی تخلیق، آفرینش کی حکمت و مصلحت، آغاز و انجام اور درمیانی مراحل کا بیان۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسولؐ اس ظاہری دنیا میں موجود نہ رہے جب بھی بندوں کو ایک مستند ذریعہ سے اپنے متعلق خدا کی مرضی اور اس کی ہدایات و احکامات کا علم ہوتا رہے۔

اور خدا شناسی کے لئے بیک واسطہ اس کی ایک نشانی، کائنات کے ہر دور میں انسانوں کے درمیان موجود رہے



ایران
الخلیج العربی
ثنیۃ الوداع
مدینۃ المنورۃ
ثنیۃ الرکوبہ
العرج
الاحید
مدلجۃ المحاج
لقف
ثنیۃ المرہ
قدید
عسفان
ینبع
رابغ
جدہ
مکہ مکرمہ
جبل ثور
مصر
بحر عرب

خَلَقَ الْإِنسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

(اللہ نے) پیدا فرمایا انسان کو (اور) تعلیم دی اسے بیان کی

(الرحمٰن: ۳،۴)

سرورِ کائنات ﷺ کی فصاحت و بلاغت



فصاحتِ نبویؐ

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ پر وسیع نظر ڈالنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خطابت نبوت کے لوازمات میں ہمیشہ شامل رہی ہے۔ اور یہ منصب نبوت کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عہد اور جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس کا خاصہ ہی شعر و خطابت میں فصاحت و بلاغت تھی۔ اس لئے یہ بات بھی طبعی اور قدرتی تھی کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کے تمام خصائص لوازمات اور مظاہر پوری جامعیت و کمال کے ساتھ عطا کئے جاتے یہی وجہ ہے کہ نبی اُمّی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غیر فانی معجزہ عطا ہوا۔ وہ بھی فصاحت و بلاغت کے متعلق ہے۔ قرآن مجید پہلے بھی اور آج بھی اپنے لفظ و معنی کے تمام خصائص و محاسن کے ساتھ عربوں اور تمام انسانیت کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اور رہے گا۔

فصاحت و بلاغت کا نبوت سے جو تعلق ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے خطابت کی جو اہمیت ہے وہ اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران بار بار اس لفظ کو دہرایا۔ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ ؟ یعنی کیا میں نے بات کو واضح طور پر پہنچا دیا ہے ؟ ظاہر ہے پیغام حق کو واضح طور پر پہنچانا اور کھول کر بیان کرنا خطیب کے لئے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کا منصب بھی یہی بیان فرمایا ہے[1]؛

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا منصب تو بات کو کھول کر واضح طور پر پہنچانا ہے۔

آپ کو حکم ربانی یہ تھا[2]؛

"یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ،

اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ اسے واضح طور پر پہنچا دے۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو اچھی طرح نہیں پہنچایا!"

اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت عطا فرمایا تو اس منصب کو نبھانے کے آداب بھی تلقین فرمائے۔ چنانچہ کہیں تو حکم ہوا کہ[3]

وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًا ۢ بَلِیْغًا۔

---

[1] المائدہ (۵/۹۲) [2] المائدہ (۵/۶۷) [3] النساء (۴/۶۳)

انہیں ایسا وعظ و نصیحت فرمایئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

بقول امام راغب اصفہانی قول بلیغ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کلام بذاتہ فصیح و بلیغ ہو۔ جس کے لازمی اوصاف تین ہوتے ہیں

لغوی لحاظ سے کلام درست ہو۔

معنی مقصود سے مطابقت رکھتا ہو۔

اور یہ کلام فی ذاتہ صحیح و صادق ہو۔

قول بلیغ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بات کہنے والا بھی بلیغ ہو، اور مخاطب پر اس کا اثر بھی ہو تو کلام بلیغ کہلائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قول بلیغ کا حکم ہے۔ اس میں یہ ہر دو قسمیں شامل ہیں[1]۔

داعی حق کو جب دعوتِ اسلام کا منصب سپرد ہوا تو فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ حکمت و موعظت اور حسن استدلال کا بھی حکم ہوا۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ (۱۶-۱۲۵)

اے رسولؐ! اپنے رب کے رستے کی طرف دعوت دیجئے تو حکمت اور اچھے وعظ و نصیحت سے اور ان لوگوں سے اگر بحث و استدلال کی نوبت آئے تو احسن طریق سے استدلال فرمایئے!

فصاحت نبوی کے عناصر ترکیبی

اس پس منظر میں جاحظ کا یہ قول مناسب توجہ کا مقتضی ہے اور حقیقت حال کی تصویر بھی کہ[1]:۔

وَالذین بعث فیھم اکثرُما یعتمدون علیہ البیان واللسان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جن کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحت لسانی تھی!

لیکن سرمایہ فصاحت و بلاغت کے ان قارونوں میں سے کسی کو نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں کبھی حرف گیری کا موقع نہ ملا۔ اس ضمن میں جاحظ کا یہ بیان ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے[2]:

لم یر احدًا من اعدائہ شاھد ھنالک طرفًا من العجز، ولو کان ذلک مرئیا و مسموعا لاحتجوا بہ فی الملأ ولتناجوا بہ فی الخلاء ولتکلم بہ خطیبھم ولقال فیہ شاعرھم فقد عرف الناس کثرۃ خطبائھم وتسرع شعرائھم۔

آپؐ کے دشمنوں میں سے کسی کو آپؐ کی فصاحت و بلاغت میں کسی قسم کا عجز یا عیب نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی

---

[1] البیان والتبیین ۲/۲۸   [2] البیان والتبیین ۲/۲۸

ایسی بات دیکھنے یا سننے میں آئی ہوتی تو وہ لوگ مجالس میں اسے بطور دلیل پیش کرتے اور اپنی خلوت گاہوں میں اس کے متعلق سرگوشیاں کرتے۔ اس سلسلہ میں ان کے خطیب بات کرتے یا ان کے شعراء اس کا تذکرہ کئے بغیر نہ رہتے۔ کیونکہ دنیا کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں خطیب بھی بکثرت تھے اور ان کے شعراء تو ایسی باتوں میں بہت تیزی دکھایا کرتے تھے۔

افصح العرب نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اور خطیبانہ کمالات کے پس منظر میں متعدد عناصر کار فرما تھے۔ ان میں سے بعض کا تعلق ماحول سے ہے، اور بعض رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور فیض ربانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں نمایاں اثر فیض ربانی کا تھا، ارشاد ربانی ہے[1] کہ "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ ہم ہی ہیں کہ ہر شئے کو اندازے سے پیدا کیا ہے"

اور بقول شاعر ع

"ہر کسے را بہر کارے ساختند"

اور اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ شَيْئًا هَيَّاَ اَسْبَابَهٗ کہ جب اللہ تعالٰی کوئی کام انجام دینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اسباب پیدا کر دیتے ہیں کہ وہی ذات مسبب الاسباب ہے۔ فصاحت نبوی کے لئے بھی خالق کون مکاں نے چند در چند اسباب مہیا فرما دیئے تھے کہ انسانیت کی امامت آپؐ کے سپرد ہونے والی تھی، اور صحف سماویہ کا آخری نسخہ کیمیا آپؐ کے قلب اطہر اور زبان مقدس پر نازل ہونے والا تھا" قاضی عیاض اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ "مَا رَاَيْنَا الَّذِيْ هُوَ اَفْصَحُ مِنْكَ[2] ہم نے کہیں آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ شخص کبھی نہیں دیکھا!" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔

وَمَا يَمْنَعُنِيْ؟ وَاِنَّمَا اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ بِلِسَانِيْ لِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ، وَقَالَ مَرَّةً اُخْرٰى:
اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ، بَيْدَ اَنِّيْ مِنْ قُرَيْشٍ وَنَشَاْتُ فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ۔

میری فصاحت میں کیا چیز مانع آسکتی ہے؟ قرآن مجید میری زبان میں نازل ہوا جو لسانِ عربی مبین یا منجھی ہوئی عربی زبان ہے۔ پھر ایک اور موقع پر فرمایا:۔ میں افصح العرب ہوں مگر (اس پر مستزاد یہ ہے کہ) میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور میری نشو و نما قبیلہ بنو سعد میں ہوئی ہے۔

طبرانی کے الفاظ یوں ہیں[3]

"اَنَا اَعْرَبُ الْعَرَبِ، وُلِدْتُ فِيْ قُرَيْشٍ، وَنَشَاْتُ فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَاَنّٰى يَاْتِيْنِيَ اللَّحْنُ"

میں تمام عربوں سے زیادہ کھول کر بات کرنے والا ہوں۔ میں قریش میں پیدا ہوا۔ میری پرورش بنو سعد میں ہوئی۔ تو اب میرے کلام میں لحن کہاں سے آئے؟ میری فصاحت و بلاغت میں نقص کہاں سے آئے۔

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ تمام عرب

---

[1] القمر (۴۹/۵۴)　　[2] - الشفا ۱/۱۷۷　　[3] علی ہامش الشفا ۱/۱۷۸

کے لہجے اور مقامی بولیاں سمجھ لیتے ہیں اور ہر قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ علم و ادب آپ کو کس طرح حاصل ہوا؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ!

میرے رب نے مجھے سلیقہ اور ادب سکھایا ہے اور میری خوب خوب تربیت فرمائی۔

ایک مرتبہ بلاد یمن کا ایک بدو حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ آیا سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام ہے۔ عربی مبین میں تو اسے یوں کہنا چاہیے تھا۔ اَمِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ! مگر اس کے قبائلی لہجے میں حرف تعریف الف لام کے بجائے الف میم تھا (اَمْ بجائے اَلْ) چنانچہ کہنے لگا: اَمِنَ اَمْبِرِّ اَمْصِیَامُ فِی اَمْسَفَرِ؟ تو آپ نے اسی کے لہجے میں جواب دیا: نَعَمْ مِنَ اَمْبِرِّ اَمْصِیَامُ فِی اَمْسَفَرِ! قبیلہ بنو سعد والے عین کو نون سے بدلتے تھے مثلاً اَعْطِیْ کو اَنْطِیْ کہتے تھے۔ مُعْطِیْ کو مُنْطِیْ کہتے تھے۔ اس قبیلے کا ایک شخص عطیۃ السعدی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے اس کے قبیلے کی زبان اور لہجے میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

مَا اَغْنَاکَ اللّٰہُ فَلَا تَسْاَلِ النَّاسَ شَیْئًا فَاِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْطِیَۃُ وَالْیَدَ السُّفْلٰی ھِیَ الْمُنْطَاۃُ :۔

اگر اللہ تعالےٰ تجھے بے نیاز کر دے تو تو لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ کیونکہ اوپر والا ہاتھ عطا کرنے والا ہوتا ہے اور نچلا ہاتھ عطیہ لینے والا ہوتا ہے۔

اسی طرح لقیط بن عامر العامری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کچھ پوچھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو آپؐ نے بنو عامر کے لہجے میں بات کرتے ہوئے اس سے فرمایا۔ سَلْ عَنْکَ جس کا عربی مبین میں مطلب ہے! اپنے آپ سے پوچھ۔ لیکن بنو عامر کا یہ محاورہ سَلْ مَاشِئْتَ :۔ جو پوچھنا چاہتا ہے پوچھ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[1]۔

کَانَ لَا یَسْرِدُ الْکَلَامَ کَسَرْدِکُمْ ھٰذَا کَانَ کَلَامُہٗ نَزْرًا وَاَنْتُمْ تَنْثُرُوْنَ الْکَلَامَ نَثْرًا :۔

آپ کا کلام اس طرح نہ تھا جس طرح تم لوگ گفتگو کیا کرتے ہو۔ آپ بہت کم گو تھے۔ جب کہ تم اپنا کلام بکھیرتے رہتے ہو۔

آپؐ نے خود بھی ایک موقع پر فرمایا تھا[2] کہ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ بِکَاءٌ :۔ ہم گروہ انبیاء کم گو ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے آپ کو جہیر الصوت اور شیریں آواز بنایا تھا۔ آپ کی آواز میں وہ شیرینی تھی کہ سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر آپ کے خطبات میں محو ہو جایا کرتے تھے، اور بلند آواز اتنے تھے کہ دور دور تک بیٹھنے والے آپ کی آواز سنا کرتے تھے حضرت

سلہ احیاء علوم الدین ۲/ ۲۷۴ سلہ البیان والتبیین ۱/ ۱۳، ۴/ ۳۷

ام ہانی سے مروی ہے[1]

كُنَّا نَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت کعبہ کے پاس تلاوت فرماتے تھے اور ہم اپنی چھت پر آپؐ کی آواز سن لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں[2]

جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ: اِجْلِسُوا فَسَمِعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَ فِي بَنِي غَنْمٍ فَجَلَسَ فِي مَكَانِهِ۔

ایک دن جمعہ کو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا "بیٹھ جاؤ"! تو عبداللہ بن رواحہ آپ کی آواز سن کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ حالانکہ اس وقت بنو غنم کے علاقے میں تھے جو مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر ہے

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التمیمی روایت کرتے ہیں[3]

خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَفَتَحَ اللّٰهُ أَسْمَاعَنَا حَتَّى إِنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُولُ وَنَحْنُ فِي مَنَازِلِنَا

منٰی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اللہ تعالٰی نے ہماری قوت سماعت بڑھا دی چنانچہ اپنے گھروں میں ہی آپ کی باتیں سنتے رہے۔

قاضی عیاض نے حضرت ام معبدؓ کا قول نقل کیا ہے جو آپ کے انداز بیان کی شیرینی اور بلند آواز کی کیفیت بیان کرتی ہیں[4]

حُلْوُ الْمَنْطِقِ فَصْلٌ، لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ، كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتٌ نُظِمْنَ، وَكَانَ جَهِيرَ الصَّوْتِ حَسَنَ النَّغْمَةِ

آپ کی زبان میں شیرینی تھی، آپ ہر بات واضح طور پر بیان کرتے، نہ قلیل الکلام تھے اور نہ کثیر الکلام تھے آپؐ کی گفتگو گویا موتی تھے جو لڑی میں پرو دیئے گئے ہوں۔ آپ کی آواز بہت بلند تھی۔ اور اس میں عمدہ نغمگی پائی جاتی تھی![5]

قاضی عیاض فصاحتِ نبوی کا ایک جامع خاکہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں

---

[1] الخصائص الکبریٰ ۱/۶۶ — [2] حوالہ سابق — [3] حوالہ سابق — [4] الشفا ۱/۱۶۸

[5] الشفا ۱/۱۶۸

فَجُمِعَ لَهُ بِذٰلِكَ قُوَّةُ عَارِضَةِ الْبَادِيَةِ وَجَزَالَتُهَا، وَنَصَاعَةُ اَلْفَاظِ الْحَاضِرَةِ
وَرَوْنَقُ كَلَامِهَا اِلَى التَّاْئِيدِ الْاِلٰهِىِّ الَّذِىْ مَدَدُهُ الْوَحْىُ الَّذِىْ لَا يُحِيْطُ بِعِلْمِهِ بَشَرِيٌّ

اس طرح (قریش میں پیدائش اور بنو سعد میں پرورش سے) آپؐ کی فصاحت و بلاغت میں صحرا نشینی کی قوت بیان و مقابلہ اور عمدہ لفظی اسلوب کے ساتھ شہری علاقے کے الفاظ کی چمک دمک اور اندازِ گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ تائیدِ الٰہی بھی آپؐ کے شامل حال تھی جس کی امداد اس وحی ربانی سے ہوتی تھی جس کا احاطہ انسانی قدرتِ علم سے باہر ہے!

گزشتہ تفاصیل سے فصاحت نبوی کے جو عناصر ترکیبی نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ وہ چار ہیں۔ ان میں سے دو کا تعلق ماحول اور معاشرتی حالات سے ہے۔ جبکہ دو عطیہ فطرت اور تائیدِ الٰہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۔ قریشیت

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتب حدیث و سیرت کے علاوہ کتب ادب میں بکثرت نقل ہوا ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں: "اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَيْدَ اَنِّىْ مِنْ قُرَيْشٍ۔ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ مگر میں قریش سے تعلق بھی رکھتا ہوں؟" علمائے بلاغت و بدیع کے نزدیک اس جملے میں آپؐ نے اپنی فصاحت و بلاغت کا اظہار تو کیا ہی ہے یہ جملہ بجائے خود علم بدیع کی ایک صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ (جسے مَدْحٌ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ؛ مدح جو مذمت کے مشابہ نظر آتی ہے)۔ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں کے بعد بَيْدَ (مگر)[1] کا استعمال یہ شبہ ڈالتا ہے کہ مگر کے بعد والی بات آپؐ کی فصاحت میں کسی کمی کے اظہار کے لئے ہو گی۔ حالانکہ یہ تو پہلے والی بات سے بھی بڑھ کر آپؐ کی فصاحت و بلاغت کا ثبوت ہے کہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ افصح العرب ہوتے اور قریش سے نہ ہوتے تو یہ بات ایک کمی کا باعث ہوتی کیونکہ قبیلہ قریش بحیثیت مجموعی لسانی فصاحت و بلاغت میں تمام عرب میں سب سے بلند مقام کا مالک تھا۔ ان کی زبان "لسان عربی مبین" یعنی منجھی ہوئی عربی زبان میں نہ صرف قرآن کریم نازل ہوا۔ بلکہ تمام قبائل عرب کے خطباء و شعراء قریش کی سکہ بند زبان ہی کو اظہار کا قابل فخر ذریعہ تصور کرتے تھے۔ دور جاہلیت کے مشہور ترین مجموعہ قصائد "معلقات سبعہ" کے شعراء بھی اسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ سوق عکاظ میں جمع ہونے والے خطباء اور شعراء کی بھی یہی زبان ہوتی تھی۔ تمام قبائل عرب قبیلہ قریش کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ قریش کے باذوق لوگ شعرائے عرب کے کلام کے بارے میں جو رائے زنی کرتے تھے۔ اسے سند کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں افصح العرب بھی ہوں اور قریش سے بھی تعلق رکھتا ہوں۔ آپؐ کی فصاحت و بلاغت کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ ہے۔

طبرانی کی روایت کے مطابق اس ارشاد نبوی کے الفاظ یہ تھے۔ اَنَا اَعْرَبُ الْعَرَبِ وُلِدْتُ فِىْ قُرَيْشٍ کہ میں

---

[1] حوالہ سابقہ [2] اس کا اصل مفہوم مزید براں یا انگریزی میں MOVROVER ہے۔

تمام عربوں میں سب سے عمدہ طریقے سے انظہار خیال پر قادر ہوں۔ اور میری پیدائش قبیلہ قریش میں ہوئی ہے۔ یہاں واضح طور پر اور عام فہم انداز میں آپؐ نے اپنی فصاحت و بلاغت کے عنصر اول یعنی قرشیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ قریش میں اور وہ بھی سادات بنی ہاشم میں آپؐ کی ولادت باسعادت افصح اللسان ہونے کی ضمانت ہے۔ جاحظ نے حضرت امیر معاویہؓ کے دربار کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے قبیلہ قریش کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جاحظ لکھتا ہے۔

"وَقَالَ مُعَاوِيَةُ يَوْمًا: مَنْ أَفْصَحُ الْعَرَبِ؟ فَقَالَ قَائِلٌ: قَوْمٌ ارْتَفَعُوا عَنْ لَخْلَخَانِيَّةِ الْفُرَاتِ وَتَيَاسَرُوا عَنْ عَنْعَنَةِ تَمِيْمٍ وَتَيَامَنُوا عَنْ كَسْكَسَةِ بَكْرٍ، لَيْسَتْ لَهُمْ غَمْغَمَةُ قُضَاعَةَ وَلَا طُمْطُمَانِيَّةُ حِمْيَرَ، قَالَ مَنْ هُمْ؟ قَالَ قُرَيْشٌ۔"[1]

معاویہؓ نے ایک دن سوال کیا۔ افصح العرب کون لوگ ہیں؟ تو کسی کہنے والے نے کہا: ایک ایسی قوم ہے جو اہل فرات (عراق) کے لخلخانیہ (گفتار کا عجمی انداز) سے بلند تر ہے۔ قبیلہ تمیم کے عنعنہ (ان میں الف کو عین سے بدلنا) سے دائیں طرف رہے اور بنو بکر کے کسکسہ (کاف کو سین سے بدلنا جیسے اَنَّكَ سے اَنَّسَ) سے بائیں طرف رہے، نہ تو ان میں بنو قضاعہ کا غمغمہ (غیر واضح انداز گفتگو) تھا اور نہ قوم حمیر کا طمطمانیہ (غیر عربی الفاظ کی کثرت ہوتا تھا) حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تو یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا: یہ قریش ہی تو ہیں! تو قریش کی یہ فصاحت آپ کو ورثے میں ملی:

۲ - بنو سعد اور دیگر قبائل کا ماحول

علمائے لغت و ادب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے لسانِ نبوت کو پاکیزہ اسلوب بیان اور شستہ انداز کلام سے مزین کرنے کے لئے آپؐ کی تربیت کا بندوبست قبیلہ بنی سعد میں فرمایا تھا۔ یہ بنو سعد بن بکر بن ہوازن عرب کے بدوی قبائل میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے اور قریش کے شرفاء و سادات اپنے بچوں کی رضاعت اور پرورش کا بندوبست عموماً اسی قبیلے میں کرتے تھے۔ یہاں آپؐ نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی گود میں پرورش پائی۔ اسی لئے آپ کے اس ارشاد میں جس کی تشریح اوپر گذری ہے۔ ان الفاظ کا اضافہ بھی ملتا ہے کہ "وَنَشَأْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ" میری پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی ہے۔ طبرانی کے الفاظ میں۔

أَنَا أَعْرَبُ الْعَرَبِ وُلِدْتُ فِي قُرَيْشٍ وَنَشَأْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ فَأَنَّى يَأْتِيْنِي اللَّحْنُ

میں عربوں میں سب سے بہتر اظہار خیال پر قادر ہوں، میری پیدائش قریش میں ہوئی اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی۔ تو اب میرے کلام میں لحن کہاں سے آتی؟

---

[1] البیان والتبیین ۲/۲۱۲۔ الروض الانف ۱/۱۰۹، جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۵

بنو سعد کے علاوہ آپ کے ننھیال بنو زہرہ اور آپ کے سسرال بنو اسد کی فصاحت و بلاغت بھی مسلم تھی۔ ان کا بھی آپؐ کی تربیت اور اسلوب کلام پر اثر پڑا۔ بنو اسد کی فصاحت کا اگر نمونہ دیکھنا ہو تو آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ پر غور فرمایئے۔ جو انہوں نے اپنے عظیم شوہر کی ذات کے بارے میں فرمائے تھے کہ:۔

كَلَّا لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ۔

۳۔ قرآن کریم

قرآن مجید کے بارے میں ہمارا تو غیر متزلزل ایمان ہے کہ یہ اللہ کا آخری پیغام ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ یہی نہیں بلکہ یہ تو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ جس کے چیلنج کا جواب گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران دنیا نہیں دے سکی۔ اور کبھی نہیں دے سکے گی! قرآن مجید کا لفظی اسلوب بیان بھی ایک معجزہ ہے اور اس کی مختصر سے مختصر آیت میں معانی و مفاہیم کا جو بحر بیکراں موجود ہے وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ گویا کتاب اللہ کے لفظی اور معنوی دونوں قسم کے محاسن اعجاز نبوت محمدی کی شہادت ہیں۔

فصاحت و بلاغت قرآنی تو ایک ایسا معجزہ ہے جس کے سامنے ہر عہد کے عرب فصحاء و بلغاء مسلم و غیر مسلم سر تسلیم خم کرتے رہے ہیں۔ بلکہ خطیب کے کلام کی زینت اور ادیب کی انشاء پردازی کی رونق آیات قرآنی کے اقتباس و استعمال پر موقوف سمجھی جاتی رہی ہے۔ جاحظ کہتا ہے[1]

"وکانوا یستحسنون ان یکون فی الخطب یوم الحفل وفی الکلام یوم الجمع آیٌ من القرآن، فان ذلک مما یورث الکلام البہاء والوقار والرقۃ وسلس الموقع"۔

عرب خطباء اس بات کو مستحسن تصور کرتے تھے کہ اجتماعات و محافل میں خطیب کے کلام میں قرآنی آیات ہوں۔ کیونکہ اس سے کلام میں رونق، وقار، نزاکت اور حسن تاثیر کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

عمران بن حطان الخارجی عرب کے ان خطباء میں سے تھا۔ جو شعر پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے عبید اللہ بن زیاد کے ہاں سب سے پہلا خطبہ دیا۔ تو لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اس موقع پر میرے والد اور چچا بھی موجود تھے۔ پھر اس کے بعد جب میرا گزر عربوں کی ایک محفل پر ہوا۔ تو ایک بزرگ عرب کہہ رہا تھا[2]

ھذا الفتی اخطب العرب لو کان فی خطبتہ شیءٌ من القرآن۔

اگر اس نوجوان کے خطبے میں قرآن مجید کی کوئی آیت ہوتی تو یہ عرب کا سب سے بڑا خطیب ہوتا گویا قرآن مجید

---

[1] البیان والتبیین ۱/۱۱۸ [2] الشفا ۱/۱۷۸، الروض الانف ۱/۱۰۹

کی آیات واقتباسات سے خطیب کے کلام کا خالی ہونا ایک بہت بڑا عیب تھا اسی لئے تو ایسے خطبے کو عرب
اَلشَّوْهَاءُ (بھدا) خطبہ قرار دیتے تھے

اگر کوئی معمولی عرب آیات قرآنی اور اقتباسات رحمانی حفظ کرلے اور اپنے کلام میں ان کا استعمال شروع کر دے تو اس کا انداز خطابت فصاحت وبلاغت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اسلوب بیان میں رونق وچاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر عام اور معمولی عرب کی یہ حالت ہو سکتی ہے تو وہ ذات اقدس جو مہبط وحی تھی جس کا قلب اطہر اور زبان شیریں کما ینطق عن الھویٰ کے ضمن میں آتی تھی۔ اس پر قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کے اثرات کی کیا حد ہو گی۔ یہی تو وجہ ہے کہ خطابت نبوی فصاحت و بلاغت میں بے مثال تھی۔ اور اسی لئے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ میں نے عرب میں آپؐ سے بڑھ کر کوئی فصیح شخص نہیں دیکھا۔ فرمایا تھا۔

وَمَا یمنعنی ؟ وانما انزل القرآنُ بلسانی لسانٍ عربی مبین

تو اس میں مجھے کیا چیز مانع آسکتی ہے؟ آخر قرآن کریم بھی تو میری زبان پر ہی نازل ہوا ہے جو لسان عربی مبین یعنی عرب کی صاف ستھری اور منجھی ہوئی ترقی یافتہ زبان ہے۔

۴ ۔ فطرت محمدؐی کا عطیۂ ربّانی

کون ومکان کے خالق کی سنت یہ ہے کہ وہ ظرف کے مطابق مظروف عطا کرتا ہے۔ اس نے جس سے کچھ کام لینا ہوتا ہے۔ اس میں اس کی صلاحیت خود ودیعت کرتا ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی خود پیدا کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ نبوت ورسالت کے منصب کے لئے اپنے بندوں کو چنتا رہا ہے۔ کبھی آدمؑ کو، کبھی نوحؑ کو، کبھی آل ابراہیم کو، اور کبھی آل عمران کو منتخب کرتا رہا ہے۔ ظاہر ہے جب سب سے بڑی اور آخری ذمہ داری سونپنے کا وقت آیا تو اس کے لئے جس ذات کو چنا ہو گا اس میں ان تمام صلاحیتوں کو ودیعت کر دیا ہو گا جو اس ذمہ داری کا تقاضا کرتی ہیں۔

سنت اللہ یہ رہی ہے کہ جس دور میں جس چیز کا زور ہوتا تھا۔ اسی کے متعلق انہیں معجزہ عطا ہوتا تھا۔ حضرت موسٰےؑ کے عہد میں ساحری کا چرچا تھا۔ چنانچہ ید بیضا اور عصائے موسوی اس کا جواب تھا جس نے سب کو لاجواب کر دیا تھا مسیحؑ کا عہد طب وحکمت کا عہد تھا۔ چنانچہ آپ کو بھی اعجاز مسیحائی عطا ہوا۔ لیکن فصاحت و بلاغت کے رسیا عربوں میں قرآن کریم کے اعجاز سے کام لیا گیا۔ اس لئے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر اور زبانِ اقدس کو فصاحت و بلاغت کے تمام لوازمات کمال سے نوازا گیا۔ آپؐ کی فطرت وخلقت میں خطابت کا اعجاز اور جوامع الکلم کا کمال ودیعت کر دیا گیا۔ قدرتِ ربانی نے فطرت محمدی کو اپنی چشم بینا کے سامنے محفوظ ومامون رکھا فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا کی بشارت کا مقصد یہی تو ہے! قالہ کی حنابندی قدرت کا اپنا منصب ہے چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ

لقد طفتُ فی العرب وسمعت فصحاءهم فما سمعت افصح منکَ فمن ادّبک؟ قال

اَدَّبنی ربی فاحسن تادیبی:-

یا رسول اللہ! میں تمام عرب میں پھرا ہوں۔ ان کے فصیح و بلیغ خطباء کو سنا ہے۔ مگر آپؐ سے بڑا فصیح و بلیغ میں نے نہیں دیکھا، تو آپؐ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا کہ مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور کیا خوب اَدَب سکھایا ہے۔[1]

تو یہ تھے فصاحت نبوی کے عناصر ترکیبی! اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے۔ ان تمام عناصر میں قوی ترین یہی آخری عنصر تھا کہ یہ اللہ کا عطیہ تھا جس کے فیضان نے زبان نبوت کو پاکیزگی، طہارت اور شائستگی کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کے تمام اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا۔ ورنہ ماحول کوئی چیز نہیں ہوتی! اگر قدرت کا عطیہ نہ ہو تو قریش و سعد کی فصاحت و بلاغت کا ماحول کوئی کمال پیدا نہیں کر سکتا! یہ کمال تو ازل سے فطرت محمدی میں قدرت کے دست اعجاز نے ودیعت کر دیا تھا۔

فصاحت و بلاغت کا نظریہ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے۔ بے مثال خطیب تھے۔ اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب خطابت ایک نمونہ بنا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؐ سے جو ارشادات منقول ہیں۔ انہیں یک جا کر کے فن خطابت اور فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک نقطۂ نظر بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ جسے ہم فن خطابت اور فصاحت و بلاغت کے نظریہ نبوی کا نام دے سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ انداز کلام اور اسلوب خطابت میں ہمیشہ اعتدال و میانہ روی اختیار فرماتے تھے۔ حسب موقع اور بقدر ضرورت گفتگو فرماتے۔ جب تقریر فرماتے تو نہایت موزوں الفاظ اور جچا تلا مگر پر اثر انداز اختیار فرماتے۔ بات ختم کر چکتے تو سامعین کی تشنگی باقی نہیں رہتی تھی۔ آپ کے خطبات اکثر مختصر مگر جامع ہوتے تھے۔ البتہ اگر کوئی خاص اور بڑا اہم موقع ہوتا تو آپؐ اپنے خطبات کو طول بھی دیتے تھے۔ مگر یہ طول بیزاری کا باعث ہرگز نہ بنتا اور نہ کوئی بات حشو و زوائد میں شمار کی جا سکتی تھی۔

فصاحت و بلاغت اور فن خطابت کے متعلق آپؐ کے جو اقوال و ارشادات ملتے ہیں۔ وہ بھی آپؐ کے اسی عمل کی تفسیر ہیں۔ آپؐ کثرتِ کلام اور باتونی پن سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے اور آپ کا ارشاد بھی یہی تھا کہ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ بِکَاءٌ: ہم گروہ انبیاء کثرت کلام سے اجتناب کرنے والے اور کم گو ہوتے ہیں۔ آپؐ ہمیشہ موقع و محل کی مناسبت سے بات کہتے تھے اور آپؐ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ

اِنَّا اُمِرْنَا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی مَقَادِیْرِ عُقُوْلِھِمْ!

ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کیا کریں۔

---

[1] نقد النثر ۸۲

آپؐ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہمیشہ یہی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کیا کرو۔

فصاحت و بلاغت کی خوبی کو آپؐ انسانیت کا زیور قرار دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ایک قول جاحظ، ابن قتیبہ اور قدامہ بن جعفر کے علاوہ اور علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ [1]

"وسالہ العباسؓ: فیمَ الجمالُ یارسُولَ اللہ! فقال:۔ فی اللسان"

حضرت عباسؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حسن و جمال کا دار و مدار کس چیز پر ہے؟

تو آپ نے فرمایا تھا۔ زبان پر!

جاحظ نے ابوالحسن المدائنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر تقریر کی اور بڑے اختصار سے کام لیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ مزید ارشاد فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا!

حضرت عمارؓ نے فرمایا [2]

"اَمَرَنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باطالۃ الصلوۃ وقصر الخطب۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ نماز کو طول دیا کریں اور خطبات کو مختصر کیا کریں۔ کسی مجبور کی ترجمانی کے لئے گفتگو کرنے کو آپؐ نے صدقہ قرار دیا ہے [3]۔

"فَضْلُ لِسَانِكَ تُعَبِّرُ بِهٖ عَنْ اَخِيْكَ الَّذِيْ لَا بَيَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ"

اگر تم اپنی فاضل قوت گویائی اپنے کسی ایسے بھائی کی ترجمانی میں صرف کردو۔ جو اظہار و بیان پر قادر نہ ہو تو یہ بھی صدقہ ہے۔"

اس کے برعکس کاہنوں کی سی مسجع و مقفیٰ لفاظی، زبان درازی، باچھیں کھول کر اور گلا پھاڑ کر تقریر کرنا، تکلف اور تصنع سے کام لینا بات کا تبنگڑ بنانا۔ آپؐ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا [4]

"اِنَّ اللہ یبغض البلیغ الَّذی یتخلل بلسانہ تخلل الباقرۃ بلسانہا۔"

اللہ تعالیٰ کو وہ فصیح و بلیغ خطیب ناپسند ہے۔ جو اپنی زبان سے یوں چرتا ہے۔ جس طرح گائے چرتی ہے۔"

---

[1] ۔ نقد النثر ص ۹۱، البیان ۱۷۰، عیون الاخبار

[2] ۔ البیان ۱/ ۳۰۳ نقد النثر ص ۹۱

[3] البیان ۱/ ۲۵۸ [4] ۔ البیان ۱/ ۱۹۴

ابن الاعرابی نے اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو کی تو دورانِ گفتگو احمقانہ اور بیہودہ باتیں کرتا چلا گیا! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]

مَا اعطی العبدُ شرّاً امِنْ طلاقۃِ اللّسانِ :۔

"انسان کو زبان کی تیزی سے بڑھ کر کوئی بُری چیز نہیں دی گئی!"

ایک موقع پر کسی شخص نے آپ سے سوال دریافت کیا تو مسجع اور مقفی الفاظ میں بات شروع کر دی۔ آپؐ نے اسے سختی سے منع فرمایا۔ چنانچہ جاحظ اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں یوں نقل کرتا ہے[2]۔

"یَا رسولَ اللہ! اَرایت من لا شرب ولا اَکل ولا صاح واستہلّ الیس مثل ذلک یُطَلّ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۔ اَسجعٌ کَسَجعِ الجَاھِلِیَّۃِ۔"

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے۔ جس نے نہ کھایا نہ پیا۔ نہ چلایا اور نہ حرکت کی۔ تو کیا ایسے شخص کی بھی دیت ادا کی جائے گی؟ (یعنی جنین یا نامکمل بچہ ضائع کرنے پر دیت ہے یا نہیں۔ اگر آپؐ نے جواب دینے کے بجائے اس کی سجع و قافیہ والی عبارت کو ناپسند فرمایا! اور کہا:۔ کیا تم زمانہ جاہلیت کے کاہنوں کی سی سجع عبارت میں بات کرتے ہو؟"

ارشادِ نبوی یہ ہے کہ انسان پر بیشتر آفات زبان کی بدولت آتی ہیں۔ حتی کہ سب سے بڑی آفت یعنی جہنم میں داخل ہونا بھی زبان درازی کا نتیجہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں[3]

"وَھَلْ یکبُّ النّاسَ عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ فِی نارِ جہنّم الاحصائدُ السنتِھم:۔

کیا انسانوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والا عمل ان کی زبانوں کے نتائج کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے!"

فصاحت و بلاغت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر جاحظ کے اس بیان سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے[4]

"وَمَا نشکّ اَنّہ علیہ السلام قد نھی عن المراءِ وعن التزید والتکلف وعن کل ما ضارع الریاء والسمعۃَ وَالنفج والبَذَخ وعن التھاتر والتشاغبِ وعن المماتنۃِ والمغالبۃِ، فأما نفس البیان فکیف ینھی عنہ"

ہمیں اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری، تکلف سے تیاری کرنے اور ہر اس چیز سے منع فرمایا ہے جو دکھلاوے، شہرت حاصل کرنے، تکبر اور بڑائی دکھانے کے مشابہ ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے کو جھٹلانے، جھگڑنے، مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے خطابت کو استعمال

---

[1] ۔ البیان ۱/۱۹۴   [3] البیان ۱/۲۸۷ نقد النثر ص ۹۱

[2] ۔ البیان ۱/۱۹۴   [4] البیان ۱/۲۷۳

کرنے سے منع فرمایا ہے، مگر جہاں تک نفسِ بیان و بلاغت کا تعلق ہے تو بھلا اس سے آپؐ کس طرح منع فرماتے ؟!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصحاء و بلغاء کی راست گوئی اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بہت پسند تھا۔ حتیٰ کہ ناراضگی خوشنودی میں بدل جاتی تھی۔ اور مقرر کی داد دیئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں عمرو بن الاہتم اور زبرقان بن بدر کا واقعہ بطور شہادت کافی ہوگا۔ جو اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اہتم سے زبرقان بن بدر کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا۔ "مَانِعٌ لِحَوْزَتِہٖ مُطَاعٌ فِیْ اَذْنِیْہِ"۔ کہ وہ اپنا مال دینے میں بخیل اور کنبہ پرور ہے۔ زبرقان نے یہ سن کر کہا کہ اس نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے کہیں زیادہ میرے متعلق جانتا ہے۔ مگر اسے میرے شرف و نسب پر حسد آگیا ہے۔ اس پر عمرو بن اہتم نے کہا۔[۱]

"اما لئن قال ما قال فواللہ ما علمتہ اِلّا ضیقَ الصدد نمرا لمروۃ لئیم الخال حدیث الغنی۔

تو اگر یہ اس طرح کہتا ہے تو پھر خدا کی قسم میں تو اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ یہ تنگ سینے والا، بے مروت انسان ہے۔ ماموں کے ساتھ بخل کرنے والا ہے اور نو دولتیا ہے"۔

مگر عمرو کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ پہلے تو اسے کنبہ پرور کہہ چکا ہے۔ اور اب اسے ماموں کے ساتھ بخل کرنے والا کہہ رہا ہے۔ جو پہلے قول کی تردید ہے۔ اور ساتھ ہی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں ناپسندیدگی کے آثار بھی نظر آنے لگے تو فوراً بول اٹھا۔

یارسول اللہ! رَضِیتُ فقلتُ احسنَ ما علمتُ وغضبتُ فقلتُ اقبحَ ما علمتُ وما کذبتُ فی الاُولیٰ ولقد صدقتُ فی الآخرۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک: انّ من البیانِ لسحرا۔

اے اللہ کے رسولؐ! میں خوشی کی حالت میں تھا تو اپنی معلومات کی بنیاد پر بہترین بات کہہ گیا، اور جب غصے کی حالت طاری ہوئی تو اپنی معلومات میں سے بدترین بات کہہ ڈالی، ورنہ پہلی بار بھی جھوٹ نہیں بولا! اور دوسری مرتبہ بھی سچ ہی بولا ہے۔[۲]

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلاشبہ بعض اوقات خطابت بھی جادو کا کام کرتی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر الامور اوسطہا کہ میانہ روی بہترین بات ہے۔ فصاحت، بلاغت اور فنِ خطابت کے متعلق بھی آپ کا معمول اور نقطۂ نظر یہی تھا۔ آپ کی طرف ایک قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بیہودہ گوئی اور خطابت منافقت کے شعبے ہیں، جبکہ حیا اور بات نہ کر سکنا، ایمان کے دو شعبے ہیں۔ جاحظ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے[۳]

---

[۱] البیان ۱/۵۳ [۲] البیان ۱/۲۲

"وقد زعمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال شعبتان من شعب النفاق البذاء والبیان وشعبتان من شعب الایمان الحیاء والعی! ونحن نعوذ باللہ ان یکون القرآن یحث علی البیان ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحث علی العی ونعوذ باللہ ان یجمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین البذاء والبیان؛ وانما وقع النھی علی کل شیٔ تجاوز عن المقدار؛ فالعی مذموم والخطل مذموم ودین اللہ تبارک وتعالیٰ بین المقصر والغالی!"

"اے شعوبیو! تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفاق کے شعبوں میں سے دو شعبے یاوہ گوئی اور خطابت ہے۔ اور ایمان کے شعبوں میں سے دو شعبے ہیں حیاء اور بات نہ کر سکنے کی کیفیت یعنی تقریر کرنے سے عاجز رہنا اور ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ قرآن کریم تو اعجازِ بیان اور بلاغت پر ابھارتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر کرنے سے عاجز رہنے پر ابھارتے ہوں۔ نعوذ باللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاوہ گوئی کو خطابت کے ساتھ ملا سکتے ہیں۔!؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے منع کیا گیا ہے جو حد مقدار سے بڑھ جائے۔ چنانچہ عی یا تقریر نہ کر سکنے کا اطلاق ہر اس شئے پر ہوگا۔ جو حد مقدار سے کم ہو۔ اسی لئے عی و تقریر نہ کر سکنا بھی قابلِ مذمت ہے۔ اور یاوہ گوئی بھی مذموم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دین تو قاصر رہنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے کے درمیان ہے جو اعتدال و میانہ روی کہلاتی ہے۔"

تو یہ ہے خلاصہ ان ارشادات نبوی کا جو فصاحت و بلاغت اور فن خطابت کے متعلق وارد ہوتے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فصاحت و بلاغت اور خطیبانہ صلاحیت کو قابل ستائش قرار دیا لیکن ساتھ ہی لفاظی بیہودہ گوئی اور مبالغہ آرائی کو ناپسند فرمایا۔ آپؐ نے ہمیشہ مُتَشَدِّقِیْن (باچھیں کھول کر بات کرنے والوں) اور مُتَشَادِّقِیْن (باتونی پن کا مظاہرہ کرنے والوں) کو ناپسند فرمایا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے: اِیَّایَ وَالتَّشَادُقَ "مجھے بات کرتے وقت باچھیں کھولنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے!"

شعر افصح العربؐ کی نظر میں

ہمارا یہ باب نامکمل رہ جائے گا۔ اگر ہم نے شعر و شعراء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤقف نہ بیان کیا کیونکہ انسانی فنون اور اصناف سخن میں اسے ایک نہایت اہم اور نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام نے اس فن کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ تحقیر کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔

کتاب اللہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلاً مَّا تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ (۶۹/۴۲)

یہ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم میں تھوڑے ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں، اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے لیکن

تم میں نصیحت پکڑنے والے بہت کم ہیں ۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی قطعی نفی فرما دی ہے کہ قرآن مجید نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کی کہانت ہے ، یہ تو کتاب اللہ کی بات ہے جو بہت بڑی بات ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شاعری کی ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم ہی نہیں دی ۔ بلکہ یہ آپؐ کی شان کے خلاف ہے کہ آپ شعر و شاعری کرتے ، ارشاد ہے [1]

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ" ۔

ہم نے تو اسے (اپنے رسولؐ کو) شعر سکھلایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ اس کے شایانِ شان ہے ۔ یہ تو صرف ذکر اللہ اور قرآن مبین ہے (آپؐ پر نازل ہوتا ہے اور آپؐ اس کی تلاوت فرماتے ہیں)

یہاں ضمنی طور پر اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے چلنا برمحل ہوگا کہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ سکھانا تھا یا آپؐ کو تعلیم کیا گیا ۔ وہ سب من جانب اللہ تھا خیر البشر کی زبان سے صرف وہی ادا ہوتا تھا اور ہوا ۔ جو رب العالمین نے بذریعہ وحی و الہام آپؐ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا ۔ یہاں سے آپؐ کے اس قول کی صداقت بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے ۔ جو اس صادق و امین نے صدیق اکبرؓ کے جواب میں فرمایا تھا کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ مجھے علم و ادب عطا فرمانے والا تو میرا رب ہے ۔ اور کوئی نہیں ! اسی لئے تو آپ کو یہ حکم تھا کہ علم و عرفان کی دعا صرف اسی قادر مطلق سے مانگتے رہا کریں اور کسی سے نہیں ! حکم ہوا کہ کہا کیجئے ۔ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اے میرے پروردگار ! میرے علم و عرفان میں اضافہ فرمائیے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بلاغت و خطابت کے متعلق فرمایا تھا کہ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (بعض اوقات خطابت جادو بن جاتی ہے) اسی طرح شاعری کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً (بعض اوقات شاعری سراپا حکمت ہوتی ہے ۔ گویا آپؐ کا موقف یہ ہے کہ خطابت تو بعض اوقات جادو کا اثر دکھاتی ہے ۔ ہمیشہ نہیں ، اسی طرح شاعری میں بعض اوقات حکمت و دانش کی بات ہوتی ہے مگر ہمیشہ نہیں تو خطابت تو زیادہ قابلِ تعریف ٹھہری ۔ صرف بعض صورتیں قابل مواخذہ ہیں ۔ جبکہ شاعری کا اکثر حصہ حکمت و دانش کے بجائے کچھ اور باتوں پر مشتمل ہونے کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔

ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا [2]

الشعر کلام من کلام العرب جزل تتکلم بہ فی بوادیھا وتسل بہ الضغائن من بینھا

شعر کلام عرب کا ایک حصہ ہے ۔ جو پر مغز ہوتا ہے جسے عرب اپنے صحراؤں میں کہتے ہیں ۔ دل کی الائشوں کو اس کے ذریعے کھینچ نکالتے ہیں یا اپنی بھڑاس نکال لیتے ہیں !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ۔

إنما الشعر كلام فمن الكلام خبيثٌ وطيبٌ ۔

---

[1] یٰس ۳۶/۶۹

[2] ۔ مقدمہ دیوان حسان ص ۴۷

شعر بھی ایک کلام ہی ہے۔ چنانچہ کلام میں سے بعض تو خبیث اور نقصان دہ ہوتا ہے۔ جب کہ بعض طیّب اور پاکیزہ ہوتا ہے :-

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ :-

لَا تَدَعُ الْعَرَبُ الشِّعْرَ حَتّٰی تَدَعَ الْاِبِلُ الْحَنِیْنَ۔

عرب اس وقت تک شعر کو ترک نہیں کریں گے۔ جب تک اونٹنیاں اپنے بچوں کے لئے شفقت و اشتیاق کو نہیں چھوڑ دیتیں۔ (یہ دونوں باتیں محالات میں سے ہیں!)

شاعر دربار نبوت حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آپؐ کی طرف سے شعرائے قریش کو جواب دیتے تھے۔ آپؐ کا اور اہل اسلام کا دفاع کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے ہمیشہ دعا فرماتے۔ اور ان سے کہا کرتے تھے۔ اَجِبْ عَنِّی وَرُوحُ الْقُدُسِ مَعَکَ (میری طرف سے جواب دیتے جاؤ) روح القدس (حضرت جبرائیل تمہاری مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں۔ آپ حضرت حسانؓ سے اکثر مسجد نبویؐ میں اشعار سنا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آپ ان سے اشعار سن رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ اَشِعْرٌ وَقُرْاٰن؟ کیا شعر بھی اور قرآن بھی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ھٰذَا مَرَّۃً وَّھٰذَا مَرَّۃً کبھی یہ اور کبھی یہ![1]

شعر میں اگر کذب بیانی اور معصیت کی بات نہ ہوتی تو آپ اسے یقیناً پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح آپؐ شعراء کو عطیات سے بھی نوازتے تھے۔ اور ان کے لئے دعا بھی فرماتے تھے۔ نابغہ جعدی اسلامی دور کا شاعر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے قصیدہ ۔!! تو آپ اس کے اشعار کی داد بھی دیتے گئے اور دعا بھی فرماتے گئے۔ نابغہ نے جب یہ شعر سنایا[2]

سہ بلغنا السماء مجدنا وجدودنا وانا لنرجو فوق ذلك مظهرا

ترجمہ :- عزت وخوش بختی میں ہم آسمان پر پہنچ گئے ہیں۔ اور ہمیں اس سے آگے کے مرتبہ کی بھی امید ہے۔

یہ شعر سن کر آپؐ نے فرمایا۔ نابغہ! آگے کہاں کا ارادہ ہے؟ تو نابغہ نے جواب دیا۔ جنت کا یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ اور جب نابغہ نے یہ دو شعر پڑھے۔

ولا خير في حلم اذا لم يكن له بوادر تحمي صفوه ان يكدرا

ولا خير في جهل اذا لم يكن له حليم اذا ما اورد الامر اصدرا

۱ - بردباری میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگر اس کے صاف شفاف حوض کو گدلا ہونے سے بچانے کے لئے اقدامات کرنے والے موجود نہ ہوں۔

۲ - اکھڑپن میں بھی کوئی بھلائی نہیں۔ اگر ایسے لوگوں میں کوئی بردبار موجود نہ ہو جو بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالنے

---

[1] مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴

[2] مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴

کی صلاحیت رکھتا ہو۔
تو آپ نے داد دیتے ہوئے دعا فرمائی۔ لا یفضض اللہ فاک! اللہ تعالیٰ تیرے منہ کو چاک نہ کرے۔ اسی دعائے نبوی کا نتیجہ تھا کہ نابغہ ایک سو بیس سال کا ہو کر فوت ہوا۔ مگر اس کے منہ کے تمام دانت سلامت رہے اور چہرے کی رونق بھی قائم رہی۔
یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں انداز میں کبھی کوئی شعر زبان مبارک سے ادا نہیں فرمایا۔ جب بھی شعر پڑھتے ادھورا یا شکستہ طریقے سے۔ آپ نے حضرت لبیدؓ بن ربیعہ عامری کا ایک مصرعہ

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل

کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے

پڑھا مگر مکمل شعر زبان سے ادا نہ فرمایا۔
طرفۃ بن العبد کا مشہور شعر ہے

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً ویاتیک بالاخبار من لم تزود

ترجمہ:۔ زمانہ تجھے وہ چیزیں دکھلا دے گا جن سے تو آشنا ہی نہ تھا۔ اور تیرے پاس خبریں کر وہ شخص آجائے گا جسے تو نے اس مقصد کے لئے روانہ ہی نہ کیا تھا۔

جب آپ نے پڑھا تو پہلا مصرعہ تو ٹھیک پڑھا۔ مگر دوسرا مصرعہ کلمات آگے پیچھے کر کے پڑھا۔ پھر ایک موقع پر آپ نے حضرت عباسؓ بن مرداس کا یہ شعر پڑھا۔

اتجعل نھبی ونھب العبید بین عیینۃ والاقرع

تو دوسرے مصرعہ میں الاقرع وعیینۃ پڑھا۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ بین عیینۃ والاقرع ہے۔ مگر آپؐ نے دوبارہ بھی بین الاقرع وعیینۃ ہی کہا۔
لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ دو مختلف مواقع پر آپؐ کی زبان سے بے ساختہ بحر رجز کے دو شعر ادا ہوئے مثلاً

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

(میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں)
اور دوسرا شعر نما قول نبوی یہ ہے۔

ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت

تو ایک انگلی ہی تو ہے جس کا خون بہہ نکلا ہے اور اللہ کی راہ میں ہی تجھے یہ صورت پیش آئی ہے۔

لہ اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۲۹

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رجز کے علاوہ دوسرے اشعار تو آپ نے کسی کے بھی پورے نہیں پڑھے تھے۔ لیکن رجز کے دو بیت خود اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تو کیا آپ کو رجز پڑھنے کی اجازت تھی اور اس کے علاوہ شعر پڑھنے کی اجازت نہ تھی ؟ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ آپؐ۔ معاذ اللہ وزن شعر سے واقف نہ تھے جو شعر کو صحیح الوزن پڑھ سکتے تھے۔ بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپؐ کو شعر سے زبان آلودہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مبادا آپ کی طبیعت شعر میں گم جائے یا لوگ آپؐ کو بھی ایک شاعر ہی تصور کرنے لگیں۔ کیونکہ یہ بات منصب نبوت کے لئے مناسب ہی نہیں تھی۔ رہے دو رجزیہ بیت تو اوّل تو اہل عرب رجز کو شعر قرار ہی نہیں دیتے۔ بلکہ وہ تو اسے ہم قافیہ مسجع عبارت سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے اسی لئے رجز کہنے والے کو شاعر نہیں رجاز کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دو بیت زبان نبوت سے قصداً ادا نہیں ہوئے جو رجز کے وزن پر پورے اترتے ہیں۔ اس سلسلے میں مصطفٰی صادق الرافع کا بیان قابل غور ہے لکھتے ہیں:[1]

"ہمارے نزدیک یہ مسلم ہے۔ وہ یہ ہے کہ شعر کو صحیح وزن کے ساتھ آپؐ نے صرف اس لئے نہیں پڑھا تھا کہ آپؐ کو شعر پڑھنے سے روک دیا گیا تھا۔ اگر آپ ایک بیت بھی صحیح الوزن ادا فرما دیتے تو ہو سکتا ہے کہ آپؐ کی فطرت قویہ شعر پر غالب آجاتی اور آپ شعر پڑھتے رہتے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ آپ شعر کہنے لگتے اور شاعر بن جاتے۔ اگر آپؐ شاعر بن جاتے تو ماحول کے مطابق عرب شعراء کی روش پر پڑ گئے ہوتے، شعر کہنے میں محنت کرنے لگتے، دوسروں کا مقابلہ کرتے۔ ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ اور جذبہ حمیت عربی میں کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک بات سے دوسری بات کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آپؐ دعوت حق سے معاذ اللہ۔ منہ پھیر لیتے۔ نبوت کے پاکیزہ مشن اور قرآن کے بلند ترین مقصد سے ہٹ جاتے۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہوتا کہ آپ اس میدان میں عربوں کی خاطر دور تک نکل جاتے۔ چنانچہ کسی بات پر تو انہیں برقرار رہنے کو کہتے۔ اور کسی بات پر ان سے مقابلہ بھی کرتے۔ اور یوں آپؐ کی شاعری خدانخواستہ 'قرآن مجید کی ہر بات کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے یہ فرمایا تھا۔ کہ ہم نے اسے شعر سکھایا ہی نہیں۔ اور نہ یہ آپؐ کے شایانِ شان تھا۔ وحی محمدی تو بس ذکر اللہ اور قرآن مبین ہی ہے":

خلاصہ بحث یہ ہے کہ افصح العرب نہ صرف شعر فہمی اور شعر خوانی پر قادر تھے۔ بلکہ شعر گوئی پر بھی قادر تھے لیکن حکمت ربانی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کو اس سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ یہ منصب نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ مفید اور پاکیزہ اشعار کو پسند کیا۔ بلکہ ایسے شعر کہنے کی اجازت بھی عطا فرمائی اور حوصلہ افزائی بھی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر سورہ الشعراء کی ان آیات میں واضح طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔

"وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا"۔

---

[1] اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۴۲

یہ جو شعراء ہیں ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ یہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک کام کئے اور اللہ کو بکثرت یاد کیا اور مظلوم ہونے کے بعد فتح پائی۔

ان آیات کریمہ میں شعر و شاعری کی تین باتوں کو ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیا گیا ہے۔

۱ ۔ یہ شاعر لوگ معاشرے میں گمراہی پھیلانے کا سبب ہیں۔ گویا انسانیت کو نفع پہنچانے کے بجائے نقصان اور تباہی سے دو چار کرتے ہیں۔ یہ بات منشائے ربانی کے خلاف ہے

۲ ۔ ان کے فن میں جھوٹ اور مبالغہ آمیزی پر زور ہوتا ہے۔ سچائی اور حقائق زندگی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

۳ ۔ ان کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ وہ فن برائے فن کی رو سے شعر تو کہہ دیتے ہیں۔ مگر اپنے اشعار میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ ان کا عمل اس کی تردید کرتا ہے۔

ان اوصاف ثلاثہ سے جو ادب متصف ہوگا۔ وہ مردود و مسترد ہے۔ اسی شاعری کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قے سے بھی زیادہ ناگوار قرار دیا ہے۔ ایسا فن انسانی معاشرے کے لئے مہلک ہے۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے برعکس شعر و ادب کی ایک قسم کو ان آیات میں پسند کیا گیا ہے جس میں مندرجہ ذیل تین اوصاف ہوں گے۔

۱ ۔ ایمان اور عمل صالح سے متصف شعراء کے کلام سے یقیناً ایمان اور عمل صالح کی ترغیب ہوگی۔ اس لئے شعر و ادب سے اگر انسان کے ضمیر میں ایمان کی دولت اور عمل صالح کی تلقین ہوتی ہو تو وہ قابل ستائش ہے اور پسندیدہ ہے۔

۲ ۔ اس ادب سے خالقِ حقیقی سے رشتہ کٹ جانے کے بجائے یہ رشتہ عبودیت مضبوط ہوتا ہو۔ اور اللہ کی عظمت ربوبیت کا احساس زندہ ہوتا ہو۔

۳ ۔ یہ شعر و ادب حقیقت بیانی اور حق کی ترجمانی کا علمبردار ہو۔ اس سے ظلم کے خلاف جہاد کا جذبہ بیدار ہوتا ہو۔

اگر ایسا ادب اور شعر تخلیق ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ شریعت مصطفوی انسانی عظمت کے علمبردار ادب کی خود دعوت دیتی ہے۔

شعر و شاعری اور عربوں کے متداول علوم و فنون سے آپ کی زبان کو آلودہ ہونے سے جو محفوظ رکھا گیا تو اس کی حکمت جاحظ کے بیان سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے، وہ اس ضمن میں سب سے پہلے تو ایک بصری بزرگ کا قول نقل کرتا ہے اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے

"وکان شیخ من البصریین یقول :- إن اللہ انما جعل نبیّہ اُمّیّاً لایکتب ولایحسب ولایخسب ۔ ولایقرض الشعر ولایتکلف ولایتعمد البلاغۃ لیفرد

سلہ :- البیان والتبیین ۴ ۲۷

اللہ بتعلیمة الفقه واحکام الشرعیة ویقصره علی معرفة مصالح الدین دون ما تتباهی به العرب من قیافة الاثر والبشر ومن العلم بالانواء وبالخیل وبالانساب وبالاخبار وتکلف قول الشعر لیکون اذا جاء بالقرآن الحکیم وتکلم بالکلام العجیب کان ذلک أدل علی أنه من الله! وزعم أن الله تعالی لم یمنعه معرفة آدابهم واخبارهم واشعارهم لیکون انقص حظا من الحاسب الکاتب ومن الخطیب الناسب ولکن لیجعله نبیا ولیتولی من تعلیمه ما هو أزکی وانمی فانما نقصه لیزیده ومنعه لیعطیه وحجبه عن القلیل لیجلی له الکثیر!

"بصریوں میں سے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو امی صرف اس لئے بنایا تا آپؐ حساب کتاب، نسب شناسی، شعرخوانی، خطابت کے تکلف اور بلاغت کے ارادے سے دور رہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہی آپؐ کو دین کی سچائی کی معرفت تک محدود رکھتے ہوئے عرب کے ان فنون سے دور رکھے جن پر وہ باہم فخر و مباہات کرتے تھے۔ جیسے قیافہ شناسی، نچھتروں کا علم، گھوڑوں، انساب اور احوال عرب کا علم اور شعر گوئی کا تکلف۔ تاکہ جب آپؐ پر قرآن حکیم نازل ہو، اور عجیب و غریب کلام آپؐ کی زبان پر جاری ہو، تو یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہو کہ یہ منجانب اللہ ہے! بزرگ مذکور نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عربوں کے آداب، اخبار اور اشعار کی معرفت سے اس لئے نہیں روکا کہ آپؐ ایک حساب کتاب جاننے والے اور نسبت شناس خطیب سے ناقص الحظ ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ آپؐ کو اپنا نبی بنانا تھا۔ اور زیادہ پاکیزہ اور مفید تعلیم کا ذمہ لینا تھا۔ یہ کمی اس لئے تھی کہ آپؐ کو زیادہ دینا تھا۔ یہ روکنا عطا کرنے کے لئے اور تھوڑی شی آپ سے چھپا کر بہت زیادہ کو آپؐ کے سامنے جلوہ گر کر دیا۔

جاحظ کو اس بزرگ کی یہ رائے جو نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اور جو اس نے اپنے علم اور سمجھ کے مطابق کہی ہے۔ پسند نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"ولو زعم أن اداة الحساب والکتابة واداة قرض الشعر ورواية جميع النسيب قد كانت فيه تامة وافرة ومجمعة كاملة ولكنه صلى الله عليه وسلم صرف تلك القوى وتلك الاستطاعة إلى ما هو أزكى بالنبوة واشبه بمرتبة الرسالة فكان إذا احتاج إلى البلاغة كان ابلغ البلغاء واذا احتاج الى الخطابة كان اخطب الخطباء وانسب من كل ناسب واقوف من كل قائف، ولو كان في ظاهره والمعروف من شأنه أنه كاتب حاسب وشاعر ناسب ومتفرس قائف، ثم اعطاه الله برهانات الرسالة وعلامات النبوة ما كان ذلك بمانع من وجوب تصديقه ولزوم طاعته

والانقياد لأمره على سخطهم ورضاهم ومكروههم ومحبوبهم ولكنه أراد ألا يكون للشاعب متعلق عناد عاد إليه حتى لا يكون دون المعرفة بحقه حجاب وإن رق وليكون ذلك أخف في المؤنة وأسهل في المحنة فلذلك صرف نفسه عن الأمور التي كانوا يتكلفونها ويتنافسون فيها فلما طال هجرانه لقرض الشعر وروايته صار لسانه لا ينطلق به والعادة توأم الطبيعة، فأما في غير ذلك فإنه إذا شاء كان انطق من كل منطيق وأنسب من كل ناسب وأقوف من كل قائف وكانت آلته أوفر وأداته أكمل إلا أنها كانت مصروفة إلى ما هو أرد!"

اگر یہ بزرگ یہ کہتے کہ حساب وکتاب، شعر خوانی اور تمام انساب کی روایت آپؐ کی ذات میں تمام و وافر تھی اور کامل طور پر اکٹھی ہو گئی تھی۔ مگر آپؐ نے اپنی ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو ایسے امور کی طرف موڑ دیا تھا جو نبوت کے طفیل پاکیزہ تر اور مرتبہ رسالت کے مشابہ تر تھے۔ حالانکہ جب بھی آپؐ کو ضرورت ہوتی آپؐ سب سے بڑے بلیغ اور سب سے بڑے خطیب، سب بڑے نسب شناس اور سب بڑے قیافہ شناس تھے۔ اگر بظاہر یوں مشہور ہوتا کہ آپؐ حساب کتاب جاننے والے، غزل گو شاعر اور صاحب فراست قیافہ شناس ہیں۔ پھر اللہ تعالٰے آپؐ کو براہین رسالت اور علامات نبوت عطا فرما دیتا تو بھی آپؐ کی تصدیق کے واجب ہونے، اطاعت کے لازم ہونے اور خوش و ناخوش اور پسند و ناپسند ہر صورت میں لوگوں کو آپؐ کا مطیع ہونا ہی پڑتا۔ مگر اللہ کا یہ منشا تھا کہ آپؐ شور و شغب اور تماشا آرائی کرنے والے کی پکار پر لبیک نہ کہیں۔ تاکہ آپؐ کی صداقت کو پہچاننے میں باریک سے باریک پردہ بھی حائل نہ ہو۔ ذمہ داری اٹھانے میں یہ بات خفیف تر اور آزمائش میں سہل تر ہو، اس لئے آپؐ نے اپنی توجہ کو ان امور سے ہٹا لیا تھا۔ جن میں وہ محنت و مشقت سے باہم مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ شعر خوانی کو ترک کرنے اور اسے روایت کرنے سے اجتناب کی مدت طول پکڑ گئی تو یہ آپؐ کی زبان پر رواں نہ ہو سکا۔ اور عادت تو فطرت کے ساتھ جڑواں بچے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر آپؐ جب چاہتے ہر بولنے والے سے زیادہ گویا اور ہر نسب شناس سے زیادہ نسب شناس اور ہر قیافہ شناس سے بڑے قیافہ شناس تھے۔ آپؐ کی صلاحیت بھی وافر تھی۔ اور وسائل بھی کامل تر ین تھے۔ مگر وہ زیادہ نفع بخش باتوں کی جانب مبذول تھے؛

خطابت کا اسلوب نبویؐ اور اس کے خصائص

نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت سے جس طرح قبائل عرب کو ایک امت ہونے اور مختلف لہجوں سے عبارت عربی زبان کو شہرت عام اور بقائے دوام رکھنے والی متحدہ زبان بننے کا موقع ملا۔ اسی طرح فصاحت، بلاغت اور خطابت عربی کو بھی ایک منفرد اور امتیازی مقام نصیب ہوا۔ عربی خطابت کو جو عروج و کمال اور مقبولیت و اہمیت بعثت نبویؐ

سے میسر آئی۔ وہ اسے عرب کے تمام خطباء سے بھی میسر نہ آسکی۔ جو حسن و رعنائی، صداقت و صفائی اور سلاست و روانی آپؐ کے اسلوبِ خطابت میں ہے۔ اسے عرب کے تمام خطباء کے کمالات کے ساتھ تولا جائے تو اسلوب نبوی کا پلڑا بھاری رہے گا۔

عرب کے تمام فصحاء و بلغاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی ستائش کی ہے۔ اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ عربی زبان و ادب کی تاریخ میں کلام اللہ کے بعد فصاحت و بلاغت میں کلام نبوی کا مقام ہے[1]۔ آپؐ کا اسلوبِ خطابت و بلاغت چونکہ فیضانِ الٰہی کا نتیجہ تھا اس لئے اس میں وحیِ الٰہی کے اثرات نمایاں تھے۔ آپؐ کے اسلوب تکلم و خطابت میں تکلف و تصنع نہیں تھا۔ بلکہ سادہ و سلیس مگر پرکشش اسلوبِ لفظی کے ساتھ نازک سے نازک معانی بیان فرماتے تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے[2] کہ

ثم راوہ فی جمیع دھرہ فی غایۃ التسدید والصواب التام والعصمۃ الفاضلۃ والتائید الکریم، علموا أن ذلک من ثمرۃ الحکمۃ ونتاج التوفیق و أن تلک الحکمۃ من ثمرۃ التقوی ونتاج الإخلاص:۔

لوگوں نے آپؐ کو ہمیشہ انتہائی راست گو، صائب کال، صاحب فضیلت و معصومیت اور شرف ربانی کی تائید سے متصف پایا تو وہ جان گئے کہ یہ حکمت کا پھل اور توفیق ایزدی کا نتیجہ ہے اور یہ حکمت تقوی کا پھل اور اخلاص کا نتیجہ ہے:۔

شعراء نے بھی فصاحت نبویؐ کا اعتراف کیا اور مدح سرائی کی ہے۔ عہد نبوت کے مشہور شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[3]۔

لَوْلَمْ تَکُنْ فِیْہِ آیَاتٌ مُبَیِّنَۃٌ   کَانَتْ بَدَاھَتُہٗ تُنْبِیْکَ بِالْخَبَرِ

اگر آپؐ کے پاس اعجازِ قرآنی کی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں۔ تو آپؐ کی خطیبانہ بداہت گوئی تجھے حقیقت حال کی خبر دے دیتی۔

امام بوصیری فصاحت نبویؐ کا اعتراف کرتے ہوئے یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

کَفَاکَ بالعلمِ فی الأُمِّیِّ معجزۃً   فِی الجاھلیۃ والتأدیبِ فِی الیتمِ

نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معجزہ کافی تھا کہ دورِ جاہلیت کی تاریکیوں کو علم سے روشناس کر دیا اور یتیم ہوتے ہوئے بھی آپ کو دستِ قدرت نے ادب سکھا دیا!

---

[1] الخطابۃ العربیۃ ص ۴۸، الادب العربی و تاریخ ص ۳۴

[2] البیان ۲/۳۱، [3] البیان ۱/۱۰، عیون الاخبار ۱/۲۲۴

مصری شاعر احمد شوقی خطابت نبوی کے اثر انگیز اسلوب کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاِذَا خَطَبْتَ فَلِلْمَنَابِرِ هِزَّةٌ تَعْرُو النَّدِیَّ وَلِلْقُلُوْبِ بُکَاءُ

جب آپؐ خطبہ ارشاد فرماتے تو منبر بھی جھوم اٹھتے تھے۔ محفل پر لرزہ طاری ہو جاتا اور دل رونے لگتے

آپؐ کے اسلوب خطابت کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ آپؐ کے کلام کی الفاظ کی تعداد کم ہوتی تھی۔ مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ الفاظ میں کفایت شعاری سے کام لینا، قادر کلام خطیب کے اہم خصائص میں سے متصور ہوتا ہے۔ آپؐ کے کلام میں یہ کیفیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپؐ کے خطبات میں تکلف و تصنع کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ باچھیں کھول کر گفتگو کرنا۔ (تشدیق) گلے کی گہرائی سے آواز نکالنا (تقعیب) اور باتونی پن (ثرثرہ) سے آپؐ کو نفرت تھی۔ چہ جائیکہ ان چیزوں کا آپؐ کے خطبات میں کوئی شائبہ نظر آتا۔ جہاں بات کو طول دینا اور تفصیل پیش کرنا ہوتا۔ آپؐ شرح و بسط سے کام لیتے اور جہاں اجمال و اختصار مناسب ہوتا۔ وہاں موقع کے مطابق اختصار و جامعیت سے کام لیا جاتا۔ آپؐ کے کلام میں نامانوس اور سوقیانہ الفاظ کبھی نہیں ہوتے تھے۔ آپؐ جب بھی تقریر فرماتے حکمت و دانش کے موتی برستے ہوئے نظر آتے تھے۔ آپؐ کی بات اس قدر واضح اور عام فہم ہوتی کہ کسی سطح ذہنی کے مالک انسان کو دوبارہ سننے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ کا کلام ہر لغزش اور نقص سے پاک ہوتا تھا۔ خطابت میں ایسا مدلل انداز اختیار کرتے کہ بات سامعین کے دلوں میں اتر جاتی تھی۔ طویل تقریر بھی مختصر مگر پر مغز جملوں پر مشتمل ہوتی۔ ہمیشہ حق و صداقت کی بات کرتے۔ الفاظ کے ہیر پھیر کا سہارا کبھی نہ لیتے۔ اسلوب بیان میں نہ تو سست روی کا مظاہرہ ہوتا اور نہ تیزی و جلد بازی کا۔ اس میں لفظ و معنی کا توازن بھی ہوتا تھا۔ اور اثر انگیزی و مقصد کی بلندی بھی۔ کلام نبوت سے سہل تر مگر ساتھ ہی فصیح ترین کلام کسی کا نہ ہوتا تھا۔ محمد بن سلام نے یونس بن حبیب کا قول نقل کیا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جو اعلیٰ نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے میسر آئے ہیں وہ کسی اور خطیب کے کلام سے میسر نہ آسکے۔ جاحظ نے کیا خوب نقشہ پیش کیا ہے[1]

"اِنْ اَطَالَ الکلامَ قَصَّرَ عَنْہُ کل مطیلٍ واِن قصر القول اُتی علی غایۃ کل خطیب وما عدم منہ الا الحفظ واقامۃ الشعر

ترجمہ: اگر آپ تقریر کو طول دیتے تو اس انداز سے کہ کلام کو طول دینے والا اس سے عاجز تھا۔ اور جب اختصار سے کام لیتے تو ہر خطیب کے آخری درجہ کمال کو بھی شکست دے دیتے تھے۔ لکھنے اور شعر کو موزوں پڑھنے کے علاوہ کلام نبوت میں فصاحت و بلاغت کی ہر ایک خوبی موجود تھی۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے۔ بلکہ آپؐ کا کلام تو بالکل واضح اور صاف ہوا کرتا تھا۔ مجلس میں آپ کی باتیں سننے والا آسانی سے انہیں حفظ کر سکتا تھا۔[2] امام بخاری کی روایت کے مطابق عام گفتگو میں آپؐ اپنی بات کو تین تین بار دہراتے تھے۔ تاکہ آپ کے الفاظ سننے والے کے ذہن نشین ہو جائیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آپؐ

---

[1] البیان ۴ / ۳۲ [2] الجامع الصحیح الترمذی

کی گفتگو کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ آپ کا کلام ہمیشہ سادہ اور برجستہ ہوتا تھا جس میں ترتیب اور سلیقہ نمایاں ہوتا تھا[1]

جاحظ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے طویل خطبات بھی ارشاد فرماتے لیکن محض بات بڑھانے یا طویل گفتگو پر اپنی قدرت کے اظہار کے لئے کبھی طویل خطبہ نہیں دیا۔ بعض اوقات کئی کئی گھنٹے بھی آپؐ نے خطبہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا۔ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ ایک موقع پر آپؐ نے اتنی طویل تقریر فرمائی کہ مسلسل کئی نمازیں تقریر میں وقفہ ڈال کر ادا فرمائیں۔ اور نماز سے فارغ ہوتے ہی بات کا سلسلہ جہاں سے چھوڑتے وہیں سے دوبارہ آغاز فرما دیتے اس خطبہ میں آپؐ نے ماضی و مستقبل (مَاکَانَ وَمَاهُوَ کَائِنٌ) کی تمام باتیں اپنے صحابہؓ کو سمجھا دیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپؐ نے نماز عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرمانا شروع کیا اور غروب آفتاب تک جاری رکھا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ وقفہ دو گھنٹے کے قریب بنتا ہے۔ جو آپ نے تقریر پر صرف کئے[2]

شمائل ترمذی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت[3] ہے جس کے مطابق انہوں نے ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تکلم اور اسلوب بیان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپؐ مسلسل رنج و حزن اور ہمیشہ فکر میں رہے۔ (متواصل الاحزان دائم الفکرۃ) آرام نہیں فرماتے تھے طویل مدت تک خاموش رہتے اور صرف ضرورت کے وقت بات کرتے تھے۔ بات کا آغاز کرتے یا بات ختم کرتے وقت ہی منہ کھولتے تھے۔ آپؐ کا کلام جوامع الکلم پر مشتمل ہوتا تھا جو واضح اور فیصلہ کن اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں نہ تو فالتو بات ہوتی اور نہ کسی کمی یا کوتاہی کا احساس ہوتا، نہ تو آپؐ سخت طبیعت تھے۔ اور نہ ناقص مزاج۔ چھوٹی سی چھوٹی نعمت ربانی کی بھی قدر کرتے تھے اور کسی بھی نعمت کو برا نہ کہتے تھے۔ البتہ کھانے پینے کی چیز کی نہ تو اچھائی بیان کرتے اور نہ برائی۔ دنیا اور اس کی باتوں پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آیا۔ مگر جب حق و صداقت پر حرف آنے لگتا تو پھر آپؐ کے غیظ و غضب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جب تک حق کا بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ اپنی ذات کے لئے نہ تو آپؐ ناراض ہوتے اور نہ لڑتے جھگڑتے تھے۔ جب بات کرتے ہوئے اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے، جب تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے تو ہتھیلی کو الٹ کر اشارہ کرتے۔ بات کرتے وقت دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصے سے ملاتے تھے۔ جب ناراض ہوتے تو منہ دوسری طرف کر لیتے۔ جب خاموشی کا اظہار مقصود ہوتا تو آنکھیں موند لیتے تھے۔ آپؐ کے ہنسنے کی انتہائی حد ایک مسکراہٹ تھی۔ آپؐ مسکراتے ہوئے یوں لگتے تھے جیسے بادل کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

خطابت میں آواز کو بڑا دخل ہے۔ سامعین کے لئے آواز کی کھنک کے ساتھ ساتھ حسن صوت یا خوش آواز ہونا بے حد اثر انگیز ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے زور خطابت کے علاوہ حسن صوت سے بھی نوازا۔ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ

---

[1] ۔ صحیح البخاری کتاب العلم، احیاء العلوم الدین ۲/۴/۲۷ طبقات ابن سعد ۱/۲۷۵

[2] ادب الحدیث النبوی ۱۰۶ [3] شمائل ترمذی ص ۱۵ تا ۱۶

اسلام کا فصل خطاب سے متصف انداز خطاب بھی مشہور تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی لحن داؤدی کا پر اثر و پُر اسلوب بھی ایک عطیہ خداوندی تھا جس سے جن و انس، چرند و پرند کیا دشت و در بھی جھوم اٹھتے تھے۔ نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالےٰ نے جوامع الکلم اور فیصلہ کن اسلوب خطابت کے ساتھ ہی حسن صوت سے بھی نوازا تھا۔ آپ جمیل الصوت (خوش آواز) بھی تھے اور جہیر الصوت (بلند آواز) بھی تھے۔ چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[1] کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن صوت کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ اس لئے سامعین کو آپؐ سے فاصلے پر بھی آپؐ کی بات صاف سنائی دیتی تھی، اور آپؐ کی آواز کی شیرینی سے اہل ایمان کو حلاوت بھی نصیب ہوتی تھی۔ صحابہ کرامؓ ہمہ تن گوش ہو کر آپؐ کے ارشادات سنتے رہتے اور محویت کے عالم میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

موقع کی مناسبت سے آگاہی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا خطیب کی حاضر جوابی اور کمال مہارت کی دلیل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی محفوظ روایات سے یہ عیاں ہے کہ موقع کی مناسبت سے بات کر کے اثر ڈالنے اور سامعین اور ان کے ماحول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے میں، اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال عطا کیا تھا۔ تقریر کو اثر انگیز بنانے کے لئے قدرت ربانی نے آپؐ کی طبیعت میں ایک خاص ملکہ ودیعت کیا تھا۔ مخاطبین کو اپنی طرف ہمہ تن متوجہ رکھنے اور اپنے پیغام کو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتارنے میں کوئی خطیب آپؐ سا پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ! مکہ کے لوگ آپؐ کی صداقت و امانت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اپنے اولین خطبہ میں آپؐ نے اسی اعتماد کے سہارے پیغام ربانی کو ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ غزوہ حنین کے موقع پر انصار مدینہ کی قناعت پسندی کو محور بنا کر سوال و جواب کے انداز میں اپنے خطبہ کو پر اثر بنایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی کچھ اس قسم کی کیفیت نظر آتی ہے۔

موقع محل کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو مؤثر بنانے میں افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نظیر نہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ والی روایت ابھی گذری ہے جس کے مطابق آپؐ نے عصر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کی بے ثباتی اور قرب قیامت کے بارے میں وعظ فرمایا۔ تقریر کرتے کرتے جب نگاہِ نبوت نے ڈوبتے ہوئے سورج کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً ارشاد ہوا۔

إنّہ لم یبق من الدنیا فیما مضی الا کما بقی من یومکم ھذا فیما مضی۔[2]

ترجمہ:۔ دنیا کی گزشتہ عمر کے مقابلے میں اب اس کی عمر کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا ہے۔ جتنا آج کے دن کے گزشتہ وقت کے مقابلے میں اب غروب آفتاب کے وقت یہ وقفہ رہ گیا ہے۔"

قرب قیامت اور دنیا کی ناپائیداری کے متعلق یہ عمدہ ترین اور برمحل استدلال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھنے میں آیا۔

---

[1] البیان والتبیین ۲۹۲/۲ [2] طبقات ابن سعد ۳۷۶/۱

خطابت نبوی کے اسلوب بلاغت کے متعلق استاذ عباس محمود العقاد نے ایک انوکھا نکتہ پیدا کیا ہے کہ ابلاغ و تبلیغ آپؐ کے مشن و منصب کا دوسرا نام تھا۔ اس لئے فصیح و بلیغ ہونا بھی آپؐ کے منصب کا حصہ ٹھہرا اور اسی لئے بلاغت آپؐ کے کلام کی نمایاں خصوصیت تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ بار بار دہراتے چلے گئے الاھل بلّغتُ کیا میں نے پیغام حق واضح طور پر پہنچا دیا ہے۔[1]

علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے خطابت نبوی کے فصیح و بلیغ اسلوب پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب خطابت، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مدارج پر تھا۔ جو واضح الفاظ اور عمدہ عبارات پر مشتمل ہوتا تھا جس میں تکلف نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جوامع الکلم کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے تمام قبائل عرب کی لغات و لہجات کا علم عطا فرما دیا تھا اس لئے آپؐ ہر قبیلے کے لوگوں سے ان کے اپنے لب و لہجہ میں گفت گو کرتے تھے۔ قریش مکہ، انصار مدینہ اور اہل نجد و حجاز کے ساتھ آپؐ جو انداز تکلم اختیار کرتے تھے۔ وہ اس سے مختلف ہوتا تھا۔ جو آپؐ یمن و حمیر اور قحطانی عربوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اختیار کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے تو آپؐ فرماتے۔

یہ تو میرے رب نے مجھے سکھلایا ہے۔ اور قرآن مجید بھی میری زبان پر ہی نازل کیا گیا ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کبھی میدانِ جہاد میں مجاہدینِ اسلام سے خطاب فرماتے تو اپنی قوس (کمان) کا سہارا لیتے تھے۔ کبھی یونہی فرش پر بغیر کسی سہارے کے بھی خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی اونٹنی پر سوار ہو کر خطاب فرماتے تھے۔[3] ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک عرصہ تک آپؐ کھجور کے ایک تنے کے سہارے تقریر فرماتے تھے۔ جب اہل اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے لئے ایک منبر بنوا دیا تھا۔ تاکہ خطبہ کے دوران رخِ نبوی کو دیکھنے کی سعادت سب کو نصیب ہو۔ آپؐ نے مخصرہ (لاٹھی) اور قضیب (لکڑی) کے سہارے بھی خطبہ دیا۔ کبھی کبھی آپؐ عصا کے سہارے بھی خطبہ دیتے تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے کہ یہی عصائے نبوی بعد میں خلفائے راشدین کو منتقل ہوتا رہا۔ اور وہ خطبہ کے دوران اسی سنت نبوی پر عمل کرتے رہے۔ یہ عصا بعد میں اموی، پھر عباسی اور سب سے آخر میں عثمانی خلفاء کو منتقل ہوتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری اموی خلیفہ نے اپنا انجام دیکھ کر اپنے غلام کو حکم دیا کہ چادرِ نبوی اور عصائے نبوی کہیں دفن کر دے۔ مگر اس نے یہ دونوں چیزیں دفن کرنے کے بجائے عباسیوں کے سپرد کر دی تھیں۔[4]

حدیث و سیرت کی کتابوں میں خطبہ کے دوران آپؐ پر جوش و جذبہ کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اسے بھی راویوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے جب آپ جوش میں آتے تو آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں۔ آواز گرجدار اور بلند ہوتی جاتی تھی۔ اللہ کی قوت و جبروت اور اس کی ہیبت کے سامنے کائنات کی حقیر حیثیت کا ذکر ہوتا تو آپؐ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہو جاتے

---

[1] عبقریت محمد ص ۱۰۸   [2] عظمۃ الرسل ص ۲۷۵، الشفا ۱/۱۷۷

[3] سیرۃ النبی ۲/۲۳۴   [4] طبقات ابن سعد ۱/۹۰، البیان والتبیین ۱/۶۹

تھے۔ جوشِ خطابت کے عالم میں انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں۔ اور یوں لگتا تھا۔ جیسے آپ لشکرِ اسلام کو جہاد کے لئے ہاتھ کے اشاروں سے جوش دلا رہے ہیں۔ جسم مبارک جھومنے لگتا تھا۔ کبھی مٹھی بند کر لیتے۔ کبھی کھول دیتے تھے[1]۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپؐ کے ایک خطبے کے دوران جوشِ خطیبانہ کی تصویر پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میں نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسرِ منبر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ خالق جبار اس زمین و آسمان کو اپنی مٹھی میں لے لے گا پھر ساتھ ہی آپؐ نے اپنی مٹھی کو بند کر لیا۔ پھر کبھی اپنی مٹھی کو بند کرتے کبھی کھول دیتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ منبر پر کبھی دائیں جانب جھکتے اور کبھی بائیں جانب جھک جاتے۔ حتیٰ کہ میں نے منبر نبویؐ کو لرزتے ہوئے دیکھا تو یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ منبر دائیں یا بائیں گر پڑے گا[2]۔

فصاحتِ نبویؐ سلف اور خلف کی نظر میں

جس طرح قرآن مجید ایک اعجازِ محمدی کی حیثیت سے چودہ صدیوں کے دوران نہ صرف دنیائے علم و دانش کے لئے ایک چیلنج رہا ہے۔ بلکہ اس کے الفاظ و معانی تشنگانِ حق کی پیاس بجھاتے رہے اور اس کے معجزانہ اسلوب کے سامنے فصحاء و بلغاء سربسجود رہے۔ اسی طرح فصاحتِ نبویؐ بھی چودہ سو سال سے ایک منفرد مثال رہی ہے۔ اور ہر دور میں اہلِ عرب نے افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اور اسلوبِ بلاغت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ جس سے آپؐ کی خطیبانہ عظمت اور عربی فصاحت و بلاغت کی تاریخ میں مقام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا علم و فضل کی دنیا میں بہت بلند مقام ہے۔ کسی علمی محفل میں ان سے سوال کیا گیا تھا۔

"مَنْ اَبْلَغُ النَّاسِ؟ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے زیادہ فصیح و بلیغ کون ہے؟ تو انہوں نے فوراً جواب دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے[3]؟

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے بلیغانہ اندازِ تکلم اور اسلوبِ خطابت کی بہت خوبصورت الفاظ میں نہایت عمدہ تصویر پیش کی ہے۔ فرماتی ہیں[4]: "حلو المنطق، فصل، لانزر ولا ھذر، کان منطقہ خرزات نظمن، وکان جھیر الصوت، حسن النغمۃ۔ آپؐ شیریں کلام تھے۔ ہر بات نہایت واضح ہوتی تھی۔ نہ قلیل الکلام تھے۔ نہ فضول الکلام تھے۔ آپؐ کا کلام معجز نظام تو موتی تھے۔ جو لڑی میں پروئے گئے ہوں۔ آپؐ کی آواز بلند و گرجدار تھی۔ جس میں خوبصورت نغمگی پائی جاتی تھی۔

---

[1] زاد المعاد ۱/۴۸، سیرۃ النبی ۱/۲۲۵، صحیح مسلم ۱/۲۸۴

[2] سنن ابن ماجہ ۲/۲۴۰ سیرۃ النبی ۲/۲۳۳

[3] البیان ۱/۲۱۴ [4] الشفا ۱/۱۷۸

قاضی عیاض الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبویؐ کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جو نہایت خوبصورت اور بے حد پیاری کتاب ہے۔ جس کا نام ہے "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" اس کتاب کی ایک فصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور جوامع الکلم کے لئے مختص ہے اس میں قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

" وأما فصاحة اللسان وبلاغة القول فقد كان صلى الله عليه وسلم من ذلك بالمحل الأفضل والموضع الذى لا يجهل؛ سلاسة طبع وبراعة منزع وإيجاز مقطع ونصاعة لفظ وجزالة قول وصحة معانٍ وقلة تكلفٍ أوتى جوامع الكلم و خص ببدائع الحكم وعلم ألسنة العرب، فكان يخاطب كل أمة منها بلسانها ويحاورها بلغتها ويباريها فى منزع بلاغتها حتى كان كثير من أصحابه يسألونه فى غير موطن عن شرح كلامه وتفسير قوله:۔ من تأمل حديثه وسيره علم ذلك وتحققه، وليس كلامه مع قريش والأنصار وأهل الحجاز ونجد ككلامه مع ذى المشعار الهمدانى وطهفة النهدى وقطن بن حارثة العليمى والأشعث بن قيس ووائل بن حجر الكندى وغيرهم من أقيال حضرموت وملوك اليمن![1]

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت زبانی کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے۔ آپؐ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ طبیعت کی سلاست و روانی، معانی پیدا کرنے کا کمال، جامع و مختصر جملے بولنا، ستھرے اور چمک دمک والے الفاظ، صحت معانی اور ہر بات بے تکان اور بے تکلف و تصنع بولنا۔ آپؐ کی فصاحت و بلاغت کا حصہ تھا۔ آپؐ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ انوکھی پُر حکمت باتیں آپؐ کے خصائص میں سے تھیں اور آپؐ کو عرب کی تمام زبانوں کا علم دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ہر قبیلے سے اس کی اپنی زبان اور لہجے میں بات کرتے تھے۔ ان کی ہی زبان کے محاورات استعمال کرتے اور ان کی فصاحت و بلاغت کے مطابق معنی پیدا کر کے برتری ثابت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے بہت سے صحابہؓ اکثر مواقع پر آپؐ سے آپؐ کے کلام و اقوال کی تشریح و تفسیر دریافت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سیرت کو دیکھنے والا اس بات کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور اس کی حقیقت کو جان سکتا ہے، چنانچہ قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد کے ساتھ آپؐ کا انداز گفتگو اس سے مختلف ہوتا تھا۔ جو آپؐ ذی المشعار الہمدانی، طہفۃ النہدی، قطن بن حارثہ العلیمی، اشعث بن قیس، وائل بن حجر الکندی اور دیگر امراء حضرموت اور شاہان یمن کے ساتھ اختیار کیا کرتے تھے۔

صاحب "اعلام النبوہ" علامہ ابوالحسن الماوردی لکھتے ہیں[2]

---

[1] علوم النبوۃ صد ۱۰

"انه افصح الناس لساناً واُصحّهم بياناً واوجزهم كلاماً واُجزلهم الفاظاً واصحّهم معانٍ لا يظهر فيه هجنة التكلف ولا يتخلله فيهقة التعسف . . . وأن كلامه جامع الشروط للبلاغة ومعرب عن نهج الفصاحة ولو مزج بغيره لتميّز بأسلوبه وليظهر فيه آثار التنافر، فلم يلتبس حقه من باطله و لبان صدقه من كذبه هذا ولم يكن متعاطياً للبلاغة ولا مخالطاً لأهلها من خطباء أو شعراء أو فصحاء، وإنما هو من غرائز فطرته وبداهة جبلّته وما ذالك إلا لغاية تُراد وحادثة تشاء!"

آپؐ سب سے زیادہ فصیح اللسان، واضح البیان، مختصر الکلام تھے۔ آپؐ کے الفاظ سب سے زیادہ وزنی ہوتے۔ اور آپؐ کے معانی بھی سب سے زیادہ صحیح ہوتے۔ نہ تو آپؐ کے انداز تکلم یا اسلوب خطابت میں تکلف کا عیب نظر آتا۔ اور نہ اس میں لفاظی کی زبردستی کا خلل ہوتا تھا۔ . . . آپؐ کا کلام بلاغت کی تمام شرائط کا مجموعہ تھا جس سے فصاحت کے ایک خاص اسلوب کا اظہار ہوتا تھا۔ اگر آپؐ کا کلام کسی اور کے کلام سے ملا دیا جائے تو دوسرے شخص کا اسلوب الگ نظر آنے لگے گا۔ اس میں باہم بے ربط ہونے کے آثار بھی نظر آئیں گے اور اس طرح اس کا حق اس کے باطل سے خلط ملط نہ ہو سکے گا۔ اور جھوٹ سچ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ اس کے علاوہ نہ تو آپؐ نے بلاغت سیکھی تھی۔ اور نہ اہل بلاغت خواہ خطباء و شعراء ہوں یا فصحا و بلغاء سے آپؐ کا کبھی میل جول رہا تھا۔ آپؐ کی بلاغت تو وہی ہے۔ جو آپؐ کی فطرت کی خاصیت اور آپؐ کی جبلت کا نقطہ آغاز تھا۔ اور یہ صرف کسی غایت مقصود اور کسی اہم واقعہ کے ظہور کیلئے ہوتا رہا تھا۔

حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فصاحت نبوی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے[1]

"كان صلى الله عليه وسلم أفصح الناس منطقاً واحلاهم كلاماً ويقول: انا افصح العرب وأن أهل الجنة يتكلمون فيها بلغة محمد صلى الله عليه وسلم! وكان نزر الكلام سمح المقالة إذا نطق ليس بمهذار وكان كلامه خرزات نظمن، قالت عائشة رضي الله عنها كان لا يسرد الكلام كسردكم هذا؛ كان كلامه نزراً وانتم تنثرون الكلام نثراً، قالوا: وكان اوجز الناس كلاماً وبذالك جاءه جبريل، وكان مع الإيجاز يجمع كل ما اراد، وكان يتكلم بجوامع الكلام، لا فضول ولا تقصير، كانه يتبع بعضه بعضاً بين كلامه توقف، يحفظه سامعه ويعيه، وكان جهير الصوت

---

[1] احیاء علوم الدین ۲۷۴/۲

أحسن الناس نغمة، وكان طويل السكوت لا يتكلم في غير حاجة، ولا يقول المنكر، ولا يقول في الرضا والغضب إلا الحق، ويعرض عمن تكلم بغير جميل، ويكني عما اضطره الكلام إلى ما يكرهه، وكان إذا سكت تكلم جلساؤه، ولا يتنازع عنده في الحديث، ويعظ بالجد والنصيحة، ويقول: لا تضربوا القرآن بعضه ببعض فإنه أنزل على وجوه!"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصیح تھے۔ آپؐ کا کلام سب سے زیادہ شیریں تھا۔ اور کہا کرتے میں افصح العرب ہوں۔ اہل جنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں گفتگو کریں گے۔ آپؐ کم بولنے والے آسانی سے گفتگو کرنے والے تھے۔ جب بھی بولتے تو نہ آپؐ فضول بات کرتے نہ بیکار، یوں لگتا تھا کہ آپؐ کا کلام موتی ہیں جو لڑی میں پرو دیئے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔ آپؐ سب سے زیادہ مختصر کلام کرنے والے تھے۔ یہی کچھ آپؐ کے لئے جبریلؑ لاتے تھے۔ اختصار کے ساتھ آپ کا کلام حسب ضرورت جامع بھی ہوتا تھا۔ آپؐ جوامع الکلم کے انداز میں بات کرتے تھے۔ جس میں نہ فالتو بات ہوتی نہ کوئی نقص۔ یوں لگتا تھا جیسے الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ آپؐ کے کلام میں وقفہ ہوتا تھا جس سے سننے والا آپؐ کی بات کو حفظ کر لیتا۔ آپؐ بلند آواز اور سب سے زیادہ خوش آواز تھے۔ آپؐ کافی دیر تک خاموش رہتے تھے۔ بغیر ضرورت آپؐ بات نہ کرتے تھے۔ ناپسندیدہ بات آپ کبھی نہ کرتے۔ خوشی اور ناراضگی میں حق بات ہی کہتے تھے۔ جو شخص اچھی بات نہ کرتا۔ اس سے آپؐ کنارہ کشی اختیار کرتے، مجبوراً کسی ناپسندیدہ چیز کا نام لینا پڑتا تو کنایات سے کام لیتے تھے۔ آپؐ جب خاموش ہوتے تو آپؐ کے ہمنشین بات کرتے تھے۔ آپؐ کے سامنے گفتگو میں جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔ وعظ فرماتے تو بڑی توجہ اور اخلاص سے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ آیات قرآنی کو ایک دوسرے سے مت ٹکرایا کرو کیونکہ یہ تو متعدد طریقوں سے نازل ہوا ہے"!

امام الادب العربی ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے[1]۔

"وهو الكلام الذي قلّ عدد حروفه وكثر عدد معانيه وجلّ عن الصنعة ونزه عن التكلف، وكان كما قال الله تعالى قل يا محمد (صلى الله عليه وسلم) وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ، فكيف وقد عاب التشديق وجانب أصحاب التقعيب، واستعمل المبسوط في موضع البسط والمقصور في موضع القصر وهجر الغريب الوحشي، ورغب عن الهجين السوقي فلم ينطق إلا عن ميراث حكمة ولم يتكلم إلا بكلام قد حف

[1] البیان والتبیین ۲/ ۱۶ تا ۱۸

بالعصمة وشيد بالتأييد ويسر بالتوفيق، وهو الكلام الذی ألقى الله عليه
المحبة وغشاه بالقبول وجمع له بين المهابة والحلاوة وبين حسن الإفهام و
قلة عدد الكلام مع استغنائه عن إعادته وقلة حاجة السامع إلى معاودته لم
تسقط له كلمة ولا زلت به قدم ولا بارت له حجة ولم يقم له خصم ولا
أفحمه خطيب، بل يبذ الخطب الطوال بالكلم القصار ولا يلتمس إسكات الخصم
إلا بما يعرفه الخصم، ولا يحتج إلا بالصدق ولا يطلب الفلج إلا بالحق ولا يستعين
بالخلابة ولا يستعمل المواربة ولا يهمز ولا يلمز ولا يبطئ ولا يعجل ولا يسهب
ولا يحصر ثم لم يسمع الناس بكلام قط أعم نفعا ولا أقصد لفظا ولا أعدل
وزنا ولا أجمل مذهبا ولا أكرم مطلبا ولا أحسن موقعا ولا أسهل مخرجا ولا أفصح
معنى ولا أبين فحوى من كلامه صلى الله عليه وسلم كثيراً۔

ترجمہ:۔ کلام نبوی ایک ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد تو قلیل ہے۔ مگر اس کے معانی کی مقدار کثیر ہے
یہ تصنع سے بلند تر اور تکلف سے منزہ ہے۔ یہ کلام تو بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دیجئے کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں! بھلا کیوں نہ ایسا ہوتا۔ جبکہ
آپؐ نے باچھیں پھاڑ کر بات کرنے کو معیوب قرار دیا۔ اور گلے کی گہرائی سے آواز نکالنے والوں سے کنارہ
کشی کی ہے۔ آپؐ بات کو پھیلانے کے موقع پر بات کو پھیلاتے اور مختصر بات کی جگہ مختصر بات ہی کرتے تھے۔
آپؐ انوکھے اور نامانوس الفاظ کو ترک کرتے اور ردی و بازاری الفاظ سے نفرت کرتے تھے۔ آپؐ کا کلام کیا تھا۔
سراپا حکمت و دانش کی میراث تھی۔ آپؐ کی گفتگو کو حفاظت خداوندی اپنے جلو میں لیے ہوئے تھی۔ اس کلام
کی تعمیر کو تائید الٰہی اور توفیق ربانی کی سہولت میسّر تھی۔ یہ کلام نبوی ایک ایسا کلام ہے۔ جس میں اللہ نے محبت کی
رنگت نکھار دی ہے اور اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس میں ہیبت کے ساتھ شیرینی و حلاوت
اور حسنِ افہام کے ساتھ قلتِ کلمات ایک ساتھ نظر آئے گی۔ یہ کلام دوہرانے یا اعادہ کرنے سے مستغنی ہے۔
اور اسے سننے والا بار بار دوہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا؟ اس کلام میں سے نہ تو کوئی لفظ ساقط نظر آتا
ہے اور نہ اس میں خطیب کی کوئی لغزش پا نظر آتی ہے، نہ تو اس کی حجت باطل ہوتی۔ نہ اس کے مقابلے میں کوئی دشمن
ٹھہرا۔ اور نہ اسے کوئی خطیب لاجواب کر سکا۔ بلکہ طویل خطبات مختصر جملوں سے برتری حاصل کرتے ہوئے
نظر آتے ہیں۔ اس کلام میں دشمن کو کسی ایسی بات سے لاجواب نہیں کیا۔ جسے وہ جانتا نہ ہو۔ اس کی دلیل
سراپا صدق ہے اور اس کی کامیابی کا راز صرف حق ہے۔ اس میں نہ تو لطافت کلام سے دھوکہ دینے کی
کوشش نظر آتی ہے اور نہ چالاکی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو کسی کی غائبانہ عیب جوئی پائی جاتی ہے۔

نہ موجودگی میں کسی کی نکتہ چینی نظر آتی ہے۔ اس میں نہ توسست روی ہے۔ اور نہ عجلت بازی، اس میں نہ اسہاب (اتنی باتیں کرنا کہ پلے کچھ نہ رہے) ہے اور نہ حصر (بالکل بات ہی نہ کرسکنا) ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ لوگوں نے سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام کبھی نہیں سنا جو اس قدر زیادہ نفع بخش، لفظی لحاظ سے اس قدر معتدل، توازن میں اس قدر کامل اور روش کے لحاظ سے اس قدر حسین وجمیل، مقاصد کے لحاظ سے اتنا محترم اثر میں اتنا خوبصورت، ادائیگی میں اس قدر آسان، معنی کو اس قدر کھول کر بیان کرتا ہو، اور جس میں مدعا اس قدر واضح کیا گیا ہو!"

جاحظ کا یہ بیان اگرچہ طویل ہے۔ مگر افادیت واہمیت کے لحاظ سے خصوصیت کا حامل ہے۔ وہ علم بلاغت کا ایک امام اور مستند صاحب فن ہے۔ بلکہ عربی بیان و بلاغت کا اولین مورخ ہے۔ وہی سب سے پہلے عربوں کی خطابت کے واقعات اور نمونوں کو ضبط تحریر میں لایا۔ جاحظ نے فن خطابت کا کوئی حسن نہیں چھوڑا۔ جو اس عبارت میں فصاحت نبوی کے لیے ثابت نہ کیا ہو، اور بلاغت کا کوئی عیب نہیں بچا۔ کلام نبوت میں جس کے وجود کی یہاں نفی نہ کی گئی ہو۔ اس لئے صاحب فن کا یہ بیان بہت اہمیت کا حامل ہے۔

استاذ عباس محمود العقاد اپنی کتاب "عبقریۃ محمدؐ" میں فصاحت نبویؐ کے بارے میں دلچسپ بات کہتے ہیں۔

"فصاحت ایک ایسی صفت ہے جو کلام کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ انداز گفتگو اور ہیئت تکلم کے لئے بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ اور گفتگو یا کلام کے موضوع کے لئے بھی آسکتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی کلام فی ذاتہ تو فصیح ہو مگر ہیئت نطق وتکلم فصیح نہ ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ کلام بھی فصیح ہو۔ اور ہیئت گویائی بھی فصاحت کا رنگ لئے ہو۔ مگر موضوع میں فصاحت کا وصف موجود نہ ہو جس سے کلام کانوں کے لئے حلاوت وشیرینی کا سامان کرتا ہے اور دلوں کے لئے ساحرانہ اثر انگیزی کا سماں باندھتا ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت میں یہ تمام اوصاف بیک وقت مکمل شکل میں موجود ہیں۔ آپؐ کے کلام کی ہیئت نطق وتکلم اور موضوع کلام سب میں فصاحت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ افصح العرب تھے۔ جیسا کہ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ میں قریش سے ہوں اور بنو سعد بن بکر میں میں نے پرورش پائی ہے۔ آپؐ کے نطق وگویائی کا جمال فصاحت بھی آپؐ کے کلام بلیغ کے جمال فصاحت کی طرح پرکشش اور بے مثال تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے نطق گویائی کی تصور کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

ما کان رسول اللہ یسرد کسردکم ھذا ولکن کان یتکلم بین
فصل یحفظہ من جلس الیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یونہی باتوں میں نہیں لگے رہتے تھے جس طرح تم لوگ باتیں کرتے چلے جاتے ہو۔ بلکہ وہ ایسے انداز میں کلام کرتے تھے، جو واضح، نکھرا نکھرا ہوتا تھا جسے آپؐ کے پاس بیٹھنے والا حفظ کر لیتا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نطق و گویائی بھی فصیح و بلیغ رکھتا ہو۔ اور اس کا کلام بھی فصاحت و بلاغت پر مبنی ہو مگر موضوع کے اعتبار سے اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو۔ جسے سننے والا قابلِ توجہ سمجھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اس عیب سے بھی منزہ اور پاک تھی۔ آپؐ کا ہر محفوظ قول یا حدیث اس بات کی دلیل صادق ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے تھے اور آپؐ کو فصاحتِ لسان اور فصاحتِ کلام کی طرح فصاحتِ موضوع بھی عطا فرمائی تھی۔

استاذ عقاد کا یہ قول تو فصاحت نبوی کی تنزیہ کے سلسلے میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ۔

واتفقت الروایات علی تنزیہ نطقہ من عیوب الحروف ومخارجها وتمکنه علی إیقاعها فی احسن مواقعها۔

تمام روایات متفق ہیں کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی نطق گویائی حروف اور ان کے مخارج کے عیوب سے پاک تھی اور یہ کہ آپ ان حروف کے خوبصورت ترین اور مؤثر ترین طریقے سے ادا کرنے پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔

مصر کے ممتاز عالم استاذ محمد عطیۃ الابراشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے عظمۃ الرسولؐ کے نام سے ایک عمدہ کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کی ایک فصل کا عنوان ہے "عظمۃ الرسول فی فصاحتہ" فصاحت میں آپ کی عظمت، اس کا آغاز کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"کان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فصیح اللسان بلیغ القول، ناصع اللفظ، جزل العبارۃ قلیل التکلف، أوتی جوامع الکلم وخص ببدائع الحکم وعلم ألسنۃ العرب، یخاطب کل قبیلۃ بلسانها ویحاورها بلغتها ولهجتها. لیس کلامه مع قریش والانصار واهل الحجاز ونجد ککلامه مع اهل قحطان، ولا نبالغ اذا قلنا ان الرسول الامی کان افصح الفصحاء وابلغ البلغاء واذکی الاذکیاء اسلوبه سهل عذب جمیل یفهمه کل من یسمعه او یقرؤه ویعجب بما فیه من فصاحۃ وبلاغۃ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فصیح تھی۔ کلام بلیغ تھا۔ الفاظ پر رونق، عبارت عمدہ اور تکلف نہ تھا۔ آپؐ کو جوامع الکلم عطا ہوئے۔ انوکھی حکمت بھری باتیں آپؐ کی خصوصیت تھی۔ عرب کی زبانوں کا آپ کو علم حطا ہوا تھا۔ آپؐ ہر قبیلے سے اس کی زبان میں بات چیت کرتے۔ اس کی اپنی زبان اور لہجہ میں سوال و جواب ہوتے تھے۔ چنانچہ قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد کے ساتھ گفتگو میں جو انداز بیان اختیار کرتے وہ اس اسلوب کلام سے مختلف ہوتا تھا۔ جو آپ قحطانی عربوں کے ساتھ بات چیت کے دوران اختیار کرتے تھے۔ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم تمام فصحاء سے بڑے فصیح، تمام بلغائے سے بڑے بلیغ اور تمام ذکی لوگوں سے

---

[1] عظمۃ الرسول ص ۲۷۵

زیادہ ذہین تھے۔ آپؐ کا اسلوب آسان، شیریں اور خوبصورت ہوتا تھا۔ جسے ہر سننے اور پڑھنے والا سمجھ لیتا اور اس کی فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

خطابت نبوی کے اثرات

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ قرآن سے عرب قوم اور عربی زبان وادب پر وسیع اثرات مرتب ہوئے۔ قرآن مجید کی بدولت ہی عربی زبان کو ایک متحدہ زبان کا شرف حاصل ہوا۔ اور ساتھ ہی شہرت عام اور بقائے دوام بھی عربی زبان کا مقدر بن گیا۔ شیکسپیئر کے ادب کو انگریزی زبان کے توسط سے شہرت نصیب ہوئی۔ جب کہ پنجابی میں لکھنے کے سبب وارث شاہ کی ہیر آج تک گوشۂ گمنامی میں ہے۔ مگر عربی زبان منتشر قبائل کے متضاد لہجات کے درمیان سے ایک زندہ و پائندہ اور متحدہ زبان بن کر ابھری اور دنیا پر چھا گئی۔ صدیوں کی سیاسی و سماجی غلامی بھی اس زبان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اس زبان کو یہ شرف ایک کتاب نے دیا۔ قرآن مجید نے عربی زبان کو یہ عظمت و اہمیت عطا کی!

اسی طرح خطابت نبوی نے بھی عربی زبان پر نمایاں اثر ڈالا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ اس نے عربی خطابت کا رخ موڑ دیا۔ خطابت لفظوں کی ایک شعبدہ بازی تھی۔ جس کا مظاہرہ، یا تو کاہنوں کی ملمع سازی اور پر تکلف سجع و قافیہ سے ہوتا تھا۔ اور یا اسے منافرت و مفاخرت کا ہتھیار سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعثت محمدی اور خطابت نبوی نے اس صورت حال کو بدل کر رکھ دیا۔ سجع و قافیہ اور ابہام کی ملمع سازی کو یک قلم منسوخ و متروک ٹھہرایا گیا۔[1] منافرت و مفاخرت کے ہتھیار کو معاشرے کا مفید اور پر اثر تعمیری وسیلہ بنا دیا گیا۔ خطابت کا ایک ایسا اسلوب رواج پا گیا۔ جو سادگی و سلاست کے ساتھ رونق و رعنائی کا رنگ بھی لئے ہوئے تھا۔ یہی اسلوب خطابت منبر و مسجد کا خاصہ بن گیا۔ اور بندگانِ خدا کی ہدایت و رہنمائی، وعظ و نصیحت، تلقین جہاد اور احکام شریعت کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح خطابت نبوی نے قرآن مجید کے بعد عربی زبان پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔[2] کیونکہ اثرات میں کتاب اللہ کے بعد ارشادات نبوی کا مقام ہے۔[3]

"بعبارة هی الخطابة النبوية وجوامع الكلم، فی الفصاحة والبلاغة والايجاز والبيان بالدرجة الثانية بعد القرآن ولذلك كان تأثيرها فی اللغة والادب بالمنزلة التالية لكلام الله تعالى ولاسيما حكمه وجوامع كلمه التى هی القدوة الحسنة للاديب والحلية التى يزدان بها كلام الكاتب والخطيب"۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت اور جوامع الکلم فصاحت و بلاغت اور ایجاز و بیان میں قرآن کریم کے بعد دوسرے درجے پر ہیں۔ اسی لئے عربی زبان و ادب پر اثر ڈالنے کے لحاظ سے اس کا

---

[1] البیان ۱/۲۸۷ [2] الوسیط ص ۱۰۲ [3] الوسیط ص ۱۰۳

درجہ کلام اللہ کے بعد ہے۔ بخصوصاً آپؐ کی حکمت بھری باتیں اور جوامع الکلم جو ادیب کے لئے خوبصورت نمونہ ہیں اور ایک ایسا زیور ہیں جس سے ہر انشا پرداز اور خطیب کا کلام زینت پاتا ہے۔

مسجد نبوی میں جس منبر سے خطابت نبوی کا آغاز ہوا تھا۔ وہ اسلامی معاشرے میں مسجد کی ایک لازمی روایت بن گئی۔ منبر نبوی سے سیاسی و فوجی احکام، فقہی و دینی مسائل کی تشریح، وعظ و نصیحت اور تزکیہ و تبلیغ کا کام خطابت سے لیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ ایک روایت بن گئی جو اموی اور عباسی خلافتوں کے علاوہ دیگر اسلامی حکومتوں کا بھی لازمہ رہی۔ زوال و انحطاط کے باعث سیاسی و فوجی احکام کا رشتہ تو منبر سے منقطع ہو گیا۔ مگر باقی موضوعات آج تک منبر و محراب کی ایک لازمی روایت بنی چلی آ رہی ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں مسجد ہو جہاں مسلمان جمعہ اور عیدین کے لئے جمع ہوتے ہوں، وہاں منبر بھی لازمی ہوگا۔ اور نماز جمعہ اور عیدین کا خطبہ بھی لازمی ہوگا۔ جو نماز جمعہ یا عیدین کے لئے جائے گا خطبہ سننا بھی اس کو لازم ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا سے خطبہ کا آغاز نہیں ہوتا تھا۔ یہ روایت بھی آپؐ سے قائم ہوئی جو آج تک قائم و دائم چلی آتی ہے۔ ہر خطیب کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی تقریر یا خطبے کا آغاز "الحمد للہ" سے ہی کرے۔ حمد و ثنا اور صلوٰۃ و درود کے بعد مدعا و مقصد کی طرف منتقل ہونے سے پہلے "اما بعد" کے الفاظ بھی خطابت کی تاریخ میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی استعمال فرمائے جو بعد میں اسلامی خطبات کی ایک لازمی روایت بن گئی اور آج بھی یہی معمول ہے۔ خطبۂ عیدین کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللّٰہ اکبر" سے فرماتے تھے اور آج تک امت کا بھی یہی معمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنے خطبات میں کتاب اللہ کے اقتباسات بکثرت استعمال فرماتے تھے۔ آج تک امت اسلامیہ کے خطباء بھی آیاتِ قرآنی کے علاوہ آپؐ کے جوامع الکلم، خطبات اور ارشادات کے اقتباسات بھی استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ مکتوب نگار اور انشاء پرداز بھی اپنی تحریروں کو آیات و جوامع الکلم سے مزین کرتے ہیں۔ جاحظ نے مسلم خطباء کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ جنہوں نے نبوت کے جوامع الکلم سے اپنے کلام کو مؤثر و مزین بنایا۔ یزید بن المہلب کے قتل کے موقع پر مشہور خطیب الحارث بن حدان تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس نے کہا تھا۔[1]

"ایھا الناس! اتقوا الفتنۃ، فانھا تقبل بشبھۃ وتدبر ببیان، وان المؤمن لا یلسع من جحر مرتین۔"

"اے لوگو! فتنے سے بچو! کیونکہ اس کا آغاز تو شبہ سے ہوتا ہے۔ مگر اس کا انجام بہت واضح ہوتا ہے! اور مومن تو ایک سوراخ سے دو بار ڈسا ہی نہیں جاتا!"

یہاں حارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ایک مشہور قول کو استعمال کیا ہے۔ اسی طرح کی اور مثالیں عرب فصحاء و بلغاء کے ہاں دستیاب ہیں۔

---

[1] البیان والتبیین ۱۶/۲

ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں لوگوں کو تقویٰ اللہ، ذکر اللہ اور احکام الٰہی کی بجا آوری کی تلقین و توصیہ فرماتے تھے۔

"عباد اللہ! أوصیکم بتقوی اللہ واحثکم علی طاعتہ"

"اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی اطاعت پر ابھارتا ہوں"۔

آج بھی اگر آپ عرب و عجم کے کسی اسلامی ملک کی کسی مسجد میں جمعہ یا عیدین کے لئے چلے جائیں تو خطیب کی زبان سے یہ الفاظ آپ ضرور سنیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبات میں جن امور کا التزام فرمایا۔ ان سے انحراف کرنا اہل علم کے نزدیک خطبات کے عیوب میں شمار ہوتا ہے۔ بقول جاحظ[1]

"وعلی أن خطباء السلف الطیب وأهل البیان من التابعین بإحسان مازالوا یسمون الخطبة التی لاتبتدأ بالتحمید وتستفتح بالتمجید: البتراء ویسمون التی مالم توشح بالقرآن وتزین بالصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الشوهاء"۔

علاوہ ازیں خطبائے سلف صالحین اور بھلائی کے ساتھ اتباع کرنے والے بلغاء اس خطبے کو البتراء (دم کٹا، ناقص) کہتے رہے ہیں جو تحمید و تمجید سے شروع نہ کیا گیا ہو۔ اور جو خطبہ آیات قرآنی اور درود و صلاۃ سے مزین نہ ہو، اسے شوہاء (بگڑی ہوئی شکل والا) کہتے ہیں۔

دعوتِ اسلام میں کلام اللہ کی تاثیر کے بعد سب سے مؤثر طریقہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت تھی۔ وہی خطابت کا فن جو عرب میں پہلے سے موجود تھا۔ مگر اعلیٰ ترین اقدار زندگی کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ مگر آپؐ نے اسے شرک و بت پرستی کی جڑیں کاٹنے اور انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ توحید و رسالت اور حق و صداقت کی تبلیغ۔ عمل صالح اصلاح ذات البین، تحریص علی الجہاد اور انسانیت کی فلاح دارین کے لئے آپؐ نے خطبات کو استعمال کیا[2]

"فکان العمل المحبب لصاحب الدعوة العظمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بادئ امره، غیر تبلیغ القرآن، واردًا من طریق الخطابة، ولامر ما جعلها الشارع شعار کل إمام فی حقل دینی أو سیاسی کالجمعة والعیدین وموسم الحج الأکبر، ولیوم الصف وکل امر جامع لنشر فضیلة اونهی عن رذیلة او اعلان عن نصر او تاکید وصیة الی غیر ذلک من الامور ذوات البال، ولذلک کان دعاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورسله إلی الملوک وامراء جیوشه وسرایاه ثم خلفه ومن بعده وعمالهم

---

[1] البیان ۲/۶ [2] الوسیط ص ۱۰۵

کلہم خطباء مصاقع ولسنا مقاول[1]

چنانچہ صاحب دعوت عظمیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ تبلیغ قرآن مجید سے آغاز کرنے کے علاوہ آپ نے خطابت کو بھی ایک وسیلہ بنایا۔ اسی لئے شریعت نے خطابت کو تمام خلفاء کا شعار بنا دیا مجلس دینی ہو، یا سیاسی جیسے جمعہ، عیدین اور موسم حج اکبر، یوم صف آرائی ہو، یا کوئی اجتماعی کام جس سے فضائل کو عام کرنا اور رذائل سے روکنا، مقصود ہو۔ فتح کا اعلان ہوتا۔ وصیت کی تاکید مقصود ہوتی تو ایسے تمام اہم کام کے لئے خطابت کو ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ آپؐ کے خلفاء اور ان کے عامل و حکام سب فصیح و بلیغ خطیب اور ترجمان مدعا ہوتے تھے۔

اگر موضوع کو وسعت دیتے ہوئے ارشادات نبویؐ کی تمام انواع کے اثرات پیش نظر ہوں تو معلوم ہوگا کہ ان کے اثرات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ محدثین نے احادیث کی شرحیں لکھیں اور ان میں حکمت و ہدایت کے خزانوں کو عام کیا۔ فقہاء نے احکام کا استنباط کیا۔ اہل لغت نے ان کے الفاظ و تراکیب سے فائدہ اٹھایا۔ اور علماء ادب و بلاغت کو ان میں فصیح محاورے اور زندہ جاوید جملے اور کلمات کے بلند نمونے میسر آتے رہے۔

کلام اللہ اور کلام نبوی میں فرق

علمائے نقد و بلاغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فصاحت و بلاغت میں کلام اللہ کے بعد کلام نبوت کا مقام ہے۔ کتاب اللہ کا اسلوب معنوی و لفظی ایک اسلوب ہے۔ جس کی نظیر پیش کرنے سے زمانے عاجز ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ بلکہ قادر مطلق کا پیغام ہے۔ جو اس نے اپنے بندے پر اپنے آخری پیغام کے طور پر نازل کیا۔ تاکہ انسانیت کو جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و عرفان اور ایمان و تقوی اللہ کی روشن راہوں پر ڈال دیا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ظہور قدسی اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کا ورود ایک ایسا نقطہ ہے۔ جس کے پس منظر میں جائیں تو تاریکی ہی تاریکی ہے اور آگے کی طرف آئیں تو آفتاب نبوت کی کرنیں چہار دانگ عالم میں پھیلتی دکھائی دیتی ہیں۔ انسانی تمدن و تہذیب کا قافلہ روشن سے روشن تر میدانوں کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ ظہور قدسی ایک ایسی روشنی ہے جس کے بعد علم و سائنس کا بول بالا اور اجالا ہی اجالا ہے۔

معاندین اسلام یہ کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کلام اللہ نہیں بلکہ معاذ اللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا رہا ہے کہ جس ہستی نے اپنے تو اپنے دشمن کے ساتھ کذب و افتراء کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ اجتناب کیا ہو، اور سب سے جسے صداقت و امانت کا تاج پہنایا ہو، اس نے اگر خدانخواستہ کذب و افتراء باندھا بھی تو اللہ رب العالمین پر!!

---

[1] ادب الحدیث النبوی ص ۱۰۴

جس پر نازل ہونے والی کتاب میں بار بار یہ کہا گیا ہو کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ ۔ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ جو اللہ پر جھوٹ بولے! وہ خود ہی اللہ پر اتنا بڑا افترا باندھنے لگے۔ معاذ اللہ! جب کہ عملی زندگی میں جس نے کسی موڑ پر کسی لمحے کسی دوست دشمن سے کوئی معمولی سے معمولی وعدہ خلافی، دھوکہ، یا افتراء یا جھوٹ نہیں بولا جس نے اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل میں اپنا بچپن، اپنا عہد شباب اور زندگی کا تمام دفتر عمل پیش کیا ہو۔ وہ اللہ رب العالمین پر کیسے افتراء باندھ سکتا ہے۔ وہ اللہ جس کی توحید کے لئے اس نے تن من دھن قربان کر دیا جس کا ذکر اس کی بہترین روحانی غذا تھا۔ وہ اللہ جسے وہ دم واپسین بھی اپنا الرفیق الاعلیٰ کہہ کر پکارتا رہا۔ اور جس کے حضور پیش ہونے کے لئے اس کے اشتیاق، محبت اور عقیدت کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ اس پر کذب و افتراء کی جسارت کر سکتا تھا؟ معاذ اللہ!

آخر اسے اس کی ضرورت کیا تھی؟ کیا وہ قرآن کو اپنا تخلیقی کمال کہہ کر فصحاء و بلغائے عرب کو اپنے سامنے جھکا نہیں سکتا تھا؟ اسے اپنے بجائے خدا کا کلام قرار دے کر معاذ اللہ اپنا کمال ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی! عرب اس کے سامنے سر بسجود ہوتے اس کے اشاروں پر چلتے، اسے اپنا آقا، ملکہ دیوتا مانتے! اور تاریخی طور پر یہ صداقت ثابت ہے کہ عربوں نے ایسا کہنے کے لئے آپ سے کہا بھی تھا۔ مگر آپ نے پیغام حق اور توحید ربانی کو ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا صرف اس لئے کہ کانٹوں پر چلیں۔ پتھر کھائیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس خدا کی توحید اور پیغام حق کے لئے سب کچھ ٹھکرا رہے ہیں۔ اسی پر کذب و افتراء باندھیں۔ معاذ اللہ۔

یورپ کے عالم نما پادری اور مستشرقین تو آج یہ بات کہتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں تو وحی ربانی کا تصور رہا ہی نہیں۔ ان کے لئے تو خدا نے اپنا بیٹا دنیا میں انسانی روپ میں بھیجا اور اپنے حواریوں کو وعظ کرتا رہا جسے انہوں نے لکھ لیا۔ ان بے چاروں کو یہ کون سمجھائے یا ان سے پوچھے کہ جو خدا اپنا بیٹا دنیا میں انسانی روپ میں بھیج کر سولی پر چڑھوا سکتا ہے۔ کیا وہ کسی پیغمبر کے قلب اطہر پر یا اپنے مقربین کے توسط سے اپنا پیغام نہیں بھیج سکتا۔ ہے چارے مستشرقین کی طرح کفار عرب بھی وحی ربانی کے تصور سے عاری تھے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کو تو مانتے تھے لیکن وہ پیغام ربانی کو افتراء علی اللہ تصور کرتے تھے۔ قرآن مجید نے پہلے دس سورتیں اور پھر ایک سورت گھڑ کر بنا لانے کا چیلنج دیا۔ پھر کہا کہ جن و انس مل کر بھی قرآن مجید کی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔ ساری دنیا کو مثال لانے کا چیلنج دیا گیا جو آج بھی قائم ہے۔ چودہ صدیوں کے دوران میں بہت سے لوگوں نے بزعم خویش اس چیلنج کو قبول کیا۔ اور قرآن مجید کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ ان میں بڑے بڑے شاعر اور فصیح و بلیغ ادباء و خطباء بھی شامل تھے۔ ان سب نے منہ کی کھائی۔ ان لوگوں نے جو کچھ کہا یا لکھا۔ وہ محفوظ ہے۔ مقابلہ و موازنہ کر کے دیکھ لو۔ شان نبوت معلوم ہو جائے گی۔ نبی امی کا معجزہ آج بھی قائم ہے۔ تاکہ دنیا کو نبوت کی عظمت و حقیقت معلوم ہوتی رہے۔

مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اعجاز قرآن کو ایک نہایت ہی سادہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسانوں نے اپنی اپنی زبان میں جو ادب تخلیق کیا ہے۔ وہ دو اصناف پر مشتمل ہے۔ نظم یا نثر۔ مگر عربی زبان کا ادب دو اصناف پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ تین اصناف پر مشتمل ہے۔ ایک نظم، دوسری نثر۔ اور تیسرا قرآن مجید! چونکہ قرآن نہ نظم کے ضمن

میں آتا ہے، نہ نثر کے دائرے میں۔ بلکہ یہ تو ایک الگ اور مستقل تیسری صنف ہے۔ جسے قرآن ہی کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ انسانی کلام نظم میں ہوتا ہے یا نثر میں اور قرآن مجید تو نہ نظم میں ہے نہ نثر میں، تو ظاہر ہوا کہ یہ کسی بشر کا کلام تو ہے نہیں۔ پھر کس کا ہوا؟

قرآن مجید کے متعلق اللہ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ اس کے بارے میں نئی نئی باتیں انسانوں کو معلوم ہوتی رہیں گی۔ انہیں ایسی آیات و نشانیاں دیکھنے کو ملتی رہیں گی۔ جن کے بعد انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور قرآن مجید کے اعجاز ربانی ہونے کا یقین حاصل ہوتا رہے گا۔ لوگ تو کہتے ہیں نا کہ قرآن مجید، معاذ اللہ کلام محمد رصلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مگر قدرت کی ستم ظریفیاں بھی بڑی عجیب ہیں۔ لوگوں نے آپؐ کے اقوال جمع کرنا شروع کیے تو بعض کا خیال تھا کہ کبھی آپ خوش ہوتے ہیں کبھی غصے میں۔ پھر انسان باتوں کو ضبط تحریر میں لاتے وقت بھی غلطی کر سکتا ہے۔ مگر حکمتِ خداوندی نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ آپؐ کی تمام باتیں تحریر کر کے محفوظ کر لی جائیں۔ چنانچہ آپؐ کے خطبات، آپؐ کے جوامع الکلم، اقوال اور اعمال تک محفوظ کر دیئے گئے۔ جو آج بھی موجود ہیں اور ان سے کلام اللہ کا مقابلہ اور موازنہ کر لیں۔ آخر کہیں تو لفظ و معنی کی برابری ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ آدمی اپنے اسلوب سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ہی آدمی کی گفتار و نگارشات ایک جیسی ہوں گی۔ اب آپ خطبات نبوی، جوامع الکلم، آپؐ کے مکتوبات اور پھر صحیح احادیث کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کو خطبات میں جوامع الکلم، جوامع الکلم میں خطبات اور احادیث میں خطبات اور جوامع الکلم کا رنگ واضح نظر آئے گا۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انواع کلام میں آپ کو ایک جیسی فصاحت و بلاغت، ایک جیسی سلاست و روانی اور سادگی و بے تکلفی نظر آئے گی لیکن ان میں سے کسی ایک صنف کا قرآن مجید سے تقابل کر کے دیکھ لیجئے زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تقابل کسی اور فصیح و بلیغ خطیب عرب سے کیجئے آپ کو انیس بیس کا فرق نظر آئے گا۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب بیان میں اور دوسرے خطیب کے اسلوب بیان میں آپ کو وہی فرق نظر آئے گا۔ جو دو خطیبوں، یا دو ادیبوں اور دو انشاء پردازوں کے اسلوب میں عادتاً پایا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسلوب خطابت کافی حد تک خطابت نبویؐ کے اسلوب سے ملتا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو، نبوت کے فیض تربیت کا اثر تو ہونا تھا۔ جو کچھ مدینۃ العلم میں ہے وہ باب العلم سے ظاہر تو ہونا ہے۔

لیکن جب آپ ان میں سے کسی بزرگ کے کلام سے کلام اللہ کا موازنہ کریں گے تو مساوات و برابری یا مشابہت تو رہی ایک طرف آپؐ کو زمین و آسمان کے فاصلے نظر آئیں گے۔ حتیٰ کہ کلام نبوت میں سے جوامع الکلم بے حد فصیح و بلیغ کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُوْتِيْتُ جوامع الکلم: اللہ نے مجھے باد صبا کے ذریعے فتح دلائی اور جوامع الکلم عطا فرمائے۔" مگر ان کلمات حکمت کا جب قرآن مجید کی کسی آیت سے تقابل کریں گے تو لفظ و معنی کا اسلوب آپ پر کلام بشر اور کلام اللہ کا فرق واضح کر دے گا۔

اعجاز القرآن کے مصنف علامہ ابوبکر الباقلانی نے کسی زمانے میں کلام نبوت اور کلام اللہ میں فرق کرنے کی کوشش فرمائی تھی۔ وہ آج بھی ہماری توجہ کی اسی طرح مستحق ہے۔ جس طرح گزشتہ زمانوں میں تھی۔

باقلانی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسلوب اعجاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بلیغ میں جو لفظی اور معنوی

فرق ہے وہ بالکل واضح ہے۔ جو شخص عربی زبان کے قواعد کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ ادب کے صوری و معنوی محاسن کا علم و ذوق رکھتا ہے۔ اس کے لئے یہ فرق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اگر بلاغت قرآن اور بلاغت نبوی میں فرق کرنے کا کوئی واضح طریقہ مقصود ہو تو اس طرح ممکن ہے کہ خطبات نبوی اور اس عہد کے دیگر اہل علم کے خطبات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ان میں کوئی نمایاں فرق نظر نہ آئے گا۔

آپ کے خطبات اور خلفائے راشدین کے خطبات میں، یا اسی عہد کے دیگر خطباء کے خطبات میں وہی فرق نظر آئے گا جو کسی ایک عہد کے دو فصیح و بلیغ خطیبوں کے اسلوب میں پایا جا سکتا ہے۔ علامہ باقلانی کے الفاظ ہیں[1]:

انما یقع بین کلامہ وکلام غیرہ من التفاوت ما یقع بین کلام الفصحاء و بین شعر الشاعرین۔

آپ کے کلام اور دوسروں کے کلام میں وہی فرق نظر آئے گا جو دو فصیح آدمیوں یا دو شاعروں کے کلام میں پایا جا سکتا ہے۔!

جدید دور کے مصری علماء میں سے علامہ بکری شیخ امین نے حدیث نبوی کی ادبی حیثیت اور مقام کے متعلق ایک بہترین کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں انہوں نے کلام اللہ اور کلام نبوت میں فرق کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر بکری شیخ امین نے کلام ربانی اور کلام نبوی کا فرق سمجھانے کے لئے جہاد کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ لفظی و معنوی اعتبار سے احادیث نبوی اور آیاتِ قرآنی میں نمایاں فرق ہے۔ موضوع اگرچہ ایک ہے مگر موضوع سے تعرض کرنے، اس کی تفہیم و وضاحت اور تفصیل و تشریح کے لئے جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے، وہ دونوں جگہ بے حد مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی موضوع سے متعلقہ آیات اور احادیث جمع کر کے ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا۔ جس پر ڈاکٹر بکری شیخ امین جہاد کے متعلق آیات اور احادیث کے تقابلی مطالعہ کے بعد پہنچے ہیں۔ توحید باری تعالےٰ قرآن مجید کا اہم ترین مضمون ہے۔ احادیث نبوی میں بھی اللہ کی وحدانیت کو ایک اہم مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے متعلق آیات و احادیث کا تقابلی مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے۔ کلام ربانی اور کلام نبوی کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح قیامت، جنت، دوزخ، عصیان و الحاد جنات و ملائکہ، قصص انبیاء، عبادات و عقائد، انسانی فطرت، اللہ اور بندے کا باہمی رشتہ، ذاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فضل و مرتبہ وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک ہیں۔ مگر دونوں جگہ بیان کا انداز جدا ہے۔ ہر ایک کا اسلوب بلاغت الگ ہے۔

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید کی سورت الفتح کی آخری آیات میں اللہ تعالےٰ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس کے اسلوب بیان، لفظی و معنوی محاسن اور نظامِ فصاحت و بلاغت کا تقابلی مطالعہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ

---

[1] اعجاز القرآن ۱۶۴

علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے تعرض کرنے سے ممانعت فرماتے ہوئے انہیں نجوم ہدایت قرار دیا ہے یا مثلاً اخوت اسلامی کے موضوع کو ہی لے لیجئے۔ قرآن مجید کی سورت حجرات کی ایک چھوٹی سی آیت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۴۹/۱۰)

مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے اپنے دو بھائیوں میں (جھگڑا ہو) تو صلح کرا دیا کرو! اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

کہنے کو تو یہ دس لفظ ہیں۔ مگر ان میں معانی کے چار ابواب جمع کر دیئے گئے ہیں۔ پہلی یہ کہ ایمان اخوت کی بنیاد ہے۔ اہل ایمان گئے گزرے حالات میں بھی اپنے بھائیوں کے لئے جذبات رکھتے اور ان کے لئے قربانیاں دیتے رہتے ہیں۔ وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اخوت اسلامی دنیا کے لئے ایک سبق اور اہل فکر کے لئے دعوت مطالعہ ہے۔ دوسری بات بھائیوں کے اختلافات دور کرنے کا حکم، گویا اللہ تعالےٰ کو انسانی فطرت کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑا تو جھگڑا ممکن ہے۔ اس لئے اخوت کے رشتے کو دائم رکھنے کے لئے ایک مستقل مشینری مقرر کر دی گئی کہ دو بھائی اگر جھگڑیں تو باقی مومن فوراً صلح کرا دیں۔ اور غفلت نہ کریں۔ اہل ایمان نے یہ فریضہ پس پشت ڈال دیا۔ مگر اخوت اسلامی کے عملی مظاہرے اب بھی اہل ایمان کی بستیوں میں دیکھے کو مل جاتے ہیں۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ اہل ایمان کی اخوت اور جھگڑے کی صورت میں مصالحت کا کام تقویٰ اللہ سے انجام پائے گا۔ لہذا تقویٰ کے لوازمات اور تقاضے بھی پورے کرو۔ اخوت، مصالحت اور تقویٰ اللہ پر عمل کا انعام چوتھی بات ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی رحمت، جس کام کا اجر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کی اہمیت کیا ہوگی۔ اور اس سے غفلت برت کر اللہ کی رحمت سے محرومی کا شکار ہو کر کتنا بڑا خسارہ ہوگا۔

یہ تو ان دس لفظوں کے معنی کی بات ہوئی۔ رہا لفظی اسلوب اور اس کے محاسن تو اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ دس لفظوں میں جو چار ابواب ہیں۔ انہیں موضوعات بنا کر کیا کچھ تصنیف کیا جا سکتا ہے۔ ؟ اس لطافت اور حلاوت کو جانے دیجئے۔ جو یہ دس لفظ زبان اور قوت سامعہ کو عطا کرتے ہیں۔

اب لیجئے اسی موضوع پر ایک حدیث نبویؐ۔

"المسلمون تتکافؤ دماؤھم ویسعی بذمتھم ادناھم وھم ید علی من سواھم"

اہل اسلام کی جانیں باہم ہم پلہ ہوتی ہیں۔ ادنیٰ مسلمان بھی ان کی ذمہ داری اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اور وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں۔

حدیث نبوی گیارہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ ان میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ سب مسلمانوں کا خون برابر ہے۔ کوئی مسلمان ذمہ داری لے تو وہ سب کو لازم ہے یا قریب ترین ان کی ذمہ داری لے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ وہ دشمن کے مقابلے میں ایک ہیں لفظی اعتبار سے بھی ان الفاظ میں جمال محمدی تو ہے۔ مگر وہ لطافت رحمانی اور جلال ربانی نہیں جو آیت کریمہ میں ہے۔

زیادتی ہوگی اگر ہم ڈاکٹر مجدی شیخ امین کے اس تقابلی مطالعہ سے صرف نظر کریں۔ جو انہوں نے جہاد سے متعلق آیات اور

احادیث کے ضمن میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یرٰی کل من قرأ فی القرآن الکریم و فی الحدیث الشریف ان بینهما من الفروق القدر الکبیر، ولا سیما فی الخصائص الاسلوبیه والتعبیریة والفنیة وان القرآن مختلف فی هذا المستوی عن الحدیث، وان قائل هذا غیر قائل ذاک، ولاثبات هذه الحقیقة نورد نموذجین احدهما من القرآن وثانیهما من الحدیث الصحیح کلاهما یدور حول موضوع واحد لیکن الموضوع الجهاد فی سبیل اللہ۔

جو شخص بھی قرآن کریم اور حدیث شریف کا مطالعہ کرے گا۔ اسے یقین ہو جائے گا کہ ان دونوں میں جو فاصلے ہیں۔ ان کی مقدار بہت ہے۔ خصوصاً اسلوب بیان، طریقۂ اظہار اور فنی پہلوؤں کے لحاظ سے اور یہ کہ اس معیار میں قرآن حدیث سے مختلف ہے۔ اور اس کا قائل اور ہے اور اُس کا قائل کوئی اور۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ہم دو نمونے پیش کرتے ہیں۔ ایک قرآن سے اور دوسرا حدیث سے دونوں کا تعلق ایک ہی موضوع سے ہے اور یہ موضوع ہوگا جہادِ فی سبیل اللہ۔

اس کے بعد انہوں نے حسب ذیل سات آیات قرآن اور پھر ایک حدیث نبوی پیش کی ہے۔ اور اس کے بعد ان کا تقابلی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

آیات قرآنیہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (البقرۃ/۲۱۲)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اللہ تو بخشنے والا ہے حد رحمت والا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ (آل عمران/۱۴۲)

کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جو جہاد کرتے ہیں۔ اور تاکہ وہ صبر والوں کو جان لے۔

لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء/۹۵)

دونوں برابر نہیں ہو سکتے، مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے جن کو کوئی دکھ نہیں اور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے فضیلت دی ہے۔ اور سب سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہ لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت والا رزق ہے۔

وَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ ۝ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (التوبہ ۸۶ - ۸۸)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد میں شریک ہو تو ان میں سے خوشحال لوگ تجھ سے اجازت طلب کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہی چھوڑ جائیے۔ وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ وہ عورتوں کے ساتھ رہ جائیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اس لئے وہ سمجھتے نہیں، لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہیں کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات ۱۵)

بس مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کسی قسم کا شک نہ کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (الصف ۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی نشان دہی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے گی؟ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے

لئے سب سے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔

اب رہا موضوع جہاد حدیث نبویؐ میں تو مسلم نے اپنی جامع صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تضمن اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرج الا جہاداً فی سبیلی وایماناً بی وتصدیق برسلی، فھو ضامن أن ادخلہ الجنۃ أو أرجعہ الی منزلہ الذی خرج منہ نائلاً ما نال من اجر او غنیمۃ"

والذی نفس محمد بیدہ، ما من کلم یکلم فی سبیل اللہ إلا جاء یوم القیامۃ کھیئتہ یوم کلم لونہ لون دم وریحہ ریح مسک۔

والذی نفس محمد بیدہ لولا ان یشق علی المسلمین ما قعدت خلف سریۃ تغزو فی سبیل اللہ ابداً، ولکن لا أجد سعۃ فأحملھم ولا یجدون سعۃ، ویشق علیھم ان یتخلفوا عنی

والذی نفس محمد بیدہ، لوددت أن أغزو فی سبیل اللہ فأقتل ثم أغزو فأقتل ثم أغزو فأقتل"

جو اللہ کی راہ میں نکلے گا۔ اللہ نے اسے اس بات کی ضمانت دی ہے۔ بشرطیکہ وہ صرف میرے راستے میں جہاد کے لئے، مجھ پر ایمان رکھتے ہوئے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہ میں اسے یا تو جنت میں داخل کروں گا۔ یا اسے اس گھر میں لوٹاؤں گا جس سے وہ نکلا تھا اور جو ثواب یا غنیمت حاصل کرنا تھا وہ بھی حاصل کر چکا ہوگا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ کوئی زخم بھی ایسا نہیں جو اللہ کی راہ میں آتا ہے۔ مگر یہ کہ زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا جس حالت میں وہ زخمی ہوا تھا رنگ تو اس کا خون سا ہوگا اور بُو اس کی مشک کی سی ہوگی۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مسلمانوں کے لئے شاق گزرے گی تو میں اللہ کی راہ میں نکلنے والے غازیوں کے کسی دستے سے کبھی پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس وسعت ہے کہ میں اسے ساتھ لے جاؤں اور نہ ان کے بس میں ہے اور ان کے لئے یہ بات شاق گزرتی ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ میری یہ خواہش و آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں غازی بن کر نکلوں۔ شہید ہو جاؤں۔ پھر غازی بن کر نکلوں، شہید ہو جاؤں، پھر غازی بن کر نکلوں

تو شہید ہو جاؤں!

آیاتِ قرآنیہ اور حدیثِ نبوی پر غور کرنے اور تقابلی مطالعہ کے بعد ڈاکٹر ابیض مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچتے ہیں

(۱) ۔ مندرجہ بالا آیاتِ جہاد میں سے ہر ایک کے شروع میں ایسے ارشادات آئے ہیں جو ایمان پر دلالت کرتے ہیں۔ تو گویا جہاد کا ایمان کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ گویا مجاہد مومن اور مومن مجاہد ہے۔ یا گویا ایمان اور جہاد دونوں برابر برابر ہیں ہر ایک آیت میں الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد جاھدوا ہے۔ المومنون کے ساتھ المجاہدون آیا ہے۔

حدیثِ نبوی بھی قرآن کریم کے تتبع میں جہاد کو ایمان کے ساتھ جوڑتی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایمان کو مطلق چھوڑا ہے۔ اور اس کے متعلق بیان نہیں کیا، اس اطلاق سے فائدہ یہ ہے کہ قاری خود بخود سمجھ لیتا ہے کہ اس ایمان میں اللہ اس کے رسولؐ، دعوتِ حق، عقیدہ اسلام اور ہر اس بات پر ایمان شامل ہے۔ جو مومن کے دل میں حرارت ایمانی پیدا کر سکتی ہے۔ جبکہ حدیث میں "ایمان بی" کہہ کر ایمان کو صرف اللہ کی ذات تک محدود کر دیا گیا اور آیت کی طرح اس کا دائرہ وسیع نہیں رکھا گیا۔

(۲) ۔ بیشتر آیات میں جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا ذکر ہے۔ جان کے ساتھ جہاد کرنے والے مومن کا اجر مال کے ذریعے جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ جان اور مال کو ہم پلہ تصور کیا گیا ہے۔ اس برابری کو انسانی طبیعت قابل تائید بھی تصور کرتی ہے۔ اسی طرح انسانی تصرفات، نفسیات اور حقائقِ زندگی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ تمام آیات میں جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی ذکر ہے۔

مگر حدیثِ نبوی میں جہاد بالنفس کو جہاد بالمال سے نہیں جوڑا گیا۔ بلکہ اس موضوع کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ شاید دیگر احادیث میں جہاد بالمال کا ذکر ہو گا۔ لیکن یہاں تو بالکل نہیں ہے۔ اس طرح آیات قرآن سے جہاد کا جو مفہوم سامنے آتا ہے۔ وہ حدیث کے مفہوم جہاد سے وسیع تر ہے۔ اور زیادہ گوشوں کو شامل ہے۔

(۳) ۔ آیات قرآنیہ میں مجاہد بالنفس والمال کا اجر بڑا ہے۔ جبکہ حدیث میں مذکور مجاہد کا اجر کم ہے۔ آیات میں مجاہد کے لئے کہیں اللہ کی رحمت ہے۔ کہیں اجر عظیم کا ذکر ہے۔ کہیں مغفرت اور رزق کریم ہے۔ کہیں خیرات اور فلاح کا ذکر ہے۔ کہیں عذاب الیم سے نجات دلانے والی تجارت کہا گیا ہے۔ اور کہیں خیر کا نام دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ کی رحمت، اجر عظیم، ایمان بالحق، مغفرت، رزق کریم، خیرات، فلاح، صادقین کا لقب ملنا۔ نفع بخش تجارت اور خیر جہاد کا کچھ اجر اور معاوضہ ہے۔ اوصاف عام اور مطلق ہیں۔ ان کا عام اور مطلق ہونا مفسر کے لئے ایک ایسا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ان کی وسیع الاحتمال تفسیر کرے۔ مثلاً مفسر اللہ کی رحمت اجر عظیم اور خیر کی تفسیر میں وسیع ترین روش اختیار کر سکتا ہے۔ جو دخول جنت، حصول ثواب یا غنیمت سے بڑھ کر ہو گا۔ جس کا کہ حدیث میں ذکر ہے۔

آیات میں بھی عطا کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی عطا کا ذکر ہے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک بادشاہ یا شہنشاہ کی جانب سے ہے جب کہ دوسری عطا اللہ کی مخلوق میں سے ایک فرد کی طرف سے ہے جو اپنی رسالت کی حدود میں وہ دے سکتا ہے۔

تو کیا دخول جنت، اللہ کی رحمت، اجر عظیم، اللہ کی مغفرت، اس کے رزق اور اس کی خیر کے برابر ہو سکتا ہے۔

اللہ کی رحمت تو جنت دنیا و جنت آخرت دونوں کو شامل ہے۔ اللہ کی طرف سے اجر عظیم تو انسان کے مقام کو جیسے

مرتبے یا قیامت کے دن بلند کر سکتا ہے۔ مگر دخول جنت اگرچہ ہر مومن کی امید ہے۔ مگر یہ اللہ کی رحمت، اس کے اجر عظیم اس کے رزق کریم کا ایک حصہ ہے۔

۴ - آہنگ صوتی جو آیات قرآنی میں رواں ہے۔ وہ بھی حدیث کے حسن صوت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

ایک تخیل کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دینا، فقروں کے درمیان توازن تراکیب کی نازک و سہل سی روانی، ایسے خواص پر اختتام جو موسیقیت پیدا کرتے ہیں جس خیال و تصور کی بات ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ عضوی ارتباط، ضمائر کی ہم آہنگی، مفعول یا متعلقات فعل کا حذف کرنا، نکرہ کی جگہ نکرہ، معرفہ کی جگہ معرفہ، برمحل تقدیم، موزوں اور خوبصورت تاخیر، لفظی اور معنوی زینت ان آیات قرآنی کے چند نمایاں پہلو ہیں۔

رہی حدیث، تو اگرچہ اس میں اظہار معنی کا حسن و جمال موجود ہے۔ مگر وہ قرآن کریم کے فن تعبیر و اظہار کی بعض باتوں تک رسائی نہیں پا سکی ہے!

اللہ تعالٰی کے اس ارشاد۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

کے درمیان اور اس ارشاد نبوی کے درمیان کہ؛

تضمن اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ إلا جھاد فی سبیلی و ایمان بی و تصدیق برسلی فھو ضامن من أدخلہ الجنۃ أو ارجعہ إلی منزلہ الذی خرج منہ نائلا ما نال من أجر و غنیمۃ" بہت بڑا فرق ہے۔

جو موسیقیت آیات سے برس رہی ہے۔ ضمائر کی روانی و ترتیب حدیث کی موسیقیت کی طرح نہیں ہے۔ اور نہ آیات کی ضمیریں حدیث کی ضمیروں کی طرح ہیں۔

تاہم حدیث نبوی میں بھی ایک موسیقیت موجود ہے مثلاً۔

لونہ لون دم، وریحہ ریح مسک" اور "لوددت أن أغزو فی سبیل اللہ فأقتل ثم أغزو فأقتل ثم أغزو فأقتل" مگر یہ فنی نغمگی اس کے ہم پلہ نہیں ہے جو ان الفاظ آیات میں ہے۔

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ"

اس لئے کہ حدیث کی موسیقیت تو دو چھوٹے چھوٹے جملوں سے پیدا ہوئی ہے۔ یا نکرہ کو نکرہ کی طرف مضاف کرنے سے یا عبارت کے آخر میں انہی الفاظ کی تکرار سے مگر آیت کی موسیقیت متعدد سوتوں سے پھوٹ رہی ہے۔ الذین، امنوا، ھاجروا، جاھدوا۔ سبیل، اولٰئک، یرجون، غفور رحیم، اس کے علاوہ یہ موسیقیت مخارج ح، و، ن کی سہولت

اور بعد سے "تنوین، تشدید، توازن اور بعض الفاظ کے تکرار سے بھی پیدا ہو رہی ہے۔

اور سب سے آخر میں ڈاکٹر امین کا اختتامی پیراگراف اور اس کا ترجمہ بھی پڑھ لیجیے۔

وبعد فإن الذين يقولون :- إن محمداً هو الذي أنشاء القرآن وصاغه ليسوا كفرة فقط وإنما هم خالون من الذوق الفني وفهم الأساليب وتمييز الفروق بينها. وإن القول الذي يرددونه "الأسلوب هو الرجل" والذي يقصدون به أن أسلوب الرجل لا يتغير مهما اختلف الموضوع الذي يتحدث فيه كما لا تختلف بصمات الأصابع في مختلف أدوار عمر الإنسان، يقولون ذلك القول، ويؤمنون به نظرياً ثم ينكرونه عملياً حين يلمسون الفروق الجوهرية الأصيلة بين اسلوب القرآن والحديث ويركبون رؤسهم ثم يغطونها في الرمال وليس لهم هدف إلا إخفاء الحقيقة والطعن في الإسلام لمجرد الطعن، لا خدمة حقيقة ولا جلاء حق، هذا إذا وقفوا على الفروق أما إذا عجزوا فتلك هي المصيبة لأنهم يقولون عن جهل وحقد وعمى بصيرة!"

تو اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ جنہوں نے قرآن تیار کیا اور اسے ڈھالا" وہ نہ صرف کافر ہیں۔ بلکہ فنی ذوق مختلف اسالیب کو سمجھنے اور ان میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہیں۔ ایک قول جسے وہ تکرار دہراتے رہتے ہیں کہ "اسلوب ہی آدمی ہے"۔ اور جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گفتگو کا موضوع خواہ کتنا بھی مختلف ہو جائے آدمی کا اسلوب نہیں بدلتا۔ جس طرح کہ انسان کی عمر کے مختلف ادوار میں اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں بدلتے، وہ یہ بات کہتے تو ہیں اور نظریاتی طور پر اسے مانتے بھی ہیں۔ مگر جب انہیں اسلوب قرآن و حدیث میں حقیقی بنیادی فرق نظر آتے ہیں تو اس سے عملاً انکار کر دیتے ہیں۔ جدھر منہ آئے چل نکلتے ہیں۔ پھر اپنے سروں کو ریت میں ڈھانپ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اور طعن برائے طعن کے مطابق اسلام پر طعنہ زنی کرنا چاہتے ہیں۔ نہ تو وہ حقیقت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ حق کو واضح اور روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب وہ فرق سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر وہ عاجز رہتے تب تو ایک اور مصیبت ہے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ جہالت، عناد، حسد اور بصیرت کے اندھے پن سے کہتے ہیں۔

استاذ احمد حسن زیات مرحوم نے خوبصورت اختصار و جامعیت کے انداز میں فصاحتِ نبویؐ اور احادیث نبویہ کے امتیازی خصائص و محاسن کی وضاحت کی ہے۔ حدیث نبوی کے اسلوب اور معیار بلاغت کے متعلق لکھتے ہیں۔

ولكن أحاديث الرسول، وإن كانت فيض الخاطر وعفو البديهة، يبدو عليها أثر الإلهام وسمة العبقرية وطابع البلاغة وأسلوبها أقرب إلى عصر النبوة

منه إلى أسلوب القرآن :۔
مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، اگرچہ فیضانِ قلب اور برجستہ بداہت گوئی کا نتیجہ ہیں۔ اپنے اندر الہام کا اثر، عبقریت کی نشانی اور بلاغت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ آپؐ کی ان احادیث کا اسلوب بیان قرآن کریم کے بجائے عہد نبوت کے عربی اسلوب بیان کے زیادہ قریب ہے"۔

افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے اسلوب بیان اور تشبیہ و تمثیل پر قدرت کاملہ کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وللرسول قدرة عجيبة على التشبيه والتمثيل وإرسال الحكمة وإجادة الحوار وتلك ميزة الرسل من قبل ولا سيما المسيح

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ و تمثیل کے استعمال، برجستہ کلمات حکمت اور عمدہ انداز گفتگو پر عجیب و غریب قدرت حاصل ہے۔ اور یہ انبیاء کرام خصوصاً مسیحؑ کی امتیازی خصوصیت ہے"۔

فصاحت نبوی کے عناصر ترکیب اور محاسن کمال پر گفتگو کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ

تقلب رسول الله صلى الله عليه وسلم في أخلص القبائل منطقا وأعذبها بيانا فولد في بني هاشم ونشأ في قريش واسترضع في بني سعد، فكان أفصح العرب لسانا بالفطرة وقد حدث بذلك عن نفسه فلم يزيف حديثه ولم يدفع قوله، وفصاحة الرسول صلى الله عليه وسلم أشبه بالالهام والفيض فلم يعانها ولم يتكلفها ولم يرتض لها وإنما أسلست له الألفاظ واسمحت له المعاني فلم يند في لسانه لفظ ولم يضطرب في أسلوبه عبارة ولم يعزب عن علمه لغة ولم يغب عن خاطره فكرة وكان كلامه كما قال الجاحظ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بود و باش ایسے قبائل میں تھی جو خالص ترین زبان والے اور شیریں ترین بیان والے تھے۔ چنانچہ آپؐ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے، قریش میں بڑے ہوئے اور بنو سعد میں پرورش پائی۔ اس لئے آپؐ فطرةً افصح العرب تھے۔ آپؐ نے خود بھی اس بات کا ذکر فرمایا جس میں کوئی کھوٹ نہیں اور آپؐ کی اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہو سکا۔ آپؐ کی فصاحت الہام و فیضان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس میں آپؐ نے مشقت یا تکلف سے کبھی کام نہیں لیا۔ نہ کبھی اس کے لئے آپؐ نے ریاض کیا تھا۔ بلکہ الفاظ آپؐ کے سامنے فرش راہ تھے اور معانی آپؐ کے حضور میں سرنگوں تھے۔ آپؐ کی زبان سے نہ تو کبھی کوئی ناگوار لفظ ادا ہوا۔ اور نہ آپؐ کے اسلوب بیان میں کبھی ناہمواری نظر آئی۔ عرب کا کوئی لہجہ آپؐ کے علم سے اوجھل نہ تھا۔ اور نہ کوئی فکر و خیال آپؐ کے ذہن سے دور ہو سکا۔ آپؐ کا کلام تو بالکل ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ جاحظ نے اس کی تصویر پیش کی ہے"۔

استاذ محمود مصطفیٰ فصاحت نبوی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولقد تجنب النبي صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ ذلک السجع الذی کان یلتزمہ الکہان لیملکوا بہ النفوس ویستہووا الالباب فأزری علیہم وحذر من افعالہم فقال: إیاکم و سجع الکہان! فجاء کلامہ علیہ الصلوۃ والسلام نقی اللفظ واضح الاسلوب حسن الایجاز حسن الاطناب خالیا من السجع المستنکرہ مشتملا علی المعانی السامیۃ فہو جدیر أن یجمع الفضل من أفکارہ لذلک کان ابلغ کلام عرفہ الناس بعد القرآن۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں اس سجع سے اجتناب فرماتے تھے۔ جس کا التزام کاہن کیا کرتے تھے۔ تاکہ لوگوں پر غالب آسکیں۔ اور عقلوں کو اپنی طرف مائل کر سکیں۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی تحقیر کی اور ان کے افعال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔ کاہنوں کی سجع سے اجتناب کرو۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پاکیزہ الفاظ، واضح اسلوب خوبصورت اختصار اور حسین اطناب کا حامل تھا جو ناپسندیدہ سجع سے خالی تھا۔ اور بلند معانی پر مشتمل تھا۔ آپؐ کے ارشادات اس لائق ہیں کہ ان کے افکار سے فضل و کمال کا اکتساب کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کا کلام قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھا"۔

استاذ محمود یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب آپؐ کو اعلان نبوت کا حکم ہوا تو کوہ صفا پر چڑھ کر سب سے پہلا خطبہ یوں ارشاد فرمایا تھا۔

أرایتم لو أخبرتکم أن خیلا بالوادی ترید أن تغیر علیکم أ أنتم مصدقی؟ قالوا۔ نعم! ما جربنا علیک کذبا! قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔

کیا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ وادی میں کچھ شہسوار ہیں۔ جو غارت گری کے لئے تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔ ہم نے تو جھوٹ بولتے آپؐ کو کبھی دیکھا ہی نہیں تو آپؐ نے فرمایا! میں شدید عذاب سے تمہیں ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں!

ڈاکٹر شوقی ضیف نے عربی زبان پر فصاحت و بلاغت نبویؐ کے وسیع اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ عربی زبان میں متعدد الفاظ ایسے ہیں۔ جن کا رواج و استعمال ارشادات نبویؐ کا مرہون منت ہے۔ مثلاً قمری سال کے پہلے مہینے کو صفر اول کہا جاتا تھا مگر آپؐ نے اسے محرم کا نام دیا۔ نسئی یعنی کبیسہ گری کو باطل کہا۔ فاحشہ عورت کے لئے "الزمارۃ" (یعنی بگل بجا کر عصمت فروشی کا اعلان کرنے والی) اور سرخ گارے والی عمارت کے لئے "مہرقۃ" کا لفظ صرف آپؐ ہی نے استعمال کیا تھا۔ وہ فصاحت نبوی کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

علی ھدی القرآن الکریم کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فی العرب لیخرجھم من ظلمات الوثنیۃ إلی نور الھدایۃ السماویۃ وقد أوتی

من اللسن والفصاحة ماملك به أزمة القلوب وكأنما كانت المعاني و
الأساليب موقوفة لشخصه بين يديه ليختار منها ما تهش له الاسماع
وتصغي له الافئدة

قرآن کریم کی ہدایت و رہنمائی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کے سامنے خطبات ارشاد فرمایا کرتے تھے تاکہ انہیں بت پرستی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت سماویہ کی روشنی کی طرف لے آئیں۔ آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے ایسی فصاحت و بلاغت عطا کی تھی جس کے طفیل آپؐ دلوں کی باگ ڈور کے مالک بن گئے تھے۔ اور یوں لگتا تھا کہ معانی و اسالیب آپؐ کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے منتظر کھڑے ہوں۔ تاکہ ان میں سے آپ ایسا اسلوب و معنی منتخب کریں جس سے لوگوں کی قوت سامعہ کو مسرت و انبساط حاصل ہو، اور ان کے دل ہمہ تن گوش ہو جائیں۔

مصر کے ممتاز عالم دین و ادب استاذ سباعی بیومی قرآن کریم اور ارشادات نبوی کے عربی زبان و ادب پر گہرے اور وسیع اثرات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہتے ہیں۔

ولقد أمدّ القرآن الكريم والحديث الشريف للخطابة في هذا العصر بالعون القوي والمدد الفياض فقلد هما الخطباء أيما تقليد واقتبسوا منهما الالفاظ والاساليب و اتقفهما في المعاني والاغراض وتاثروا بهما في سوق الادلة والبراهين وا كثروا الاستشهاد بهما كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستشهد بالقرآن۔

اس عہد زمانہ نبوت میں قرآن کریم اور ارشادات نبوی نے فن خطابت کے لئے ایک پر زور ساز وسامان اور فیاضانہ امداد مہیا کر دی تھی۔ چنانچہ خطباء نے ان کی بہت ہی پیروی کی۔ ان سے الفاظ و اسالیب حاصل کئے۔ معانی و مقاصد میں ان کے مطابق چلتے رہے۔ دلائل و براہین دینے میں ان سے متاثر ہوئے اور اپنے خطبات میں ان سے بکثرت استشہاد کرتے تھے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں قرآن مجید سے شواہد لاتے تھے۔

علامہ مصطفیٰ صادق الرافعی جدید عربی ادب میں قدامت پسند اور راسخ العقیدہ مصری ادباء و علماء کے سرخیل تھے۔ جدت پسندوں کے قائد ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ساتھ ان کے بے شمار علمی معرکے برپا ہوتے رہے قدیم اسالیب نگارش کے دفاع میں الرافعی نے بڑے زوردار دلائل دیئے۔ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ "اعجاز القرآن" ہے موضوع تو بلاغت و اعجاز قرآن ہے۔ مگر اس کتاب کی ایک فصل بلاغت نبوی کے لئے مختص ہے۔ جس میں انہوں نے افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسالیب بلاغت کے تمام پہلوؤں سے مفصل بحث کی ہے۔ وہ کلام نبوت کے جلال و کمال کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

الفاظ النبوة يعمرها قلب متصل بجلال خالقه ويصقلها لسان نزل عليه القرآن بحقائقه فهي ان لم تكن من الوحي ولكنها جاءت من سبيله وان لم يكن لها منه دليل فقد كانت هي من دليله محكمة الفصول حتى ليس فيها عروة مفصولة محذوفة

الفضول حتی لیس فیها کلمة مفضولة وکأنها فی اختصارها وإفادتها نبض قلب یتکلم وکأنها فی سموها وإجادتها مظهر من خواطره صلی الله علیه وسلم ان خرجت فی الموعظة قلت أنین من فؤاد مقروح وان راعت بالحکمة قلت صورة بشریة من الروح فی منزع یلین فینفر بالدموع ویشتد فینزو بالدماء وإذا أراك القرآن أنه خطاب السماء للارض أراك هذا أنه کلام الارض بعد السماء"

الفاظ نبوت ایسے ہیں کہ انہیں ایک ایسے دل نے تعبیر کیا ہے۔ جو اپنے خالق کے جلال سے لگاؤ رکھتا ہے۔ ان الفاظ کو ایک ایسی زبان نے صیقل کیا ہے۔ جس پر قرآن کریم اپنے حقائق سمیت نازل ہوا تھا۔ یہ الفاظ اگرچہ وحی نہیں لیکن یہ آئے وحی کے راستے سے ہیں۔ انہیں اگرچہ وحی کی رہنمائی حاصل نہیں رہی۔ مگر یہ وحی ربانی کی تصدیق ہیں۔ یہ ایک پختہ انداز کا کلام ہے۔ جس کا کوئی حلقہ بھی ڈھیلا نہیں۔ اس میں سے فالتو باتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اب اس میں کوئی بھی لفظ فالتو نہیں۔ یہ کلام اپنے اختصار وافادیت کے لحاظ سے یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی دل کی نبض ہے جو بول رہی ہے۔ بلندی اور عمدگی میں یہ کلام خواطر نبوت کا مظہر ہے۔ اگر یہ الفاظ وعظ کے لئے استعمال ہو رہے ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے کسی زخمی جگر کی آہیں ہوں۔ اگر ان میں پنہاں حکمت کا لحاظ ہو تو یوں لگتا ہے جیسے روح بشریت کی تصویر ہے۔ ان کا رجحان ایسا ہے جو آنسوؤں کو روانی عطا کرتا ہے۔ اور اگر شدت اختیار کرے تو خون ٹپک پڑتا ہے۔ قرآن کریم اگر آپ کو یہ دکھاتا ہے کہ وہ زمین کے نام آسمان کا خطاب ہے تو کلام نبوت سے آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ کلام زمین ہے۔ جس کا مرتبہ کلام آسمانی کے بعد آتا ہے۔

الرافعی کے نزدیک فصاحتِ نبوت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تکلف اور تصنع نام کو بھی نہیں۔ بلکہ فطرت کا عطیہ اور فیض ربانی معلوم ہوتا ہے۔

بید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان أفصح العرب علی أنه لا یتکلف القول ولا یقصد إلی تزیینه ولا یبغی إلیه وسیلة من وسائل الصنعة ولا یجاوز به مقدار الإبلاغ فی المعنی الذی یریده۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو افصح العرب تھے۔ علاوہ ازیں آپؐ کے کلام میں نہ تو تکلف تھا۔ نہ آپ اسے سجانے کا قصد فرماتے اور نہ تصنع کے وسائل میں سے کسی وسیلے کے متلاشی ہوتے۔ بلکہ مطلوبہ معنیٰ ادا کرنے کی مقدار سے آپؐ کا کلام تجاوز نہیں کرتا تھا۔

کلام نبوت کے الفاظ و معانی کے توازن اور جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الکلام النبوی جامع مجتمع لا یذهب فی الأعم الأغلب إلی الإطالة بل هو کالتمثال یأتی مقدارا فی مادته ومعانیه وأسلوب الجمع بینهما وربطا

لصورته بالمعنی۔

کلامِ نبوی جامع و موزوں ہے۔ جو اکثر و بیشتر طوالت کا رنگ اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو ایک تمثال کی مانند ہے۔ جس میں موضوع اور معنی کی ایک مقدار ملحوظ رہتی ہے۔ اور موضوع و معنی کے علاوہ لفظ و معنی کے باہمی ربط کی صورت بھی ملحوظ رہتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پختہ اندازِ گفتگو کے سلسلہ میں علامہ مصطفیٰ صادق الرافعی لکھتے ہیں۔

أنه صلی اللہ علیه وسلم كان ضليع الفم يفتتح الكلام ويختمه بأشداقه وعلت من معنى ذلك انه كان يستعمل جميع فمه إذا تكلم ولا يقتصر على تحريك الشفتين فحسب"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوی دہن واقع ہوئے تھے۔ کلام کا آغاز اور انجام اس قدر واضح انداز میں ہوتا تھا کہ مخاطب کو معنی اچھی طرح معلوم ہو جاتے تھے۔ آپؐ جب گفتگو کرتے تو محض ہونٹوں کی تحریک کے بجائے واضح طور پر منہ کھولتے تھے۔

مگر آپؐ تکلف کے ساتھ باچھیں کھولنے کو معیوب قرار دیتے تھے۔ اس لئے آپؐ کے اندازِ کلام میں تصنع اور تکلف نام کو بھی نہیں ہوتا تھا۔ تاہم تمام اوصافِ بلاغت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ رافعی کہتے ہیں۔

وليس احكام الاداء وروعة الفصاحة وعذوبة المنطق وسلاسة النظم الاصفات كانت فيه صلی اللہ علیه وسلم عند أسبابها الطبيعية لم يتكلف لها عملاً ولا ارتاض من أجلها رياضة بل خلق مستكمل الاداة فيها ونشأ موفر الأسباب عليها"

پختہ اندازِ ادا، شانِ فصاحت، شیرینیِ کلام اور سلاست اسلوب کی کوئی ایسی صفت نہ ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود نہ ہو۔ یہ سب اوصاف آپ کو فطرت نے عطا کئے تھے نہ توان کے لئے آپؐ نے محنت و مشقت اٹھائی اور نہ ان کی خاطر ریاضت کی تھی۔ بلکہ آپ توان اوصاف میں فطرۃً کامل پیدا ہوئے تھے اور قدرت نے آپؐ کو ان اوصاف کے لئے اسباب و وسائل مہیا کر دیئے تھے۔

مصطفیٰ صادق الرافعی نے امام الادب العربی ابو عمر الجاحظ کے اس نقطہ نظر کی پُرزور تائید کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت لسانی نے عربی زبان پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ وضع اور اشتقاق الفاظ، ایجاد اور ابداع اسالیب بیان میں آپؐ کا ثانی یا نظیر پیدا نہ ہو سکا۔ آپؐ کی زبان معجز بیان سے ایسی تراکیب اور محاورات ادا ہوئے جو نہ تو عربوں نے پہلے کبھی سنے تھے اور نہ ان سے وہ آشنا تھے۔ لسانِ نبوت کے یہ محاورات و تراکیب بعد میں ضرب المثل کا درجہ حاصل کر گئیں۔ مثلاً مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ (وہ اپنی ناک کی موت مرا یعنی اپنی موت کا سامان خود کیا) کے محاورے کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ پہلے کبھی کسی سے نہیں سنا تھا۔ بُعِثْتُ فِی نَفَسِ السَّاعَةِ (میں قیامت کے سانس میں مبعوث ہوا ہوں یعنی قیامت سانس لے

رہی ہے اور میں مبعوث ہوا ہوں) تہبند زمین پر گھسٹتے ہوئے چلنے کے لئے المخیلۃ کا لفظ سب سے پہلے آپؐ ہی نے استعمال کیا۔ اِیَّاکَ والمَخِیلۃ (تکبر سے بچو) عورتوں کو شیشے سے تشبیہ سب سے پہلے آپؐ ہی نے دی اور فرمایا۔ رُوَیْدَکَ رِفْقاً بالقَوَارِیر (شیشوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو)۔ یوم بدر کو فیصلہ کن دن قرار دیتے ہوئے یہ محاورہ بھی سب سے آپؐ ہی نے استعمال فرمایا تھا۔ ھٰذا یَومٌ لَهُ مَا بَعْدَهُ (یہ ایسا دن ہے جو بعد میں آنے والے دنوں کے لئے فیصلہ کن ہوگا) صلح حدیبیہ کو آپؐ نے ایک ایسی صلح قرار دیا۔ جس کی بنیاد بدمزگی اور کدورت ہے اور یہ محاورہ استعمال کیا۔ جو بعد میں ضرب المثل بن گیا کہ ھُدْنَةٌ عَلیٰ دَخَنٍ (یہ وہ صلح ہے جو دھوئیں سے آلودہ کھانے پر قائم ہوتی ہے) وَلِکُلِّ اَرْضٍ بِسْمَاتُھَا (ہر سرزمین کی اپنی مخصوص نشانیاں ہوتی ہیں) کا محاورہ بھی سب سے پہلے آپ ہی نے بولا تھا۔ جو بعد میں ضرب المثل بن گیا۔

قرآن کریم جو اللہ کا کلام ہے۔ کلامِ نبوی سے نمایاں طور پر مختلف ہے۔ یہ دلیل ہے۔ اس بات کی کہ قرآن مجید واقعی کلام اللہ ہے ورنہ خطبات و ارشادات نبوت میں اور آیاتِ ربانی میں اتنا زبردست فرق نہ ہوتا۔ علامہ باقلانی کا بیان اور اس کی توجیہات آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں۔ الرافعی نے بھی اس پہلو پر اظہار خیال کیا ہے۔

"علی ان اعجب شئی انک اذا فرضت کلمۃ من تلک البلاغۃ الی مثلها مما فی القرآن رایت الفرق بینهما فی ظاهره کالفرق بین المعجز وغیر المعجز سواء؛ ورایت کلامه صلی اللہ علیه وسلم فی تلک الحال خاصۃ مما یطمع فی مثله و احسست ان بین نفسک وبینه صلۃ تطوع لک القدرۃ علیه وتمدّ لک اسباب المطمعۃ فیه، بخلاف القرآن فانک تستیئس من جملته ولاتری لنفسک الیه طریقا البتۃ اذلاتحس منه نفسا انسانیه ولا اترا من اثارهذا النفس ولاحالۃ من حالاتها حتی تانس الی ذلک علی التوهم ثم تتوهم الطمع والمعارضۃ من هذه الانسۃ فتمضی عزمک وتقطع مبوأیک وتثبت القول فیه کما یکون لک فی قراءۃ الکلام الانسانی فان جمیعا هذا الکلام الآدمی منهاج وبجملته طریق وحدود البلاغۃ التی تقصر بعضه عن بعض کلها مما یوقف علیه بالحس والعیان، ولیقدر فرق مابین بعضها الی بعض مهما بلغ من تفاوتها و اختلافها فی السبک والصنعۃ والغرابۃ" بیدان ذلک مما لا یستطاع فی القرآن ولا وجه الیه بحال من الاحوال فما هو الا ان تقرأ الآیۃ منه حتی تراها قد خرجت من حد المالوف وانسلت منه وتانت سمت ماتددت لها من مطلع ومقطع فهما وجدت لا تجد سبیلا الی حدها ومهما استطعت لا تستطیع ان تقرن بها کلاما تعرف حده فی البلاغۃ ان لم یکن بالصنعۃ فبالحس"۔

تاہم عجیب ترین بات یہ ہے کہ آپ اس بلاغت نبوی کے کسی لفظ کا موازنہ جب اسی نوعیت کے قرآنی لفظ

سے کریں تو آپ کو فرقِ نظر آئے گا۔ جو معجزہ والے کلام کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا نظر آئے گا جس کے مقابلے کی خواہش کی جا سکتی ہے۔ آپ محسوس کریں گے۔ آپ کے درمیان اور اس کلام کے درمیان ایک ایسا تعلق ہے جو آپ کو اس کلام پر قادر ہونے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور اس بات کی آپ کے دل میں خواہش بھی پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن قرآن کریم کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس کے بارے میں آپ سراسر مایوس ہوں گے اور اس تک رسائی کا آپ کو ہرگز راستہ نظر نہ آ سکے گا۔ کیونکہ اس میں آپ کو کسی نفس انسانی کا احساس نہیں ہو پائے گا۔ اور نہ اس کے آثار ہی دکھائی دیں گے۔ نہ کوئی ایسی حالت نظر آئے گی کہ آپ میں ایک گونہ مانوسیت کا گمان ہونے لگے۔ پھر اس مانوسیت کے طفیل آپ میں خواہش یا مقابلہ کا گمان پیدا ہونے لگے۔ پھر آپ اپنے عزم کو پورا کرنے لگیں قطعی رائے قائم کریں۔ یا فیصلہ کن بات کر سکیں۔ جس طرح کہ انسانی کلام کے مطالعہ کے دوران ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بلاغت نبوی کا تمام کلام ایک انسانی اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس کے جملوں کا ایک اسلوب ہے اور بلاغت کی حدود ہیں۔ جو اس سے بعض حصوں کو بعض سے الگ کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں۔ جن کی واقفیت حس اور مشاہدہ سے ممکن ہے۔ یہ کلام اپنے اسلوب، صنعت اور غرابت کے اختلاف و تفاوت میں کسی حد تک بھی پہنچ جائے۔ اس کے مختلف حصوں کے درمیان تفریق و امتیاز ممکن ہے۔ تاہم قرآن کریم کے سلسلہ میں یہ ممکن نہیں ہو گا۔ اور کسی حالت میں بھی اس کی صورت پیدا نہیں ہو سکے گی۔ آپ جونہی ایک قرآنی آیت کا مطالعہ کریں گے۔ آپ کو نظر آ جائے گا۔ کہ اس کا اسلوب جاننے پہچاننے اسالیب کی حد سے نکل گیا ہے اور مطلع و مقطع کا جو انداز آپ نے متعین کیا تھا۔ وہ مفقود ہو چکا ہے۔ آپ خواہ کتنی ہی جستجو کر لیں آپ اسے پا نہ سکیں گے آپ کتنی ہی کوشش کر لیں۔ آپ اس آیت کے ساتھ کسی کلام کا موازنہ نہیں کر سکیں گے۔ جس کی تعریف آپ کو معلوم ہے۔ اگر صنعت کے ذریعے نہیں تو احساس کے ذریعے ہی سہی۔

بفرضِ محال آپ افصح العرب ہوتے ہوئے بھی اگر تصنع یا تکلف سے قرآنی اعجاز والی بلاغت کے الفاظ و تراکیب استعمال کریں تب بھی کتاب اللہ کی حدود کو نہ پہنچ سکیں گے۔ اور بفرض محال آپ ان حدود تک پہنچ بھی جائیں۔ پھر بھی کتاب اللہ کے معجزانہ اسلوب کی طرح کلام نبوئ میں معجزانہ انداز نہ پیدا ہو سکے گا۔

الرافعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت کے پانچ امتیازی خصائص بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتاب اللہ کے بعد عربی فصاحت و بلاغت کی تاریخ میں کوئی ایسا خطیب نہیں ہوا جو آپ کی فصاحت و بلاغت کا ہم پلہ ہو سکے۔ یعنی قرآنی بلاغت کے بعد بلاغت نبوی کا ایک اعلیٰ و منفرد مقام ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کلامِ نبوت میں ایسی تراکیب ہیں۔ جو قلتِ لفظ کے ساتھ ساتھ کثرت معنیٰ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ گویا کوزے میں دریا بند ہے۔ چند لفظ ہیں۔ جن میں خطابت کے وسیع سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تیسری خصوصیت کو بلاغت کی اصطلاح میں خلوص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی قسم کا ابہام، غموض یا مغالطہ باقی نہیں رہتا۔ لفظ و معنی میں ایسی پختگی اور وضاحت ہے کہ سامع کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ چوتھی خصوصیت ہے قصد و اعتدال، یعنی لفظ و معنی میں ایجاز و اقتصار

اور ایسا توازن پایا جاتا ہے جسے اقتصادِ لفظی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کلامِ نبوت کی پانچویں امتیازی خصوصیت ہے استیفاء یعنی سامع کے دل میں کوئی تشنگی یا طلبِ مزید کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ لفظ و معنی اس کی تسلی کر دیتے ہیں۔

اس اندازِ بیان کی ایک مثال وہ جامع و مختصر جواب ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بدیل بن ورقاء کے اس قول پر زبانِ نبوت سے ادا ہوا تھا کہ قریش آپ کو روکنے اور جنگ کرنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تھا۔

ان قریشا قد نہکتہم الحرب فان شاءوا ماددتہم مدۃ و یدعوا بینی و بین الناس، فان أظہر علیہم و أحبوا ان یدخلوا فیما دخل فیہ الناس والا کانوا قد جموا وان أبوا فوالذی نفسی بیدہ لأقاتلنہم علی أمری ہذا حتی تنفرد سالفتی ہذہ ولینفذن اللہ أمرہ۔

قریش کو جنگ نے نڈھال کر ڈالا ہے۔ اس لئے اگر وہ چاہیں تو ہم انہیں کچھ مہلت دے دیتے ہیں، وہ میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اگر میں غالب آگیا تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں اور وہ اس اثناء میں آرام بھی کر چکے ہوں گے۔ اگر وہ اس سے انکار کریں تو پھر اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں اس دین کی خاطر ان سے لڑوں گا۔ حتیٰ کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ اپنے حکم کو نافذ کر کے رہے گا۔

انواعِ کلامِ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے امت تک پہنچایا۔ اس پر ایک مجموعی نظر ڈالی جائے تو کلامِ نبوی میں بے حد تنوع نظر آئے گا۔ اللہ کے آخری نبی کی حیثیت سے انسانیت کی رہنمائی کے لئے آپؐ نے مختلف حیثیتوں سے متعدد مواقع پر گفتگو فرمائی۔ آپؐ نے اپنے اعزہ و اقارب سے بھی گفتگو فرمائی۔ اپنے غلاموں اور موالی سے بھی باتیں ہوئیں۔ اپنے پرانے احباب و متعلقین سے تبادلہ خیالات ہوا۔ دشمنوں اور دوستوں سے کلام کیا۔ اپنے عقیدہ کیش تلامذہ سے مخاطب ہوئے۔ مختلف النوع سوالات کے جوابات دیئے۔ اور مسائل حل کئے۔ عیدوں اور تہواروں پر امت سے خطاب فرمایا۔ مختلف اجتماعات و مجالس میں لوگوں کی رہنمائی فرمائی، وعظ و نصیحت اور تزکیہ نفس کی محفلوں میں لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی۔ اور متعدد مواقع پر تقاریر و خطبات ارشاد فرمانے کے علاوہ آپؐ کی طرف سے احکامات، معاہدات اور مکاتیب بھی جاری ہوئے۔

ان تمام مواقع پر آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے بیشتر ہم تک محفوظ صورت میں پہنچ گیا ہے۔ اور ہر قسم اور ہر موقع کی کوئی نہ کوئی بات کتب حدیث و سیرت میں بطور مثال مل جاتی ہے۔ انسان جب معمول کی زندگی سے کئی قدم آگے بڑھ کر عظمت کے زینے پر قدم رکھتا ہے تو گذشتہ باتیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔ گذشتہ صحبت کے لوگ پہچاننے بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

وسلم سے ایسا ممکن ہی نہ تھا۔ آپؐ کے ایک پرانے شریک کاروبار حضرت سائب بن صیفی تھے۔ ایک مرتبہ وہ حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "تعرفنی یارسول اللہ؟" اے اللہ کے رسولؐ! مجھے آپؐ پہچانتے ہیں؟ فرمایا "کیف لا اعرف شریکی الذی کان لا یشادینی ولا یماریٖنی" میں اپنے اس شریکِ کار کو کیوں نہ پہچانوں جو نہ تو میرے ساتھ برائی کرتا تھا اور نہ میرے ساتھ بے فائدہ جھگڑا کرتا تھا۔

کلامِ نبوت کے تنوع، حفاظت اور ہم تک پہنچنے کے متعلق استاذ عباس محمود العقاد فرماتے ہیں[1]:

"کلامہ المحفوظ إما معاهدات ورسائل کُتِبَتْ فی حینها وَإما خطب وأدعیة ووصایا وأجوبة عن أسئلة کتبت بعد حینها وروعیت الدقة فی المضاهاة بین روایاتها جهد المستطاع"

آپؐ کا کلام محفوظ جو ہم تک پہنچا ہے۔ وہ یا تو معاہدے اور مکتوبات ہیں جو اسی وقت ضبطِ تحریر میں آ گئے تھے۔ اور یا آپؐ کے خطبات، دعائیں، وصیتیں اور سوالات کے جوابات ہیں۔ جو بعد میں ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور حتی الامکان ان کی روایات میں باریکی وصحت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

بہر حال کلامِ نبوت خواہ معمول کی زندگی میں لسانِ نبوت سے ادا ہوا ہو، دینی مسائل و شرعی احکام کی تشریح و توضیح فرمائی گئی ہو۔ بات کو ذہن نشین کرانے اور سامانِ عبرت مہیا کرنے کے لئے قصص و تمثیلات بیان کی گئی ہوں۔ فرامین و مکتوبات ہوں۔ یا اقوالِ حکمت و دانش اور جواہرِ بلاغت جو جوامع الکلم کے ضمن میں آتے ہوں، یا آپؐ کے خطبات و مواعظ ہوں جو مختلف مواقع پر لسانِ نبوت سے فصاحت و بلاغت کے آبدار موتی بن کر ادا ہوئے۔ اور محبانِ طیبی کے متجسس و آرزو مند دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر محفوظ ہو گئے۔ یہ تمام اقسام اہلِ علم کو دعوتِ مطالعہ دیتی ہیں۔ غور و فکر، استفادہ اور استنتاج کے لئے بلاتی ہیں۔ ان میں زبان و ادب سے لے کر علم و حکمت اور شریعت و طریقت سے تعلق رکھنے والے سب اربابِ ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے۔

وَمَا تَوفِیقِی إِلَّا بِاللہ۔

---

[1] عبقریة ص ۷۵

رسول اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت

شمس بریلوی

ما طفلِ کم سواد، سبقِ قصہ ہائے دوست
صد بار خواندہ ایم، دِگر از سَر گرفتہ ایم

تاریخ عرب کے محققین نے واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام سے پیشتر کی کوئی مکمل "تاریخ عرب" دنیا میں موجود نہیں ہے، مورخین کو ایام عرب یا دَورِ جاہلیت کے جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں اُن کے مأخذ، تورات، انجیل اور قرآن مجید ہیں یا اہلِ عرب کی قومی روایات، اشعار (حماسۂ بتی) ہیں، جاہلیت میں قومی اجتماعات میں ان اشعار کو پڑھنے کا بہت رواج تھا، ہر عرب نژاد فرد، لائق اور دوسرے افراد سے ممتاز گردانا جاتا تھا جو اپنے نسب، اپنے اسلاف کے احوال، اپنی قوم یا قبیلہ کی لڑائیوں کے حالات کا حافظ ہوتا تھا یعنی اپنے نسب اور اسلاف کے اقوال اور ان کی لڑائیوں کی تاریخ اور واقعات اس کو ازبر ہوتے تھے۔ اسلام نے نسبی تفاخر کو مٹانے اور اس احساسِ برتری کو رفع کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی لیکن نسبی سلاسل (علم الانساب) کے تحفظ کا اہتمام اُن میں اسلام کی کئی صدیوں تک جاری و ساری رہا یہاں تک کہ علوم اسلامیہ میں علم الانساب کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہوگئی اور عہدِ اسلام کی پہلی تین چار صدیوں میں علم الانساب کا ایک عظیم ذخیرہ بصورت "تالیفات جمع ہوگیا، اس سے ایک عظیم فائدہ یہ برآمد ہوا کہ عہدِ جاہلیت کی کئی صدیوں کے احوال منضبط و محفوظ ہو گئے۔ یہ کام عہدِ جاہلیت کی شاعری سے اس قدر صحیح اور مربوط طریقہ پر انجام نہ پاسکا البتہ معاشرتی احوال پر اُن کے اشعار سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے مثلاً اُمرؤ القیس بن حجر بن عمرو کندی کے اس شعر ہی کو لے لیجیے۔

فظل طہاۃ اللحم من بین منضج
صفیف شواءٍ او قدیر معجّل

یعنی قوم کے شکار کردہ گوشت، پکانے والوں یا گرم پتھروں پر گوشت کو پھیلا کر کباب کرنے والوں یا ہانڈی میں جلد گوشت کو پکانے والوں میں تقسیم ہوگئے!

اُمرؤ القیس کے اس شعر نے معاشرتِ عرب کے اس پہلو کو روشن اور واضح کر دیا کہ ایام جاہلیت میں جب اُن کا دل کباب کھانے کو چاہتا تو وہ گوشت کو گرم تپتے ہوئے پتھروں پر ڈال دیتے تھے اور گوشت بھن کر کباب بن جاتا تھا۔

شعرائے جاہلیت کے اشعار کے علاوہ ایک تیسرا ماخذ ایام عرب کی تاریخ کے لئے وہ کتبات اور عمارتیں ہیں جو ملک یمن اور دوسرے تاریخی ممالک عرب میں پائی جاتی ہیں، عرب کے یہ کتبات، بہت کچھ پڑھ لئے گئے ہیں اور ابھی کچھ کا پڑھنا باقی ہے ان کتبات اور آثار صنادید عرب کے ذریعہ جاہلیت عرب کی تاریخ کے بارے میں بہت سے انکشافات ہو چکے ہیں۔

چوتھا ماخذ مصر، اشوریہ اور بابل جیسے عظیم شہروں کے کھنڈروں میں پائے جانے والے آثار اور وہاں کے کتبات

ہیں جن سے عرب جاہلیت کے بہت سے حکمرانوں، شاہزادوں، شاہزادیوں اور ان کی قوم کے نام اور مصریوں پر عربوں کی حکومت اور غلبہ کا حال ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں ماخذ، یونانیوں، رومیوں، ایرانیوں اور بنی اسرائیل کی تاریخ ہے، ان تاریخوں میں ایسے امور مندرج ہیں کہ خود عرب ان حقائق سے بے خبر تھے، ان ہی تاریخوں سے اُن روابط کا پتہ چلتا ہے جو ایران، عراق و شام، فلسطین، مصر و یونان اور روم کی سلطنتوں سے عربوں کے قائم تھے اسی طرح اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ ملکِ عرب ہی بنی سام کا اصل مستقر تھا یعنی سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد سب سے اوّل اسی عظیم صحرائی خطے میں آکر مقیم ہوئی تھی اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین ہزار پچاس سال قبل "بنی سام" کا ایک عظیم سیلاب اسی سرزمین سے بابل، نینوا، شام، ارضِ کنعان اور مصر میں اُمنڈ آیا تھا اور یہاں بنی سام نے زبردست سلطنتیں قائم کیں، مُلکی قوانین مرتب کئے اور دنیا کو توحید و خُدا شناسی کا سبق دیا (ملاحظہ کیجیے "تاریخ بابل از ولیم راجرس")

عربی مورخین نے جب اپنی تاریخ کی نگارش پر قلم اٹھایا تو اُس تاریخ کو ان تین طبقوں پر منقسم کیا۔ عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ میں یہاں بہت ہی مختصر طور پر ان تینوں طبقات کا ذکر کروں گا۔

ا۔ عرب بائدہ کے معنی ہلاک ہو جانے والوں کے ہیں اس لئے اس سے مراد سرزمین عرب کی وہ قدیم ترین قومیں ہیں جو سب سے پہلے ملکِ عرب میں آکر آباد ہوئیں اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کے بموجب:

فَاِذَا جَاءَ اجلھُمْ لَا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ۝ (اعراف)

یہ سب اپنے اپنے مقررہ وقت پر عرب ہی میں ختم ہو گئیں اگرچہ اُن کی محض شاخیں دوسرے ممالک میں مدت ہائے دراز تک باقی رہیں، یہ قومیں ہیں، عاد اوّل، عاد ثانیہ، ثمود اوّل، ثمود ثانیہ، جرہم، طسم، جدیس بنی لحیان اور بنی معین! میں یہاں ان قوموں کی تاریخ اور مختصر تاریخ بیان کرنے سے معذور ہوں کہ میں اپنے موضوع سے بہت ہٹ جاؤں گا، قرآن پاک میں ان کے احوال مختلف سورتوں میں موجود ہیں۔

وَ ثمود الّذین جابوا الصخر بالواد

اور

ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد

ان ہی کے بارے میں ارشاد ربّانی ہے، عاد تمام عرب میں پھیلے ہوئے تھے، حضرت ہود علیہ السلام ان کی اصلاح کے لیے مامور ہوئے تھے قوم نے نافرمانی کی اور تباہ ہو گئی جو بچ رہے وہ عاد ثانیہ کہلائے جناب لقمان عاد ثانیہ کے نامور بادشاہ تھے۔ قوم عاد ثانیہ خدا پرست اور شریعت ہود علیہ السلام کی متبع تھی[1]

---

[1] دیکھئے "ارض القرآن"۔

عادِ ثانیہ حضرموت سے جزیرہ نمائے عرب کے شرقی سواحل (خلیج فارس) کے کنارے کنارے عراق تک پھیلے ہوئے تھے
ثمود کا مرکز ارضِ حجاز تھا لیکن یہ بھی ارضِ حجاز سے حدودِ سینا تک یعنی عرب کے مغربی ساحل، بحرِ قلزم تک بسے ہوئے تھے، وادی القریٰ کا شہر "حِجر" ان کا خاص مرکز تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر قلعے اور مکانات بنانے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ یہی قرآنی زبان میں "ذات العماد" یعنی ستونوں والے ہیں، اِن کی عمارتیں آج بھی زمانے کے لئے درسِ عبرت ہیں یہ حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کے باعث تباہ ہوئے۔
اہلِ معین کی آبادی یمن میں سمندر کے کنارے سبا اور حضرموت کے کنارے تھی یہ قوم سلطنت سبا کی ہمعصر تھی۔

جرہم: تمام حجاز میں پھیلے ہوئے تھے اور یہی وہاں کے حکمران تھے، اِن کے علاوہ بھی عرب بائدہ کی چند قومیں تھیں لیکن وہ بالکل مجہول الحال قوموں کی طرح تاریخ کے صفحات پر صرف اپنا نام باقی چھوڑ گئی ہیں۔ عبل عمیس، اُمیم، اُرقم اور اَدبار ان ہی مجہول الحال قوموں کے نام ہیں۔

عرب عاربہ: عاربہ کے معنی حضریت سے محروم صحرائی یعنی بدوی کے ہیں ممکن ہے کہ اس قوم کی ابتدا بدویت اور دشت نوردی سے ہوئی ہو حالانکہ ترقی کی راہ میں یہ بہت آگے نکل گئی تھی۔ عرب عاربہ میں بڑی بڑی متمدن قومیں پیدا ہوئیں اور ایسی متمدن کہ زبردست سلطنتوں کی مالک ہوئیں، عرب عاربہ، عرب بائدہ کے بعد جنوبی عرب میں نمودار ہوئے، یمن ان کا پہلا مستقر اور مرکز تھا، یہاں سے پھر یہ دوسرے ممالک میں پھیلے۔ عرب عاربہ کا مورثِ اعلیٰ قحطان ہے جو یمن کا پہلا بادشاہ گزرا ہے اسی نے سب سے پہلے تاج شاہی استعمال کیا۔ اس سے پہلے سلاطین تاجپوشی سے ناآشنا تھے، قحطان، سام بن نوحؑ کی نسل سے ہے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو ہزار دو سو برس پہلے مملکت یمن پر حکمرانی کرتا تھا۔ حضرموت کا وسیع ریگستانی علاقہ اسی قحطان کے فرزند حضارموت کے نام موسوم تھا اجر آج بھی دنیا کے عظیم ریگزاروں میں شمار ہوتا ہے اور حضرموت کے نام سے جانی پہچانی چیز ہے، عصر حاضر کے عرب اس کو "ربع الخالی" سے بھی موسوم کرتے ہیں، اس کی نسل نے حضرموت کی سلطنت قائم کی، آخر میں یہ سلطنت، مملکت سبا کے تحت میں آگئی اور جنگ و جدل کے طویل سلسلے نے اِن کو برباد کر دیا۔ جو نسل باقی رہی وہ قبیلۂ بنی کندہ میں ضم ہوگئی۔

بنی قحطان کی سب سے نامور سلطنت "سبا" کی سلطنت تھی، سبا قحطان کا نبیرہ تھا اور اس کا نام عبدِ شمس تھا۔ لیکن سبا لقب پڑ گیا اور اصل نام ذہنوں سے محو ہو گیا، سبا بڑی متمدن اور مہذب سلطنت تھی اِن کی سلطنت اور حکومت کا دَور ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک جاری و ساری رہا۔

قومِ سبا کا جب دوسرا دَور شروع ہوا تو انہوں نے اپنا مرکز اور مستقر، شہرِ مآرب کو بنا لیا شاہِ سبا "تبع آمر" نے ۸۰۰ق م میں "سَدِ مارب" تعمیر کی جس کو اہلِ یمن اپنی زبان میں "عرِم" کہتے تھے، اس کے ذریعے ایک بہت بڑی وادی کا راستہ روک کر ایک عریض و عمیق تالاب بنایا گیا جو فنِ ہندسہ کا ایک عظیم کارنامہ تھا اس کے ذریعہ تمام ملک سرسبز و شاداب ہو گیا، "سَدِ مارب" یا "عرِم" کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چھ سو برس قبل ایک عظیم سیلاب نے طوفانِ نوح (علیہ السلام) کا منظر پیش کرتے ہوئے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور ساری مملکت سبا تباہ و برباد ہوگئی!

سبا کی وسیع اقلیم میں یہ تین ممالک تھے یعنی حبش، یمن اور شمالی عرب کے بعض علاقے۔ ۶۸۶ سنہ قبل ولادت سرورِ کونین صلی اللہ

علیہ وسلم میں اس سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور حبش کی سلطنت پر "اکسومی خاندان" قابض ہو گیا اور شمالی عرب پر بنی اسماعیل" کا تصرف ہو گیا اسی زمانے میں "ملوکِ حمیر" نمودار ہوئے یہ بھی اپنے آپ کو "ملوک سبا" ہی کہتے تھے اس لئے کہ یہ نسل "یعرب بن قحطان" سے تھی!

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چار سو سال قبل حبشیوں نے اس حمیری سلطنت پر یورشیں شروع کریں اور ساحلی مقامات نیز حضرموت مستقلاً ان کے تصرف میں آ گئے، حمیری سلاطین نے اپنا لقب "تُبّع" رکھا تھا، جو حمیری اور سبائی زبان کا لفظ ہے۔ حمیری تُبّع یا سلاطین، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۶ سال قبل تک ان تمام علاقوں پر قابض رہے لیکن اس کے بعد حبشیوں کو ان علاقوں پر دوبارہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ یہ تھا عرب عاربہ کا مختصر حال اور ان کی بہت ہی مختصر تاریخ۔

تیسرا طبقہ، "عرب مُستعربہ" یعنی عرب بن جانے والے لوگ، یہ وہ قوم ہے جو غیر عرب ممالک سے آ کر عرب میں آباد ہوئی اور پھر یہاں رہتے رہتے عرب بن گئی، اس قوم کی بنیادیں اُس وقت پڑیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کمسن (شیر خوار) فرزند اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس "وادیٔ غیر ذی زرع" میں چھوڑ کر واپس چلے گئے، اسی میں شہر مکہ آباد ہے۔ یہ واقعہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً تین ہزار چار سو سال قبل کا ہے اور تعمیر کعبہ ان ہی دو بزرگ ہستیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عنفوانِ شباب میں قدم رکھنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ قرآن حکیم میں:

"وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ"

سے اسی تعمیر بیت اللہ کی جانب اشارہ ہے، تعمیر کعبہ حضرت ابراہیم کی پیری اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے عنفوانِ شباب کا واقعہ ہے، اس وادی میں بنی اسمٰعیل و بنی جرہم کی اولاد روز بروز بڑھتی گئی، ان کے علاوہ دو اور قومیں بھی اس علاقے میں آ کر آباد ہو گئیں ایک یہود اور دوسری "صابئی"، یہود تو ارضِ کنعان، عراق اور مصر سے یہاں آ کر آباد ہوئے اور "صابئی" عراق و بابل سے فرار ہو کر یہاں آ کر بس گئے رفتہ رفتہ یہود کی آبادی کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہوا۔ یہ لوگ وادی القریٰ، خیبر، فدک، یثرب (مدینہ منورہ) اور بلادِ یمن کے علاوہ خاص مکہ معظمہ میں بھی آباد ہو گئے، جہاں جہاں یہ گئے اپنے دین کو بھی ساتھ لے گئے، ان کے مذہب کے اثرات بڑھتے گئے اور یہ معزز سمجھے جانے لگے۔ "صابئی" اطراف مکہ اور دوسرے قریبی علاقوں اور بلاد و امصار میں آباد ہو گئے، ان دونوں فرقوں یا قوموں کے علاوہ مسیحیوں کے مختلف فرقے بھی تھے جو شمالی عرب میں آباد تھے۔ ان مختلف فرقوں کے مذہب کا اثر یہاں کے قدیم باشندوں پر بھی پڑا اور کچھ نے یہودیت، صابئیت اور عیسائیت کو قبول کر لیا باقی بدستور اپنے بتوں کی پرستش میں لگے رہے، واضح رہے کہ دینِ مسیحی اور یہودیت کو قبول کرنے والوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو باہر سے آئے تھے عربی النسل خاندانوں میں سے بہت ہی کم افراد نے ان مذاہب کو قبول کیا، یہی حال مسیحیت قبول کرنے والوں کا تھا کہ اس جماعت میں زیادہ تر وہ عرب تھے جو پہلے عیسائی رہ چکے تھے اور پھر انہوں نے بت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اب پھر مسیحی ماحول کے زیر اثر عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔

آلِ اسمٰعیلؑ: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سردار جرہم مُضاض کی صبیہ سے شادی کی تھی اور اُن کے بطن سے خداوند تعالیٰ نے ان کو بارہ فرزند عطا فرمائے اور ان فرزندوں کی اولاد سے بارہ سبط، ابنائے اسمٰعیل بن گئے ان میں سے دس اسباط گمنام ہو کر دنیا سے ناپید ہو گئے صرف دو سبط باقی رہ گئے ایک نابتی منسوب بہ نابت اور دوسرا قیداری منسوب بہ قیدار، ان میں نابت خانۂ کعبہ کے متولی ہوتے

کچھ عرصہ کے بعد نابت کی اولاد بعض وجوہ سے حجاز چھوڑ کر عرب کے شمال کی طرف چلی گئی، یہی نسل پھول پھل کر جزیرہ نمائے سینا سے حدود عراق تک اور ارض مقدس کے حدود سے یثرب تک پھیل گئی۔

قیدار نہ ابنائے اسماعیلؑ، بنی نابت کے چلے جانے کے بعد باوجود مکہ ہی میں رہے اور یہ لوگ اپنے نانا (قضاعی) کے خاندان کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے اور حرم الٰہی کی نگرانی اور نگہبانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قیدار کی نسل برابر بڑھتی رہی اور اس کی شاخیں مکہ سے نکل کر سارے عرب میں پھیلتی رہیں مگر بنی قیدار کا ایک گروہ مکہ میں ضرور موجود رہتا اور حرم الٰہی کی خدمت کرتا۔ ہر سال موسم حج میں بنی اسماعیلؑ جو قریبی اور دور کے علاقوں اور ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے جوق در جوق مکہ آتے اور کعبہ کی زیارت کر کے واپس چلے جاتے، اس وقت تک اُن میں بدویت سرایت کئے ہوتے تھی نہ انہوں نے مکانات بنائے تھے اور نہ حضریت کو قبول کیا تھا وہ تمدن کے جھمیلوں سے دور دور ہی رہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے تقریباً بارہ سو سال بعد بنی قیدار میں عدنان نامی بزرگ پیدا ہوئے۔ عدنان کے بہت سے فرزند تھے ان میں سے معد نامی فرزند کو اسرائیلی سردار بخت نصر کی مظالم سے محفوظ رکھنے کے لیے اُن کو اپنے ساتھ "حران" لے گئے۔ معد کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت بخشی خصوصاً معد کے بیٹے "نزار" تمام عرب قبائل کے مورث اعلیٰ ہوئے، عرب کے تمام قیداری قبائل میں کوئی ایسا قبیلہ نہیں ہے جس کا سلسلہ نزار کے واسطے کے بغیر عدنان تک پہنچتا ہو، نزار کے پانچ فرزند ہوئے اور اِن سے پانچ قبیلے وجود میں آئے، بنی انمار، بنی آباد، بنی ربیعہ، بنی قضاعہ اور بنی مضر ان میں سے بنی ربیعہ اور بنی قضاعہ اور بنی مضر کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اسی مدت میں بحرین میں بنی عبدالقیس کی ریاست، نجد میں بنی بکر، بنی تغلب اور بنی کندہ کی ریاستیں اور حیرہ میں آل نعمان کی عظیم ریاستیں قائم ہوئیں یہ تمام ریاستیں اور اُن کی رعایا اپنی پانچوں متذکرہ آل نزار سے تھیں یعنی نسلاً یہ سب کے سب نزاری تھے۔ مضر کی تیسری پشت میں بنی مدرکہ موحد اور خدا پرست تھے بت پرستی کا ان میں شیوع نہیں ہوا تھا یہ سب دینِ حنیفی کے پیرو تھے۔ بنی خزاعہ مکہ کے حکمران اور خانہ کعبہ پر متصرف تھے اس خاندان کے ایک رئیس اور فیاض شخص نے جس کا نام عمرو بن لحی تھا، بت پرستی کو اپنا شعار بنایا، ملک شام سے ہبل نامی بُت لا کر کعبہ میں رکھ دیا اور اپنے اثر فیاضی کے اثرات سے دوسروں کو بھی بُت پرست بنا دیا۔

مدرکہ کی نسل میں پانچ پشتوں کے بعد فہر پیدا ہوئے اُن کو تمام نزاری قبائل کی سرداری کا شرف حاصل ہوا، ان ہی فہر کے چھ بطنوں کے بعد کلاب نامی سردار کے یہاں ایک عظیم ہستی پیدا ہوئی جو قصیٰ کے لقب سے مشہور ہوئی اگرچہ ان کا اصل نام زید تھا، قصیٰ اپنی جوانی میں ہی بنی قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ آ گئے تھے اور یہیں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہنے لگے تھے، مکہ کی تولیت اور حکومت کے لئے بنی خزاعہ اور بنی نضر بن کنانہ میں جنگ چھڑ گئی، اطراف مکہ میں جو چند قبائل آباد تھے وہ سب کے سب قصیٰ کے جھنڈے کے نیچے آ کر جمع ہو گئے اس جنگ میں بنی خزاعہ کو ناکامی ہوئی اور قصیٰ مکہ کے حاکم اور کعبہ کے خادم مقرر ہو گئے!

قصیٰ نے تمام قبائل منتشرہ کو جو اب قریش کے معزز لقب سے ممتاز تھے مکہ ہی میں بسا لیا جو لوگ کعبہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے وہ قریش البطاح کہلائے اور جنہوں نے مکہ کے مضافات میں سکونت اختیار کی اُن کو "قریش ظواہر" کہا جانے لگا۔

حضریت میں بھی بدویت: ابتک شہر مکہ میں بھی لوگ خیموں کے اندر زندگی بسر کرتے تھے، قصیٰ پہلے شخص ہیں جنہوں نے متمدن دنیا کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور ان لوگوں کے لئے مکانات تعمیر کرائے اور مکہ کو جداگانہ منطقوں یا محلوں میں تقسیم کیا اس طرح قوم قیدار بن اسماعیلؑ پہلی بار تمدن سے آشنا ہو کر متمدن اقوام کی صف میں شامل ہوئی۔ مکہ میں "دارالندوہ" کا قیام بھی قصیٰ ہی کی تجویز و تدبیر کا مرہونِ منت ہے۔ قریش کی جانب سے قصیٰ نے پانچ اہم امور کی ذمہ داریاں قبول کر لیں، اوّل دارالندوہ کی سربراہی دوم حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی دربانی، سوم سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام۔ چہارم "رِفادہ" یعنی حاجیوں کے طعام کا بندوبست پنجم لِوا یعنی علم برداری کی نگہداشت، جنگ کے وقت فوجی دستوں کے لیے جھنڈوں کی تیاری اور ان کی سپردگی۔

قصیٰ کے دوسرے مشہور فرزند عبد مناف ہیں جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ یعنی عبدالمطلب کے دادا ہیں قصیٰ اور عبد مناف کی کوششوں سے عرب تمدن آشنا ہوئے اور شہری زندگی کی خصوصیات کو انہوں نے اپنایا لیکن قبائلی بدویت کا وہ خاتمہ نہ کر سکے اور نہ وہ اُن کے جذبۂ مفاخرت کو دبا سکے، شعر و شاعری اور شاعری میں حسن و عشق کی داستانیں خصوصاً بنت عم سے معاشقہ اور اس پر تفاخر، شہ سواری اور نیزہ اندازی ان کے محبوب مشاغل اور روزمرہ کی زندگی کی مصروفیات تھیں۔ شاعری جو نسلی تفاخر اور عشقیہ جذبات کی ترجمانی و ابلاغ کا ذریعہ تھی ان کا ادب تھا اور اسی کو وہ ادبیات سے تعبیر کرتے تھے، اس وقت ساری زبانیں، سامی اقوام کی طرح دم توڑ چکی تھیں۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا اور عربوں کی قدیم تاریخ کے کچھ ورق اُلٹے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ پر اُن انقلابات اور قوموں کے عروج و زوال کی کچھ نشاندہی ہو سکے جو اُس وقت کی زبانوں پر اثر انداز ہوئے۔ یہ اثرات اس قدر گہرے اور دیر تک قائم رہنے والے تھے کہ کچھ زبانوں کو تو زمانہ تاریخ سے یکسر ہٹا دیا اور بعض کے کچھ نشانات آثار و کتبات کی صورت میں موجود ہیں اور مدتوں سے ان کے پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اب تک حسبِ دلخواہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے! قوموں کے عروج و زوال کے ساتھ ان اقوام و ملل کی زبانوں کا عروج و زوال بھی وابستہ ہوتا ہے جنہوں نے کبھی عروج کے بلند میناروں کو چھوا اور پھر زوال کی سَیل تُند رَو نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، پاکستان میں "موہن جوڈ رو" کی تہذیب ہزاروں سال پرانی (تحقیق و تفحص کے بعد) بتائی گئی ہے اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں لیکن اس عہد کی زبان جو زیادہ تر "ٹھیروں" پر کندہ ہے آج تک نہیں پڑھی گئی۔ ایران میں "ہخامنشی" دور کے کتبات اور خطِ میخی و بیکانی کی الواح موجود ہیں برسوں کی محنت کے بعد اُن کے پڑھنے میں کچھ کشود کار ہوئی ہے۔

معاشرہ بغیر زبان کے نہ نشو و نما پا سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے، افہام و تفہیم کے لیے زبان سے آوازیں نکالنا ہی پڑتی ہیں ان ہی آوازوں کو ایک مربوط اور منظم سلسلہ میں جب اُس عصر کے دانشور مرتب کر دیتے ہیں یا معاشرتی تعلقات اور سماجی ضروریات اُن کو منظم و مربوط کر دیتی ہیں تو صوت حرف کا اور حروف الفاظ کا جامہ پہن لیتے ہیں اور ان الفاظ کا باہمی ربط و ضبط، کلام کا روپ اختیار کر لیتا ہے، لغات یعنی اسماء وجود میں آتے ہیں اور پھر ان لغات کو قوتِ حافظہ اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور لغات سے تحفظ کی قلت یا کثرت، افراد پر علم و فضل کی چھاپ لگاتی ہے۔

مصر کی تہذیب بہت قدیم ہے لیکن وہ بھی لغات کا تحفظ سنگین الواح کے سوا اور کسی ظاہری صورت میں نہ کر سکے، اشوری، کلدانی، بابلی اور فنیقی تہذیبیں ایجاد و اختراع کی دنیا میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور ان میں سے بعض کو متمدن اقوام میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ان اقوام

ہیں بھی افہام و تفہیم کا ذریعہ یہی لغات تھے جو صوتیات سے بنائے گئے تھے، بابلی تہذیب میں کا غذ ایجاد ہوا جو زبان کی بقا کے لیے ایک اہم چیز تھا ورنہ عموماً عمدہ مدبوغ چمڑے اور جھلیوں کو لکھنے کے کام میں لایا جاتا تھا، بہر حال متمدن قوم ہو یا غیر متمدن زبان کی محتاج ہے اور زبان سے اس کا گریز ناممکن ہے چنانچہ "عرب" کی اہم سابقہ کا ہی زبان سے رابطہ ناگزیر تھا یعنی ان میں سے ہر ایک قوم کی زبان تھی اور بہت ممکن ہے کہ ایک شاندار قوم کی زبان اس کی دوسری ہمسایہ قومیں بھی استعمال کرتی ہوں۔ اس طرح یہ دائرہ ایک قوم سے دوسری قوموں تک وسیع ہو کر پھیل گیا ہو۔

"ماہرین لسانیات" نے قدیم متمدن دنیا کے لیے دو اہم اور عظیم زبانوں کی نشاندہی کی ہے ایک "ہندار۔ ویائی" اور دوسری "سامی"۔ ہندار ویائی میں وہ تمام زبانیں شامل ہیں جو غیر عرب (عجم، ہندار و یورپ) میں بولی جاتی ہیں، منجملہ جس کی شاخیں ہند میں پیاکا، پراکرت، سنسکرت اور غیر ہند میں بالتو سلاوی۔ آرمینی اصلاً ایران میں پارسی پاستان، پہلوی اور موجودہ فارسی، اور دوسری شاخ جو "کنیٹم" کہلاتی ہے اس میں اس کا نڈینیوی، ڈنمارکی، انگلیسی، ہندی، لاطینی، یونانی، اسپانیائی، فرانسیسی اور ہسپانوی شامل ہیں۔

سامی زبانوں میں صرف دو زبانیں باقی ہیں عربی اور عبرانی، تورات و زبور و انجیل کی زبان عبرانی ہے اسی زبان میں یہ صحف نازل ہوئے لیکن آج ان کی صورت بہت کچھ بدل گئی ہے۔ تحریف نے ان کے اصلی خد و خال میں بہت کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں۔

۱۲۲۵ق م میں جب عبرانی قبائل (بنی اسرائیل) صحرائے سینا اور نفود میں چالیس سال تک مقیم رہے اسی زمانے میں تورات کا صحیفۂ الٰہی نازل ہوا تھا، آج وہ اپنی اصل صورت میں نہیں ہے۔

عربی زبان جیسا کہ ابھی عرض کیا سامی الاصل ہے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو عربوں کے مقابل میں آ کر اظہار کی ان جیسی قبیلائی ہو اور شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جو عربی کی طرح اثر آفرینی میں اس جیسا درجہ رکھتی ہو، یہ تسلیم ہے کہ اصلی سامیوں کی طرح عرب کوئی عظیم آرٹ پیدا نہ کر سکے اور نہ انہوں نے اس کو نشو و نما دی جس طرح عبرانیوں نے اپنے مذہبی گیتوں میں اپنی زباندانی کے کمال کے اظہار کا محل و موقع تلاش کر لیا تھا اور یونانیوں نے فن سنگ تراشی اور فن تعمیر کو اپنے کمال کا معیار قرار دیا تھا اسی طرح عربوں کی فن کارانہ فطرت نے اپنے اظہارِ کمال کا صرف ایک طریقہ ڈھونڈھ لیا تھا اور وہ تھا خطابت خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں، خطابت میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے نثر سے زیادہ نظم کو اظہارِ خیال اور خطابت کا ذریعہ بنایا تھا، خطابت سے مراد پند و موعظت نہیں ہے بلکہ خطابت سے مراد، اپنی ذات اور اپنے آبا و اجداد کے کمال کا اظہار تھا اور اس وصف میں عرب اپنا ثانی اور عدیل نہیں رکھتے تھے، ابھی میں نے عرض کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں نے شاعری (نظم) کو اپنے اظہارِ کمال کا ذریعہ بنایا تھا، ان کے یہاں یہ ضرب المثل بہت زیادہ استعمال ہوتی تھی کہ "مرد کا حسن اس کی زبان کی فصاحت میں مضمر ہے" اسی قبیل کی ایک اور کہاوت ہے کہ "عقل چینیوں کے ہاتھوں پر اور عربوں کی زبان پر اتری ہے"

فصاحت یعنی نظم و نثر میں قوت اور بانکپن کے ساتھ اظہار کی صلاحیت، تیر اندازی (جو ان کے قوتِ لایموت کا ہی ذریعہ تھی) اور شہسواری، یہی تین چیزیں عہد جاہلیت میں ایک مکمل انسان کا سرمایہ یا بنیادی خصوصیات تھیں اور اس پر وہ اس قدر نازاں تھے کہ ظہور اسلام سے کچھ قبل بدویت کی آغوش میں پرورش پاتے چند شعرائے عرب نے اپنی فکر شاعرانہ کے بہترین نمونے خانۂ کعبہ

کے دروازے پر آویزاں کر دیئے گئے جو عرب کے زبان دانوں اور اصحاب فصاحت و بلاغت کے لئے ایک دعوت مقابلہ تھی، عربی ادبیات میں یہ سبعہ معلقات یا معلقات سبع کے نام سے یادگار ہیں اور آج تک تاریخ ادب میں اُن کے متون محفوظ ہیں، عہد جاہلیت کے یہ سات عظیم شعراء امرؤ القیس بن حجر بن عمرو الکندی - (۲) طرفہ بن عبد البکری -

(۳) زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی - (۴) لبید بن ربیعۃ العامری -

(۵) عمرو بن کلثوم التغلبی - (۶) عنترہ بن شداد العبسی

(۷) حارث بن حلزہ الیشکری -

تھے۔ ان میں بعض کے چند اشعار مع ترجمہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ لیکن اس سے قبل یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ شعرائے جاہلیت کی شعری خصوصیات میں یہ چند خصائص قدر مشترک تھے جن کو آپ خصوصیات شعری یا اسالیب شعری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

شعرائے جاہلیت کے اسالیب ان کی شاعری کی ابتدا منزل محبوب پر آہ و زاری، منزل محبوب کے کھنڈروں سے سوال اور ان سے تخاطب، کھنڈروں کو سلام، ان کھنڈروں کے لئے سیرابی کی دعا، برق سے التجا کہ محبوب کے اس گھر کو جگمگائے جو کھنڈر بن گیا ہے، محبوب کی جدائی اور اس کے فراق کے صدمے و کرب و اضطراب و درختوں سے تخاطب بت ہم سے مماثقہ کا اظہار یہ ان کے قصائد کی تشابیب کا پسندیدہ اور رچا بسا اسلوب تھا جس سے کسی عظیم اور پسندیدہ شاعر کو گریز ممکن نہیں تھا "معلقات سبع" کے شعراء کے یہاں اس تشبیبانہ اسلوب کو ملاحظہ کیجئے!

امرؤ القیس بن حجر بن عمرو الکندی عصر جاہلیت کا رئیس الشعراء اپنے معلقہ (قصیدہ) میں اپنی محبوبہ عُنیزہ کا ہمسفر ہوتا بڑے ذوق و شوق سے بیان کرتا ہے لیکن اس قرب کے باوجود اور نشاط یہ بعد کے باوصف وہ اس مخصوص شعری اسلوب کو ترک نہ کر سکا اور وہ قصیدہ کی تشبیب میں کہتا ہے!

قفانبكِ من ذكرى حبيبٍ ومنزلِ بسقط اللوى بين الدخول فحوملِ

(اے دونوں دوستو! ذرا ٹھہرو! کہ ہم محبوب اور اس کے گھر کو یاد کر کے رولیں جو ریت کے ٹیلے کے اختتام پر مقامات دخول اور حومل پر ہیں۔)

فتوضح فالمقراة لم يعف رسمها لما نسجتها من جنوبٍ وشمألِ

(توضح اور مقراۃ کے درمیان وہ گھر واقع ہے جس کے نشانات اس وجہ سے نہیں مٹے کہ اس پر جنوبی اور شمالی ہوائیں برابر چلتی رہتی ہیں)۔

تشبیب میں یہی اسلوب معلقات سبع کے دوسرے شاعروں کا ہے۔ طرفہ بن العبد البکری کہتا ہے۔

لخولة أطلالٌ ببرقة ثهمدِ تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليدِ

(خولہ کے گھر کے نشانات ثہمد کی پتھریلی زمین پر اس طرح چمک رہے ہیں جیسے گودے ہوئے ہاتھ کی پشت پر باقی ماندہ نشانات)

وقوفا بها صحبی علی مطیہم یقولون: لا تہلک اسیً وتجمّل

"میرے احباب میری وجہ سے اِن کھنڈروں پر اپنی سواریوں کو روکے کہہ رہے تھے کہ غم فراق سے ہلاک مت ہو اور صبر و ہمت سے کام لو"

اب زُہیر بن ابی سلمی المزنی کی تشبیب ملاحظہ ہو کہتا ہے:

اَمِن اُمِّ اوفیٰ دِمنَۃٌ لم تکلّم بحومانۃ الدّراج فالمتثلّم

"کیا یہ کوڑا گھر جس نے مجھ سے بات نہ کی "اُمّ اوفیٰ" کا گھر ہے جو دُرّاج اور متثلّم کی پتھریلی زمین پر واقع ہے"

بِھا العین والآرام یمشین خِلفَۃً واَطلاؤھا ینھضنَ من کلّ مَجثَمِ

ان مکانات میں نیل گائیں اور ہرن آگے پیچھے پھر رہے ہیں اور اُن کے بچے اِدھر اُدھر سے دودھ پینے کے لئے اٹھتے ہیں:

لبید بن ربیعۃ العامری اپنے قصیدے کی تشبیب میں کہتا ہے:

عَفَتِ الدیار محلُّھا فمقامُھا بمنیً تأبّد .... غولُھا فرجامُھا

فمدافع الرّیان عُرّیَ رسمُھا خَلَقاً کما ضَمِنَ الوُحیّ سلامُھا

"منیٰ میں تھوڑے دن اور نہ زیادہ دن ٹھہرنے کے مکانات برباد ہو گئے اور کوہ غول و رجام کے مکانات خشت کدہ بن گئے ہیں۔ اسی طرح کوہ ریّان کی نالیاں (ویرانی کے باعث) وحشت ناک ہو گئی ہیں جن کے نشانات اب بھی اسطرح باقی ہیں جس طرح پتھر پر کندہ نقوش کتابت کے ضامن ہوتے ہیں"!!

میں معلقات سبع کے تمام شعرا کے قصائد تشبیب پیش نہیں کروں گا، اِن تشابیب کے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ پر واضح ہو جائے کہ جاہلیت کی شاعری میں تشبیب ایک ضروری جزو تھا اور اس اسلوب اور رنگِ شاعری کا اثر اس قدر گہرا ہوا کہ قرنوں تک عربی شاعری میں قصائد اسی قسم کی تشبیب سے آراستہ رہے گویا یہ اسلوب شاعری میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ جاہلیت ہی کی شاعری پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بعد کی شاعری بھی بغیر تشبیب کے پھول پھل نہ سکی۔

شاعر جاہلیت زہیر بن ابی سلمیٰ کے فرزند حضرت کعب جب فتح مکہ کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی تحریک و ترغیب پر بارگاہ نبوت میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو قصیدہ پیش کیا وہ بھی اسی اسلوب سے آراستہ و پیراستہ تھا انہوں نے بھی عصر جاہلیت کی شعری تشبیب سے اپنی نعت پیش کی، یہ قصیدہ اپنی تشبیب ہی کے باعث "قصید بانت سُعاد" کے نام سے معروف ہے، حضرت کعبؓ کے اس قصیدے کی تشبیب سے دو اشعار پیش کروں گا: فرماتے ہیں!!

بانَت سُعاد فقلبی الیومَ مَتبولُ مُتَیَّم اثرھا لم یُفدَ مکبولُ

وَمَا سُعاد غداۃ البَین اِذ رحلت اِلّا اغنّ غضیض الطرف مکحولُ

یعنی "سُعاد جدا ہو گئی اور میرا دل (اس کی فرقت میں) آج بیمار ہے جو اس کی محبت میں قید ہے عوض دے کر بھی اس قید سے رہائی نہیں مل سکتی۔

سُعاد کل صبح جدا ہو کر چلی گئی مگر اس کی سرگیں چشم مجھے اس طرح اشارہ کرتی تھی جیسے ہرن مجھے دیکھ کر باریک اور خوش آئند آواز نکالتا ہے ''

غور تو فرمائیے نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قصیدہ ہے لیکن "سُعاد کے فراق" سے نعتیہ قصیدہ شروع کیا جا رہا ہے قصیدہ "بانت سعاد" میں تشبیب کے ۳۲ اشعار ہیں اور نعت مصطفوی میں ۳۰ سے بھی کم اشعار ہیں، یہ وہی قصیدہ ہے جس کو سماعت فرماتے ہوئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ردائے مبارک حضرت کعبؓ کو عطا فرما دی تھی جو اس وقت آپؐ کے دوشِ اقدس پر تھی!!

حضرت کعبؓ ہی پر کچھ موقوف نہیں، عربی شاعری کے اسالیب میں یہ تشبیب اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھی بعد کے نعت نگار شعراء، صاحب قصیدہ بُردہ امام بوصیریؒ اور دوسرے نعت گو شعراء، اس سرزمین پاک و ہند میں مشہور زمانہ عربی شاعر حضرت میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ کے قصائد بھی اس تشبیب سے خالی نہیں ہیں ان تمام حضرات نعت نگار کے قصائد تشبیب ہی سے شروع ہوتے ہیں، یہ پاکیزہ اور مقدس نفوس اپنی عربی شاعری میں عہد جاہلیت کے پسندیدہ اسلوب کو ترک نہ کر سکے۔ حضرت امام محمد بن سعید بوصیری مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ بُردہ کو اس طرح شروع کرتے ہیں:

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِي سَلَمٍ مَزَجْتَ دَمْعاً جَرٰى مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمِ

یعنی کیا ان ہمسایوں کی یاد میں تری آنکھوں سے اشک ہائے خونیں رواں ہیں جو ذی سَلَم میں تھے

اَمْ هَبَّتِ الرِّيْحُ مِنْ تِلْقَآءِ كَاظِمَةٍ اَوْ اَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَآءِ مِنْ اَضَمِ

یا کاظمہ کی جانب سے ہوا آرہی ہے یا کوہِ اَضم کی طرف سے برق چشمک زنی کر رہی ہے اِن اندھیروں میں: (اندھیری راتوں میں)

امام بوصیریؒ کے یہاں تشبیب کے ۱۲ اشعار ہیں۔ اس کے بعد اعترافِ تقصیر و بیانِ نفس میں ۲۷ اشعار ہیں اس کے بعد نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں سوؔ سے زیادہ اشعار ہیں۔

عہد جاہلیت کی شاعری کا جائزہ لیجیے آپ کو قصی سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک عربی شاعری میں یہی اسالیب ملیں گے میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا آپ کے سامنے صرف چند شعراؑ کا کلام بطور نمونہ پیش کر دیا ہے جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

ہاں مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کلام جو نعت نبوی میں ہے وہ اِن تشابیب سے خالی ہے بطور مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ عربی شاعری کا اسلوبِ خاص یہ ہے کہ اگر قصیدہ ہے تو وہ تشبیب سے خالی نہیں ہوگا اور اگر غیر مسلسل اشعار ہیں تو ان میں تشبیب نہیں ہوگی واضح رہے کہ عربی تشبیب ہی کو عجمیوں نے غزل قرار دے لیا تھا، عربی شاعری، غزل، مثنوی اور رباعی سے خالی ہے یہ سب عجم کی اختراع ہے جس کی اردو شاعری میں بھرپور تقلید کی گئی ہے۔

اسلام نے عربوں کی زبان کے اس اسلوب کو مکمل طور پر استعمال کیا اور ان کی نفسیاتی خصوصیات کو بھرپور طریقے پر پیشِ نظر رکھا جس کا بین ثبوت قرآن مجید کا اسلوب اس کی ترتیب کی نوعیت (نظم ترتیب) ہے جو ایک اعجاز ہے جس کا تفصیلی ذکر میں آئندہ کروں گا، ہاں یہ عرض کر دوں کہ قبل از اسلام یا عرب جاہلیت کے تفاخر کے اقانیم ثلاثہ میں تیر اندازی اور شہسواری کو ثانوی حیثیت حاصل تھی وہ اپنے قومی

ورثہ اور اس کے کمال کو تفاخر میں سب سے مقدم سمجھتے اور اسی کو اولیت حاصل تھی۔ چنانچہ عرب کے اس وسیع ریگ زار میں جہاں بدویت پرورش پا کر درجۂ کمال کو پہنچی تھی، کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں شاعرانہ صلاحیت رکھنے والے اصحابِ کمال موجود نہ ہوں۔ شاعری ہی بدویت کا کمال اور اس کا عظیم سرمایہ تھی اور شاعری سے محبت ہی ایک بدوی کا واحد ثقافتی سرمایہ تھا۔

قوم یا قبیلہ کا شاعر ایک عظیم ہستی سمجھی جاتی تھی جس کو قبیلے کی طرف سے متنوع فرائض تفویض کر دیئے جاتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اس کی رجز خوانی اس کے ہم قوموں کے لیے ایک مؤثر حربہ تھی جا بنے رجز سے اُن کی شجاعت کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دیتا تھا، زمانۂ امن میں اس کی شعلہ نوائی میں سے جنگ و جدال کی آگ بھڑک اٹھتی تھی اور امنِ عامہ کو وہ تہ و بالا کر دیتا تھا، ایک شاعر کی نظم، ایک آتش بیان مقرر کی طرح، قوم کے دلوں کو گرما دینے کے لیے کافی ہوتی تھی: اسی بنا پر شاعر کی خدمت میں بڑے بڑے عطیے پیش کیے جاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی شعلہ نوائی سے قوم محروم رہ جائے۔ بدویت میں شاعر ہی رائے عامہ کو نئی راہوں پر ڈالتا تھا وہ اگر کبیدہ خاطر ہو جاتا تو اس کی ہجو اور مذمت کے ڈر سے اس کو زر و مال دے کر خورسند کیا جاتا تھا اور ہجو گوئی سے باز رکھا جاتا تھا۔ ورنہ شاعر کی ایک ہجو، ایک قبیلہ کی اس عزت کو جو اس کی عمر بھر کی کمائی ہوتی تھی ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دیتی تھی، قبیلہ یا قوم کا شاعر اس کا مورخ بھی ہوتا تھا چنانچہ شعرائے جاہلیت کے بیشتر اشعار آج اس وقت تک فہم میں نہیں آ سکتے جب تک عہدِ جاہلیت یا ایامِ عرب کی "تاریخ کے خد و خال آپ کے ذہن میں محفوظ نہ ہوں، آپ آج بھی شعرائے جاہلیت کے اشعار کو جمع کیجئے، غور و فکر کے بعد آپ اُن سے اُس عہد کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔

ابنِ اسحاقؒ اور ابنِ ہشامؒ کی تاریخوں میں "تاریخ قبلِ اسلام" ان ہی شعرائے عرب کے اشعار سے مستنبط ہے اور شعرائے جاہلیت کے اشعار ہی اُن کا ماخذ ہیں گویا جاہلیت کی شاعری ہی اُن کی تاریخ ہے۔ ایسی فصیح البیان قوم کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کتابِ ہدایت نازل فرمائی ظاہر ہے کہ اس خصوص میں اس کی رفعتیں اور بلندیاں کس منزل اور مرتبہ پر ہوں گی۔

فصاحت و بلاغت میں اس قوم کی زبان کی رفعتوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شعرائے جاہلیت نے اپنے قصائد کو درِ کعبہ سے آویزاں کر کے حضریت میں پرورش پلنے والوں کو للکارا تھا اور مدتوں تک وہ اپنی طلاقتِ زبان و بیان اور فصاحت کے دعوے کے جواب کا انتظار کرتے رہے، یہی نہیں کہ معلقاتِ سبع ہی کے باکمال شاعر، فصیح و بلیغ تھے یا عہدِ جاہلیت کے صرف یہی چند گنتی کے شاعر شعلہ زبان اور فصیح البیان تھے جی نہیں! قُصَیٰ سے لے کر ابوطالب تک حضریت و بدویت کے ماحول میں سیکڑوں شعرأ تھے اپنی فصیح البیان زبانیں کھولیں اور سوقِ عکاظ (عکاظہ) اور دوسرے قومی اجتماعی مرکزوں میں انہوں نے دادِ فصاحت دی اور ان کا کلام محفوظ بھی ہے، یہ اور بات ہے کہ معلقاتِ سبع کی طرح اور دوسرے شعرأ کو یہ جرأت نہیں ہو سکی، یہاں اِن صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں قُصَیٰ سے لے کر ابوطالب تک جو نامور شعرأ گزرے ہیں جیسے عباس بن مرداس، ابرص، خالد بن عبد العزّیٰ، بسیعہ (شاعرہ) ذوالرُّمّین، ذو جدن الحمیری، مطرود بن کعب خزاعی، ابن الذئبہ، عمرو بن قیس کنعانی، عکرمہ بن عامر، نُفَیل، مطرہ، ابن الزبعری، ابو قیس بن الاسلت، ابو طالب، طالب بن ابوطالب، اُمیّہ بن ابی الصلت، ابن الرقیات، عدی بن زید الحیری اور ان کے علاوہ بہت سے شعرأ جاہلیت کا نمونۂ کلام پیش کر سکوں!

حضرت عبدالمطلب کے انتقال پر آپ کی صاحبزادیوں نے بہت ہی دردناک و حسرت آگیں مرثیے کہے ہیں یعنی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔ برّہ بنت عبدالمطلب، عاتکہ، ام حکیم البیضا بنت عبدالمطلب امیمہ، اور ہی بنات عبدالمطلب شامل ہیں فرزندوں کا تو ذکر ہی کیا ان تمام شعرا و شاعرات کے دو دو اشعار بھی اگر پیش کروں تو ایک تذکرۃ الشعرا مرتب ہو جائے گا۔

ایسی قوم کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو رسولؐ مبعوث فرمایا، اس پر بارگاہِ احدیت سے ایسا کلام نازل ہوا جس نے ان زبانداں اور فصیح البیان شعرا کو حیران و ششدر کر دیا اور اُس کلام کے مقابلہ میں اُن کی زبانیں گنگ و لال ہو گئیں۔ ولید بن مغیرہ قریش میں باعتبار علم و فضل اور بلحاظ فصاحت و بلاغت ایک مسلّمہ شخصیت تھی اس کو بھی کلامِ الٰہی کی فصاحت و بلاغت کے سامنے یہ کہنا پڑا۔ ع

" وَاللہ لقد سمعت کلاماً ما ھو من کلام الانس ولا
کلام الجن وَانّ لہ لحلاوۃ وَانّ علیہ لطلاوۃ
وَانّ اعلاہ لمثمر وانّ اسفلہ لمغدق وانہ
یعلو ولا یعلیٰ علیہ "

اس اعتراف کے باوجود چونکہ وہ شقیٔ ازل تھا، قبولِ اسلام کی سعادت سے محروم رہا، اس کے برعکس قبیلۂ ازدِ شنوہ کے رئیس ضمادؓ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلامِ الٰہی سُنا تو اس کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرتے ہوئے دولت اسلام کے حصول سے سربلندی و سرافرازی حاصل کی، ان کے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح منقول ہے :

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ ضماد نامی قبیلہ ازد شنوہ کا ایک فرد مکہ میں آیا وہ جھاڑ پھونک سے لوگوں کے مرضوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ مکہ کے نادانوں اور جاہلوں اور دوسرے اوباشوں سے اُس نے سُنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذاللہ دیوانے ہو گئے ہیں، ضماد نے کہا کہ میں اس شخص کو ضرور دیکھوں گا، شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اُن کو شفا دے دے، پس اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمہاری اس بیماری کا علاج کر دوں گا کیا آپ کو جنون ہو گیا ہے؟ یہ سُن کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنّ الحمدُ للہِ نحمدہٗ ونستعینہٗ مَن یّھدِہ اللہ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فلا ھادیَ لہٗ وَاَشھدُ ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہ لاشریکَ لہٗ وَ اشھدُ انّ محمداً عبدہ ورسولہ، اَمّا بعد !!

یعنی : بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت یاب فرما دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں بنا سکتا اور بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی

معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول
ہیں اما بعد: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیات قرآن تلاوت فرمائیں (نا تمام)

ان آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو سن کر ضماد نے اسی مجلس میں اسلام قبول کر لیا، ضماد رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کے اس واقعہ کو خود بیان فرمایا ہے اور مسلم کی حدیث میں یہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے:

جناب ضماد رضی اللہ عنہ تو کلام معجز نظام و بلاغت القیام سن کر مسلمان ہو گئے لیکن شقی ازلی ولید بن مغیرہ باوصف اعتراف دولت ایمان حاصل نہ کر سکا!

اعجاز قرآن

قرآن پاک نے ان فصیحان عرب کو للکارا، قرآن مجید کی اس تحدی کے سامنے سوائے عجز نارسائی کے کسی میں تاب نہیں تھی کہ اپنی زبان کھول سکے معلقات سبع میں سے بعض شعرا بقید حیات تھے، زہیر کے فرزند کعب رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کی ہجو گوئی میں اپنی فصاحت زبان کو برباد کرتے رہتے تھے فتح مکہ کے بعد دولت اسلام سے سربلند ہوئے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا مشہور قصیدہ " بانت سعاد" پڑھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انعام میں بردیمانی حاصل کی۔

عربی زبان میں اعجاز کا مادہ ہی قرآن حکیم کا اعجاز ہے اور یہی وہ اعجاز تھا جس کے باعث "عرب" قرآن پاک کی تحدی کے مقابلہ اور معارضہ میں اس کے سامنے نہ آسکے بلکہ سر تسلیم خم کر دیا حالانکہ قرآن حکیم نے واضح طور پر ان کو للکارا تھا اور کہا تھا کہ " ایک سورۃ ہی قرآن کے مقابلہ میں بنا لاؤ":

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرہ ۲۳)

یعنی: "اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو"

پھر خود ہی ان کو بتا دیا کہ نادانو! اگر تمام جن و انس بھی جمع ہو جائیں اور مشترکہ کوشش کریں تب بھی تم اس کا مثل پیش نہیں کر سکو گے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
ظَهِيْرًا ۝ (الاسرا)

ترجمہ: "تم فرماؤ! اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار بھی ہو"

قرآن حکیم کے اس اسلوب اعجاز سے قبل عرب ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل میں فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں مسابقت اور

مقابلہ کیا کرتے تھے، ان کے یہاں فصاحت سے مراد سلاستِ کلام، معانی کا باہمی ارتباط، کلمات و حروف کا حُسنِ نظم اور کلام کا فطرتِ انسانی کے موافق ہوتا تھا اور کلام کے آسانی سے ذہن نشین ہونے پر مبنی اور موقوف تھا!

چنانچہ اُن کی زبان پر صرف وہی الفاظ جاری ہوتے تھے جو معانی مقصودہ کی افادت کے لئے موزوں ہوتے تھے اور جن سے وہ معانی ذہن نشین ہو سکتے تھے اور ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ میں ان معانی کے اظہار کی صلاحیت موجود نہ ہو، مدت تک فصیحانِ عرب اسی اسلوب کو پیش کرتے رہے یہاں تک کہ قرآن مجید اپنے مخصوص اسلوبِ بیان میں نازل ہوا (جس قدر بھی آیات اور سورتوں کی صورت میں نزول ہوا تھا) قرآنِ حکیم نے اپنے برمحل الفاظ کلمات اور جملوں کے حُسن و نظم ترکیب سے فصیحانِ عرب میں ہلچل برپا کر دی اور پھر نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کو اپنے "اسلوبِ فصاحت" سے دست بردار ہونا پڑا اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہی بن پڑی! چنانچہ نزولِ قرآن کے بعد ان فصیح اللسان شعرا میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ معلقاتِ سبع کے شعرا کی طرف اپنے فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں کسی کو دعوتِ مقابلہ دیں۔

فصیحانِ عرب نے تصدیق کی کہ کلام کا یہ طرز جو قرآن لے کر آیا ہے ان کے اسلوبِ فصاحت سے بدرجہا بلند ہے اور آج تک اُن کے یہاں اس جنس کا کلام ان کے تصرف میں نہیں آیا اور زبان اس پر قادر نہیں ہو سکی، یہ اسلوبِ قرآن ہر اُس کمالِ معنوی کا سرمایہ دار ہے جو ذہن میں آسکتا ہے اور جہاں تک عقل کی رسائی ہو سکتی ہے، میں اس قول کی مزید وضاحت کے لیے علامہ مصطفیٰ رافعی مصری کی یہ توضیح پیش کروں گا، وہ "اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

"ظاہر ہے کہ وہ اہلِ عرب خطابت و کلام میں باہم مقابلے بھی کیا کرتے تھے، شعر گوئی کے میدان میں بھی اُن کی مسابقت ہوتی تھی اور شعر پر اغراض و مقاصد کے اعتبار سے تنقید بھی کیا کرتے تھے اس وقت فصحائے عرب کے نزدیک کلام کے فن اور دوسرے فن کے درمیان فرق، معانی اغراض اور کلام میں وسعتِ تاثیر و تصرف کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، کیوں کہ ان کا اسلوب کلام ایک ہی طرز اور ایک ہی قبیل سے ہوتا تھا جس میں یہ باتیں داخل نہیں یعنی گفتگو کا آزاد لہجہ، فصیحانہ خطاب، ترتیب و نظم، کلام میں سادگیٔ مضمون اور فکر پر پورا پورا زور، عبارت کی فصاحت اور ترکیب کی جزالت اور یہ احتیاط کہ ایک مبہم لفظ بھی درمیان میں نہ آنے پائے۔

وہ کسی خاص ترکیب کا اہتمام نہیں کرتے تھے اور نہ صنائع بدائع کی الجھنوں میں گرفتار ہوتے تھے اُن کے کلام میں آمد ہوتی تھی، آورد سے بچتے تھے اُن کی فطرت اور طبعِ سلیم اُن کے ادبی نظم و نثر کے شہ پاروں میں، اُن کی مدد و معاون ہوتی تھی اس لیے ان کی زبان پر بے تکلف الفاظ جاری ہو جاتے تھے، ان کے تخیل کی ہر حرکت کے ساتھ ایسے بامعنی الفاظ اُن کی زبان پر آجاتے تھے جیسے یہ الفاظ اسی موقع اور محل کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

لیکن جب ان کے سامنے اسلوبِ قرآن آیا تو انھوں نے اپنے الفاظ کو بعینہٖ اُسی اسلوب

میں مستعمل پایا جس کو وہ دن رات استعمال کیا کرتے تھے اور بالکل اسی انداز گفتگو اور طرزِ خطاب کے ساتھ پایا جس کے وہ عادی تھے اور اس سے مالوف و مانوس تھے جس میں کوئی پیچیدگی تصنع تکلف اور اہتمام نہ تھا" (اعجاز القرآن)

علامہ رافعیؔ کلام عرب کی اِن خصوصیات کے بیان کے بعد ان خصوصیات کا قرآن حکیم کے اسلوبِ بیان اور اس کی خوبیوں سے تقابل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں :

"لیکن جب ان کے سامنے اسلوبِ قرآن آیا تو نظم قرآن کے طرق، اس کے وجوہِ ترکیب، اس کے کلمات میں حروف کی ترتیب اور پھر تمام قرآن میں ان سارے جملوں کی بندش اور نشست ایسی تھی جس نے ان کو حیران کر دیا، ان کے دلوں پر ہیبت بیٹھ گئی اور ایک پُر جلال خوف اُن پر مُسلط ہوگیا یہاں تک کہ عرب اپنی اس فطری قدرت زبان کو جسے وہ بہت قوی سمجھتے تھے۔ ضعیف سمجھنے پر مجبور ہوگئے اور کلام و خطابت کے اس مَلکہ کو جسے وہ بہت مستحکم سمجھتے تھے قرآنی بلاغت کے سامنے بہت پست خیال کرنے پر مجبور ہوگئے۔

قوم عرب کے بلیغوں کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ" اسلوب قرآنی بیان کلام کی وہ جنس ہے جس تک نہ اُن کی پرواز ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔" (اعجاز القرآن)

قاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی" الشفا" نے بھی اپنی کتاب" الشفا" بتعریف حقوق المصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم میں موجودہ اعجاز القرآنی پر بڑی مدلل اور مُبرہن انداز سے بحث کی ہے، انہوں نے" وجوہ اعجاز قرآنی" کے تحت عجیب عجیب نادر نکات پیدا کئے ہیں، اس سلسلہ میں "الوجہ الثانی کے تحت رقمطراز ہیں :-

الوجہ الثانی، من اعجازہٖ صورۃ نظمہٖ العجیب وَالاَسلوب الغریب المخالف الاسالیب کلام العرب ومناہج نظمھا ونثرھا الذی جاَعلیہ وَوقعت مقاطع آیاتہٖ وَانتہت فواصل کلماتہٖ الیہ وَلم یوجد قبلہ ولا بعدہ نظیرلہ ولا استطاع احدٌ مماثلۃ شیءٍ منہ بل حارت فیہ عقولھم وَتدلھت دونہ اَحلامھم ولم یھتدوا الی مِثلہ فی جنس کلامھم مِن نثرًا ونظم اَو سجع اَو شعرٍ (الشفا صفحہ ۱۷۱)

یعنی: قرآنِ کریم کے اعجاز کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب صورت (ترکیب و ترتیب کلام) اور اس کا انوکھا اسلوبِ بیان ہے جو کلام عرب کے مروجہ اسالیب سے مختلف ہے اور ان کی نظم و نثر کی ڈگر اور روش کے مخالف ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات کا اختتام اور ہر آیت کے اختتام

> پر جو وقفہ ہے اور اس کے کلمات میں جو "فواصل" ہیں اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی گئی اور نہ اس کے بعد اور نہ کوئی اس جیسا کلام لانے پر قادر ہو سکا بلکہ اس کے اعجاز نے عقلوں کو مبہوت کر دیا اور ان کی عقلیں اس کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئیں اس لیے کہ ان کی نظم و نثر میں، سجع اور شعر میں اس کے مثل کوئی چیز موجود نہیں ہے۔"

اعجاز قرآن اور اس کی فصاحت و بلاغت ادبی اور مذہبی اعتبار سے مدتوں تک ماہرین ادبیات عربی اور علمائے متبحرین کا موردِ تحقیق بنی رہی اور اُن کی توجہ اس نکتہ پر مرکوز رہی کہ علم معانی و بیان و بدیع (جن کے مجموعہ کو علم بلاغت کہتے ہیں) کی کون کون سی خصوصیات کا قرآنِ پاک حامل ہے اور اس کی اثر آفرینی میں بلاغت کے کون سے عوامل کارفرما ہیں۔ پھر ہماری بدبختی کہ جس طرح "خلق قرآن" کے مسئلہ نے اعتقادیات کی پُرسکون دنیا میں ایک تلاطم اور ہیجان برپا کر دی تھی اسی طرح تیسری صدی ہجری کے اوائل میں کج بحثوں اور گم کردہ راہوں نے یہ بحث چھیڑ دی کہ "اعجاز قرآن" بجائے خود ایسی چیز نہیں کہ اس کا جواب ناممکن ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے معارضہ اور جوابِ قرآن کی استعداد سلب کرلی تھی اور یہی! اس لئے قرآن کی تحدی کے باوصف اس کا جواب پیش نہیں ہو سکا کہ لوگوں کی یہ استعداد و قدرت اللہ کی طرف سے سلب کی جا چکی تھی۔

اس زعم باطل کے علمبردار بھی "مسئلہ خلق قرآن" کی طرح معتزلہ ہی تھے۔ اس لئے اربابِ فضل و کمال نے شدت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ اعجاز قرآن کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ پیش کیا جائے اور دلائل و براہین سے ثابت کیا جائے کہ نظم قرآن اور اس کا اسلوب خود ایک معجزہ ہے اور ایسا معجزہ جس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اس موضوع پر مبسوط کتابیں لکھی گئیں جس میں معتزلہ کے اس قول کا اس طرح رد کیا گیا کہ پھر اُن کو اس سلسلہ میں منہ کھولنے کی جرأت نہ ہو سکی، ان تصنیفات کو میں یہاں تفصیلات پیش نہیں کروں گا کہ میرے موضوع سے اس کا تعلق نہیں ہے مختصراً یہ عرض کر دوں کہ محدث جلیل علامہ جاحظ نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں قلم اٹھایا اور تیسری صدی ہجری میں اس موضوع پر گرانقدر تصنیف "نظم القرآن" کے نام سے پیش کی، اس صدی کے اواخر میں علامہ ابو عبداللہ محمد بن یزید الواسطی نے کتاب "اعجاز القرآن" تصنیف کی۔ علامہ واسطی کی کتاب اعجاز القرآن کی شرح علامہ عبدالقادر جرجانی نے "دلائل الاعجاز" کے نام سے لکھی اس کتاب نے بہت شہرت اور قبولیت حاصل کی۔

پانچویں صدی ہجری میں امام قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے "ایجاز القرآن" کے نام سے ایک مبسوط اور بلند پایہ کتاب اس موضوع پر تصنیف کی چھٹی صدی ہجری میں امام فخر الدین رازیؒ نے اعجازِ قرآن پر اسی نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چھٹی صدی ہجری ہی میں قاضی عیاضؒ مالکی اندلسی نے اپنی کتاب "الشفا" میں ضمناً اگرچہ اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ بڑے مدلل پیرایہ میں لکھا ہے۔ ان کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے والے علامہ زملکانیؒ ہیں جن کا تعلق آٹھویں صدی ہجری سے ہے۔

نویں صدی ہجری میں محدث و فقیہ و مورخ اعظم علامہ سیوطیؒ نے بہت ہی مبسوط اور مدلل کتاب علوم القرآن پر "الاتقان" کے نام سے تصنیف فرمائی، علوم القرآن پر اب تک اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں ہوئی، علامہ سیوطیؒ نے الاتقان کی نوع شصت چہارم کے تحت "اعجاز القرآن" پر زبردست دلائل کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ سیوطیؒ نے عجیب عجیب نکات پیدا کئے ہیں۔ چودھویں

صدی ہجری میں مصری عالم علامہ مصطفیٰ رافعی نے اعجاز القرآن تصنیف کی اور قرآن کے اعجاز پر انہوں نے بہت ہی دیدہ وری اور شواہد کے ساتھ لکھا ہے :۔

کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ قرآنِ حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز پر کچھ لکھا جائے خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اعجاز قرآن کے سلسلہ میں یہ جو کچھ میں نے پیش کیا سمندر کی ایک بوند اور برقِ تاباں کی ایک چشمک سے زیادہ نہیں ہے، اس موضوع پر متعدد کتب علمائے متقدمین نے مرتب فرمائی ہیں لیکن "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" ان حضرات نے واضح طور پر یہ اعتراف و اقرار کیا ہے کہ ہم اعجاز قرآن کے حقائق تک نہیں پہنچ سکے اور ہماری عقلوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہے"۔ جب ضخیم کتب کے مؤلفین اور مصنفین کا یہ حال ہے تو یہ چند صفحات اس سلسلہ میں کیا سرمایہ فراہم کر سکتے اور ان سے اعجازِ قرآن کی کیا رونمائی ہو سکتی ہے یہ تو اس سلسلہ کی ایک تمہید ہے کہ :

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت"

کس منزل پر تھی اور چونکہ قارئین کے سامنے اس موضوع کے تحت مجھے چند حقائق پیش کرنا ہیں۔ اس لئے یہ ابتدائیہ یا تمہیدی سطور بہت ضروری تھیں کہ یہی وہ آئینہ ہے جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاغت نظام کے خدوخال کی رونمائی کر سکے گا۔

قرآنِ حکیم جو نظامِ حیات کے لئے ایک مکمل دستور العمل اور اسلام کے تشریعی احکام کا مبنیٰ و مآخذ ہے اس کی حیثیت ایک کلیاتِ قانون کی ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ ان کلیات کی توضیح و تشریح فرمائیں چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ — "اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی توضیح و تشریح فرمائیں"۔

اور اس بیان و وضاحت کے ساتھ ساتھ اُن کلیات سے مسائلِ خبر کی و احکام شرعی اخذ کر کے لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرمایہ فراہم کریں، یہی وہ بیان ہے جو ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہم کو عطا ہوا اور ہمارے لئے دارین کی نجات کا سرمایہ بنا، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا وہ اپنے صوری اعتبار سے فصاحت و بلاغت کا کامل ترین مجموعہ ہے اور اپنے اسلوب بیان اور نہج کے لحاظ سے اس بلندی پر ہے کہ فہم انسانی اور اس کا نطق اس کا مثیل پیدا کرنے پر قادر نہ ہو سکا جب "مُبیّن" کی یہ شان ہے تو لازم ہے کہ اس کا بیان بھی اسی شان کا ہو، اگر بیان اس نہج اور اس اسلوب کی خصوصیات سے مالامال نہیں ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیان "مبیّن" کے معیار پر پورا اُترتا ہے اسی لئے اس بیانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مبیّنؐ (قرآن) کی تمام تر خصوصیات موجود تھیں۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشادِ گرامی میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے :

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ (ابوداؤد)

ترجمہ: آگاہ ہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے۔

یہ "مثل" وہی بیان ہے یعنی کلیاتِ قرآن کی توضیح و تشریح بلسانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، اس کے بارے میں بارگاہِ ایزدی سے یہ تاکید بھی نازل ہوگئی کہ:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر آیت ۷)

ترجمہ: اور رسولؐ جو کچھ تم کو دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے تم رک جایا کرو!!"

اور یہ بیان صرف ایک نہج کا نہیں ہے بلکہ اپنے محل و مخاطب کے اعتبار سے مختلف الانواع ہے، جس طرح آیاتِ قرآن، اپنے محل اور مخاطب کے اعتبار سے مختلف الموضوع اور متباین الالفاظ ہیں، اصطلاحِ شرع میں اسی بیان کا نام "حدیث مبارکہ" ہے، میں یہاں حدیث کے سلسلہ میں وضاحت میں نہیں جاؤں گا صرف مختصراً یہ عرض کروں گا کہ حضور اکرمؐ کے اس بیان سے جس کو حدیث کہا جاتا ہے اِن آیات کی وضاحت اور تشریح ہوتی ہے جن کو عقلِ بشری اپنی نارسائی کے اعتبار سے مبہم خیال کرتی ہے یہ بیان اُن مبہمات کے لیے ایضاح ہے، اجمالات کے لیے توضیح ہے اور مشکلاتِ قرآنی کے لیے تفسیر ہے (جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تفاسیرِ قرآنی کا نبی احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اس طرح بیان کی متعدد انواع ہیں اور ان تمام انواع کا اطلاق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔

اصحابِ تحقیق و تدقیق نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قرآنِ حکیم مختلف قبائل کے لغات کا حامل ہے اور ان مختلف قبائل کی زبان باوصف اختلاف لغات صرف عربی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "کافۃ للناس" کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ قرآن میں ان تمام قبائل کے لغات ہوں اور جیسا کہ میں آئندہ تصریح کروں گا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام قبائل کے لغات اور اُن کے اسالیب بیان سے واقف تھے اور یہ وقوف وآگہی وہبی اور توفیقی تھی کسبی نہ تھی۔

علامہ سیوطیؒ اپنی معتبر اور مشہور تصنیف "الاتقان" کی نوع سی و ہفتم میں علامہ ابوبکر واسطی کی کتاب "الارشاد فی القرات العشر" کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل چالیس لغات ہیں انہی چالیس قبائل کی زبان کے لغات (

قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس غیلان،
جرہم، ازد شنوہ، کندہ، تمیم، حمیر، مدین، لخم، سعد العشیرہ،
حضرموت، سدوس، عمالقہ، انمار، غسّان۔ خزاعہ غطفان،
مذحج۔ اوس، طے، ثعلب، عامر بن صعصعہ، سبا، عمان۔ بنو حنیفہ،
مزینہ۔ جذام۔ ہوازن۔ عذرہ۔ یمامہ اور تمر کی لغتیں، ہیں
اغلب حصہ لغت قریش پر مشتمل ہے۔

ان متعدد قبائل کے مرورِ زمانہ کے ساتھ بہت سے مخصوص لغات، لغاتِ قریش میں ضم ہو گئے اور بعض علی حالہٖ باقی ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ اختلاف رائے بھی موجود ہے، میں یہاں ان اختلافی آرا کو پیش نہیں کروں گا لیکن تمام محققین نے اس بات

پر اتفاق کیا ہے کہ قرآن مجید مختلف اقوام (قبائل) عرب کے لغات پر نازل ہوا ہے، اختلاف بس اُن کی تعداد میں ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب کلیاتِ قرآن کی وضاحت فرماتے تو قرآن حکیم کی تمام بیانی خصوصیات جزالت، فصاحت، الفاظ و کلمات کی تالیف و ترکیب پر وہ بیان مشتمل ہوتا تھا اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف قبائل کے لغات، روزمرہ، محاورات اور اسالیبِ بیان سے اللہ تعالیٰ نے بہرہ ور فرما دیا تھا اور ان اسالیب مختلفہ میں آپ کو کمال کے درجے پر فائز کیا گیا تھا چنانچہ جو مختلف قبائل مشتمل وفود آپ کی بارگاہ میں باریاب ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ان ہی کے اسلوبِ بیان، روزمرہ اور لغات میں کلام فرماتے!

جس طرح قرآن حکیم کا نظم اور اسلوب قبائل عرب کی لسانی اور اس کی روح کے عین مطابق تھا اور مرتبہ میں اس سے کہیں افزوں اور برتر، تاثیر اور دلنشینی میں اس قدر بلند جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تمام خصائص ودیعت فرما دیتے تھے جس طرح کلامِ الٰہی میں معانی بیان کے تمام نکات اور اوصاف، علم بدیع کے تمام لوازم اس میں موجود تھے۔ اسی طرح اس کے بیان (کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ خصوصیتیں موجود تھیں اور آج بھی وہ اسی طرح محفوظ و منضبط ہیں۔ جس طرح منکرین وحی الٰہی یا اس کو سحر و شعر سے تعبیر کرنے والوں کو اس میں کبھی کوئی مقام با وصفِ سعیٔ بسیار نہ مل سکا جس کے ذریعے وہ قرآن حکیم پر باعتبارِ زبان و بیان حرف گیری کر سکتے اسی طرح اِن فصیحانِ عرب کو کبھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض یا کبھی انگلی رکھ سکیں۔ یہ صیانت و حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر توفیقی اور توقیفی تھا۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مہبطِ وحی تھے، جن پر وہ قرآن نازل ہوا تھا جو قریش اور دوسرے قبائل عرب کے لغات کا حامل اور سرمایہ دار تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کے ذریعہ لغات مختلفہ کے مواقع استعمال اور ان کے محل سے بھی آگاہ فرما دیا تھا جو آپ کا ایک عظیم معجزہ تھا اور جس کے سامنے فصیحانِ عرب سرِ عجز خم کئے ہوئے تھے (دیکھئے "تاریخ آداب العرب")

ظاہر ہے کہ ایسا کلام اور زبان پر ایسی دسترس اور قدرت، مختلف قبائل کے روزمرہ اور ان کے محاورات اور روزمرہ پر ایسا عبور اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ایک زباندان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ہر قبیلے کے مخصوص انداز بیان اور زبان سے واقفیت کے لئے اُن کے ماحول اور معاشرت میں صرف کرے اور اس حقیقت سے کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حصول زبان و اسلوب بیان کے لئے نہ یہ کوشش کرنا پڑی اور نہ آپ کو اس کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے اِن مختلف قبائل کی زبانوں اور نہ صرف زبانوں بلکہ ان کے مختلف لب و لہجوں پر ایسی قدرت عطا فرما دی تھی کہ یہ وصف منجملہ خصائص نبوت آپ کی ایک خصوصیت بن گیا تھا اور عرب کی سرزمین میں وصفِ نبوت کی طرح اس وصف میں بھی کوئی آپ کا ثانی اور مثیل نہیں تھا:

حضرت رافعی فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا ہوتا تھا کہ اس میں الفاظ کم ہوتے مگر معانی کی ایک دنیا لئے ہوئے ہوتے تھے۔ بناوٹ سے خالی اور تکلف سے آپ کا کلام پاک تھا۔

جب بھی آپ کی زبان وحی ترجمان گویا ہوتی تو اس سے حکمت کے جواہر نکلتے اور آپ جب کلام فرماتے

تو تائید الٰہی اور توفیق ربانی سے وہ کلام ہر طرح کی خطا اور لغزش سے پاک ہوتا، دلکشی دل نشینی اور دل پذیری کا یہ عالم ہوتا کہ اس کی مٹھاس سے دشمنوں کے دل موہ لیتے تھے، جس طرح آپ کی ہیبت دلوں پر لرزہ طاری کر دیتی تھی اسی طرح آپ کی محبت، شفقت اور کلام کی اثر آفرینی سے دل آپ کے والہ و شیفتہ بن جاتے تھے۔"

(اعجاز القرآن از علامہ رافعی)

مختلف قبائل کی زبان پر قدرت کاملہ کا یہ عالم کہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ صحابہ کرام رضؓ کی ایک ایسی جماعت جن کا اکثر وقت شرف خدمت کی سعادت اندوزی میں بسر ہوتا تھا اور آپ کے کلام وحی ترجمان سے فردوس گوش کا لطف اٹھاتے حاضر خدمت ہوتے اسی اثنا میں کوئی وفد باریاب خدمت ہوتا تو آپ اسی وفد کی زبان اور اسی قبیلہ کے اسلوب بیان میں کلام فرماتے گویا ان ہی کے لب و لہجہ میں آپ کی گفتگو ہوتی، بعض اصحابؓ کسی مناسب موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں موقع پر فلاں رئیس وفد یا ارکان وفد سے جو کلام آپ نے فرمایا اس میں بعض کلمات ایسے تھے کہ اس سے قبل ہم نے کبھی نہیں سنے" اور نہ عرب کے کسی کلام سابق میں وہ پائے جاتے ہیں تو آپؐ بطور تحدیث نعمت فرماتے "انا افصح العرب"۔

ایک بار جناب ابو تمیمہ الہجیمیؓ حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو نصائح فرمائیں ان میں ایک جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا "اِیَاکَ وَالْمَخِیلَۃَ" انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! "مخیلہ" کیا ہے؟ ہم قوم عرب سے ہیں لیکن ہم یہ لفظ نہیں سمجھ سکے! تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مخیلہ ازار کا زمین پر گھسٹنا ہے"۔ یعنی ازار کا اس قدر نیچا ہونا کہ وہ زمین پر گھسٹتا جائے کہ یہ تکبر کی علامت ہے، اس کے بعد یہ لفظ "مخیلہ" تکبر کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متعدد بار استعمال فرمایا!

حضرت ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کے موقع پر حضور والا کے چند نصائح کو بیان فرمایا ہے، اس حدیث میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح "مخیلہ" استعمال فرمایا ہے۔

" وارفع ازارک واسبال الازار فانّھا من المَخِیلَۃِ اِنّ اللہ
لایحب المَخِیلَۃ "
(ترمذی، ابو داؤد)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد الفاظ، مرکبات اور جملے ایسے استعمال فرمائے ہیں جن سے عام طور پر عربوں کے کان ناآشنا تھے، ایسے کلمات اور جملوں کا استعمال "بیان" کی ان خوبیوں میں سے ہے جن کی بلاغت میں نظیر نہیں ملتی!!

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو "مات حتف انفہ" ارشاد فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ ایسا جملہ سنا ہے کہ اس سے قبل کسی عرب کی زبان سے نہیں سنا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ اس کے معنی ہیں کہ "وہ اپنی ناک کی موت مر گیا"۔ جس طرح اردو میں ناک رگڑ رگڑ کر مرجانا مستعمل ہے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ایک مسلمان کو شہید کی موت مرنا پسند کرنا چاہیے نہ یہ کہ وہ بستر پر پڑے پڑے دم دے دے۔"

غزوہ اوطاس میں جب مسلمانوں نے کافروں پر پلٹ کر حملہ کیا اور اُن کے کشتوں کے پشتے لگنے لگے اس وقت حضور علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد کیا "اَلآنَ حَمِیَ الوَطِیس" تنور اب گرم ہو گیا یعنی اب گھمسان کا رن پڑا ہے غرض کہ عربوں کی لغت دانی، الفاظ کی تراش خراش یعنی اشتقاق کی صناعیاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین و دلکش لغات اور مشتقات کی جامعیت سے بھرپور کلمات کے سامنے بالکل ماند پڑ گئی تھیں: اس قبیل کے نادر اور حسین کلمات آپ کے کلام میں بکثرت موجود ہیں اور ان جیسے بالشان الفاظ، کلمات اور جملوں سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دامن مقدس مملو اور معمور ہے۔

اسی غزوہ اوطاس کا واقعہ ہے کہ جب تنگ وادی سے گزرنے والے مسلمانوں پر کافروں نے تیروں کی بوچھار شروع کر دی اور مجاہدین اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رجزیہ جملہ ارشاد فرما کر میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس پریشانی اور اضطراب میں گرفتار مسلمانوں سے آپ نے فرمایا۔

"اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب، اَنَا ابنُ عبدِ المُطَّلِب"

میں نے سیرت کی بعض معتبر کتابوں میں بھی اس رجزیہ جملے کو بصورت شعر لکھا دیکھا ہے اس موقع پر میں یہ وضاحت کر دوں کہ یہ شعر نہیں ہے بلکہ ایک باوزن وا مسجع اور مقفیٰ کلمہ ہے، جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ شعر ہے ان کی خدمت میں معروض ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی سے باز رکھا تھا۔

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِی لَه"

"اور ہم نے آپ کو شعر گوئی نہیں سکھائی کہ وہ ان کے شایان شان نہیں!!

اس جملہ پر شعر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کہ جملہ کا پہلا ٹکڑا "اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب" کی وتد اور سبب کے اعتبار سے ترکیب و ترتیب یوں ہوتی ہے وتد + وتد + سبب + وتد اور دوسرا ٹکڑا سبب اور وتد سے اس طرح مرتب ہے۔ وتد + سبب + سبب + سبب + وتد، چونکہ وتد اور سبب کی عروضی پابندی اس میں نہیں ہے اس لئے اس کو شعر نہیں کہا جا سکتا، پس انا نبی لا کذب "ایک رجزیہ جملہ تھا جس کی ہیبت اور سطوت نے کافروں کے دلوں کو دہلا دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں تازہ جوش اور ایمانی حرارت پیدا کر دی اور" اوطاس" کی جنگ فتح پر منتج ہوئی۔

ایک اور موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت کے سلسلہ میں خطاب فرما رہے تھے اثنائے کلام میں آپ نے فرمایا:

وبعثت فِی نفس السَّاعَةِ

"میں آخری زمانے میں مبعوث ہوا ہوں"

اس جملہ کی بلاغت کی کیا تعریف کی جائے یہ ایسی خصوصی تراکیب ہیں جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ توفیق الٰہی ابداع فرمائی تھیں اور آپ اُن کو بطور مجازیہ استعمال فرماتے تھے ہر چند کہ فصحائے عرب "مجاز" کے استعمال میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان کو اس خصوصیت پر بڑا ناز تھا۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن مجازی تراکیب کے سامنے وہ شرمندہ و سرنگندہ تھے، حضور کے ارشادات مقدسہ میں اس قبیل کے جملے بکثرت ہیں یہاں میں چند ایسے ارشادات پیش کر رہا ہوں جو اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

مبدنة علی دخن	صلح دھوئیں پر ہے
کل ارض سمانها	ہر زمین اس کے ہم مندوں کے ساتھ ہے۔
یا خیل اللہ ارکبی	اے اللہ کے سوارو! سوار ہو جاؤ!

لا ینطح فیہ عنزان	اس میں دو ہم شاخ بکریاں نہیں ہو سکتی ہیں۔
رویدك رفقاً بالقواریر	ان آبگینوں کے ساتھ رفق و آرام سے کام لو (چلو)

ایک سفر میں خواتین محترم بھی ہودجوں میں سوار تھیں، انجشہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حُدی سے اونٹ کو جب گرم رفتار بنایا تو ان خواتین گرامی قدر میں اضطراب پیدا ہوا اور پریشان ہونے لگیں تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدی خواں انجشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

رویدكَ رفیقاً بالقواریر! قواریر میں جو بلیغ کنایہ ہے اس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔

محدث عظیم ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تحقیقی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں اس موضوع پر نوع بست و دوم میں قائم کی ہے اور اس کے تحت ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں "غریب الفاظ" استعمال ہوئے ہیں اور ان کے استعمال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انفرادیت کی حامل ہے! علامہ حاکم نیشاپوری کے بعد بھی دوسرے محدثین کرام نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

فصاحت و بلاغت کی یہ خوبیاں آپ کے ان بیمثال جزالت و سلاست سے آراستہ چھوٹے چھوٹے جملوں ہی تک موقوف نہیں ہیں بلکہ مبسوط اور طویل ارشادات میں بھی یہ تمام خوبیاں موجود ہیں اور نظم الفاظ اور حسن ترکیب ان خوبیوں پر مستزاد! اور وہ ایسی خوبیاں ہیں جن کی نظیر کسی بشر کے کلام میں موجود نہیں ہے اور نہ کوئی کلام حادث اس کا حریف و مثیل ہو سکتا ہے۔ میں یہاں آپ کے مبسوط و مفصل ارشادات کو پیش کر کے ان کی جزالت، فصاحت اور بلاغت کو پیش کروں تو مجھے یہاں متعدد مفصل احادیث پیش کرنا ہوں گی جس کے لئے اس مضمون کی تنگ دامانی۔ محرومی کا باعث ہے۔ قارئین صحاح، مسانید اور معاجم میں ایسی احادیث شریفہ کے مطالعہ سے سعادت اندوز ہو سکتے ہیں!

کلام کی فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے ضروری ہے کہ کلام پیش کر کے اس کے الفاظ اور جملوں سے، جزالت سلاست اور فصاحت کا استدلال کیا جائے۔ اس کے بغیر اس ذمہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے اس لئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی کو پیش کرنا ضروری ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن ھمّ بحسنۃ ولم یعملھا کتبت لہ حسنۃ فان عملھا کتبت لہ عشراً ومن ھم بسیئۃ ولم یعملھا لم یکتب علیہ وان عملھا کتبت علیہ سیئۃ واحدۃ ولا یھلك علی اللہ الا ھالك۔	جس نے ایک نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیک عمل کیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر کسی نے بدی کا ارادہ کیا اور اس بدی پر عمل پیرا نہ ہوا تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر اس بدی پر عمل کیا تو اس کے لیے ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور سوائے تباہ کار کے اور کوئی تباہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث مبارکہ میں "لا یھلك علی اللہ الا ھالك" عجیب و غریب لطافت اور فصاحت کا حامل ہے! حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ فصاحت و بلاغت آپؐ کے ہر گونہ کلام میں موجود ہے، آئندہ اوراق میں اس کی مثالیں آپ کے مطالعہ سے گزریں گی!

قاضی عیاضؒ بن موسیٰ اندلسی "الشفا" میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت زبان اور بلاغت کلام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

"فقد كان صلى الله عليه وسلم من ذلك بالمحلّ الافضل والموضع الذى لا يُجهل ملاءمة الطبع وبَراعة منزعٍ وايجاز مقطعٍ ونصاعة لفظٍ وجزالة قولٍ وصحة معانٍ وقِلّة تكلفٍ أُوتيَ جَوامعَ الكَلِمِ وَخُصّ ببدائعِ الحِكَمِ وعِلمِ ألسِنَةِ العرب فكان يخاطب كُلَّ أُمَّةٍ بلسانِها ويحاورها بلغتها ويباريها فى منزعِ بلاغتِها حتى كان كثيرٌ من اصحابه يسألونه فى غيرِ مَوطنٍ عن شرح كلامِهِ تفسير قوله من تامّل حديثه وسيرَه علِمَ ذَلك وتحقّقهُ وليس كلامهُ مَعَ قريشٍ والانصار واهل الحجاز ونجدٍ ككلامه مَعَ ذي المِشارِ الهمدانِى وطهفة النهدى وقطنِ بن حارثة العليمى والاشعثِ بن قيسٍ ووائلِ بن حُجرٍ الكندى وغيرهم من اقيال حضرموتَ وملوكَ اليمنِ:

كتاب الشفاء

قاضی عیاضؒ ۵۴۴ھ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت زبان اور بلاغت کلام میں ایسے بلند و رفیع مقام پر ایسے مرتبہ پر فائز تھے جہاں سلاستِ طبع، فصاحت کاملہ، ایجاز، موزوں الفاظ کا انتخاب، جزالت کلام، صحت معانی اور قلت تکلف، کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم الفاظ اور وسیع معانی کا وصف عطا کیا گیا تھا اور نادر حکمتوں کے ساتھ آپ مخصوص کئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب کی تمام (مختلف) زبانیں سکھا دی تھیں۔ پس آپ ہر قوم سے اس کی ہی زبان میں خطاب فرماتے تھے اسی قوم (قبیلہ) کے محاورے اور اسی کے روزمرہ میں سے لغت استعمال فرماتے تھے اور اسی کے روزمرہ میں بلاغت کی رعایت مدنظر رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کسی اور موقع پر آپ سے اُس کلام کی شرح دریافت فرماتے اور آپ کے ارشادِ گرامی کی توضیح کے خواستگار ہوتے جس نے آپ کے اقوال گرامی (احادیث و سیرت) میں غور و فکر کیا ہے، اس پر یہ بات واضح ہوگئی ہے اور یہ حقیقت سامنے آگئی ہے۔ آپ کا کلام جیسا قریش، انصار، اہل حجاز و اہل نجد کے ساتھ ہوتا تھا ویسا انداز کلام اس وقت نہیں ہوتا تھا جب آپ ذی المشار ہمدانی، طہفہ النہدی، قطن بن حارثہ اشعث بن قیس اور وائل بن الحجر الکندی سے گفتگو کے وقت اختیار فرماتے تھے جو امراء و ملوک میں سے تھے۔

جناب علامہ قاضی عیاض صاحب الشفاء نے مجولہ بالا قول کی تائید میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گرامی نامہ (متن) پیش کیا ہے

جو آپؐ نے بنی ہمدان کو رقم فرمایا تھا، قارئین نقوش بھی اس کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوں، اس مکتوب گرامی میں فصاحت و بلاغت، جزالتِ الفاظ اور اُن کا نظم اپنے کمال پر ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ گرامی نامہ ان ہی کی زبان، اُن ہی کے لغت اور اُن ہی کے روزمرہ میں ہے :

إِنَّ لَكُمْ فِرَاعَهَا وَوِهَاطَهَا وَعَزَازَهَا
تَأْكُلُونَ عِلَافَهَا وَتَرْعَوْنَ عِفَاءَهَا لَنَا
مِنْ دِفْئِهِمْ وَصِرَامِهِمْ وَ
سَلَّمُوا بِالْمِيثَاقِ وَالْأَمَانَةِ، وَلَهُمْ
مِنَ الصَّدَقَةِ الثِّلْبُ وَالنَّابُ وَالْفَصِيلُ
وَالْفَارِضُ الدَّاجِنُ وَالْكَبْشُ الْحَوَارِيُّ
وَعَلَيْهِمْ فِيهَا الصَّالِغُ وَالْقَارِحُ!

(اقتباس از نامہ گرامی)

تمہارے لیے نشیب فراز اور سنگریزوں والی زمین ہے بس تم اس کی پیداوار کھاؤ اور اس میں (اپنے جانور) بے روک ٹوک چراؤ، ہمارے لیے ان کے مویشیوں اور غلے کے خرمنوں سے وہی حصہ ہے جو وہ عہد (کے مطابق) اور امانت سے ادا کریں گے ان کے لئے صدقے کا مال، بوڑھے اونٹ، اونٹنیاں، شتر بچے، عمر رسیدہ اور گھر پر کھڑے رہنے والے موٹے تازے دنبے (جن کی کھال سے لطیف بنایا جاتا ہے) اور ان پر وہ بکری اور وہ گائے ہے جو چھ سال کی ہو اور وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ سے میں نے چند تبرک سطور پیش کی ہیں جو آپ نے بنی نہد کو ان ہی کے روزمرہ اور ان ہی کے لغات میں تحریر فرمایا تھا۔ قریش کا روزمرہ اور زبان یہ نہیں تھی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمرائے حضرموت (اقیال) اور شاہان یمن کو بھی جو مکتوبات ارسال کئے یا اُن کی باریابی کے موقع پر اُن سے گفتگو فرمائی وہ انہی کی زبان اور اُن ہی کے روزمرہ میں فرمائی، آپ اُن سے گفتگو میں ان ہی کا اسلوب بیان اور اُن ہی کے مخصوص لغات استعمال فرماتے تھے باوجودیکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نہ اُن قبائل میں کبھی تشریف لے گئے اور نہ اُن علاقوں اور قبائل کی زبان سیکھی یہ سب کچھ توقیفی اور توفیقی تھا۔

مندرجہ بالا مکتوب گرامی جو بنی ہمدان کو ارسال کیا گیا تھا، اس کی فصاحت، جزالت الفاظ، نظم و ترتیب، ایجاز اور بلاغت کی تعریف کس کا یارا ہے جو کر سکے۔ اس سجع اور تلازم لفظی پر نظر ڈالئے جو تکلف اور تصنع سے بالکل عاری ہے! سبحان اللہ! سبحان اللہ!!

" فِرَاعَهَا وَوِهَاطَهَا وَعَزَازَهَا ۔ عِلَافَهَا، عِفَاءَهَا اور دِفْئِهِمْ وَصِرَامِهِمْ میں جو بلاغت اور علم معانی و بیان و بدیع کے جو لوازم ہیں ان پر فصاحت زبان و بیان وجد کرتی ہے "
وَالثِّلْبُ وَالنَّابُ وَالْفَصِيلُ وَالْفَارِضُ
الدَّاجِنُ ... الصَّالِغُ وَالْقَارِحُ جیسے الفاظ

جن میں کثیر و بسیط معانی پنہاں ہیں، ان میں جو ایجاز ہے وہ ظاہر ہے، زبان پر کامل قدرت، الفاظ کا حسنِ انتخاب اپنے کمال پر ہے، کون سی زبان لائی جائے جو ان خوبیوں کی تعریف کر سکے!!

"وائل بن حجر" کو جو گرامی نامہ ارسال کیا گیا تھا اس میں یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا!

وَفِي التِّيعَةِ شَاةٌ لَا مُقَوَّرَةُ الْأَلْيَاطِ وَلَا ضِنَاكٌ وَأَنْطُوا الثَّبَجَةَ
وَفِي السُّيُوبِ الْخُمُسُ وَمَنْ زَنَى مِمْ بِكْرٍ فَاصْقَعُوهُ مِائَةً وَاسْتَوْفِضُوهُ
عَاماً وَمَنْ زَنَى مِمْ ثَيِّبٍ فَضَرِّجُوهُ بِالْأَضَامِيمِ وَلَا تَوْصِيمَ فِي الدِّينِ
وَلَا غُمَّةَ فِي فَرَائِضِ اللهِ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَوَائِلُ بْنُ حُجْرٍ يَتَرَفَّلُ
عَلَى الْأَقْيَالِ۔

یعنی اور چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ہے جو نہ بہت دبلی ہو اور نہ بہت موٹی (درمیانی ہو) اور نہ اعلیٰ نہ ادنیٰ اور زمین کی پیداوار سے پانچواں حصہ ہے اور جو کوئی کنواروں میں سے زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دو اور شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کرو کیونکہ دین میں ڈھیل نہیں ہے۔ اور اللہ کے فرائض میں اخفا نہیں ہے، ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور وائل بن حجر تمام امرا (اقیال) پر سرداری کرے۔"

اس مکتوبِ گرامی کا اسلوب، اس کے لغات اور تراکیب بھی وہی ہیں جو اس قبیلہ میں رائج تھا اور اسی قبیلہ کا اندازِ بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، علامہ قاضی عیاض رح فرماتے ہیں۔

"اکثرا ستعمالهم هذه الالفاظ استعملها معهم لتبيين للناس
فانزل اليهم" ويحدث للناس بما يعلمون ٥

یعنی "آپ ان لوگوں سے گفتگو اور معاملہ کے وقت وہی الفاظ استعمال فرماتے جو بعینہ وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی آیات کا مفہوم اور اس کی وضاحت بھی اِن ہی کی زبان میں فرماتے جس میں وہ لوگ کلام کرتے تھے اور پسند کرتے تھے۔"

جناب عطیہ السعدی والی حدیث میں ہے کہ آپ نے اُن سے فرمایا:

فَاِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْطِيَةُ وَالْيَدَ السُّفْلٰى هِيَ الْمُنْطَاةُ

یعنی "بیشک اونچا ہاتھ تو دینے والا ہے اور لینے والا ہاتھ تو نیچا ہے۔"

مختلف قبائل کے یہ لوگ اعتراف کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کلام فرماتے ہیں تو ہماری ہی زبان میں فرماتے ہیں۔ چنانچہ المنطیہ اور المنطاۃ" قریش کے لغات نہیں تھے بلکہ قبیلہ سعد سے مختص تھے:

"علامہ قاضی عیاض رح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر مختصراً گفتگو کرنے کے بعد اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

وامّا کلامہُ المعتادِ وَفصاحتہُ المعلومۃ :
جَوامِع کَلِمہٖ وَحِکَمِہٖ مَاثُورہ فَقَدْ اَلّفَ النّاسُ فِیہا دَوَاوِیْنَ وَجُمِعَت
فِی اَلْفَاظِہا وَمَعَانِیہا الکُتُبُ وَفِیْہا مَالَا یُوَازِی فَصَاحَۃً وَلَا یُبَارٰی بَلَاغَۃً

یعنی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معتاد، آپ کی فصاحت معلومہ، آپ کے جوامع الکلم اور احکام ماثورہ کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے متعدد کتب لکھی ہیں اور دفتر کے دفتر تحریر کر دیئے ہیں جن میں اُن الفاظ اور اُن کے معانی کو جمع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو فصاحت ان الفاظ کی برابری نہیں کر سکتی اور نہ بلاغت کو تاب مقاومت ہوئی۔"

علامہ قاضی عیاض کے محولہ بالا قول کی مزید صراحت و وضاحت کے لیے میں یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات گرامی پیش کر رہا ہوں، جو اپنی سلاست بیان، نظم الفاظ، فصاحت کلمات اور ایجاز کے نادر نمونے ہیں ان حکمت آفریں کلمات اور جملوں میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے، آپ کے یہ کلمات طیبات کم سے کم الفاظ اور زیادہ سے زیادہ معانی کے حامل ہیں ان کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ دوسرے فصیح و بلیغ انسان کے کلام میں اس کی مثال ملنی ناممکن ہے،

آپ کی بارگاہ فلک رفعت میں ہر وقت کے حاضر باش اصحابؓ جو خود ہی زباندان، اور قریش کے فصیح و بلیغ اصحاب تھے، آپ کی اس فصاحت و بلاغت پر اکثر حیرت کا اظہار فرماتے، آپ نے ان کے تحیّر کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا!!

"اَنَا اَفْصَحُ العَرَبِ بَیْدَ اِنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَنَشَأْتُ فِی بَنِی سَعْدِ بْنِ بَکْرٍ۔"

یعنی میں عرب میں فصیح ترین شخص ہوں جبکہ میں قریش سے ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری نشوونما ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت گرامی میں عرض کیا کہ

"یا رسول اللہؐ! میں عرب کے تمام قبائل میں گھوما پھرا ہوں اور ان قبائل کے فصحاء سے میں نے گفتگو کی ہے لیکن میں نے آپؐ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں پایا، یہ تعلیم آپ کو کس نے دی۔"

اس کے جواب میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ"

میرے رب نے میری تعلیم و تادیب کی ہے اور خوب ہی ادب سکھایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی اور ماہر انساب نہیں تھا اور ممکن نہ تھا کہ کوئی فصیح و بلیغ شخص اس زمانے میں ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے واقف نہ ہوں، اس وقت کا کوئی خطیب، کوئی شاعر و لکھنے والا ایسا نہ تھا جو آپ کی نگاہوں سے چھپا ہو پس حضرت صدیق اکبرؓ کا آپؐ کی فصاحت و بلاغت پر اظہار حیرت بھی اس امر کی دلیل ہے کہ "دنیائے عرب میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی فرد نہیں تھا۔

یہاں جو چند کلماتِ طیبات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پیش کئے جا رہے ہیں یہ آپ کے کلام کا کوئی منتخبہ نمونہ نہیں بلکہ یہ ایسے کلماتِ طیبات ہیں جو اپنی معانی آفرینی اور جامعیت کے اعتبار سے زبان زدِ خواص و عوام ہیں، زبانوں پر بے تکلف جاری و ساری ہیں، غور کیجئے کہ نہ ان کلماتِ طیبات میں اَدائے مقصود میں کہیں (معاذ اللہ) کوتاہی ہے نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ہر ایک ارشادِ گرامی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کا بہترین نمونہ ہے، تعقید سے خالی ہے۔ تکلف و تصنع کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے، اسلوبِ بیان میں متانت رچی بسی ہے اور معانی کی وسعتوں کا کیا کہنا! دریا بکوزہ کا مصداق ہے، وضوح دلالت میں الفاظ کی کمی کے با وصف کامل ہے اور معانی و بیان کی صفات سے آراستہ ہے!!

یہ تو حقیقت کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ موضوع حقیقت کی ترجمانی ہی چاہتا ہے ورنہ محبت و عقیدت تو ایک ایک لفظ پر سر خم کرتی ہے، ایمان تر و تازہ ہوتا ہے، روحِ ایقان وجد میں آتی ہے اور کیوں نہ ہو!

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملّت بہ شست (سعدیؒ)

کس کی زبان کا یارا ہے کہ اس کلام کی تعریف کر سکے جس کی خوبیوں کی خالق اکبر اس طرح قسم یاد فرمائے:

وَقِیْلِہٖ یٰرَبِّ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝
"مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم! کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"۔ (الزخرف آیت ۸۸)

عقیدت و محبت نے لرزتے ہاتھوں، ترساں انگلیوں اور سر بتفکر قلم سے ان چند کلماتِ طیبات کو زیبِ قرطاس بنانے کی جرأت کی ہے تاکہ دنیا کے ادیب اپنی فصاحت و بلاغت کے معیار پر اس زرِ کامل عیار کو اگر چاہیں تو کس لگا کر دیکھ لیں اگر اُن میں اتنی جرأت ہو لیکن ادب شرط ہے کہ یہ بارگاہ بڑی عالی وقار ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا (عزت بخاری)

علم معانی و بیان تو یہاں خود سر افگندہ و سرنگوں ہیں کہ ان علوم کا وجود تو خود حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ گرامی کا صدقہ ہے ان علوم کا منبع اور ان کی اساس تو خود قرآنِ حکیم اور اس کا بیان یعنی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے! علم فصاحت و بلاغت کو وجود تو خود حضورؐ کے کلامِ معرفت التیام نے بخشا ہے، صرف، نحو، معانی، بیان وغیرہ کے بہت سے اصول و قواعد تو خود قرآن و حدیث سے اخذ کئے گئے ہیں کہ حدیثِ رسول بھی تو اعجازِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی اسی کلام کے لئے تو فرمایا گیا ہے میں اس جسارت پر آمادہ نہ ہوتا لیکن دل نے کہا کہ اسلاف کرام نے بھی شمائل نبوی اور ارشاداتِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی آبرو بڑھائی ہے اور اپنے کلام و بیان کو اس کے فیض سے سرمدی بنایا ہے تو میں بھی اُن ہی بزرگوں کا نام لیوا ہوں نا! کہ وہ آفتاب تھے میں ذرّہ ہوں، وہ سمندر تھے میں قطرہ ہوں وہ گلستاں تھے میں خارِ بندِ گلستاں ہوں، لیکن یہ خار بندِ گلستاں بھی کبھی کبھی پھولوں کا منہ چوم لیتا

ہے، قطرے کو ہی دریا کے توسط سے سمندر کی موجوں سے ہم آغوشی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرہ بھی خورشید کے پرتو سے چمکنے لگتا ہے لہٰذا میں بھی اسلافِ کرام کے اس کوچے میں قدم رکھ رہا ہوں، الٰہی میری آبرو رہ جائے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیحد و بے شمار حکمت آگیں، فصاحت نظام و بلاغت التیام کلام سے جوانِ مذکورہ اوصاف سے کہیں زیادہ خوبیوں کے حامل ہیں، یہ چند لطیف، پاکیزہ، مقدس و معطر، معنی آفریں اور سبق آموز کلمات پیش کر رہا ہوں جو فصاحت و بلاغت اور اعجازِ کلام کے نادر نمونے ہیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

۱	اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ	لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔
۲	اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ	بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔
۳	لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ	سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہے (شنیدہ کے بود مانند دیدہ)
۴	مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ	جو (مخلوق پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔
۵	سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ	قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے (ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد)
۶	تَرْکُ الشَّرِّ صَدَقَۃٌ	شر (برائی) کا ترک کرنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔
۷	اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ	انسان اس کے ساتھ ہے جس کو وہ محبوب رکھے۔
۸	اَلنَّاسُ مَعَادِنُ	لوگ کانیں ہیں۔
۹	اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ	جس سے مشورہ لیا جائے اس کے لیے امانت ضروری ہے۔
۱۰	ھُوَ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَکَلَّمْ	انسان مختار ہے جب تک کلام نہ کرے۔
۱۱	مَا ھَلَکَ امْرَءٌ عَرَفَ قَدْرَہٗ	وہ شخص ہلاک نہیں ہوتا جو خود شناس ہے۔
۱۲	رَحِمَ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ خَیْرًا فَغَنِمَ اَوْ سَکَتَ فَسَلِمَ	اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر رحم فرمایا جس نے اچھی بات کہی تو فائدہ اٹھایا یا خاموشی اختیار کر کے محفوظ ہو گیا۔
۱۳	ذُوالْوَجْھَیْنِ لَا یَکُوْنُ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا۔	منہ دیکھ کر بات کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے حضور میں باعزت نہیں ہے۔
۱۴	خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا	میانہ روی (اعتدال) اچھی چیز ہے۔
۱۵	اَسْلِمْ تَسْلَمْ	اسلام قبول کر، محفوظ ہو جا!
۱۶	اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ کُنْتَ	اللہ سے ڈر تو جہاں کہیں بھی ہو۔
۱۷	اَحْبِبْ حَبِیْبَکَ ھَوْنًا مَّا عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ بَغِیْضَکَ یَوْمًا	اپنے دوست کو راز کم بتا، ممکن ہے وہ تمہارا کسی روز دشمن ہو جائے!

مندرجہ بالا ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اصول معاشرت، اجتماعی زندگی اور اُخروی زندگی کی کامیابی اور کامرانی پر فائز ہونے کے

جو اعلیٰ مقاصد اور اُن کی وسیع تعلیمات اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اُن کی تشریح و توضیح کے لیے سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے، میں نے قارئین کے استفادہ کے لیے ان چند ارشادات گرامی ہی پر اکتفا کیا ہے، سیر اور اخلاقیات پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایسے کلمات حکمت و دانش بکثرت موجود ہیں اور اسی قبیل کے ہزاروں مخاطبات، مواثیق، محاضرات او خطبات موجود ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں حضرات صحابہ رض کی زبانوں پر رواں اور حافظے میں محفوظ تھے، امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو کتابت کے توسط سے محفوظ کر لیا جائے، تدوین کا یہ کام دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس کاوش کا جو متقدمین اور متوسطین علمائے کرام نے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں انجام دی ہیں، ان مقدس احادیث میں احکام بھی ہیں اور معاملات بھی، خطبات بھی ہیں اور ادعیہ ماثورہ بھی، غرض وہ سب کچھ موجود ہے جس کی اسلامی معاشرے کو ضرورت ہو سکتی ہے، یہ سرمایۂ عظیم البرکت اس طرح ثقہ راویوں کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے کہ ان حضرات نے کسی راوی سے روایت کے قبول کرنے میں بڑی کڑی شرطیں عائد کر دی تھیں، رواۃ کے اوصاف متعین کئے راوی کو اس نقطۂ نظر سے جانچا اور پرکھا پھر مطاعن کی کسوٹی پر کسا تاکہ حدیثِ گرامی کی روایت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے غرض کہ محدثین کرام اور محققین عظام نے روایت کو درایت کے ہر ایک پہلو سے پرکھا ہے اور اس کو معیار صداقت پر جانچا ہے۔ تب کہیں سپردِ قلم کیا ہے، صحاح ستہ، مسانید، معاجم، مؤطا کے یہ تمام مجموعے جن کی تعداد بے شمار ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی اور سکوتی احادیث کے مقدس مجموعے ہیں، اُن تمام احادیث مقدسہ میں جن کو احادیث قولی سے موسوم کیا جاتا ہے جن میں ادعیہ ماثورہ، خطبات و محاضرات شامل ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لسانی و بیانی اوصاف موجود ہیں یعنی فصاحت و بلاغت بھرپور طریقے پر موجود ہے میں نے سرورِ ذیشان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چند بہت ہی مختصر کلماتِ طیبات جن میں معانی کی پہنائیاں سمٹ کر آگئی ہیں، آپ کے سامنے پیش کئے ہیں، اب میں یہاں صرف ایک حدیث گرامی پیش کر رہا ہوں جس میں چند مقدس و پاکیزہ جملے ہیں لیکن ان چند جملوں میں ایمان، اخلاق، حسنِ معاشرت، تدبیرِ منزل کے تمام مباحث پنہاں ہیں، صرف اسی ایک حدیث پر عمل کامیاب زندگی کا وسیلہ ہے اور یہ چند مقدس کلمات فلاحِ دارین کا دستور العمل ہیں، اس حدیث مبارکہ کا ایجاز و اختصار بجائے خود ایک معجزہ ہے اور فصاحت و بلاغت کا ایک آئینہ ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ
وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً" فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنٰهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی
عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ
الْاِیْمَانِ ۔
(متفق علیہ)
(رواہ بخاری رح و مسلم رح)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ سے مروی ہے کہ "رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر (۷۰) سے کچھ
اوپر شاخیں ہیں اُن میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ
کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ یہ کہ راستے سے اذیت رساں
چیز کا ہٹا دینا اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔
(یہ حدیث متفق علیہ ہے)
(اس کو بخاری رح اور مسلم رح نے روایت کیا ہے)

صحیح بخاری کے شارح علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رح اپنی شرح صحیح بخاری موسومہ بہ فتح الباری میں اس حدیث مبارکہ کی توضیح و تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں جن ستر سے کچھ زیادہ شعبوں کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے یہ تمام شعبے ہمارے دل، زبان اور ہمارے بدن کے اعمال ہیں جو ان شعبوں میں منقسم ہو جاتے ہیں، میں ان کی یہاں وضاحت کروں گا۔"

سب سے پہلے تو اعمالِ قلب کو لیجئے کہ اعتقادات اور نیّت کا تعلق اسی قلب سے ہے۔

اس کے تحت یہ اعتقادات آتے ہیں:-

۱- ایمان باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی توحید پر ایمان لانا اور اس پر کہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی قدیم نہیں اور ہم اس کے بندے ہیں۔

۲- اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا۔

۳- قرآن اور قرآن سے قبل نازل ہونے والی آسمانی کتب پر ایمان لانا (جس طرح وہ نازل ہوئیں یعنی غیر محرف پر)

۴- سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ سے قبل مبعوث ہونے والے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا۔

۵- اس بات پر ایمان لانا کہ تقدیر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۶- قیامت پر ایمان لانا۔

۷- محبتُ اللہ

۸- حُبّ فی اللہ (محض اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے بندوں سے محبت کرنا)

۹- بغض فی اللہ (جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا اور اس ذات میں دوسروں کو شریک بناتا ہے اس سے نفرت کرنا اور بغض رکھنا)

۱۰- سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا۔

۱۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا دل میں راسخ ہونا، آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا۔

۱۲- اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا۔

۱۳- اِخلاص پر یقین واثق رکھنا یعنی ترکِ ریا اور ترکِ نفاق۔

۱۴- توبہ کرنا۔

۱۵- خوفِ الٰہی۔ ۱۶- امید و رجاء۔ ۱۷- شکرِ الٰہی بجالانا۔

۱۸- ایفاءِ عہد۔ ۱۹- صبر بالقضا۔ ۲۰- توکل

۲۱- رضا بالقضا۔ ۲۲- ایثار۔ ۲۳- رافت و رحمدلی

۲۴- تواضع (اس میں بہت سے فضائل اور ترک رذائل ضمناً داخل ہیں) ۲۵- صدق۔ ۲۶- کذب سے گریز۔

۲۷- خضوع وخشوع۔

ان تمام مذکورہ بالا امور کا تعلق قلب سے ہے اس لیے یہ سب کے سب اعمالِ قلب ہیں۔ اب ان اعمال پر غور کیجئے جن کو "اعمالِ لسان" کہا جاتا ہے۔ اعمالِ لسان کے تحت یہ آٹھ امور آتے ہیں :

۱۔ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرنا۔

۲۔ تلاوتِ قرآن۔ ۳۔ تحصیلِ علم ۔ ۴۔ تعلیم و تدریس (علومِ دینیہ) ۵۔ ذکرِ الٰہی (توبہ و استغفار)

۶۔ دُعا ۔ ۷۔ لغو اور مہمل گفتگو سے اجتناب۔ ۸۔ صدق یعنی راست گوئی۔

یہ تھے اعمالِ قلب اور اعمالِ لسان، اب اعمالِ بدن کو لیجیے آپ کو ۳۸ فروع پر مشتمل پائیں گے اِن میں کچھ اعمال تو ذات سے تعلق رکھتے یعنی ذاتی ہیں اور انفرادی نوعیت کے ہیں اور کچھ عائلی اور اہلی زندگی سے متعلق ہیں۔

ذاتی اور انفرادی اعمالِ بدن یہ ہیں :۔

۱۔ طہارتِ جسمانی (حسی اور حکمی دونوں) یعنی ظاہری اور باطنی ناپاکی اور نجاست سے طہارت حاصل کرنا۔

۲۔ ستر عورت ۔ ۳۔ فرض و سنت اور نفلی نمازوں کو ادا کرنا۔

۴۔ زکوٰۃ اور صدقات نافلہ کا ادا کرنا۔ ۵۔ غلام آزاد کرنا۔ ۶۔ فرض اور نفلی روزوں کا ادا کرنا۔

۷۔ حج اور عمرہ کی ادائیگی ۔ ۸۔ اعتکاف ۔ ۹۔ مساکین کو کھانا کھلانا ۔

۱۰۔ مہمانداری یعنی میزبان بننا اور میزبان کے آداب کی بجاآوری ۔

۱۱۔ لیلۃ القدر کے پانے کے لئے شب بیداری کرنا ۔

۱۲۔ اپنے دین کے تحفظ کے لئے دارالشرک سے ہجرت کرنا۔

۱۳۔ نذر معین کا بجالانا۔

۱۴۔ بہترین ایمان کے ثبوت کے لئے کوشش بجالانا یعنی ایسی مساعی میں مصروف ہونا جس سے بہترین ایمان کے حامل ہونے کا ثبوت فراہم ہو۔

۱۵۔ مفروضہ کفاروں کا ادا کرنا۔

مذکورہ بالا تمام اعمالِ بدن ایسے ہیں جو ذاتی اور انفرادی ہیں۔ کچھ ایسے اعمال بدنی ہیں جن کا دائرہ فرد سے بڑھ کر چند دوسرے افراد و نفوس تک پہنچتا ہے یعنی بعض کا تعلق عائلی اور خاندانی زندگانی سے ہے اور وہ یہ ہیں :

۱۔ نکاح سے اپنی عفت کا تحفظ کرنا، (وظیفۂ زوجیت بجالانا)

۲۔ اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا۔

۳۔ والدین کے ساتھ احسان کرنا اور اُن کی نافرمانی سے بچنا۔

۴۔ صلہ رحمی (خاندان کے مستحق و نادار افراد کے حقوق بجالانا)

۵۔ بزرگوں کی اطاعت کرنا اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آنا۔

۶۔ غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک۔

۷۔ اولاد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کی دینی اور مذہبی تربیت کرنا۔

۸۔ کسی قضیہ میں اگر گواہی دینا ہو تو سچی گواہی دینا (تاکہ کسی فرد یا افراد کی حق تلفی نہ ہو)

یہ تھے وہ اعمالِ بدنی جن کا تعلق فرد کی ذات سے بڑھ کر عائلی زندگی تک پہنچتا ہے۔

اب اُن افعالِ بدن کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا دائرہ اثر و نفوذ اجتماعی اور مدنی زندگی سے ہے۔ وہ یہ ہیں!!

۱۔ عدل کے ساتھ حکمرانی کرنا۔

۲۔ جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔

۳۔ اولوالامر کی اطاعت کرنا۔

۴۔ باہمی اختلاف اور رنجشوں کو دُور کرنا

۵۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا اور عدوان و بدی میں عدم تعاون کرنا۔

۶۔ اسلامی تعزیرات یعنی حدود کا اجرا۔

۷۔ جہاد (باغیوں اور سرکشوں سے قتال اس میں داخل ہے)

۸۔ اُدائے امانت (بروقت قرض ادا کرنا بھی اس میں داخل ہے)

۹۔ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنا اور ان کا احترام کرنا۔

۱۰۔ حسنِ معاملت۔

۱۱۔ کسبِ حلال (حلال ذرائع سے روزی کا حصول)

۱۲۔ جائز مواقع پر مال خرچ کرنا۔

۱۳۔ بیجا خرچ سے احتراز اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے (اسراف) سے بچنا۔

۱۴۔ سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا اور دونوں کو اسلامی طریقے پر بجا لانا۔

۱۵۔ چھینکنے والے کی چھینک پر یرحمک اللہ کہنا۔

۱۶۔ لوگوں کی ایذارسانی سے خود کو محفوظ رکھنا۔

۱۷۔ لہو و لعب سے احتراز کرنا۔

۱۸۔ بخل سے خود کو بچانا۔

۱۹۔ پورا تولنا اور پورا ناپنا۔

۲۰۔ نہ رشوت لینا اور نہ رشوت دینا

۲۱۔ راستہ سے ایذا رساں چیز کو ہٹا دینا۔

(فتح الباری شرح بخاری)

اس طرح ایمان کی یہ ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جو صرف ایک ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں میں ایسا ایجاز اور وسعت وسیع رکھنے والی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ یہ ایجاز بھی بلاغت کا وصف ہے اسی لئے میں نے محض نمونے کے طور پر ایک حدیث شریف پیش کر دی ہے۔ احادیث شریفہ کی شروح میں ایسی تفصیلات معنوی بکثرت موجود ہیں وہاں اُن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضور سرور کونین کے گرامی مکتوبات

فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں آپ کے کلام مبارک کی کسی ایک نوع اور شعبہ سے مختص اور مخصوص نہیں تھیں بلکہ جس طرح آپ کے خطبات، محاضرات، صحابہ کرامؓ سے گفتگو، وفود سے خطاب، اُن کو ہدایات اور نصائح جن کو اصطلاحاً حدیث شریف سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہر ایک نوع کلام میں یہ خوبیاں اور کمال زباندانی اور اس کی خصوصیات یعنی بدیع بیان و معانی و بدیع موجود ہیں۔

> یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اور ایسی حقیقت ہے جو شارع علیہ السلام کے ارشاد گرامی
>
> اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ

سے مبرہن ہے ظاہر ہے کہ جب وہ چیز مثل قرآن ہے تو اس کا موضوع اور قرآن کا موضوع ایک ہی ہوگا، پس حدیث کا موضوع اور اس کے مقاصد وہی ہیں جو قرآن کا موضوع اور مقاصد ہیں، اب جب تفحص کی نظر ڈالیں گے تو احادیث شریفہ کے مجموعے خواہ وہ صحاح ہوں یا مسانید یا معاجم وغیرہا جن احکام یا موضوعات پر مشتمل ہیں وہ عموماً یہ ہیں۔

۱۔ ان میں اُن امور کی تفصیل ہے جو قرآن پاک میں مجملاً بیان کئے گئے ہیں اور جن کی توضیح و تصریح کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا تھا۔

> وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، مضاربت، نکاح، ایلا، ظہار اور اس سے متعلق احکام کی تفاصیل اور اُن کے اطلاقات، چونکہ مدنی اور معاشرتی زندگی حُسن و قبح سے خالی نہیں ہے اس لئے جرائم اور ان سے متعلقہ سزائیں (حدود) اشیأ کی حلت و حُرمت یعنی کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون سی حرام! ان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس وسعت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

۲۔ آپ ہی کی احادیث سے وحی کے نزول کی کیفیت، بعثت وحی، اس کے مختلف مراحل و احوال کی تفصیلات علم میں آتی ہیں۔

۳۔ کفار کو آپ کی دعوتِ اسلام کہ یہی آپ کی بعثت کا مقصد اولیں تھا۔ اس دعوت حق میں شدائد و مصائب سے آپ کا دوچار ہونا۔

اس دعوتِ حق کے سلسلہ میں آپ کے دلائل و براہین جو حکمتوں اور بصیرتوں سے مالا مال ہیں۔

مخالفین سے آپ کی موعظت اور خطاب کا انداز۔

آپ کی ہجرت کے احوال۔ اصحابِ صُفّہ کا انتظام اور اُن کی معاشی زندگی کی بحالی کی تدابیر۔

معجزات نبوی کی تفصیلات جو آپ کی نبوت اور رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔

انبیاء سابقین کے واقعات کی تفصیل یعنی قصص القرآن کی توضیحات۔

غزوات و سرایا کے سلسلہ میں اہتمام و انصرام کی کیفیت اور اُن کی تفصیلات۔

مبلغین اسلام کو ہدایات اور ان حضرات کا طرزِ تبلیغ اور دلائل۔

ذمائم اخلاق سے اجتناب اور فضائل اخلاق کے اکتساب کے لیے تاکیدی ارشادات۔

غیر مسلم اقوام سے معاہدات کی تفصیلات اور اِن معاہدوں کے مُتون۔

تدبیر منزل، تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مُدُن سے متعلق احکام اور اُن کی تفصیلات۔

آپ کے تحریر کردہ وثیقہ جات کے متون اور اُن میں مندرجہ احکام۔

دینی اور سیاسی معاہدے جو اسلام کے استحکام کے لئے ضروری تھے ان کے مُتون۔

آپ کے ان مکتوبات گرامی کے مُتون جو اُمرائے وقت اور سلاطین زمانہ کے نام تحریر کئے گئے۔

غرضکہ یہ تمام تفصیلی امور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ حدیث شریف کے ان تمام موضوعات کے تحت احادیث مقدسہ کا گرانقدر اور وقیع سرمایہ آج بھی ہماری بصیرت، آگہی اور رہنمائی کے لئے موجود ہے، دوسری انواع کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر ایسے مکتوبات گرامی کے مُتون جو اُمرائے معاصر اور سلاطین وقت کے نام تحریر کئے گئے آج بھی تحریف سے پاک و منزہ محفوظ ہیں، یہ اہتمام صرف مسلمانوں ہی کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ دیگر اقوام نے بھی اُن کو مذہبی رقیمہ کی طرح نہ سہی، ادبی شہ پاروں کے اعتبار سے محفوظ رکھا، صلیبی جنگوں اور اسلامی مملکتوں کے انقلاب نے ان مکتوبات گرامی میں سے اکثر مکتوبات کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکال کر غیروں کے ہاتھوں میں پہنچا دیا اور پھر یہ اُن کے قومی عجائب خانوں میں محفوظ ہو گئے۔ مکتوبات گرامی کے علاوہ متعدد فرامین، معاہدات و احکام وثیقہ جات ہیں جن کے مُتون مرور زمانہ کے باوصف ان غیروں کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں! اس وقت میرے سامنے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تا خلافت راشدہ کے سیاسی وثیقہ جات کا مجموعہ ہے جس کے مرتب و مؤلف مشہورِ زمانہ محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدر آبادی ہیں۔ صاحب موصوف نے اس سلسلہ میں بڑی کاوش کی ہے، آپ کا مستقل قیام پیرس (فرانس) میں ہے اور آپ کے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کے مقالہ کا چونکہ عنوان "فرامین نبوی وثیقہ جات" تھا لہٰذا اس سلسلہ میں انہوں نے کیا کچھ سعی نہ کی ہوگی۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ ڈاکٹر صاحب فرامین نبوی پر کام کرنے والی پہلی شخصیت ہیں ان سے صدیوں پہلے علامہ عبدالمنعم نے "رسالات نبویہ" کے نام سے عربی زبان میں ایک جامع کتاب مرتب کی تھی۔ علامہ عبدالمنعم کے علاوہ بھی عربی زبان میں اس موضوع وقیع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس سلسلہ میں جو کاوش کی ہے وہ لائق تحسین ہے، ڈاکٹر صاحب کا یہ تحقیقی مقالہ فرانسیسی زبان میں تھا جس کا انگریزی

اور دوسری مغربی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور پیشِ نظر کتاب انگریزی کا اردو ترجمہ ہے جو ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کی کاوش کا نتیجہ ہے مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے موضوع "کلامِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے تحت اس اردو ترجمہ سے استفادہ نہیں کر سکوں گا کہ وثیقہ جات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُردو ترجمہ پیش کرکے آپ کی فصاحت و بلاغت پر کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے اور زبان و بیان کے اسالیب کی وضاحت کس طرح ہو سکتی ہے۔

دوسری صدی ہجری اور قرن ہائے مابعد کے محدثین کرامؒ اور مورخین ملتِ اسلامیہ نے البتہ حضور اکرمؐ کے فرامین، مراسلات والا کو مستند راویوں کی روایت سے ضبط کرکے ہم تک پہنچانے کا سامان فراہم کیا تھا مگر افسوس کہ صرف اسی موضوع پہ قرن دوم اور قرن ہائے مابعد کے وہ علمی ذخیرے بھی معدوم ہو گئے، طبقات کی بعض کتب میں ان مراسلات کو بعض مؤلفین طبقات نے ضرور شامل کیا ہے لیکن ان سے زیادہ معتبر و مستند کتبِ حدیث کے وہ متون ہیں جو ثقہ راویوں کی روایت سے روایت کی معیار پر پرکھ لینے کے بعد ہمارے لیے چھوڑے گئے ہیں، میں یہاں چند ایسے ہی فرامین والا اور مراسلاتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متون سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں پیش کروں گا جن کو اربابِ سِیَر نے بکمال احتیاط ایک دوسرے سے نقل کرتے ہوئے ہم تک پہنچایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامینِ والا کو پیش کرنے سے قبل یہ چند سطور ضروری تھیں تاکہ قارئین اس سلسلہ کے مالہ وماعلیہ سے کسی حد تک آگاہ ہو جائیں یہ واضح رہے کہ فرامین کا یہ سلسلہ ۶ ہجری سے شروع ہوا ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں

۱۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی
قیصرِ روم ہرقل عظیم کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"من محمد عبد اللہ ورسولہ الی
ھرقل عظیم الروم، سلامٌ علیٰ
من اتبع الھدیٰ، اما بعد، فانی
ادعوک بدعایۃ الاسلام، اَسْلِمْ
تَسْلَمْ۔ یوتک اللہ اجرک مرتین
فان تولیت فعلیک اثم الاریسیین
ویا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ
سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے
ہرقل عظیم الروم (بادشاہ روم) کی جانب ہے۔
اس پر سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرے، امابعد میں تجھ
کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی طرف جو اسلام کی طرف
بلانے والا ہے۔ تو اسلام قبول کرے
(تمام آفات سے) سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے دُہرا
اجر عطا فرمائے گا، اگر تو اسلام سے روگردانی کرے گا تو تمام
رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔

اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے یہ کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو ہم اسلام قبول کر چکے ہیں ۔

یہ فرمان ذیشان دِحیہ کلبیؓ کے ذریعہ محرم ۷ھ ہجری میں ارسال کیا گیا ۔ (بخاری)

مندرجہ بالا مکتوب میں جو فصاحت و بلاغت ہے یعنی کلمات کا ایجاز اور اُن کا نظم "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" کی معنی آفرینی اور ان دو لفظوں میں معانی کی وسعتوں کا پنہاں ہونا، اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سب سے اوّل "محمدٌ عبداللّٰہ" فرما کر عیسائیت کے بنیادی باطل عقیدے "عیسٰی ابن اللہ" کی تردید فرمائی! "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" میں علم معانی اور بیان کی خوبیاں، اللہ اللہ دو لفظ لیکن ایک بسیط مطلب، مقصد اور بہت سے معانی ان میں پوشیدہ ہیں اور پھر "مقتضائے حال" کا اہتمام ہے جو کمالِ بلاغت ہے "سلام "عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى" کی بلاغت ملاحظہ کیجئے کہ ہرقل اسلام نہیں لایا تو اس پر سلام کیسا! سلام تو اس پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے ۔ تم پر سلام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم ہدایت کی اتباع کرو۔ "يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ" ۔ اللہ تجھ کو دونا اجر دے گا ، ایک اجر تو سابق نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور دوسرا حضرت محمد مصطفٰی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا، اسی طرح اس لطیف و مقدس جملے میں "فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيْسِيِّيْنَ" جو خبر دے رہا ہے اس ارشاد ربانی کی: وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ "(اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی" سورہ العنکبوت آیت ۱۳) آپ کے اس ارشاد گرامی کا مدلول ہے جو عین بلاغت ہے۔

۲۔ مکتوب گرامی رسامی بنام خسرو پرویز (کسریٰ)
(شاہِ ایران کے نام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ :-

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول کی طرف سے، کسریٰ شاہ فارس کی جانب!

سلام ہے اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور اللہ اور اس رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ کے

اَدعوكَ بِدعَايَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَاِنِّي اَنا رسولُ اللهِ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِم لِاُنذِرَ مَن كانَ حَيًّا وَيحِقَّ القَولُ عَلَى الكافِرينَ۔ اَسلِم تَسلَم فَاِن تَوَلَّيتَ فَعَلَيكَ اِثمُ المَجُوسِ۔

حکم کے مطابق دعوت دیتا ہوں کہ "میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف، تاکہ اس شخص کو ڈراؤں جس کا دل زندہ ہے اور کافروں پر اللہ کی حجت پوری ہو، اسلام لا، سلامت رہے گا اور اگر تو نے اس سے روگردانی کی تو تمام آتش پرستوں کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

(تاریخ طبری۔ زرقانی)

کسریٰ آتش پرست تھا، اسی بنا پر گرامی نامہ کے آغاز میں "محمد رسول اللہ" فرمایا جبکہ ہرقل عظیم الروم کے نامہ میں "محمد عبداللہ" فرمایا گیا تھا، دونوں کلماتِ طیبات کا فرق اپنے اندر کتنی بلاغت رکھتا ہے! اسلام کی عظیم دعوت چند مختصر جملوں میں دی گئی ہے جو مقتضائے حال کا تقاضا ہے اور کمالِ انشا! "لِاُنذِرَ مَن كانَ حَيًّا وَيحِقَّ القَولُ عَلَى الكافِرينَ" کی معنی آفرینی اور اس کا تاثر سبحان اللہ سبحان اللہ! "مَن كانَ حَيًّا" سے دل کے اندھوں اور مُردہ دلوں کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔ چونکہ "يحِقَّ القَولُ عَلَى الكافِرينَ" فرمایا گیا ہے اس لئے ہرقل کی طرح "اَجرَكَ مَرَّتَينِ" نہیں فرمایا کہ اس مجوس کا دامن تو بالکل اجر سے خالی تھا۔ یہ اس ارشادِ گرامی کی معنی آفرینی اور اس کی وسعت، نظم الفاظ اور اُن کی جزالت!!

قلم میں یہ تاب و تواں کہاں کہ اس کی خوبیوں کی وضاحت کر سکے یہ چند جملے جو تحریر کئے یہ بھی آپ ہی کا کرم ہے کہ قلم کو یہ حوصلہ عطا فرمایا۔ اس جملے پر توجہ فرمائیے "فَاِنِّي اَنا رسولُ اللهِ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِم" بلیغ اشارہ ہے اس ارشادِ ربانی کی طرف "قُل يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللهِ اِلَيكُم جَمِيعًا" اور یہی آیہ کریمہ اس عظیم جملہ کی مدلول ہے: یہ گرامی نامہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ذریعہ ارسال کیا گیا۔ زرقانی، تاریخ طبری۔

نجاشی شاہ حبشہ کے نام حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِن محمدٍ رسولِ اللهِ اِلَى النَّجاشِيِّ مَلِكِ الحَبَشَةِ، سلامٌ عليكَ، اَمّا بعدُ فَاِنِّي اَحمَدُ اِلَيكَ اللهَ الَّذي لا اِلٰهَ اِلّا هُوَ المَلِكُ القُدُّوسُ السَّلامُ المُؤمِنُ المُهَيمِنُ وَاَشهَدُ اَنَّ عيسَى ابنَ مَريَمَ رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ اَلقاها اِلىٰ مَريَمَ البَتولِ الطَّيِّبَةِ الحَصينَةِ فَحَمَلَت بِعيسىٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمدؐ، اللہ کے رسول کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف، سلامت باشید! اما بعد میں حمد و ثنا کرتا ہوں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی حقیقی بادشاہ ہے تمام عیوب سے پاک ہے امن دینے والا ہے اور سب کا نگہبان ہے میں گواہی دیتا ہوں عیسیٰؑ، مریم کے بیٹے، اللہ کی خاص روح اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے پاک، محصنہ بتول مریم میں ڈالا جس سے وہ حاملہ ہوئیں پس اللہ نے حضرت عیسیٰ

فخلقه الله من روحه ونفخه كما خلق
آدم بيده وإني أدعوك إلى الله وحده
لا شريك والموالاة على طاعته وان
تتبعني وتؤمن بالذي جاءني فاني رسول
الله واني أدعوك وجنودك إلى الله تعالى
فقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتي والسلام
على من اتبع الهدى۔

تاریخ طبری۔ زرقانی۔ زاد المعاد۔

کو اپنی روح اور نفخ سے پیدا فرمایا جس طرح حضرت آدم
کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا تھا اور میں تم کو
اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی
اطاعت اور فرمانبرداری کی محبت کی جانب! اور اپنے
اتباع کی طرف! اور اس بات کی طرف جو اللہ کی
جانب سے میرے پاس آیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لاؤ
بیشک میں اللہ کا رسول ہوں میں تم کو اور تمہارے لشکر والوں
کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اللہ کا پیغام پہنچا چکا
اور نصیحت کر چکا پس میری نصیحت کو قبول کرو اور سلامتی
ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

بعض نسخوں میں "والموالاة ..... بالذی جاءنی" کے الفاظ نہیں ہیں:۔

یہ گرامی نامہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ارسال کیا گیا تھا۔ ابن اسحاق ؒ کہتے ہیں کہ یہ وہی نجاشی ہے جس کی جنازہ کی نماز غائبانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی تھی۔ یہ گرامی نامہ بھی سنہ ۶ھ میں ارسال کیا گیا!

اس گرامی نامہ میں جزالت الفاظ، کلمات کا ایجاز اپنے کمال پر ہے "المریم البتول الطیبة الحصینة" میں جو نظم الفاظ اور ان کا دروبست اور اسلوب بیان ہے، وہ حد درجہ دلکش ہے پھر یہ کہ نامۂ گرامی ایک عیسوی کو لکھا گیا ہے۔ اس لئے مقتضائے حال کے اعتبار ان الفاظ کی بلاغت کیا کہنا!

"بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی" میں جو وسعت معانی ہے وہ ظاہر ہے اور الفاظ کی سلاست و جزالت آپ اپنی جگہ ہے۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی بنام مقوقس، عظیم القبط

(شاہ مصر و اسکندریہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد عبد الله ورسوله إلى المقوقس
عظيم القبط، سلام على من اتبع الهدى
أما بعد فإني أدعوك بدعاية الإسلام
أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين
فان توليت ..... فعليك إثم أهل القبط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب
سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ اس پر سلام ہو جو ہدایت
کا اتباع کرے۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں
اسلام قبول کر سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا
اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تو نے اس دعوت سے اعراض کیا تو

یا اَھلَ الکتاب تعالوا اِلیٰ کَلِمَۃٍ سواءٍ بَیننا وَ بَینَکُم اَلّا نَعبُدَ اِلّا اللہ وَلا نُشرِکَ بِہٖ شَیئًا ولا یَتَّخِذ بَعضنا بَعضًا اربابًا مِن دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا مُسلِمون ۝	تمام قبط کے حق نہ قبول کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ "اے اہلِ کتاب ایسی سیدھی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے جو یہ ہے کہ ماسوائے حق تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو سوائے خدا کے رب نہ بنالے" پس اگر وہ اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ "گواہ رہو کہ ہم مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں"
(زرقانی)	

یہ گرامی نامہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی معرفت شاہ مصر و اسکندریہ کو ۶ ہجری میں ارسال کیا گیا!

اس گرامی نامہ کا اسلوب بیان اور اس کے الفاظ اس گرامی نامہ سے مماثل ہیں جو "عظیم الروم" کو ارسال کیا گیا تھا۔ شکوہِ الفاظ اور جزالت کلام میں یہ مکتوب گرامی بھی فصاحت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام ذیشان کی یہ ایک اہم خصوصیت تھی کہ آپ کا کلام مختصر مگر جامع ہوتا تھا۔ آپ نے حضور والا مرتبت کے یہ چند گرامی نامے ملاحظہ کئے یہ خصوصیت ہر والا نامہ میں موجود ہے۔ اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا یہ ایجاز بھی ایک اعجاز تھا۔

خطبات میں چونکہ مکتوبات کے مقابلہ میں بسطِ سخن کا خاص محل ہوتا ہے اس لئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع اور محل کے خاص اُدا شناس تھے لہٰذا حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے گرامی قدر مکتوبات میں اس ایجاز کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ مکتوبات اور خطبات کا یہ مابہ الامتیاز آپ کو خطبات والا کے مطالعہ کے بعد صاف نظر آئے گا۔ اس وصفِ خاص کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ میں چند خطبات گرامی بھی پیش کروں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ گرامی کی فصاحت و بلاغت

اس عنوان کے تحت مجھے سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گرامی خطبات پیش کرکے اُن کی فصاحت و بلاغت اور ان کی بسط و تفصیل کے سلسلہ میں عرض کرنا ہے لیکن اس سے قبل میں چاہتا ہوں کہ مختصراً لفظ "خطبہ" کے بارے میں کچھ عرض کر دوں۔

خطبہ کسی فرد یا افراد سے خطاب کرنا ہے جس میں حسبِ محل و موقع ضروری اُمور پیش کئے جاتے ہیں، آپ شاید یہ خیال کریں کہ خطبہ تو ہر جمعہ کی نماز سے قبل پڑھا اور سُنا جاتا ہے پھر اس تصریح کی کیا ضرورت! آپ کا خیال بجا ہے مجھے یہاں یہی بتانا مقصود ہے کہ خطبہ جو جمعہ کی نماز سے قبل پڑھا اور سُنا جاتا ہے، اپنے حقیقی معنی میں خطبہ نہیں بلکہ علمائے کرامؒ نے حمد و ثنا، نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور چند احکام دین پر مشتمل احکام الٰہی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل مضامین کو تالیف کر دیا ہے، چونکہ ان کا سننا موجب فلاحِ دارین ہے اس لیے عربی زبان میں اس حمد و نعت منقبت و

چند احکام دین کی مشتمل آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مدتوں پہلے مدون و مرتب ہوئے تھے علی حالہٖ ہمارے سامنے خطیب اُن کو پیش کرتا ہے اور ہم اُن کی سماعت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ خطیب کا حاضرین مسجد سے خطاب ہوتا ہے اس لئے اس کو خطبہ کہا جاتا ہے اور اس کا سننا واجب قرار دیا گیا ہے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبات اس مفہوم تک محدود و محصور نہیں تھے بلکہ حمد و ستائش ہی کے بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم احوالِ حاضرہ پر تبصرہ فرماتے تھے۔ ضروریات دین سے آگاہی عطا فرماتے: وحی الٰہی کے ذریعہ جو احکام دین و معاشرت اور اخلاق کے سلسلہ میں نزول فرماتے اُن سے مطلع فرماتے، تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام کے سلسلہ میں ضروری امور سے مستفیض فرماتے، غزوات و سرایا کی تیاری کے سلسلہ میں جو باتیں قابلِ ذکر ہوتیں یا جو ضروری احکام ہوتے وہ ارشاد فرماتے، مالی تعاون کی انصار و مہاجرین کو ترغیب دیتے اور اس کے اجر کی نوید سے شادکام فرماتے، انصرام ملکی کے بارے میں ارشاد ہوتا، عاملین کے تقرر کی خبر دیتے! آج بھی حج کے موقع پر میدانِ عرفات کی مسجد نمرہ میں جو خطبہ دیا جاتا ہے اس میں بھی حمد و ثنا، نعت و منقبت کے بعد عالم اسلام کو پیش آمدہ مسائل اور اسلامی دنیا کو درپیش مشکلات کے حل کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے یہ خطبہ ہمارے مدونہ و مولفہ خطبات جمعہ سے بالکل جداگانہ چیز تھی، اگرچہ اسلوب اور نظم بیان میں قدرے مماثلت پائی جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خطبات کے متضمنہ امور بھی کچھ ہوتے تھے (ابھی ہم نے جن کو بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے) اور یہ ضروری نہیں تھا کہ یہ خطبہ جمعہ کی نماز سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے بلکہ حسبِ موقع جہاں بھی ضرورت محسوس فرماتے تو نماز سے قبل یا نماز کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرماتے۔ یہ خطبات بسیط و طویل بھی ہوتے تھے اور مختصر بھی!

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز عصر کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

> "سنو! دنیا بڑی تر و تازہ اور شاداب ہے، خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں (اہتمام و انصرام اور تنظیم حیات کے لیے) چھوڑنے والا ہے! ہوشیار رہنا اور دیکھنا کہ تم کیسے عمل کر رہے ہو، دنیا پرستی سے بچنا، عورتوں سے بھی بچتے رہنا اور خبردار! کسی کو حق بات کہنے میں۔ جبکہ وہ حق کو جان لے" لوگوں کا خوف مانع نہ ہو!

حضرت ابو سعید خُدری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ارشاد فرماتے اور خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ دھوپ ختم ہو گئی اور اس کی وہ سرخی باقی رہ گئی جو کھجور کی شاخوں پر تھی، اس وقت (دن ڈھلتا دیکھ کر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ

> "دنیا اب اتنی ہی باقی رہ گئی ہے جتنا کہ آج کے دن میں اب یہ وقت باقی رہ گیا ہے۔"

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت دن دو گھڑی سے بھی کم باقی رہ گیا تھا۔ اس طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

طویل خطبہ تھا۔ بعض اور مواقع پر بھی آپ نے طویل خطبے ارشاد فرمائے ہیں لیکن عموماً آپ کے خطبات مختصر ہوتے تھے، جمعہ کی نماز سے قبل دیئے جانے والے خطبہ کے سلسلہ میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز کو طویل کرو اور خطبہ کو مختصر"!!

میں یہاں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو خطبات پیش کروں گا اور ان کی فصاحت و بلاغت کی نشاندہی کروں گا، ایک خطبہ وہ ہے جو فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازہ پر ارشاد فرمایا اور دوسرا خطبہ وہ ہے جو "خطبہ حج الوداع" کے عنوان سے معنون ہے!

فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے جب درِ کعبہ پر تشریف فرما ہوئے تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ، اَلَا كُلُّ مَاثُرَةٍ اودم ومايدعى فهو تحت قدمى هاتين الّا سدانة البيت وسقاية الحاج اَلَا وَ قتيل الخطاء شبه العمد بالسّوط والعصا فيه الدّيت مُغلّظه من الابل اربعون فى بُطونها اولادها

يا معشرِ قريش! اِنَّ اللّٰه قد اذهب عنكم نغوة الجاهليّه وتعظمها بالاباء الناس من ادمَ و ادم من تراب ثم تلا هذا الآية، يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ثُمَّ قال يا معشر قريش ما ترون الى فاعل بكم (قالوا خيرا اخ كريم وابن اخ كريم) قال فانّى اقول لكم كما قال يوسف لاخوته

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کی جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی! آگاہ ہو جاؤ! تمام خصلتیں (جانی ہوں یا مالی) جن کا دعویٰ کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں بجز ان دو کے یعنی بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانا۔

آگاہ ہو جاؤ! جو شخص خطاء شبہ او عمداً قتل کیا جائے یا کوڑے یا لاٹھی سے مارا جائے اس کی دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں

اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا ہے سب لوگ آدم سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں! پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت (کے ملاپ) سے پیدا کیا اور پھر تم کو شاخوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی (خدا ترس) ہے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے"۔ اے گروہ قریش! تمہارا میری نسبت کیا خیال

ولا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء۔	ہے کہ میں تم تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا بھلائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں) آپ نے فرمایا، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: تم پر اب کوئی عتاب نہیں جاؤ، آج تم سب آزاد ہو!!

اس فصیح و بلیغ خطبے میں جس کے الفاظ میں ایک روحِ انقلاب کروٹ لے رہی ہے اور مساوات انسانی کا اس میں ایک ایسا درس پنہاں ہے جو نخوت و جبروت کے بتوں پر ایک ضرب کاری ہے، غور کیجئے کہ کس قدر متانت ہے اور کیسے دھیمے لہجہ میں انسانیت کی تقدیس کا سبق دیا گیا ہے، چند الفاظ ہیں جن میں معانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ یہی خطابت کا کمال ہے۔ اس خطبہ نے ایک ایسی انقلابی روح کو بیدار کیا جو آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔

"صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ" میں وعدہ، عبدہ اور وحدہ کا تلازم لفظی اور صوتی ہم آہنگی کس قدر لطیف ہے جنمعنی کے اعتبار سے ان تین کلمات کی وسعتوں پر غور کیجئے اور ان میں جو تاریخی پس منظر ہے وہ تاریخ اسلام کے صدہا صفحات پر مشتمل ہے۔ "نخوت الجاہلیۃ" فرما کر عصرِ جاہلیت کی اخلاقی تاریخ بیان فرما دی ہے اور صرف دو لفظ ہیں۔

"تعظمھا بالآباء" کے ارشادِ گرامی سے تفخر و مباہات کے وصفِ اضافی کا سر کچل دیا ہے جس نے نوعِ انسانی کو عظیم اور کم تر کے خود ساختہ درجات میں تقسیم کر دیا تھا۔ "شعوب و قبائل" کی تقسیم کا حقیقی مفہوم اور اسلامی مقصد اس پر ظاہر فرما دیا۔

"لا تثریب علیکم الیوم" کی نوید درگزر سے ہزاروں سرکشوں اور باطل پرستوں کے سرہائے پُر غرور کو خداوند تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز فرما دیا، تاریخ شاہد ہے کہ اس عام معافی اور درگزر نے مکہ کی اجتماعی زندگی کا رُخ کس صحیح سمت میں موڑ دیا۔

الفاظ کا تلازم، ان کی سلاست اور جزالت، معانی اور بیان کے متعدد نکات اس خطبہ میں موجود ہیں جو فصاحت زبان و بیان کے لوازم ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع اور کمالِ فصاحت و بلاغت

سنہ ہجری کا یہ حج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اور حضور نے جو خطبات یہاں دیئے وہ آخری خطبات تھے۔ میدانِ عرفات اور منیٰ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اجتماعی خطبات تھے۔ حج سے واپسی پر یہی غدیر خم کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا وہ صحابہ کرام کی مخصوص جماعت سے خطاب تھا یہ عرفات اور منیٰ جیسا اجتماعی خطبہ نہ تھا۔ مصدقہ روایت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عرفات کے میدان میں آپ نے قصویٰ پر تشریف رکھتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع تھا اور یہاں جو احکام دین آپ نے مسلمانوں کی اجتماعی اور معاشرتی اور اسلامی مملکت کی فوز و فلاح کے لیے ارشاد فرمائے وہ آخری اجتماعی ارشادات تھے جس کا علم سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور آپ نے بلیغ اشارے بھی عرفات اور منیٰ کے خطبات میں اس طرف فرمائے۔

میں یہاں اس گرامی اور عظیم خطبہ کی فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے اگر اس کا متن پیش کروں تو مزید چند صفحات درکار ہوں گے اور اگر صرف ترجمہ پیش کروں تو مقصود حاصل نہیں ہو گا، اس لئے خطبہ کے متن گرامی کو پیش کرنے سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس خطبہ میں بھی کلام کی جامعیت اپنے نقطۂ کمال پر ہے۔ اس عظیم اجتماع میں صرف مدینہ منورہ کے مسلمان اور مکہ مکرمہ کے اصحاب ایمان ہی شامل نہیں تھے بلکہ دور دراز کے قبائل بھی شامل تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ ان حضرات کے روبرو حضور اکرمؐ نے جو خطاب فرمایا اور طویل و بسیط خطبہ ارشاد کیا اس کی زبان ان تمام لطافتوں کی حامل تھی جو ایسے مختلف قبائل کے افراد کے لیے یسیر الفہم اور اثر آفریں ہو، چنانچہ آپؐ کے ارشاد گرامی کی زبان، زبان کی تمام خوبیاں یعنی فصاحت و بلاغت، جزالت اور کلام کا نظم، ترتیب اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔

حج الوداع کا خطبہ اسلامی قانون کا مغز، شریعت اسلامیہ کا خلاصہ، مدنی اور اجتماعی زندگی کی روح کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ اس عظیم خطبہ کے چند جملے اپنے قول کی تائید میں ضرور پیش کروں گا، نسی (لوند کا مہینہ۔ سال کے بارہ مہینوں میں اضافہ کر دینا) عرب جاہلیت کا قدیم دستور تھا۔ محض اس لیے چار واجب الاحترام مہینوں کی پابندیوں سے نجات مل سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا اور ارشاد کیا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ
فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا
يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا
لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا
حَرَّمَ اللَّهُ

اے لوگو! احترام والے مہینوں کا غیر احترام والے مہینوں سے اَدل بَدل کرنا کفر ہے (جس میں مومن آلودہ نہیں ہو سکتا) جو ہر سال چار مہینوں میں سے ایک مہینہ آئندہ سال کے حساب میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اس کو بدستور قائم رکھتے ہیں یہ بھی خداوند تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا ہی ہے۔

(سورۃ توبہ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نسی کے وسیع مفہوم کو کس انداز سلاست کے ساتھ "یحلونه عاماً و یحرمونه عاماً" کے بلیغ الفاظ میں بیان فرما دیا ہے اور نسی کے ذریعہ مہینوں میں جو الٹ پلٹ کی جاتی تھی اس کو "زیادة فی الکفر" کے جامع الفاظ سے ظاہر فرما دیا۔ اسی مہتم بالشان خطبے میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا جس سے نسی کا ابطال ہوتا ہے۔

وَاِنَّ الزَّمَانَ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ!

اور دیکھو! زمانہ ہر پھر کر آج اسی نقطہ پر آگیا جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔

علم ہیئت اور فلسفہ زماں کے بہت سے نکات ہیں جو اس ارشادِ والا میں پنہاں ہیں اور ایک بلیغ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آج حج، ذی الحجہ کی ۹ تاریخ کو اپنے صحیح وقت اور تاریخ پر ادا ہو رہا ہے ورنہ اس سے قبل نسی کے بہلانے کفار اُلٹ پھیر کر کے ذی الحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں حج کر لیتے تھے اور مہینوں کی ترتیب کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے تھے۔

اس عظیم خطبے میں معاشرتی، تمدنی، اخلاقی اور دینی مسائل عجیب جامعیت اور ایجاز کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اُن ہی خصوصیات

کے باعث حج الوداع کا خطبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات میں بہت اہم سمجھا جاتا ہے لیکن میرا موضوع چونکہ خطبات کی متضمنات نہیں ہیں اس لیے میں تمام و کمال خطبہ اور اس کے معانی و مطالب پیش نہیں کروں گا صرف ایک نکتہ کی وضاحت کے لیے گرامی قدر ارشادات سے یہ چند مقدس کلمات اور تحریر کر رہا ہوں۔

اس خطبہ کے افتتاحیہ کلمات یہ تھے:

فاعقلوا! ایّھا النّاس قولی فانّی قد بلغت وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہٖ فلن تضلّوا ابداً امراً بیّناً کتاب اللہ و سنّۃ رسولہٖ۔	اے لوگو! غور کرو۔ غور سے سنو! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی تبیین و توضیح کے لئے میں جو چیزیں تم میں چھوڑے جا رہا ہوں اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ چیز تو بجائے خود ایک کھلی چیز ہے یعنی خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت!!

میں نے ایک موقع پر عرض کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی، اللہ تعالیٰ کے اس گرامی فرمان کی توضیح و تصریح ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ۔ اس حکم کی توثیق اس آخری خطبے میں موجود ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کی توضیح و تشریح سنتِ رسول اللہ ہے اگر اس پر عامل رہو گے اور مضبوطی سے اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے حج الوداع کے طویل و بسیط خطبہ میں حکمت کے انمول موتی موجود ہیں فکر و تدبر کی ضرورت ہے، الفاظ کی سلاست و جزالت کے اعتبار سے دیکھیے قرآن میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو لوازم بلاغت ہیں! جو اقتباس میں نے بصیرت اندوزی کے لیے پیش کیا ہے وہ بظاہر چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن معانی کی ایک وسیع دنیا اُن کے اندر موجود ہے۔

حج الوداع کے موقع پر اس خطبہ کا بسیط و مفصل ہونا بھی عینِ بلاغت ہے کہ مقتضائے حال یہی تھا، آپ کے اس قدر تفصیلی خطبات بہت کم ہیں، اس عظیم خطبہ کا اسلوب بیان بہت ہی سادہ اور سلیس ہے، کلام کے اغراض و مقاصد سے سر مو تجاوز نہیں فرمایا ہے بلکہ عوام کی فکر و نظر کو ایک ایسا راستہ دکھایا ہے جہاں اُن کے بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے!!

اَدعیۂ ماثورہ اور اُن کی فصاحت و بلاغت

حکیمانہ احکام اور بلیغانہ ارشادات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی فصاحت و بلاغت کی دنیا میں بہت بلند مقام رکھتی ہیں! سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ بے نیاز میں جب دستِ دعا بلند فرماتے اور اس وقت خضوع و خشوع کے عالم میں لسانِ حقیقت ترجمان سے جو کلمات ادا ہوتے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سینوں میں یہ کلمات بھی اسی طرح محفوظ ہو جاتے جس طرح وہ ارشادات جو احکام یعنی اوامر و نواہی اور قرآن حکیم کے احکام کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہوتے، اُن اصلاحی، معاشرتی اصلاح پر مبنی ارشادات کو جس طرح ان کے حافظے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور جن

کو احادیث کے مجموعوں کی شکل میں کچھ مدت کے بعد قید کتابت میں لے آیا گیا اسی طرح یہ ادعیہ ماثورہ بھی محفوظ کر لی گئیں، ان میں بہت سی دعائیں تو وہ ہیں جن کو نماز پنجگانہ کے بعد سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بارگاہ ایزدی کے یہ نیاز مند بندے تاحیات اپنا وِرد بناتے رہے اور اُن کو محفوظ کر کے ہمارے لیے بھی عجز و نیاز کا سرمایۂ وقیع فراہم کر دیا اور الحمد للہ کو آج بھی اُن ادعیۂ ماثورہ میں سے بہت سی دعائیں مسلمانوں کا ورد ہیں اور بارگاہ ایزدی میں حصول قرب اور مغفرت اور بخشش کی طلب کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ فصاحت و بلاغت آپؐ کے بیان کے ایسے ظاہری و معنوی اوصاف تھے جو کسی حال میں اور کسی وقت بھی آپ کے کلام سے جدا نہیں ہوتے تھے گویا اس کا جزو لاینفک تھے، جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ فصیحانِ عرب کے کلام کے مقابل میں ان خوبیوں کو اپنے کلام میں پیدا کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غور و فکر سے کام لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ اُن کے لیے تکلف اور اہتمام کیا جاتا تھا۔ آپ کا رب کریم۔ آپ کی زبان اقدس سے بیساختہ ایسا کلام جاری کر دیتا تھا۔ یہ تمام ذخیرہ ارشادات و احکامات، توضیحات و تشریحاتِ احکام الٰہی زبانی جو امور تشریعی کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک الہامی چیز تھی اس لئے آپ کو اپنے کلام کی تزئین کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی، جو کچھ آپ جس وقت بھی ارشاد فرماتے وہ زبان و بیان کے تمام کمالات سے آراستہ ہوتا، اس لئے آپ کو بے معنی طریقوں کو اپنانے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی اور نہ آپ نے کبھی کسی فصیح۔ بلیغ قبیلہ کی زبان کا خاص طور پر تتبع کیا، آپ کے ارشادات گرامی سے فن بلاغت کے مبانی و مبادیات، اصول و قواعد تو خود مرتب اور اخذ کے گئے، پر اس الہامی اور توفیقی کلام کو کسی خاص قبیلہ کی فصیح زبان کو اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی زبان اور روزمرہ وہی تھا جو قریش کی زبان اور اُن کا روزمرہ تھا اور قبیلہ بنی سعد (جس میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی) کا نہج و اسلوب تھا۔ البتہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی خاص لفظ موقع و محل کی مناسبت سے ادا ہوتا تو بعض سامعین کو یہ گمان گزرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا لغت استعمال فرمایا ہے، اس موضوع پر جب صحابۂ کرام باہم گفتگو کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ کوئی صاحب شعرائے قریش یا شعرائے عصر جاہلیت کے کلام سے اس کی سند پیش کر دیتے تھے، اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ کے الفاظ کا ماخذ کسی شاعر کا کلام ہوتا تھا بلکہ یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ اس لفظ میں غرابت نہیں ہے اور یہ نامانوس لغت نہیں ہے بلکہ فصیحانِ عرب اس کو استعمال کر چکے ہیں۔ آج بھی بہت سے عربی لغات کی سند شعراء کے کلام ہی سے پیش کی جاتی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اقدس کا موضوع، ہر چند کہ مختلف اوقات اور مختلف احوال و مواقع پر متنوع ہوتا تھا لیکن کلام اقدس کی خوبیاں ہر حال میں اور ہر موقع پر علی حالہا قائم رہتی تھیں۔

فرامین ہوں یا مکتوبات، عہد نامے ہوں یا وثیقہ جات، خطبات ہوں یا دعائیں بیان و زبان کی یہ خصوصیتیں ہر نوع کے کلام اور ارشاد کے ساتھ مختص ہوتی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنی فرازہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد چوبیس افراد پر مشتمل تھا، خارجہ بن حصین اور حسن بن قیس بن حصین اس وفد کے قائدین میں سے تھے یہ سب حضرات دولت ایمان سے سربلندی حاصل کرنے کے بعد خدمت گرامی میں شرف اندوز سعادت ہوئے ان لوگوں نے اپنے علاقہ کی خشک سالی، باغات اور کھیتوں کی تباہی، جانوروں کی ہلاکت اور اہل و عیال کی فاقہ کشی کا حال بہت ہی اندوہناک انداز میں بیان کیا اور استدعا کی کہ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے ہماری اللہ جا پر سم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور دعائے استسقاء کے لیے دست ہائے مبارک بلند فرمائے

اوران الفاظ میں دعاے استسقا فرمائی!!

اَللّٰھُمَّ اسقِ بِلادَکَ وبھائِمَکَ وَ انشُر رَحمَتَکَ واحیِ بِلادَکَ المَیِّت ،
اَللّٰھُمَّ اسقِنَا غَیثاً مُغِیثاً مَرِیئاً مُرِیعاً طَبقاً اَسِعاً عاجِلاً غَیرَ اٰجِلٍ، نافِعاً
غَیرَ ضارٍّ، اَللّٰھُمَّ سُقیا رحمۃ لا سُقیا عَذابٍ وَلا ھَدمٍ وَلا غَرقٍ ولا مَحقٍ
اَللّٰھُمَّ اسقِنا الغَیثَ وَ انصُرنا عَلَی الاَعداءِ ۔

اِن کلمات طیبات کی صوتی ہم آہنگی، اِن کا مسجع اور مقفیٰ ہونا، ایک اعجاز ہے "غیثاً مغیثاً مریئاً مریعاً طبقاً" کی جزالت اوران کا دروبست، زورِ تالیف، ان کے معانی کی وسعت، سبحان اللہ، زبان ان کی خوبیاں کس طرح ادا کر سکتی ہے "عاجلاً غیر اٰجلٍ" اور "نافعاً غیر ضار" جزالت وبلاغت، علم بدیع کی خوبیاں، صلِّ علیٰ سبحان اللہ!! صرف اسی ایک دعا میں کلام کی یہ فصاحت محصور نہیں ہے، احادیث کی کتب میں متعدد ادعیۂ ماثورہ محفوظ ہیں ہر ایک میں بیان کی یہ خوبیاں اور فصاحت کے یہ لوازم موجود ہیں۔

حضور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت پر یہ لطف وکرم ملاحظہ کیجئے کہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ہر دقیقۂ حیات کے لئے دعاؤں کا بیش بہا، گرانمایہ ذخیرہ موجود ہے جن سے عجز و بندگی، اقرارِ عبدیت، خضوع وخشوع اور شکرِ الٰہی کی نعمتوں کا حصول ہوتا ہے میں ان دعاؤں میں سے چند بھی اگر یہاں پیش کروں تو اس مضمون کی طوالت ظاہر ہے جس کو میں کم سے کم صفحات میں محصور ومحدود کرنا چاہتا ہوں پھر یہ کہ یہ ادعیۂ ماثورہ زیادہ تجسس اور تلاش کی طالب نہیں ہیں ادعیۂ ماثورہ کے نام سے اِن کے مجموعے جداگانہ بھی شائع ہو چکے ہیں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اوراق میں بھی یہ تمام دعائیں محفوظ ہیں۔ مجھے تو یہ سلسلۂ موضوع یہ عرض کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارگاہِ الٰہی میں انعام واکرامِ الٰہی پر اظہارِ تشکر اور خضوع وخشوعِ بندگی کے لیے جب دستِ دعا بلند فرماتے تو یہ دعائیہ کلمات بھی اُن خوبیوں سے عاری نہیں ہوتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف یعنی فصاحت آپ کی ایک امتیازی خصوصیت تھی جس میں آپؐ کا کوئی شریک وشیل نہیں تھا اور اس کی بلندی کا یہ عالم کہ انسان کا فہم ناقص اس کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ اس کا تعلق اکتساب سے تھا۔ ہر چند کہ اہل عرب کلام کی تہذیب وتزئین میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے کلام کو محاسن سے آراستہ کرنے کے لیے بڑی جد وجہد کی تھی لیکن وہ اپنے اسلاف کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے اِن کے غور وفکر سے ان کے لیے نئے راستے پیدا نہیں ہوئے اس لیے جو کچھ تھا وہ محض تقلیدی تھا! اصول اور قواعد کے تحت کچھ بھی نہ کر سکے، زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ تکلف اور تصنع کی ہمت میں اُن کے قدم کچھ آگے بڑھ گئے، زبان میں کچھ اور سلجھاؤ پیدا ہو گیا لیکن کلام میں پاکیزگیٔ خیال اور روحانی اقدار چونکہ بالکل ناپید تھیں لہٰذا اپنی کاوشوں اور جد وجہد کے باوجود وہ اپنے کلام اور زبان کو انتشار واضطراب سے نہ بچا سکے اور بسا اوقات ان کا کلام تساہلِ بلاغت سے بھی گر جاتا تھا یعنی مقتضائے حال کی پابندی کما حقہٗ نہیں ہوتی تھی، ان کے کلام میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک کلمۂ خوب کو ان کے کلام سے ہٹا کر دوسرا کلمۂ خوب تر وہاں رکھا جا سکتا ہے یا ایک لفظ سے بہتر لفظ کا انتخاب اس محل کے لئے ہو سکتا ہے یہ نقص بھی منافیٔ فصاحت ہے۔

موضوع اور مضامین کے باب میں ان فصحائے عرب کے دامن خالی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ اپنے تجربات کے اخذ کردہ نتائج

کو بیان کر دیتے یا ایک دوسرے سے جو کچھ اپنے اسلاف کے فضائل کے باب میں سُنا تھا اس کو بیان کر دیتے تھے، صرف اُن کی شاعری متنوع مضامین کا مجموعہ تھی جس کا پس منظر نفس پرستی اور عیش کوشی تھا اخلاقی زندگی کے اعلیٰ اقدار کی اُن کی شاعری کو ہوا بھی نہیں لگی تھی، میں عہد جاہلیت کے قصائد کی تشابیب کے سلسلہ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔

ان تشابیب کے لگے بندھے موضوعات پر وہ الفاظ کی ملمع سازی ضرور کر لیا کرتے تھے اور اس پر ان کے کلام (شاعری) کی بلند و بالا عمارات تعمیر ہوتی تھی، اس کے برعکس ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے متنوع موضوعات اس کثرت سے تھے کہ ۲۳ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام فصاحت التیام کے ذریعہ مسلمانوں کی معاشی اور اخروی امور کی تربیت اور اصلاح فرماتے رہے یہ موضوعات اس کثرت سے ہیں کہ چند صفحات میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت بھی نہیں کہ ہر مسلمان، معاش و معاد کے ان موضوعات سے آگاہی رکھتا ہے

تدبیر منزل، تہذیب اخلاق اور سیاست مُدن کے صدہا شعبے ہیں اور ہر شعبۂ حیات کی اصلاح و تربیت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی موجود ہیں، اسی طرح معاد (حیاتِ اخروی) ہے یعنی حشر و نشر، صراط، میزان، جنت و دوزخ، فردِ اعمال حساب و کتاب، شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخروی معاملات پر مشتمل وسیع موضوعات و امم سابقہ اور قصص القرآن کی تفصیلات زمان و مکان کے مباحث اور اِن جیسے بیشمار موضوعات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ بالغہ کے روبرو تھے اس لیے ان کے بیان کے لیے نہ آپ کو غور و فکر کی ضرورت تھی اور چونکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اَفصح العَرَب تھے اس لئے نہ کلام کی تزئین کے لیے آپ کو کسی تکلف کی ضرورت تھی اور نہ کسی فنی اصول اور قاعدے کو اپنانے کی!

آپ کا کلام مقتضائے حال کے عین مطابق ہوتا، اختصار کے موقع پر اختصار اور بسط و تفصیل کے محل پر بسط و تفصیل کلام میں نہ کوئی لفظ زیادہ نہ کوئی کم!

کلام کی لفظی نظافت و لطافت کا یہ عالم کہ کوئی کریہہ یا ناشائستہ لفظ بیان میں کبھی دخل نہ پا سکا اور نہ لسانی لغزش کا امکان! معنویت کے اعتبار سے اس میں وہ رفعت اور بلندی کہ روح وجد میں آ جائے، دلنشینی اور اثر آفرینی کا یہ عالم کہ کفارِ مکہ کا جب آپ سے سامنا ہوتا اور وہ آپ زبانی کسی کو سناتے ہوئے پاتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے ان کو ڈر ہوتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام اگر سن لیا تو پھر یقیناً آبائی دین کو ترک کرنا پڑے گا۔ عرب کے مشہور فصیح اور ادیب ولید بن مغیرہ کا قول اس سے قبل میں پیش کر چکا ہوں۔

کفار جب آپؐ کا کلام سنتے تو کلام کی اثر آفرینی اور دل نشینی ان کی کایا پلٹ دیتی تھی، آپ کے اسلوب بیان کی دلکشی اور اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ الفاظ مقدسہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔ آپؐ کا یہ اسلوب بیان مقتضائے حال اور ظاہری تقاضوں کے عین مطابق ہوتا تھا۔ بدویت کے ماحول میں پرورش پانے والوں کے سامنے جب آپؐ اسلام پیش فرماتے اور دین کے اغراض و مقاصد سے اُن کو آگاہ فرماتے تو اِن بلند مطالب کو ذہن نشین کرنے کے لئے اُن کے ماحول سے مناسبت رکھنے والی تمثیلات و تشبیہات آپؐ استعمال فرماتے۔

آپؐ کا کلام والا صرف اُن مضامین و معانی کا حامل ہوتا تھا جو انتہائی عاقلانہ، حکیمانہ اور الہامات نبوت اور وحی الٰہی سے ماخوذ ہوتے تھے اور ان خوبیوں پر مستزاد آپ کا دلنشین اور ایسا موثر اندازِ بیان جہاں تک دوسروں کی رسائی ناممکن! آپ کے کلام و بیان کے یہ تمام محاسن کسی

نہیں تھے بلکہ وہبی اور توفیقی تھے جب ہی تو کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملا اور نہ کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکا کہ ایک اُمّی اور "ایسے حکیمانہ اور بلیغانہ ارشادات" ایسے محکم براہین اور ایسا زبردست استدلال کہ فصیحانِ عرب اور سردارانِ قریش اپنی اجتماعی کوششوں سے بھی اس استدلال کا بُطلان نہ کر سکے، کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کرنے والا ایسا دانشور اور زباندان کہ جزیرہ نمائے عرب کے تمام قبائل کے اسالیب بیان پر قادر، اُن کے روزمرہ سے آگاہ اور محاورات سے واقف، ایسا فصیح و بلیغ کہ فصیحانِ عرب کی زبانیں اس کے حضور میں گنگ و لال!!

زبان دانی کے یہ تمام کمالات آپ کی ذاتِ والا صفات میں ایک معجزہ بن کر نمایاں ہوئے تھے اور اس موہبتِ عظمیٰ کی عطا کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ذات والا کو انتخاب فرمایا تھا۔ سابقہ اوراق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی اِن ہی خوبیوں کو میں نے مثالوں کے انطباق کے ساتھ پیش کیا ہے۔

وما توفیقی اِلّا باللہ

رسول اکرمؐ کے کلام کی فصاحت و بلاغت

محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی

کسی انسان کی عظمت کا معیار محض اس کے افکار و نظریات کی ہمہ گیری، جامعیت اور فلاح انسانیت کے لئے ان کی افادیت ہی نہیں۔ بلکہ اس کی سیرت و کردار، اس کی عادات و اطوار اور اس کی رفتار و گفتار بھی اس کی عظمت جانچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ عام انسانوں کو افکار و نظریات سے بڑھ کر اس کی سیرت و کردار سے سابقہ پیش آتا ہے۔ جتنا ایک انسان اپنی روزمرہ زندگی میں بلند اخلاق ہوگا، جتنا اس کے معاملات پُرخلوص اور مبنی بر صداقت ہوں گے۔ جتنا وہ اپنی چال ڈھال اور نشست و برخاست میں پُروقار اور اپنی بول چال اور گفتار میں فصیح و بلیغ ہوگا۔ اتنا ہی لوگ اس کے گرویدہ ہوتے چلے جائیں گے۔ ان کے قلب مفتوح ہوں گے۔ اور ان کے دلوں میں اس کی عظمت و جلالت شان کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جب ہم آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لیتے ہیں تو آپ کی سیرت پاک کا ایک ایک پہلو آپ کی عظمت و بلندی کی شہادت دیتا ہے پوری سیرت کمال انسانیت کا بہترین۔ بلکہ ارفع ترین نمونہ نظر آتی ہے۔ جس کا اعتراف ان سیرت نگاروں نے بھی کیا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور ان سیرت نگاروں نے بھی جنہیں ایمان کی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔

ہم اس وقت صرف آپ کی گفتار کو لے رہے ہیں۔ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں آپ کے بے شمار ارشادات اور خطبات نقل ہوتے ہیں۔ زبان و ادب کے نقطۂ نظر سے جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو یہ فصاحت و بلاغت کے انمول موتی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے چھوٹے چھوٹے کلمات اپنے معنی و مفہوم میں نہایت جامع اور پُرمغز ہیں۔ گویا کوزے میں دریا بند کئے ہوئے ہیں۔ اور حکمت و دانائی کے شاہکار ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں خود ارشاد فرمایا ہے۔ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (مجھے معنی و مفہوم کے لحاظ سے نہایت جامع کلمات عطا ہوئے ہیں) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان کے بعض ایسے محاورے استعمال کئے ہیں جن کا استعمال آپ سے پہلے کسی عرب ادیب و شاعر کے ہاں نہیں ملتا لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہی کلمات ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہونے لگے۔ ہم محض نمونتہً ایک مختصر سا "گلدستۂ فصاحت" آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ جو عام قارئین کے لئے بالعموم اور شائقین عربی ادب کے لئے بالخصوص باعث سعادت و افادیت ہوگا۔

حکیمانہ ادب پارے

آپ نے ارشاد فرمایا۔

۱ - اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ (تم کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر اُگے ہوئے سبزے سے بچو) مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کی ایسی ظاہری خوشنمائی اور چکا چوند سے بچنا چاہیے۔ جس کی تہہ میں فکر ونظر اور اخلاق کی گندگی اور عفونت ہو۔

۲ - کُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَاءِ (سب شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہیں) جب کسی شخص کی بہت سی حاجتیں اور ضرورتیں ہوں اور ان میں سے سب سے بڑی حاجت پوری ہو جائے تو اس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں"۔

۳ - مَاتَ فُلَانٌ حَتْفَ اَنْفِهٖ (فلاں شخص اپنے بستر مرگ پر مرا) "ناک کی موت" مرنا ہے مراد کسی جنگ میں جام شہادت نوش کئے بغیر طبعی موت مرنا ہے۔ جو شخص راہ خدا میں اس حالت میں بھی مرے اسے آنحضور نے شہید کہا ہے۔

۴ - لَا یَنْتَطِحُ فِیْهَا عَنْزَانِ (اس میں دو بکریوں کی کوئی لڑائی نہیں ہے) یعنی اس معاملے میں کسی کو مجال اختلاف نہیں ہے

۵ - هُدْنَةٌ عَلٰی دَخَنٍ وَجَمَاعَةٌ عَلٰی اَقْذَاءٍ۔ نیچے لڑائی کا دھواں سلگ رہا ہے اور اوپر صلح کی اوس، دلوں میں دشمنی کی کسک ہے اور بظاہر اتحاد اتحاد کی رٹ یعنی بغل میں چھری اور منہ میں رام رام۔

۶ - اِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰی (سبزے نے نہ کوئی زمین چھوڑی ہے نہ کوئی سطح مرتفع باقی رہنے دی ہے) ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے یعنی جب ایمان کی فصل اُگتی ہے تو ہر طرف نیکی اور بھلائی کی ہریالی ہو جاتی ہے۔

۷ - اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ (اب تنور بھڑکا ہے) یعنی معرکہ کارزار اب گرم ہے۔

۸ - اَلْاِیْمَانُ قَیْدُ الْفَتْکِ ایمان نے فتک کو روک دیا ہے یعنی کسی کو غفلت اور بے خبری کی حالت میں۔ بیٹھے ہوئے یا سوتے ہوئے مار ڈالنے سے روک دیا۔

۹ - مِنًی مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ (منیٰ اس شخص کی جائے قیام ہے جو وہاں پہلے پہنچے) یعنی اگر کوئی شخص وہاں پہلے آئے تو دوسروں کو اسے وہاں سے ہٹانا جائز نہیں ہے۔

۱۰ - اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْاَنْبِیَاءِ (دعا انبیاء کا ہتھیار ہے) یعنی وہ اپنی مشکلات اور دشمنوں پر غالب پانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

۱۱ - حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا (ہمارے گرد و پیش ہو لیکن ہم پر نہ ہو) آنحضور نے یہ الفاظ غیر متوقع بارش کو دور ہٹانے کے لئے دعائیہ انداز میں ارشاد فرمائے تھے۔ یعنی اے اللہ یہ بارش ہم پر نہ برسے البتہ ہمارے گرد و پیش بیشک برس جائے۔

۱۲ - اَعْقِلْ وَتَوَکَّلْ (پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو۔ پھر اللہ پر توکل کرو) یعنی ہر معاملے میں پہلے اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیے پھر اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۳ - حَوَالَیْهَا یُدَنْدِنُ (اس کے اقرباء بڑبڑا رہے ہیں) یعنی اظہار ناراضگی کر رہے ہیں۔

۱۴ - زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا (تم کبھی کبھار ملنے جاؤ محبت میں اضافہ ہوگا) یعنی کبھی کبھار کی ملاقات سے باہمی محبت بڑھتی ہے)

۱۵ - سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ (سلمان ہمارے گھر والوں میں سے ہے) یعنی وہ ہمارا خیر خواہ ہے۔ ہمیں اس کی نصیحت قبول

کرنی چاہیئے۔

۱۶ - لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ (ابن ماجہ) نہ کسی کو نقصان پہنچانا روا ہے۔ نہ کسی کو انتقام کی خاطر تکلیف دینا روا ہے۔

۱۷ - رِفْقًا بِالْقَوَارِیرِ۔ آبگینوں کو ٹھیس مت پہنچاؤ۔ یعنی عورتوں سے محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آؤ۔

۱۸ - سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ - اس معاملہ میں عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے۔ کسی کا درجہ دوسرے سے کم ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے تاکہ اسے ناگواری نہ ہو۔

۱۹ اَلنَّصْرُ مَعَ الصَّبْرِ۔ کامیابی صبر کے ساتھ وابستہ ہے۔

۲۰ اَلْمَرْءُ بِالْقَرِیْنِ۔ انسان دوست سے پہچانا جاتا ہے۔

۲۱ مَنْ جَدَّ وَجَدَ۔ جس نے کوشش کی وہ کامیاب ہوا۔

۲۲ مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ - جو دوسروں پر ہنستا ہے۔ دنیا اس پر ہنسے گی۔

۲۳ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ۔ لڑائی ایک چال ہے۔ یعنی میدانِ جنگ میں چال چلنا بھی لڑائی ہے۔

۲۴ - اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ - حیاء ایمان میں سے ہے۔

۲۵ - اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ صبر راحت و فراخی کی کلید ہے۔

۲۶ - اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ مجلسیں امانت (رازداری) سے قائم ہیں۔

۲۷ - حُسْنُ الْخُلُقِ حُسْنُ الْعِبَادَةِ اچھا خلق بہترین عبادت ہے۔

۲۸ - اَلطِّیَرَةُ شِرْكٌ شگون لینا شرک ہے۔

۲۹ - اَلصَّمْتُ اَرْفَعُ الْعِبَادَةِ خاموشی سب سے اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔

۳۰ - اَمِنَكَ مَنْ عَتَبَكَ جس نے تم پر عتاب کیا تم اس کے شر سے (کینہ سے) محفوظ ہو گئے۔

۳۱ - اِمْلِكْ یَدَكَ اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھو۔ یعنی تمہارا ہاتھ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

۳۲ - اِمْلِكْ عَلَیْكَ لِسَانَكَ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

۳۳ - اِجْتَنِبِ الْغَضَبَ غصے سے اجتناب کرو۔

پُرحکمت تمثیلات

۳۴ - اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔
لوگ سونے چاندی کی کانوں کی مانند کانیں ہیں۔ جو لوگ ان میں سے زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے۔ جب انہوں نے اسلام کو سمجھ لیا تو وہی اسلام میں بھی بہتر ٹھہرے۔

۳۵ - اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ میرے اصحابؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی

بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

۳۶ ۔ اَہْلُ بَیْتِی کَسَفِینَۃِ نُوحٍ مَنْ رَکِبَ فِیہَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْہَا ہَلَکَ میرے اہلِ بیت کی مثال سفینۂ نوحؑ کی ہے جو اس میں سوار ہو گیا۔ وہ پار ہو گیا جو پیچھے رہ گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔

۳۷ ۔ لَا تَجْعَلُونِی کَقَدَحِ الرَّاکِبِ (مجھے سوار کے پیالے کی سی حیثیت مت دو) یعنی جس طرح ایک شتر سوار اپنا پیالہ لجاوے کے پیچھے باندھتا ہے۔ اس طرح میرا ذکر آخر میں نہ کرو۔ کیونکہ اس سے تمہاری بے رخی اور بے اعتنائی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ایمان کے خلاف بات ہے۔

۳۸ ۔ مَثَلُ الْجَلِیسِ الصَّالِحِ کَالْعَطَّارِ، إِنْ أَصَابَکَ مِنْ طِیبِہِ وَإِنْ أَصَابَکَ مِنْ رِیحِہِ وَمَثَلُ الْجَلِیسِ السُّوْءِ کَمَثَلِ کِیرِ الْحَدَّادِ، إِنْ أَصَابَکَ مِنْ لَہَبِہِ وَإِلَّا أَصَابَکَ مِنْ شَرَرِہِ

نیکوکار ہمنشین کی مثال ایسی ہے۔ جیسے عطار، کہ اگر تمہیں اس کی خوشبو سے کچھ مل جائے۔ تو بہت خوب، ورنہ اس کی مہک تو آئے گی۔ اور برے ہمنشیں کی مثال لوہار کی بھٹی کی سی ہے کہ اگر اس کی آگ کی لپیٹ آئے تو جھلسا دے۔ ورنہ اس کی چنگاریاں تو تم پر پڑیں گی۔

۳۹ ۔ مَثَلُ أَبِی بَکْرٍ کَمَثَلِ الْغَیْثِ أَیْنَمَا حَلَّ نَفَعَ ۔ ابوبکرؓ کی مثال بادل کی سی ہے کہ جہاں برستا ہے نفع پہنچاتا ہے۔

۴۰ ۔ أَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ، کَمَا تَکُونُونَ یُوَلَّی عَلَیْکُمْ۔ تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں۔ جیسے تم ہو گے۔ ویسے ہی والی تم پر مسلط کر دیے جائیں گے۔

۴۱ ۔ مَا مَثَلِی فِیکُمْ إِلَّا کَالنَّذِیرِ الْعُرْیَانِ ۔ تمہارے اندر میری مثال ایسی ہے۔ جیسے ننگا ڈرانے والا ہو۔ عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی بہت بڑا خطرہ درپیش ہوتا تو ایک شخص پہاڑی پر چڑھ کر کپڑے اتار کر قوم کو بلاتا تو لوگ اس کی بات سننے کے لئے جمع ہو جاتے اور وہ انہیں خطرے سے آگاہ کر دیتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ میں بھی تمہیں ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے انکار اور نافرمانی کی وجہ سے تم دوزخ میں پڑنے والے ہو، اس سے بچ جاؤ۔

۴۲ ۔ أُمَّتِی کَالْغَیْثِ لَا یُعْلَمُ أَوَّلُہُ خَیْرٌ أَمْ آخِرُہُ ۔ (میری امت کی مثال بارش کی سی ہے۔ جس کے بارے میں یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ)

۴۳ ۔ لَوْ تَوَکَّلْتُمْ عَلَی اللّٰہِ حَقَّ التَّوَکُّلِ لَغَذَاکُمْ کَمَا یَغْذِی الطَّیْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَعُودُ وَتَرُوحُ بِطَانًا۔ اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے۔ تو وہ تمہیں بھی اسی طرح روزی دے۔ جس طرح وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے کہ وہ صبح کے وقت خالی پیٹ باہر جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

۴۴ ۔ اَلشِّتَاءُ رَبِیعُ الْمُؤْمِنِ، قَصُرَ نَہَارُہُ فَصَامَہُ وَطَالَ لَیْلُہُ فَقَامَہُ۔ موسم سرما مومن کے لئے بہار کی مانند ہے۔ اس کا دن چھوٹا ہوتا ہے تو وہ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ اور رات لمبی ہوتی ہے۔ تو وہ قیام اللیل میں

گنار رہا ہے۔

۴۵ - عِلْمٌ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ كَكَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ۔ وہ علم جس سے کوئی نفع نہ ہو۔ اس کی مثال اس خزانے کی ہے جس میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

۴۶ - كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ۔ تم دُنیا میں اس طرح رہو۔ جیسے تم پردیسی ہو، یا راہ چلنے والے مسافر ہو۔

۴۷ - اَلنَّاسُ كَاِبِلٍ مِائَةٍ لَا تَجِدُ فِيْهَا رَاحِلَةً۔ لوگوں کی مثال ان سو اونٹوں کی ہے جن میں سواری کے لائق ایک بھی نہ ہو یعنی عام لوگوں میں نیک و خدا پرست آدمی ایک بھی نہیں ملتا۔

۴۸ - اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَا يَمْلِكُ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔ جو شخص اپنی تونگری (یا عبادت گذاری یا علم) اس چیز سے ظاہر کرے جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ (یا جو اس میں موجود نہیں ہے) اس کی مثال اس شخص کی ہے۔ جو جھوٹ اور فریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔

۴۹ - اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهٖ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهٖ۔ کوئی چیز تحفہ دے کر واپس لینے والا ایسا ہے جیسے قے کر کے پھر اس کو چاٹ لینے والا۔

جواہر حکمت

۵۰ - اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ۔ مومن اپنے بھائی کے لئے آئینہ ہے۔

۵۱ - نِعْمَ الْحِصْنُ الْقَبْرُ۔ قبر ایک اچھا قلعہ ہے۔

۵۲ - كَفٰى بِالسَّلَامَةِ دَاءً۔ سلامت رہ جانا ہی بڑی بیماری ہے۔

۵۳ - لَيْسَ الْعَمٰى عَمَى الْبَصَرِ۔ اَلْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ اَوِ الْبَصِيْرَةِ۔ اندھا پن آنکھوں کا اندھا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ دل کا اندھا ہونا، یا بصیرت سے محروم ہونا ہے۔

۵۴ - اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ بے شک بیان (خطابت) میں جادو ہے۔

۵۵ - اَلشَّيْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مَعَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ۔ شیطان اکیلے انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دو سے وہ دور رہتا ہے۔

۵۶ - حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ۔ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔ جنت تکلیفوں میں گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ کے گرد خواہشات نفسانی ہیں۔

۵۷ - اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

۵۸ - اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ - مومن وہ ہے جس کے شر سے لوگوں کی جانیں اور مال امن میں رہیں۔

۵۹ - اَلْهَدِيَّةُ تَسُلُّ السَّخِيْمَةَ - ہدیہ بغض وعناد کو دور کر دیتا ہے۔

۶۰ - اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ - مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے۔ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے

۶۱ - اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا - دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ وہ جہاں اسے پائے وہی اسے لینے کا زیادہ حق دار ہے۔

۶۲ - اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ - آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

۶۳ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ - اللہ جس سے بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

۶۴ - لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ - بہادر وہ نہیں جو پچھاڑ دے بلاشک بہادر وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔

۶۵ - اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ - لوگ اپنے حاکموں کی طرز زندگی پر ہوتے ہیں۔

۶۶ - جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَاءَ اِلَيْهَا - دلوں میں اس شخص کی محبت ڈال دی گئی جو ان پر احسان کرے اور اس شخص کے خلاف بغض وعناد ڈال دیا گیا ہے۔ جو ان سے برا سلوک کرے۔

۶۷ - اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ - اہل ایمان کی ارواح اکٹھے لشکروں کی مانند ہیں۔ جو ان سے جان پہچان کر لیتا ہے۔ وہ ان سے مل جاتا ہے۔ اور جو ان سے جان پہچان نہ کرے وہ ان سے جدا ہو جاتا ہے (یعنی جو روحیں تخلیق کے وقت ایک دوسری سے جان پہچان رکھتی تھیں۔ وہی دنیا میں ایک دوسری سے مل گئیں اور جو اس وقت ایک دوسری سے انجان تھیں۔ وہ دنیا میں بھی ایک دوسری سے متحد نہ ہو سکیں۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ۔۔۔ کبوتر با کبوتر، باز با باز

۶۸ - اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ - آدمی اپنے دوست کے دین پر چلتا ہے۔ لہٰذا تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تم کسے اپنا دوست بناؤ۔

۶۹ - اَلْمُسْتَشِيْرُ مُعَانٌ وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ - مشورہ طلب کرنے والے کو مدد دی جاتی ہے۔ اور جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ وہ امانت دار ہوتا ہے۔

۷۰ - مَا هَلَكَ امْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ - جس نے اپنی قدر پہچانی وہ ہلاک نہیں ہوا۔

۷۱ - اِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ - تم اس بات سے بچو جس سے عذر خواہی کرنی پڑے۔

۷۲ - اُطْلُبُوا الْخَيْرَ عِنْدَ صِبَاحِ الْوُجُوْهِ - بھلائی (مال) اس وقت مانگو جب چہرے ہشاش بشاش ہوں۔

۷۳ - كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ ۔ جو کچھ کسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا۔

۷۴ - اَلْحُمّٰى رَائِدُ الْمَوْتِ ۔ بخار موت کا پیش خیمہ ہے۔ یعنی بخار آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ موت قریب ہے۔

۷۵ - اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ ۔ انسان کے جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست رہتا ہے۔ اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار سن لو! اور وہ "دل" ہے۔

۷۶ - اِيَّاكُمْ وَالشَّبْعَةَ فَاِنَّهٗ مَسْقَمَةٌ وَاجْتَنِبُوا الْجُوْعَ اِنَّهٗ مَهْرَمَةٌ ۔ تم پیٹ بھر کر کھانے سے بچو۔ کیونکہ خوب پیٹ بھر کر کھانا آدمی کو بیمار کر دیتا ہے۔ تم بھوک سے بھی بچو کیونکہ یہ بڑھاپا لاتی ہے۔

۷۷ - مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ دَوَاءً ، عَرَفَهٗ مَنْ عَرَفَهٗ وَجَهِلَهٗ مَنْ جَهِلَهٗ اِلَّا السَّامَ ۔ اللہ تعالےٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے ساتھ اس کی دوا بھی پیدا کی ہے۔ جو اسے جانتا ہے۔ سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا سو نہیں جانتا۔ لیکن موت کا علاج کوئی نہیں ہے۔

۷۸ - اَلْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ وَالْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ ۔ پرہیز بہترین علاج ہے۔ اور معدہ بیماری کا گھر ہے یعنی اُم الامراض ہے۔

۷۹ - دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ ۔ اپنے بیماروں کا علاج صدقہ کے ذریعے کرو۔

۸۰ - دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ ۔ تم اس چیز کو چھوڑ دو۔ جو تمہیں شک میں ڈالے۔ اس چیز کی خاطر جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

۸۱ - اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى ۔ بلاشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

۸۲ - مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ ۔ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی وہ چیز چھوڑ دے جس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

۸۳ - حُبُّكَ الشَّیْءَ يُعْمِیْ وَيُصِمُّ ۔ کسی چیز کے بارے میں تمہاری محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ یعنی اس طرح تمہارے اندر تعصب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تم دوسروں کی خوبیوں سے آنکھیں اور کان بند کر لیتے ہو۔

۸۴ - اِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنَ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ ۔ ثبوت مہیا کرنا مدعی کے ذمے ہے۔ اور قسم اس پر ہے جو الزام سے انکار کر دے۔

۸۵ - اِزْهَدْ فِی الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا اَيْدِی النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ ۔ تم دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے۔ اس سے بے رغبتی اختیار کر لو۔ لوگ تم سے پیار کرنے لگیں گے۔

۸۶ - رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ - دانائی کا سرچشمہ اللہ کا ڈر ہے۔

۸۷ - اَلْخَيْرُ كَثِيْرٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ بھلائی اور نیکی تو بہت زیادہ ہے لیکن اس کے کرنے والے تھوڑے ہیں۔

۸۸ - اِيَّاكُمْ وَمُشَارَّةَ النَّاسِ فَاِنَّهَا تُمِيْتُ الْغُرَّةَ وَتُحْيِي الْعُرَّةَ - تم لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے بچو۔ کیونکہ ایسا کرنا نیکیوں کو برباد کرتا اور برائی کو نمایاں کرتا ہے۔ یعنی لوگ ایسے شخص کی خوبیوں کو تو چھپا دیتے ہیں۔ اور عیب لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

۸۹ - ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ - فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَخَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ -
وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ - وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَشُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ
تین باتیں نجات دینے والی ہیں اور تین ہی ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دینے والی یہ ہیں۔

۱ - چھپے اور کھلے میں اللہ کا خوف

۲ - خوشی اور ناراضگی کی حالت میں انصاف۔

۳ - تنگ دستی اور خوشحالی کے زمانہ میں میانہ روی۔

ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔

۱ - ایسا بخل کہ آدمی جس کے پیچھے پڑا رہے۔

۲ - ایسی خواہش نفس کہ جس کی پیروی کی جائے۔

۳ - خود پسندی اور غرورِ نفس۔

۹۰ - خَيْرُكُمْ مَنْ تَوَاضَعَ عَنْ رِفْعَةٍ وَزَهِدَ عَنْ غُنْيَةٍ وَاَنْصَفَ عَنْ قُوَّةٍ وَحَلُمَ عَنْ قُدْرَةٍ -
تم میں بہتر وہ ہے جو بلند مرتبہ ہوتے ہوئے تواضع سے پیش آئے۔ جو دولت مند ہوتے ہوئے دولت سے بے رغبت رہے۔ جو طاقت کے باوجود دوسروں سے انصاف برتے۔ اور جو انتقام پر قادر ہونے کے باوجود درگذر کرے۔

۹۱ - لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ - چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا

۹۲ - اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ - تم حسد سے بچو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کر دیتی ہے۔

۹۳ - اِيَّاكُمْ وَالدَّيْنَ فَاِنَّهٗ هَمٌّ بِاللَّيْلِ وَمَذَلَّةٌ بِالنَّهَارِ - تم قرض سے بچو۔ کیونکہ یہ رات کا غم اور دن کی رسوائی ہے۔

۹۴ - اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ - تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

۹۵ - اَلنَّاسُ بِزَمَانِهِمْ اَشْبَهُ مِنْهُمْ بِآبَائِهِمْ - لوگ زمانے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور اپنے حالات سے زیادہ

مشابہت رکھتے ہیں۔

۹۶ - لَوْ تَكَاشَفْتُمْ مَا تَدَافَنْتُمْ - اگر تم لوگوں کے مخفی حالات سے باخبر ہوتے تو ایک دوسرے کو دفن نہ کرتے۔

۹۷ - اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ - بہترین صدقہ وہ ہے جو ایک تنگدست آدمی اپنی طاقت کے مطابق کرے۔

۹۸ - تَنْزِلُ الْمَعُوْنَةُ عَلٰى قَدْرِ الْمَؤُوْنَةِ - جتنی ذمہ داری ہوگی۔ اتنی ہی مدد اترے گی۔ یعنی عیالداری کی وجہ سے نان ونفقہ کی جتنی ذمہ داری ہوگی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسی کے مطابق روزی آئے گی

۹۹ - يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ فَغَنِمَ اَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ - فان اللسان املک شئ للانسان - اللہ تعالےٰ اس بندے پر رحم کرے گا جو بولے تو کام کی بات کہے۔ یا خاموش رہے تو زبان کے شر سے محفوظ رہے۔ کیونکہ زبان ہی انسان کے زیادہ سے زیادہ قابو میں رکھنے کی چیز ہے۔

۱۰۰ - دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُمَاتِ - لڑکیوں کو گھروں میں پابند کرنا عزت کی بات ہے۔ کیونکہ لڑکیوں کا گھروں سے آزادانہ نکلنا اور گھومنا پھرنا ان کے اخلاق کو تباہ کرتا ہے۔ اخلاقی تباہی باعثِ ذلت ہے۔

۱۰۱ - مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ - جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۲ - اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ - جو زمین پر ہیں۔ تم ان پر رحم کرو جو آسمانوں میں ہے۔ وہ تم پر رحم کرے گا

۱۰۳ - مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ - جس نے میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہیں ہوگا۔

۱۰۴ - حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ - (کسی کے بارے میں) اچھا گمان ایک اچھی عبادت ہے۔

۱۰۵ - سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ - مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

۱۰۶ - كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهٗ وَعِرْضُهٗ وَدَمُهٗ - مسلمان کا مسلمان پر سب کچھ حرام ہے۔ اس کا مال بھی اس کی عزت بھی اور اس کا خون بھی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام: ۵۲)

اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں خاص اُسی کی رضا کا قصد کرتے ہوئے۔



اصحابِ صُفّہ

رضی اللہ عنہم

اصحابِ صُفّہ

تصنیف: حافظ ابونعیم احمد اصبہانی / ترجمہ: حافظ محمد سعد اللہ

حافظ ابونعیم اصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ کہتے ہیں۔ ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ایک ایسی جماعت کا ذکر خیر کر رہے ہیں جو انتہائی عابد و زاہد، ہمہ وقت اپنے معبودِ حقیقی کی یاد میں مگن اور اسی ذاتِ واحد کے ساتھ شغف ان کا مشغلہ تھا۔ وہ عارفانِ حقیقت، سالکانِ طریقت کے لئے بہت بڑے پیشوا اور مقتدا ہیں اور ان دنیا والوں کے لئے ایک حجت ہیں جنہیں اس فانی دنیا نے پاگل اور دیوانہ بنا رکھا ہے اب ہم اللہ تعالیٰ سے امداد چاہتے ہوئے ان اہلِ صفہ کی شان، ان کے اخلاقِ عالیہ، حالاتِ طیبہ اور وجہ تسمیہ کو بیان کرتے ہیں اس بیان میں ہماری بنیاد مشہور اسانید اور معروف دلائل پر ہو گی۔

اصحابِ صفہ صحابہ کرام میں ایک ایسا گروہ تھا جنہیں حق تعالیٰ نے مال و متاعِ دنیا کی طرف مائل ہونے اور مال و دولت کے فتنہ میں پڑ کر فرائض دینی سے غافل ہونے سے بچائے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کے واسطے ایک بہترین نمونہ بنایا جو فارغ ہو کر اپنے رب کی عبادت کرنا چاہتے ہیں وہ اہل و عیال اور مال و اسباب کو مدعا نہیں بناتے تھے۔ خرید و فروخت یا کوئی دوسری مصروفیت اللہ کی یاد سے انہیں غافل نہیں کر سکتی تھی۔ دنیا کے ہاتھ سے جانے اور فوت ہونے پر کبھی انہیں غم نہ ہوا۔ وہ اسی بات پر راضی تھے کہ ان کے مالکِ ازلی نے انہیں آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کی خوشی اپنے معبود کی یاد میں اور غم اس کی یاد سے غفلت میں تھا وہ وہی بلند مرتبہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ یعنی کوئی تجارت یا کسی بھی قسم کی خرید و فروخت انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔ دنیا کے فوت ہو جانے پر انہیں کوئی افسوس نہ ہوا اور دنیا کے مل جانے پر انہیں کوئی خوشی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں منہمک ہو جانے اور دولت کی فراوانی سے ان کی حفاظت فرمائی تاکہ وہ تاثیرِ دنیا کی وجہ سے بغاوت اور سرکشی پر نہ آمادہ ہوں۔ کسی چیز کے فوت ہو جانے، چلے جانے یا گم ہو جانے اور بالیدہ ہونے پر انہیں قطعاً کوئی ملال نہ تھا۔

مشہور راوی ابو ہانی کہتے ہیں۔ میں نے عمرو بن حریث اور دیگر کئی لوگوں سے سنا کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ: اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق کو پھیلا دے تو وہ زمین میں بغاوت پر اتر آئیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک موقع پر انہوں نے دنیا کے حصول کی تمنا کی تھی

ابونعیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچاؤ کی خاطر دنیا کو ان سے دور رکھا کہ کہیں بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ وہ دنیا کے تمام شغلوں سے محفوظ ہو کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگئے۔ اموال دنیا انہیں غافل نہ کر سکے اور حالاتِ زمانہ انہیں متغیر نہ کر سکے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ کچھ فقیر لوگ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا جس کسی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ ان اصحابِ صفہ میں سے ایک تیسرے آدمی کو لے کر جائے جس آدمی کے پاس چار آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ ایک پانچویں کو بھی ساتھ ملا لے۔ علیٰ ہذا القیاس چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اصحابِ صفہ میں سے تین اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے گئے۔ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم کی تخریج کردہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور فرمایا۔ اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا۔ اہلِ صفہ کو جا کر بلا لاؤ۔ ابوہریرہؓ وضاحت فرماتے ہیں کہ اہلِ صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ اہل و عیال اور کاروبار و مال کو چھوڑ کر ہر وقت مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی صدقہ کی چیز آتی تو اہلِ صفہ کے ہاں بھجوا دیتے اور خود اس میں سے ذرہ بھر نہ لیتے اور جب کوئی ہدیہ یا تحفہ کی شے آتی تو خود بھی لیتے اور اہلِ صفہ کی طرف بھی بھیجتے اور اس چیز میں ان کو شریک فرماتے (متفق علیہ)

طلحہ بن عمرو کہتے ہیں۔ جو شخص باہر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ مدینہ منورہ میں اگر کوئی اس کا جاننے والا ہوتا تو ادھر چلا جاتا ورنہ اہلِ صفہ کے ہاں ٹھہرا دیا جاتا۔ طلحہ بتاتے ہیں میں انہی لوگوں میں تھا جنہیں اہلِ صفہ کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ روزانہ ایک آدمی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہلِ صفہ میں ایک مُد کھجور (تقریباً آدھ سیر) ایک پاؤ فی کس کے حساب سے تقسیم کر جاتا۔

ابو رافع کہتے ہیں: جب حضرت امام حسینؓ کی ولادت ہوئی تو حضرت فاطمۃ الزہرا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ کر دوں؟ فرمایا نہیں۔ البتہ یہ کرو کہ بچے کے سر کے بال اتروا کر ان کے وزن کے برابر چاندی یا سونا اوفاض میں صدقہ کر دو۔ "اوفاض" سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اہلِ صفہ تھے۔

فضالہ بن عبید کہتے ہیں۔ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تو کئی لوگ افلاس و تنگی اور بھوک کی وجہ سے قیام میں کھڑے نہ ہو سکتے اور گر پڑتے۔ یہ لوگ اہلِ صفہ تھے جن کے متعلق اعرابی کہتے کہ یہ مجنون ہیں

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: اہل صفہ میں ستر آدمی ایسے تھے جن میں سے کسی ایک کے پاس چادر تک نہ تھی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں بھی اہلِ صفہ میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف عمدہ قسم کی کھجور بھیجی بھوک کی شدت کی وجہ سے ہم نے دو دو کھجوریں ملا کر کھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ایسا کر لو۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ صفہ کی طرف تشریف لائے اور دریافت فرمایا

کیف اصبحتم ؟ تم کیسے ہو ؟ انہوں نے عرض کیا ہر طرح کی خیر و بھلائی ہے آپؐ نے فرمایا واقعی تم آج خیر و بھلائی میں ہو عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم میں سے ہر ایک کے پاس کھانے کے بڑے بڑے پیالے، کے علاوہ دیگر کئی آسائش، کی چیزیں ہوں گی۔ تمہارے گھروں پر اس طرح کے پردے ڈالے جائیں گے جس طرح کعبہ شریف پر ڈالے جاتے ہیں۔ (یعنی تم اپنے گھروں کی در و دیوار کو مزین آراستہ اور نقش بناؤ گے) انہوں نے استعجاباً عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم ایسا کریں گے جبکہ ہم اپنے دین پر بھی ہوں ؟ فرمایا ہاں، عرض کرنے لگے پھر تو ہم صدقہ و خیرات کریں گے غلاموں کو آزاد کرائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس وقت تم ایسا نہیں کرو گے جیسا کہ تمہارا خیال ہے بلکہ ہوگا یہ کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے لگو گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ قطع تعلق اور بغض و عناد میں پڑ جاؤ گے۔

ایک تابعی سنان بن سلیم حضرت حسن بصریؒ سے یوں روایت کرتے ہیں۔ ضعفاء مسلمانوں کے واسطے ایک چبوترا التعمیر کیا گیا تمام مسلمان مقدور بھر ان کے ساتھ بھلائی اور تعاون کرتے۔ حضورؐ ان کے پاس تشریف لاتے اور السلام علیکم کہتے وہ بھی سلام کا جواب دیتے پھر آپ پوچھتے تم کیسے ہو؟ وہ عرض کرتے بہتر ہیں آپؐ فرماتے۔ واقعی تم اس وقت سے بہتر ہو جبکہ مختلف نعمتوں کی تمہارے اوپر بھرمار ہو جائے گی۔ تم صبح کو ایک اور شام کو دوسرا لباس زیب تن کرو گے۔ تم اپنے گھروں کو اس طرح ڈھانپو گے جس طرح خانہ کعبہ کو ڈھانپا جاتا ہے۔ اہل صفہ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو اور اچھا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر شکر بجا لائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اب تم جس حال میں ہو یہ بہتر ہے۔

ابونعیم کہتے ہیں: مختلف اوقات اور مختلف حالات میں صفہ میں مقیم لوگوں کی تعداد بھی بدلتی رہتی۔ رات کو آنے والے مہمان اور مسافر جب چلے جاتے تو تعداد کم ہو جاتی اور جب باہر سے وارد ہونے والوں اور وفود کا اجتماع ہوتا تو تعداد بڑھ جاتی۔ مگر اکثر حالات میں ان پر فقر کا غلبہ رہتا بلکہ وہ خود قلت و افلاس کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے پاس کبھی دو کپڑے جمع نہ ہوئے اور نہ کبھی دو قسم کا کھانا کھایا اس چیز پر حضرت ابوہریرہ کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں آپؓ نے فرمایا۔ میں نے ستر ایسے اہل صفہ کو دیکھا جو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھا کرتے وہ کپڑا بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو اس سے کچھ نیچے تک پہنچتا تھا ان میں سے جب کوئی رکوع میں جاتا تو کپڑے کو اپنے اوپر سمیٹ لیتا کہ کہیں قابل ستر جگہ ننگی نہ ہو جائے۔ حضرت واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں: میں اہل صفہ میں سے تھا۔ ہم میں سے کسی کے پاس پورا لباس نہ ہوتا تھا۔ پسینہ کی وجہ سے ہمارے کپڑوں میں میل اور غبار اٹا ہوا ہوتا۔ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں۔ جب شام ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل صفہ کو صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ کوئی ایک کو، کوئی دو کو، کوئی تین کو اور بعض صحابہ دس تک کو لے جاتے۔ حضرت سعد بن عبادہ ہر رات آٹھ اہل صفہ کو گھر لاتے اور ان کے ٹھہرانے کا بندوبست فرماتے۔ حضرت عقبہ بن عامر کہتے

ہیں رسول مقبولؐ ہم اہلِ صفہ کی طرف تشریف لائے اور پوچھا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز "بطحان" اور "عقیق" (بازاروں کے نام ہیں) کی طرف جائے اور بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے دو موٹی تازی اونٹنیاں لائے ؟ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! یہ بات تو ہم میں سے ہر ایک کو پسند ہے فرمایا تو وہ کیوں نہیں مسجد کی طرف جاتا اور قرآن کریم کی دو آیات سیکھتا یا پڑھتا۔ کیونکہ قرآن مجید کی دو آیات سیکھنا یا پڑھنا دو اونٹنیوں سے تین آیتیں سیکھنا تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں سیکھنا چار اونٹنیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

ابونعیم فرماتے ہیں عقبہ بن عامر کی یہ روایت اس چیز کی صراحت کرتی ہے کہ اہلِ صفہ کے دلوں میں جب کبھی طلبِ دنیا کا داعیہ پیدا ہوتا حضورؐ تشریف لاکر ان کے مناسب حال ذکر اذکار رکھتا کر یا وعظ و نصیحت فرما کر اس داعیہ کا رد فرمادیتے چنانچہ اس طرح وہ دنیا کے مہلکات اور خطرات سے محفوظ اور نفوس میں خفیہ آرزوؤں کے وارد ہونے سے مامون رہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ ایک دن ابو طلحہ آئے تو نبی اکرمؐ کھڑے ہو کر اہلِ صفہ کو پڑھا رہے تھے بھوک کی شدت کی وجہ سے آپؐ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ جو آپ کی کمر کو سیدھا کئے ہوئے تھا۔ اہلِ صفہ کا شغل ہمہ وقت قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا اور خواہش ہمیشہ یہی تھی کہ ان کے محبوبؐ اپنے شیریں خطاب سے ان کی روحوں کو بار بار تازہ کرتے رہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبولؐ ہم ضعفاء مسلمان یعنی اہلِ صفہ کے پاس تشریف لائے اتفاق سے ایک آدمی اس وقت ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا۔ لباس کی قلت کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ متصل بیٹھ کر ستر پوشی کر رہے تھے آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ حلقہ کی صورت میں بیٹھ جاؤ چنانچہ آپ کے ارد گرد حلقہ میں سب لوگ بیٹھ گئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم کیا کر رہے تھے ؟ انہوں نے عرض کیا یہ شخص ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا آپؐ نے فرمایا تم اپنے کام میں دوبارہ مشغول ہو جاؤ۔ بعد ازیں آپؐ اپنے خالق و مالک حقیقی کا اس نعمت پر شکر بجا لائے کہ اس نے آپؐ کی امت میں ایک ایسا گروہ اور جماعت پیدا کر دی ہے جن کے ساتھ آپ کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے اس کے بعد آپؐ نے فقراء مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں خوشخبری سناتا ہوں اس بات کی کہ تم روز قیامت امراء سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہو گے۔ تم لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو گے جبکہ یہ امراء کا طبقہ ابھی حساب کتاب میں پھنسا ہو گا۔

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک ایسی جماعت میں موجود تھے جو ذکر الٰہی میں مشغول تھی نبی کریمؐ پاس سے گزرے تو وہ ذکر سے رک گئے۔ آپؐ نے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم ذکر جاری رکھو۔ میں نے تمہارے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اس رحمت میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں پھر فرمایا اس ذات الٰہی

کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے میری امت میں ایک ایسا گروہ بھی بنایا ہے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو روک رکھنے کا حکم ہوا ہے۔

ابو نعیم فرماتے ہیں : اصحاب صفہ اور تا قیامت ان کے پیروکاروں کی علامت فقر ہے سچائی ان کی شہرت ہے اور ان کے باطن مشاہدۂ حق سے ہمیشہ آباد ہیں کیونکہ ان کے محافظ و نگران حق تعالیٰ اور معلم و مؤدب رسول ؐ ہیں۔ جس شخص نے مال اور اس کے غرور و دھوکہ دہی سے اعراض کر لیا۔ آخرت سنوارنے اور اخروی نعمتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ زائل اور فانی دنیا سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ مال و متاع دنیا اور رقص و سرود کی چیزوں سے دور ہو گیا۔ واحد حقیقی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کے کارخانۂ قدرت کے مشاہدہ میں غرق ہو گیا دائمی اخروی زندگی اور اس کی تر و تازگی، ہمیشہ اس سے لطف اندوز ہوتے، ملاء اعلیٰ کی حاضری اور سب سے بڑھ کر اپنے معبود کے دیدار پر راضی ہو گیا۔ ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ اس کے معبود نے جو فقر و تنگ دستی اس کے لئے مقدر کی ہے اس پر دل و جان سے راضی رہے۔ مال و متاع اور اسباب دنیا کے مفقود ہونے پر غم نہ کرے۔ باری تعالیٰ کے نزدیک جو افعال پسندیدہ ہیں ان کے لئے سعی کرے اور اپنے دل میں پیدا ہونے والے شیطانی وسوسوں اور خطرات کی نگرانی رکھے تاکہ وہ پاک ضعفاء و مساکین کے زمرہ میں شامل ہو سکے اور مقربین بارگاہ الٰہی کے نزدیک ہو سکے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر لمحۂ زندگی کو غنیمت جانے، غلط لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے گریز کرے اللہ تعالیٰ کے معاملات میں جد و جہد کرے اور تمام احوال میں سید المرسلین ؐ کی اقتدا کرے۔

شیخ ابو نعیم مزید فرماتے ہیں۔ اہل صفہ نے مسجد نبوی کے چبوترے (صفہ) کو اپنا وطن بنایا تو باری تعالیٰ نے ان کے باطن کو پاک و صاف فرمایا۔ اغیار سے ان کی حفاظت فرمائی۔ نفسانی خواہشات اور نفس کے حملوں سے بچایا۔ ابرار کی صف میں شامل فرمایا۔ جنت کے باغات میں نازل فرمایا اور جنت کے خاص چشموں سے پانی پلایا۔ ابو صالح کہتے ہیں جنت میں مقربین کے واسطے جو شراب ہو گی "تسنیم" اس میں سب سے بہتر شراب ہو گی۔

ابو نعیم فرماتے ہیں۔ اہل صفہ مختلف قبائل اور متعدد اطراف و اکناف کے بہترین لوگ تھے۔ انہوں نے انوارِ الٰہی کا لباس پہنا۔ ذکرِ الٰہی ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ باری تعالیٰ نے انہیں جو اپنی رضا اور نعمتیں عطا فرما رکھی تھیں ان سے ان کے باطن روشن تھے انہوں نے دنیا پر فریفتہ لوگوں سے منہ موڑ لیا تھا اور دنیا کے فانی اور ہلاک ہونے والے مال و اسباب کو جمع کرنے والوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ دشمن اور حاسد یعنی شیطان لعین کی مصالحت سے دور بھاگ گئے تھے جیسا کہ ایک محتاط آدمی بچا کرتا ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کی رضا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ و مقام عطا فرمایا کہ ملائکہ بھی ان کی زیارت اور صحبت کی خواہش کرنے لگے اور رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کے ساتھ گفتگو اور مجالست اختیار کریں۔

حضرت خباب بن الارت ؓ کہتے ہیں۔ اقرع بن حابس تمیمی۔ عیینہ بن حصین الفزاری وغیرہ رئیسانِ قریش

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ اس وقت ضعفاء مومنین یعنی بلال، عمار، صہیب اور خباب کے ساتھ بیٹھے تھے جب انہوں نے ان ضعیف و مساکین صحابہ کو آپؐ کے پاس بیٹھے دیکھا تو حقارت کی نظر سے ان کے پاس نہ بیٹھے۔ علیحدگی میں انہوں نے حضورؐ سے کہا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپؐ ہمارے واسطے ایک الگ مجلس تشکیل دیں۔ ہماری موجودگی میں یہ غرباء و مساکین نہ ہوں کیونکہ آپؐ کے پاس عرب کے مختلف وفود آتے ہیں اور ہم ان کے سامنے اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ ان غلاموں کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ جب ہم فارغ ہو کر چلے جایا کریں تو آپؐ جن کے پاس جی چاہے بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ رئیسانِ قریش نے کہا۔ آپؐ ہمیں یہ چیز لکھ کر دیں۔ آپؐ نے کاغذ قلم منگوایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ لکھ دو۔ حضرت خباب بیان کرتے ہیں ہم لوگ ایک کونے میں بیٹھے تھے اور یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے لکھنے کا ابھی ارادہ ہی فرمایا کہ جبریل امین وحی لے کر نازل ہو گئے

ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ ما علیک من حسابہم من شیٔ وما من حسابک علیہم من شیٔ فتکون من الظلمین ﴿۵۲﴾ وکذلک فتنا بعضہم ببعض لیقولوا اھؤلاء من اللہ علیہم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشاکرین واذا جاءک الذین یؤمنون بایٰتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ (سورہ الانعام: ۵۲ تا ۵۴)

ترجمہ: اور اے پیغمبرؐ! جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار ہی کی طرف رخ کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں ان کو اپنے پاس سے مت نکالو۔ نہ تو ان کے اعمال کی جوابدہی کسی طرح تمہارے ذمے ہے اور نہ تمہاری جوابدہی کسی طرح ان کے ذمے ہے۔ پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔ اور اسی طرح اختلافِ حالت سے ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اسلام کی توفیق دے کر اپنا فضل کیا ہے۔ ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیئے تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں۔ اور اے پیغمبر جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب تمہارے پاس آیا کریں تو تم ان کی دل دہی کرو اور کہو کہ خدا کی طرف سے تم کو سلامتی کی خوشخبری ہو اور تمہارے پروردگار نے بندوں پر مہربانی کرنا از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم پھینک دیا اور ہمیں بلایا ہم حاضر ہوئے تو فرمانے لگے "سلام علیکم۔" ہم آپؐ کے اتنے قریب بیٹھے کہ ہمارے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے لگنے لگے اس کے بعد رسول مقبولؐ ہمارے ساتھ بیٹھا کرتے اور جب جانے کا ارادہ ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر تشریف لے جاتے پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ ولا تعد عیناک عنہم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف : ۲۸)

اور اے پیغمبر جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اسی کی رضامندی چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر اپنے نفس کو مجبور کر دو اور تمہاری نظرِ التفات ان پر سے ہٹنے نہ پائے کہ لگو دنیا کی زندگی کے ساز و سامان کا پاس کرنے اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی دنیاداری حد سے بڑھ گئی ہے۔ جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے غافل کر دیا تھا عُیَینہ بن حصین اور اقرع تھے اور فرطًا کا مطلب ہلاکت ہے اس کے بعد کی آیات میں باری تعالیٰ نے دو آدمیوں کی اور دنیا کی مثال بیان فرمائی ہے حضرت خباب کہتے ہیں اس کے بعد حضورؐ کا عالم یہ ہو گیا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے جب آپ کے اٹھنے کا وقت ہوتا تو پہلے ہم آپؐ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے بعد میں آپؐ تشریف لے جاتے جب تک ہم نہ اٹھ جاتے آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب (جن کی حضورؐ تالیف قلب فرماتے) عُیَینہ بن حصین اور اقرع وغیرہ رسول مقبولؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے کتنا ہی اچھا ہو کہ آپؐ مسجد کے درمیان میں تشریف رکھا کریں اور ان لوگوں کو یعنی ان کے لباسوں کی بُو کے ہم سے دور کر دیں (ان لوگوں سے ان کی مراد ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ ضعفا مسلمان تھے ان کے جسموں پر اون کے لباس ہوتے جن سے بوجہ پسینہ بو آتی تھی کیونکہ ان کے پاس ایک جوڑے سے زیادہ کپڑے نہ ہوتے تھے) تو ہم آپؐ کے پاس بیٹھا کریں گے اور دین سکھا کریں گے تو باری تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان ضعفا مسلمانوں کی تلاش میں اٹھے اور مسجد کے ایک کونے میں ان کو پایا کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا گیا۔ میری موت اور زندگی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت چھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت سعد کہتے ہیں۔ حضورؐ کے قریب بیٹھنے کی خاطر ہم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر قریش کہنے لگے۔ یارسول اللہ آپؐ ہماری نسبت ان کو زیادہ قریب بٹھاتے ہیں؟ آپؐ نے ابھی کچھ خیال کیا ہی تھا کہ آیت ولاتطرد الذین الخ نازل ہو گئی۔ انہی سعد بن ابی وقاص سے ایک دوسری روایت یوں منقول ہے

ہم چھ آدمی رسول مقبولؐ کے پاس حاضر تھے مشرکین نے کہا ان لوگوں کو ہٹا دیجئے یہ ایسے ویسے ہیں۔ سعد کہتے ہیں۔ ان چھ آدمیوں میں۔ میں، عبداللہ بن مسعود، قبیلہ ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دو آدمی دیگر تھے جن کا نام میں بھول گیا ہوں حضورؐ کے دل میں بھی کچھ خیال پیدا ہوا کہ اگر اس طرح مشرکین ایمان لائیں تو کوئی مضائقے کی بات نہیں۔ یہ سوچا ہی تھا کہ مندرجہ بالا آیت نازل ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یوں روایت کرتے ہیں کہ سردارانِ قریش کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس سے گزری اس وقت آپؐ کے پاس صہیب رومی، بلال حبشی، خباب بن الارت، عمار بن یاسر اور اس قسم کے دوسرے ضعفاء مسلمان موجود تھے۔ سردارانِ قریش نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ کو اپنی قوم میں سے یہی لوگ پسند آئے ہیں؟ کیا ہم ان کے تابع ہو کر رہیں کیا انہی لوگوں پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر دیں تو شاید ہم آپ کی اتباع کریں جب انہوں نے ایسا کہا تو فوراً جبریل امین سورۃ انعام کی آیت نمبر ۵۱ اور نمبر ۵۲ لے کر نازل ہو گئے اور آپؐ کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرما دیا گیا۔

حضرت عائذ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوسفیان، سلمان فارسی، صہیب اور بلال کے پاس سے گزرا۔ ان لوگوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا۔ ابھی تلواریں اللہ کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن کو نہیں پہنچیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ کلمہ سنا تو کہنے لگے تم نے قریش مکہ کے بزرگ اور سردار کے حق میں ایسا کلمہ کہہ دیا یعنی ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا اس کے بعد حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپؐ نے پوچھا اے ابوبکر! تو نے ان کو ایسا کہہ کر ناراض تو نہیں کر دیا۔ خدا کی قسم اگر تو نے ان کو ناراض کیا ہے تو گویا اپنے رب کو ناراض کیا ہے۔ حضرت ابوبکر اسی وقت ان کے پاس دوبارہ گئے اور کہنے لگے بھائیو! میری بات پر تم ناراض تو نہیں ہو گئے؟ وہ کہنے لگے۔ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اس میں کون سی ناراضگی کی بات ہے۔

حضرت انس حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس علم (علم دین) کے ذریعے بعض لوگوں کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ امام و پیشوا بن جاتے ہیں۔ خیر کے امور میں ان کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے اور ان کے اعمال کو بنظر عقیدت دیکھا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی دوستی کی رغبت کرتے اور ان کے پاؤں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں۔ ... عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: جانتے ہو جنت میں پہلے کون داخل ہو گا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ فقراء مہاجرین ہوں گے جنہیں ہمیشہ متعدد مشکلات اور فقر و تنگدستی درپیش رہی حتیٰ کہ بہت ساری خواہشات اور آرزوئیں وہ سینوں ہی میں لے کر راہیٔ آخرت ہوئے اور زندگی میں ان کو پورا نہ کر سکے۔ ملائکہ بارگاہِ الٰہی میں کہیں گے کہ الٰہ العالمین! ہم تیرے ملائکہ، تیرے خزانچی اور آسمانوں پر رہنے والی مخلوق ہیں اس ارضی مخلوق کو ہم سے قبل جنت میں داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ فقر و تنگ دستی کے باوجود راضی بہ قضا رہے بہت ساری نامکمل آرزوئیں سینوں میں ہی لے کر آخرت کو سدھارے جنت میں پہلے داخل ہونے کے یہی حقدار ہیں اس وقت ان پر جنت کے ہر دروازے وا ہوں گے اور کہیں گے: "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔"

حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا۔ آیت: اولٰئک یجزون الغرفۃ بما صبروا۔ (جنت کے بالاخانے انہیں صلہ میں دیئے جائیں گے اس صبر کے جو انہوں نے دنیا میں اختیار کیا) میں جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں فقر و تنگدستی پر صبر کیا۔

ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں: میں نے متاخرین میں سے ایک صاحب کو دیکھا کہ اس نے اصحاب صفہ کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے ہیں۔ بعض احباب نے مجھے بھی اس کی پیروی کرنے کو کہا۔ ان صاحب کی کتاب میں بعض نام ایسے آ گئے ہیں جو "اہل الصفہ" نہیں بلکہ "اہل القبہ" ہیں۔ بعض ناقلین سے یہ سہو ہو گیا ہے کہ انہوں نے قبہ کو صفہ بنا دیا۔ ہم انشاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے اب بتوکل الٰہی اصحاب صفہ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

اوس بن اوس الثقفی

ان کا اسم اوس بن حذیفہ بھی بتایا گیا ہے۔ اہل صفہ کی طرف ان کی نسبت موہوم ہے کیونکہ یہ وفد ثقیف کے ساتھ رسول مقبولؐ کے آخری زمانہ میں آپؐ کے پاس آئے تھے ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "قبہ" میں ٹھہرایا تھا نہ کہ صفہ میں (قبہ سے مراد کوئی گنبد نما عمارت یا خیمہ ہے) اوس نے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ ایک مستند حدیث میں کہتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد مدینہ میں قبہ کے مقام میں تھے کہ آپؐ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ایک آدمی نے آ کر آہستہ سے آپؐ سے کوئی بات کہی جس کو ہم نہیں سمجھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ اور ان سے کہہ دے کہ اسے قتل کر دیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا شاید وہ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور ان سے کہہ دے کہ اسے چھوڑ دیں کیونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں اس وقت تک جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں جب وہ یہ کلمہ کہہ لیں تو ان کے خون اور اموال محفوظ اور معزز ہوں گے الّا یہ کہ امر حق کا تقاضا ہو ان کا باقی حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہے یعنی اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اس روایت کو شعبہ اور ابوعوانہ نے ذکر کیا ہے۔ ایک روایت یوں بھی منقول ہے کہ ہم یعنی وفد ثقیف رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حلیف حضرات مغیرہ بن شعبہ کے پاس چلے گئے اور مالکیوں کو آپؐ نے "قبۃ" میں ٹھہرایا۔ اوس بتاتے ہیں کہ عشاء کے بعد آپؐ ہمارے پاس تشریف لاتے اور ہمیں گفتگو سے نوازتے آپؐ اکثر قریش کی یہ شکایت فرماتے کہ جب تک ہم مکہ میں تھے کمزور اور بے قدر تھے۔ یعنی قریش ہماری قدر نہیں کیا کرتے تھے پھر جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے اپنی قوم سے انصاف کیا ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا بے قدری نہیں کی۔

اسماء بن حارثہ

اسماء بن حارثہ الاسلمی ہند کے بھائی تھے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے تھے۔ میں نے اسماء اور ہند کو ہمیشہ

آپؐ کی خدمت کرتے ہی دیکھا ہے۔ ہر دو صاحبان ہر وقت آپؐ کے دروازے پر ہی بیٹھے رہتے اور خدمت کا موقع تلاش کرتے رہتے۔ بعض متاخرین نے کہا کہ اسماء اہلِ صفہ میں سے تھے۔ عبداللہ بن محمد البغوی کہتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن سعد الواقدی کی کتاب میں دیکھا کہ اسماء بن حارثہ نبی اکرمؐ کے صحابی اور اہلِ صفہ میں سے تھے۔ اسی سال کی عمر میں ۶۶ھ میں بصرہ کے اندر فوت ہوئے۔ حضرت اسماء بن حارثہ سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ رسول مقبولؐ نے انہیں بھیجا اور فرمایا اپنی قوم سے جا کر کہہ دے کہ وہ آج دن کا روزہ رکھیں انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر وہ کھانا کھا چکے ہوں تو؟ فرمایا تو بھی اب شام تک کھانا نہ کھائیں۔ یہ دن عاشورہ (دس محرم) کا دن تھا۔

الاغر المزنیؓ

موسیٰ بن عقبہ سے بلاسند ذکر کیا گیا ہے کہ الاغر المزنی اہلِ صفہ میں سے تھے الاغر المزنی سے بعض احادیث بھی مروی ہیں۔ ایک حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا " لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ مأة مرة " بعض اوقات میرا قلب غافل ہو جاتا ہے تو میں اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں (تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وقت دیگر فرائض نبوت اور اصلاحِ امت کے امور میں مشغول ہو جانے تو ذکرِ خداوندی سے توجہ ہٹ جاتی اس توجہ ہٹنے کو بھی آپ گناہ سے تعبیر فرما رہے ہیں یہ آپؐ کی غایت درجہ کی تواضع اور بندگی ہے حالانکہ وہ امور بھی ذکرِ الٰہی سے کم درجہ کے نہ تھے اسی لئے کہا جاتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ دوسرے یہ کہ تعلیم امت کے لئے ایسا فرمایا ورنہ آپؐ کے گناہ سے استغفار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

حضرت الاغر المزنی سے ایک اور روایت بھی منقول ہے فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریمؐ کو یہ فرماتے سنا یٰایھا الناس توبوا الیٰ ربکم فانی اتوب الیہ فی الیوم مأة مرة " اے لوگو اپنے رب کی طرف اپنے گناہوں سے توبہ کرو کیونکہ میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں (یہ سب کچھ تعلیمِ امت کی خاطر تھا)

بلال بن رباحؓ

سیدنا بلال بن رباح کا شمار بھی اہل صفہ میں ہوتا ہے آپ انتہائی عبادت گزار، تجرد پسند، صدیق اکبرؓ کے آزاد کردہ، فضل و احسان کے دلدادہ، دین کی خاطر آزمائشوں اور ابتلاء میں پڑنے والوں کے سردار رسول امین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن، اسلام میں سابق دین سے غایت درجہ کی محبت رکھنے والے۔ اللہ تعالیٰ پر سراسر توکل اور بھروسہ کرنے والے تھے۔

کہا گیا ہے کہ تصوف اس بات کا نام ہے کہ انسان تمام ذرائع اور وسائل کو چھوڑ کر (حضرت بلال کی طرح) محض اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرلے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضؓ فرمایا کرتے تھے۔ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال رضؓ کو آزاد کرایا۔۔۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا نعم المرء بلال وھو سید المؤذنین بلال کس قدر اچھا آدمی ہے وہ تمام موذنوں کا سردار ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل حضرت بلال رضؓ کے پاس سے گزرے جبکہ انہیں اسلام کی پاداش میں اذیت دی جا رہی تھی اور وہ (بلال رضؓ) احد احد کہے جا رہے تھے۔ ورقہ بن نوفل امیہ بن خلف کی طرف متوجہ ہوئے جو حضرت بلال کو اذیت پہنچا رہا تھا اور فرمانے لگے۔ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اسی طرح اذیت پہنچاتے ہوئے اس (بلال) کو قتل کر دیا تو میں اس پر نوحہ کروں گا۔ ایک دن ابوبکر صدیقؓ گزرے تو بھی یہ ظالم حضرت بلال کے ساتھ اسی طرح کر رہا تھا۔ آپ نے امیہ سے فرمایا کیا تو اس مسکین کے سلسلہ میں اللہ سے نہیں ڈرتا؟ کب تک تو اسے تکلیف پہنچاتا رہے گا؟ اس نے کہا: اگر آپ کو اس کی یہ حالت پسند نہیں تو اسے اس حالت سے نجات دلا دیں۔ آپ نے فرمایا۔ "ہاں میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو اس (بلال) سے زیادہ قوی ہے اور تیرے دین پر ہے وہ میں تجھے بلال کے بدلے میں دیتا ہوں۔ امیہ نے کہا مجھے یہ سودا منظور ہے۔ چنانچہ آپ رضؓ نے وہ غلام دے کر حضرت بلال کو آزاد فرما دیا۔ بلال کے ساتھ چھ اور غلاموں کو بھی آپ نے آزاد فرمایا۔

محمد بن اسحاق نے کہا۔ حضرت بلال رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی والدہ کا نام حمامہ تھا۔ اسلام میں سچے پکے اور پاکیزہ قلب والے تھے۔ آپ کا مالک امیہ آپ کو دوپہر کی گرمی میں مکہ کی تپتی ریت پر لٹا دیتا پھر آپ کے سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا جس سے آپ ادھر ادھر حرکت نہ کر سکتے پھر کہتا تیرے ساتھ اسی طرح کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ تو مر جائے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے "لات و عزیٰ" کی پوجا کرنے لگے مگر آپ تھے کہ اتنی تکلیف میں بھی احد احد کہے جا رہے تھے: حضرت عمار بن یاسر رضؓ حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں کی آزمائش اور صدیق اکبر کے آزاد کرانے کا ذکر مندرجہ ذیل اشعار میں یوں فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا نام عتیق بھی تھا۔

ترجمہ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے بلال رضؓ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر صدیق) کو جزائے خیر عطا فرمائی اور فاکہ و ابوجہل کو ذلیل و خوار فرمایا

۲۔ جب کہ ان دونوں نے بلال کے حق میں برائی کا ارادہ کیا اور نہ ڈرے جیسا کہ عاقل آدمی کو ڈرنا چاہیئے

۳۔ بلال کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے تمام لوگوں کے رب کو ایک مان لیا تھا اور اس بات کی گواہی دی تھی کہ اللہ ہی ان کا پروردگار ہے۔

۴۔ بلال نے کہا! اگر تم مجھے قتل کرنے کے درپے ہو تو بیشک مجھے قتل کر دو میں قتل کئے جانے کے خوف سے رحمٰن کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا۔

۵۔ اے ابراہیم، یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پالن ہار، مجھے ان ظالموں سے نجات فرما اور آزمائش میں نہ ڈال۔

حضرت عبداللہ کہتے ہیں پہلے پہل سات آدمیوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ بذاتِ خود رسول مقبولؐ ابوبکر صدیق عمار بن یاسرؓ ان کی والدہ سمیہ، صہیب رومی، بلال اور مقداد۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعے اور ابوبکر کی ان کی قوم کے ذریعہ حفاظت فرمائی۔ باقی تمام کو مشرکین پکڑ کر آہنی لباس پہنا دیتے پھر دھوپ میں ان کو پگھلاتے۔ حضرت بلال کو سب سے زیادہ تکالیف پہنچائی گئیں۔ اللہ کے راستے میں انہیں بہت ذلیل کیا گیا۔ کفارِ مکہ انہیں لڑکوں کے سپرد کر دیتے۔ لڑکے انہیں مکہ کی گلیوں میں گھماتے مگر وہ احد احد ہی کہے جاتے حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال۔ حبشہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔

عبداللہ الموزنی کہتے ہیں۔ میں بلال سے ملا تو ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کیسے چلتے تھے؟ حضرت بلال نے بتایا۔ آپؐ کے اخراجات کے انتظامات آپؐ کی وفات تک میرے سپرد تھے مگر کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ جب کوئی مسلمان مفلس آتا اور اس کے جسم پر لباس نہ ہوتا تو مجھے حکم فرماتے۔ میں قرض لے کر کپڑے خریدتا اور اس کو پہنا دیتا اور اس کے کھانے کا بھی انتظام کرتا۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلال کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس کھجور کا ایک ڈھیر رکھا تھا۔ آپؐ نے پوچھا۔ بلال! یہ کیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپؐ اور آپؐ کے مہمانوں کی خاطر ذخیرہ کر رکھا ہے آپؐ نے فرمایا۔ کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ یہ تیرے لئے آگ کا ایندھن بنے۔ اے بلال اسے خرچ کر ڈال اور عرش والے مہربان رب سے بھوک کا خوف نہ کر۔ ابوسعید خدری حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا۔ "یا بلال مت فقیراً ولا تمت غنیاً۔ اے بلال فقیر ہو کر مرنا نہ کہ غنی ہو کر۔ میں (بلال) نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہو گا۔؟"

فرمایا تجھے جو کچھ رزق عطا کیا جائے اسے چھپا کر نہ رکھ اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے اسے روک نہ رکھ۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ایسا میرے واسطے کیسے ممکن ہو گا؟

آپؐ نے فرمایا۔ یہ چیز ہو گی یا پھر آگ

حضرت انس روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے میں جتنی اذیت مجھے پہنچائی گئی۔ دنیا میں کسی کو نہیں پہنچائی گئی۔ پورا پورا مہینہ گزر جاتا تھا مگر میرے اور بلالؓ کے کھانے کے واسطے کوئی شے نہ ہوتی۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا۔ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے پاؤں کی آہٹ سنی۔ میں نے جبریل سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ جبریل نے بتایا کہ یہ بلال ہے۔ حضرت بریدہ بیان کرتے

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں اپنے آگے آگے آہٹ سنی میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ ملائکہ نے بتایا یہ بلال ہے اور اسے اس بات کی اطلاع کر دو۔ آپؐ نے بلال سے پوچھا: تو کس طرح جنت میں مجھ سے سبقت لے گیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جب بھی بے وضو ہوتا ہوں وضو کر لیتا ہوں اور ساتھ ہی دو رکعات نفل بھی ضرور پڑھتا ہوں۔ اسی قسم کی ایک روایت ابو حیان نے ابوہریرہ سے بھی بیان کی ہے۔ حضرت قیس کہتے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے پانچ اواق کے عوض بلال کو خرید کر آزاد فرمایا بلال نے عرض کیا۔ اے ابوبکر! اگر آپ نے مجھے محض اللہ کی خاطر آزاد کرایا ہے تو مجھے چھوڑ دیں کہ میں اللہ کے لئے عمل کرتا رہوں اور اگر آپ نے مجھے اپنا خادم بنانے کے لئے آزاد کرایا ہے تو مجھے خادم بنا لیجئے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے اور فرمایا: میں نے تجھے اللہ کے لئے آزاد کرایا ہے جاؤ تم آزاد ہو اللہ کے لئے عمل کرو۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں۔ خلافت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت بلال شام کی طرف جانے کی تیاری فرمانے لگے۔ حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا تو بلال سے فرمانے لگے: اے بلال تو ہمیں اس حال میں چھوڑ کر جا رہا ہے اگر تو یہاں رہ کر ہماری اعانت کرتا تو اچھا ہوتا۔

بلال کہنے لگے یا خلیفۃ الرسول! اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے جانے دیجئے اور اگر آپ نے اپنے لئے آزاد کرایا ہے تو بے شک مجھے اپنے پاس روک لیں یہ سن کر حضرت ابوبکر نے اجازت دے دی بلال شام کی طرف روانہ ہو گئے اور پھر وہیں وفات پائی۔

حضرت بلال ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کڑاکے کی سردی والی رات میں صبح کی اذان دی مگر کوئی آدمی مسجد میں نہ آیا۔ میں نے دوبارہ اذان دی مگر پھر بھی کوئی نہ آیا۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا ہو گیا ہے لوگوں کو؟ میں نے عرض کیا سردی نے انہیں روک رکھا ہے۔ آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! سردی کو توڑ دے۔ حضرت بلال کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لوگ صبح کے وقت گرمی کی وجہ سے دستی پنکھوں سے ہوا حاصل کر رہے ہیں۔

البراء بن مالک

البراء بن مالک، الانصاری حضرت انس بن مالک کے بھائی ہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ براء اہلِ صفہ میں سے ہیں۔ براء غزوہ احد اور ما بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ "تستر" کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ انتہائی نفیس القلب، سماع کی طرف مائل، ترنم پسند، بہادر اور شہ سوار تھے۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بہت سارے بوسیدہ کپڑوں والے جنہیں کوئی اپنے ہاں ٹھہرانے کو تیار نہیں ایسے عالی مرتبہ ہیں کہ اگر وہ اللہ کو کسی فعل پر قسم دے دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری فرمائے گا۔ ایسے خوش نصیب لوگوں میں براء بن مالک بھی ہیں۔ تستر کے روز لوگ ان کے پاس آئے اور کہا اے براء! اپنے رب کو قسم دو پھر انہوں نے کہا کہ

اے رب! جب تو نے ہمیں ان پر غلبہ دے دیا تو مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ شہید ہو گئے۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ براء بن مالک بڑے خوش آواز تھے۔ رسول مقبولؐ کے سامنے رجزیہ کلام پڑھتے۔ ایک سفر میں رجز کہتے کہتے عورتوں کے قریب چلے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایاک والقواریر۔ ایاک والقواریرؓ ہے براء ان نازک آبگینوں سے بچو

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ براء بن مالک پیٹھ کے بل لیٹے خوش الحانی کے ساتھ کچھ کہہ رہے تھے حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ میں نے انہیں آواز دی اور اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے، کیا تو خیال کرتا ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے سو مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچایا ہے خفیہ طور پر نہیں بلکہ للکارتے ہوئے اور ان کو قتل کرنے میں کوئی ایک میرا شریک نہ تھا۔

ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عمرو بن علی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان اہل صفہ میں سے تھے۔ وہ انتہائی قناعت پسند، پاک دامن، وعدے کے پکے اور ظریف الطبع تھے۔ جب انہوں نے سوال نہ کرنے اور بادشاہوں کے پاس نہ جانے کا عہد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے جنت کی ضمانت دی۔ یوسف بن عبد الحمید کہتے ہیں۔ میں حضرت ثوبان سے ملا۔ آپ نے میرے اوپر عمدہ قسم کے کپڑے اور انگوٹھی ملاحظہ فرمائی۔ فرمانے لگے۔ اے یوسف تو ان کپڑوں اور خصوصاً انگوٹھی سے کیا کرتا ہے؟ یہ انگوٹھیاں تو بادشاہوں کے لئے ہوتی ہیں۔ یوسف بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس کے بعد انگوٹھی پہننا چھوڑ دی۔ یہی یوسف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثوبان نے ان سے فرمایا کہ رسول مقبولؐ نے ایک مرتبہ اپنے اہل کے واسطے دعا فرمائی جس میں حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور دیگر حضرات کا نام لیا۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! کیا میں بھی اہل بیت میں سے ہوں؟ فرمایا جب تک کہ تو کسی سے سوال نہ کرے۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کون ہے جو مجھے ایک چیز کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔ حضرت ثوبان نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ضمانت دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کسی سے کوئی سوال نہ کر راوی کہتے ہیں کہ اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں بسا اوقات حضرت ثوبانؓ کے ہاتھ سے کوڑا اگر جاتا تو مگر کسی سے پکڑانے کو نہ کہتے خود اونٹ سے نیچے اترتے اور اٹھا لیتے۔ حضرت ثوبانؓ سے ایک روایت یوں بھی مروی ہے کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہ کرے گا تو میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں حضرت ثوبان نے ہامی بھر لی اس کے بعد آپ کسی سے کوئی سوال نہ فرماتے تھے۔

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بلا ضرورت سوال کیا روز قیامت اس کا چہرہ بے رونق ہو گا۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خزانہ چھوڑ کر مرا قیامت

کے دن وہ خزانہ گنجے اژدہے کی صورت میں اس کے سامنے پیش ہوگا اور کہے گا۔ تیرے لئے ہلاکت ہو۔ میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو چھوڑ کر مرا تھا اس کے بعد وہ اس کے ہاتھ کو پھر تمام جسم کو کاٹنا شروع کر دے گا حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونا اور چاندی چھوڑ کر مرے گا بروز قیامت اس کے سونا چاندی سے اسے قدموں سے لے کر ٹھوڑی تک داغ دیا جائے گا۔ ابو عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثوبان نے ان سے فرمایا۔ اے ابو عامر! اگر تیرے پاس موجود بکری کا دودھ تیری ضرورت سے زیادہ ہو تو اس زائد از ضرورت مقدار کو خرچ کر ڈال۔ حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب بہت ساری قومیں تمہارے اوپر ہر طرف سے یوں ہجوم کریں گی جس طرح بھوکے کھانے کے پیالے پر ہجوم کر آتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت تعداد میں بہت کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا تعداد کے اعتبار سے تو تم کم نہیں ہو گے مگر ہو گے سمندر کی جھاگ کی مانند، تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہارا رعب و خوف نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں تمہارے اپنے قلوب میں "وہن" پیدا ہو جائے گی۔ صحابہ نے دریافت کیا وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی۔ حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مہاجرین کہنے لگے کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال اچھا ہے کیونکہ سونا چاندی کی مذمت کے سلسلہ میں تو وحی الٰہی نازل ہو چکی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اگر تم لوگ کہو تو میں اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہوں۔ مہاجرین نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مہاجرین کا مسئلہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بہترین مال یہ ہے کہ تم میں سے کسی کی زبان اللہ کا ذکر کرنے والی ہو۔ اس کا قلب شکرِ الٰہی بجا لانے والا ہو اور اس کی بیوی ایسی ایماندار ہو کہ اس کے ایمان میں مددگار ثابت ہو۔ اعمش نے بھی سالم سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ ایک یہودی عالم آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے آپ سے ایک سوال کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا پوچھ۔ کہنے لگا جب زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے تو اس وقت لوگ کہاں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا لوگ تاریکی میں ایک پل کے نیچے ہوں گے۔ یہودی نے پوچھا۔ سب سے پہلے کون تاریکی سے نکلے گا؟ آپ نے فرمایا۔ فقراء مہاجرین۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل دینار وہ ہے جسے انسان اپنے اہل و عیال پر یا اللہ کے رستے میں اپنے چوپائے پر یا اللہ کے لئے اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔

ثابت بن ضحاک

حضرت ثابت بن ضحاک بھی اہلِ صفہ میں سے بتائے جاتے ہیں۔ آپ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہیں بیعت الرضوان کا شرف حاصل ہوا۔ آپ سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مومن کو کافر کہا گویا اس نے اسے قتل کیا۔ حضرت ثابت سے ایک روایت یوں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے ملتِ اسلام کی جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ جھوٹا ہی ہے۔

ثابت بن ودیعہ

ثابت بن ودیعہ الانصاری بھی اہل صفہ میں شامل بیان کئے جاتے ہیں۔

ثقیف بن عمرو

ثقیف بن عمرو بن شمیط الاسدی بنی امیہ کے حلفاء میں سے تھے۔ غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے بقول خلیفہ بن خیاط یہ بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔

ابوذر غفاری (جندب بن جنادہ)

حضرت ابوذر غفاریؓ انتہائی قدیم الاسلام ہیں یہاں تک کہ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔ آپ ظہورِ اسلام سے قبل کے توحید پرست اور عبادت گزار تھے آپ اہل صفہ کے ساتھ انس و محبت کی وجہ سے اکثر وقت انہی کے پاس گزارتے اس لئے یہاں اہل صفہ کی فہرست میں بھی ان کا نہایت مختصراً ذکر کیا جاتا ہے

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ ابوذر ہمیشہ خدمت نبوی میں مشغول رہتے جب فارغ ہوتے تو مسجد میں چلے جاتے کیونکہ مسجد ہی آپ کا گھر تھا۔ مسجد میں آ کر لیٹ جاتے۔ ایک رات رسول کریمؐ تشریف لائے آپ نے انہیں مسجد کے ریتیلے فرش پر سوتے ہوئے پایا۔ آپؐ نے اپنے پاؤں مبارک سے ہلایا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم مسجد میں سور ہے ہو؟ ابوذر نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں اور کہاں لیٹوں مسجد کے سوا میرا کوئی گھر ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خود بھی انہی کے پاس جلوہ فرما ہوئے۔

حضرت ابوذر بیان فرماتے ہیں کہ میں اصحاب صفہ میں موجود ہوتا۔ جب شام ہوتی تو ہم تمام حضورؐ کے دراقدس پر حاضر ہو جاتے آپؐ ہر آدمی کو حکم فرماتے کہ وہ اہل صفہ میں سے ایک کو لے جائے چنانچہ ہم میں سے دس افراد یا اس سے کچھ کم و بیش بچ رہتے۔ جب آپؐ کا کھانا آتا تو ہم سب مل کر آپؐ کے ساتھ کھاتے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو جاتے تو آپؐ فرماتے: جا کر مسجد میں سو جاؤ۔ حضرت ابوذر بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جبکہ وہ منہ کے بل اوندھے سوئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے انہیں پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا: اے جندب (ابوذر کا نام ہے) اس طرح منہ کے بل لیٹنا شیطان کا لیٹنا ہے۔

جرہد بن خویلد

جرہد بن خویلد الاسلمی بھی ساکنان صفہ میں سے ہیں۔ وہ صلح حدیبیہ میں موجود تھے۔ موصوف بیان کرتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے۔ اتفاق سے میری ران کھلی ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ ران کا ڈھانپنا ضروری ہے۔

جُعیل بن سراقہ

جعیل بن سراقہ الضمری بھی ساکنانِ صفہ میں شامل ہیں۔ محمد بن ابراہیم التیمی بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ نے عیینہ اور اقرع کو تو سو سو درہم یا دنانیر وغیرہ عطا فرمائے اور جعیل بن سراقہ الضمری کو یوں ہی چھوڑ دیا؟ آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جعیل بن سراقہ۔ عیینہ اور اقرع جیسے تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہے مگر میں نے ان کی تالیفِ قلب کی خاطر ایسا کیا ہے۔ حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا جعیل کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا جس طرح شکل کے اعتبار سے مسکین ہے طبیعت کے اعتبار سے بھی مسکین ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا۔ فلاں آدمی کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا سردار لوگوں میں سے ایک سردار ہے۔ آپؐ نے فرمایا جعیل روئے زمین کے ایسے تمام سرداروں سے بدرجہا بہتر ہے۔ میں نے عرض کی اگر فلاں ایسا ہے تو آپؐ اس کے ساتھ جعیل سے بہتر سلوک کیوں کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا دراصل بات یہ ہے کہ وہ (فلاں) اپنی قوم میں سردار ہے اور میں ان کی تالیفِ قلب کی خاطر ایسا کرتا ہوں۔

جاریہ بن جمیل

دار قطنی اور ابن جریر نے ذکر کیا کہ جاریہ بن جمیل بن شبۃ بن قرط اہل صفہ میں سے ہیں اور انہیں صحبت نبوی کا شرف حاصل تھا۔

حذیفہ بن الیمانؓ

حذیفہ چونکہ بہت سارا عرصہ اہلِ صفہ کے ساتھ رہے اس لئے ان کا ذکر بھی مختصراً یہاں کیا جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ اور ان کے والد مہاجرین میں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرفِ ہجرت اور شرفِ نصرت کے درمیان اختیار دیا۔ انہوں نے شرفِ نصرت کو اختیار کر لیا۔ لہٰذا انصار کے حلیف اور انصار کے زمرہ میں شمار ہوئے۔ قربِ قیامت کے فتنوں اور آفات کے جاننے والے عالم، عبادت گزار اور دنیا سے منہ موڑنے والے تھے غزوہ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے انہیں دشمن کی خبر گیری کے لئے رات کے وقت بھیجا۔ جب واپس آئے تو ہوا اور سردی سے بچاؤ کے لئے آپؐ نے اپنی عبائے مبارک کا ایک حصہ انہیں اوڑھنے کو عطا فرمایا

ابراہیم تیمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حذیفہ بن الیمان کے پاس موجود تھے۔ حذیفہ نے بیان کیا کہ ہم غزوہ احزاب کے موقع پر ایک سخت آندھی اور ٹھنڈک کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص اس وقت دشمن کی خبر لے آئے گا قیامت کے دن وہ میرے ساتھ ہوگا کسی نے کوئی جواب نہ دیا آپؐ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ اسی طرح فرمایا مگر کسی کی ہمت نہ پڑی بالآخر آپؐ نے فرمایا اے حذیفہ اٹھو اور دشمن کی خبر لے آؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں اس کے بعد میرے واسطے اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ میں اٹھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ دشمن کی صرف خبر لے آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں انہیں ڈرانا دھمکانا نہیں حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ وہ دشمن کی طرف یوں گئے جس طرح کوئی آدمی حمام میں چلتا ہے اور واپس بھی اسی طرح آئے دشمن کو احساس تک نہ ہونے دیا واپسی پر رسول کریمؐ کو دشمن کے حالات سے آگاہ کیا۔ حذیفہ کہتے ہیں مجھے سخت سردی محسوس ہو رہی تھی آپؐ نے اپنی عبا مبارک کا زائد حصہ مجھے پہنا دیا۔ میں صبح تک آپؐ کے پہلو میں سویا رہا جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بتینہ میں مست اٹھو۔

حذیفہ بن اُسید

حذیفہ بن اسید الغفاری اہلِ صفہ میں سے ہیں۔ بیعت رضوان میں شامل تھے۔ یہی حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ ہمارے پاس تشریف لے آئے جبکہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ یہ دس علامات ظاہر نہیں ہوں گی۔ دخان (دھواں)، دجال، دابۃ (چوپایہ) مغرب کی طرف سے طلوعِ سورج۔ تین جگہ خسف (زمین کا دھنس جانا) ایک مشرق، ایک مغرب اور ایک جزیرۃ العرب میں یاجوج وماجوج کا نکلنا آگ جو قعرِ عدن سے نکلے گی اور لوگوں کو میدانِ حشر کی جانب ہانک لے جائے گی ابو نعیم کہتے ہیں میرے خیال میں راوی نے ایک علامت یہ بھی بتائی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے۔ یہی حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے پہلے آگے جانے والا ہوں تم میرے پاس حوضِ کوثر پہ وارد ہوگے اس وقت میں تم سے دو چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا۔ میرے بعد ان دونوں کا خیال رکھنا۔ ان میں بڑی اور اہم چیز کتاب اللہ (قرآنِ مجید) ہے جس کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کے پاس اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنا تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں (قرآن اور عترت) قیامت تک جدا نہیں ہوں گی۔

حبیب بن زید

حبیب بن زید بن عاصم الانصاری قبیلہ بنی نجار سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اہل صفہ اور اہل عقبہ (جن

لوگوں نے مدینہ منورہ سے آکر مکہ مکرمہ میں ایک گھاٹی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تھی) میں شامل ہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مسیلمہ کذاب کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ وہ ملعون کہتا کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟" آپ فرماتے ہاں پھر وہ پوچھتا کیا تم میرے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو؟ آپ فرماتے مجھے سنائی نہیں دے رہا۔ اس نے آپ کو شہید کر دیا آپ کی والدہ ماجدہ کا نام "نسیبة" تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے جب افواج اسلامی نکلیں تو یہ عزت مآب صحابیہ بھی لشکر میں شامل ہوئیں اور بنفس نفیس جنگ میں شریک ہوئیں مسیلمہ کو اللہ تعالیٰ نے ٹھکانے لگایا۔ یہ صحابیہ جب مدینہ واپس پہنچیں تو ان کے جسم پر تلوار و نیزوں کے دس زخم تھے

حارثہ بن نعمان

حارثہ بن نعمان الانصاری النجاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ بدری ہیں اور ان آٹھ باہمت صحابہ میں سے ہیں جو غزوہ حنین میں ثابت قدم رہے آخری عمر میں آپ کی بصارت جاتی رہی تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے سوتے میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھا میں نے ایک قاری کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ ملائکہ نے بتایا یہ قاری حارثہ بن نعمان ہیں آپؐ نے فرمایا نیکی کا یہی اجر ہے حضرت حارثہ اپنی ماں کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ نیکی اور حسن سلوک کرنے والے تھے۔

حضرت حارثہ کی بینائی جب چلی گئی تو جائے نماز سے اپنے حجرے کے دروازے تک ایک دھاگہ باندھ لیا تھا اور اپنے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھتے جب کوئی مسکین آتا تو خود دھاگہ پکڑ کر جاتے اور مسکین کو کھجوریں پکڑا آتے اہل خانہ کہتے کہ اس خدمت کے لئے ہم سب حاضر ہیں آپ اتنی تکلیف کیوں کریں آپ فرماتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مسکین کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز پکڑانا موت کی سختی سے بچاتا ہے۔

حازم بن حرملہ

حازم بن حرملہ الاسلمی بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ ان سے ایک روایت یوں منقول ہے کہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں حاضر ہوا تو فرمایا اے حازم! لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے ورد کی کثرت کیا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

حنظلہ بن ابی عامر

حنظلہ بن ابی عامر الراہب الانصاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ آپ وہ عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہیں ملائکہ نے غسل دیا۔

حضرت حنظلہ اور ابوسفیان بن حرب کی غزوۂ احد میں مڈھ بھیڑ ہوئی تو حنظلہ ابوسفیان کو گرا کر اس کے اوپر چڑھ گئے۔ شداد بن الاسود جسے "ابن شعوب" کہا جاتا تھا نے دیکھ لیا اس نے بڑھ کر آپ پر تلوار کا وار کیا جس سے آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا

حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے ساتھی یعنی حنظلہ کو ملائکہ غسل دے رہے ہیں اس کی گھر والی سے دریافت کرو کیا معاملہ ہے؟ ان کی زوجہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنبی تھے جہاد کے واسطے پکارنے والے نے جب پکارا تو بلا نہائے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ ملائکہ نے انہیں غسل دیا۔[1]

حجاج بن عمرو

حجاج بن عمرؓ الاسلمی کی نسبت یہی کہا جاتا ہے کہ وہ اہل صفہ میں داخل ہیں۔

حکم بن عمیر

حکم بن عمیر الثمالی بھی اہل صفہ کی طرف منسوب ہیں۔ وہ شام میں رہائش پذیر تھے یہی حکم ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا میں مہمانوں کی طرح ہو جاؤ۔ مساجد کو اپنا گھر بناؤ۔ اپنے دلوں کو رقت کا عادی بناؤ۔ زیادہ رویا کرو، زیادہ خواہشات نہ کرو تم وہ مکانات بناتے ہو جن میں رہتے نہیں ہو وہ کچھ جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں ہو۔ ایسی ایسی امیدیں قائم کرتے ہو جن کو پا نہیں سکتے۔ آدمی کے دین میں نقص اور کمی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس کی خطائیں زیادہ ہو جائیں اس کا حلم و بردباری اور معرفت کم ہو۔ رات کو مردوں کی مانند سونے والا ہو، دن کو بیکار رہنے والا ہو، سست ہو، بے صبر اور گھبرا جانے والا ہو، کنجوس ہو اور لہو و لعب میں مست ہو۔

انہی حکم سے ایک حدیث یوں منقول ہے کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے، سر اور سر میں پیدا ہونے والے خیالات، پیٹ اور پیٹ میں جمع ہونے والی خوراک کی حفاظت کرو۔ موت اور موت کے وقت کی آزمائش کو یاد رکھو۔ جس شخص نے ایسا کیا اس کا بدلہ جنت کا ٹھکانہ ہے۔

[1] اس لئے آپ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں (ادارہ)

حرملہ بن ایاس

خلیفہ بن خیاط کے مطابق حرملہ بن ایاس بھی اہل صفہ میں شامل ہیں ان کا نام حرملہ بن عبداللہ العنبری بھی بتایا گیا ہے حرملہ کے ایک پوتے ان سے روایت کرتے ہیں کہ میں (حرملہ) ایک قبیلہ کے وفد کے ساتھ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں واپس ہونے لگا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو جب تم کسی مجلس میں بیٹھو اور وہاں ایسی باتیں سنو جو تمہیں پسند آئیں تو بعد میں دوسرے لوگوں کو بھی وہ باتیں سناتے رہو اور اگر مجلس میں ایسی گفتگو ہو جو تمہیں پسند نہ آئے تو اسے نہ دہراؤ ایک روایت اس طرح منقول ہے کہ حرملہ آپؐ کے پاس کئی دن ٹھہرے رہے جب واپس جانے لگے تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی حکم فرمایئے آپؐ نے فرمایا نیکی کرو اور بدی سے بچو۔ حرملہ کہتے ہیں واپسی میں مجھے خیال آیا کہ اگر میں کچھ مزید پوچھتا تو آپؐ مزید ارشاد دیتے چنانچہ میں نے دوبارہ لوٹ کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمایئے آپؐ نے وہی ارشاد فرمایا کہ برائی سے بچو اور نیکی بجا لاؤ نیز یہ کہ لوگوں کی جو بات تیرے کانوں کو اچھی لگے بعد میں تم بھی کہتے رہو اور جو بات اچھی نہ لگے اسے مت دہراؤ۔

خبّاب بن الارت

خباب بن الارت بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ آپ سابقین اولین اور مہاجرین میں سے ہیں آپ ان لوگوں میں بھی شامل ہیں جنہیں اللہ کے دین کو قبول کرنے کی پاداش میں تکالیف دی گئیں غزوۂ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک رہے مشہور راوی فضیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کردوسؒ کو یہ کہتے سنا کہ خباب بن الارت، اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے نمبر پر ہیں۔ لیلیٰ کندی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خباب حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خباب میرے قریب ہو کر بیٹھو۔ قریب بیٹھنے کا آپ سے زیادہ کوئی مستحق نہیں حضرت خبّاب نے عمر فاروقؓ کو اپنی پیٹھ کے وہ نشاناتِ زخم دکھائے جو مشرکین کے انہیں سزا دینے کی وجہ سے بن گئے تھے۔ قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ ہم خباب کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لئے گئے ہم نے دیکھا کہ ان کے جسم پر سات داغ ہیں۔ حضرت خباب فرمانے لگے کہ ہمارے ساتھی دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو گئے کہ وہ دنیا میں ملوث نہ ہوئے اور ہمارے پاس اس قدر مال آگیا ہے کہ ہم اسے سوائے تعمیرات پر لگانے کے اور کوئی مصرف ہی نہیں پاتے۔ قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ ہم پھر ایک مرتبہ ان کے پاس گئے تو وہ دیوار بنانے میں مصروف تھے فرمانے لگے مومن کو ہر عمل پر اجر ملتا ہے سوائے مکانات کے۔ اگر رسول مقبولؐ نے موت کی تمنا سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کے لئے دعا کرتا۔ آپ کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت خباب نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے تمام رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دی یہاں تک کہ فجر ہو گئی۔ خباب نے عرض کیا

یارسول اللہ! آج رات آپؐ نے ایسی نماز پڑھی کہ پہلے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ ہاں یہ امید و خوف کی نماز تھی۔ میں نے اپنے رب کریم سے تین چیزوں کا سوال کیا جن میں سے دو مجھے عنایت فرما دی گئیں اور ایک سے منع کر دیا گیا۔ میں نے سوال کیا تھا ایک تو میری امت اس طرح نہ ہلاک ہو جائے جس طرح دوسری امتیں ہلاک ہوئیں دوسرا میری امت پر ایسا دشمن نہ مسلط کر دے جو ان کو ہلاک کر دے تیسرا یہ کہ میری امت مختلف گروہوں میں نہ بٹ جائے۔ پہلے دو سوال منظور کر لئے گئے اور تیسرا روک لیا گیا۔ یحییٰ بن جعدہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام حضرت خباب کی عیادت کے واسطے گئے صحابہ نے کہا اے خباب تجھے بشارت ہو کہ تو عنقریب نبی اکرمؐ کے پاس پہنچ جائے گا۔ خباب کہنے لگے یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے جبکہ میرا دو منزلہ مکان ہے حالانکہ رسول اللہؐ نے تو یہ فرمایا تھا کہ تمہارے واسطے دنیا کی اتنی مقدار کافی ہے جتنا کہ مسافر کے پاس زادِ راہ ہوتا ہے۔

خنیس بن حذافہ

خنیس بن حذافہ السہمی بھی اہل صفہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ پہلے آپ کے عقدِ نکاح میں تھیں غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے ابتدائے اسلام میں ہی فوت ہو گئے حضرت حفصہ سے آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی آپ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح فرما لیا۔ حضرت عمر خود بیان فرماتے ہیں کہ حفصہ کی خنیس سے کوئی اولاد نہ ہوئی جب وہ فوت ہو گئے تو میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح بھیجا تو میں نے حفصہ کا نکاح کر دیا۔ بعد میں ایک دن ابوبکر ملے تو مجھے کہنے لگے حفصہ کی پیشکش کے جواب میں میری خاموشی پر شاید آپ ناراض ہو گئے ہوں۔ میں نے کہا ہاں مجھے اس بات کا رنج ہے حضرت ابوبکر نے کہا سوائے اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں نے رسول کریمؐ کو حفصہ کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا اور میں آپ کا راز افشا نہیں کرنا چاہتا تھا اگر آپؐ حفصہ سے نکاح نہ فرماتے تو میں ضرور نکاح کر لیتا۔

خالد بن یزید (ابوایوب الانصاریؓ)

محمد بن جریر کے بیان کے مطابق خالد بن یزید المعروف ابوایوب انصاریؓ اہل صفہ میں شامل ہیں۔ یہ ابوایوب وہی خوش نصیب صحابی ہیں جن کے گھر میں ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اس وقت تک ان کے گھر میں رہے جب تک کہ مسجد اور آپؐ کا حجرہ تعمیر نہ ہو گیا۔ ابوایوب کا مبارک مکان آج بھی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ مؤلف کہتے ہیں درحقیقت ابوایوب اہلِ عقبہ میں سے ہیں نہ کہ اہل صفہ میں سے۔ مکان ہوتے ہوئے انہیں صفہ میں رہنے کی چنداں ضرورت نہ تھی

آپ قسطنطنیہ میں فوت ہوئے اور وہیں فصیل کے ساتھ دفن ہوئے۔ ابن شہاب زہری نے بھی آپ کا نام ان لوگوں میں گنوایا ہے جو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے۔

آپ سے مروی روایات میں سے ایک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ دو آدمی اکھٹے مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے ہیں مگر جب لوٹتے ہیں تو ان میں سے ایک کی نماز دوسرے سے زیادہ وزنی ہوتی ہے اور دوسرے کی نماز ذرہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ ابو حمید الساعدی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوتا ہے (حالانکہ نماز تو بظاہر دونوں کی ایک جیسی ہے) آپؐ نے فرمایا جبکہ ایک عقل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہو۔ عرض کیا گیا۔ وہ کس طرح ؟ فرمایا جبکہ وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے والا اور بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے پر حریص ہو اگرچہ وہ نوافل میں کم ہی ہو۔ ابو ایوب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی مختصر سی تعلیم دیجئے آپؐ نے فرمایا جب نماز پڑھنے لگو تو یوں پڑھو کہ گویا یہ تمہاری زندگی کی آخری نماز ہے ایسی بات نہ کرو جس سے بعد میں معذرت کرنا پڑے اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس ہو جاؤ یعنی لوگوں سے کسی چیز کی امید نہ کرو۔

مشہور تابعی ابو رہم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاری کو یہ فرماتے سنا ایک دن نبی اکرمؐ گھر سے باہر صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرے رب نے مجھے ان دو باتوں کے درمیان اختیار دیا ہے کہ ایک کو منتخب کر لوں اپنی امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرا لوں یا اللہ کے مٹھی بھر لوگوں کی بخشش قبول کر لوں۔ ایک آدمی نے استعجاباً پوچھا یا رسول اللہ! کیا اللہ میاں آپؐ کو صرف ایک مٹھی دے گا ؟ حضورؐ دوبارہ حجرہ اقدس میں داخل ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد نکلے تو اللہ اکبر کہہ رہے تھے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مزید مہربانی فرمائی ہے کہ وہ ستر ہزار میں سے ہر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور لوگوں کی بھی مغفرت فرمائے گا اور مٹھی بھر بھی بخشش فرمائے گا۔ ابو رہم نے ابو ایوبؓ سے پوچھا حضرت! اللہ کی مٹھی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ لوگ مختلف قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ ابو ایوبؓ نے فرمایا۔ اپنے تمام ساتھیوں کو بلاؤ میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھی کے متعلق بتاتا ہوں۔ فرمایا نبی کریمؐ کے نزدیک مٹھی یہ ہے کہ تقریباً ہر وہ آدمی جس نے اس بات کی شہادت دی کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی ساجی نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں پھر زبان کے ساتھ اس کے قلب نے بھی تصدیق کی تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

خریم بن فاتک

احمد بن سلیمان المروزی نے کہا کہ خریم بن فاتک الاسدی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے انہیں رات کے وقت جبکہ یہ عراق میں تھے ایک ہاتف غیبی نے آواز دی اور کہا ؎

تیری ہلاکت ہو اللہ کی پناہ میں آجا۔ جو بڑی جلالت اور بزرگی والا ہے، نعمتیں عطا فرمانے والا اور فضل فرمانے والا ہے۔ سورۃ انفال کی آیات کی تلاوت کر، اللہ کو ایک مان اور کسی کی پروا نہ کر۔

یہ غیبی آواز سن کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے مدینہ پہنچے تو اس وقت نبی اکرمؐ منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر آپؐ کے ساتھ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ ان سے مروی احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان (خریم) کی طرف دیکھا اور فرمایا اے اللہ کے بندے کاش تجھ میں دو عادات نہ ہوتیں انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون سی؟ فرمایا چادر لٹکانا اور لمبے بال رکھنا۔ خریم نے فی الفور چادر کو اوپر کر لیا اور بال کٹوا دیئے۔

خریم بن اوس

بقول دار قطنی خریم بن اوس الطائی اہل صفہ میں سے ہیں اور مہاجرین سے بھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے صحابہ کو اس بات کی خبر دی کہ "مقام حیرہ" آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور آپؐ نے اس میں شیبانیت نفیلہ نامی عورت کو ملاحظہ فرمایا ہے کہ وہ سیاہی مائل سفید رنگ کے خچر پر سیاہ اوڑھنی پہنے ہوئے کھڑی ہے۔ خریم موصوف نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہم اسے فتح کرلیں اور اسے اسی حالت میں پائیں جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تو کیا وہ عورت میرے لئے ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ تیرے لئے ہوگی۔ بعد ازیں خالد بن ولید جب مسلیمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو یہ خریم بھی ساتھ تھے مسلیمہ کذاب کو جہنم رسید کرنے کے بعد لشکر اسلام الطف کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ حیرہ میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے اسلامی لشکر کی جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ وہی شیما نامی عورت تھی جس کے متعلق حضورؐ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ خریم نے اس کی ملکیت کا (بموجب فرمانِ نبوی) دعویٰ کیا۔ محمد بن مسلمہ اور عبداللہ بن عمر نے ان کے حق میں گواہی دی اور خالد بن ولید نے وہ عورت خریم کے سپرد کر دی۔ بعد ازاں اس عورت کا بھائی عبدالمسیح ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اس عورت کو میرے ہاتھ بیچ دو خریم نے کہا ہزار سے کم میں نہیں دوں گا۔ اس نے ہزار دیا اور کہا اگر تو ایک لاکھ بھی کہتا تو تجھے دے دیتا۔ خریم نے کہا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہزار سے زائد بھی گنتی ہوتی ہے۔ ایک روایت میں خریم بن اوس بیان کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت تبوک سے واپس تشریف لا چکے تھے میں نے اسلام قبول کیا اور بیٹھ گیا حضرت عباس نے اس وقت آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کی مدح میں کچھ کہنا چاہتا ہوں فرمایا کہیے اللہ تعالیٰ تیرے دانتوں کو کبھی نہ گرائے (اہل عرب کے ہاں اچھے کلام کے جواب میں دعائیہ کلمات ہیں)

خبیب بن یساف

ابوعبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق ابوعبدالرحمٰن خبیب بن یساف بن عتبہ اہل صفہ میں داخل ہیں اور ابوبکر بن ابی داؤد کے قول کے مطابق بدری ہیں۔

ان کے ایک پوتے انہی خبیب سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری قوم کا ایک آدمی نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ آپؐ اس وقت ایک غزوہ میں جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں اس بات سے شرم آرہی ہے کہ ہم اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تم مسلمان ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں تو آپؐ نے فرمایا ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ یہ خبیب بتاتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کیا اور آپؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے۔ دوران جنگ ایک آدمی نے مجھے تلوار ماری جس سے مجھے زخم پہنچا جواباً میں نے اس آدمی کو قتل کر دیا۔ بعد میں اسی مقتول کی لڑکی سے میری شادی ہوئی۔ وہ لڑکی مجھے کہا کرتی تو نے ایسے آدمی کو ختم کیا ہے جس نے تجھے یہ زخم لگایا ہے۔ میں کہا کرتا ملکہ میں نے اس کو جہنم رسید کیا ہے۔

دکین بن سعید

دکین بن سعید المزنی یا بقول بعض الخثعمی بھی اہل صفہ میں سے بتائے گئے ہیں۔ کوفہ میں رہتے تھے وہاں سے چار سو افراد کے ساتھ نبی اکرمؐ کے پاس آئے۔

شیخ ابونعیم فرماتے ہیں۔ موصوف کے صفہ میں رہنے اور اترنے کے سلسلہ میں کوئی صحیح روایت مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔

یہی دکین بن سعید ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم چار سو آدمی حضورؐ کے پاس آئے اور کھانا طلب کیا۔ آپؐ نے عمر فاروقؓ سے ارشاد فرمایا جاؤ۔ ان لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور ساتھ بھی انہیں کچھ دو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے پاس تھوڑی سی کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ انہیں کھجوروں سے میرا اور میرے بال بچوں کا گزارا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے عمر! بلا سوچے سمجھے وہی کرو جو آپؐ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر کھجوروں والے کمرہ کی طرف گئے اس کا دروازہ کھولا اور ان چار سو آدمیوں سے فرمایا۔ داخل ہو جاؤ، کھاؤ بھی اور ساتھ بھی لے جاؤ۔ یہ دکین بن سعید کہتے ہیں کہ کمرہ میں داخل ہونے والا میں آخری شخص تھا۔ میں نے حسب ضرورت کھجوریں اٹھالیں۔ میں نے دیکھا کہ کھجوروں کا ڈھیر بالکل اسی طرح موجود ہے جس طرح پہلے تھا۔ یہ واقعہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

ذوالبجادینؓ (عبداللہ)

علی بن مدینی کے بیان کے مطابق عبداللہ ذوالبجادین بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ ذوالبجادین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ اپنے چچا کی زیر کفالت تھے وہ ان کی ہر طرح نگہداشت کرتا جب آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے اصرار کے باوجود اسلام پر قائم رہے تو اس نے آپ کے جسم سے لباس تک اتروا لیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو ایک دھاری دار کپڑا دیا جس کے آپ نے دو حصے کئے ایک کا تہہ بند بنا لیا اور دوسرے کو بطور چادر اوپر اوڑھ لیا۔ بعد ازیں نبی اکرمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا عبدالعزیٰ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تو عبداللہ ذوالبجادین ہے اس وقت سے آپ کو ذوالبجادین کہا جانے لگا۔ غزوۂ تبوک میں شہید ہوئے۔ حضورؐ ان کی قبر میں بنفس نفیس داخل ہوئے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے دفن کرنے کے بعد فرمایا۔ اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

رفاعہ ابولبابہ

ابوعبداللہ الحافظ النیشاپوری کے بیان کے مطابق رفاعہ ابولبابہ الانصاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان کا نام بشیر بن عبدالمنذر بھی بتایا گیا ہے۔ یہ رفاعہ بدری بھی تھے۔ انہی رفاعہ ابولبابہ سے ایک حدیث یوں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کا روز تمام ایام کا سردار ہے۔ اللہ کے ہاں اس کی عظمت عید قربان اور عید الفطر سے بھی زیادہ ہے۔ جمعہ کے دن میں پانچ خصلتیں ایسی ہیں جو باقی ایام میں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی روز پیدا کیا گیا۔ اسی دن زمین پر اتارے گئے، اسی دن وفات پائی۔ اس دن میں ایک گھڑی ایسی ضرور آتی ہے جبکہ بندے کی دعا (سوائے حرام کے) لامحالہ قبول کی جاتی ہے۔ تمام ملائکہ، آسمان، زمین، پہاڑ، ہوائیں اور سمندر وغیرہ میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جو جمعہ کے روز سے ڈرتی نہ ہو کہ کہیں اس میں قیامت نہ برپا ہو جائے۔

ابورزین

ابورزین کا شمار بھی اہل صفہ میں کیا گیا ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت عبدالرحمٰن نے نبی اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اہل صفہ میں سے ایک آدمی جس کی کنیت ابورزین تھی سے فرمایا اے ابورزین! جب تو خلوت میں بیٹھے تو اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں متحرک رکھ کیونکہ جب تک تو اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہے گا۔ گویا نماز کے اندر رہے گا اگر علانیہ ذکر کرے گا تو علانیہ نماز میں اور اگر خلوت میں ذکر کرے گا تو خلوت کی نماز میں ہو گا۔ اے ابورزین جب لوگ رات کے قیام اور دن کے روزہ کی تکلیف اٹھا رہے ہوں تو تو عامۃ المسلمین کی خیر خواہی کی مشقت اٹھا۔ اے ابورزین جب

لوگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہوں اور تو چاہے کہ تیرا اجر بھی ان کے برابر ہو تو مسجد کو لازم پکڑ لے اور اس میں بغیر معاوضہ کے اذان دیا کر۔

یہی ابورزین بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا! اے ابورزین! کیا میں تجھے ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو؟ وہ یہ کہ ذکر الٰہی کرنے والوں کی مجالس میں بیٹھا کر۔ جب تنہائی میں ہو تو مقدور بھر اپنی زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھا کر۔ کسی کے ساتھ محبت رکھے تو اللہ کی وجہ سے اور بغض رکھے تو بھی اللہ کی وجہ سے یعنی اللہ کی رضا کی خاطر۔ اے ابورزین! کیا تو اس بات کو سمجھتا ہے کہ جب آدمی اپنے کسی بھائی کی زیارت کے لئے نکلتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کو رخصت کرنے کے لئے اس کے ساتھ نکلتے ہیں اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اے ابورزین! اگر تجھ سے یہ عمل ہو سکے تو کیا کر۔

زید بن خطاب

ابوعبداللہ الحافظ النیشاپوری کے بیان کے مطابق حضرت زید بن خطاب بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ آپ مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں لڑی گئی جنگ میں شہید ہوئے غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن والد محترم حضرت عمرؓ نے چچا جان حضرت زید سے کہا میری یہ زرہ پکڑ رکھو میں جنگ میں شریک ہوتا ہوں انہوں نے جواباً کہا جس طرح آپ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں میں بھی رکھتا ہوں چنانچہ دونوں بھائی زرہ کو چھوڑ کر جہاد میں شریک ہو گئے۔

سلمان فارسی

حضرت سلمان فارسی کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ کا شمار بھی اہل صفہ میں ہوتا ہے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ چار آدمی سبقت لے جانے والے ہیں میں اہل عرب سے صہیب اہل روم سے، سلمان اہل فارس سے اور بلال اہل حبشہ سے۔ آپ انتہائی عابد، زاہد، صابر، شاکر اور قلت و شدائد پر صبر فرمانے والے تھے۔ آپ سے متعدد روایات مروی ہیں مثلاً آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کا قلب اللہ کے راستے میں کانپتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح کھجور کے درخت سے کھجور کے خوشے گرتے ہیں۔

ایک حدیث میں بیان کیا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا میں ان ہر دو آدمیوں کے لئے قیامت کے دن شفاعت کروں گا جو محض اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے بھائی بنے رہے۔

سعد بن ابی وقاص

حضرت سعد ایک روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ آیت "ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی" ہمارے حق میں نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اہل صفہ میں شامل رہے ہیں۔

حضرت سعد سابقین اولین اور مہاجرین میں سے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ تیسرے اور ایک روایت کے مطابق آپ ساتویں ایمان لانے والے ہیں۔ اسلام کی پاداش میں آپ کو متعدد شدائد و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ قبیلہ، برادری اور مال و جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑے مگر آپ نے دامن اسلام کو نہیں چھوڑا۔ حضور نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ سعد کے نشانہ کو ٹھیک بیٹھنے والا بنا اور اس کی دعاؤں کو قبول کر یعنی اس کو مستجاب الدعوات بنا چنانچہ حضور کی یہ دعا قبول ہوئی۔ بیماری کے دوران ایک مرتبہ انہیں اپنی موت کا خدشہ ہوا تو حضور نے پیشین گوئی فرمائی کہ ابھی تیری زندگی باقی ہے۔ بہت سارے لوگوں کو تجھ سے نفع اور بہت سارے لوگوں کو تم سے نقصان بھی پہنچے گا چنانچہ عراق و مصر وغیرہ کے علاقے آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوئے

آپ سے متعدد احادیث بھی مروی ہیں مثلاً آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کن لوگوں کو سب سے زیادہ ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ نے فرمایا انبیاء کرام اور پھر دین کے اعتبار سے ان کے مماثل لوگ پھر کلیے کے طور پر واضح فرمایا کہ ہر آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا گیا جو دین میں جتنا سخت تھا اتنے ہی سخت مصائب اس پر آئے۔ دین میں نرمی تھی تو آزمائش میں بھی نرمی برتی گئی۔ مومنین کے لئے ابتلاء و آزمائش اور تکالیف گناہوں سے کفارہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مصیبت میں گرفتار مومن پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جبکہ اس کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

حضرت سعد بتاتے ہیں کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو پسند فرمایا ہے جو پرہیزگار ہو غنی ہو اور صاحب علم و کرم ہو۔

سعید بن عامر

واقدی کے بیان کے مطابق سعید بن عامر بن حذیم الجمحی بھی اہل صفہ میں شامل تھے۔ مدینہ میں ان کی کوئی دکان نہیں تھی۔ دنیا سے انتہائی بے رغبت، اور ایثار و قربانی کے پیکر تھے جو کچھ ہاتھ آتا فقراء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رض کو ان کی فقر و تنگ دستی کی حالت معلوم ہوئی تو ہزار دینار ان کی خدمت میں برائے ضروریات بھیجے۔ وہ دینار لے کر زوجہ محترمہ کے پاس گئے اور کہا عمر رض نے یہ دینار ہمارے

واسطے بھیجے ہیں۔ بیوی نے کہا بہتر ہے کہ آپ تھوڑا سا کھانا اور سالن وغیرہ خرید لیں اور باقی پیسوں کو جمع کر کے رکھ لیں تاکہ بعد میں کام آئیں۔ فرمایا کیا میں اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں وہ یہ کہ ساری رقم ایک ایسے شخص کے ہاں رکھ دیتے ہیں جو ہمارے لئے تجارت کرے گا۔ ہم اس کے منافع سے کھاتے رہیں گے اور راس المال محفوظ رہے گا۔ بیوی نے کہا۔ ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے کھانا، سالن، دو غلام اور دو اونٹ خرید لئے باقی تمام رقم مساکین اور حاجتمند لوگوں میں تقسیم فرما دی۔

سفینہ ابو عبدالرحمٰن

یحییٰ بن سعید القطان کے بیان کے مطابق حضورؐ کے غلام حضرت سفینہ بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ وہ ساری زندگی نبی کریمؐ کی خدمت کریں گے چنانچہ انہوں نے پورے دس برس آپؐ کی خدمت کی۔ حضرت سفینہ خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام سلمہؓ نے خریدا اور مجھے اس شرط پر آزاد کیا کہ میں تادم حیات نبی کریمؐ کی خدمت میں رہوں چنانچہ میں نے زندگی بھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا۔

سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ سے ان کی وجہ تسمیہ پوچھی (یاد رہے سفینہ کا لغوی معنی کشتی ہے) آپ نے فرمایا میرا یہ نام یعنی سفینہ نبی اکرمؐ نے رکھا ہے۔ سعید کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا یہ نام کیوں تجویز فرمایا؟ سفینہ نے بتایا کہ ایک دن حضورؐ مع دیگر اصحابہ کے ایک سفر پر نکلے تمام لوگوں کا ساز و سامان ان پر بھاری ہونے لگا۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا! اپنی چادر پھیلاؤ۔ چنانچہ میں نے چادر پھیلا دی۔ آپؐ نے تمام لوگوں کا ساز و سامان اس میں رکھ دیا اور وہ گٹھڑی میرے سر پر رکھ دی اور فرمایا اس سامان کو لے کر چلو تم "سفینہ" ہو۔ حضرت سفینہ کہتے ہیں اگر اس دن چھ اونٹوں کا بوجھ بھی مجھ پر لاد دیا جاتا تو مجھے معلوم نہ ہوتا۔

حضرت سفینہ اپنا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ میں سمندر میں کشتی پر سوار ہوا۔ طغیانی موجوں کے طمانچوں سے کشتی ٹوٹ گئی۔ میں نے لکڑی کے ایک تختہ کو پکڑ لیا۔ اس تختہ نے مجھے ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں شیر رہا کرتا تھا۔ آدم زاد کو دیکھ کر شیر مجھ پر حملہ آور ہونے لگا تو میں نے کہا۔ اے ابوالحارث (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہ ہوں۔ یہ سن کر شیر نے سر جھکا لیا اور مجھے اپنے کندھوں سے اشارہ کرتے ہوئے چلانے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے رستے پر لا کھڑا کیا۔ جب مجھے رستہ پر پہنچا دیا تو اس وقت آواز نکالی۔ میں نے سمجھا کہ یہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔

حضرت سفینہ ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کے ہاں ایک مرتبہ ایک مہمان ٹھہرا

اس کا کھانا تیار ہوا تو حضرت فاطمۃ الزہرا نے فرمایا ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی درخواست کرو کہ آپ بھی کھانے میں شرکت فرمائیں۔ حضرت علیؓ نے خدمت نبوی میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی بھی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ مزین اور نقش و نگار والے گھر میں داخل ہو۔

(تشریح) یہ اس لئے کہ اس دن حضرت فاطمۃ الزہرا کے دروازے پر ایک ایسا پردہ پڑا ہوا تھا جس پر تصویر تھی۔

سعد بن مالک (ابو سعید الخدری)

ابو عبید القاسم بن سلام کے قول کے مطابق حضرت سعد بن مالک (المعروف) ابو سعید الخدری بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ وہ اگرچہ انصاری تھے اپنا گھر بار تھا اس کے باوجود فقر اور پاکدامنی کو اختیار فرمایا۔

ابو سعید الخدری خود نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے اہل و عیال نے ان سے تنگ دستی کی شکایت کی۔ وہ نبی اکرمؐ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپؐ سے کوئی سوال کریں۔ جب آپ نبی اکرمؐ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپؐ منبر پر بیٹھے یہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اے لوگو! کسی سے کچھ مانگنے اور سوال کرنے سے بچو جو شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا جو شخص غنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی بنائے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے انسان کو جو کچھ رزق دیا جاتا ہے اس میں صبر سے بڑی کوئی نعمت نہیں اس کے باوجود اگر تم مجھ سے سوال کرنے سے باز نہ آئے تو میں تمہیں وہی کچھ دے سکوں گا جو میرے پاس موجود ہو گا۔

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کن لوگوں کو سب سے زیادہ آزمایا گیا؟ فرمایا انبیاء کو۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کن کو؟ فرمایا صالحین کو۔ فقر میں انہیں یہاں تک آزمایا گیا کہ ان کے پاس سوائے کھجور کے اور کوئی شے نہ ہوتی۔ اس کے باوجود وہ آزمائش کے دور میں زیادہ خوش ہوتے بہ نسبت فراخی کے ایام کے۔

ابو سعید ایک روایت یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ جب اللہ کسی بندے پر راضی ہوتا ہے تو سات گنا بھلائی اس کی طرف موڑ دیتا ہے اور جب ناراض ہو تو سات گنا برائی۔

سالم مولیٰ ابی حذیفہ

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ عبادات میں نہایت مخلص اور باتوکل آدمی تھے

بہت بڑے حافظ اور بلند پایہ قاری تھے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن مجید ان چار آدمیوں سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اولین جب ہجرت کر کے مقام عصبہ (قبا کے نزدیک) میں ٹھہرے تو نبی اکرمؐ کی تشریف آوری سے قبل سالم مولیٰ ابی حذیفہ انہیں نمازیں پڑھاتے رہے کیونکہ وہ سب سے بہتر اور زیادہ قرآن پڑھے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان سالما شدید الحب للّٰہ عز وجل" بے شک سالم اللہ تعالیٰ کی محبت میں بڑا سخت اور مضبوط ہے۔

جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو سینے کے ساتھ تھام لیا اور پڑھنے لگے۔ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم۔" یہاں تک کہ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات مجھے نبی اکرمؐ کی خدمت میں پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ جب میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آج میں نے مسجد میں ایک ایسے آدمی کو قرآن مجید پڑھتے سنا ہے جس کی مثل میں نے کبھی نہیں سنا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اس شخص کو دیکھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہو لی۔ حضورؐ نے پوچھا جانتی ہو یہ کون شخص ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا! یہ ابو حذیفہ کا غلام سالم ہے پھر فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے افراد کو پیدا فرمایا۔

سالم بن عبید الاشجعی

سالم بن عبید الاشجعی بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ بعد میں صفہ سے نکل کر کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے ایک حدیث ان سے یوں مروی ہے کہ نبی اکرمؐ کے مرض الوفات نے جب شدت اختیار کی تو آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب آپؐ ہوش میں آئے تو فرمایا: بلال سے کہو کہ اذان دے اور ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھلائے اس فرمان کے بعد پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ میرے باپ بہت زیادہ رقیق القلب ہیں وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے اگر آپؐ ان کے علاوہ کسی کو فرما دیں تو بہتر ہو گا۔ فرمایا تم وہی عورتیں ہو جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہکانا چاہا تھا۔ بلال سے کہو کہ اذان دے اور ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

سالم بن عمیر

ابو عبداللہ الحافظ النیشاپوری کے بیان کے مطابق سالم بن عمیر بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ قبیلہ اوس میں سے بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف سے متعلق تھے۔ غزوۂ بدر میں شہادت پائی۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی : "تولوا و اعینہم تفیض من الدمع" وہ اس حال میں لوٹے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ آیت (ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع) (التوبہ : ۹۲)

(ان لوگوں پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں جو آپ کے پاس حاضر ہوئے کہ آپ انہیں جہاد کے لئے مسلح کریں مگر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے مسلح کرنے کی کوئی شے نہیں تو وہ واپس ہو گئے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے سالم کے حق میں نازل ہوئی۔

سائب بن خلاد

حافظ نیشاپوری کے قول کے مطابق سائب بن خلاد بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ موصوف سے ایک حدیث یوں نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے اہل مدینہ طیبہ کو خوفزدہ کیا۔ دریں صورت کہ وہ ان پر ظلم کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے خوفزدہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ، تمام ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی۔ اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قابل قبول نہ ہو گا۔

شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جعفر صادق کے بیان کے مطابق رسول کریمؐ کے غلام "شقران" بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ موصوف سے ایک حدیث یوں منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گدھے پر سوار خیبر کی طرف جا رہے ہیں۔

شداد بن اسید

شداد بن اسید بھی اہل صفہ میں سے ہیں ان کے ایک پڑپوتے عمرو بیان کرتے ہیں کہ ان کے جد امجد حضرت شداد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں صفہ میں ٹھہرایا۔

ان کے یہی پڑپوتے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے جد امجد نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے دست

اقدس پر ہجرت کرنے کی بیعت کی لیکن بعد میں بیمار ہو گئے اور ہجرت نہ کر سکے۔ حضورؐ نے ایک دن ہجرت نہ کرنے کی وجہ پوچھی عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بیمار ہو گیا ہوں اور اگر کچھ دن مزید وادیٔ بطحان کا پانی پی لیتا تو ٹھیک ہو جاتا آپؐ نے فرمایا تو اس میں تجھے کیا چیز مانع ہے ؟ عرض کیا ہجرت آپؐ نے فرمایا۔ جا تو جہاں بھی رہے مہاجر ہی ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک

حضرت ابوہریرہؓ کے ایک قول کے مطابق صہیب بن سنان بن مالک بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ سابقین اولین اور مہاجرین میں سے تھے اپنے تن من دھن کو اللہ کے راستے پر لگانے والے تھے فقراء و مساکین کو کثرت سے کھلانے والے تھے سفر اور حضر میں آپؐ کے ساتھ رہے خود بیان فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے کوئی ایسا غزوہ نہیں فرمایا جس میں میں حاضر نہ ہوں کوئی ایسی بیعت نہیں فرمائی جس میں میں شریک نہ ہوا ہوں کوئی ایسا سریہ آپؐ نے روانہ نہیں فرمایا جس کے اندر میں شامل نہ ہوا ہوں۔ شروع زمانہ سے لے کر آخر تک ہر غزوہ میں میں حضورؐ کی دائیں جانب ہوتا یا بائیں جانب اگر دشمن سامنے سے حملہ کرتا میں آپؐ کے آگے ہوتا اگر دشمن پیچھے سے حملہ آور ہوتا تو آپؐ کے پیچھے ہو لیتا غرض کبھی میں نے اپنے اور دشمن کے درمیان میں رسول کریمؐ کو نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ آپؐ وصال فرما گئے۔

سعید بن المسیب نقل کرتے ہیں کہ صہیب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے لگے تو قریش کے چند افراد نے ان کا پیچھا کیا۔ آپ سواری سے اتر آئے اور ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے افراد قریش تم جانتے ہو کہ میں تم میں بہترین تیر انداز ہوں۔ خدا کی قسم جب تک میں اپنی ترکش کے تمام تیر تم پر پھینک نہ لوں گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے پھر جب تیر ختم ہوں گے تو میں تمہارے ساتھ تلوار کے ساتھ لڑوں گا تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو میری طرف سے تمہیں چیلنج ہے اور اگر پسند کرو تو میں تمہیں اپنے مال اور کپڑوں وغیرہ کا پتہ بتا دیتا ہوں وہ مال و اسباب تم لے لو اور مجھے چھوڑ دو انہوں نے کہا ٹھیک ہے آپ نے اپنا مال و متاع ان کے سپرد کیا اور خود عازم مدینہ ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپؐ نے فرمایا۔ "ربح البیع ابا یحییٰ، ربح البیع ابا یحییٰ۔" اے ابو یحییٰ تیرا سودا بہت نفع بخش ہے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغآء مرضات اللہ۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جانوں کو بیچ ڈالتے ہیں۔

حضرت صہیب لوگوں کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مال میں اسراف ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔ بنا بریں میں لوگوں کو کھانا کھلاتا ہوں پھر حضرت عمر فاروقؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت صہیب ایک حدیث یوں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے
اے اللہ تو ایسا معبود نہیں جسے ہم نے پیدا کیا ہو اور نہ تو ایسا رب ہے جسے ہم نے گھڑا ہو۔ تجھ سے پہلے ہمارا کوئی معبود نہیں تھا کہ جسے چھوڑ کر اس کی پناہ لیں۔ ہماری تخلیق میں تیری کسی نے اعانت نہیں کی کہ ہم اسے تیرے ساتھ شریک ٹھہرائیں۔ اے اللہ تو بہت زیادہ بابرکت اور بڑا بلند ہے۔ کعب کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بھی اسی طرح دعا کیا کرتے تھے۔

صفوان بن بیضاء

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق صفوان بن بیضاء بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ بنی فہر سے تعلق رکھتے تھے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سریہ عبداللہ بن جحش کے ساتھ بھیجا۔ اس سریہ میں شریک لوگوں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
(ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے۔ ہجرت کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا وہی لوگ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

طخفہ بن قیس

طخفہ بن قیس الغفاری بھی اہل صفہ میں سے تھے مدینہ میں رہے اور صفہ میں وفات پائی۔ موصوف خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو ساتھ لے جاؤ چنانچہ کوئی ایک کو اور کوئی دو کو لے گیا۔ آخر میں پانچ آدمی رہ گئے جن میں موصوف بھی شامل تھے۔ طخفہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا "میرے ساتھ چلو" چنانچہ ہم آپ کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ ہمیں کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ وہ ثرید لے آئیں ہم نے کھا لیا پھر وہ حلوہ لے آئیں ہم نے وہ بھی کھا لیا پھر وہ ایک پیالے میں دودھ لے آئیں ہم نے وہ بھی پی لیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہیں رات گزارو اور چاہو تو واپس مسجد میں چلے جاؤ۔ ہم نے عرض کیا ہم مسجد میں چلتے ہیں۔ یہ طخفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں پیٹ کے بل یعنی اوندھا لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میرے پاؤں کو ہلایا اور کہا۔ اس طرح لیٹنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ طخفہ کہتے ہیں میں نے دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔

طلحہ بن عمرؓ

طلحہ بن عمرو البصری بھی اہل صفہ میں شمار ہوتے ہیں طلحہ خود بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کے پاس آنے والے آدمی کا مدینہ میں کوئی واقف ہوتا تو وہ اس کے پاس ٹھہرتا ورنہ اسے اصحاب صفہ کے پاس ٹھہرایا جاتا۔ طلحہ بتاتے ہیں میں انہی لوگوں میں سے تھا جنہیں صفہ میں ٹھہرایا گیا روزانہ ایک آدمی حضورؐ کی جانب سے دو دو آدمیوں میں ایک ایک مد تقریباً آدھ سیر کھجور تقسیم کرجاتا۔ ایک دن آپؐ نے نماز کا سلام پھیرا تو ایک آدمی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! کھجور نے ہمارے پیٹ جلا دیئے ہیں اور ہماری چادریں پھٹ گئی ہیں حضور منبر پر تشریف فرما ہوئے حمد و ثنا کے بعد ان مصائب و آلام کا ذکر فرمایا جو آپؐ کو اپنی قوم کی طرف سے پہنچے تھے پھر فرمایا میں اور میرا ساتھی دس سے کچھ اوپر راتیں بغیر کھائے کے رہے سوائے پیلو کے درخت کے پھلوں کے اور کوئی چیز ہمارے کھانے کے لئے نہیں تھی جب ہم انصار بھائیوں کے پاس آئے تو ان کا بڑا کھانا کھجور تھا چنانچہ انہوں نے کھانے کے سلسلہ میں ہماری مدد کی۔ اگر میں تمہارے واسطے روٹی اور گوشت پاتا تو تمہیں ضرور کھلاتا گھبراؤ نہیں عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ تم ایسا مزین اور منقش لباس زیب تن کرو گے جیسا کہ کعبہ کا غلاف ہے صبح شام تمہارے دسترخوانوں پر بڑے بڑے پیالے گردش کریں گے۔

الطفاوی الدوسی

ابونفرہ کے قول کے مطابق طفاوی الدوسی بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ طفاوی خود نقل کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو ایک ماہ تک حضرت ابوہریرہ کے پاس ٹھہرا رہا۔ مجھے سخت بخار ہو گیا۔ رسول کریمؐ مسجد میں تشریف لائے تو پوچھا دوسی لڑکا کہاں ہے؟ عرض کیا گیا اسے بخار ہے اور مسجد کے کونے میں پڑا ہوا ہے۔ حضورؐ تشریف لائے اور میری بیمار پرسی کی۔

عبداللہ بن مسعود

یحییٰ ابن معین کے بیان کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود بھی اہل صفہ میں شامل ہیں بہت بڑے فقیہ تھے کتاب اللہ کے تبحر عالم تھے سابقین اولین اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور وزراء میں سے تھے۔

حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے آرہا ہوں جو اپنی تلاوت سے دلوں میں ہلچل مچا دیتا ہے حضرت عمر گھبرا کر غصہ میں آگئے فرمایا: ذرا دیکھو تو کیا

کہہ رہا ہے اس نے عرض کیا عالی جاہ! سچ کہہ رہا ہوں فرمایا: وہ شخص کون ہے؟ اس نے عرض کیا وہ عبداللہؓ بن مسعود ہیں یہ سن کر آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور فرمایا۔ میں ان کے سوا کسی ایک کو اس بات کا حقدار تصور نہیں کرتا۔ اس کے بعد اس شخص سے فرمایا میں تمہیں عبداللہؓ بن مسعود کے متعلق ایک اور بات بتاتا ہوں وہ یہ کہ ہم ایک مرتبہ رات گئے تک ابوبکر کے گھر میں نبی کریمؐ کے ایک کام کے سلسلہ میں بات چیت کرتے رہے۔ فارغ ہو کر جب ہم نکلے تو نبی اکرمؐ میرے اور ابوبکر کے درمیان چل رہے تھے۔ جب ہم مسجد کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا قرآن مجید پڑھ رہا ہے حضورؐ کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ رک گئے ہیں۔ آپؐ نے ہاتھ سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔ حضرت عمر بتاتے ہیں کہ اس آدمی نے قرأت قرآن کے بعد رکوع و سجود کیا اور دعا و استغفار کرنے لگا۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا تو مانگ باری تعالیٰ تجھے عطا فرمائے گا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کو اسی طرح پڑھے جس طرح نازل ہوا تو وہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت پڑھے۔ میں اور میرے ساتھی (ابوبکر) نے سمجھ لیا کہ یہ شخص عبداللہ بن مسعود ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں عبداللہؓ کے پاس پہنچا تاکہ انہیں بشارت نبوی سناؤں انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ بشارت پہنچانے میں ابوبکر مجھ سے سبقت لے گئے ہیں۔ حضرت عمر اعتراف کرتے ہیں کہ خیر کے کام میں جب بھی میں نے حضرت ابوبکر صدیق سے سبقت لے جانا چاہی نہ لے جا سکا۔ ابوبکر ہمیشہ مجھ سے بڑھ جاتے۔

عبداللہؓ بن مسعود خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکیلے حضورؐ کی زبان اقدس سے ستر سورتیں سیکھیں درانحالیکہ میرا کوئی اور شریک نہ تھا حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں قریب البلوغ لڑکپن میں مکہ مکرمہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے ابوبکر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے لڑکے کیا تو ہمیں دودھ پلائے گا؟ میں نے کہا یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں لہٰذا میں دودھ پلانے سے قاصر ہوں آپؐ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی ایسی چھوٹی بکری ہے جسے ابھی نر نے نہ چھوا ہو چنانچہ میں ایک بکری کا بچہ پکڑ کر لایا ابوبکر نے اس کی ٹانگوں کو پکڑ رکھا۔ حضورؐ نے اس کے تھن کو پکڑ کر دعا فرمائی تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا آپؐ نے دودھ دوہا خود پیا اور ابوبکر کو بھی پلایا پھر آپؐ نے تھن سے مخاطب ہو کر فرمایا سکڑ جا چنانچہ وہ سکڑ گیا۔ میں یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کلام پاک مجھے بھی سکھائیے۔ آپؐ نے فرمایا "انک غلام معلم" بے شک تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے اس کے بعد میں نے براہ راست آپؐ سے ستر سورتیں سیکھیں جن کے سیکھنے میں میرے ساتھ کوئی اور آدمی شامل نہیں تھا۔

عبداللہ بن شداد بن الہاد بیان کرتے ہیں کہ "ان عبداللہؓ کان صاحب الوساد والسواد والسواکؑ والنعلین۔" (حضرت عبداللہ بن مسعود حضورؐ کا تکیہ سامان حرب، مسواک اور جوتے مبارک سنبھالنے والے تھے)

حضرت عبداللہ بن مسعود خود بیان فرماتے ہیں کہ میں چھٹا مسلمان تھا۔ ہم چھ کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی کلمہ گو نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول کریمؐ کے واسطے مسواک بنایا کرتا تھا ایک مرتبہ میں مسواک کاٹنے کی خاطر پیلو کے درخت پر چڑھا تو لوگ میری پنڈلیوں کا دبلاپن اور کمزوری کو دیکھ کر ہنسنے لگے حضورؐ نے دریافت فرمایا کیوں ہنستے ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ کی پنڈلیوں کے دبلے پن کی وجہ سے آپؐ نے قسم کھا کر بیان فرمایا کہ یہ پنڈلیاں جو تمہیں انتہائی لاغر اور ہلکی دکھائی دے رہی ہیں یہ میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے متعدد احادیث اور اقوال منقول ہیں جن کے استقصاء کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔

ابوہریرہ

مشہور صحابی ابوہریرہ کا اسم شریف عبد شمس اور ایک قول کے مطابق عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی ہے آپ وہ خوش بخت اور بلند ہمت انسان ہیں کہ حضورؐ کی تمام ظاہری حیات میں صفہ کو ٹھکانہ بنائے رکھا اور اس سے کبھی دوسری جگہ منتقل نہ ہوئے۔ آپ صفہ میں منتقل مقیم اور مسافروں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ حضورؐ جب کبھی کھانے یا کسی دوسری حاجت کے واسطے اہل صفہ کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو انہی کو بھیجتے کہ ان کو بلا لائیں کیونکہ یہ ان کے منازل اور مراتب سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان مشہور فقراء و مساکین میں سے تھے جنہوں نے ہمیشہ سخت فقر و تنگ دستی میں بھی دامنِ صبر کو نہ چھوڑا۔ کھیتی باڑی اور اغنیاء اور تاجروں سے ہمیشہ دور رہے دنیائے فانی کو چھوڑ کر باقی اور ابدی زندگی کے ہمیشہ منتظر اور خواہشمند رہے۔ نرم و نازک اور ریشمی لباس کبھی پسند نہ فرمایا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و دانائی اور فطانت و ذہانت عطا فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ بھی تھا جب میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا ایک دن میں اس رستے پر بیٹھ گیا جہاں سے لوگ باہر نکلا کرتے تھے حضرت ابوبکر میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کی بابت پوچھا۔ میرے پوچھنے کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جائیں گے اور کچھ کھلائیں پلائیں گے وہ میرا مدعا نہ سمجھ پائے اور یوں ہی گزر گئے پھر حضرت عمر گزرے وہ بھی میرا مطلب نہ سمجھ سکے اور گزر گئے بعد میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپؐ نے مجھے دیکھتے ہی تبسم فرمایا کیونکہ آپؐ نے میری دلی خواہش کو جان لیا تھا فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو چنانچہ میں آپؐ کے پیچھے ہو لیا آپؐ گھر میں داخل ہو گئے تو میں بھی اجازت لے کر اندر چلا گیا آپؐ نے ایک پیالہ میں دودھ دیکھا تو پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے گھر والوں نے عرض کیا یہ فلاں آدمی نے بطور ہدیہ ارسال کیا ہے آپؐ نے فرمایا اے

ابوہریرہ! جاؤ اور تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ بتاتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا کوئی مال اور جائیداد وغیرہ نہ تھی جب آپؐ کے پاس صدقہ کی کوئی شے آتی تو تمام کی تمام اہل صفہ کی طرف بھجوا دیتے اور خود اس سے کچھ نہ لیتے اور جب ہدیہ کی کوئی شے آتی تو خود بھی لیتے اور اہل صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے۔

حضرت ابوہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ان ستر اصحاب صفہ میں سے تھا جن کے پاس سوائے ایک چادر کے اور کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا جسے وہ گلے میں پہنے رکھتے۔

حضرت ابوہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ تم لوگ تعجب کرتے ہو کہ ابوہریرہ دیگر تمام انصار و مہاجرین سے زیادہ نبی اکرمؐ کی احادیث بیان کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی بازاروں کے اندر خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے اور انصاری بھائی زمینداری میں مصروف ہو گئے۔ میں ایک مسکین آدمی تھا جو ہر وقت آپؐ کے ساتھ چمٹا رہتا تا کہ میرا پیٹ بھرتا رہے نتیجتاً جب تمام لوگ غائب ہوتے اس وقت بھی حضورؐ کے ساتھ ہوتا میں آپؐ کے فرمودات کو یاد رکھتا جبکہ دوسرے لوگ بھول جاتے۔

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس حاضر تھے آپ کے جسم پر دو قیمتی منقش کپڑے تھے ناک صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہی قیمتی کپڑوں سے صاف کرنے لگے پھر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے ابوہریرہ! آج تو ان قیمتی کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے ایک وقت وہ بھی تھا کہ تو بھوک کی شدت کی وجہ سے منبر رسولؐ اور حجرۂ عائشہؓ کے درمیان پڑا رہتا تھا۔

مضارب بن حزن بیان کرتے ہیں کہ میں رات کے وقت چل رہا تھا اچانک میں نے سنا کہ ایک آدمی نے بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہا میں نے اونٹ کو اس کے قریب کیا اور پوچھا کون مکبر ہے؟ اس نے بتایا ابوہریرہ میں نے کہا یہ تکبیر کیسی؟ فرمایا باری تعالیٰ کے شکرانے کی۔ میں نے پوچھا کس بات پر شکر یہ؟ فرمایا اللہ کی اس نعمت پر کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ میں بسرہ بنت غزوان نامی عورت کا نوکر تھا جب لوگ سوار ہوتے تو میں ان کے آگے آگے چلتا۔ جب وہ کسی جگہ پڑاؤ کرتے تو میں ان کی خدمت کرتا اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ اسی عورت کے ساتھ میرا نکاح کرا دیا اب وہ میری بیوی ہے لوگ جب سوار ہوتے ہیں تو مجھے بھی سواری پر بٹھایا جاتا ہے اور جب کسی جگہ اترتے ہیں تو میری خدمت کی جاتی ہے۔

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اپنی بیٹی سے فرمایا کرتے بیٹی سونا نہ پہنا کرو۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہ سونا تمہارے حق میں بروز قیامت انگارے ہی نہ بن جائے۔

محمد بن سیرین ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں (ابوہریرہ) بلا کر عامل بنانے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے عامل بننے سے انکار کر دیا حضرت عمر نے فرمایا ابوہریرہ کیا تو عامل بننے کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ عامل بننے کا اس شخص نے مطالبہ کیا جو تجھ سے بہتر تھا ابوہریرہ نے پوچھا کون؟ عمر نے جواب دیا یوسف بن

یعقوب علیہ السلام۔ ابوہریرہ نے کہا۔ وہ تو خود نبی تھے اور نبی کے بیٹے تھے اور میں ابوہریرہ بن امیہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے پوچھا: تو ان غنائم کا کیوں نہیں سوال کرتا جن کا تیرے دوسرے ساتھی سوال کرتے ہیں میں نے عرض کیا میری درخواست تو یہ ہے کہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو اللہ نے آپؐ کو سکھایا ہے آپؐ نے فرمایا چادر پھیلاؤ۔ میں نے پیٹھ پر سے چادر اتار کر اپنے اور آپؐ کے درمیان پھیلا دی آپؐ مجھ سے احادیث بیان فرماتے رہے جب آپؐ کی گفتگو تمام ہوئی تو مجھ سے فرمایا چادر کو اکٹھی کر کے اپنے جسم کے ساتھ لگا لو اس کے بعد میرے حافظے کا یہ عالم تھا کہ آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے اس میں سے ایک حرف بھی نہ بھولتا۔

یزید بن اصم کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو یہ فرماتے سنا۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت روایات بیان کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں تمہیں وہ تمام کچھ بیان کر دوں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو تم میرے اوپر کوڑا کرکٹ پھینکنے لگو اور اس کے بعد میری طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ برتن (مختلف علوم کے) حفظ کیے جن میں سے دو کو میں نے بیان کر دیا ہے اگر تیسری قسم کے علوم کو بھی بیان کر دوں تو تم مجھے سنگسار کر دو۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں ٹھنڈی (آسان) غنیمت نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا وہ کیا فرمایا سردیوں میں روزہ رکھنا ابوعثمان النہدی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ کے ہاں سات راتیں مہمان ٹھہرا رہا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں فرمایا میں ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھ لیتا ہوں کیونکہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو کم از کم وہ مہینہ تو روزوں کے ثواب میں لکھا جائے۔ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ صبح بازار میں چلے جاتے جب واپس آتے تو گھر والوں سے پوچھتے کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اگر وہ کہتے کہ کچھ نہیں تو آپ فرماتے آج میرا روزہ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ نے بیان فرمایا کہ میں روزانہ بارہ ہزار مرتبہ استغفار کرتا ہوں آپ کے ایک پوتے نقل کرتے ہیں کہ دادا جان کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں ہزار گرہیں تھیں رات کو جب تک اس دھاگے پر پوری تسبیح نہ پڑھ لیتے نہ سوتے۔

سالم بن بشر بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ مرض الموت میں رونے لگے عرض کیا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں تمہاری اس دنیا کے فوت ہو جانے پر نہیں بلکہ اس بات پر رو رہا ہوں کہ اگلا سفر بہت طویل ہے اور زادِ راہ موجود نہیں معلوم نہیں کیا انجام ہوگا؟ جنت یا دوزخ۔

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا جب تم مساجد کو منقش بنانے لگو اور مصاحف کو آراستہ کرنے لگو تو سمجھ لو کہ اب

تمہارے لئے ہلاکت ہے۔

ابو یزید المدینی کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ مدینہ منورہ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوی سیڑھی سے نیچے والی سیڑھی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا شکر ہے باری تعالیٰ کا کہ اس نے ابو ہریرہ کو اسلام کی ہدایت دی شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ابو ہریرہ کو قرآن سکھایا۔ شکر ہے اس ذات کا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ابو ہریرہ پر احسان فرمایا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے خمیری روٹی کھلائی ریشمی یعنی قیمتی لباس پہنایا اور بنت غزوان سے شادی کرائی جس کا میں مزدور رہ چکا تھا پھر فرمایا عرب کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی اس شر و برائی کی وجہ سے جو قریب آن پہنچی ہے لڑکوں کی امارت و بادشاہی کی وجہ سے ان کی ہلاکت ہوگی جو خواہشات نفسانی سے فیصلے کریں گے اور ناراض ہونے کی حالت میں لوگوں کو قتل کریں گے۔ اے بنی فروخ تمہیں خوش خبری سناتا ہوں وہ یہ کہ علم دین اگر ثریا کے ساتھ بھی معلق ہوگا تو تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو وہاں سے بھی علم پالیں گے۔

ابو المتوکل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی ایک لونڈی حبشیہ تھی جس نے اپنی بری کارکردگی کی وجہ سے انہیں تکلیف میں ڈال رکھا تھا۔ ایک دن آپ نے اس پر کوڑا بلند کرتے ہوئے فرمایا اگر قصاص نہ ہوتا تو میں تمہیں مار مار کر بے ہوش کر دیتا مگر میں تمہیں اس ذات کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں جو مجھے تیری پوری پوری قیمت دے گی اس کے بعد فرمایا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

بنی اسود نقل کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے نیا مکان تعمیر کرایا۔ مکان تیار ہو چکا تو اتفاق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ مالک مکان دروازے پر کھڑا تھا اس نے حضرت ابو ہریرہ سے ٹھہرنے کو کہا اور پوچھا حضرت! میں اپنے دروازے پر کیا عبارت تحریر کروں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا دروازے پر یہ عبارت لکھو۔

«ابنی للخراب، ولد للثکل واجمع للوارث»

(مکان بنا ؤ برباد ہونے کے لئے، اولاد پیدا کرو کہ ان کی موت پر آنسو بہاؤ اور دولت جمع کرو کہ تمہارے بعد تمہارے وارثوں کو ملے)

پاس کھڑے ہوئے ایک اعرابی نے کہا۔ اے شیخ! تو نے کیسی بری بات کہی۔ مالک مکان نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ السلامت کہو۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی

عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان صحابہ میں سے جنہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ غزوہ احد میں جو زخم پہنچا وہ واپس آنے پر پھٹ پڑا۔ اسی سے وفات ہوئی۔

موصوف ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص کسی مصیبت کے پہنچنے یعنی کوئی چیز گم ہونے پر یہ کہے "انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا واعقبنی منھا خیرا" (ہم سب اور ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے۔ اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اے اللہ میں تیرے ہاں اپنی مصیبت کو ثواب سمجھتا ہوں تو مجھے اس کا اجر عنایت فرما اور اس کے بدلے میں بہتر چیز عطا فرما) تو اللہ اسے گم شدہ سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن حوالۃ الازدی

ابو عیسیٰ الترمذی کے بیان کے مطابق عبداللہ بن حوالہ الازدی بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ موصوف ان صحابہ میں سے ہیں جو شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

عبداللہ موصوف ایک روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ ہم نے آپؐ سے فقر و تنگدستی، کپڑے نہ ہونے اور قلتِ اشیاء کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی قسم مجھے تم پر قلت سے زیادہ کثرتِ اشیاء کا خوف ہے عنقریب فارس، روم اور حمیر کی زمینیں تم فتح کر لو گے۔ اور تم تین لشکروں میں بٹ جاؤ گے۔ ایک لشکر شام میں، دوسرا عراق میں اور تیسرا یمن میں ہوگا۔ اس وقت تم میں سے کسی ایک کو جب سو دینار دیئے جائیں گے تو وہ اس گراں قدر عطیہ کو بھی کم سمجھے گا

عبداللہ بن ام مکتوم

ابو رزین کے قول کے مطابق عبداللہ بن ام مکتوم بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ غزوہ بدر کے کچھ دن بعد مدینہ منورہ میں آئے اور اہل صفہ کے ساتھ صفہ میں اترے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مخرمہ بن نوفل کے گھر میں ٹھہرایا۔ یہ وہی گھر ہے۔ جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "عبس وتولی ان جاءہ الاعمٰی"۔ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چیں بجبیں ہو گئے۔ اور متوجہ نہ ہوئے۔ جبکہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

تشریح: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض رؤسا مشرکین کو سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے۔ اور کچھ پوچھنا شروع کیا۔ یہ قطع کلام آپؐ کو ناگوار ہوا۔ اور آپؐ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا اور ناگواری

کی وجہ سے آپ چیں بجبیں ہوئے۔ جب آپ اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم آپؐ کے پاس آتے تو آپ بڑی خاطر کرتے۔

عبداللہ بن ام مکتوم ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج چڑھنے پر ہمارے پاس تشریف لائے۔ تمام لوگ حجروں کے پاس موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے اہل حجرات! آگ بھڑک اٹھی اور فتنے اس قدر اندھیر کر آئے جس طرح کہ رات ہو۔ اگر تم ان چیزوں کو سمجھتے تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے

عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری

احمد بن ہلال الشطوی کے قول کے مطابق عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری السلمی ابو جابر بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ یہ وہی صحابی ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالے نے انہیں دوبارہ زندہ فرمایا۔ اور اپنے سامنے ان سے کلام فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے بیٹے جابر سے فرمایا۔ اے جابر! میں تمہیں ایک بہترین بشارت سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے باپ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ اور اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا۔ اے میرے بندے جو کچھ تو چاہے مجھ سے تمنا کر، میں تمہیں عطا کروں گا۔

انہوں نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میں تیری عبادت اس طرح نہ کر سکا جس طرح کہ عبادت کرنے کا حق ہوتا ہے میری تمنا یہ ہے کہ تو مجھے دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا۔ تاکہ میں تیرے نبی کے ساتھ مل کر کفار مشرکین سے قتال کر سکوں۔ اور لڑتے لڑتے ایک مرتبہ پھر تیرے راستے میں شہید ہو جاؤں۔ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ یہ تو میرا ازل سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد دنیا کی طرف نہیں لوٹے گا۔

عبداللہ بن انیس

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے قول کے مطابق عبداللہ بن انیس بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتے تھے مدینہ سے باہر گاؤں میں رہا کرتا تھا۔ موصوف رمضان المبارک کے مہینہ میں رات کو مدینہ منورہ میں آجاتے اور مسجد نبوی کے اندر صفہ میں قیام کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا عصا مبارک عطا فرمایا تھا۔ تاکہ قیامت کے دن وہ عصا سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں۔

موصوف بیان کرتے ہیں کہ وہ حوالیٔ مدینہ میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ درخواست کی کہ آپؐ ان کے لئے ایک رات مقرر فرما دیں۔ جس میں وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رمضان کی تیئسویں ۲۳ رات کو حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ جب وہ رات آتی تو تمام اہل مدینہ جمع ہو جاتے۔

عبداللہ مذکور خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! خالد بن نبیح۔ سے کون نمٹے گا۔

یہ قبیلہ ہذیل کا ایک آدمی تھا جو ان دنوں عرفہ کی جانب مقام عرفہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ عبداللہ نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ! مجھے اس کی کوئی نشانی بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے گا تو ڈر جائے گا۔ عبداللہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں تو کبھی کسی شے سے نہیں ڈرا۔ چنانچہ عبداللہ نکل کھڑے ہوئے اور غروب شمس سے قبل عرفہ کے پہاڑوں میں اس شخص (خالد بن نبیح) سے ملے۔ عبداللہ بتاتے ہیں کہ میں جب اس سے ملا تو میرے اوپر ایک رعب طاری ہو گیا۔ اس سے میں نے وہ علامت جان لی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو کون آدمی ہے؟ میں نے کہا مجھے رات کو یہاں ٹھہرنا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے پاس ٹھہر جاؤں؟ کہنے لگا ضرور۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ عصر کا وقت جا رہا تھا۔ میں نے جلدی جلدی دو رکعتیں عصر کی پڑھیں اور پھر اسے جا ملا۔ جاتے ہی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر واقعہ کی اطلاع دی۔ محمد بن کعب بتاتے ہیں کہ اس جرأت پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا عصا عطا فرمایا اور کہا۔ اس عصا پر ٹیک لگایا کرو۔ تاآنکہ تو مجھے قیامت کے دن یہ عصا لے کر ملے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جنہیں شاہی عصا عطا کئے جاتے ہیں۔ محمد بن کعب بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن انیس مذکور جب فوت ہونے کے قریب ہوئے تو وصیت فرمائی کہ عصا نبوی بھی ان کے ساتھ دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہ عصا مبارک کفن میں ان کے پیٹ پر رکھ دیا گیا۔ اور انہیں عصا سمیت دفن کر دیا گیا۔

عبداللہ بن زید الجہنی

ابو عبداللہ الحافظ نیسا پوری کی تحقیق کے مطابق عبداللہ بن زید الجہنی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ موصوف نے زمانۂ خلافتِ امیر معاویہ میں وفات پائی۔

عبداللہ مذکور ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص کوئی سامان چرائے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔ دوبارہ چوری کرے تو ایک پاؤں کاٹ دو۔ سہ بارہ چوری کرے تو دوسرا ہاتھ کاٹ دو، اور اگر چوتھی مرتبہ بھی چوری کا مرتکب ہو، تو اس کا دوسرا پاؤں بھی کاٹ دو۔ اب بھی اگر باز نہ آئے اور چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا سر قلم کر دو۔

عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی

عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی بھی اہل صفہ سے بتائے جاتے ہیں۔ جو بعد میں مصر کی طرف چلے گئے تھے۔ اخیر عمر میں موصوف کی بینائی جاتی رہی تھی۔ غالباً فقدانِ بصر میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ ذکر اور تقدیس الٰہی میں ہمہ وقت مشغول ہونے کی وجہ سے انہیں لوگوں کو دیکھنے کی چنداں حاجت ہی نہ تھی۔ ایک مرتبہ عبدالعزیز بن مروان نے عبداللہ موصوف سے کہا کہ انہیں ابھی نہیں مرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کرے اسی طرح ہو۔ تاکہ مزید تکبیر و تسبیح خداوندی کر سکوں تکبیر و تسبیح جو میزان

عمل میں بہت زیادتی کا باعث ہوگی۔ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی برکت سے بفضلہ تعالےٰ گناہوں کا بھی کفارہ ہوجائے گا۔

موصوف ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم صفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے آپ نے ہمیں کھانا عنایت فرمایا۔ ہم کھا چکے تو جماعت کھڑی ہوگئی۔ چنانچہ ہم تمام نے نماز پڑھی اور کلی نہ کی۔

عبداللہ بن عمر بن الخطاب

ابو عبداللہ الحافظ النیسا پوری کی تحقیق کے مطابق جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ انتہائی زاہد عابد تہجد گزار نمازوں کو قیام کرنے والے دنیا اور اقتدار سے قطعی بیزار تھے۔ ہمہ وقت مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔

حکومت اور امارت کو سخت ناپسند فرماتے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے ابو عبدالرحمٰن (آپ کی کنیت ہے) آپ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ علاوہ ازیں اور بہت سارے آپ کے مناقب بیان کئے۔ پھر کہا حضرت! خلیفہ اور امیرالمومنین کا منصب قبول کرنے سے آپ کو کیا چیز مانع ہے؟ فرمایا۔ میرے لئے یہ بات مانع ہے کہ اللہ تعالےٰ نے میرے اوپر کسی مسلمان کا خون حرام ٹھہرایا ہے۔ اس نے کہا اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے "قاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للّٰہ" (کفار و مشرکین سے جنگ کرو۔ حتیٰ کہ فتنہ وکفر کا خاتمہ ہوجائے اور تمام کائنات میں اللہ کا دین قائم ہوجائے) آپ نے فرمایا ہم نے یہ کام کر دیا ہے اور بفضلہ تعالیٰ اللہ کا دین قائم ہوچکا ہے۔ اب تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ قتل و غارت کے ذریعے دین غیر اللہ کا بنا دیں۔

حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ایک عام فتنہ اور ملک میں بدامنی پھیل گئی تو لوگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے۔ اور کہا آپ تمام لوگوں کے سردار اور سردار باپ کے بیٹے ہیں۔ اور پھر عوام آپ کو چاہتے بھی ہیں۔ آپ چلو کل باہر نکلیں۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں جان ہے۔ میری وجہ سے کسی کا خون نہیں بہایا جائے گا۔ انہیں دھمکی دی گئی کہ خروج کرو۔ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ آپ نے پھر بھی وہی بات ارشاد فرمائی۔ حسن کہتے ہیں کہ وہ لوگ آپ سے قطعی مایوس ہوگئے اور چلے گئے۔ آپ نے ساری زندگی اقتدار کو نہ قبول کیا اور نہ کبھی خواہش ہی کی۔ ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اس شخص سے قتال کروں جو "لا الٰہ الا اللہ" پڑھتا ہو۔ ایک دفعہ جب امارت المومنین قبول کرنے کی درخواست لوگوں نے کی تو فرمایا۔ اگر تم مجھے نماز کی دعوت دو تو ضرور قبول کروں گا۔ کسی اور خیر کے کام کی طرف بلاؤ ضرور آؤں گا جب تم ایک دوسرے سے جدا اور آپس میں افتراق و اختلاف کرو گے تو تمہارے ساتھ اتفاق نہیں کروں گا۔ اور جب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ گے تو تم سے جدا نہیں ہوں گا۔ البتہ خلافت اور امارت کا بوجھ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

مال دنیا سے قطعاً محبت نہ تھی جو کچھ آتا اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے۔ ایک ایک مجلس میں ہزاروں درہم

تقسیم فرما دیتے۔ حضرت نافع آپ کا ایک معمول نقل کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب کبھی کوئی چیز دل کو بھاتی تو اسے راہِ للہ خرچ کر دیتے۔ آپ کے غلام آپ کی اس ادا کو سمجھتے تھے۔ بسا اوقات وہ یوں کرتے کہ مسجد میں جا کر ذکر و اذکار میں مشغول ہو جاتے جب حضرت عمرانِ کو اس حالت میں دیکھتے تو آزاد کر دیتے۔ لوگوں نے کہا حضرت! یہ غلام آپ کو محض دھوکا دینے کی خاطر مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ ورنہ یہ تو اتنے عبادت پسند نہیں۔ فرمایا جو ہمیں اللہ کے نام سے دھوکا دیتا ہے ہم اس کا دھوکا کھانے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت مجاہد نقل کرتے ہیں کہ جب آیت "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (جب تک تم پسندیدہ چیز کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے) نازل ہوئی تو آپ نے اپنی ایک لونڈی "رمیثہ" کو بلایا اور کہا میں تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں لہٰذا تو جا اللہ کے لئے آزاد ہے۔ حضرت میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس بائیس ہزار دینار آئے۔ آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ ان کو تقسیم نہ فرما دیا۔

ایوب بن وائل راسبی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو ایک آدمی نے جو ابن عمر کا پڑوسی تھا مجھے خبر دی کہ ان (عبداللہ بن عمر) کے پاس چار ہزار درہم امیر معاویہ کی طرف سے، چار ہزار کسی اور آدمی کی طرف سے اور دو ہزار و ایک چادر مزید کسی دوسرے کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ بازار میں اپنی سواری کی خاطر ایک درہم کا ادھار چارا مانگ رہے ہیں۔ میں نے اصل معاملہ کو بھانپ لیا اور تصدیق کی خاطر حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک لونڈی کے پاس آیا۔ اور کہا میں تجھ سے ایک چیز پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ کیا ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ کی کنیت ہے) کے پاس چار ہزار امیر معاویہ کی جانب سے، چار ہزار کسی دوسرے صاحب کی طرف سے اور دو ہزار کسی تیسرے صاحب کی طرف سے آئے تھے؟ اس نے بتایا "کیوں نہیں" آئے تھے۔ میں نے کہا تو وہ کہاں گئے؟ عبداللہ سواری کے لئے چارا بھی ادھار ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ تمام رقم انہوں نے رات کو سونے سے پہلے پہلے خرچ کر دی تھی۔ پھر چادر لی اور باہر چلے گئے۔ یہ سن کر میں بازار میں آیا اور پکار کر کہا۔ اے تاجرو! اس دنیا کو کیا کرو گے۔ ابن عمر کو دیکھو کہ کل رات کو اس کے پاس دس ہزار دراہم آئے۔ مگر اس نے کل ہی سارے تقسیم کر دیئے۔ اور آج سواری کے لئے چارا بھی ادھار پر مانگ رہا ہے۔

حضرت نافع بتلاتے ہیں کہ ایک سال امیر معاویہ نے ان کی خدمت میں پورے ایک لاکھ درہم ارسال کئے۔ سال ختم ہونے تک ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیماری کے دوران انگور کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے ایک درہم کے بدلہ میں انگوروں کا ایک خوشہ خریدا اور لا کر آپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ابھی آپ نے کچھ کھایا نہیں تھا کہ دروازے پر ایک سائل آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ خوشہ سائل کو دے دو۔ میں نے کہا حضرت! کچھ چکھ تو لیں۔ فرمایا نہیں۔ اس کو دے دو۔ چنانچہ میں نے وہ خوشہ سائل کو دے دیا۔ اور آپ کی آنکھ بچا کر دوبارہ سائل سے ایک درہم کے بدلہ میں خرید لیا۔ اور تھوڑی دیر تک آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ سائل پھر آگیا۔ آپ نے بغیر چکھے اس کو دلوا دیا۔ میں (نافع) نے پھر پہلے کی طرح تدبیر کی۔ سائل تیسری مرتبہ پھر آن دھمکا۔ آپ نے سہ بارہ بھی وہ خوشہ اسی کو دلوا دیا۔ میں نے پھر وہی چال چلی۔ اب کے وہ سائل لوٹنے لگا تو میں نے کہا تجھے شرم نہیں آتی؟ چنانچہ چوتھی مرتبہ آپ نے وہ خوشہ کھایا۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بیماری کے دوران مچھلی کی خواہش کی۔ میں نے ایک مچھلی خریدی اور بھون کر سامنے رکھ دی۔ ابھی لقمہ تک نہیں اٹھایا تھا کہ ایک سائل آ گیا۔ فرمایا یہ مچھلی اٹھا کر اسے دے دو۔ اہل خانہ نے عرض کیا۔ ہم اسے مچھلی سے زیادہ قیمتی چیز دے دیتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ چنانچہ وہ مچھلی اس سائل کے سپرد کر دی گئی۔

جب کھانا کھاتے تو ہمیشہ مساکین کے ساتھ مل کر کھاتے۔ ایک مرتبہ رات کو کھانے بیٹھے تو فرمایا کہ فلاں مسکین کو بلاؤ۔ فلاں کو بلاؤ۔ آپ کی بیوی نے ان مساکین کو پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ عبداللہ بلائیں تو بھی نہ آنا۔ چنانچہ وہ نہ آئے۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں آج رات نہ کھاؤں۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اور آپ نے اس رات بالکل نہ کھایا۔

آپ کا ایک آزاد کردہ غلام عراق سے آیا۔ اور عرض کیا۔ میں آپ کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں۔ فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا ایک معجون ہے۔ فرمایا۔ وہ کس کام کی ہے۔ عرض کیا کھانا ہضم کرنے میں اکسیر ہے۔ فرمایا چالیس سال ہو گئے ہیں نے تو کبھی پیٹ بھر کر کھانا ہی نہیں کھایا۔ میں اسے کیا کروں گا۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک غلام کو مکاتب بنایا اور مکاتبت کی رقم کو قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا۔ مکاتب جب پہلی قسط ادا کرنے کے واسطے رقم لایا تو آپ نے پوچھا۔ یہ رقم تو نے کہاں سے لی؟ اس نے بتایا کچھ مزدوری کی اور کچھ بھیک مانگی۔ آپ نے فرمایا کیا تو ہمیں لوگوں کی میل کچیل (صدقات) کھلانا چاہتا ہے؟ جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔ اور جو رقم لایا ہے۔ یہ بھی تیری ہی ہے۔

مشہور محدث قزعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے جسم پر موٹے کھردرے کپڑے دیکھے تو میں آپ کے لئے ملائم کپڑے لایا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت میں آپ کے لئے خراساں کا بنا ہوا ایک نفیس قسم کا کپڑا لایا ہوں۔ اگر آپ اسے زیب تن فرمائیں تو یہ امر میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو گا۔ فرمایا دکھاؤ۔ جب آپ نے کپڑے کو مس کیا تو پوچھا۔ کیا یہ ریشم ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ یہ ایک روئی کی قسم ہے۔ فرمایا اس کپڑے کے پہننے میں مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں اترانے نہ لگوں اور باری تعالےٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ کسی آدمی نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ ابن زبیر کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیتے ہیں اور خوارج کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپس میں ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ جو بھی نماز اور نیکی کی طرف بلائے گا۔ اس کی دعوت ضرور قبول کروں گا۔ اور جو کوئی مجھے کسی مسلمان بھائی کے خون ضائع کرنے اور اس کے مال تلف کرنے کی طرف دعوت دے گا تو اس کی دعوت قطعاً قبول نہ کروں گا۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد تعمیر کروائی تو ایک دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص فرمایا۔ اور فرمایا۔ کوئی مرد اس دروازہ سے داخل نہ ہو۔ حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی ابن عمر کو اس دروازہ میں نہ داخل ہوتے دیکھا اور نہ نکلتے دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے اخلاق و عادات کے متعلق چند چیزیں ذکر کی گئیں۔ آپ کے متعدد اقوال و احادیث

کتبِ حدیث اور کتب سیر میں منقول ہیں۔ جن کا استقصاء یہاں ممکن نہیں۔

عبدالرحمٰن بن قرط

عبدالرحمٰن بن قرط بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ ان سے ایک روایت یوں منقول ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے جبرائیل و میکائیل آپ کو آسمان کی طرف لے گئے۔ حتیٰ کہ آپؐ ساتوں آسمان عبور کر کے لامکاں تک پہنچے تو واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آسمانوں کو بلند و برتر باری کی یہ تسبیح کرتے ہوئے سنا۔ سبحان العلی الاعلیٰ سبحانہ و تعالےٰ۔

عبدالرحمٰن بن جبیر بن عمرو

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق عبدالرحمٰن بن جبیر بن عمرو بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان کے زیادہ حالات تو معلوم نہیں ہوسکے۔ البتہ ایک حدیث ان سے اس طرح منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ حرمہ اللہ علی النار۔

جس شخص کے قدم اللہ کے رستے میں غبار آلود ہوئے۔ اللہ نے اس پر دوزخ کو حرام فرما دیا۔

عتبہ بن غزوان

محمد بن اسحٰق کی تحقیق کے مطابق ابو عبداللہ عتبہ بن غزوان بھی اہل صفہ میں شامل رہے ہے۔ آپ ساتویں اسلام قبول کرنے والے خوش نصیب انسان تھے۔ انتہائی تارک الدنیا اور زاہد تھے۔ حکومت و سلطنت اور ولایت اور گورنری کو چھوڑ دیا تھا۔ انہیں بصرہ کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ مگر مسجد تعمیر کرنے اور اس میں منبر نصب کرنے کے بعد خود مستعفی ہو گئے۔ دنیا کی بے ثباتی اور اس فانی دنیا کو ہر حال میں چھوڑ جانے کے سلسلہ میں ان کا ایک مشہور خطبہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اے لوگو! دنیا گمرہوں میں بٹ گئی ہے اور بہت جلد تبدیل ہو گئی ہے۔ دنیا سے اچھے لوگ اٹھ گئے ہیں اور اب صرف تلچھٹ باقی رہ گیا ہے۔ یاد رکھو تمہیں بھی اس دار فانی سے کوچ کرنا ہے۔ لہٰذا نیک اعمال کے ساتھ کوچ کرنا۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس بات سے کہ میں اپنے آپ میں تو بڑا بنوں اور اللہ کے ہاں چھوٹا۔ بخدا تم میرے بعد امراء کے ذریعے آزمائے جاؤ گے۔ اور بخدا ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ نبوت و خلافت بعد میں جا کر ملوکیت و آمریت میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ بلاشبہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتواں مسلمان تھا۔ ہمارے لئے سوائے درختوں کے پتوں کے اور کوئی چیز کھانے کے واسطے نہ ہوتی۔ پتے کھاتے کھاتے ہماری باچھیں بھی زخمی ہو گئی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے پاس صرف ایک

چادر تھی۔ جسے میں نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ سعد بن مالک کو دیا۔ اور باقی آدھی خود پہنی۔ ان سات ابتدائی مسلمانوں میں سے آج کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی شہر کا امیر نہ ہو۔

عمار بن یاسر

سعید بن المسیب کی تحقیق کے مطابق ایمان سے بھرپور، ایقان سے پُر، آزمائش و امتحان اور افتنان میں ثابت قدم مذلت و رسوائی پر صابر، حضرت عمار بن یاسر بھی اہل صفہ میں شامل تھے۔ آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظالموں کے ساتھ قتال میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ باغیوں کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ دنیا کی زینت کو قطعی ترک کرنے والے نفس کی نخوت و غرور کا قلع قمع کرنے والے، دین کے مددگار، دین کی عزت کرنے والے اور ہدایت کے امام کی پیروی کرنے والے تھے۔ اصحاب بدر میں سے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں کوفہ کا امیر بنا کے بھیجا تو اہل کوفہ کی طرف لکھا کہ میں تمہارے اوپر ایک ایسے شخص کو امیر مقرر کر رہا ہوں جو برگزیدہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے۔ اور ان چار آدمیوں میں سے ایک ہے۔ جن کے لئے جنت بھی مشتاق ہے۔ ہمیشہ لگن اور محنت اور شوق سے اعمال جنت پر کاربند رہے۔ یہاں تک کہ اپنے پیارے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے جا ملے۔

حضرت ہانی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت علی المرتضیٰ کے پاس موجود تھے کہ عمار بن یاسر آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے طیب اور مطیب آپ کی آمد مبارک ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عمار کے اندر ہڈیوں تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمار سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے پُر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان بیان کرتے ہیں کہ میں وادیٔ بطحا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار اور ان کی والدہ کے پاس سے گذرے اس حال میں کہ انہیں اذیت دی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے یاسر کی آل صبر کا دامن تھامے رکھنا۔ بیشک تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ مجاہد نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ان سات آدمیوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق، خباب بن الارت، صہیب، بلال، عمار اور عمار کی والدہ۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت تو آپ کے چچا ابو طالب اور ابوبکر کی حفاظت ان کی قوم نے کی۔ باقی تمام کو اہل مکہ لوہے کی زرہیں پہنا دیتے اور پھر انہیں سخت دھوپ میں ڈال دیتے۔ لوہے اور سورج کی گرمی سے انہیں سخت تکلیف پہنچتی۔ جب شام ہوتی تو ابوجہل لعنہ اللہ ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آتا۔ اور ان کو سب و شتم اور زجر و توبیخ کرتا۔ آپ کے ایک پوتے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے حضرت عمار کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ ان کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گالی اور اپنے معبودوں کے حق میں اچھے کلمات نہ کہلوا لئے۔ جب وہاں سے جان چھوٹی تو دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ تیرے پیچھے کیا چیز لگی ہوئی ہے؟ عرض کیا بہت بڑی برائی یا رسول اللہ! مجھے ان

ظالموں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ ہیں نے آپ کے حق میں نازیبا کلمہ اور ان کے معبودوں کے حق میں ذکر خیر نہیں کیا۔ آپ نے پوچھا۔ تیرے دل کی کیفیت کیسی ہے؟ (یعنی یہ کلمات صرف زبان سے کہے یا دلی تصدیق بھی شامل تھی) عرض کیا دل تو بفضلہ تعالےٰ ایمان باللہ وایمان بالرسل کے ساتھ مطمئن ہے۔ آپ نے فرمایا: تو کوئی حرج نہیں۔ اگر آئندہ بھی وہ تیری تکلیف کے درپے ہوں اور اس قسم کا مطالبہ کریں تو جان بچانے کی خاطر ایسا کر لینا۔

حضرت علی المرتضیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمار بن یاسر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: "ائذن لہ مرحبا بالطیب المطیب" اس کو اندر آنے دو۔ پاکیزہ انسان کا آنا مبارک ہو۔

حضرت عمار بن یاسر خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص میں یہ تین عادات جمع ہوگئیں۔ اس میں ایمان کی تمام عادات جمع ہوگئیں تنگی کے باوجود اللہ کے رستے میں خرچ کرنا۔ اپنے نفس سے بھی انصاف کرنا۔ اور تمام جہان میں سلامتی کو پھیلانا۔ ابوالبختری اور میسرہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ صفین کے روز عمار بن یاسر کو دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے نوش فرمانے کے بعد فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق یہ پینا دنیا میں میرا آخری پینا ہے اس کے بعد اٹھ کر جنگ میں شریک ہوگئے۔ اور بالآخر جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمار کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ تیرے ساتھ بہت سی جنگوں میں شریک ہوگا جن کا اجر بہت بڑا ہوگا۔ اور ان کا ذکر بھی کثرت سے ہوگا۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ بیشک جنت ان چار آدمیوں کے لئے مشتاق ہے۔ عمار، علی، سلمان اور مقداد

عثمان بن مظعون

ابوعیسیٰ الترمذی کے بیان کے مطابق عثمان بن مظعون بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ حضرت عثمان خود بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف دی جا رہی ہیں اور وہ ولید بن مغیرہ کی امان میں ہونے کی وجہ سے امن وسکون سے مکہ میں پھرتے ہیں تو سوچا کہ ایک مشرک آدمی کی پناہ میں رہنا کچھ ٹھیک نہیں۔ دوسرے یہ کہ میرے دینی بھائیوں کو تو تکالیف پہنچ رہی ہیں۔ اور مجھے کوئی پوچھتا نہیں۔ یہ بہت بڑے نقص کی بات ہے کہ میرے ساتھی تو مصائب و آلام برداشت کریں۔ اور میں مزے سے رہوں۔ یہ خیال کر کے ولید بن المغیرہ کے پاس گئے اور کہا۔ اے ابا عبد شمس تو نے اپنے ذمہ کو پورا کیا۔ اب مجھے تیرے ذمہ اور تیری پناہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تیری پناہ تیری طرف لوٹاتا ہوں۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا بھتیجے کیا بات ہوئی؟ کیا میری قوم کے کسی فرد نے تجھے اذیت پہنچائی ہے؟ فرمایا نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اب میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کے علاوہ کسی اور سے پناہ مانگوں۔ اس نے کہا مسجد میں جا کر علانیہ تجھ سے اپنی امان واپس لیتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے علانیہ تجھے پناہ دی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں مسجد میں اہل مکہ کے پاس آئے۔ ولید نے کہا

یہ دیکھو عثمان بہے ۔ اور میری ذمہ داری کو اب واپس لوٹا رہا ہے ۔ میں نے کہا واقعی ولید ٹھیک کہہ رہا ہے ۔ میں نے انہیں وفادار اور بہترین پڑوسی پایا ۔ مگر اب میں صرف اللہ کی امان میں رہنا چاہتا ہوں ۔ لہٰذا میں اس کی امان اس کو لوٹاتا ہوں ۔ حضرت عثمان جب وہاں سے لوٹے تو ایک مجلس میں بیٹھ گئے ۔ جس میں لبید بن ربیعہ بن مالک بن کلاب القیسی قریش مکہ کو اپنا شاعرانہ کلام سنا رہا تھا ۔ لبید نے ایک مصرعہ کہا ۔

ع الا کل شئ ما خلا اللہ باطل

سن لو اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے ۔ عثمان بولے تو نے سچ کہا ۔ اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا ۔

وکل نعیم لا محالۃ زائل

ہر نعمت بالآخر زائل ہونے والی ہے ۔ عثمان بولے یہ تو نے غلط کہا ۔ اہل جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی ۔ لبید بن ربیعہ نے غصہ میں کہا اے جماعت قریش ایسی جرأت تو کبھی کسی کو نہ ہوئی تھی ۔ یہ اعتراض کیسے ہوا ؟ ایک آدمی بولا ۔ یہ بیوقوف لوگ ہیں ۔ انہوں نے تو ہمارے دین کو بھی چھوڑ دیا ہے ۔ لہٰذا آپ اس کی بات کو محسوس نہ کریں ۔ حضرت عثمان اور اس شخص میں تو تو ، میں میں ہونے لگی ۔ وہ ملعون آدمی اٹھا اور آپ کی آنکھ پر ایسا سخت تھپڑ مارا کہ آپ کی بینائی جاتی رہی ۔ ولید بن مغیرہ قریب ہی یہ تماشا دیکھ رہا تھا ۔ وہ کہنے لگا ۔ اے عثمان ! جب تک تو میری پناہ میں تھا ۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا پاتا تھا ۔ فرمایا کوئی بات نہیں ۔ اب میں اس کی امان میں ہوں ، جو تجھ سے زیادہ طاقت و قدرت والا ہے ۔ پھر حضرت عثمان نے چند شعر کہے ۔ جن کا ترجمہ یہ ہے ۔

اگر میری آنکھ کو رب تعالےٰ کی رضا میں ایک بے دین ، غیر ہدایت یافتہ کے ناپاک ہاتھ لگے ہیں تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ۔ اس مصیبت کے عوض میں باری تعالےٰ مجھے ثواب عنایت فرمائے گا ۔ اور اے قوم ! جو شخص اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے ۔ وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے ۔ تم جو کہتے ہو کہ یہ گمراہ ، بیوقوف اور رسول محمدؐ کے دین پر چلنے والا ہے ۔ تو بے شک کہتے رہو ۔ میرا مقصود صرف اللہ اور اس کے سچے دین کو چاہتا ہے ۔ چاہے آپ لوگ میرے اوپر زیادتی اور ظلم کرتے رہیں ۔

ام علاء بیان کرتی ہیں کہ عثمان بن مظعون نے ہمارے گھر میں وفات پائی ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان کے لئے ایک چشمہ جاری ہوگیا ہے ۔ یہ خواب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ۔ فرمایا وہ چشمہ عثمان کے اعمال ہیں ۔

عبدربہ بن سعید المدنی بیان کرتے ہیں کہ عثمان جب فوت ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا ۔ اے عثمان ! اللہ تعالےٰ تم پر رحم فرمائے ۔ نہ تو نے دنیا کو چاہا اور نہ دنیا نے تجھ کو پایا ۔

زید بن اسلم نقل کرتے ہیں کہ عثمان بن مظعون جب فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا ۔ جب وہ قبر میں رکھ دیئے گئے تو ان کی بیوی کہنے لگی ۔ اے ابو السائب جنت تجھے مبارک ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ۔ جنت کا تجھے کیسے علم ہوا ؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ، یہ دن کو روزہ رکھا کرتا تھا ۔ اور رات کو ہمیشہ قیام کیا کرتا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اتنی بات تیرے لئے کافی تھی کہ تو کہتی ۔ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا تھا ۔

اسحاق سبیعی بیان کرتے ہیں ۔ عثمان بن مظعون کی بیوی ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس آئیں ۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن

رکھے تھے اور اچھی حالت نہ تھی۔ امہات المومنین نے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے؟ کہنے لگی۔ میں نہا کر یا اچھے کپڑے پہن کو کیا کروں گی وہ (عثمان) تو رات کو قیام میں اور دن کو روزہ کے ساتھ رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عثمان کے متعلق یہ بات پہنچی تو آپ نے عثمان کو بلا کر سرزنش کی۔ اور فرمایا۔ کیا میری زندگی تمہارے لئے ایک نمونہ نہیں؟ عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ میری جان آپ پر قربان ہو۔ اس کے بعد ان کی بیوی آئیں تو بہترین صورت اور اچھے لباس میں تھیں۔

عامر بن عبداللہ (ابوعبیدہ بن الجراح)

ابوعبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق ابوعبیدہ بن الجراح بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ یہ وہی بلند پایہ صحابی ہیں جنہیں "امین الامۃ" کا خطاب ملا۔ مومنین کے ساتھ انتہائی محبت کرنے والے اور مشرکین پر چاہے وہ قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ بڑے سخت تھے۔ انہی کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

"لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوآدون من حآد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان (سورۃ المجادلہ آیت ۲۲)

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں۔ جو اللہ اور اس کے پیغمبر کے مخالف ہیں۔ خواہ وہ لوگ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے

عبداللہ بن عمر بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان لکل امۃ امینا، وامین ھذہ الامۃ ابوعبیدۃ بن الجراح"

ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے۔ اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔"

ابن شوذب بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں ابوعبیدہ کے والد مشرکین مکہ کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔ وہ ابوعبیدہ کی گھات میں تھے۔ مگر ابوعبیدہ ان سے کنی کتراتے رہے۔ جب دیکھا کہ ان کا والد اپنی حرکت سے باز نہیں آ رہا تو اسے قتل کر دیا۔ اس موقع پر سورہ المجادلۃ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب ابوعبیدہ کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوعبیدہ اپنے کجاوہ کے کپڑے (محمل) پر لیٹے ہوئے ہیں اور ایک تھیلہ کو تکیہ بنایا ہوا ہے۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا۔ اے ابوعبیدؓ کیا تو نے وہ ساز و سامان نہیں بنوایا جو تیرے دوسرے ساتھیوں نے بنوا رکھا ہے؟ عرض کیا امیر المومنین بس قیلولہ کا وقت آ گیا! اور میں ہی سو گیا۔ معمر کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمر جب شام میں تشریف لائے تو عوام اور سرداران قبائل آپ سے ملنے گئے۔ حضرت عمر نے پوچھا۔ میرا بھائی کہاں گیا؟ لوگوں نے پوچھا کونسا بھائی؟ فرمایا ابوعبیدہ۔ لوگوں نے بتایا کہ ابھی آتے ہیں۔ جب وہ آئے تو حضرت عمر نے سواری سے اتر کر ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ پھر ان کے گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ ان کے گھر میں سوائے تلوار، ڈھال

اور کجاوہ کے اوپر کوئی چیز نہیں۔

زید بن اسلم اپنے باپ سے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے اپنے پاس بیٹھنے والے لوگوں سے فرمایا۔ اپنی اپنی کوئی خواہش اور تمنا ظاہر کرو۔ ایک آدمی بولا۔ میری تمنا یہ ہے کہ اگر یہ مکان میرے لئے سونے سے بھر دیا جائے تو میں تمام سونے کو اللہ کے رستے میں خرچ کر دوں۔ حضرت عمر نے دوسرے لوگوں سے فرمایا۔ تم بھی کوئی تمنا کرو۔ ایک آدمی بولا میری خواہش ہے کہ یہ گھر موتیوں، زبرجد اور جواہرات سے بھرا ہوا ہو۔ اور میں اسے اللہ کے راستے میں صدقہ کر دوں۔ حضرت عمر نے سہ بارہ فرمایا کہ مزید تمنا کرو، تو لوگوں نے عرض کیا، یا امیر المومنین۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کس شے کی تمنا کریں۔ حضرت عمر نے فرمایا، میری تمنا تو یہ ہے کہ کاش یہ گھر ابو عبیدہ جیسے انسانوں سے بھرا ہوتا۔

ابوالحسن، ابو عبیدہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک لشکر میں چلتے ہوئے فرمایا۔ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر تو کپڑے سفید پوش ہوتے ہیں، مگر دین کے اعتبار سے انتہائی گندے، بہت سے بظاہر تو اپنے نفس کی عزت و تکریم کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت بے عزتی، لوگو! قدیم غلطیوں اور گناہوں کا ازالہ نئی نیکیوں سے کرو۔ اگر تم میں سے کسی آدمی کے گناہ اس قدر ہو جائیں کہ ان سے زمین اور آسمان کی درمیانی فضا بھر جائے۔ اس کے بعد وہ نیکی کرے تو وہ نیکی تمام گناہوں پر بھاری ہو گی۔ یعنی تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔

حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا، مومن کے دل کی مثال ایک چڑیا کی مانند ہے جو روزانہ کئی مرتبہ ادھر سے اُدھر پھدکتی پھرتی ہے۔

عویمر ابوالدرداء

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔ عارف، کائنات پر غور و فکر کرنے والے، عالم باعمل، شکر گزار، عبادت سے محبت رکھنے والے، تجارت کو ترک کرنے والے، عمل پر دوام اختیار کرنے والے اور صاحب علم و حکمت تھے۔ آپ سے متعدد احادیث اور حکیمانہ اقوال کتب سیر میں مذکور ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

۱ ۔ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ اُمّ درداء سے پوچھا گیا کہ ابوالدرداء کا سب سے افضل عمل کونسا تھا۔ انہوں نے بتایا۔ کائنات میں تفکر۔

۲ ۔ معدان، ابوالدرداء کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک گھڑی غور و فکر کرنا ساری رات کے قیام سے بہتر ہے۔

۳ ۔ ایک آدمی نے حضرت ابوالدرداء سے عرض کیا۔ حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، خوشحالی میں اللہ کو یاد رکھو وہ تجھے تنگی و سختی میں یاد رکھے گا۔ اور جب دنیا کی کسی چیز کے لئے اشتیاق ہو تو اس کے انجام کو دیکھ لے۔

۴ ۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اس وقت میں تاجر تھا۔ میں نے سمجھا کہ تجارت اور عبادت ایک جگہ جمع ہو جائیں گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ چنانچہ میں نے تجارت کو چھوڑ دیا۔ اور عبادت کو اپنا لیا۔ بخدا مجھے یہ بات بہت زیادہ پسند ہے کہ میری دکان مسجد کے دروازے پر ہو۔ اور اس طرح میری کوئی نماز فوت نہ ہو۔ دکان میں مجھے روزانہ چالیس دینار کا اضافہ ہو۔ اور اس رقم کو میں روزانہ اللہ کے رستے میں خرچ کر دوں

۵ - حضرت ابوالدرداء نے فرمایا۔ آدمی کی بصیرت اور دانائی یہ ہے کہ اس کا چلنا پھرنا، بیٹھنا، داخل ہونا اور نکلنا اہل علم کے ساتھ ہو۔

۶ - فرمایا! لوگوں کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو۔ ان کا زیادہ محاسبہ نہ کرو۔ اے ابن آدم! تجھے اپنی ذات کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ جو شخص لوگوں کی اتباع میں لگ جاتا ہے اس کا غم بڑھ جاتا ہے اور اس کا غصہ کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

۷ - فرمایا۔ اللہ کی عبادت یوں کرو۔ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو؛ اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔ جان لو تھوڑا مال جو دوسروں سے بے نیاز کر دے۔ وہ بہتر ہے۔ اس زیادہ مال سے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔ جان لو نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی اور گناہ کبھی بھلایا نہیں جاتا۔

۸ - فرمایا! بھلائی یہ نہیں کہ تیرا مال اور تیری اولاد زیادہ ہو۔ بلکہ خیر یہ ہے کہ تیرا علم بڑا ہو۔ علم زیادہ ہو۔ اللہ کی عبادت میں لوگوں سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اگر تو اچھا کام کرے تو اللہ کا شکر کرے اور اگر کوئی گناہ کر بیٹھے تو استغفار کرے۔

۹ - فرمایا علم سیکھو۔ قبل اس کے کہ علم اٹھا لیا جائے۔ علم کا اٹھ جانا یوں ہے کہ علماء فوت ہو جائیں گے۔ بیشک عالم اور متعلم اجر میں برابر ہیں۔ لوگ دو ہی قسم کے ہیں۔ عالم اور متعلم۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں کوئی خیر نہیں۔

۱۰ - فرمایا۔ میں کوئی نیک کام کسی سے کہوں اور خود نہ کر سکوں تو مجھے امید ہے کہ محض نیک کام کے کہنے پر بھی مجھے اجر دیا جائے گا۔

۱۱ - فرمایا۔ آدمی کو اس بات سے بچنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے قلوب میں اس کے متعلق بغض پیدا ہو جائے اور اسے معلوم بھی نہ ہو۔ پھر فرمایا کیا جانتے ہو۔ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ مخاطب نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا جب آدمی خلوت میں اللہ کی نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا ہے تو باری تعالےٰ اس کے متعلق مومنین کے دلوں میں بغض پیدا فرما دیتا ہے اور اسے شعور بھی نہیں ہوتا۔

۱۲ - فرمایا۔ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔ تمہارے درجات کو بڑھانے والا ہے میدان جنگ میں دشمنوں کے ساتھ قتال کرنے اور دراہم اور دنانیر صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

۱۳ - فرمایا جو شخص رات کی تاریکی میں مسجد کی طرف چلا۔ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اسے روشنی عطا فرمائے گا۔

عقبہ بن عامر الجہنی

عقبہ بن عامر الجہنی کا شمار بھی اہل صفہ سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کچھ دن اہل صفہ کے ساتھ رہے تھے۔ بعد میں مصر تشریف لے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ عقبہ کی درج ذیل ایک روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل صفہ میں شامل رہے۔

عقبہ بتاتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم اس وقت صفہ میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ بطحان یا عقیق کے بازار میں جائے۔ اور روزانہ دو موٹی تازی اونچی کوہان والی اونٹنیاں لائے؟ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک اس بات کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم

روزانہ صبح کے وقت مسجد میں جاؤ۔ اور دو آیتیں قرآن مجید کی سیکھو تو یہ دو آیات کا سیکھنا دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ تین آیات کا سیکھنا تین اونٹنیوں سے اور چار آیات کا سیکھنا چار اونٹنیوں سے علیٰ ہذا القیاس۔

عقبہ موصوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! نجات کس طرح ممکن ہو گی؟ فرمایا: اپنی زبان کو (فضولیات و لغویات سے) روک رکھو۔ دوسرے یہ کہ تیرا گھر وسیع ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنی خطا اور قصور پر آنسو بہاؤ۔

عقبہ ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ باری باری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب میری باری آئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ چنانچہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا۔ تمام انسانوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ پھر ایک پکارنے والا بلند آواز سے کہے گا کہ آج تمام لوگ جان لیں گے کہ عزت و کرامت اور بزرگی کس کے حصہ میں آتی ہے۔ یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا جائے گا۔ پھر وہ کہے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ ہو جاتے تھے۔ اور وہ اپنے رب کو امید و خوف کی میانی کیفیت میں پکارتے تھے۔ اس کے بعد منادی پھر تین مرتبہ پکارے گا کہ آج لوگ جان لیں گے کہ عزت و شرف کن لوگوں کے واسطے ہے۔ پھر کہے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں تجارت اور کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے تھے۔ پھر آواز دے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو دن رات اللہ کی حمد بیان کیا کرتے تھے۔

عقبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو گرم گرم بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پاک صاف ہو کر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ملائکہ سے ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کی طرف جو اٹھا ہے محض اس لئے کہ مجھ سے مانگے سن لو وہ جو کچھ مانگے گا اسے عنایت کیا جائے گا۔

عباد بن خالد الغفاری

واقدی کے بیان کے مطابق عباد بن خالد الغفاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ واقدی نے کہا یہ وہی صحابی ہیں جو صلح حدیبیہ کے روز قرعہ اندازی سے کنویں میں اترے۔ ان سے ایک روایت یوں منقول ہے کہ بنی لیث کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو شعر نہ سناؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ آپؐ کے منع کرنے کے باوجود اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش میں چند شعر کہہ دیئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو نے اچھے شعر کہے ہیں۔

عمرو بن عوف المزنی

ابو عبداللہ الحافظ النیسا پوری کے بیان کے مطابق عمرو بن عوف المزنی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ عمرو مذکور ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک ہوئے۔ جب ہم مقام روحا میں

پہنچے تو آپؐ ظبیہ کی پہاڑی پر اترے اور نماز پڑھی۔ پھر فرمایا۔ اس جگہ مجھ سے پہلے ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔ حضرت موسیٰؑ جب یہاں آئے تو وہ ستر ہزار بنی اسرائیل کے افراد کے درمیان خاکستری رنگ کی ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ اور ان کے جسم پر روئی کے دو چغے تھے۔ اور اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی۔ جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حج یا عمرہ کو جاتے ہوئے یہاں سے گزر نہ لیں گے۔

عمرو مذکور کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ مجھے اپنے بعد اپنی امت کے بارے میں تین اعمال کا ڈر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ کون سے اعمال ہیں؟ فرمایا: عالم دین کی غلطی، حاکم کا ناجائز فیصلہ اور خواہش نفس کی پیروی۔

کثیر بن عبداللہ المزنی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک دین اللہ کی ابتداء ہوئی تو اجنبی تھا۔ اور پھر آخر اجنبی بن جائے گا۔ ان لوگوں کے لئے سعادت ہے جو میری ان سنتوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

عمرو بن تغلب

حضرت عمرو بن تغلب اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ آپ بعد میں بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عمرو بن تغلب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جو مجھے بہت قیمتی سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا "میں بعض لوگوں کو ان کی بے صبری اور شکوہ و شکایت کے خوف سے کچھ دے دیتا ہوں۔ اور بعض دوسرے لوگوں کو جن کے دلوں کو اللہ تعالےٰ نے غنا عطا فرمائی ہے۔ ان کی سیر چشمی کی وجہ سے کچھ نہیں دیتا۔ ان دوسرے لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہیں۔"

عویم بن ساعدۃ الانصاری

عبداللہ النیسابوری کے بیان کے مطابق حضرت عویم بن ساعدہ الانصاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ آپ بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ عمرو بن عوف میں سے تھے۔ آپ نے جنگ بدر میں بھی حصہ لیا۔ حضرت عویم بن ساعدہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے پسند فرمایا۔ اور میرے لئے ساتھی بھی منتخب فرمائے۔ جن میں سے کچھ تو میرے رشتہ دار ہیں۔ کچھ میرے مددگار ہیں۔ اور کچھ میرے وزراء ہیں۔ جس نے ان کو گالی دی۔ اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے۔ اللہ کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن ان سے کوئی فدیہ اور کوئی بدلا قبول نہ کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ قیامت میں نظام عدل کا اصول یہ ہے کہ نیکی بدی کو دھوئے گی اور اگر نیکی بڑھ جائے گی تو مغفرت ہو جائے گی لیکن سب و شتم صحابہ میں حضور نے فرمایا کہ کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہ ہوگا۔ پس شاتم صحابہ اگرچہ نیک اعمال کا خزانہ بھی ساتھ لئے ہوئے ہوگا۔

اس جرم کے بدلے میں قبول نہ کیا جائے گا۔ اور اس جرم کی سزا اس کو ضرور ملے گی۔

عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شمار اصحاب صفہ میں کیا گیا ہے۔ عبید کہتے ہیں کہ وہ ابو عامر الاشعری ہیں اور جنگ حنین میں مارے گئے تھے۔ اور ابو عامر وہ عبید نہیں جو رسول اللہ کے غلام تھے۔ حضرت عبید غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے علاوہ کسی نماز کا حکم فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں عشاء اور مغرب کے درمیان یہ بدایت شعبہ اور ابن المبارک نے سلیمان التیمی سے بھی روایت کی ہے۔

عکاشہ بن محصن الاسدی

حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ آپ نے بلوائے براختہ میں شہادت پائی۔ آپ کو طلیحہ نے ایام فتنۂ ارتداد میں شہید کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبع اور امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رب العالمین۔ میری امت کہاں ہے آواز آئی کہ اپنی داہنی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک ٹیلہ نظر آیا۔ جو لوگوں کے چہروں سے اٹا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رب العالمین یہ کون ہیں۔ آواز آئی یہ تیری امت ہے۔ پھر آواز آئی کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں یا رب العالمین۔ پھر آواز آئی کہ آپ اپنی بائیں جانب دیکھیں۔ میں نے دیکھا تو ایک بلندی پر لوگوں کے چہرے ہی چہرے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رب العالمین یہ کون ہیں۔ آواز آئی کہ یہ تیری امت ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا آپؐ خوش ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں رب العالمین۔ میں خوش ہوں۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار وہ افراد بھی آپ کی امت میں ہیں۔ جو بلا حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عکاشہ بن محصن اٹھے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ دعا فرمائیں کہ میں ان میں شامل کیا جاؤں۔ آپؐ نے دعا فرمائی۔ اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا۔ اور عرض کرنے لگا کہ میرے لئے بھی اللہ کے رسولؐ دعا فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا۔ عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ان ستر ہزار کے بارے میں لوگوں میں چرچا ہونے لگا تھا۔ لوگوں کی یہ بات آپؐ تک بھی پہنچی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ستر ہزار وہ ہوں گے۔ جو نہ تو داغنے کا عمل کرتے ہیں۔ اور نہ ہی جادو ٹونہ، جھاڑ، پھونک کرتے ہیں۔ اور نہ ہی گرداتے ہیں۔ اور نہ ہی فال نکالتے ہیں۔ اور ہر معاملہ میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

العرباض بن ساریہ

حضرت عرباض بن ساریہ کا شمار بھی اصحاب صفہ میں کیا گیا ہے۔ آپ بہت رقیق القلب تھے۔ آپ اور آپ جیسے

دیگر صحابہ کرام کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ:- وہ واپس ہوئے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں میں اس لئے آنسو جاری تھے کہ وہ (کوئی ایسی چیز) نہیں پاتے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر سکیں)۔

عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف پر تین مرتبہ اور دوسری صف پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عمرو السلمی اور حجر بن حجر بیان کرتے ہیں کہ ہم عرباض بن ساریہ کے پاس آئے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ:۔ ان لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں جو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ تاکہ آپ انہیں سواری اور دیگر سامان حرب عنایت فرمائیں۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی ایسی سواری نہیں جس پر میں تمہیں سوار کردوں) ہم نے سلام کیا اور عرض کیا ہم لوگ آپؐ کی زیارت کرنے، آپ کی عیادت کرنے اور آپ سے مستفید ہونے کے لئے آئے ہیں

حضرت عرباضؓ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اہل صفہ کی طرف تشریف لاتے تھے۔ آپؐ کے سر مبارک پر ایک مخصوص قسم کا عمامہ ہوتا اور ارشاد فرماتے۔ (اے اہل صفہ) اگر تم اس انعام و اکرام کو جانتے ہوتے جو باری تعالیٰ نے تمہارے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے تو تم اس مال و اسباب پر غمگین نہ ہوتے جو تم سے جدا کر دیا گیا ہے۔ تم لوگ فارس اور روم کو فتح کرو گے۔

عروہ بن رویم بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ میں عرباض بن ساریہ بہت بوڑھے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ باری تعالےٰ ان کی روح قبض کرلے۔ چنانچہ یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میری عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اور میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ لہٰذا مجھے اپنے پاس بلالے۔

عبداللہ بن حبشی الخثعمی

ابوسعید ابن الاعرابی کے ذکر کے مطابق عبداللہ بن حبشی الخثعمی بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ موصوف یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا ایسا مضبوط ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو۔ اور ایسا دیانتدارانہ جہاد جس میں کوئی خیانت نہ ہو۔ اور ایسا حج جس میں کسی خلافِ شرع امر کا ارتکاب نہ ہو عرض کیا گیا۔ نماز کونسی افضل ہے؟ فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ عرض کیا گیا۔ صدقہ کونسا افضل ہے؟ فرمایا۔ کم مال والے کا اپنی ہمت و طاقت کا خرچ کرنا۔

عتبہ بن عبد السلمی

ابوسعید ابن الاعرابی نے عتبہ بن عبد السلمی کو بھی اہل صفہ میں شمار کیا ہے۔ یہ عقبہ ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آدمی ولادت سے لے کر مرنے تک کا درمیانی عرصہ محض اللہ کی خوشنودی لی

خاطر منہ کے بل گرا پڑا رہے۔ تو قیامت کے دن اتنی بڑی نیکی کو بھی حقیر خیال کرے گا۔

عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لباس عطا کرنے کی درخواست کی تو آپ نے مجھے کتان کے کپڑے کی دو چادریں پہنائیں۔ چنانچہ ان دو چادروں کو میں نے زیب تن کیا۔ اور میرے دوسرے ساتھیوں نے بھی بعض اوقات پہنیں

عتبہ بن الندر السلمی

ابوسعید بن الاعرابی نے عتبہ بن الندر السلمی کو بھی اہل صفہ میں شمار کیا ہے۔ ان عتبہ سے ایک حدیث یوں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے ذکر کردہ دو مدتوں میں سے کونسی مدت کو پورا کیا تھا؟ فرمایا: جو اُن دونوں میں وفا اور نیکی کے زیادہ قریب تھی۔

عمرو بن عبسہ السلمی

ابوسعید ابن الاعرابی کی تحقیق کے مطابق عمرو بن عبسہ السلمی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ عمرو بن عبسہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں چوتھا شخص اسلام قبول کرنے والا ہوں۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اس معاملہ (دین قبول کرنے) میں کن لوگوں نے آپؐ کی پیروی کی ہے؟ فرمایا ایک آزاد نے اور ایک غلام نے یعنی ابوبکرؓ اور بلالؓ نے۔

عبادہ بن قرص

عبادہ کے والد کا نام قرص بھی بتایا گیا ہے اور قرط بھی۔ ابن الاعرابی نے انہیں اصحاب صفہ میں شمار کیا ہے۔ حمید بن ہلال عبادہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا! لوگو! تم ایسے اعمال کرتے ہو۔ جو تمہاری نگاہ میں بال سے بھی زیادہ باریک یعنی بالکل معمولی حیثیت کے ہیں۔ مگر ہم لوگ ان اعمال کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔

عیاض بن حمار المجاشعی

ابوسعید بن الاعرابی کے بیان کے مطابق عیاض بن حمار المجاشعی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یوں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین قسم کے لوگ جنتی ہیں۔ وہ صاحبِ اقتدار آدمی جو ہر معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے والا ہو۔ صدقہ کرنے والا ہو، اور پختہ یقین والا ہو۔ دوسرا وہ آدمی جو نہایت رحم دل ہو۔ رقیق القلب ہو، اور اپنے پرائے ہر مسلمان کے ساتھ بھلائی کرنے والا ہو۔ تیسرا وہ فقیر و تنگدست آدمی جو پاک دامن ہو، اور لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے سے بچنے والا ہو۔ یہی عیاض روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے

ارشاد فرمایا:- بلاشبہ باری تعالٰے نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم لوگ اس قدر تواضع وانکساری اختیار کرو کہ تم میں کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے۔

فضالتہ بن عبید الانصاری

ابن الاعرابی نے فضالتہ بن عبید الانصاری کو بھی اہل صفہ میں شمار کیا ہے۔ ان سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو بعض اہل صفہ بھوک سے نڈھال ہونے کی وجہ سے گر پڑتے۔ دیہاتی لوگ ان کے متعلق کہتے کہ یہ پاگل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر رخ انور اُن اہل صفہ کی طرف پھیرتے اور فرماتے اگر تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالٰے نے تمہارے واسطے کیا اجر و ثواب اور انعام و اکرام تیار کر رکھا ہے تو تم خواہش کرتے لگو کہ تمہیں اس سے زیادہ تنگی اور فاقہ کی نوبت پہنچے۔

حضرت فضالتہ بن عبید فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ باری تعالٰے نے رائی کے دانے کے برابر میرا عمل قبول کر لیا ہے۔ تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (بے شک اللہ تعالٰے متقی لوگوں کی طرف سے اعمال کو قبول فرماتا ہے۔

فرات بن حیان العجلی

ابوعبدالرحمٰن السلمی نے فرات بن حیان العجلی کو حضرت سفیان ثوری کے حوالہ سے اہل صفہ میں گردانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ ابوسفیان کا جاسوس اور حلیف تھا۔ مگر ایک مرتبہ یہ انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا تو کہنے لگا۔ میں مسلمان ہوں۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچائی کہ وہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے اندر بعض ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں ہم انہی کے ایمان کی طرف سپرد کرتے ہیں یعنی چونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس لئے ہم انہیں مسلمان تصور کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرات بن حیان العجلی بھی ہے۔

ابوفراس الاسلمی

محمد بن عمرو بن عطا کے قول کے مطابق ابوفراس الاسلمی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ یہ وہ صحابی تھے جو ہمہ وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے اور آپ کی خدمت و دیگر ضروریات کو پورا کرتے۔ ایک دن علیحدگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "سلنی اعطک" مجھ سے (جو چاہو) مانگو۔ میں تمہیں عطا کر دوں گا! انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالٰے سے دعا فرمائیے کہ وہ قیامت کے دن مجھے آپ کے پاس رکھے۔ فرمایا۔ میں یہ کر دوں گا مگر تم اپنے نفس کے خلاف (جہاد کرتے ہوئے) کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرنا۔

قرۃ بن ایاس المزنی

ابن الاعرابی کے بیان کے مطابق ابومعاویہ قرۃ بن ایاس المزنی بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان کے بیٹے معاویہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمر کا ایک طویل حصہ گزارا ہے۔ ہمارے واسطے کھانے سوائے اسودان (دو سیاہ چیزیں) کے اور کوئی چیز نہ ہوتی۔ پھر فرمایا کیا جانتے ہو کہ "اسودان" کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا۔ پانی اور کھجور۔

کناز بن الحصین

ابوعبدالرحمٰن السلمی نے واقدی، ابوعبداللہ الحافظ کے حوالہ سے کناز بن الحصین کو اہل صفہ میں شمار کیا ہے۔ غزوہ بدر میں شریک تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ ان سے ایک حدیث یوں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ قبروں پر (یا قبروں کے سامنے) نماز نہ پڑھو، اور نہ ہی قبروں پہ بیٹھو۔

کعب بن عمروؓ

ابوعبداللہ الحافظ النیساپوری کی طرف سے ابوالیسر کعب بن عمرو کو اہل صفہ میں داخل کیا گیا ہے۔ حضرت کعب بدری صحابہ میں سے ہیں۔

ابوالیسر کعب بن عمرو کہتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں نے عباس بن عبدالمطلب کو دیکھا کہ بت کی مانند کھڑے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ کیا آپ اپنے بھتیجے کے مقابلے میں اس کے دشمن کے ساتھ مل کر لڑتے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا بنا؟ کیا وہ قتل ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا۔ اس چیز سے اللہ تعالےٰ ان کی امداد اور حفاظت فرمانے والا ہے۔ یعنی دشمن انہیں قتل نہیں کر سکتے۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ تم میری طرف کس مقصد کے لئے آئے ہو؟ میں نے کہا آپ کو گرفتار کرنے کے واسطے۔ کیونکہ آپ کے قتل سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کہا یہ ان کی پہلی صلہ رحمی نہیں۔ اس سے پہلے بھی متعدد بار صلہ رحمی کر چکے ہیں چنانچہ میں ان کو قیدی بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔

حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ جس شخص نے قرض وصول کرنے میں تنگدست کو مہلت دی یا بالکل ہی معاف کر دیا۔ اللہ تعالےٰ اسے اس دن سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔

ابوکبشہ (مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوکبشہ بھی ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کی طرف سے اہل صفہ میں شمار کئے گئے ہیں۔

ایک حدیث ابوکبشہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ ثابت قدم اور ہمیشہ سیدھے رستے پر چلتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اگر تمہیں عذاب میں مبتلا کرے تو اسے کوئی پروا نہیں عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو ذرہ بھر (برائی سے) اپنا دفاع نہیں کریں گے۔

مصعب بن عمیر الداری

محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت مصعب بن عمیر بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ بہت بڑے قاری، اسلام کے اولین مبلغ اور داعی، متقی لوگوں کے سردار، نذر کو پورا کرنے والے، اترانے اور تساہل سے نفرت کرنے والے اور اللہ سے انتہائی ڈرنے والے تھے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت عروہ بن زبیر بتاتے ہیں کہ انصار نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سنا اور آپ کی دعوت پر ان کے نفوس مطمئن ہو گئے۔ تو انہوں نے آپ کی تصدیق کی یعنی آپ پر ایمان لائے۔ انصار کا ایمان لانا بھلائی کے اسباب میں سے تھا۔ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ سال حج کے موقعہ پر پھر ملیں گے۔ جب وہ لوٹ کر اپنی قوم میں چلے گئے تو انہوں نے وہاں سے ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اپنی طرف سے ایک مبلغ بھیجیں جو لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے قبیلہ بنی غنم میں اسعد بن زرارہ کے ہاں قیام فرمایا۔ وہ لوگوں کو قرآن و حدیث سناتے۔ حضرت مصعب کی تبلیغ اور سعی سے انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا۔ جس میں کوئی نہ کوئی مسلمان نہ ہو۔ بڑے بڑے سردار مسلمان ہو گئے۔ جن میں عمرو بن جموح بھی شامل تھے۔ تمام بت توڑ دیئے گئے مصعب جب لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہیں "مقریٔ" (پڑھانے والا) کے لفظ سے بلایا جاتا تھا

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مصعب نے ہی مسلمانوں کو جمعہ پڑھایا۔

غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہو کر چلے تو رستے پر گزرتے ہوئے دیکھا کہ مصعب شہید ہوئے پڑے ہیں۔ اس وقت آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی (ترجمہ:۔ اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا۔ اس میں پورے اترے۔ الاحزاب: ۲۳)

عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصعب کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہو گئے

اور تمام شہداء کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے ہاں زندہ ہو۔ لوگو (شہداء کی قبور کی) زیارت کرو، اور انہیں سلام کہو۔ قسم بخدا قیامت تک جو بھی ان کو سلام کہے گا۔ یہ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب کی طرف دیکھا۔ درانحالیکہ وہ مینڈھے کی کھال کا تہبند بنائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس شخص کی طرف دیکھو جس کے دل کو اللہ تعالےٰ نے منور فرما دیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا کہ اس کے والدین اس کو بہترین کھانا پینا دیتے تھے۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے اسے اُس کام کی طرف بلایا جس کو تم دیکھ رہے ہو۔

المقداد بن الاسودؓ

محمد بن یحییٰ الذہلی کے بیان کے مطابق حضرت المقداد بن الاسود بھی اہل صفہ میں داخل ہیں۔ شیخ ابونعیم فرماتے ہیں کہ یہ مقداد در اصل عمرو بن ثعلبہ کے بیٹے ہیں۔ جو اسود بن عبد یغوث کے غلام تھے۔ یہ سابق الاسلام تھے۔ جنگ اور حملہ کے وقت شہسوار تھے ان کے سامنے نبوت کے دلائل اور نشانیاں ظاہر ہوئیں، عامل بننے سے اعراض کئے رکھا۔ آزمائش اور مصائب میں پڑنے کے بجائے جہاد اور عبادت کو ترجیح دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، عمار کی والدہ سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اللہ تعالےٰ نے ان کے چچا ابوطالب کے ذریعے اور ابوبکر کی حفاظت ان کی قوم کے ذریعے کرائی۔ باقی مسلمانوں کو مشرکین مکہ پکڑ کر لوہے کی زرہیں پہنا دیتے اور گرم دھوپ میں پھینک دیتے۔

عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باری تعالےٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہ خود بھی ان چاروں سے محبت رکھتا ہے۔ اے علیؓ اُن میں سے ایک تو ہے۔ باقی مقداد، ابوذر اور سلمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی جنگ میں مقداد کا ساتھی بننا، دنیا کی تمام کائنات سے زیادہ پسند ہے۔ وہ پائے کے شہسوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (غزوات کے موقعہ پر) جب کبھی غصہ میں آتے تو آپؐ کے رخسار مبارک سرخ ہو جاتے حضرت مقداد اس وقت حاضر ہوتے اور عرض کرتے۔ یا رسول اللہ! ناراضگی نہ فرمایئے۔ خدا کی قسم ہم آپؐ سے وہ بات ہرگز نہ کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے"۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں کٹ مریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ آپ کو فتح عطا فرمائے۔

محمد ابن اسحاق نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف روانہ ہوئے تو صحابہ سے مشورہ فرمایا۔

حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ! باری تعالیٰ نے آپ کو جو حکم فرمایا ہے اسے کر گزریئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم آپ سے وہ بات نہ کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں تلواروں کے سینہ کی طرف لے چلیں۔ تو ہم آپ سے قبل ان کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت خوب اور پھر ان کے حق میں دعا فرمائی۔

مقداد ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھی بھوک کی شدت کی وجہ سے اس حال میں تھے کہ ہماری قوتِ سماع اور بینائی جاتی رہی تھی۔ ہم نے کئی صحابہ سے کہا کہ وہ ہماری میزبانی کریں۔ مگر ان سب کا خود اپنا یہی حال تھا۔ بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ تمام آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کل تین بکریاں تھیں۔ جن کے دودھ پر گزارہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ دودھ تمام افراد میں تقسیم فرماتے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کبھی دیر سے تشریف لاتے تو ہم آپؐ کا حصہ رکھ لیتے جب آپؐ تشریف لاتے تو آتنی آواز سے سلام کہتے کہ جاگنے والا سن لیتا اور سونے والے کی نیند میں خلل نہ پڑتا۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی دیر ہو گئی۔ شیطان نے مجھے یہ پٹی پڑھائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ آپؐ وہاں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھا کر آئیں گے۔ لہٰذا یہ دودھ جو آپؐ کے حصہ کا رکھا ہوا تھا مجھے پی لینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اسے پی لیا۔ جب پی چکا تو اس نے سخت ندامت دلائی اور کہا تجھ سے یہ کیسا فعل سرزد ہو گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ اور جب اپنے حصے کا دودھ نہیں پائیں گے تو تجھے بددعا دیں گے۔ خیر میرے دونوں ساتھی تو اپنے حصہ کا دودھ پی کر سو گئے۔ مگر مجھے اب کہاں نیند آتی۔ میرے اوپر جو چادر تھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ سر کی طرف کھینچتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں کی طرف کھینچتا تو سر ننگا ہو جاتا۔ اسی اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے حسبِ منشا نماز پڑھی (نوافل) اس کے بعد دودھ والے برتن کی طرف دیکھا تو اس میں کوئی چیز نہ پائی۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میں لرز کر رہ گیا کہ اب آپ بددعا فرمانے لگے ہیں۔ بس میں تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر آپ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ دعا یوں فرمائی "اے اللہ تو اس شخص کو کھلا جو مجھے کھلائے اور اس شخص کو پلا جو مجھے پلائے" یہ سن کر میں نے آہستہ سے چھری لی اور بکریوں کی طرف چل پڑا کہ جو موٹی ہو گی اسے آپ کے لئے ذبح کر کے لاؤں گا۔ جب بکریوں کے پاس گیا تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ فوراً آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ برتن لیا۔ جس میں دودھ دوہا جاتا تھا۔ میں نے دودھ دوہا تو برتن کناروں تک بھر گیا۔ میں وہ دودھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ آپؐ نے کچھ دودھ نوش فرمایا پھر مجھے پینے کو دیا۔ میں نے پی کر دوبارہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے دوبارہ نوش فرمایا۔ آپؐ نے پھر وہ مجھے دے دیا اور میں نے بھی دوبارہ لیا۔ اس کے بعد مجھے اس قدر ہنسی آئی کہ میں زمین پر گر گیا۔ آپؐ نے فرمایا اے مقداد! یہ تو بری چیز ہے۔ میں اٹھا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا بس یہ اللہ کی رحمت تھی اگر تم اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی جگا لئے ہوتے تو وہ بھی پی لیتے۔ میں نے عرض کیا۔ قسم بخدا میں یہ قطعاً پسند نہیں کرتا کہ آپ کا جھوٹا کسی اور کو دے دوں۔

حضرت مقداد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ تم نے امارت (گورنری) کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے یوں سمجھا کہ تمام لوگ میرے غلام ہیں۔ اللہ کی قسم آئندہ میں زندگی بھر عامل نہیں بنوں گا۔

مسطح بن اثاثہ ابو عباد

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کی تحقیق کے مطابق مسطح بن اثاثہ بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ حدیث افک میں ان کا ذکر آتا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس پر حضرت ابوبکر ان کے فقر و تنگدستی کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔ جب اس نے واقعہ افک میں دلچسپی لی تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ اس پر خرچ نہیں کریں گے تو سورہ نور کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ترجمہ (انہیں چاہیئے کہ عفو و درگذر سے کام لیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے) حضرت ابوبکر دوبارہ ان پر خرچ کرنے لگے۔ اور فرمایا کیوں نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ باری تعالیٰ میری مغفرت فرمائے

مسعود بن ربیع القاری

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے بیان کے مطابق مسعود بن ربیع القاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ان سے ایک حدیث یوں مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص بلا حاجت لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ سوال کرنے سے بے نیاز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بدصورت بن جاتا ہے اور عند اللہ اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

معاذ ابو حلیمہ القاری

ابو عبداللہ الحافظ النیسابوری کے قول کے مطابق معاذ ابو حلیمہ القاری بھی اہل صفہ میں شامل ہیں۔ ابوبکر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ہمارے ملنے کے لئے تشریف لائیں۔ رات میں اٹھ کر نماز پڑھنے لگا (تہجد) اور قرأت آہستہ آہستہ پڑھ رہا تھا۔ عمرۃ بولیں اے بھتیجے! قرآن مجید اونچی آواز سے کیوں نہیں پڑھتے۔ معاذ قاری اور افلح کے قرآن پڑھنے کو سنو کہ وہ کیسے سوتوں کو جگا دیتے ہیں۔

واثلہ بن الاسقع

واقدی اور یحییٰ بن معین کے مطابق واثلہ بن الاسقع اہل صفہ کے مستقل سکونت پذیروں میں سے تھے۔ واقدی نے یہ بھی لکھا کہ واثلہ اس وقت اسلام لائے۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔

واثلہ بن الاسقع بیان کرتے ہیں کہ ہم اصحاب صفہ مسجد نبوی میں بیٹھے رہا کرتے۔ ہم میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا۔ جس کے لئے تن ڈھانپنے کے لئے پورا لباس ہو۔ ہمارے اجسام اور کپڑوں پر پسینہ کی وجہ سے غبار اٹ جاتا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہماری طرف تشریف لائے۔ اور تین مرتبہ فرمایا۔ فقرائِ مہاجرین کے لئے بشارت ہو۔

واثلہ بن الاسقع ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک آگیا۔ ہم اہلِ صفہ نے روزے رکھنے شروع کر دیئے جب افطاری کا وقت ہوتا کوئی نہ کوئی آدمی آتا اور ہم اہلِ صفہ میں سے کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتا اور اسے رات کا کھانا کھلاتا۔ ایک شام ایسی آئی کہ کوئی آدمی نہ آیا۔ ہم نے دوسرے دن روزے پر روزہ رکھا۔ دوسرے دن بھی اتفاق ایسا ہوا کہ افطاری کے وقت کوئی آدمی نہ آیا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کی طرف پیغام بھیجا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ ہو تو بھیج دیں۔ تمام ازواجِ مطہرات نے قسمیہ کہلا بھیجا کہ ان کے گھروں میں کوئی شے ایسی نہیں جسے انسان کھا سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ صفہ سے فرمایا۔ اکٹھے ہو جاؤ۔ جب تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ تو رحمۃ للعالمین نے یوں دعا فرمائی۔

اے باری تعالیٰ! ہم تیرے فضل اور تیری خصوصی رحمت کی تجھ سے درخواست کرتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں (فضل و رحمت) صرف اور صرف تیرے ہی پاس ہیں۔ تیرے علاوہ کوئی اور ہستی ان کی مالک نہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہی تھی کہ ایک آدمی نے باہر سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس کے پاس بھنی ہوئی ایک بکری اور بہت ساری روٹیاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ کھانا ہمارے سامنے رکھ دیا گیا۔ چنانچہ ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل اور رحمت کی درخواست کی! اور اس نے ہمیں اپنے فضل و رحمت سے نوازا بلاشبہ اس کے ہاں ہمارے واسطے رحمت کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

واثلہ بن الاسقع کہتے ہیں کہ میں اہلِ صفہ میں تھا۔ میرے ساتھیوں نے بھوک کی شکایت کی اور مجھ سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں۔ اور آپؐ سے کھانا ان کے لئے مانگوں۔ چنانچہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ساتھی بھوک کی شکایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صرف چند ٹکڑے روٹی کے ہیں۔ فرمایا انہیں کو لے آؤ۔ وہ چمڑے کے ایک برتن میں لے آئیں۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا پیالہ منگوایا۔ اور خود اس میں ٹکڑے ڈال کر اپنے دستِ مبارک سے ثرید بنانے لگے۔ وہ ثرید زیادہ ہونے لگی۔ حتیٰ کہ پیالہ لبالب بھر گیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اے واثلہ جاؤ، اور اپنے سمیت دس ساتھیوں کو بلا لاؤ۔ میں گیا اور دس آدمی مزید بلا لایا۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اور اللہ کا نام لے کر (بسم اللہ پڑھ کر) پیالے کے ارد گرد سے کھانا شروع کر دو۔ اور درمیان پیالہ سے نہ کھانا۔ کیونکہ برکت درمیان برتن میں اترا کرتی ہے۔ چنانچہ دس آدمیوں نے اس پیالہ سے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور اٹھ گئے ادھر پیالہ بالکل اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ آپؐ نے واثلہ سے فرمایا جاؤ۔ اور دس آدمی مزید بلا لاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور دس ساتھیوں کو بلا لایا۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھو، چنانچہ دوسرے گروپ نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اور دس آدمیوں کو بلا لاؤ۔ چنانچہ تیسرے گروپ نے بھی خوب سیر ہو کر کھا لیا۔ اس کے بعد پوچھا۔ کیا کوئی ابھی باقی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! دس آدمی ابھی اور ہیں۔ فرمایا۔ ان کو بھی بلا لاؤ۔ میں انہیں لے گیا۔ انہوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھا لیا۔ اور کھا کر اٹھ

گئے۔ پیالہ اب بھی اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ فرمایا واثلہ جاؤ اور یہ پیالہ عائشہ کو دے آؤ۔

حضرت واثلہ بیان کرتے ہیں کہ میں فقراء مسلمانوں یعنی اہل صفہ میں سے تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ میرے بعد تمہاری حالت کیا ہوگی۔ جبکہ تم لوگ گندم اور زیتون کی پکی ہوئی روٹیوں کو خوب سیر ہو کر کھایا کرو گے۔ اور تم طرح طرح کے کھانے اور کپڑے زیب تن کرو گے۔ بتاؤ تم آج اس حالت میں بہتر ہو یا اس وقت بہتر ہو گے؟ ہم نے عرض کیا اس وقت فرمایا: نہیں۔ بلکہ تم اس وقت بہتر ہو۔ حضرت واثلہ فرماتے ہیں کہ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ہم نے انواع و اقسام کے کھانے کھائے۔ طرح طرح کے لباس پہنے اور کئی قسم کی سواریوں پر سوار ہوئے۔

وابصہ بن معبد الجہنی

وابصہ بن معبد الجہنی بھی اہل صفہ میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ ایوب بن مکرز بتلاتے ہیں کہ وابصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اصحاب صفہ کے پاس بیٹھ جاتے اور کہتے یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔

حضرت وابصہ ایک حدیث یوں بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خیال تھا آج کوئی ایسی نیکی اور گناہ نہ چھوڑوں گا۔ جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں۔ چنانچہ میں نے گردنیں پھلانگتے ہوئے آپ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ لوگوں نے مجھے روکنا چاہا۔ تو میں نے کہا۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے دو۔ کیونکہ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور میں آپ کے قریب بیٹھنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے وابصہ قریب ہو جاؤ۔ میں آپ کے اتنا قریب ہو کر بیٹھا کہ میرے گھٹنے آپ کے مبارک گھٹنوں سے مس کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اے وابصہ کیا میں تمہیں اس امر کی بابت خبر دوں۔ جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو مجھ سے ہر قسم کی نیکی اور ہر قسم کے گناہ کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔ میں عرض کیا جی ہاں۔ آپ اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے میرا سینہ ٹھونکنے لگے۔ میرے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: اے وابصہ اپنے دل اور اپنے نفس سے نیکی کا فتویٰ پوچھ لے۔ جس فعل پر تیرا دل اور تیرا نفس مطمئن ہو۔ وہ نیکی ہے اور گناہ وہ امر ہے جو تیرے دل اور نفس میں کھٹکے اور تردد پیدا کرے۔ لوگ تجھے جو بھی فتویٰ دیں نیکی اور گناہ کی حقیقت یہی ہے۔

ہلال مولی المغیرۃ بن شعبہ

مغیرۃ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام ہلال بھی اہل صفہ میں بتائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس دروازہ سے ایک ایسا آدمی داخل ہونے والا ہے۔ جس کی طرف باری تعالےٰ رحمت کی نظر سے دیکھے گا۔ ابو ہریرہ بتاتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد حضرت ہلال داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ہلال! میرے لئے دعا کرو۔ عرض کیا حضور! آپ تو اللہ کے محبوب اور مکرم ہیں۔ میں آپ کے حق میں کیا دعا کروں گا۔

یسار ابو فکیہہ

محمد بن اسحاق کے قول کے مطابق صفوان بن امیہ کے غلام یسار ابو فکیہہ بھی اہل صفہ میں سے ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے پاس غربا و مساکین خباب عمار، ابو فکیہہ یسار جو صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ صہیب بن سنان اور ان جیسے دوسرے مسلمان بیٹھ جاتے۔ قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے اور ایک دوسرے سے کہتے۔ یہی لوگ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ہیں۔ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے کر اور حق کی روشنی دکھا کر احسان کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ لائے ہیں، اگر وہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور اللہ تعالیٰ ہمیں چھوڑ کر ایسے لوگوں کو خاص نہ کرتا۔ انہی ضعفاء و مساکین کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ترجمہ: آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ اٹھائیے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کی رضا چاہتے ہوئے (سورہ بنی اسرائیل)

نوٹ:- شیخ ابو نعیم اصبہانی (مؤلف کتاب ہذا) فرماتے ہیں کہ ہم نے اصحاب صفہ میں انہی لوگوں کو درج کیا ہے جن کا ذکر شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کیا ہے اور بتایا ہے کہ مذکورہ لوگ یا تو مستقل طور پر صفہ میں رہے یا چند دن صفہ میں ٹھہرے۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی ان شیوخ میں سے ہیں۔ جن کے ساتھ ہم نے ملاقات کی ہے۔ وہ تصوف اور صوفیہ کے سلسلہ میں زبردست دلچسپی رکھتے تھے صوفیہ کے طریقوں کو لازم پکڑنے والے اور ان کے آثار پر چلنے والے تھے۔ ہوس پرست اور جاہل صوفیوں سے دور بھاگنے والے تھے۔ کیونکہ مذہب تصوف کی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے۔ ان تمام امور میں جو آپ نے ہم تک پہنچائے یا شروع فرمائے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہی (مؤلف) نے اُن ناموں کو بھی ملایا ہے۔ جن کا ذکر ابو سعید بن الاعرابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ وہ بھی ایک بلند مرتبہ راوی حدیث اور بہت بڑے صوفی ہیں۔ صوفیہ کرام کی سیرت، حالات، سیر و سیاحت اور ریاضت و مجاہدات کے سلسلہ میں موصوف کی بہت ساری تصانیف مشہور ہیں۔

علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدیؐ کا حصّہ

شبیر احمد خان غوری و رضاء اللہ انصاری

اسلام کی بعثت دنیا پر اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا احسان تھی۔ جس کے نتیجہ میں اس نے اسے حملہ دینی و دنیوی برکتوں سے نوازا۔ ان میں سب سے عظیم برکت علم و حکمت کی نعمت تھی۔ جس سے بہرہ اندوز ہو کر اس نے کائنات کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ اس دین مبین کے پیرؤوں نے عرصۂ قلیل میں ربع مسکون کے بڑے حصہ میں جو

ع۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

بلکہ خلیج بنگال سے اقصائے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ بے شک یہ تاریخ کا ایک عظیم اعجوبہ ہے لیکن اس سے بھی عظیم تر اعجوبہ یہ ہے کہ وہ قوم جس کا امتیازی وصف اسلام لانے سے پہلے "جہل" تھا اور جو انتہائی غرور و تکبر سے کہتی تھی۔

الا لا یجہلن احد علینا فنجہل فوق جہل الجاہلینا

مشرف با سلام ہونے کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مشرق و مغرب کے علمی اندوختہ کی وارث و امین ہو گئی جس کے بعد مال و زر کی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہ رہی۔ اب وہ بکمال طمانیت قلبی کہتی تھی۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللجہال مال

یہی نہیں، بلکہ جہاں تک اس کے پیشرو نہیں پہنچے تھے۔ پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ کر ہی دم لیا۔ اور اس طرح جو کچھ اپنے پیشروؤں سے لیا تھا۔ اس میں چار چاند لگا کر اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک بیش بہا ورثہ فراہم کر دیا۔

اور یہ سب کچھ اس زمانہ میں کیا۔ جب کہ پوری دنیا، بالخصوص اس کا مغربی علاقہ (یورپ) جو آج علم و حکمت کی روشنی سے مشرق کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہا ہے، ظلمت و جہالت کا تیرہ مغاک بنا ہوا تھا۔

یقیناً یہ ایک عظیم ترین اعجوبہ ہے۔ جسے مغرب کے مدعیان تحقیق اور ادعائی دانشوروں نے کبھی اس تاریخی حقیقت کا سرے سے انکار کر کے کبھی اس کی عظمت کی تنقیص و استخفاف کر کے اور کبھی دور از کار تعلیلات و تاویلات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان مضحکہ خیز توجیہات سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھتا ہی چلا گیا۔ حالانکہ اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ کیونکہ اسی کے اطمینان بخش حل پر اس تاریخی حقیقت کی سعی توجیہ سے زیادہ ایک علمی سوال کا جواب موقوف ہے کہ

"کیا آج کے سائنسی دور میں اسلام اپنے اصولوں پر کسی قسم کا سمجھوتہ کئے بغیر زندگی کے ترقی پذیر دھاروں کے ساتھ چل سکتا ہے یا نہیں؟"

لیکن حقیقت شناس نظروں میں اس لاینحل معما کا حل صاف ظاہر اور واضح ہے۔ اس کی رو سے اس عجوبہ کا راز مضمر ہے۔ خود اسلام کے عقلیت

پسندانہ مزاج اور اس سماج کے ترقی پسند تقاضوں میں ہے جس کی اس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اور اسی اجمال کی تفصیل اس مختصر عرضداشت کا موضوع ہے

(الف) اسلام کا عقلیت پسندانہ مزاج

اسلام نے پہلے دن سے "عقلیت" (RATIONALISM) کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ قرآن اپنے مخاطبین سے عقل و خرد اور فہم و تدبر کے استعمال کا بار بار مطالبہ کرتا ہے۔ "افلا تعقلون"، "افلا یتدبرون" اور "اولم یتفکروا" اس کی دعوت کا عام لہجہ ہے۔ اسی معقولیت پسند تعلیم کا نتیجہ ہے کہ وہ کورانہ تقلید کو جو امم ماضیہ میں عام تھی "خدا سازی" (شرک) سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے یہاں ناقابل معافی گناہ ہے۔ چنانچہ قرآن پچھلی امتوں کے بارے میں کہتا ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ

انہوں نے (یہود و نصاریٰ نے) اپنے احبار (یہودی علماء) اور راہبوں کو اللہ کے سوا "خدا" بنا لیا۔

اور ان مدعیان علم و حکمت (یہودی احبار اور مسیحی راہبوں) نے خدا کے بندوں کو اوہام باطلہ کا شکار بنا رکھا تھا جن کے بوجھ سے ان کی مضطرب انسانیت کچلی جا رہی تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس کو اپنے ہی جیسی نوع کی ذہنی غلامی سے نجات دلائی۔ قرآن کہتا ہے۔

"یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم"۔

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان (مظلومین و مجبورین) کے اوپر سے ان کا بوجھ اور ان پر جو قیود عائد کی گئی تھیں اتارتے ہیں

۱۔ اسلام کی آئیڈیالوجی

اسلامی آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) کی رو سے خلاق کائنات نے انسان کو نعمت وجود سے نوازنے (خلق فرمانے) کے بعد سب سے پہلے "علم اسماء" کی دولت سے بہرہ اندوز کیا اور یہ وہ دولت تھی جس سے ملائکہ بھی تہی دامن تھے۔

"وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صٰدقین ٥ قالوا سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ٥

اور اس نے (اللہ تعالیٰ نے) آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بے شک تو جاننے والا (دانا) اور حکمت والا ہے۔

۲۔ اسلام کی اجتماعی تنظیم

اسلام سوسائٹی کی تقسیم، نسلی امتیاز، مال و دولت اور مفلسی کی بنیاد پر نہیں کرتا "صرف" دانائی اور نادانی" ہی کی

اساس پر معاشرہ کی طبقہ بندی کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

"قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" — آپ کہہ دیجئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں (عالم ہیں) اور جو لوگ نہیں جانتے (عالم نہیں ہیں) برابر ہیں

پھر اسلامی سماج میں بلند ترین مقام اشرافیہ (ARISTOCRATS) یا طبقۂ امراء کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ صرف "متقیوں" (خدا سے ڈرنے والوں) کو ہے۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" — تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

اور "تقویٰ اور خوف وخشیت الہٰی" اللہ تعالیٰ سے ہر دم ڈرتے رہنے کا وصف صرف اہل علم ہی کا حصہ ہے۔

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" — بے شک اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کسی باشوکت وسطوت شاہنشاہ کی حیثیت سے نہیں کراتا بلکہ معلم کتاب و حکمت کی حیثیت سے کراتا ہے۔ اور اس معلم کتاب و حکمت کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان بتاتا ہے۔

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" — اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

۲ - اسلام کا نظام اقدار

اسلام نے اقدار حیات کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس میں علم و حکمت ہی کو "خیراً کثیراً" زندگی کی قدر اعلیٰ یا (SUMMUM BONUM) قرار دیا ہے

"ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً" — اور جس کو حکمت ملی اس کو "خیراً کثیراً" (بہت بڑی نعمت) ملی

اس لئے جناب رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے "حکمت" کو مرد مومن کی "متاع گم گشتہ" فرمایا ہے۔ جسے وہ جہاں پائے لے لینے کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

"کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدھا فھو احق بھا"

۴ - تسخیر کائنات کی ترغیب و تشجیع

ولیم میسل نے لکھا ہے

"عیسائی خارجی فطرت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے"

اس اندازِ فکر کا نتیجہ تھا کہ جب تک وہ اپنے مذہب کی اس مزعومہ تعلیم پر کاربند رہے۔ علم و حکمت میں کوئی ترقی نہ کر سکے۔ ان سے بدتر حال مشرک اقوام کا تھا۔ وہ مظاہر کائنات کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے جاتے اور جو کچھ اتفاق سے مل جاتا۔ اسے مزعومہ دیوتاؤں کی بخشش سمجھتے اور جو کچھ نہ ملتا، اسے اُن کے قہر و غضب کا نتیجہ گردانتے۔ چنانچہ جب سکندر اعظم بحری مہم پر روانہ ہوا تو "سمندر کے دیوتا" کی خوشنودی کے لئے ایک سانڈ کی قربانی دی۔ آج بھی اس عہد تنویر میں جب کوئی جہاز سمندر میں اتارا جاتا ہے۔ تو سمندر دیوتا کو مناتے کے لئے ناریل توڑے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس اسلام اپنے پیرؤوں کو ہدیت کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کے سامنے بھکاری بن کر نہیں، بلکہ شکاری بن کر جائیں۔ بقول اقبال۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے   کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

وہ بار بار ان کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات و مافیہا کو ان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن کہتا ہے۔

"الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہٗ ظاھرۃ و باطنۃ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے اور پوری کر دیں۔ تمہارے اوپر اپنی نعمتیں کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

"اللّٰہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہٖ ولتبتغوا من فضلہٖ ولعلکم تشکرون ○

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے۔ اور تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو (شکر ادا کرو)

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔

"وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منہ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون"۔

اور مسخر کر دیا۔ تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کچھ اپنی طرف سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

لیکن کائنات کی جاندار اور بے جان قوتوں کی تسخیر ان سے براہ راست کشتی لڑ کر نہیں کی جا سکتی۔ ہاتھی کو اٹھا کر پٹکا نہیں جا سکتا صرف آنکس کے ذریعے قابو میں لایا جاتا ہے۔ دریا کے پُر زور بہاؤ کا رخ ہاتھیوں کی قوت سے نہیں موڑا جا سکتا۔ صرف ٹربائن کے ذریعے اس کی توانائی کو بجلی کی شکل میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پہاڑ کو گھونسوں سے نہیں توڑا جا سکتا۔ صرف ڈائنامیٹ کے ذریعے اڑا کر اس میں سرنگیں بچھائی جاتی ہیں۔ کھلے سمندر کو تیر کر پار نہیں کیا جا سکتا۔ صرف جہازوں کے ذریعے طوفانی سمندر میں بے خوف و خطر سفر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ

سب کچھ کیا ہے؟ صرف "تسخیر کائنات" یعنی اس کی پوشیدہ قوتوں سے واقف ہو کر انہیں اپنے حسب منشا استعمال کرنے کی قابلیت و لیاقت اور انہیں پوشیدہ قوتوں کی واقفیت کو باقاعدہ منظم کرنے کا نام "علم طبیعی" اور "نیچرل سائنس" ہے۔

۵ - سائنسی علوم کے حصول کے بارے میں اسلام کا رجحان

تمام طبیعی علوم کا اصل اصول "مطالعہ فطرت" (NATURE STUDY) ہے اور قرآن فطرت کے مختلف مظاہر کے مطالعہ پر زور دیتا ہے۔ وہ ایجابی طور پر اپنے متبعین کو مامور کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کا مشاہدہ کریں۔ کیونکہ اس میں سوچنے اور سمجھنے والوں کی رہنمائی کے لئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

"قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون"

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو (اور دیکھو) کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے۔ ان کو دلائل اور دھمکیاں فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

یہی نہیں بلکہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں تساہل و تقاعد کو زجر و توبیخ کا مستوجب بتاتا ہے۔

"اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض وما خلق اللہ من شیءٍ وان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلھم فبای حدیث بعدہ یؤمنون"

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا۔ آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالٰے نے پیدا کی ہیں۔ اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی (آپہنچی) ہو۔ پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائینگے۔

پھر ایمان کی تکمیل "ایمان بالآخرۃ" پر موقوف ہے اور اس کے لئے تخلیق کائنات کا مطالعہ اور اس مطالعہ کے لئے سیر و سیاحت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

"قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ثم اللہ ینشیء النشاۃ الآخرۃ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیرہ" (۲۹ : ۲۰)

آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدائے تعالٰے نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

۶ - مختلف سائنسی علوم کا سنگ بنیاد

قرآن حکیم اصولاً ایک منزل من اللہ ضابطہ ہدایت ہے۔ جو بنی نوع انسان کو فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لئے نازل کیا گیا تھا۔ لہذا جہاں وہ اخروی زندگی میں فلاح و نجاح کی تدبیریں سکھاتا ہے۔ دنیوی زندگی کو خوشحال بنانے کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی چیز کا دوسرا نام "تمتع بالکائنات" ہے۔ لہذا وہ ان تمام علوم کی ہمت افزائی کرتا ہے جو اس "تمتع بالکائنات" میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔

فلکیات ۔ ۱۔ دنیا کا قدیم ترین علم "فلکیات" یا علم الہیئت ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
متمدن زندگی کے لیے وقت کی اہمیت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ بلکہ کسی قوم کی تمدنی عظمت کا اندازہ ہی اس اہتمام سے لگایا جاتا ہے جو اس نے وقت کے استعمال اور اس مقصد کے لیے اس کی پیمائش کے باب میں ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مشہور جرمن مورخ اسپنگلر پچھلی تہذیبوں پر یورپ کی تہذیب حاضر کی برتری کا راز اس کے شدید احساس زماں میں مضمر پاتا ہے۔

زمانہ کے اس احساس شدید کی عملی شکل "وقت شناسی" اور "گاہ شماری" ہے جس کی سائنٹیفک اساس اجرام سماوی بالخصوص سورج اور چاند کی سیر و گردش پر ہے۔ اسی گردش کی پیمائش سے دن رات کے مختلف پہروں کے گزرنے کا علم ہوتا ہے۔ اور اسی کی شمار سے مہینوں اور سالوں کے مرور و انقضا کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ احساس صبح و شام اور مہ و شہور و اعوام اتنا ہی قدیم ہے جتنا صفحۂ ارض پر انسان کا وجود اور پھر جیسے جیسے انسانی ذہانت ترقی کرتی گئی۔ ان کواکب کی سیر و گردش اور اس سے رونما ہونے والے مظاہر فلکی (جیسے سورج گرہن اور چاند گرہن، ہلال و بدر وغیرہ) کو سائنٹیفک قوانین میں منضبط کرنے کی سعی پیہم کی گئی۔ یہی علم الہیئت تھا۔

اس طرح علم الہیئت اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ مگر بایں ہمہ ندامت یہ بھی ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ یہ علم الہیئت ہمیشہ جوتش کے پاکھنڈوں کا آلہ کار بنا رہا۔ یہ اسلام ہی کا فیضان تھا کہ اس نے اسے اس ذلت سے نکال کر صحیح معنوں میں سائنٹیفک علم الہیئت کی بنیاد ڈالی۔ کیونکہ:۔

ایک جانب اس نے فلکیاتی مشاہدات کے لیے اپنے متبعین کی ہمت افزائی کی۔ اور دوسری طرف اس نے نجوم اور جوتش کے ڈھکوسلوں کا فریب کھانے کی سختی سے ممانعت کی۔

احکام منصوصہ سے قطع نظر اسلام و فلکیاتی مشاہدات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیونکہ انہیں مشاہدات بالخصوص اجرام سماوی کے بزوغ و افول نے ہمارے جد امجد سیدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی چشم جہاں بین کو توحید کے کحل الجواہر سے روشن کیا۔ بقول اقبال ؎

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب ۔۔۔ جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

قرآن کریم نے اس "مشاہدۂ ابراہیمی" کی تفصیل بدیں طور دی ہے۔

"فلما جن علیہ اللیل رای کوکباً
قال ھٰذا ربی فلما افل قال لا
اُحب الاٰفلین ○ فلما رای القمر بازغاً
قال ھٰذا ربی فلما افل قال لئن لم
یھدنی ربی لاکونن من القوم
الضالین ○ فلما رای الشمس بازغۃً
قال ھٰذا ربی ھٰذا اکبر فلما

پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا غروب ہو جانے والے سے میں محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو

افلت قال یٰقوم انی بریٓء مما تشرکون ٥ انی وجّہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین ٥

فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ یہ تو سب سے بڑا ہے۔ سو جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ اے قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں اپنا رخ اس (ذات) کی طرف (کرتا) تم سے ظاہر (کرتا) ہوں۔ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔"

لہٰذا قرآن کریم نے بھی مظاہر فلکی کے بامقصد مشاہدہ کے لئے اپنے متبعین کی ہمت افزائی کی ہے۔ کیونکہ ان سے باری تعالیٰ کی توحید، اس کی عظمت و جلال، اس کی وسیع حکمت، اس کی قدرت جلیلہ اور اس کی صناعی کی نفاست و اتقان کا ثبوت ملتا ہے۔

"ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب ٥

بے شک زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ہوش مند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔"

اس کے ساتھ اجرام سماوی کی سیر و گردش کا باقاعدہ مطالعہ زندگی میں نظم و انضباط پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے انسان وقت پیمائی اور گاہ شماری کا اہم فریضہ انجام دینے کے قابل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

" ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ماخلق اللہ ذلک الا بالحق ٥

وہی ہے (معبود برحق) جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند کو روشن اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم سالوں کی گنتی اور (مہینوں، دنوں اور ساعتوں کا) حساب جانو۔ اللہ نے اسے نہ بنایا مگر حق (کہ اس سے اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے دلائل ظاہر ہوں)

اسی لئے جب آیت کریمہ:-

"ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب ٥ کا نزول ہوا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ویل لمن لاکھا بین لحییتیہ ولم یتفکر فیھا" تباہی ہے اس کے لئے جو اس آیت کریمہ کی منہ سے تلاوت کرتا ہے۔ مگر اس کے معنی و مفہوم پر غور نہیں کرتا۔

اور پھر بعد کے علماء ربانیین نے بھی اس اسوۂ رسول کا باحترام تمام اتباع کیا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول ہے۔

"من لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ"

جو شخص ہیئت اور تشریح کے علوم سے ناواقف ہے۔ وہ معرفت باری میں ناقص ہے۔

امام غزالی سے کچھ پہلے حکیم ابوالحسن انبیری تھے۔ وہ ایک دن مشہور فلسفی و ہیئت دان شاعر عمر خیام کو بطلیموس کی "کتاب المجسطی" پڑھا رہے تھے کہ وہاں سے کسی فقیہ کا گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو۔ حکیم ابوالحسن انبیری نے برجستہ جواب دیا: "آیت کریمہ۔

" افلم ینظروا الی السمآء فوقہم کیف بنینٰہا۔

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے۔

کی تفسیر بیان کر رہا ہوں۔

لیکن جہاں اسلام نے اپنے متبعین کو تاکید۔ تمام فلکیاتی شاہدات کے لئے مامور کیا ہے اور علم ہیئت کے منظم مطالعہ کی ہمت افزائی کی ہے۔ وہیں اس نے اسی شدت تاکید کے ساتھ نجوم اور جوتش کے ڈھکوسلوں کا فریب کھانے کی ممانعت بھی کی ہے کیونکہ اجرام سماوی کا واقعات عالم کے رونما ہونے یا انسان کی قسمت بنانے یا بگاڑنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ تو خود امر الٰہی کے محکوم اور مسخر ہیں۔

" والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر "

سورج، چاند اور ستارے اس کے "امر" (حکم) کے پابند ہیں۔ خبردار (یاد رکھو) "خلق" (پیدا کرنا) اور "امر" (حکم دینا) اسی کے لئے (حق) ہے۔

پھران اجرام سماوی کا ایک بندھے ٹکے نظام میں سیر و گردش کرنا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے جو طریق کار متعین فرما دیا ہے۔ اس سے ان کا سر مو انحراف نہ کر سکنا۔ ان کے محکوم و مربوب اور عاجز و لاچار ہونے کی دلیل ہے۔ اسی کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے۔

" والشمس تجری لمستقر لہا ذلک تقدیر العزیز العلیم ہ والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ہ لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون ہ"

اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈالی۔ سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے۔ اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے۔ اور ہر ایک، ایک گھیرے میں پھر رہا ہے۔

ظاہر ہے جو خود اس قدر پابند اور مجبور ہو کہ اپنے راستہ کو نہ بدل سکے۔ وہ دوسروں بالخصوص انسان کے معاملات میں کیا دخل دے سکتا ہے۔ اور جب کوئی دخل ہی نہیں دے سکتا تو پھر اس کے مستقبل کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال :-

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا   وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبون

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ادعائی پیشین گوئیوں پر یقین کو عہد جاہلیہ کی یادگار بتایا۔

"ثلث من امور الجاھلیہ، الطعن فی الانساب والنیاحۃ والانواء

تین باتیں عہد جاہلیہ کے امتیازی شعائر ہیں۔ نسب کا طعنہ، مردوں پر بین کرنا، اور بچھتروں (ستاروں کی پیشین گوئیوں) پر اعتقاد

اور اس ممانعت کو مزید مؤکد اور قطعی و حتمی بنانے کے لئے آپ نے نجومی پیشین گوئیوں کو در خور اعتنا سمجھنے کو

خارج از اسلام ہونے کا سبب قرار دیا۔

"من اتی منجماً فلیس منا"

جو منجم کے پاس (اس سے پیشین گوئی کرانے) جاتا ہے ۵۵ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور پھر خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ممانعت پر آخری مہر توثیق ثبت فرما دی اور اسے کفر کے مترادف قرار دیا۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آپ کسی مہم پر تشریف لئے جا رہے تھے کہ کسی ساتھی نے کہا۔ امیر المومنین اس وقت تشریف نہ لے جائیں۔ کیونکہ ستارے موافق نہیں ہیں۔ اس پر آپ انتہائی برافروختہ ہوئے اور فرمایا۔

"ایھا الناس ایاکم و تعلم النجوم الا ما یھتدی بہ فی برا و بحر، فانھا تدعو الی الکھانۃ المنجم کالکافر والکافر کالساحر والساحر کالکافر والکافر فی النار"

اے لوگو: خبردار نجوم نہ سیکھنا، سوائے اتنے حصہ کے جس سے خشکی اور سمندر میں رہنمائی ہو سکے۔ کیونکہ جوتش "کہانت" (غیب دانی کا ادعا کرنا) کا سبب ہے۔ منجم کا حکم کاہن کا سا ہے اور کاہن جادوگر کے مانند ہے۔ اور جادوگر کافر کی طرح ہے اور کافر دوزخی ہے۔

اس طرح جوتش کی غلامی سے چھٹکارا دے کر اسلام نے فلکیاتی مشاہدات کو خالص سائنسی بنیادوں پر استوار کیا اور اس طرح صحیح معنوں میں "سائنٹیفک علم الھیئت" کی بنیاد ڈالی

طبیعیاتی علوم: علم ہیئت کے علاوہ قرآن کریم نے دیگر طبیعیاتی علوم حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے

"ان فی السموٰت والارض لایات للمومنین و فی خلقکم وما یبث من دابۃ ایات لقوم یوقنون ○ واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریاح ایات لقوم یعقلون"

آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال کے) لئے بہت دلائل ہیں۔ اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے۔ ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں (اسی طرح) رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اس مادہ رزق میں، جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا، پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا۔ بعد از انکہ وہ خشک ہو چکی تھی (اور اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں

قرآن کریم کا کہنا ہے کہ ان مظاہر کائنات میں معرفت باری تعالیٰ کی نشانیاں تو ہیں ہی۔ اس کے علاوہ بھی اور کچھ ہے۔ بشرطیکہ غور و فکر کے ساتھ ان کا مشاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ کائنات "وما فیہا" ان کی میراث ہے۔ اس لئے انہیں اس سے تمتع حاصل کرنے کا طریقہ جاننا چاہیئے۔

"والارض بعد ذلک دحاھا اخرج منھا

اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس کا پانی اور چارہ

ماءها ومرعاها والجبال ارساها متاعاً لکم ولانعامکم

نکالا، اور پہاڑوں کو اس پر) قائم کیا، تمہارے اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے

لہٰذا انسان کو "تمتع بالکائنات" کے ساتھ اس عمل الٰہی پر بھی نظر رکھنا چاہیئے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔

"فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الماء صباً ثم شققنا الارض شقاً فانبتنا فیها حباً و عنباً و قضباً و زیتوناً و نخلاً و حدائق غلباً و فاکهة و اباً متاعاً لکم ولانعامکم"

سو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر ڈالے کہ ہم نے عجیب طور پر) پانی برسایا، پھر عجیب طور پر) زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا۔ (بعض چیزیں) تمہارے لئے اور (بعض چیزیں) تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔

وہ مظاہر کائنات کے ساتھ ساتھ حیات حیوانی کے مطالعہ پر بھی زور دیتا ہے۔ کیونکہ اس یاد دہانی سے ایمان باللہ تک رسائی ہوتی ہے جو اسلام کی بعثت کا مقصد وحید ہے

"افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت فذکر انما انت مذکر"

کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (جب یہ لوگ باری تعالیٰ کی قدرت باہرہ کے دلائل پر غور کریں) تو آپ انہیں نصیحت کر دیا کیجیے۔

اسی طرح وہ "تاریخ طبیعی" (NATURAL HISTORY) اور "حیوانیات" (ZOOLOGY) کے مطالعہ کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

"والله خلق کل دابة من ماء فمنهم من یمشی علیٰ بطنه ومنهم من یمشی علیٰ رجلین ومنهم من یمشی علیٰ اربع یخلق الله ما یشاء ان الله علیٰ کل شیء قدیر"

اور اللہ (تعالیٰ ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (پوری طرح) قادر ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن حیوانات کے عضویاتی (PHYSIOLOGICAL) مطالعہ کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

"وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً

اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور و فکر کرنا درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے۔ اسی

للشاربین ۔ کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی اترنے والا دودھ (بناکر) ہم تم کو پینے کے لئے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ ہوا میں اڑنے والی مخلوقات کے تحقیقی مطالعے اور اُن کی قوت پرواز کے میکنزم کے مطالعہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

"اولم یروا الی الطیر فوقھم صافات ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمن انه بکل شئ بصیر" کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلاتے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں۔ اور کبھی (اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں۔ بجز (خدائے) رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے

عقلی علوم۔ طبیعی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن کریم عقلی علوم کے حصول کا بھی حکم دیتا ہے۔ مگر اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ جس کے لئے وقت اور اس سے زیادہ کاغذ کی تنگ دامانی مانع ہے۔

ب:- اسلامی ثقافت کے ترقی پذیر تقاضے

امم سابقہ کے برخلاف اسلام اجتماعی زندگی اور متمدن معاشرے کے قیام پہ زور دیتا ہے۔ "فرار عن الحیات" رہبانیت یا (MONASTICISM) اور ترک دنیا (ASCETICISM) خلاف فطرت پابندیاں ہیں جوان قدیم مذاہب کے پیروؤں نے خود اپنے اوپر عائد کرلی تھیں۔ اور جن کا پروردگار عالم نے کبھی حکم نہیں دیا۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

"ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم" (۲۰:۵۷)

چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مبہم طور پر فرمادیا کہ اسلام میں رہبانیت اور ترک دنیا کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے "لا رھبانیۃ فی الاسلام"۔

اور متمدن زندگی کی تکمیل تعلیم سے ہوتی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کی ترقی واشاعت پر اسلام نے شروع سے زور دیا ہے۔

تعلیم کا سنگ بنیاد "لکھنا پڑھنا" ہے۔ اور یہ وہ دولت ہے۔ جس سے پچھلی مذہبی برادریوں نے اپنے پیروؤں کی اکثریت کو محروم کر رکھا تھا مگر اسلام نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو مرد، عورت، امیر، غریب، شریف و وضیع سب کے لئے عام کردیا۔

خود وحی الٰہی کی ابتداء "لکھو" کے مقدس حکم سے ہوئی۔

"اقراء باسم ربك الذی خلق" (پڑھیئے (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

اس مقدس حکم کے ساتھ یہ بھی بتادیا گیا کہ "لکھنے کی صلاحیت" اللہ تعالیٰ کی دوسری بڑی نعمت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کو نوازا۔

"وربك الاکرم الذی علّم بالقلم" اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عرب جہاں اسلام مبعوث ہوا، اسے علم کے بجائے اپنے جہل پہ ناز تھا۔ بعثت اسلام کے وقت

پورے قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ مگر یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت سے پوری امتِ مسلمہ کو بہرہ اندوز ہونے کا انتظام کیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں جو قیدی اپنا زرِ فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ انہیں کہا گیا کہ ان میں سے جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں۔ ہر شخص مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ یہی اس کا فدیہ ہے

پڑھنے لکھنے کے بعد تعلیم کا اگلا مسئلہ "کتاب" ہے اور عرب جاہلیہ کی یہ بدنصیبی تھی کہ وہ "کتاب" کے تصور تک سے ناآشنا تھے۔ ہاں "کتیبہ" کو خوب جانتے تھے۔ جس کے معنی لشکر ہیں۔ اور یہ بھی خدائے کریم کی قدرت تھی کہ اسی وحشیانہ لفظ "کتیبہ" سے وہ لفظ "کتاب" بنا جو تہذیب و تمدن، بلکہ صلاحِ معاش و فلاحِ آخرت کی کلید ہے۔ چنانچہ قاضی ناصر الدین بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

" واصل الکتاب الجمع ومنہ الکتیبۃ " "کتب" کی اصل جمع کرنا ہے اور اسی لئے لشکر کو "کتیبہ" کہتے ہیں۔ (کیونکہ وہ ملا ہوا ہوتا ہے)

پھر یہ بھی تقدیر ربانی تھی کہ امتِ مسلمہ جس پہلی کتاب سے متعارف ہو۔ وہ اللہ کی کتاب ہو۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے سارا قرآن ایک کتاب میں جمع کیا گیا۔

کتاب اللہ کی تعلیم کے علاوہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین نے اپنے ہادی برحق کے ارشادات اور ان کی زندگی کی جزئیات کو بڑی ذمہ داری سے مدون کیا اور اس طرح "علم حدیث" کی بنیاد پڑی۔ جس نے آگے چل کر امتِ مسلمہ میں سب سے زیادہ حیثیت حاصل کر لی قرآن و حدیث ہی سے اُن صحابہ نے جو اس کے اہل تھے۔ حیاتِ انسانی کے لئے ضابطہ ہدایت مرتب کیا۔ یہ علم فقہ کہلایا۔ جس میں "بہتر" اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی "خیرِ اعلیٰ" قرار دیا گیا۔

" ومن یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین"

ان علوم دینیہ کی تفصیل دوسرے ارباب علم فرمائیں گے۔ اس عرضداشت کا موضوع علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدی کی کارفرمائی ہے۔ اور گوناگوں علوم میں سے صرف ان علوم کی جو جدید اصطلاح میں علوم قطعیہ (EXACT SCIENCES) اور علوم طبعیہ (NATURAL SCIENCES) کہلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ اعتناء و اہتمام خود اس سماج کے ترقی پذیر تقاضوں کا نتیجہ تھا۔ جس کی اسلام نے بنیاد ڈالی تھی۔

ان میں سب سے اہم دینی تقاضے تھے۔ یعنی احکام شرعیہ کی بجا آوری میں کماحقہ اہتمام اور ان دینی تقاضوں میں اولین اہمیت نماز کی ہے۔ جسے ہماری اقدار حیات میں علوم متعارفہ (AXIOM) کی حیثیت حاصل ہے۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پرسشِ نماز بود

اس مقدس فریضہ کی بجا آوری کے لئے اخلاص و بے ریائی، حضورِ قلب اور خضوع و خشوع کے علاوہ کچھ اور بھی شرائط ہیں جن میں دو خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وقت اور استقبال قبلہ۔ اول الذکر کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

" ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا"

(بے شک نماز ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے)

اور ثانی الذکر کے بارے میں کہتا ہے۔

"فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره"

(مسجد حرام (کعبہ) کی طرف رخ موڑ دو۔ اب جہاں کہیں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کرو۔ (منہ کر کے نماز پڑھو)

(۱) مذکور الصدر آیت "توقیت" نے نماز کی فرضیت کے ساتھ اس بات کو فرض قرار دیا کہ اُسے ان کے متعلقہ اوقات میں ادا کیا جائے۔ اس آیت میں جو اجمال ہے۔ اُس کی تفصیل دوسری آیات میں کر دی گئی —— اور ان اوقات پنجگانہ کی ابتدا اور انتہا کی تحدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی، بالخصوص حدیث "امامت جبرئیل" میں جسے اصحاب صحاح میں سے امام ترمذی اور امام نسائی نے اور دیگر محدثین کبار میں سے ابن حبان، حاکم، احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

جبرئیل علیہ السلام (شب معراج کے اگلے دن) جب آفتاب (نصف النہار سے) ڈھلنے لگا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ اور آپ سے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر اس وقت تشریف لائے جب آدمی کا سایہ اس کی قامت کے برابر ہو گیا اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز عصر ادا کی۔ پھر جب سورج بالکل غروب ہو گیا۔ تو آئے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر جب شفق غائب ہو گیا تو آئے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز ادا کی۔ جب صبح کے وقت فجر (فجر ثانی یا صبح صادق) ظاہر ہونا شروع ہوئی تو پھر آئے اور کہا صبح کی نماز پڑھئے۔ اور آپ نے نماز فجر ادا کی۔

اگلے دن پھر اس وقت آئے۔ جب کہ آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور آپ سے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کی قامت کا دگنا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز عصر ادا کی۔ پھر نماز مغرب کے لئے روز گذشتہ کی طرح اس وقت آئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز مغرب ادا کی۔ پھر عشاء کے لئے اس وقت آئے۔ جب کہ رات کی پہلی تہائی گزر چکی تھی۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ اور آپ نے نماز عشاء ادا کی۔ پھر صبح کو اس وقت آئے جب کہ اچھی طرح اُجالا ہو گیا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز فجر ادا کی۔

اس طرح قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات پنجگانہ کو متعین کر دیا۔ جنہیں فقہائے کرام نے باضابطہ کتب فقہ میں مدون کیا۔

فجر کی ابتداء فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع سے ہوتی ہے اور جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ اس کا وقت رہتا ہے۔

ظہر کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب نصف النہار سے ڈھلنے لگے۔ اور انتہا اس وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر (یا دگنا) ہو جائے۔

عصر کی ابتداء ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے اور انتہا سورج کے غروب ہونے پر۔

مغرب کی ابتداء سورج کے غروب ہو جانے کے بعد ہوتی ہے اور انتہا شفق غائب ہونے پر۔

عشاء کی ابتداء شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے اور انتہا فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع ہونے تک۔

(۲) دوسری اہم شرط استقبال قبلہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ

تک تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ کیونکہ یہی انبیائے سابقین کا قبلہ تھا، مگر بیت المقدس سے بھی زیادہ مقدس کعبہ شریف تھا۔ جسے خود انبیائے سابقین کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر خدمت اقدس میں عرض کیا کرتے تھے۔

"یارسول اللہ لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلّٰی"

(اے اللہ کے رسول کیا اچھا ہوتا اگر ہم مقام ابراہیمؑ کو اپنا قبلہ قرار دیتے)

خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ اور اسی لئے آپ اکثر آسمان کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتے کہ شاید اس آرزو کی تکمیل کے لئے وحی الٰہی نازل ہو جائے۔ اور پھر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی یہ دلی آرزو پوری کر دی۔ اور وحی نازل ہوئی۔

"قد نرٰی تقلب وجھک فی السمآء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ"	یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو ہم اس قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں۔ جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی (کعبہ شریف) کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے نماز میں ہی رخ تبدیل کر دیا۔ اور کعبہ شریف کی جہت میں نماز پڑھنے لگے۔ ایک صحابی جنہوں نے یہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی تھی، قوم انصار کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور شہادت دی کہ اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے اسے ادا کیا۔ یہ سننا تھا کہ شمع رسالت کے پروانوں نے اپنا رخ موڑ کر کعبۃ اللہ شریف کی طرف کر لیا۔

اس واقعہ سے "استقبال قبلہ" کی شرط کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر "استقبال قبلہ" اہمیت صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ شعائر اسلام میں سے ایک انتہائی اہم شعار ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہماری نماز پڑھے اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے۔ اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ وہی مسلمان ہے۔ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ذمہ لیا ہے":

دوسری حدیث میں ہے۔

"مجھے جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔ ہماری نماز پڑھیں ہمارے قبلہ کی طرف (نماز میں) منہ کریں۔ ہمارا ذبیحہ کھائیں۔ اس وقت ہم پر ان کا خون اور اسی طرح ان کا مال حرام ہے سوائے ان کی شرعی ذمہ داریوں کے"

اس طرح اوقات نماز کے لئے صبح صادق اور آفتاب کے طلوع ہونے، زوال (آفتاب کے نصف النہار سے ڈھلنے) سایہ کے برابر یا دگنا ہونے، غروب آفتاب اور شفق کے غائب ہونے کے صحیح اوقات کی پہچان، اسی طرح مکہ معظمہ میں رہنے والوں کے

سے (کعبہ کی سمت) اور مکہ شریف سے باہر رہنے والوں کے لئے (مکہ معظمہ کی جہت کا جاننا مذہبی فریضہ ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں (صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو کچھ تو عہدِ نبوی کی قربت نے جس "فراست مومن" سے خصوصیت کے ساتھ نوازا تھا اس "فراست مومن" نے اور کچھ ملک کی جغرافیائی و طبیعی خصوصیات کی بنا پر صاف مطلع نے اس میں اہتمام کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مزید زحمتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔

مگر بعد کے لوگوں بالخصوص دور دراز کے علاقوں کے باشندوں کو اس باب میں دقتوں کا ہونا فطری تھا۔ خصوصاً ان ملکوں میں جہاں" یا ان اوقات میں جبکہ مطلع صاف نہ ہو طلوع و غروبِ آفتاب یا فجرِ اول (صبح کاذب) اور شفق کے غائب ہونے کے صحیح اوقات کی معرفت دشوار تھی۔ اسی طرح صحیح اور حقیقی سمت قبلہ کی دریافت کے لئے پہلے صحیح اور حقیقی سمت اربعہ مشرق، مغرب اور شمال و جنوب کی معرفت شرط اولیں تھی۔ ظہر اور عصر کے وقت کے لئے سایہ کے برابر یا دگنا ہونے کی تحقیق سے پہلے اس بات کی تحقیق ضروری تھی کہ جس چیز کا سایہ ناپنا ہے۔ وہ بالکل عموداً قائم ہے یا کچھ ترچھی ہے۔

بہر حال "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" کے ارشادِ ربانی کے تحت لوگ اپنی اپنی "فراست مومن" کی مدد سے "تحری" کے ذریعے اوقات و جہات کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بایں ہمہ ان کا جذبہ صحت پسندی و دقت نظری صحیح اوقات و جہات کی معرفت کے لئے نئے طریقوں کی تلاش میں رہا۔

خلافت راشدہ میں دو نئی چنوتیوں (CHALLENGE) کا سامنا کرنا پڑا۔ عہدِ نبوی میں حکومت کو جو آمدنی ہوتی تھی (خواہ مالِ غنیمت سے خواہ صدقات و زکوٰۃ سے) وہ فوراً ہی مستحقین میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ عہدِ صدیقی میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ زیادہ وسیع ہوا اور مالِ غنیمت زیادہ مقدار میں آنے لگا۔ تو بیت المال قائم کیا گیا۔ جس کی نگہداشت (MAINTENANCE) کیلئے علم الحساب سے واقفیت کی اشد ضرورت تھی۔ پھر لوگوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو گئی تھی۔ اور وہ ترکہ میں بڑی بڑی رقمیں چھوڑنے لگے۔ اسلام کے منصفانہ نظامِ وراثت کی رو سے یہ ترکہ زیادہ سے زیادہ ورثہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس سے مناسخہ کے پیچیدہ مسائل پیدا ہونے لگے۔ ان سے عہدہ برآ ہونا بھی ضروری تھا۔ ادھر صدرِ اسلام کے عربوں کی حساب دانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی لغت میں اس کی کثرت و ثروت کے باوجود "الف" (ہزار) سے زیادہ بڑے رقم کی تعبیر کے لئے کوئی مستقل لفظ نہیں تھا۔ مگر ان مشکلوں پر قابو پانا ضروری تھا۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر حساب میں تبحر و تمہر ناگزیر ہو گیا۔ اس وقت اسلامی سماج کے ترقی پسند تقاضے اس چیز کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں سے اکثر کہا کرتے تھے۔

"اذا لھوتم فالھوا بالرمی واذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض"۔

(جب تم کھیلو تو تیر اندازی کا کھیل کھیلو، اور جب آپس میں بات چیت کرو تو مسائل وراثت کے بارے میں بات چیت کرو)

دوسری چنوتی مفتوحہ اراضی کی شکل میں سامنے آئی۔ ۱۶ھ میں سوادِ عراق کا علاقہ فتح ہوا۔ جسے حضرت عمر نے خراج پر مفتوحین ہی کے پاس رہنے دیا۔ تشخیص خراج کے لئے زمین کی پیمائش ضروری تھی۔ مگر عرب قدیم اقتصادی طور پر گلہ بانی کی منزل کو بھی کما حقہٗ طے نہ کر پایا تھا نہ ذرعی

معیشت کا کیا سوال تھا۔ اور زرعی معیشت نہ ہو تو پیمائش زمین کا مسئلہ کیوں اٹھتا۔ عرب گنتی ہی ہزار تک جانتے تھے۔ پیمائش کے طریقے یا مساحت (MENSURATION) سے کیوں واقف ہوتے۔ مگر یہاں بھی ترقی پذیر سماج کے تقاضوں نے ان کی مشکل کو حل کر لیا۔ تشخیص خراج اور اس کے لئے مساحت زمین کی ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو تفویض کی۔ جن کا نام عثمان بن حنیف تھا۔ انہوں نے یہ کام باحسن وجوہ انجام دیا۔ اور اس طرح اسلامی معاشرہ مساحت سے آشنا ہوا۔ جو علم ہندسہ (GEOMETRY) سے واقفیت کے لئے پہلا قدم ہے۔

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ شروع میں مسلمان مجبوراً "تحری" اور اندازہ سے کام لیتے تھے۔ جو تقریباً صحیح ہوتا تھا۔ بایں ہمہ تمدنی ترقی کے نتیجے میں ثقافتی صحت پسندی (EXACTITUDE) تحدید و تدقیق کی متقاضی تھی اور ریاضیاتی صحت (METHEMATICAL EXACTITUDE) اور دقت نظری کی ضرورت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ لہٰذا ان تقاضوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے ذرائع کی تلاش فطری تھی۔

مثلاً ظہر اور عصر کی نمازوں کے لئے زوال اور مثل و مثلین کی دریافت پہلا قدم کسی چھڑی کا زمین پہ گاڑنا تھا۔ اندازہ کی حد تک تو چھڑی وغیرہ عمود ہی ہوتی ہوگی۔ لیکن کیا وہ عمودی ہے۔ اور جس زمین پر وہ گاڑی گئی ہے۔ وہ مستوی اور چورس یعنی دائرہ افق کے متوازی ہی ہے؟ اس کی تحقیق و تدقیق ثقافتی صحت پسندی کا دوسرا قدم تھی۔ اس کے لئے ماہرین کی تدبیر ولہ سے فائدہ اٹھایا گیا۔ جو اس مقصد کے لئے ایک ہندسی تدبیر (GEOMETRICAL DEVICE) سے کام لیتے تھے۔ اور جسے متاخرین کے یہاں "دائرہ ہندیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے جس مقام پہ چھڑی کھڑی کی گئی ہے۔ اسے مرکز مان کر ایک دائرہ کھینچا جاتا ہے۔ اس دائرے کے محیط پہ تین نقطے لگائے جاتے تھے۔ اگر چھڑی کے بالائی سرے سے ان تینوں نقطوں کا فاصلہ برابر ہو تو چھڑی عمود ہوگی۔ ورنہ نہیں۔

جہاں تک ٹیکنالوجی (TECHNOLOGY) کا تعلق ہے۔ اہل فن کے دست و ذاز کے تجربے ہی عمل کی صحت کے ضامن تھے۔ مگر

"ولکن لیطمئن قلبی"

ورثہ ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ یہ مسلمان اس جویائے تحقیق ہستی کے اخلاف تھے۔ جسے بارگاہ ایزدی میں بھی اپنی ذہنی خلش مٹانے کے لئے۔

"رب ارنی کیف تحی الموتیٰ"

(اے میرے رب تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

کہتے میں باک نہ ہوا اور جب ندائے ربانی۔

"اولم تؤمن"

(کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا)

سنی تو "ولکن لیطمئن قلبی" (لیکن صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے) کہہ کر اس بے باکی کی معذرت کر لی۔ لہٰذا اس کے اخلاف اپنے ہی جیسے انسانوں کے دریافت کئے ہوئے اصول و ضوابط پر کیوں ایمان لاتے۔ لہٰذا اہل فن کے بتائے ہوئے اصول و تدابیر کی صحت کے ثبوت کی تلاش فطری تھی۔

اسی اثناء میں خلافت راشدہ کے اختتام ۴۰ھ کے بعد اموی خلافت برسر اقتدار آ چکی تھی۔ اور دمشق ان کا دارالخلافہ تھا۔

سو کسی زمانہ میں بازنطینی سلطنت کے ایک اہم صوبے شام کا صدر مقام رہ چکا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کا مسیحی علماء سے ارتباط و اختلاط ایک قدرتی امر تھا۔ انہیں نصرانی علماء نے ان کی توجہ یونانی علم و حکمت کے ذخیروں کی طرف دلائی جو قیصر روم کی مملکت کے غیر معروف کتب خانوں میں مقفل تھے۔ لہٰذا ان کی تلاش اور استفادے کی کوشش فطری تھی۔ اس کوشش نے عملی شکل پہلی مرتبہ خالد بن یزید بن معاویہ کے یہاں حاصل کی۔ اس نے اپنے جذبہ ازدیاد دولت کی آسودگی کے لئے کیمیا کی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرایا اور کیمیا کے طفیل میں کچھ طب و نجوم کے رسالوں کا ترجمہ ہوا۔

مگر ظاہر ہے خالد کا یہ جذبہ بڑا گھٹیا تھا۔ کوئی علمی تحقیق اس کی محرک نہ تھی۔ مثلاً ساحت کے جو گر پیمائش زمین کے سلسلہ میں کام میں لائے جاتے تھے۔ ان کی صحت کا سائنٹیفک ثبوت۔ یا مثلاً "دائرہ ہندیہ" میں جو چھڑی گاڑی جاتی تھی اور اس کے عمود ہونے کے لئے جو اس کے بالائی سرے سے دائرہ کے محیط کے تین نقطوں کے فاصلے کی برابری کی شرط، اس کا ہندسی ثبوت۔ جن مسیحی علماء سے مسلمان اہل علم کا تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ انہوں نے مطلوبہ صحت کے ثبوت کے لئے اقلیدس کی اصول ہندسہ (ELEMENTS OF EUCLID) کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا شوق دامنگیر ہوا۔

اموی جابرہ کو تو اس علمی و تحقیقی جذبے کی آسودگی کا انتظام کرنے کی توفیق ہوئی نہیں۔ البتہ جب عباسی خاندان برسر اقتدار آیا تو اس نے اس طرف توجہ کی۔ چنانچہ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۶ – ۱۵۸ھ) نے اپنے ہم عصر بازنطینی بادشاہ کو لکھا کہ تمہارے ملک میں ریاضیات و طبیعیات کی جو کتابیں ہوں انہیں ترجمہ کرا کر بھیج دو۔ قیصر نے اس کے جواب میں جو کتابیں بھیجیں۔ ان میں "اصول اقلیدس" بھی تھی۔ جو حسب تصریح ابن خلدون پہلی یونانی کتاب ہے جو عربی میں ترجمہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اسے پڑھا اور اس سے فائدہ اٹھایا مگر "خوب سے خوب تر کی تلاش" کے جذبے نے انہیں اس ترجمے (نقل منصوری) پر قناعت نہ کرنے دی۔ وہ زیادہ صحیح اور بہتر طور پر اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور ہارون الرشید کے عہد خلافت (۱۷۰ – ۱۹۲ھ) میں حجاج بن یوسف بن مطر نے اس کا نیا ترجمہ کیا۔ لیکن حجاج بھی اپنے ترجمہ سے مطمئن نہ ہوا اور اس نے ہارون کے بیٹے المامون (۱۹۸ – ۲۱۸ھ) کے عہد میں اس کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ پھر بھی اسلامی ذہن کا "خوب سے خوب تر کی تلاش" کا جذبہ مطمئن نہ ہوا۔ اور تیسری صدی کے آخر میں اسحاق بن حنین اور ثابت بن قرہ نے اس کتاب (اصول اقلیدس) کے ترجمے کئے۔ اور بھی لوگوں نے ترجمے کئے۔ جن کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ آخر میں ساتویں صدی ہجری کے وسط میں محقق طوسی نے حجاج اور ثابت کے ترجموں کی مدد سے "تحریر اصول اقلیدس" کے نام سے اس کا ایک نیا ایڈیشن مرتب کیا۔ عملی افادیت کے لئے اس کے ملخص تیار کئے گئے جیسا کہ محمد بن اشرف سمرقندی کی "اشکال التاسیس" جس پر قاضی زادہ رومی (شارح ملخص چغمینی) نے شرح لکھی (۸۱۵ھ)

پھر اسلام کے اجتماعی ذہن کی حریت پسندی نے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ اس فن کے دقائق و غوامض کے افہام و تفہیم کے لئے اس کی شروح لکھیں۔ اور مغلق مقامات کی توضیح کے لئے مستقل کتب و رسائل تصنیف کئے۔ جیسا کہ محقق طوسی نے "مسئلہ توازی خطوط" (PARALLEL POSTULATE) کی توضیح کے سلسلے میں اپنے پیشروؤں کی تحقیقات کے ساتھ اپنی تحقیق کو بھی "الرسالۃ الشافیہ" میں قلمبند کیا۔

اس تفصیل سے نہ صرف "اصول اقلیدس" کے ساتھ مسلمانوں کے اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کے اجتماعی ذہن کی "افادیت پسندی" کا بھی کہ یہ سب کچھ ذہنی عیاشی کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اسلامی سماج کے ترقی پسند تقاضوں کا نتیجہ تھا۔

یہ تھا اسلام کے اجتماعی ذہن کے خوب سے خوب تر کی تلاش کا ایک اجمالی جائزہ جو اس نے صرف چھڑی کو عموداً گاڑنے اور اس بات کا اطمینان کرنے کے سلسلہ میں کی کہ وہ سطح زمین پر عموداً قائم ہے، یا مساحت (MENSURATION) اور پیمائش زمین (LAND MEASUREMENT) کے "گُروں" (FORMULA) کی صحت کے ثبوت کے سلسلے میں کی۔ لیکن خود سطح زمین کا مسئلہ بھی کچھ کم کاوش کا مقتضی نہ تھا۔ یعنی یہ دیکھنا کہ وہ جگہ جہاں چھڑی گاڑی جا رہی ہے۔ سطح مستوی ہی ہے اور دائرہ افق (HORIZON) کی متوازی ہے۔ اس کے لئے "گونیا" اور "شاقول" (PLUMB LINE) کی استمداد تو قرنہا قرن کے انسانی تجربے نے مہیا کر دی۔ مگر یہاں بھی اس کے جذبہ "ولکن لیطمئن قلبی" کا تقاضا سمت تحقیق پر تازیانہ بن گیا۔ اس کے لئے نہ صرف علم الحیل (میکانکس (MECHANICS)) بلکہ طبیعیات (PHYSICS) کے اس جزو پر وقوف حاصل کرنے کا سوال پیدا ہوا جو مدرسوں میں "ما یعم الاجسام" اور کالجوں میں (GENERAL-PROPERTIES OF MATTER) کہلاتا ہے۔ اور پھر پوری ارسطاطالیسی طبیعیات پر۔

یہی وجہ تھی کہ عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد اجتماعی ذہن کے "خوب سے خوب تر کی تلاش" کے جذبہ اور لیطمئن قلبی کے شوق فراوانی نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے اس مطالبہ کی شکل اختیار کر لی۔ جو اس نے بازنطینی بادشاہ سے، ریاضیات و طبیعیات کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرا کر بھیجنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور جس سے متاثر ہو کر برامکہ نے سلام الابرش سے ارسطو کی طبیعیات کا ترجمہ کرایا۔

بات شروع ہوئی تھی اوقات نماز کی تحدید اور مکہ معظمہ کی سمت دریافت کرنے سے زوال (یا زیادہ واضح و متعین الفاظ میں آفتاب کے نصف النہار پر پہنچنے) کا تعین نسبتاً آسان تھا۔ "دائرہ ہندیہ" میں جب چھڑی کا سایہ کم ہو کر محیط پر پہنچے تو اس مقام پر ایک نشان لگا دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ بالکل گھٹ کر بڑھنا شروع ہوتا ہے تو دوبارہ دائرہ کے محیط پر پہنچتا ہے۔ وہاں دوسرا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ دونوں نشانوں کو مرکز سے ملا کر جو زاویہ بنتا ہے۔ اس کی تنصیف کی جاتی ہے۔ خط منصف (BISECTOR) خط شمال و جنوب (یا خط نصف النہار) ہوتا ہے۔ جب چھڑی کا سایہ اس خط پر منطبق ہو (یا خط استواء پر بالکل نابود ہو جائے) وہی زوال کا وقت ہوتا ہے۔ مگر غروب آفتاب کے وقت کا تعین جس پر نماز مغرب کے ساتھ روزہ افطار کرنے کا بھی مدار ہے۔ زیادہ مشکل ہے۔ حدید البصر اور تیز نگاہ عرب جسے اپنے ملک کے صاف مطلع کی سہولت حاصل تھی، باآسانی اس کا مشاہدہ کر لیتا تھا۔ لیکن دوسرے مقامات جہاں یہ سہولتیں نہ ہوں۔ اور جہاں شام کو کبھی کبھی ایسی گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے کہ دن اور رات کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت "فراست مومن" کی تائید و تصدیق کے لئے علم ہیئت کے متعلقہ مباحث سے واقفیت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جن کی شہادت خود قرآن نے

"والشمس والقمر بحسبان" سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں

فرما کر دی ہے۔ بلکہ جن سے استمداد کے لئے ہم بفحوائے آیہ کریمہ

"لتعلموا عدد السنین والحساب" تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔

مامور ہیں۔ یہ ضروری اور متعلقہ مباحث ہیں "قوس النہار" اور "تعدیل النہار" کی پیمائش، نیز آفتاب کی حرکت وسطیٰ (MEAN MOTION)

کی واقفیت جو ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ بلکہ بدلتی رہتی ہے اول الذکر کے لئے علم ہیئت کے متون اور ثانی الذکر کے لئے زیجوں (ASTROND MICAL TABLES) اور تقویموں (ALMANALS) کا مراجعہ ناگزیر ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آفتاب "قوس النہار" کے اس جزو کو جو نصف النہار اور مغربی افق کے درمیان میں واقع ہے کتنی دیر میں طے کرے گا۔ یہی غروب کا وقت ہے۔

اسی تلاش و جستجو کا نتیجہ تھا کہ مذکور الصدر خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں جہاں علم ہندسہ (GEOMETRY) کے کلاسیکی شاہکار "اصول اقلیدس" کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ وہیں علم ہیئت کے عظیم شاہکار "کتاب المجسطی (ALMAGEST) کا بھی ترجمہ ہوا جو نہ صرف یونان کی ہیئتی عبقریت کا ماحصل تھی۔ بلکہ جو علم ہیئت کی ادبیات عالیہ میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔

مگر بات "قوس النہار" کی پیمائش ہی پر ختم نہیں ہو جاتی کیونکہ علم ہیئت میں "غروب آفتاب" سے مراد قرص آفتاب (SOLAR DISC) کے مرکز کا افق مغرب کے نیچے چلے جانا ہے۔ حالانکہ شریعت میں جب غروب کا اعتبار ناگزیر ہے۔ وہ پورے قرص آفتاب کا غروب ہے یعنی جبکہ قرص آفتاب کا مشرقی کنارہ بھی افق مغرب کے نیچے چلا جائے۔ بالفاظ دیگر اس وقت پر جو آفتاب کے مرکز کو نصف النہار سے افق مغرب تک کا فاصلہ طے کرنے کے لئے درکار ہے۔ اس وقت کا بھی اضافہ کیا جائے جو قرص آفتاب کے نصف قطر کو جو آفتاب کے مرکز اور اس کے مشرقی کنارہ کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اس حرکت وسطی سے طے کرنے کے لئے درکار ہوگا۔

اور اس کے لئے آفتاب کے نصف قطر یا قطر کا جاننا شرط اولین ہے۔ لہٰذا "علم الابعاد والاجرام" پر وقوف لازم ہو گیا۔ یونانیوں میں اس موضوع پر مستند کتاب اسطرخس (ARISTARCHUS) کی "کتاب جرمے النیرین" تھی۔ مگر ماہرین کا (خواہ افاضل اسلام ہوں یا یورپی ہیئت دان) اتفاق ہے کہ اس کی دریافتیں ناقص ہیں۔ اور ہرچند کہ جو اصول اس نے استعمال کئے تھے۔ مناسب ہیں۔ مگر عملاً اس سے فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان کی تصحیح ضروری تھی۔

لیکن کس طرح ؟ بتایا گیا کہ یہ پیمائش آلات رصدیہ (ASTRONOMICAL INSTRUMENTS) بالخصوص "ذات الثقبتین" کی مدد سے کی جا سکتی ہے اس لئے آلات رصدیہ کی تیاری اور استعمال کے علم کی طرف توجہ فطری تھی۔

کچھ اسی طرح کی کاوش پیہم "استقبال قبلہ" کے سلسلہ میں کی گئی۔ اس کی ابتداء بھی "دائرہ ہندیہ" سے ہوئی۔ مگر "صحت اور مزید صحت" کی تلاش کا جذبہ اپنی تشنگی کی آسودگی کے لئے علم المثلثات الکرویہ (SPHERICAL TRIGNOMETRY) کی ترقی کے لئے ایک عامل قوی بن گیا۔ مگر اس کی تفصیل جیسا کہ بار بار معذرت کی جا چکی ہے۔ موجب تطویل ہوگی۔

یوں بھی قلت وقت اور اس سے زیادہ کاغذ کی "تنگ دامانی" اُن فیوض و برکات کا احاطہ کرنے سے مانع ہیں جو علم و تہذیب کی ترقی کو معارف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں۔

عملی سوال کا جواب

اس پیش کش کی ابتداء میں ایک عملی سوال اٹھایا گیا تھا:

"کیا آج کے سائنسی دور میں اسلام اپنے اصولوں پر کسی قسم کا سمجھوتا کئے بغیر زندگی کے ترقی پذیر دھاروں

کے ساتھ چل سکتا ہے یا نہیں؟

اور اس سوال کا جواب ہمیں ایک دنیا دار کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک دیندار مسلمان کی حیثیت سے دریافت کرنا ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم محض اتنی ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

یعنی اللہ (رب العزۃ) کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس بنیادی تعلیم کا پہلا جزو یعنی "اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں" ایمان باللہ ہے۔ اور دوسرا جزو یعنی "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں" ایمان بالرسالۃ ہے۔

"ایمان باللہ" کا ماحصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود سمجھے اور صرف اسی کی عبادت کرے۔ لیکن قرآن اس "توحید ربوبیت" کو محض ایک تکوینی حقیقت بتلانے ہی پہ اکتفا نہیں کرتا۔ یہ ایک تشریعی حقیقت بھی ہے اور اسے ایک "حکم قطعی CATEGORICAL IMPERATIVE) کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حسب تصریح قرآن حکیم مرد مومن جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مامور ہے اسی طرح اسے غیر اللہ کی عبادت سے باز رہنے کا بھی حکم ہے۔

"وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ" — اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوا۔

اور یہ غیر اللہ کی عبادت (شرک) یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کے آگے سر جھکانا۔ اسلام کے نظام اقدار میں ایک ناقابل عفو و درگزر گناہ ہے۔

"ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللّٰہ فقد افتری اثما عظیما" — بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے۔ اس کے سوا جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ سخت گمراہ ہوا۔

یہ "توحید ربوبیت" اسلام کی تعلیمات کا سنگِ بنیاد ہے۔ اور یہی "توحید ربوبیت" اسلامی ثقافت اور "اسلامک کلچر" کا اصل الاصول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ رب العزت کے سوا انسان کا کوئی آقا نہیں۔ سب اس کے محکوم ہیں۔ وہی کائنات کی سب سے افضل و اشرف مخلوق ہے۔

اس تعلیم کا منطقی نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ پیروان اسلام کائنات کے سامنے بھکاری بن کر نہیں۔ بلکہ شکاری بن کر پہنچے اور فطرت کی ظاہر اور پوشیدہ قوتوں کو تسخیر کر کے اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کیا۔ اسی کا نام تسخیر کائنات ہے۔ جس کے لئے قرآن بار بار ہمت افزائی کرتا ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

اور اسی "تسخیر کائنات" اور ارض و سماء کی پوشیدہ قوتوں کی واقفیت کا نام "علم طبیعی" ہے۔ اور "نیچرل سائنس" ہے اور اس کے حصول کا محرک حقیقی "ایمان باللہ" یا توحید ربوبیت پر ایمان ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم کا دوسرا جزو "ایمان بالرسالۃ" ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ:-
"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"

لہٰذا آپؐ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ حق ہے۔ اور جس بات کے کرنے کا حکم دیا، وہ اسی طرح واجب التعمیل ہے۔

جس طرح احکام الٰہی کی بجا آوری۔ چنانچہ قرآن کریم جہاں اللہ تعالےٰ کے احکام کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے۔ وہیں فرمودات نبوی کی بجا آوری پر بھی مامور کرتا ہے۔

"اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول"

کے فرمان واجب الاذعان سے قرآن حکیم کے صفحات معمور ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے احکام کی بجا آوری اسلام کا حکم ناطق ہے، جس میں کسی کوتاہی و سرتابی کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

"وَمَا کَانَ لِمُؤمنٍ وَّلَا مُؤمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم وَمن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً"

اور نہ کسی مسلمان مرد، نہ مسلمان عورت کو حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا، وہ بے بشک صریح گمراہی میں پڑا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیکوکاری اختیار کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اسی طرح ان کو یہ بھی حکم ہے کہ خود کو اوصاف حمیدہ سے متصف کریں اور ان اوصاف حمیدہ کے چندن ھار میں واسطۃ العقد "علم و حکمت" ہے۔

لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ علم حاصل کریں۔ ہر چند کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے انتہائی مشقت حتیٰ کہ اقصائے عالم کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

"اطلبوا العلم ولو کان بالصین"

علم کو تلاش کرو، خواہ وہ چین (اقصائے عالم) ہی میں کیوں نہ دستیاب ہو

پھر اس "حکم ناطق" کو مزید موکد بنانے کے لئے " " کے لفظ سے تعبیر کیا جس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔

علم کو طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

یہی نہیں، بلکہ آپ نے علم و حکمت کی متاع گم گشتہ قرار دیا۔ اور دوسروں کے مقابلے میں اسے حقدار بنا کر اسے اس کے حصول کی ہمت افزائی کی۔

"کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدھا فھو احق بھا"

اس طرح ایک جانب "توحید ربوبیت" کی تعلیم کا مقتضا تھا جو اسلامی تعلیمات کا اصل الاصول ہے۔ اور دوسری جانب اپنے ہادی برحق کا ارشاد — جس کی بجا آوری صلاح معاش و فلاح معاد کی ضامن ہے۔ نفسیاتی طور پر ان عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کا اجتماعی ذہن شروع ہی سے جہاں رموز دین کی شرح و ایضاح کی طرف متوجہ ہوا۔ وہیں کائنات کے اسرار کی دانشگافی پر مرکوز ہو گیا جس کے نتیجے میں نبی اُمّی کے امتیوں نے نہ صرف حکمائے سابقین افلاطون و ارسطا طالیس، اقلیدس، و بطلیموس اور بقراط و جالینوس کے اغلاط کی تصحیح کی۔ بلکہ آنے والے عہد تنویر کے علمبرداروں کے لئے بھی سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کا راستہ ہموار کر دیا۔

لہٰذا اگر ماضی میں یہ سب کچھ ہوا تو پھر مستقبل میں کیوں نہ ہو

وما ذالک علی اللّٰہ العزیز

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں

(البقرۃ : ۱۵۱)



حضورؐ کے جوامع الکلم

حضورؐ کے جوامع الکلم

شرف الدین اصلاحی

جوامع الکلم کی لغوی تشریح

اصلاً جوامع الکلم عربی کا ایک مرکب اضافی ہے۔ اہلِ اُردو کے لئے یہ کسی قدر نامانوس ہے اس لیے اس کے صحیح تلفظ اور تفہیم کے لیے اس کی تھوڑی سی تشریح ضروری ہے اگرچہ یہ خشک بحث ذوق ادب پر گراں نہ گزرے۔

جوامع جمع ہے جامع کی، جس کا مادہ ج م ع (جمع) ہے۔ جامع اسم فاعل ہے جمع کا۔ جمع، جامع، اُردو میں بھی مستعمل ہیں۔ اس مادے سے بنے ہوئے اور بھی متعدد الفاظ ہیں جو اردو زبان کا جز ہیں۔ مثلاً جماعت، اجماع، اجتماع، جمعہ، جامعہ، مجموعہ، مجمع وغیرہ۔ کلم، کاف کے زیر اور لام کے زبر کے ساتھ، جمع ہے کلمہ کی، جس کا مادہ ہے ک ل م (کلم)۔ اس کی ایک جمع کلمات بھی آتی ہے۔ یہ اسم ہے اور اہلِ اردو اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ "کلمہ طیبہ" اور "کلمہ خیر" ہیں، نیز قواعد کی ایک اصطلاح کی حیثیت سے یہ لفظ ہمارے لئے اجنبی نہیں۔ اس مادے سے بنے ہوئے متعدد دوسرے الفاظ بھی اردو میں آتے ہیں جیسے کلام، تکلم، کلیم، متکلم، مکالمہ وغیرہ۔ معنوی اعتبار سے مادہ جمع میں چیزوں کو اکٹھا کرنے اور سمیٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور مادہ کلم میں بات کرنے اور زبان سے کچھ کہنے کا۔

عربی زبان کی یہ خصوصیت معلوم ہے کہ مادے کے اصل معنی کسی نہ کسی شکل میں اس کے مشتقات فعلیہ و اسمیہ میں باقی رہتے ہیں۔ اس لئے باعتبار لغت جامع کے لفظی معنی ہوئے جمع کرنے والا اور کلمہ کے لفظی معنی بات یا لفظ جو زبان سے ادا کیا جائے یا قلم سے لکھا جائے۔ اس مرکب میں، جو "جوامع الکلم" کی صورت میں اس وقت ہمارے زیرِ بحث ہے، اگرچہ نحوی اعتبار سے مضاف مضاف الیہ کا تعلق ہے، یعنی جوامع مضاف ہے اور کلم مضاف الیہ، لیکن معنوی اعتبار سے یہ آپس میں صفت اور موصوف ہیں یعنی کلم موصوف ہے اور جوامع اس کی صفت۔ گویا معناً یہ الکلم الجوامع ہے۔ عربی میں اضافت کی یہ شکل بہت عام ہے۔ جامع میں فاعلیت یا صفت کا جو مفہوم ہے وہ اپنے موصوف کے اعتبار سے ہی متعین کیا جاتا ہے۔ جیسے جامع بمعنی مسجد اور جامعہ بمعنی یونیورسٹی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جامع وہ مسجد جہاں جمعہ کے دن نمازیوں کی بہت بڑی تعداد اکٹھا ہوتی ہے۔ جامعہ وہ درسگاہ جہاں مختلف تدریسی علوم و فنون کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور جہاں دور دراز کے طلبہ جمع ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان مثالوں میں صفت اپنے موصوف کے ساتھ کثرت استعمال کی وجہ سے اس طرح لازم ہو گئی ہے کہ موصوف کا ذکر نہیں کرتے تو بھی وہ سمجھ لیا جاتا ہے گویا صفت نے موصوف کی جگہ لے لی ہے۔ ایسا کہیں کہیں ہوتا ہے۔ ورنہ صفت ہمیشہ اپنے موصوف کے ساتھ آتی ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ صفت موصوف دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں جیسا کہ خود "جوامع الکلام" کے مرکب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لغت اور استعمال عام میں "الکلام الجامع" اور "جوامع الکلام"

مرکب صورت ہی میں نظر آتے ہیں

تاریخی جائزہ کلام عرب میں یہ لفظ میری نظر سے نہیں گزرا۔ قرآن مجید میں بھی بصورت ترکیب اس مفہوم میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ جوامع کی واحد جامع اپنے عام معنی میں تین مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اور کلم بصورت جمع چار جگہ اور بصورت واحد (کلمہ) تقریباً ۲۸ جگہ آیا ہے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے جوامع الکلم، اسی ترکیب اسی مفہوم اسی پس منظر کے ساتھ ایک سے زائد بار آیا ہے۔ بخاری مسلم ترمذی اور مسند احمد میں ۱۴ جگہ آنحضورؐ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے "اعطیت جوامع الکلم" مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں یہ روایت بھی ملتی ہے "اوتیت جوامع الکلم" مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے۔ "بعثت بجوامع الکلم" میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہ ایک صحیح اور مشہور حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے زمانے میں یہ لفظ موجود تھا اور اہل عرب اس سے واقف تھے۔ یہاں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لفظ سب سے پہلے آنحضورؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کی کوئی شہادت مجھے ابھی تک نہیں ملی۔ خود یہ حدیث بھی جوامع الکلم کی ایک اچھی مثال بن سکتی ہے۔ یہ خیال کہ جوامع الکلم صرف آنحضورؐ کے حکیمانہ اقوال کے لئے استعمال ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے درست نہیں ہے۔ "جوامع الکلم" کے نام سے عربی زبان میں کتابوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ لفظ آنحضورؐ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ احمد فتحی زغلول پاشا نے ڈاکٹر گستاؤ لیبان کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "جوامع الکلم" رکھا۔ یہ نہیں معلوم کہ اصل فرنچ میں اس کا نام کیا تھا۔ یقیناً جوامع الکلم کا ہم معنی کوئی لفظ رہا ہوگا۔ ڈاکٹر لیبان نے اس میں اپنی مختلف تصانیف سے ایسے اقوال اور جملے یکجا کر دیئے ہیں جو ان کے خیال میں جوامع الکلم کا درجہ رکھتے ہیں۔ احمد فتحی نے ڈاکٹر لیبان کے لکھے ہوئے مقدمہ میں ان کے لئے "قضایا جامعہ" اور "صیغ مختصرۃ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ عربی ترجمہ ۱۹۲۲ء میں مصر سے چھپ کر شائع ہوا۔ آنحضورؐ کے ملفوظات پر مشتمل بعض کتابوں کا ذکر سنا گیا مگر ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری۔

معنوی ارتقا: اس صرفی نحوی اور تاریخی تجزیہ کے بعد اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کو سمجھنا چنداں دشوار نہیں رہا۔ چھوٹا بڑا ہر قابل ذکر لغت مرکب صورت میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ لسان العرب کے مطابق جوامع الکلم ایسے مقولوں یا اقوال کو کہتے ہیں جو "کثیر المعانی اور قلیل الالفاظ" ہوں۔ منجد میں اس طرح آتا ہے۔ الکلام الجامع: ما قلت الفاظہ و کثرت معانیہ۔ گویا ایسے چھوٹے مختصر جملے جو "قلّ و دلّ" کے مصداق ہوں ان کو جوامع الکلم کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں جہاں تک میرا علم ہے اس کے ہم معنی کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ COMPREHENSIVE BUT CONCISE کے فقرے سے اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں SAYING ، PROVERB ، MAXIM وغیرہ کو بھی اس کا متبادل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اردو اور فارسی بھی اس لحاظ سے تہی دامن ہیں۔ کہاوت، ضرب المثل، مقولہ، قول اردو فارسی کے ایسے الفاظ ہیں جو قریب تر ہونے کے باوجود اس مفہوم کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو اور فارسی لغات نے بھی عربی سے مستعار لے کر اس کمی کو پورا کیا۔ چنانچہ اب جوامع الکلم بھی ان زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں اسی طرح شامل ہے جس طرح عربی کے بے شمار دوسرے مستعار الفاظ ہیں۔ اور یہ لغات اس کے معنی بتانے کے لئے کوئی متبادل لفظ دینے کی بجائے تشریحی جملہ درج

کرتے ہیں۔

"جوامع الکلم : وہ کلام جس کے لفظ تھوڑے ہوں اور مطلب بہت نکلے"

(نور اللغات)

"جوامع الکلم : چند احادیث اند کہ ہر یک از آں ہا باوجود اختصار الفاظ و عبارت، مطالب کثیر را مشتمل است"

(فرہنگ انند راج)

جوامع الکلم کا ابتدائی مفہوم بس اسی قدر ہے کہ کم الفاظ میں زیادہ معانی سمو دیئے جائیں۔ اردو کے ایک محاورہ میں اسی کو "کوزے میں دریا بند کرنا" کہتے ہیں۔ مرزا غالب اس نکتے سے آشنا تھے۔ اپنے کلام کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ ہے ؎

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

شاعرانہ تعلی کی ترنگ میں وہ کچھ زیادہ ہی آگے نکل گئے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ غالب کے کلام میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔

نطق یا کلام انسان کا نوعی خاصہ ہے۔ اسی لئے انسان کی منطقی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ "الانسان حیوانٌ ناطق"۔ انسان حیوان ناطق ہے۔ جس طرح انسان اور حیوان میں نطق کے ذریعے فرق کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سب انسان بھی نطق کے ایک درجے پر نہیں ہوتے اور ان کے مابین یہی نطق فرق مراتب کا سبب بنتا ہے۔ یہی حال مختلف طبقاتی گروہوں، مختلف خطوں میں بسنے والوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں کا ہے۔ جملہ صفات حسنہ کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے اس لئے وہ صفات سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اکمل اور اتم درجے پر اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد انبیاؑ کا درجہ آتا ہے جن کو مبدأ فیاض سے براہ راست سب سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ اس کے بعد حکماؑ فلاسفہ، خطبأ ادبا، اور شعرأ وغیرہ کا درجہ آتا ہے۔ جن کی صلاحیتیں کچھ وہبی اور کچھ کسبی ہوتی ہیں۔ سب سے آخر میں عام انسان آتے ہیں جن کا درجہ حیوانوں سے بہت بلند اور انبیاء وغیرہ سے بہت پست ہوتا ہے۔ ان مختلف طبقات کے افراد کے مابین بھی ان کے قوائے ذہنی و عقلی کے فرق کی وجہ سے نیز دوسرے خارجی عوامل کے باعث مدارج کا اختلاف ہوتا ہے۔ اور اسی نسبت سے ان افراد یا گروہوں میں نطق کی جبلت ظہور کرتی ہے۔ نطق محض بولنے کو نہیں کہتے۔ بولنا نطق کا ایک ادنیٰ مظہر ہے۔ نطق دل دماغ کے اس پیچ در پیچ عمل کا نام ہے جس کے نتیجے میں کوئی فکر یا خیال تہذیب و ترتیب کے مراحل سے گذر کر موزوں اور متناسب الفاظ کا قالب اختیار کرتا ہے۔ حرف و صوت اسی فکر کے لئے فقط سواری کا کام دیتے ہیں۔ آواز جانور بھی نکالتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے ان کو ناطق نہیں کہا جا سکتا۔ نطق دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک فکر و خیال دوسرے صوتی اظہار۔ انہی کو معانی اور الفاظ بھی کہا جاتا ہے۔ انسان کی قوت گویائی کا کمال اس میں ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی پہنچائے جائیں۔

کلام کا یہ وصف بلاغت کے عناصر ترکیبی میں سے ایک اہم عنصر ہے اور جوامع الکلم کی تو بنیاد ہی اسی وصف یا عنصر پر ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا نطق انسان کی خاصیت نوعی ہے۔ اس لیے ہمیشہ سے اس کے کمالات نطق کے کرشمے مختلف صورتوں

میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سے ایک صورت جوامع الکلم کی ہے۔ ہر ملک ہر زبان ہر دور کے ادب میں جوامع الکلم کو مقبولیت حاصل رہی اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے جامع اور مختصر فقرے آسانی سے دماغ کی گرفت میں آجاتے ہیں اور حافظے میں باقی رہتے ہیں۔ لیکن رسول اکرمؐ سے پہلے تاریخ تمدن کا یہ سرمایہ جو صدیوں میں جمع ہوا، گراں قدر ہونے کے باوجود زیادہ وقیع نہیں ہے۔ آنحضورؐ کا زمانہ جملہ کمالاتِ انسانی کا نقطۂ عروج ہے۔ آپ کے ظہور سے نبوت ہی کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ اس کے جلو میں جوامع الکلم کا گنج شائگاں بھی دنیا کو ملا۔ آپ سے پہلے کسی نبی کی سیرت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ اس نے کہا ہو کہ بعثت بجوامع الکلم یا اوتیت جوامع الکلم اور جریدۂ تاریخ پر اس کی نسبت یہ الفاظ ثبت ہوں "وصفتہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یتکلم بجوامع الکلم۔ (لسان العرب) آپ کی صفت یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ جوامع الکلم میں گفتگو فرماتے تھے۔

آپ سے دین ہی کی تکمیل نہیں ہوئی جملہ علوم و فنون اور مظاہر تہذیب و تمدن کی ترقی کا بھی سامان ہوا۔ نبی آخر الزماں ہونے کے علاوہ آپ کا تعلق ایک ایسی قوم سے تھا جو خود کو عرب یعنی فصیح اللسان کہتی تھی اور اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو عجم یعنی گونگا سمجھتی تھی۔ عربی آپؐ کی مادری زبان تھی جو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں اس لحاظ سے ممتاز تھی کہ اس کی فصاحت و بلاغت ضرب المثل تھی۔ آپ اس زبان کے بولنے والوں میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے۔ صحیح حدیث ہے۔ انا افصح العرب ولا فخر۔ میں دنیائے عرب کا فصیح ترین انسان ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں۔ ملک عرب کا عربی بولنے والا فصیح اللسان پیغمبر جو مبداءِ فیاض سے کسبِ فیض کرتا تھا اس کی زبان سے جوامع الکلم کے پھول جھڑتے تو یہ عین اقتضائے فطرت تھا۔

باعتبار لغت "جوامع الکلم" ایسے کلام کو کہیں گے جو مختصر اور جامع ہو، یہ ضروری نہیں کہ اس کا مضمون بھی عمدہ ہو لیکن عرف عام میں اس کا استعمال شروع ہی سے ایسے کلام کے لیے ہوتا آیا ہے جس میں اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھا گیا ہو۔ چنانچہ عملاً اس کا اطلاق ایسے جامع اور مختصر کلام پر کیا گیا جس میں نصیحت، پند و موعظت، زندگی کے تجربات کا نچوڑ، علم و حکمت کی بات، کوئی آفاقی صداقت، کوئی عالمگیر و دائمی حقیقت، کوئی باریک نکتہ، فلسفۂ اخلاق کا کوئی قضیہ، کوئی درس ہدایت کوئی قاعدہ کلیہ، کوئی اچھوتا خیال، کوئی غیر معمولی فکر، کوئی نادر مضمون بیان کیا گیا ہو۔ اور اس کے لیے الفاظ ایسے بچے تلے رکھے گئے ہوں جو پہلو دار ہوں اور تہ در تہ معانی کو متضمن ہوں۔ زندگی کے جس شعبے سے اس کا تعلق ہو اس کا جوہر اور ست نکال کر رکھ دیا گیا ہو۔ اس کو دیکھ کر آدمی سر دھنے لیکن خود کہنا چاہے تو کہہ نہ سکے۔ بلکہ اس کو سمجھنے میں بھی کاوش فکر سے کام لینا پڑے۔ زبان شعر میں جس چیز کو سہل ممتنع کہتے ہیں، وہ جوامع الکلم کے اجزائے ترکیبی کا فقط ایک جز ہے۔ دوسرے اجزاء کے ساتھ ملنے کے بعد جس کے خواص اور ہو جاتے ہیں۔ شاعری اور پیغمبری میں جو فرق ہے وہی فرق سہل ممتنع اور جوامع الکلم میں ہے۔ شعراء نے "شاعری جزوے است از پیغمبری" کا دعوےٰ باطل کیا لیکن انبیاءؑ کو شاعری سے کیا نسبت ان کی طرف سے اعلان برأت کی شہادت خود قرآن میں موجود ہے۔ وما علمنا لا الشعر وما ینبغی لہ۔ ہم نے اسے شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کی شان کے شایان ہے۔ محض نفی نہیں کی گئی بلکہ مرتبے سے فروتر قرار دیا گیا۔

جوامع الکلم کا سب سے بڑا خزانہ قرآن مجید میں جمع ہے اور جوامع الکلم کے اعلیٰ اور کامل نمونے اس خزانے میں

موجود ہیں۔ چیدہ چیدہ جملوں کے علاوہ قرآن مجید کی چھوٹی سورتیں اپنے الفاظ کے اختصار اور مطالب کی جامعیت کے اعتبار سے "جوامع السور" کہی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث میں سورہ اخلاص کے بارے میں آتا ہے کہ وہ "ثلث قرآن" یعنی ایک تہائی قرآن ہے۔ لیکن چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لئے ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ اس قدر کہنا بے محل نہ ہوگا کہ رسول اکرمؐ کے ارشادات میں جوامع الکلم کا جو قدسی الاصل ذخیرہ ہے وہ دوسرے عوامل کے ساتھ قرآن مجید کے فیضان تربیت کا نتیجہ ہے۔ آپ مہبط وحی، حامل قرآن، داعی دین اسلام ہیں۔ ۲۳ سال تک برابر قرآن کا پیغام قرآن ہی کی زبان میں پہنچاتے رہے۔ آپ کی احادیث میں مطالب کا ہی نہیں انداز بیان کا بھی اثر ہے۔ جس میں صاف قرآن کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مثال کے لئے احادیث رسولؐ سے ایسے منتخب فقروں کو درج کریں جو جوامع الکلم کے زمرے میں آتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے جوامع الکلم کی بعض امتیازی خصوصیات مختصراً بیان کردیں۔

ایجاز و اختصار جوامع الکلم کی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔ جس کے بغیر جوامع الکلم کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن آنحضورؐ کے جوامع الکلم میں یہ وصف منتہائے کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔ حد یہ کہ بعض جملے مبتدا خبر، یعنی صرف دو لفظوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ جملہ یا کلام کے لیے کم سے کم دو لفظوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک لفظ پر جملے یا کلام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فعلیہ جملے کی بعض صورتوں میں بسا اوقات ایک ہی لفظ ہوتا ہے مگر وہاں فاعل محذوف ہوتا ہے مثلاً "جا" جو اصل میں "تو جا" ہے۔

جوامع الکلم کی دوسری بنیادی خصوصیت جامعیت ہے۔ آنحضورؐ کے جوامع الکلم اس لحاظ سے بھی اپنی نظیر آپ ہیں۔ ایک تو الفاظ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے، دوسرے الفاظ کی ترتیب اور بندش ایسی ہوتی ہے کہ وہ مطالب کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ ایک حرف ایک جملے کا کام کرتا ہے۔ یہ خوبی عربی زبان کی ہے مگر زبان اپنے کمال کے اظہار کے لیے محتاج ہے کسی بولنے والے کی۔ آنحضورؐ کے جوامع الکلم میں جامعیت کا ایک پہلو اور بھی ہے جس کا تعلق آپ کے منصب نبوت سے ہے۔ آفاقیت اور ابدیت کے علاوہ آپ کا دین ہر پہلو کو محیط ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے حکماء و فلاسفہ کے برعکس آپ کے جوامع الکلم میں اس لحاظ سے بھی جامعیت نظر آتی ہے۔

تعلیم حکمت آپ کی بعثت کے مہمات مقاصد میں سے ایک ہے۔ آپ نے اپنے پیروکاروں میں حکمت کو "خیر کثیر" کی حیثیت سے متعارف کرایا اور حکمت کو مومن کا گمشدہ مال قرار دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمت کے صحیح تصور سے روشناس کرایا۔ اس لئے آپ کے جوامع الکلم میں حکمت کے ایسے انمول موتی ہیں جو کسی حکیم یا فلسفی کے یہاں نظر نہیں آتے۔ آپ کے خزانے میں ایسے جوامع الکلم بھی ہیں جن کا عنوان ہی حکمت ہے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن اور راس الحکمۃ مخافۃ اللہ، جیسے جوامع الکلم جہاں ہوں وہاں کی حکمتوں کا کیا ٹھکانہ۔

آپ کا لایا ہوا دین جن خصوصیات کا حامل ہے وہ تمام خصوصیات کم و بیش آپ کے جوامع الکلم میں بھی ملتی ہیں۔ وہ فطرت سے قریب ہیں، انسانی نفسیات سے ہم آہنگ ہیں، عقل کو اپیل کرتے ہیں، دل میں اتر جاتے ہیں، ان سے اعلیٰ جذبات انسانی کو تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ روح کو بالیدگی بخشتے ہیں۔ وہ تہذیب و شائستگی سکھاتے ہیں، نفس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ سفلی جذبات کو مغلوب کرنے میں مدد دیتے ہیں، فکر کی تطہیر کرتے ہیں، اخلاق کو سنوارتے ہیں۔ اچھے شعر کی طرح جلد یاد ہو جاتے

ہیں اور حافظے میں محفوظ رہتے ہیں۔ زندگی کے سفر میں "تاریک راہوں کو روشن کرتے ہیں۔

جوامع الکلم ذیل میں رسول اکرمؐ کی احادیث سے کچھ منتخب جوامع الکلم، بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلے متن حدیث پھر اردو ترجمہ اور اس کے بعد مختصر تشریح:

وانما الاعمال بالنیات و لکل امرء مانوی۔ (بخاری)

عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

نیت کا حال اللہ تو جانتا ہی ہے اور گو دوسرا کوئی نہیں جان سکتا مگر خود وہ شخص تو جانتا ہی ہے جو فعل کا فاعل ہے۔ اور یوں وہ اپنے عمل کے حسن و قبح کا بخوبی فیصلہ کر سکتا ہے۔

وانما الاعمال بالخواتم۔ (بخاری و مسلم)

اعمال کا مدار انجام پر ہے۔

وانما الاعمال بالنیات کی طرح اس حدیث میں بھی ایک بنیادی اور اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں زندگی اور اس کے اعمال پر ایک اور زاویے سے نظر ڈالی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ اصل شے انجام اور نتیجہ ہے۔ اسی لیے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگی جاتی ہے۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے۔ ALLS WELL THAT ENDS WELL اردو کا ایک مصرع ہے۔

ع "کام وہ اچھا ہے جس کا کہ مآل اچھا ہے۔"

لیکن ان کو آنحضورؐ کے اس ارشاد سے کیا نسبت۔ ان میں نہ لفظی اعتبار سے وہ اختصار ہے نہ معنوی اعتبار سے وہ جامعیت۔ ان فقروں میں صرف اچھے پہلو کا ذکر ہے جبکہ حدیث اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں کو محیط ہے۔ ارشاد نبوت میں ترغیب و ترہیب تبشیر و انذار ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ بلکہ انذار کو تبشیر پر من وجہ فوقیت حاصل ہے۔ برے انجام سے ڈرانا اچھے انجام کی خوشخبری سے بہتر ہے۔ انسان کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ نیک عمل کرے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بُرے کاموں سے بچے۔

الدین النصیحہ (مسلم)

دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔

انسان کا کوئی عمل دین کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ خلوص، سچائی اور صفائی باطن پر مبنی نہ ہو۔ گویا دین کی روح اخلاص ہے۔

ان الدین یسر (بخاری)

بے شک دین آسانی ہے۔

زندگی کی مثال ایک صحرا یا جنگل کی ہے جس میں راستہ نہیں ہوتا۔ دین کی حیثیت راستہ کی ہے جس پر چل کر انسان منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں خود کو رکھ کر دیکھیں تو دین کا آسانی ہونا سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ دین کے ایک معنی راستے کے بھی ہیں۔ بعض لوگ اس جملے کا ترجمہ "دین آسان ہے۔" کر دیتے ہیں۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ آسان یسیر کا ترجمہ ہے۔ یسر

آسانی کو کہتے ہیں۔

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ (ترمذی)

کسی آدمی کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

زندگی کی وہ تمام باتیں لایعنی کے حکم میں داخل ہیں جو غیر ضروری فضول، بے فائدہ دور از کار اور غیر متعلق ہوں۔ قرآن میں مسلمانوں کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ لغویات سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ ھم عن اللغو معرضون۔ لغو یالایعنی کی شناخت انسان کی فطرت سلیمہ خود کر لیتی ہے۔ نفس لوامہ جسے ضمیر کہتے ہیں اگر مر گیا ہے تو اور بات ہے ورنہ "انتباہ" کے لیے وہ کافی ہے۔

الدال علی الخیر کفاعلہ

بھلائی کا راستہ بتانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور قرآن میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔ لیکن نیکی کی ترغیب کے لئے یہ فقرہ کس قدر مؤثر ہے۔ اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث ہے۔

من سن سنة حسنة ومن سن سنة سیئة ..... الخ

جس کسی نے کوئی اچھی یا بری روایت قائم کی تو اسے نہ صرف اپنی بلکہ اس پر عمل کرنے والے دوسرے لوگوں کی بھی جزا یا سزا ملے گی۔

خیر الحدیث کتاب اللہ۔ خیر الھدی ھدی محمد، شر الامور محدثاتھا۔ وکل بدعة ضلالة۔ (مسلم)

سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے اچھا طریقہ محمد کا طریقہ ہے۔ سب سے بُرا کام وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔

اس ایک حدیث میں چار جوامع الکلم یکجا ہیں جو باہم مربوط بھی ہیں اور مستقل بالذات بھی۔ ان میں سے ایک ایک فقرے کی شرح کے لیے ایک ایک دفتر درکار ہے۔

آیة المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (بخاری ومسلم)

منافق کی پہچان تین چیزیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کو امانت سونپی جائے تو خیانت کرے۔

زندگی اور معاشرہ کی ان تین اخلاقی برائیوں کو تین مختصر ترین جملوں میں سمو کر ان کی شناعت کو جس طرح واضح کیا گیا ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کی توفیق حامل قرآن نبی آخر الزماں ہی کو ہو سکتی تھی۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ (مسلم)

جھوٹ کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

قرآن مجید کی تعلیم ہے کہ اگر کسی بدکردار آدمی سے کوئی بات سنو تو اس کی تحقیق کر لو۔ ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا (حجرات-۶)

اس حدیث میں بھی ذرا مختلف انداز سے اسی تعلیم کو دہرایا گیا ہے۔

الفقر فخری۔

بے مائگی ہی میرا سرمایہ افتخار ہے۔

آنحضورؐ کا یہ ارشاد ان لوگوں کے لئے عبرت کا تازیانہ ہے جو دولت دنیائے دوں کا انبار جمع کرنے میں سرگرداں رہتے ہیں۔

ولکن الغنی غنی النفس۔ (بخاری و مسلم)

امیری دل کی امیری ہے۔

امیری دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کو سماحت اور سیر چشمی کہتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ کا مصرعہ ہے ۔

تونگری بدل است نہ بمال

شیخ سعدی ہی کا ایک اور منقولہ ہے:

"آناں کہ غنی تر اند محتاج تر اند"۔

والحیاء شعبة من الایمان۔ (بخاری و مسلم)

اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

یہاں لفظ حیا اپنے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دینا بلاغت کی جان ہے۔

السوال ذل۔

مانگنا ذلت ہے۔

بھیک مانگنا، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا، کسی قسم کا کوئی سوال کرنا رسوائی کی بات ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی سوار کا کوڑا زمین پر گر گیا ہو تو اس کو چاہیے کہ سواری سے اتر کر خود اٹھا لے۔ سوال کی کراہیت کو واضح کرنے اور دل میں بٹھانے کے لئے اس سے بہتر اسلوب نہیں اختیار کیا جا سکتا۔ ایک طرف اغنیاء اور اصحاب استطاعت کو یہ تعلیم دی گئی کہ اما السآئل ولا تنھر۔ دوسری طرف سائل کو سوال کی ذلت سے بچا کر اس کی عزت نفس کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (ترمذی)

وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔

فرق مراتب کے ساتھ حسن معاشرت کی اس سے بہتر تعلیم نہیں ہو سکتی۔

من لا یَرحم لا یُرحم (بخاری و مسلم)

جو رحم نہیں کرتا وہ رحم نہیں کیا جاتا۔

ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں: لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔

اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

اس بات کو اردو کے شاعروں نے نظم کر دیا ہے۔

؎ خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ۔ (ترمذی)

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

مطلب یہ کہ انسانوں کا شکریہ ادا کرنا ہی اللہ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ دنیا دارالاسباب ہے کوئی بات جس پر شکریہ واجب ہو کسی انسان کے ذریعے انجام پاتی ہے۔ اس لئے پہلے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اللہ تو اس سے بے نیاز ہے۔

انزلوا الناس منازلھم (ابوداؤد)

لوگوں کو ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق جگہ دو۔

یہ بھی آدابِ معاشرت کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو نظر انداز کرنے سے بہت سی معاشرتی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

ید اللہ علی الجماعۃ، من شذ شذ فی النار۔ (ترمذی)

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے۔ جو جماعت سے الگ ہوگا وہ آگ میں جا پڑے گا۔

مسلمانوں کی جماعت کے اوپر اللہ کے ہاتھ کا سایہ ہوتا ہے۔ وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر علٰحدہ ہوگا وہ اللہ کی حفاظت کا حقدار نہیں رہے گا۔ اس کا انجام تباہی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ اجتماعِ انسانی کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور زندگی کے مسلمات سے ہے۔ لیکن اسے حدیث میں جس اسلوب سے بیان کیا گیا ہے وہ مافوق البشر ہے۔

انصر اخاک ظالماً او مظلوما۔ (بخاری و مسلم)

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے۔ ظالم کی مدد اس طرح کہ اُسے ظلم سے روکا جائے۔

الظلم ظلمات یوم القیامۃ ۔ (بخاری و مسلم)

ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہوگا۔

ظلم اور ظلمت میں معنوی اشتراک کے علاوہ جو صوری مماثلت ہے اہلِ ذوق اُسے محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا و بین اللہ حجاب۔ (بخاری و مسلم)

مظلوم کی بددعا سے ڈرو اس لئے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

مظلوم کی آہ سیدھی جا کر عرشِ الٰہی سے ٹکراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی فریاد خود سنتا ہے اس لیے ہر اس شخص کو اس سے ڈرنا چاہیے

جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کا ذمہ دار ہو۔

المستشار موتمن (ترمذی)

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔

مبتدا خبر، دو لفظوں پر مشتمل یہ جملہ اپنے اندر نصیحتوں کا ایک دفتر لئے ہوئے ہے۔

لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین ۔ (بخاری و مسلم) مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کلمہ جامعہ میں فراست المومن کی طرف استعارہ کی زبان میں لطیف اشارہ ہے۔

ارشاداتِ نبویؐ (جوامع الکلم)

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشاداتِ گرامی ایسے ہیں جو حروف و الفاظ کے اعتبار سے تو مختصر اور موجز ہیں مگر معانی کے لحاظ سے بہت وسیع اور بعید جامع ہیں، محدثین اور عربی ادب کی اصطلاح میں اس نوع کے ارشادات نبوی جوامع الکلم کہلاتے ہیں اور یہ اصطلاح آپؐ کے اپنے ایک ارشاد پر مبنی ہے [1]

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ: اللہ نے (غزوہ خندق میں) میری بادِ صبا کے ذریعے مدد فرمائی اور مجھے جامع کلمات بھی عطا کیے گئے ہیں۔

جاحظ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات "جوامع الکلم" کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے [2]

وَهُوَ (الکلام) القليلُ الجامعُ للكثير۔

"کلام نبوت کے جوامع الکلم سے مراد ایسا کلام ہے جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہوتا ہے۔"

گویا یہ ایک جامع کلام ہے جس کی امتیازی خوبی کوزے میں دریا بند کرنا ہے۔ الفاظ اور حروف کی تعداد تو بہت قلیل و مختصر ہوتی ہے مگر اس میں فکر و معنی کا بحرِ زخار نہاں ہوتا ہے، چنانچہ علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے: [3]

وَكَلامُهُ الجامعُ الَّذِي لا يُجَارَىٰ في فصاحتِهِ ولا يُبَارَىٰ في بلاغتِهِ، وَالَّذِي هُوَ النهايةُ في البيانِ والغايةُ في البرهانِ، المشتملُ على جوامعِ الكلمِ وبدائعِ الحكمِ، المتضمنُ بقليلِ المباني كثيرًا من المعاني: آپؐ کا وہ جامع کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ اور برابری کی ہی نہیں جا سکتی، جو بیان و بلاغت کا آخری درجہ اور بے انتہا مدلل بھی ہے، جو جامع کلمات اور انوکھی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے الفاظ و حروف کی تعداد تو قلیل ہوتی ہے لیکن معانی کی فراوانی ہوتی ہے۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معجز نظام کی یہ بھی ایک منفرد خصوصیت بن گئی ہے کہ آپؐ کے یہ جوامع الکلم ارشادات عربی ادب میں ضرب المثل بن گئے ہیں اور مختلف ادوار کے خطباء اور انشا پرداز اپنے خطبات اور نگارشات کو ان پر حکمت کلمات سے مزین کرتے اور ان کے اقتباسات پیش کرتے رہے ہیں، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف قاضی عیاض تو یہاں تک کہہ گئے

---

[1] البیان والتبیین ۲۹/۴ [2] حوالہ سابق [3] عظمت الرسول ص ۲۷۷۔

ہیں کہ آپ کے ان جوامع الکلم سے لوگوں نے اپنے دفاتر انشاء کو سجایا اور ان کے الفاظ و معانی کے بارے میں کتابوں کی کتابیں جمع کردی ہیں :[1]

أما كلامه المعتاد و فصاحته المعلومة و جوامع كلمه و حكمه المأثورة فقد ألف الناس فيها الدواوين و جمعت في ألفاظها و معانيها الكتب :

" جہاں تک آپ کے معمول کے کلام، آپ کی مشہور فصاحت، جامع کلمات اور منقول کلمات حکمت کا تعلق ہے، تو ان کے متعلق لوگوں نے دیوان و دفاتر تصنیف کر ڈالے ہیں اور ان کے الفاظ و معانی کے بارے میں کتابیں جمع کردی گئی ہیں !"

یہ جامع کلمات حکمت نبوت محمدی کی ایک خصوصیت اور نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے، بقول قاضی عیاض :[2]

أوتي جوامع الكلم و خص ببدائع الحكم :

" آپ کو جامع کلمات عطا کیے گئے اور انوکھی حکمت بھری باتیں آپ کے خصائص نبوت میں سے ہیں !"

جاحظ نے تو آپ کی لسانِ معجز بیان سے صادر ہونے والے بعض کلمات حکمت ایسے بھی دیئے ہیں، جن کا آپ سے پہلے عربی زبان میں کہیں وجود ہی نہ تھا، مگر بعد میں وہ ضرب المثل بن کر کلام عرب کی زینت بن گئے، وہ لکھتا ہے :[3]

و سنذكر من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم مما لم يسبقه إليه عربي و لا شاركه في ذلك أعجمي و لم يدع لأحد و لا ادعاه أحد مما صار مستعملا و مثلا سائرا۔

" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے کچھ ایسے اقوال ذکر کریں گے، جو آپ سے پہلے کسی عرب نے کبھی نہیں بولے تھے، ان میں کوئی غیر عرب آپ کا شریک نہ تھا، نہ تو ان اقوال کی کسی کی طرف نسبت کی گئی ہے اور نہ اُن کا کسی نے کبھی دعویٰ کیا ہے مگر اب یہ اقوال حکمت مستعمل ہیں اور مشہور ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، مثلاً :

(۱) يَا خَيلَ اللهِ اركَبِي : اے اللہ کے شہسوارو ! سوار ہو جاؤ !

(۲) مَاتَ حَتفَ أَنفِهِ : وہ اپنی ناک سے کھود کر مرا، یعنی اپنی موت کا سامان خود کیا، اپنے پاؤں پر کلہاڑا خود مارا ۔

(۳) لَا تَنتَطِحُ فِيهِ عَنزَانِ : اس میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو سینگ نہیں مارتے، یعنی اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا ۔

(۴) اَلآنَ حَمِيَ الوَطِيسُ : اب تنور گرم ہو گیا ہے یعنی اب معرکہ کارزار گرم ہو گیا ہے ۔

یہ محاورات سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوئے مگر اب شعر و نثر میں زبان زد خلائق ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے بارے میں لکھا ہے کہ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الهَوىٰ کے مطابق آپ کے یہ کلمات حکمت رُوح القدس کے توسط سے فیض ربانی تھا۔ ان کے الفاظ ہیں :[4]

وَكَانَ أَوجَزَ النَّاسِ كَلَامًا وَ بِذٰلِكَ جَاءَهُ جِبرِيلُ وَكَانَ مَعَ الإِيجَازِ يَجمَعُ كُلَّ مَا أَرَادَ،

---

[1] الشفا ۱/۱۷۳ [2] الشفا ۱/۱۶۷ [3] البیان والتبیین ۲/۱۶ تا ۱۷ [4] احیاء علوم الدین ۲/۳۷۴

وکان یتکلم بجوامع الکلم لا فضول ولا تقصیر۔

"آپؐ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ موجز و مختصر بات کرنے والے تھے۔ یہ فیض ربانی ان کے لیے جبریل امین لائے تھے۔ اختصار کے ساتھ آپ جتنی جامع بات کرنا چاہتے تھے کر لیتے تھے۔ آپ کا کلام جامع کلمات ہوتے تھے۔ جن میں نہ فالتو بات ہوتی نہ کسی قسم کی کمی ہوتی تھی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بیان اور اعجاز کلام کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی قابل ذکر ہے۔

لقد طفت في العرب وسمعت فصحاءهم فما سمعت افصح منك فمن أدبك؟ قال: ادبني ربي فاحسن تأديبي:

یعنی میں نے قبائل عرب میں پھر کر ان کے فصحاء کو دیکھا ہے مگر آپؐ سے بڑھ کر فصیح میں نے کسی کو نہیں پایا آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا آپؐ نے فرمایا: مجھے تو میرے رب نے سکھایا ہے اور خوب اچھے طریقے سے سکھایا ہے۔

مگر علامہ مصطفےٰ صادق الرافعی حضرت ابوبکرؓ کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ زمانہ صدر اسلام میں حضرت جبیر بن مطعمؓ سب سے بڑے ماہر انساب تھے۔ مگر انہوں نے بھی یہ سب کچھ حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا تھا جو اس عہد کے سب سے بڑے ماہر انساب تھے اور قبائل عرب سے پوری طرح آگاہ تھے۔ فصاحت نبوی کے متعلق ان کا یہ کہنا اس بات کی شہادت ہے کہ اس وقت عرب میں کوئی خطیب ایسا نہ تھا، جو تمام قبائل کے لہجات سے واقف ہو اور ایسا منفرد انداز خطابت رکھتا ہو ا رافعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ومن کمال تلک النفس العظیمة وغلبة فکره ما لله علیه وسلم علی لسانه قل کلامه وخرج قصدا فی الفاظه محیطا بمعانیه تحسب النفس قد اجتمعت فی الجملة القصیرة والکلمات المعدودة بکل معانیها فلا تری من الکلام الا خلالکن حرکات نفسیة فی الفاظ ولهذا کثرت الکلمات التی انفرد بها دون العرب وکثرت جوامع کلمه وخلص اسلوبه فلم یقصر فی شیء ولم یبالغ فی شیء واتسق له من هذا الامر علی کمال الفصاحة والبلاغة ما لو اراده مرید لعجز عنه ولو هو استطاع بعضه لما اتسق له فی کل کلامه لان مجری الاسلوب علی الطبع والطبع غالب مهما تشدد المرء وارتاض ومهما تثبت وبالغ فی التحفظ۔

اس عظیم مستی کے کمال اور زبان پر فکر کے غلبہ کے نتیجے میں آپ قلیل الکلام تھے۔ اس کلام کے الفاظ معتدل انداز میں ادا ہوتے تھے اور اپنے اندر معانی کی گہرائی لیے ہوتے تھے، دل یہ گمان کرتا ہے کہ مختصر سے جملے اور چند کلمات میں روح نبوت مجتمع ہوگئی ہے چنانچہ آپ کے کلام میں الفاظ نظر آنے کے بجائے الفاظ میں روحانی تحریکات رواں دواں ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں ایسے کلمات بکثرت ہیں جو عرب میں صرف آپؐ ہی نے منفردانہ انداز میں بولے، آپؐ کے جوامع الکلم بیشمار ہیں پاکیزہ اسلوب ہے، نہ کوئی کمی، نہ کوئی مبالغہ، اسی لیے آپؐ کے کمال فصاحت و بلاغت کو پانے کا ارادہ کرنے والا عاجز رہا، اگر تھوڑا بہت کر بھی سکا مگر کسی کا تمام کلام ایسا نہ تھا، کیونکہ اسلوب کا

دھارا فطرت کی بنیاد پر ہوتا ہے جس میں ریاضت اور محنت کو دخل نہیں ہوتا!"

فیضانِ نبوّت کے کچھ جوامع الکلم

الناس کلھم سواء کاسنان المشط یعنی سب لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔

سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں۔ سب برابر ہیں، حقوق اور فرائض سب کے مساویانہ ہیں۔ خاندانی یا نسلی وجاہت معتبر نہیں برتری اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ یہ تعلیم تاریخ انسانی میں سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دی اور اس پر عمل بھی کرکے دکھایا تھا مصنوعی مساوات اور عجیب طبقات کے مدعی تو صدیوں بعد پیدا ہوئے۔ اس موضوع کی تفصیل میں جانا ہمارا اس وقت مقصد نہیں، کہنے کی بات صرف یہ ہے کہ حضرت افصح العربؐ نے بندگانِ خدا کے مساویانہ حقوق و فرائض کو کنگھی کے دندانوں سے جو خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ اس پر امام ادب ابو عثمان الجاحظ جھوم اٹھا تھا اور اس نے بعض عرب شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں جن میں انسانی مساوات کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے مگر یہ پست ہمت اور کوتاہ نظر افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار تشبیہ کو نہیں پہنچ پائے۔ ایک شاعر کہتا ہے؛[1]

سواء کأسنان الحمار فلا تری
لذی شیبۃ منھم علی ناشیٔ فضلا

یعنی اس قبیلے کے لوگ سب برابر ہیں، جیسے گدھے کے دانت ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی بوڑھے کو کسی نوجوان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں!

شعر نقل کرنے کے بعد جاحظ کہتا ہے:

"واذا حصلت تشبیہ الشاعر وحقیقتہ وتشبیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحقیقتہ عرفت فضل ما بین الکلامین:

اگر آپ شاعر کی تشبیہ اور اس کی حقیقت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیہ اور اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں تو دونوں کلاموں کے درمیان وجہِ فضیلت آپ کو معلوم ہو جائے گی!"

۲- المرء کثیر بأخیہ: انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے یعنی زیادہ گنتا ہے۔

۳- لاخیر فی صحبۃ من لا یری لک مثل ما تری لہ: ایسے شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی، جو تیرے لیے بھی اسی انداز میں نہ سوچے، جس انداز میں تو اس کے لیے سوچتا ہے یعنی تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔

۴- الید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول: اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے

---

[1] البیان والتبیین ۲: ۱۹۔

(لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور سب سے پہلے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

(۵) المسلمون تتكافأ دماؤهم ويسعى بذمتهم أدناهم ويرد عليهم أقصاهم وهم يد على من سواهم:

یعنی مسلمانوں کے خون کی قدر و قیمت برابر ہے، ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا اگر کسی کو امان دے دے تو اس کا پاس کرنا سب پر لازم ہے، ان میں سے دور کا فرد بھی ان کا جواب دے سکتا ہے۔ وہ غیروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی طرح متحد ہیں۔

اس ارشاد نبویؐ میں مسلم معاشرے میں فرد کی عظمت، خود داری اور وحدتِ ملی کا خوب صورت تصور دیا گیا ہے۔!

۶۔ الخيلُ معقودٌ في نواصيها الخيرُ إلى يوم القيامة [۱] قیامت تک کے لیے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بھلائی کے ہار سجا دیے گئے ہیں (یعنی گھوڑے ہمیشہ خیر و برکت کا باعث رہیں گے!)

۷۔ الناسُ كالإبلِ المائةِ لا تجدُ فيها راحلةً [۲]: لوگ تو سو اونٹوں کے گلے کی مانند ہیں، ان میں سواری کا اونٹ تجھے نہیں ملے گا (اتنی بڑی تعداد میں کام کا آدمی کم ہی نکلے گا!)

۸۔ ما قلَّ وكفى خيرٌ مما كثُر وألهى [۳]: جو تھوڑا ہو مگر کافی ہو، وہ اس بہت سے بہتر ہے جو غافل بنا دیتا ہے۔

۹۔ الخيرُ في السيفِ والخيرُ مع السيفِ والخيرُ بالسيفِ، بھلائی تلوار میں ہے، بھلائی تلوار کے ساتھ رہتی ہے اور بھلائی تلوار کے ذریعے حاصل ہوتی ہے (تلوار یا قوت سراسر بھلائی ہے!)

۱۰۔ ليس منا من حلَقَ أو صلَقَ أو شقَّ [۴] جو مصیبت میں بال منڈوائے، واویلا کرے یا کپڑے پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے (صبر و ہمت مومن کی شان ہے!)

۱۱۔ لا تزالُ أمتي صالحاً أمرُها ما لم تر الأمانةَ مغنماً والصدقةَ مغرماً [۵] میری امت کا معاملہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک وہ امانت کو مالِ غنیمت اور خیرات و زکوٰۃ کو تاوان تصور نہیں کریں گے۔

۱۲۔ رأسُ العقلِ بعدَ الإيمانِ باللهِ مداراةُ الناسِ [۶] اللہ پر ایمان کے بعد سب سے بڑی عقل کی بات لوگوں کا دل رکھنا ہے۔

۱۳۔ لن يهلكَ امرؤٌ بعدَ مشورةٍ [۷] مشورہ کر لینے کے بعد کبھی کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا۔

۱۴۔ رحمَ اللهُ عبداً قال خيراً فغنِمَ أو سكتَ فسلِمَ [۸] اس بندے پر اللہ کی رحمت ہو جو بھلائی کی بات کر کے غنیمت رہا یا چپ رہ کر سلامت رہا۔

۱۵۔ لا تجلسوا على ظهرِ الطريقِ فإن أبيتم فغضّوا الأبصارَ وردّوا السلامَ واهدوا الضالَّ وأعينوا الضعيفَ [۹] راستوں میں مت بیٹھو! اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو۔ بھٹکے ہوئے کو راستہ

---

[۱] البیان ۲/۲۰، [۲] البیان ۲/۲۰، [۳] البیان ۲/۲۰، [۴] البیان ۲/۲۰ [۵] البیان ۲/۲۰ [۶] البیان ۲/۲۰ [۷] البیان ۲/۲۰ [۸] البیان ۲/۲۱ [۹] البیان ۲/۲۱

دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو!

۱۶۔ اِنَّ اللّٰہَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثًا وَیَکْرَہُ لَکُمْ ثَلَاثًا: یَرْضٰی لَکُمْ: اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِہٖ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ وَاَنْ تُنَاصِحُوْا مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ اَمْرَکُمْ، وَیَکْرَہُ لَکُمْ: قِیْلَ وَقَالَ، وَکَثْرَۃَ السُّوَالِ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ[1]

اللہ تعالیٰ تین باتیں تمہارے لیے پسند کرتا ہے اور تین باتیں ناپسند کرتا ہے، اللہ تمہارے لیے پسند یہ کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک مت کرو، سب اس کی رسی کو تھام لو اور منتشر مت ہو اور جسے اللہ تعالیٰ تمہارا حکمران بنا دے اس کی خیر خواہی کرو، وہ تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے کہ تم بحث و مناظرہ میں الجھو، کثرت سے سوال کرو اور مال کو ضائع کرو۔

۱۷۔ یَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ: مَالِیْ مَالِیْ۔ وَاِنَّمَا لَکَ مِنْ مَالِکَ مَا اَکَلْتَ فَاَفْنَیْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ اَوْ وَھَبْتَ فَاَمْضَیْتَ (حوالہ سابق)

انسان کہتا ہے: میرا مال! میرا مال! حالانکہ تیرا مال تو صرف وہی ہے، جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا بخش دیا اور آگے بھیج دیا۔

۱۸۔ لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ لَّابْتَغٰی اِلَیْھِمَا ثَالِثًا (حوالہ سابق)

اگر انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوں، تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

۱۹۔ لَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ، وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ (حوالہ سابق) انسان کا پیٹ تو صرف خاک گور ہی بھرتی ہے! اور جو توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔

۲۰۔ اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (حوالہ سابق) دنیا شیریں اور پُر رونق ہے اور اللہ تمہیں اس میں کام سپرد کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!

۲۱۔ اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ مَجَالِسَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطَّئُوْنَ اَکْنَافًا الَّذِیْنَ یَاْلَفُوْنَ وَیُؤْلَفُوْنَ وَاَنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَجَالِسَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَیْھِقُوْنَ[2]

قیامت کے دن تم میں سے میرے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس میں زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق، نرم مزاج، انس کرنے والے اور انس کے قابل ہوں گے اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور مجلس میں مجھ سے دور وہ ہوں گے، جو منہ پھٹ، باچھیں کھول کر بات کرنے والے اور گلا پھاڑ کر بات کرنے والے ہیں۔

۲۲۔ اِیَّاکُمْ وَالْمُشَادَّۃَ فَاِنَّھَا تُمِیْتُ الْغُرَّۃَ وَتُحْیِی الْعُرَّۃَ (حوالہ سابق) باہمی مخاصمت سے بچو کیونکہ اس سے

---

[1] البیان ۲/۲۱، [2] البیان ۲/۲۱، الکامل للمبرد ص ۹)

خوبیاں مرجاتی ہیں اور عیوب زندہ ہوجاتے ہیں۔

۲۳۔ لَا یَنْبَغِیْ لِلْصِدِّیْقِ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا [1] صدیق کے لیے لعنت کرنے والا ہونا مناسب نہیں۔

۲۴۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ (حوالہ سابق)

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس دعا سے جو قبول نہیں ہوتی اور اس دل سے جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا اور اس علم سے جو نفع نہیں دیتا۔

۲۵ وقیل لہٗ : یارسول اللّٰہ! اَیُّ الاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ فقال : اجتناب المحارم ولا یزال فوک رطبًا من ذکر اللّٰہ (حوالہ سابق)

آپ سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عمل کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا : حرام چیزوں سے پرہیز کرتے رہنا اور ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تازہ رکھنا !

۲۶۔ وَقِیْلَ لَہٗ : اَیُّ الْاَصْحَابِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الَّذِیْ اِذَا ذُکِرْتَ اَعَانَکَ وَاِذَا نَسِیْتَ ذَکَّرَکَ (حوالہ سابق) آپ سے پوچھا گیا! کونسا ساتھی افضل ہے ؟ تو فرمایا! وہ کہ اگر تیرا تذکرہ ہو تو تیری مدد میں رہے اور اگر تو بھول جائے تو تجھے یاد دلا دیا کرے۔

۲۷۔ وقیل لہ : اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ ؟ قَالَ : العلماءُ اِذا فَسَدُوا (حوالہ سابق) پوچھا گیا کہ بدترین انسان کون ہیں ؟ تو آپؐ نے فرمایا ! علما جب بگڑ جائیں !

۲۸۔ دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ مِنْ قَبْلِکُمْ : الحسدُ والبغضاءُ، والبغضاءُ ھی الحالقۃُ الدین لا اقول حالقۃُ الشَّعْرِ، والذی نفس محمّد بیدہٖ لا تؤمنون حتی تحابّوا۔ اَوَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَمْرٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ ؟ فَقَالُوْا : بلیٰ یارسول اللّٰہِ! قَالَ : اَفْشُوا السَّلَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ [2]

تمہارے اندر بھی گزشتہ امتوں والی بیماری سرایت کر گئی ہے، حسد اور نفرت ! نفرت تو مونڈ ڈالنے والی ہے، دین کو مونڈ ڈالنے والی، میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دینے والی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک تم باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتا دوں اگر تم اُسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرو گے ؟ لوگوں نے کہا : ہاں اللہ کے رسولؐ ! فرمایا : تو پھر سلام کو عام کرو، اور صلہ رحمی سے کام لیتے رہو !

۲۹۔ مَا ھَلَکَ امْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَہٗ [3] وہ شخص کبھی تباہ نہ ہوگا جس نے اپنی حیثیت پہچان لی۔

۳۰۔ لَوْ تَکَاشَفْتُمْ لَمَا تَدَافَنْتُمْ [4] (حوالہ سابق) اگر تمہیں ایک دوسرے کے بھید معلوم ہو جایا کریں، تو تم ایک

---

[1] البیان ۲/۲۲ [2] البیان ۲/۲۲ [3] البیان ۲/۲۳ [4] البیان ۲/۲۴

دوسرے کے کفن دفن میں بھی شریک نہ ہوا کرو!!

۳۱ - لَيْسَ مِنْ اَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِ الْمَلَقُ اِلَّا فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ[1]

خوشامد مومن کے اخلاق میں سے نہیں الا یہ کہ علم کی خاطر ہو (تو استاذ کی خوشامد جائز ہے)۔

۳۲ - اَوْصَانِىْ رَبِّىْ بِتِسْعٍ : اَوْصَانِىْ بِالْاِخْلَاصِ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَبِالْعَدْلِ فِى الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَبِالْقَصْدِ فِى الْغِنٰى وَالْفَقْرِ، وَاَنْ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِىْ، وَاُعْطِىَ مَنْ حَرَمَنِىْ، وَاَصِلَ مَنْ قَطَعَنِىْ، وَاَنْ يَّكُوْنَ صَمْتِىْ فِكْرًا، وَنُطْقِىْ ذِكْرًا، وَنَظَرِىْ عِبَرًا۔[2]

میرے رب نے مجھے نو باتوں کی وصیت کی ہے: مجھے وصیت فرمائی ہے کہ ظاہر و باطن میں اخلاص پر عمل کروں، خوشی اور غصے میں عدل کروں، امارت و غربت میں میانہ روی اختیار کروں، جو زیادتی کرے اس سے درگزر کروں، جو محروم کرے اسے عطا کروں، جو قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں، میری خاموشی فکر ہو، گویائی ذکر ہو اور میری نظر عبرتوں کے لیے ہو۔

۳۳ - اِنَّ قَوْمًا رَكِبُوْا سَفِيْنَةً فِى الْبَحْرِ فَاقْتَسَمُوْا فَصَارَ لِكُلِّ رَجُلٍ مَوْضِعٌ فَنَقَرَ رَجُلٌ مَوْضِعَهٗ بِفَاْسٍ فَقَالُوْا مَا تَصْنَعُ؟ قَالَ هُوَ مَكَانِىْ اَصْنَعُ بِهٖ مَا شِئْتُ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ نَجَا وَنَجَوْا، وَاِنْ تَرَكُوْهُ هَلَكَ وَهَلَكُوْا۔[3]

کچھ لوگ ایک کشتی میں سمندری سفر پر روانہ ہوئے، سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی (تقسیم کر لیا)، ہر ایک کے لیے ایک ایک جگہ ہو گئی، ایک شخص نے کلہاڑے سے اپنی جگہ سوراخ کرنا شروع کیا، تو لوگوں نے کہا! یہ کیا کر رہے ہو؟ بولا! یہ تو میری جگہ ہے جو چاہوں کروں! اگر تو لوگوں نے اسے روک لیا تو وہ بھی بچ جائے گا اور لوگ بھی اور اگر اسے نہ روکا تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا اور لوگ بھی! (مختصر لفظوں میں کتنی بڑی تمثیل ہے! کتنی بڑی معاشرتی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے!)

۳۴ - اِرْحَمُوْا عَزِيْزًا ذَلَّ، اِرْحَمُوْا عَالِمًا ضَاعَ بَيْنَ جُهَّالٍ۔[4]

جو باعزت انسان ذلیل ہو جائے اس پر رحم کرو اور اس عالم پر بھی رحم کرو جو جاہلوں میں رہ کر ضائع ہو جائے۔

۳۵ - اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔[5] انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی (جس سے دل لگاؤ ہوگا۔ قیامت میں اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا)۔

۳۶ - مَنْ كَثُرَ طَعَامُهٗ كَثُرَ سِقَامُهٗ وَمَنْ قَلَّ غِذَاءُهٗ قَلَّ دَوَاءُهٗ۔

جس کا کھانا بہت ہو اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔[6]

۳۷ - اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ وَهُوَ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ۔[7]

---

[1] البیان ۲/۲۴ [2] البیان ۲/۲۳ [3] البیان ۲/۲۵ [4] البیان ۲/۲۸ [5] الشفا ۱/۱۴۴ [6] ظہر الاسلام ص ۵۹ [7] الشفا ۱/۱۴۴، البیان ۲/۲۹۔

مشورہ دینے والے کی حیثیت امانت دار کی سی ہے، جب تک وہ راز منہ سے نہیں نکالتا، اسے اپنی بات پر اختیار رہتا ہے۔

۳۸۔ ذُوالْوَجْهَيْنِ لَايَكُونُ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا [۱]

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

۳۹۔ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ [۲]

جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتا رہ۔ برائی کے بعد نیکی کر جو اسے محو کر دے گی، لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آ۔

۴۰ لَعَلَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِمَا لَا يُغْنِيهِ وَيَبْخَلُ بِمَا لَا يُغْنِيهِ [۳]

شاید وہ شخص لایعنی باتیں کرتا تھا اور بے فائدہ چیزوں میں بھی بخل سے کام لیتا تھا

۴۱ اَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسٰى اَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا [۴]

اپنے محبوب سے قدرے ہلکی محبت کر۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دن تیرا مبغوض بھی بن جائے۔ (جذبہ محبّت و نفرت میں اعتدال مناسب ہے)

۴۲۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [۵]

ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں میں سے ہے۔

۴۳۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

مجھے بلند اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

۴۴۔ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ اِيمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو۔

۴۵۔ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا :

تم میں سے بھلے لوگ وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوں۔

۴۶ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ

مومن تو اپنے حسن اخلاق سے روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

۴۷۔ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيذُ مِنْ سُوءِ الْخُلُقِ وَيَقُولُ : اَللّٰهُمَّ! اِنِّي اَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْاَخْلَاقِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بداخلاقی سے خدا کی پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے! اے میرے اللہ! میں آپس کی پھوٹ، منافقت اور بد اخلاقی

---

[۱] الشفا ۱/۱۷۵، [۲] الشفا ۱/۱۷۵، [۳] الشفا ۱/۱۷۵

[۴] الشفا ۱/۱۷۵، [۵] الشفا ۱/۱۷۵۔

سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۴۸۔ کُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَا ۔

تمام شکار فرا کے پیٹ میں ہوتا ہے (ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں!)

۴۹۔ اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ ۔

جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔

۵۰۔ وَقِّرُوْا عُلَمَاءَ اُمَّتِیْ فَاِنَّھُمْ نُجُوْمُ الْاَرْضِ

میری اُمت کے علما کی عزت کرو کیونکہ وہ روئے زمین کے ستارے (برائے ہدایت) ہیں۔

۵۱۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی ؛

اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص جیسی نیت کرے گا، ویسی جزا پائے گا۔ (بخاری)

۵۲۔ مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا فَلَیْسَ مِنَّا ؛

جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کھایا اور ہمارے بزرگوں کا حق نہ پہچانا، تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۵۳۔ اَلْمُسْتَشِیْرُ مُعَانٌ وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ

مشورہ لینے والا قوت لیتا ہے اور مشورہ دینے والا امانت دار ہوتا ہے۔

۵۴۔ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ۔

مومن مومن کے لیے دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے حصے ایک دوسرے کو پختہ کرنے کا باعث ہوتے ہیں (اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کی تقویت کا سبب ہوتا ہے)۔

۵۵۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ ؛

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۵۶۔ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَۃٌ ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔

۵۷۔ اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِ صَدَقَۃٌ

متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

۵۸۔ اَلْعَاقِلُ اَلُوْفٌ مَاْلُوْفٌ

دانا انس کرنے والا ہوتا ہے اور لوگ اس سے انس کرتے ہیں۔

الشفا ۱/۱۷۵

۵۹۔ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ :
چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۶۰۔ الحیاءُ شعبۃٌ مِنَ الاِیمان :
حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

۶۱۔ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کلامِ النبوۃِ الاُولیٰ : اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ :
پہلی نبوتوں کے کلام سے انسانوں کو جو کچھ حاصل ہوا اس میں یہ بھی تھا کہ : جب تو حیا نہ کرے تو جو جی میں آئے کر۔

۶۲۔ لَا یُلْدَغُ المُؤمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ :
مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا (ایک بار نقصان اٹھانے سے سبق سیکھتا ہے۔)

۶۳۔ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِی یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الغَضَبِ :
سخت جان (قوی) وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہو۔ بلکہ وہ شخص قوی ہوتا ہے، جو غصہ کے عالم میں اپنے اوپر قابو رکھے

۶۴۔ نِیَّۃُ المُؤمِنِ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِہٖ [1]
مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (نیک نیتی سے مومن کا آغازِ کار کافی ہے۔ انجام بندے کے اختیار میں نہیں مولیٰ کے اختیار میں ہے۔!)

۶۵۔ اِنَّا اُمِرْنَا مَعْشَرَ الاَنْبِیَاءِ بِاَنْ نُکَلِّمَ۔ النَّاسَ عَلٰی مَقَادِیرِ عُقُولِہِمْ [2]
ہم گروہ انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق اِن سے گفتگو کیا کریں۔

۶۶ مَا اُوتِیَ امْرُوءٌ شَرًّا مِنْ طَلَاقَۃِ اللِّسَانِ [3]
زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

۶۷ وَسَأَلَہُ العباس : فِیْمَ الجَمَالُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ فَقَالَ : فِی اللِّسَانِ [4]
حضرت عباس رضؓ نے آپؐ سے پوچھا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انسان کا حسن کسی چیز میں پوشیدہ ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا : زبان میں۔

۶۸۔ اَلاِیْمَانُ عَقْدٌ بِالقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالاَرْکَانِ [5]
ایمان نام ہے دل سے پختہ عقیدے، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرنے کا!

۶۹۔ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحْرًا [6] بعض خطبات جادو کا اثر رکھتے ہیں۔

---

[1] نقد النثر ص ۹۴۔ [2] نقد النثر ص ۸۲، [3] نقد النثر ص ۱۱، [4] نقد النثر ص ۹
[5] نقد النثر ص ۱۳ [6] العقد ۴/ ۷۸

۷۰۔ وَقَالَ فِی الْوَحْدَةِ وَرَاءَهَا حَزَازَاتُ النُّفُوسِ: جَمَاعَةٌ عَلٰی اَقْذَاءٍ وَهُدْنَةٌ عَلٰی دَخَنٍ[1]

ایسی وحدت جس کے پس منظر میں دلوں کی جلن اور کدورت ہو اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: کدورت پر قائم ہونے والی جماعت ہے اور دھوئیں اور جلن پر قائم ہونے والا استوار کردہ جنگ ہے۔!

۷۱۔ وَقَالَ فِی الدُّنْیَا وَزِیْنَتِهَا: اِنَّ مِمَّا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ مَا یَقْتُلُ الْحَبَطَ اَوْ یُلِمُّ[2]

دُنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا: موسمِ بہار جو کچھ اُگاتا ہے، اس میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

۷۲۔ وَقَالَ عَنِ الْغُلُوِّ فِی الْعِبَادَةِ: اِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰی[3]

عبادت میں غلو کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ دُنیا و مافیہا سے غافل ہونے والے زاہد نے نہ تو سفر طے کیا اور نہ پیچھے کچھ چھوڑا۔

۷۳۔ اَلْاِیْمَانُ قَیَّدَ الْفَتْحَ[4]

ایمان نے فتح کو مقید کر دیا ہے (قوتِ ایمانی فتحیاب ہوتی ہے!)

۷۴۔ اِشْتَدِّیْ یَا اَزْمَةُ تَنْفَرِجِیْ[5]

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہونا ہے۔ اے بحران شدت اختیار کر تو تو کھل جائے گا۔

۷۵۔ اَلْمُؤْمِنُ هَیِّنٌ لَیِّنٌ کَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِیْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِیْخَ عَلٰی صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ[6]

مومن دھیما اور نرم مزاج ہوتا ہے وہ ایک خود دار اونٹ کی طرح ہے کہ اگر اسے باندھ دیا جائے تو مطیع ہو جاتا ہے اور اگر چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

۷۶۔ اُمَّتِیْ کَالْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُهٗ[7]

میری اُمت بارش کی مانند ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کے آغاز میں زیادہ بھلائی ہے یا آخر میں۔

۷۷۔ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَالنَّحْلَةِ لَا تَاْکُلُ اِلَّا طَیِّبًا وَلَا تُطْعِمُ اِلَّا طَیِّبًا[8]

مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

۷۸۔ اَلْمَرْاَةُ کَالضِّلَعِ الْعَوْجَاءِ اِنْ قَوَّمْتَهَا کَسَرْتَهَا وَاِنْ دَارَیْتَهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا[9]

عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی سی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے، تو اسے توڑ دو گے اور اگر اس کی دلداری کرو گے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ گے

۷۹۔ اَلنَّاسُ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ: اَلْمَاءُ وَالْکَلَاءُ وَالنَّارُ[10]

---

[1] العقد ۴/۸۰، [2] العقد ۳/۳ [3] العقد ۳/۳۔ [4] العقد ۳/۴ [5] النویری ۳/۳ [6] النویری ۳/۳ [7] النویری ۲/۲ [8] النویری ۲/۳ [9] النویری ۳/۳ [10] ادب الحدیث النبوی ص ۱۵۔

لوگ تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں، پانی، چارہ اور آگ!

۸۰۔ اَلَا اُخْبِرُکُمْ عَلٰی خَیْرِ مَا یَکْنِزُ الْمَرْءُ؟ اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ اِذَا نَظَرَ اِلَیْہَا سَرَّتْہُ وَ اِذَا غَابَ عَنْہَا حَفِظَتْہُ فِیْ مَالِہٖ وَعِرْضِہٖ (حوالہ سابق)

کیا میں تمہیں ایک مرد کے بہترین خزانے کا پتہ نہ بتادوں وہ ہے نیک عورت کہ اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کے لیے خوشی کا سامان ہو اور اگر وہ اس کے پاس نہ ہو تو اس کے مال اور عزت کی نگہبان رہے۔

۸۱۔ مَنْ کَانَ آمِنًا فِیْ سِرْبِہٖ مُعَافًی فِیْ بَدَنِہٖ عِنْدَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ کَانَ کَمَنْ حِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِہَا [1]

اپنے گھر میں جو چین سے رہ رہا ہو جسمانی صحت نصیب ہو ایک دن کی خوراک بھی مُیسّر ہو تو گویا اس کے لیے دنیا کا سب کچھ جمع کر دیا گیا ہے۔

۸۲ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَکُوْنَ اَعَزَّ النَّاسِ فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ وَمَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَکُوْنَ اَغْنَی النَّاسِ فَلْیَکُنْ بِمَا فِیْ یَدِ اللّٰہِ اَوْثَقَ مِنْہُ بِمَا فِیْ یَدِہٖ، وَمَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَکُوْنَ اَقْوَی النَّاسِ فَلْیَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ [2]

جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے زیادہ عزت والا ہو تو پھر اسے اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے بڑا دولتمند ہو تو پھر اسے اس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے قبضے میں ہے اس کا ملنا زیادہ یقینی ہے، بہ نسبت اس مال کے جو اس کے اپنے قبضے میں ہے! اور جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہو تو اُسے اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

۸۳۔ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشِرَارِکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی! قَالَ: مَنْ اَکَلَ وَحْدَہٗ، وَمَنَعَ رِفْدَہٗ، وَضَرَبَ عَبْدَہٗ، اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِکُمْ؟ مَنْ لَا یُقِیْلُ عَثْرَۃً وَلَا یَقْبَلُ مَعْذِرَۃً وَلَا یَغْفِرُ ذَنْبًا، اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِکُمْ! مَنْ یُبْغِضُ النَّاسَ وَیُبْغِضُوْنَہٗ [3]

کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ تم میں بُرے کون لوگ ہیں: لوگوں نے کہا! ہاں! فرمایا: جو اکیلے کھائیں، برتنے کی چیزیں دینے سے منع کریں اور اپنے غلام کو ماریں! اس سے بھی بدتر شخص بتاؤں؟ وہ جو لغزش سے درگزر نہ کرے معذرت قبول نہ کرے اور گناہ معاف نہ کرے! اس سے بھی بدتر شخص بتاؤں جو لوگوں سے نفرت کرتا ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں!

۸۴۔ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِاَرْبَعَۃٍ دَخَلَ النَّارَ: لِیُبَاہِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ اَوْ یُمَارِیَ بِہِ السُّفَہَاءَ اَوْ یُمِیْلَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اَوْ یَاْخُذَ بِہٖ مِنَ الْاُمَرَاءِ [4]

جس نے چار باتوں کے لیے علم حاصل کیا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ علماء سے مباحات کر سکے، جاہل احمقوں سے مناظرہ کر سکے، لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے یا امراء اور حکام سے کچھ صلہ پا سکے۔

---

[1] الکامل للمبرد ص ۹۱ [2] الکامل للمبرد ص ۱۱۹ [3] الکامل ص ۳۹ [4] عیون الاخبار ۲/۱۱۹

۸۵- إِذَا تَحَقَّقَتِ الْمَصْلَحَةُ فَثَمَّ شَرْعُ اللّٰهِ :

جب کہیں انسانی مصلحت (بہتری) ثابت ہوجائے تو وہی مصلحت اللہ کی شریعت بھی ہے۔

۸٦- خَيْرُ الْكَاسِبِ الْعَامِلُ إِذَا نَصَحَ :

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

۸۷- إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُتْقِنْ عَمَلَهُ -

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اُسے پختہ طریقے سے انجام دے۔

۸۸- أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ عِنْدَ اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ :

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

۸۹- تَعَلَّمُوا لُغَةَ قَوْمٍ تَأْمَنُوا شَرَّهُمْ

کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے

۹۰- الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ :

طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔

۹۱- إِنَّ الْمُؤْمِنَ مَنْ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ وَسَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ [1]

مومن وہ ہے جسے اپنی بدی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مُسرت حاصل ہو۔

۹۲- هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ [2]

انسانوں کو ناک کے بل دوزخ میں گرانے والی ان کی زبانوں کی پیداوار ہی تو ہے۔

۹۳- مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ -

جب کوئی مسلمان ایک درخت لگائے پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ جب بھی کچھ کھائے گا، اُسے ثواب ملتا رہے گا۔

۹۴- طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ -

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے اور تین کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے۔

۹۵- جَنَّةُ الرَّجُلِ دَارُهُ :

آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔

۹۶- النَّدَمُ تَوْبَةٌ

ندامت بھی توبہ ہے۔

---

[1] البیان ۱/ ۹۹ [2] البیان ۱/۲۵۶

۹۷ - اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ عِبَادَةٌ
فراخی وخوشحالی کی اُمید رکھنا بھی عبادت ہے ۔

۹۸ - مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ ،
انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے ۔

۹۹ - اِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، فَسَعُوْهُمْ بِأَخْلَاقِكُمْ ؛
لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لیے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو

۱۰۰ - إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا ؛ وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا
سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی، آدمی سچ بولتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بدی دوزخ کی، آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے ۔

۱۰۱ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا : صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، وَعَلَى جَنْبَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ وَالْأَبْوَابُ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُرْخَاةٌ، وَعَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُولُ : اُدْخُلُوا الصِّرَاطَ وَلَا تَعْوَجُّوا، فَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ وَالسُّورَانِ حُدُودُ اللهِ وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللهِ وَالدَّاعِي الْقُرْآنُ [1]
اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال بیان کی ہے جس کے دونوں جانب دو دیواریں اور کھلے دروازے ہیں، دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، راستے کے سرے پر ایک داعی بُلا رہا ہے کہ صراط پر چلو ٹیڑھے مت چلو، راستہ تو ہے اسلام، دیواریں اللہ کی حدود ہیں، کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ اشیا ہیں اور داعی قرآن ہے ۔

۱۰۲ - تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ ؛ [2]
شر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے ۔

۱۰۳ - أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ (حوالہ سابق)
بہترین صدقہ کم سے کم کوشش کرنے والے کی کوشش ہے

۱۰۴ - الْخَيْرُ كَثِيرٌ وَقَلِيلٌ فَاعِلُهُ (حوالہ سابق)
بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں ۔

۱۰۵ - حُبُّكَ لِلشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ (حوالہ سابق)

---

[1] العقد ۳/۳ [2] اعلام النبوۃ ص ۱۵۱

کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

۱۰۶- اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ (حوالہ سابق)

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

۱۰۷- ثَلَاثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِکَاتٌ، فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ: فَخَشْیَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ، وَالْاِقْتِصَادُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ، وَالْحُکْمُ بِالْعَدْلِ فِی الرِّضٰی وَالْغَضَبِ، وَاَمَّا الْمُهْلِکَاتُ: فَشُحٌّ مُّطَاعٌ، وَهَوًی مُّتَّبَعٌ، وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ [1]

تین باتیں باعثِ نجات اور تین باعثِ ہلاکت ہیں، نجات دینے والی یہ ہیں:

خفیہ اور ظاہر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غریبی امیری میں میانہ روی اختیار کرنا اور خوشنودی اور ناراضگی میں عدل و انصاف کرنا، ہلاک کرنے والی تین باتیں ہیں۔ بخل و خست میں اپنے نفس کا غلام ہونا، ہوس کی راہ پر چلنا اور انسان کی خود پسندی۔

۱۰۸- نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ:

دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں: صحت و فراغت:

۱۰۹- خصلتان من کانتا فیہ کتبہ اللّٰہ تعالٰی شاکرا صابرا ومن لم تکونا فیہ لم تکتبہ اللّٰہ شاکرا ولا صابرا، من نظر فی دینہ الٰی من ھو فوقہ فاقتدی بہ، ونظر فی دنیاہ الٰی من ھو دونہ فحمد اللّٰہ علٰی ما فضلہ بہ علیہ۔

دو عادتیں ہیں اگر کسی میں پائی گئیں، تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر لکھ دیں گے اور اگر یہ دو عادتیں اس میں نہ پائی گئیں، تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر نہیں لکھیں گے، جو دین کے معاملے میں اپنے سے بہتر و برتر کو دیکھے تو اسی کی اقتدا کرے، دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر کو دیکھے، تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس پر بعض باتوں میں فضیلت عطا کی ہے!

۱۱۰- فضل لسانک تعبر بہ عن اَخیک الذی لا لسان لہ صدقة:

اگر تم اپنی فاضل قوتِ گویائی اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو، جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے!

۱۱۱- اِنَّ اللّٰہ یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ الَّذِیْ یَتَخَلَّلُ بِلِسَانِہٖ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَةِ۔

اللہ تعالیٰ اس خطیب بلیغ کو ناپسند کرتا ہے، جو اپنی زبان کو یوں مروڑ کر آواز نکالتے ہیں، جیسے گائے کی آواز ہوتی ہے۔

۱۱۲- وَهَلْ یَکُبُّ النَّاسَ عَلٰی مَنَاخِرِهِمْ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ

لوگوں کو نتھنوں کے بل جہنم میں زبان کے کارناموں کے سوا بھی کوئی اور چیز گراتی ہے۔

۱۱۳- شعبتان من شعب النفاق: البذاء والبیان وشعبتان من شعب الایمان الحیاء والعی۔

---

[1] اعلام النبوة ص ۱۵۱۔

منافقت کے شعبوں میں سے دو شعبے فحش گوئی اور لفاظی ہیں اور ایمان کے شعبوں میں سے دو شعبے حیا اور کم گوئی ہیں۔

۱۱۴- قَالَ فِی معنی الاحسان : ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فَاِنَّہٗ یراک ،
احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم یہ تصور کر کہ اللہ تو ہر حال میں تجھے دیکھ رہا ہے۔

۱۱۵- آفۃ العلم النسیان و اضاعتہ ان تحدث بہ غیر اھلہٖ۔
علم کے لیے سب سے بڑی آفت بھول ہے اور علم کا ضیاع یہ ہے کہ نااہل کے سامنے اس کا اظہار کرو۔

۱۱۶- اَلْھَمُّ نِصْفُ الْھَرَمِ۔
غم آدھا بڑھاپا ہے۔

۱۱۷- عَلِّقْ سَوْطَکَ حیث یراہ اھلکَ :
اپنا کوڑا ایسی جگہ لٹکاؤ جہاں سے وہ تیرے گھر والوں کو نظر آتا رہے۔

۱۱۸- النَّاسُ بِاَزْمَانِھِمْ اَشْبَہُ مِنْھُمْ بِاٰبَائِھِمْ
لوگ اپنے آباء کی نسبت اپنے زمانے سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

۱۱۹- شَرُّ العمی عَمَی الْقَلْبِ
دل کا اندھاپن سب سے بڑا اندھاپن ہے۔

۱۲۰- اکثروا من ذکر ھادم اللذات :
لذات کو منہدم کرنے والی (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

۱۲۱- الرغبۃ فِی الدنیا تکثر الھم والحزن والبطالۃ تقسی القلب :
دنیا کی رغبت رنج و غم کو بڑھاتی ہے اور بیکاری انسان کو سنگدل بنا دیتی ہے۔

جوامع الکلم

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری

دنیا میں جتنے انبیاء کرام و رسل عظام صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین جلوہ فرما ہوئے۔ سب کے سب "آیات بینات" معجزات باہرات" سے مؤید و مصدق تھے۔ نبوت و رسالت کا تصور معجزہ کے بغیر قائم ہی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۝ بالبينت والزبر[1]

ترجمہ:- ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا کہ ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔ تو اگر تم علم نہیں رکھتے ہو تو اصحاب علم سے پوچھ لو۔ (ان کو) معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجا۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت و رسالت مردوں ہی کے ساتھ خاص ہے کبھی کسی عورت کو نبوت نہیں دی گئی دوسرے یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام معجزات اور صحیفوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اس آیت کے علاوہ قرآن کریم میں لاتعداد جگہ انبیاء کے ذکر کے ساتھ "بالبینات" کا لفظ موجود ہے۔ پھر وحی بذات خود "امر خارق للعادۃ" ہے اور معجزہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی نبی بغیر وحی نبوت کے نبی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس مشترک معجزہ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو خصوصی معجزات سے بھی نوازا گیا۔ جب ہم معجزات انبیاء پر تفصیلی نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ہر نبی کو اسی قسم کا معجزہ عطا ہوا جس قسم کے کمال کا دعویٰ اس کی قوم کو تھا۔ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ظاہری اسباب کو اختیار کر کے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ تم نے حاصل کر لیا اب ہمارا نبی جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ "مافوق الاسباب" ہے۔ اور یہ تائید الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اب اگر یہ مدعی نبوت جھوٹا ہوتا تو تائید الٰہی کبھی اس کے شریک حال نہ ہوتی۔ یہی "تلازم" ہے معجزہ اور ثبوت نبوۃ میں مثلاً سیدنا داؤد علیہ السلام کی قوم "فن آہن گری" میں کمال رکھتی تھی تو آپ کو اسی قسم کا معجزہ عطا ہوا۔ یعنی آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور زرہیں اور دوسری آہنی اشیاء ایسی عمدہ بنا لیتے تھے کہ پوری قوم اس سے عاجز تھی۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اپنے "فن طب" پر ناز تھا۔ مگر کوڑھیوں اور مادر زاد اندھوں کو شفا دینے سے وہ قاصر تھے۔ موت کا علاج ان کے پاس نہ تھا۔ قرآن کریم نے صراحتاً بیان کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کوڑھیوں، مادر زاد اندھوں کو شفا دیتے۔ حتیٰ کہ مردوں کو بھی باذن الٰہی زندہ کر دیتے تھے۔

حضور اکرم، نور مجسم، نبی محترم رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم جس عہد میں تشریف لائے اور جس قوم کی طرف آپ کی اولین بعثت ہوئی۔ اس میں فصاحت و بلاغت اور زبان آوری کا چرچا تھا۔ اس قوم میں جو مقام شاعر و ادیب کو حاصل تھا۔ وہ کسی کو نہ تھا۔ شاعر یا خطیب خود

۱۔ النحل۔ ۴۳ : ۴۴

معزز تھا ہی۔ جس قبیلہ میں وہ پیدا ہوتا۔ وہ قبیلہ بھی معزز ہو جاتا۔ لوگ اسے مبارک باد دیتے اور اس کی عزت کرتے۔ اس لئے آپ کو جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا۔ وہ فصاحت و بلاغت سے متعلق ہے۔ تاکہ وہ قوم جو اپنی زبان آوری پر متفخر ہے۔ اپنی اجتماعی کوششوں کے باوجود اس نبی کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ پھر یا تو ساکت و مبہوت ہو جائے یا حق و صداقت کا یقین کر کے دولت ایمان سے مالا مال ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزہ کا ذکر ایک حدیث میں کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح ہے

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم۔"[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے "جوامع الکلم" دیئے گئے ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصیح و بلیغ بنایا۔ آپ مختصر عبارات سے دقیق اور غامض پراز حکمت مفاہیم و معانی کو بآسانی ادا فرما دیتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن عزیز ہے[2]۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس سے بیک وقت دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کسی قسم کی قباحت لازم نہ آئے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک "وحی متلو" ہے اور دوسری "غیر متلو" وحی یعنی قرآن معجزہ ہے۔ اور اس کے اعجاز کی کئی وجوہ ہیں۔ چند یہ ہیں۔

۱ - اس کی تراکیب بہت منظم ہیں۔ کلمات وسیع ہیں۔ اور اس کی بلاغت نے فصحاء عرب کی فصاحت و بلاغت کو مات کر دیا۔

۲ - اس کا اسلوب بیان انوکھا اور انداز کلام نرالا ہے۔ یہ کلام عرب والوں کی نظم و نثر دونوں طریقوں سے الگ تھلگ ہے اس کی آیات کے فواصل اور اختتامیہ کلمات ان کے اندازوں سے سراسر مختلف ہیں۔

۳ - اس میں آئندہ آنے والے واقعات کی جو خبریں دی گئی ہیں۔ ہو بہو درست ثابت ہوئیں۔ اور اب بھی ہو رہی ہیں۔ نیز یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ زندہ و تابندہ رہے۔ اور دم بدم دعوت الی اللہ کا باعث ہو۔

۴ - گذشتہ واقعات کی صحیح ترین خبریں جو آپ نے نہ تو کسی معلم کے ذریعے حاصل کیں اور نہ ہی کسی کتاب سے ملیں۔ صرف معجزانہ انداز میں وحی ربانی سے حاصل ہوئیں۔

۵ - لوگوں کے دلوں کا حال بتا دیا۔ مثلاً "اذھمت طائفتان منکوان تفشلا"[3] جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا۔ اب یہ ایک قلبی واردات تھی جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طور پر بتا دی۔

۶ - کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ، سب ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن تھے۔ اور ان کو بار بار چیلنج کیا جا رہا

---

۱ - صحیح مسلم ۵/۵ طبع بیروت و زرقانی علی المواہب ۲۶۱/۵ و بیہقی

۲ - زوادی علی صحیح مسلم ۵/۵ ۳ - القرآن

اور مختلف مراعات کے ساتھ اعلان کیا گیا کہ تم سب مل کر ہی اس قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کے مقابل کوئی کلام بنا کر لاؤ۔ مگر ان میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ معارضہ کرے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔

۷ - جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ جب قرآن کی تلاوت کی گئی تو کافر بھی مرعوب ہو گئے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ نماز مغرب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ طور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے "ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخالقون (۱) ترجمہ:- کیا وہ بلا کسی چیز کے پیدا کر دیئے گئے ہیں، یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔ جب میں نے اسے سنا تو میرا دل پھٹ جانے کے قریب ہو گیا۔ اسی دن سے عظمت اسلام میرے دل میں قائم ہو گئی۔

۸ - اگر کسی کتاب کو خواہ وہ کتنی ہی دلچسپ کیوں نہ ہو آپ ایک دو مرتبہ پڑھ لیں تو پھر تیسری مرتبہ پڑھنے کو جی نہ چاہے گا۔ مگر یہ قرآن ہے کہ جتنی مرتبہ پڑھیئے۔ اس کی لذت و حلاوت میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ نہ پڑھنے والا تھکتا ہے اور نہ سننے والا تنگ آتا ہے۔

۹ - اس کی حفاظت کا وعدہ جو اسی کتاب میں کیا گیا ہے۔ درست ثابت ہوا اور قیامت تک یہ محفوظ رہے گی۔

۱۰ - یہ تمام علوم کی جامع ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں۔ اعمال بھی، مواعظ بھی، حکم بھی قصص بھی ہیں۔ امثال بھی، علوم بھی فنون بھی۔ غرضیکہ سب کچھ موجود ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ (۲) انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں میں جو کچھ منتشر طور پر تھا۔ وہ اس مقدس کتاب میں اکٹھا کر دیا گیا۔ فرمان الٰہی ہے۔ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (۳) بلاشبہ یہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں۔

۱۱ - ایک اور اعتبار سے دیکھیئے تو اس ایک معجزہ میں ہزاروں معجزات ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں جو چیلنج دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ (۴) تم اس قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل لاؤ۔ اب سب سے چھوٹی سورہ "والعصر" ہے۔ جس کی آیات تین ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف یہی سورۃ معجزہ نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی ہر وہ مقدار جو ان تین آیات کے برابر ہو۔ مستقل معجزہ ہے۔ اس سورۃ کے کلمات کی تعداد تقریباً ۱۹ ہے۔ جب کہ کل قرآن کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار نو سو چونتیس ہے (۷۷۹۳۴)۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مقدار جو معجزہ ہے۔ تقریباً سات ہزار ہے (۵)

یہ تو چند وجوہ اعجاز ہیں جو قارئین کے لئے بطور اشارہ ذکر کی گئی ہیں۔ ورنہ امام جلال الدین السیوطی نے اپنی کتابوں "الاتقان" اور "اسرار التنزیل" میں وجوہ اعجاز کو جس تفصیل و بسط سے بیان کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے

---

۱ - الطور ۳۵ ۲ - النحل - ۱۶ ۳ - الاعلیٰ (۱۸-۱۹) ۴ - البقرہ ۲۳

۵ - جلال الدین السیوطی الخصائص الکبریٰ ۱/ ۱۴۸

ہیں۔ میں نے قرآن کریم کی صرف ایک آیت سے بلاغت کی ایک سو بیس (۱۲۰) وجوہ کو ظاہر کیا ہے (۱)

دعاؤں میں جوامع الکلم

بارگاہ رب العزت جل مجدہٗ میں جب بندہ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے تو اس پر شکوہ بارگاہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ لب کشائی کم سے کم ہو۔ ادھر بندہ کی حاجات بے انتہا ہوتی ہیں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا کہ ایجاز و اختصار کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور اپنی معروضات پیش کرے۔ اس لئے دعا میں جامع اور مختصر کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ دعائیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہیں "جوامع الکلم" کی اعلیٰ مثال ہیں۔ چند دعائیں ملاحظہ ہوں۔

۱ ۔ اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری، واصلح لی دنیای التی فیہا معاشی، واصلح لی آخرتی التی الیہا معادی، واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر، واجعل الموت راحۃ لی من کل شر (۲)

ترجمہ:۔ یا اللہ تو میرے دین کو درست رکھ جس کے باعث میرے تمام معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اور میرے لئے میری دنیا کو درست فرما جس میں میری زندگانی ہے۔ اور میرے لئے میری آخرت کو درست فرما جس کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں زیادتی کا باعث بنا اور موت کو ہر برائی سے نجات کا ذریعہ بنا۔

۲ ۔ اللھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ماینفعنی وزدنی علما الحمد للہ علی کل حال۔ واعوذ باللہ من حال اھل النار (۳)

ترجمہ:۔ یا اللہ مجھے میرے علم سے نفع دے۔ اور وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع دے۔ اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کا ہر حال میں شکر ہے۔ اور میں جہنمیوں کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳ ۔ اللھم متعنی بسمعی وبصری واجعلھما الوارث منی وانصرنی علی من ظلمنی وخذ منہ بثاری (۴)

ترجمہ:۔ یا اللہ مجھ کو میرے کانوں اور آنکھوں سے نفع عطا فرما۔ اور ان کو تادیر باقی رکھ۔ اور جو مجھ پر ظلم کرے اس پر مجھے مدد دے اور میرا بدلہ اس سے لے۔

۴ ۔ رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکر لی ولا تمکر علی، واھدنی وانصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شاکرا لک ذاکرا لک راھبا مطواعا لک مخبتا الیک اواھا، منیبا

---

۱ ۔ محمد بن عبدالباقی، زرقانی علی المواھب، ۳۶۶/۵

۲ ۔ صحیح مسلم، کتاب الدعوات

۳ ۔ زرقانی علی المواھب، ۳۲۱/۸، و ترمذی

۴ ۔ ترمذی و بیہقی

رب تقبل توبتی، واغسل حوبتی واجب دعوتی ثبت حجتی وسدد لسانی واھد قلبی واسلل سخیمة صدری (۱)

ترجمہ:- اے میرے رب میری مدد فرما۔ میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر۔ میرے لئے تدبیر فرما۔ اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما۔ اور مجھے ہدایت پر قائم فرما، اور جو مجھ پر زیادتی کرے۔ اس پر مجھے نصرت عطا فرما۔ میرے رب مجھے اپنا شکرگزار، ذکر کرنے والا بنا دے۔ اپنے سے ڈرنے والا بہت اطاعت گزار، اپنے لئے متواضع گناہوں پر افسوس کنندہ اور رجوع کرنے والا بنا دے میرے رب میری توبہ قبول فرما۔ میری خطاؤں کو دھو ڈال اور میری دعا قبول فرما۔ میری حجت کو ثابت رکھ۔ میری زبان کو درست فرما۔ میرے دل کو ہدایت پر ثبات عطا فرما۔ میرے دل کو کینہ سے پاک رکھ۔

۵ - اللھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت اللھم انی اعوذ بعزتک لا الہ الا انت تضلنی انت الحی لا تموت والجن والانس تموتون (۲)

ترجمہ:- اے اللہ میں تیرا فرمانبردار ہوگیا۔ تجھ پر ایمان لایا۔ اور تجھ پر ہی بھروسہ کیا۔ اور تیری طرف ہی رجوع، اور تیری مدد ہی سے دشمنوں سے مقابلہ کیا۔ اے اللہ میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں کہ تو مجھے گمراہ کر دے۔ تو زندہ ہے مرے گا نہیں۔ جب کہ جن وانس سب ہی مر جائیں گے۔

۶ - اللھم انی اسألک الھدی والتقی والعفاف والغنی (۳)

ترجمہ:- اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاک دامنی اور بے نیازی کا طالب ہوں۔

۷ - اللھم انی اسألک فعل الخیرات وترک المنکرات، وحب المساکین واذا اردت بقوم فتنة فاقبضنی الیک غیر مفتون (۴)

ترجمہ:- اے اللہ۔ میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق طلب کرتا ہوں اور مسکینوں سے محبت کا طلبگار ہوں اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا فرمائے تو مجھے اپنے پاس بلا آزمائش کے بلا لینا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا مانگتے تھے۔

۸ - اللھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والھرم والبخل واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من فتنة المحیا والممات (۵)

---

۱ - ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن ابن عباس

۲ - بخاری، کتاب التوحید ومسلم فی الدعوات

۳ - مسلم، ترمذی، ابن ماجہ فی الدعوات

۴ - موطا مالک ۵ - بخاری

ترجمہ:۔ اے اللہ میں عاجزی، کسلمندی، بزدلی، بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں۔ عذاب قبر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں۔ زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

۹ - اللھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع ومن دعاء لا یسمع ومن نفس لا تشبع ومن علم لا ینفع اعوذ بک من ھٰؤلاء الاربع (۱)

ترجمہ:۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس دل سے جس میں تیرا خوف نہ ہو۔ اس دعا سے جو مسموع نہ ہو۔ اور اس نفس سے جس میں قناعت نہ ہو۔ اور اس علم سے جو منفعت بخش نہ ہو۔ میں ان چاروں سے پناہ مانگتا ہوں

۱۰ - اللھم انی اعوذ بک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق (۲)

ترجمہ:۔ یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پھوٹ سے اور نفاق سے اور بداخلاقی سے۔

یہ دس دعائیں، ان بے شمار دعاؤں میں سے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی بلندیوں پر ہیں۔ اور جو اپنی جامعیت و ایجاز کے اعتبار سے گویا حد اعجاز تک پہنچی ہیں۔

جوامع الکلم بصورت امثال و حکم

آپ نے اپنی امت کی مثال میں فرمایا۔

۱ - مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ (۳)

ترجمہ:۔ میری امت کا حال بارش کی طرح ہے کہ معلوم نہیں۔ اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

۲ - ان من البیان سحراً وان من العلم جہلاً وان من الشعر حکماً (۴)

ترجمہ:۔ بلاشبہ بعض گفتگو جادو کی طرح ہوتی ہے۔ اور بعض علم جہل کی طرح ہوتا ہے۔ اور بعض اشعار پر از حکمت ہوتے ہیں۔

۳ - ساقی القوم آخرھم شرباً (۵)

ترجمہ: کسی قوم کا ساقی خود سب سے آخر میں پیتا ہے۔

اس کا لفظی ترجمہ تو یہی ہے۔ مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام سونپے جائیں۔ اس کو چاہیئے کہ پہلے ان کی بھلائی کی سوچے۔ بعد میں اپنی فکر کرے۔ یہ نہ ہو کہ سب کچھ خود اپنی ہی جھولی میں ڈال لے اور بے چارے عوام محروم رہ جائیں۔

---

۱ - ترمذی و نسائی ۲ - ابوداؤد

۳ - ترمذی باب الامثال

۴ - ابوداؤد بروایت عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ عن جدہ ۵ - ترمذی

۴ ۔ رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد (۱)

ترجمہ :۔ رب کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں مضمر ہوتی ہے۔ اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہوتی ہے۔

یہاں والد سے مراد باپ ہی نہیں بلکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یہی حکم ماں کا بھی ہے۔ (۲) بلکہ طبرانی کی روایت میں "رضا الرب فی رضا الوالدین" کے الفاظ صریحاً موجود ہیں۔

۵ ۔ ان ابر البر ان یصل الرجل اھل ود ابیہ (۳)

ترجمہ :۔ بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے متعلقین سے تعلق قائم رکھے۔ اس میں باپ کے رشتہ دار دوست و احباب اور ماں کے رشتہ دار اور تمام متعلقین آ جاتے ہیں۔

۶ ۔ لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل الذی اذا انقطعت رحمہ وصلھا (۴)

ترجمہ :۔ جو کسی کا بدلہ چکائے وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو تعلق منقطع کرنے والوں کے ساتھ بھی تعلق قائم کرے۔

۷ ۔ من لا یرحم لا یرحم (۵)

ترجمہ :۔ جو دوسروں پر رحم نہیں کرے گا۔ اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا

۸ ۔ لیس منا من لم یرحم، صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (۶)

ترجمہ :۔ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

۹ ۔ المسلم اخو المسلم لا یخونہ ولا یکذبہ ولا یخذلہ کل المسلم علی المسلم حرام عرضہ ومالہ ودمہ (۷)

ترجمہ :۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کو اپنے بھائی کے ساتھ نہ تو خیانت کرنی چاہیئے۔ نہ جھوٹ بولنا چاہیئے۔ اور نہ ہی بے مدد چھوڑنا چاہیئے۔ مسلمان پر دوسرا مسلمان کلی طور سے حرام ہے۔ اس کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون سب حرام ہے۔

۱۰ ۔ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا (۸)

ترجمہ :۔ مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہے۔

---

۱ ۔ ترمذی

۲ ۔ عبدالرحمٰن المبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۲۵/۶

۳ ۔ ترمذی ۴ ۔ ترمذی ۵ ۔ ترمذی

۶ ۔ ترمذی ۷ ۔ ترمذی

۸ ۔ ترمذی

۱۱ - ان احدکم مرآۃ اخیہ فان رای بہ اذیً فلیمطہ عنہ (۱)

توجمہ :- تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے تو اگر وہ اس میں کوئی گندگی دیکھے تو اسے دور کر دینا چاہیئے۔

۱۲ - لاتقاطعوا، ولاتدابروا ولاتباغضوا ولاتحاسدوا، وکونوا عباد اللہ اخوانا ولایحل للمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث (۲)

توجمہ :- تم قطع رحمی نہ کرو۔ ایک دوسرے سے روٹھ نہ جاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے سے دشمنی کرو ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کو روا نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد تک بول چال چھوڑے رکھے۔

کس قدر اختصار و جامعیت کے ساتھ ایک محبت بھرے اسلامی معاشرے کے قیام کی ہدایات اس حدیث شریف میں دی گئی ہیں۔ کیا ایک اچھے معاشرے کے لئے اس سے زائد کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔

۱۳ - من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شاق اللہ بہ (۳)

توجمہ :- جو دوسروں کو تکلیف و نقصان پہنچائے گا اللہ اس کو تکلیف دے گا۔ اور جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے گا۔ اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا۔

۱۴ - من لایشکر الناس لایشکر اللہ (۴)

توجمہ :- جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا ہے۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا۔

ظاہر ہے کہ لوگوں کے انعامات اللہ کے انعامات کے مقابل میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو جو شخص معمولی انعام کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ وہ لاتعداد نعمتوں کا شکر گزار کس طرح ہوگا۔

۱۵ - الجاھل السخی احب الی اللہ من عابد بخیل (۵)

توجمہ :- سخی جاہل اللہ کے نزدیک بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جو شخص بخل کرتا ہے وہ دنیا سے محبت رکھتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ "حب الدنیا راس کل خطیئہ" دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ یہ دنیا کی محبت ہی ہے جو چوری، رشوت، سود خوری اور حرام خوری کے راستے پر لوگوں کو ڈالے ہوئے ہے پھر شرعاً "بخل" وہ ہے جو اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق ادا نہیں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص واجب کا تارک ہے۔ اس شخص سے زیادہ برا ہے جس نے محض نفل کو (حصول علم) چھوڑا ہوا ہو۔

۱۶ - المومن غر کریم والفاجر خب لئیم (۶)

توجمہ :- مومن بھولا بھالا سخی ہے اور فاجر بخیل کمینہ ہے۔

---

۱ - ترمذی ۲ - ترمذی ۳ - احمد ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ ۴ - ابوداؤد و ترمذی

۵ - ترمذی و طبرانی ۶ - ترمذی

۱۷ - لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (۱)

ترجمہ :- مومن عیب جو، لعنت کرنے والا، بیہودہ گو اور بے حیا نہیں ہوتا۔

۱۸ - ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (۲)

ترجمہ :- تم گمان سے بچو کہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

۱۹ - کفی بک اثما ان لاتزال مخاصما (۳)

ترجمہ :- تمہارے گناہگار ہونے کو اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہر وقت جھگڑتے رہو۔

۲۰ - احبب حبیبک ھونا ما عسیٰ ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک ھونا ما عسیٰ ان یکون حبیبک یوما ما (۴)

ترجمہ : تم جس سے محبت کرو۔ ایک حد تک کرو کہ شاید کسی دن وہ شخص تم کو ناپسندیدہ معلوم ہو۔ اور جس سے دشمنی کرو، ایک حد تک کہ شاید کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔

۲۱ - الحیاء من الایمان (۵)

ترجمہ :- حیاء ایمان کا جزو ہے۔

۲۲ - لایدخل الجنۃ قتات

ترجمہ :- جنت میں چغلخور داخل نہ ہوگا۔

۲۳ - الاعمال بالنیات۔ (۶)

ترجمہ - اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

۲۴ - المستشار موتمن (۷)

ترجمہ :- جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔

یعنی جب آپ نے کسی شخص کو مشورہ کرنے کے لئے منتخب کیا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ دیانتداری سے جو بات صحیح سمجھتا ہے کہے۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے اعتماد سے غلط فائدہ اٹھائے۔

۲۵ - المرء الخیار مالم یتکلم (۸)

ترجمہ : جب تک انسان گفتگو نہ کرے اس کو اختیار رہتا ہے۔

یعنی انسان کو بولنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اگر لوگ اس زریں قول کو بطور اصول زندگی اختیار کرلیں تو بلا وجہ

---

۱ - ترمذی ۲ - ترمذی، طبرانی، دارقطنی ۳ - ترمذی ۴ - ترمذی ۵ - ترمذی
۶ - بخاری ۱/۱ ۷ - ترمذی ۸ - ترمذی

کی ندامت و خجالت سے ہمیشہ محفوظ رہیں۔

۲۶ ۔ لاخیرفی صحبة من لایری لک ماتری له (۱)

ترجمہ: اس شخص کی دوستی اچھی نہیں جو تمہارے حق میں وہ بات نہیں سوچتا جو تم اس کی بابت سوچتے ہو۔

۲۷ ۔ الناس کاسنان المشط

ترجمہ۔ لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔

یہ مساوات محمدی کی حسین تعبیر ہے جس سے معاشرتی زندگی میں لوگوں کے حقوق و فرائض میں مساوات کا تصور ملتا ہے

۲۸ ۔ المرء مع من احب

ترجمہ۔ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

بظاہر اس کا مفہوم یہی ہے کہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے، وہ اس کے طریقہ ہی کو اپنائے گا اور اس پر گامزن رہے گا پھر انجام آخرت میں اس کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا لیکن اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں ہر شخص اس کے ساتھ رہتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ اس طرح کسی انسان کی پہچان کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے دوستوں کو دیکھے کہ آیا اچھے لوگ ہیں۔ یا برے لوگ۔ اور ان دوستوں پر ہی اس شخص کو قیاس کریں۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

۲۹ ۔ الید العلیا خیر من الید السفلی

ترجمہ۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اس میں گداگری کی ممانعت ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب ہے۔

۳۰ ۔ خیرالامور اوساطها

ترجمہ۔ بہترین چیز درمیانہ درجہ کی ہے۔

یہ اصول پوری زندگی کو محیط ہے۔ انسان کو میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔

۳۱ ۔ لایلدغ المومن من جحر مرتین۔

ترجمہ۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ہے۔

جب ایک مرتبہ مسلمان کو کسی چیز میں نقصان ہو جائے یا کسی شخص سے نقصان اٹھانا پڑے تو دوسری مرتبہ اس سمت کا رخ بھی نہ کرے۔

۳۲ ۔ السعید من وعظ بغیرہ۔

---

۱ ۔ ترمذی

ترجمہ۔ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

یعنی اگر انسان کی فکر صحیح ہے تو وہ نیکوں سے تو اچھی باتیں سیکھ ہی لے گا۔ بروں سے بھی سیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ برے لوگوں کا انجام بد رہا۔ ہمارے سامنے اسی دنیا میں آتا ہے۔ اگر ہم اپنے دیدہ عبرت کو وا رکھیں تو نصیحت آموزی کے لئے کافی ہے۔

۳۳ ۔ الوحدۃ خیر من جلیس السوء

ترجمہ۔ تنہائی برے ساتھی کی صحبت سے اچھی ہے۔

۳۴ ۔ قل الحق وان کان مرا

ترجمہ۔ حق بات کہو خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

۳۵ ۔ حبك الشئ یعمی یصم۔

ترجمہ۔ تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا بہرہ کر دیتا ہے۔

یعنی محب محبوب کی برائی دیکھنے اور سننے سے اندھا بہرہ ہو جاتا ہے۔ اس کو محبوب میں نہ تو کوئی عیب نظر آتا ہے اور نہ ہی وہ اس کے بارے میں کوئی بات بری سنتا ہے۔

۳۶ ۔ خیر العمل ما قل ودام

ترجمہ۔ بہترین کام وہ ہے جو کم ہو اور ہمیشہ کیا جاتا رہے۔

۳۷ ۔ انزلوا الناس منازلهم

ترجمہ ۔ لوگوں کے ساتھ حسب مراتب سلوک کرو

۳۸ المسلمون تتکافو دماءهم

ترجمہ۔ مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

یہ نہیں کہ امیر کا خون بمقابلہ غریب کے زیادہ قیمتی ہو۔ اور اگر امیر غریب کو قتل بھی کر دے تو قصاص نہ لیا جا سکے۔

یہ چند "جوامع الکلم" ہیں جو بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ تعلیمات ہیں جن کی بدولت ایک وحشی، اجڈ، ننگ پرست قوم ذلت و ادبار کی پستی سے اٹھ کر عزت و عظمت کی چوٹیوں پر آ کھڑی ہوئی۔ کاش کہ ہم جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان انمول موتیوں کو اپنی جھولیوں میں سمیٹ سکیں۔ تاکہ دین و دنیا کی سربلندیاں ہمارا مقدر بن جائیں۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

بے شک آپ پیغمبروں میں ہیں (اور) سیدھے رستے پر ہیں ۞

(یٰسٓ ۳۰)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نازک ترین لمحات کی میزان پر



سرورِ عالم نازک ترین لمحات کی میزان پر

سید محمد ریاست علی فاروقی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝

پ ۲۰ ع ۱۳ : سورۃ العنکبوت

ترجمہ : کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی،

یہ آیت مقدسہ مسلمانوں کو خبردار کر رہی ہے کہ صرف کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے ایمانی کافی نہیں ہے بلکہ تمہیں آزمایا جائے گا اور یہ آزمائش متنوع ہوگی، ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

بقرۃ آیت ۱۵۵

یعنی "اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے خوف سے اور بھوک سے اور جانوں، مالوں اور پھلوں کے نقصان سے۔

اس آزمائش میں پورے اترو گے تو مسلمان ٹھہرو گے۔ ہر شئی کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کی حقیقت اور واقعیت کے لیے [illegible] ہیں وہ اس میں ہیں کہ نہیں ایمان کے حقیقی اور واقعی ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان [illegible] گھڑی میں پورے اترے۔

انسان کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں جہاں اسے آزمائشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کوئی فیصلہ نہ کرنا پڑے۔ اس کا آزمائشوں سے دوچار ہونا ایک فطری امر ہے۔ زندگی قدم قدم پر فیصلے چاہتی ہے اور یہ فیصلے اگر صحیح سمت میں اور بروقت ہوں تو ان سے حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں زندگی بامقصد اور پروقار ہوگی ورنہ بے معنی اور بے اثر یہ دنیا ابتدائے آفرینش ہی سے انسانی فیصلوں کی محتاج ہے۔ دراصل یہ فیصلے حیات انسانی کی تقدیر بنانے اور بگاڑنے میں نہایت اہم اور مرکزی کردار ادا کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر زندگی کا سارا نظام ان ہی فیصلوں کا مرہون منت ہے۔ کائنات کی فضا میں سانس لینے والا فرد عامی ہو یا آمر مصلح ہو یا قائد۔ یہاں تک کہ ہادیٔ انسانیت جس سے میری مراد پیغمبر ہے۔ اس کو بھی ایسے لمحات سے گزرنا پڑتا ہے جس کو زندگی کے نازک ترین لمحات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے

انسان کی زندگی میں کچھ ایسے نازک ترین لمحات ضرور آتے ہیں جن میں حسن تدبر اور کمال فراست سے نہ نمٹا جائے تو زندگی داغدار ہو جانے کا خطرہ یقینی ہے اور اس سے نہ صرف اس کا وہ مرتبہ یا دہ عظمت جس پر وہ فائز ہے متاثر ہو گی جو اس کے لئے باعث ہلاکت ہے بلکہ اس کے منفی اثرات کسی نہ کسی طرح انسانیت کو بھی مجروح و مکدر بنانے کا سبب بن جائیں گے۔ انسان کا کمال تدبر اور اخلاق یہ ہے کہ وہ ان لمحات میں کس حد تک ثابت قدم رہتا ہے اور کہاں تک صبر و برداشت، بردباری و تحمل مزاجی اور حقیقت پسندی سے کام لیتا ہے، کیسے اور کس درجہ حق و انصاف کا دامن ہاتھ میں لئے رہتا ہے۔ اور خوف الٰہی کا کتنا پاس و لحاظ رکھتا ہے۔ اس نے اگر ان عظیم اخلاقی قدروں کو برباد نہ ہونے دیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ زندگی کے نازک لمحات کی میزان پر پورا نہ اترے۔ چونکہ نفس کی سرکش قوتیں اسے مغلوب کرنے کے لیے ہمیشہ تاک میں لگی رہتی ہیں۔ اس لیے ان سے بکمالِ ہوشمندی نمٹنا اور ان کو زیر کرنا ہی معراج حیات ہے۔ یہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان کا قول و فعل نشاۃ الٰہی کے زیر اثر اور اطاعت الٰہی کے تابع ہو۔ ورنہ نفس کی خودسری اس کو راستہ کے منہاج سے مراحل دور کر دے گی۔ درحقیقت انسانیت کا بھرم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔ کہ انسان معاملات زندگی میں ثابت قدم رہے۔

تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں تو اس میں ہمیں بڑی بڑی پرشکوہ، باوقار، صاحب سطوت اور اولوالعزم ہستیاں دکھائی دیں گی، کہیں شعلہ بیان مقرر نظر آئیں گے تو کہیں سحر البیان واعظ، کہیں پختہ کار مدبر ملیں گے تو کہیں بلند حوصلہ اکابر، فلسفی و حکیم، قائد و مصلح، مرشد و مبلغ، مفکر و دانا، عاقل و فاضل، عالم و پیشوا، حاکم و سپہ سالار، فاتح و سیاست دان اور ایسی بے شمار دیگر خصوصیات کی حامل ہستیاں نظر آئیں گی، جنہوں نے کارگاہ حیات کو بار بار زیر و زبر کیا ہے، نئے نئے مذاہب کی بنیاد ڈالنے والے، نئی نئی تہذیبوں کو جنم دینے والے اور اخلاقی قدروں کے داعی نظر آئیں گے لیکن جب ہم ان کے کارناموں اور ان سے پیدا شدہ نتائج پر غور کرتے ہیں تو اگر کہیں جزوی فلاح بھی دکھائی دیتی ہے تو اس کے اثرات یا تو زندگی کے ایک گوشہ پر نمایاں نظر آتے ہیں یا پھر زندگی کے چند پہلوؤں پر ان کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے اور پھر وہ کچھ عرصہ بعد آپ اپنی موت مر جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے کہ وہ حیات انسانی پر ہر رخ سے اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کو ایک مکمل انقلاب سے دوچار کر کے آن کی آن میں اس کی کایا پلٹ دیتے ہیں انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی قوم، اور اپنے اپنے خطوں میں حیات انسانی کو اجتماعی صورت میں بدلنے کا جو طریقہ اور فریضہ سرانجام دیا وہ اپنی جگہ نہایت اہم اور عظیم بالشان ہے لیکن درحقیقت انسانیت کی تکمیل خاتم الانبیاء، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی، آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک گوشہ اپنی لامحدود اور گرانمایہ خوبیوں اور فضائل کا ایک ایسا جامع اور کامل نمونہ ہے جس پر انسانیت جتنا بھی فخر کرے کم ہے دنیا میں ایسے بہت سے ہادی و رہبر نظر آئیں گے جنہوں نے زندگی کے نازک لمحات میں صبر و تحمل،

عدل و انصاف، عزم و ہمت کا ایسا مظاہرہ کیا اور اپنی صلاحیت و ذہانت سے ایسے بر وقت و برمحل فیصلے کئے جن سے وقتی طور پر تاریخ کے دھارے کا رخ تو مڑ گیا مگر ان کو دوام حاصل نہ ہو سکا یہی وجہ تھی کہ ان فیصلوں سے انسانیت کی وہ خدمت نہ ہو سکی۔ جس کی اسے شدید ضرورت تھی۔ اس کے برعکس ہادیِ عالم، محسن انسانیت فخر کائنات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر موڑ اور ہر لمحہ پر ایسے نتیجہ خیز، دور رس اور دوامی فیصلے کئے جو ہر اعتبار سے کامل تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا جو کچھ آپ فرماتے وہی کرتے جن چیزوں کو آپ نے برا کہا اور لوگوں کو ان سے منع کیا ان کا ادنیٰ سا شائبہ بھی آپ کی سیرت و کردار میں کہیں موجود نہ پایا گیا۔ اس طرح جن نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف آپ نے لوگوں کو دعوت دی تو سب سے پہلے اور بڑھ چڑھ کر آپ خود ان پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ کی زندگی فضائل اخلاق اور محبت و رافت کا ایک عملی نمونہ تھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہر قسم کے تعصبات سے پاک و صاف تھا قبیلہ، قوم، وطن، زبان، رنگ اور نسل غرضیکہ ہر قسم کے تعصبّ سے آپ دور تھے۔ آپ کو نہ خونی رشتے متزلزل کر سکے اور نہ ذاتی خواہشیں آپ کی راہ میں حائل ہو سکیں آپ کی بے نظیر شہامت و شجاعت ضرب المثل تھی۔ جو کسی بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب ہونا اور کسی بڑے سے بڑے خطرہ سے منہ پھیرنا جانتی ہی نہ تھی۔ صبر و تحمل، ضبط نفس اور بلند ہمتی آپ کا ایک ایسا خصوصی وصف تھا کہ مخالفین کی رکیک سے رکیک اور ناز یبا حرکتوں پر بھی آپ نے سر رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑا اور نہ کسی کی برہمی پر ضبط نفس کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، نہ کسی کو گالی کا جواب گالی سے دیا اور نہ آپ کی زبانِ اقدس سے کبھی ایک لفظ شائستگی سے گرا ہوا نکلا، دشمنوں نے بارہا ایسی حرکتیں کیں جو سخت دل آزار، بڑی توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھیں۔ مگر آپ نے ان موقعوں پر تحمل و برداشت، عالی ظرفی اور کوہ ثباتی اور نیوی وقار کا وہ ثبوت دیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر لرزہ براندام کافروں کے خوف اور اعتراف تقصیرات کے جواب میں " لا تثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء" کا ارشاد آپ اپنی مثال ہے اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ آپ معلم الاخلاق بنا کر بھیجے گئے تھے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ ساز تھا اور چونکہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں انسانیت کی تکمیل مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے انسانیت آپ پر جتنا بھی فخر کرے وہ کم ہے۔ آپ کی مقدس ہستی تو وہ ہے جسے انسانیت کی لاج کہیے۔ آدمیت کی پہچان کہیے۔ ایمان کی جان کہیئے۔ جو باعثِ تخلیق کائنات ہے۔ قدرت کا ایک عظیم عطیہ اور جامع صفات ہے جو زینت دو عالم ہے فخر موجودات ہے۔ اصل کائنات ہے اور سراپا شانِ رحمت ہے۔ جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت، جس کی ہر بات وحی خدا، جو اوّل و آخر، الیٰسین وطٰہٰ یعنی افضل صلوات، اکمل تحیات، سیدِ کائنات، خلاصۂ موجودات، سرور بنی آدم، روحِ روانِ عالم، وارث علوم اولین، مولفِ کمالاتِ آخرین، حجۃ الیقین، صادق و امین، مفسرِ قرآنِ مبین، ذات و صفات خداوندی کے مظہر اتم، مختار کل، مالک ہر دوسرا

محمد مصطفیٰؐ، احمد مجتبیٰ، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم)

آیئے اب ہم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق آگیں و مقدس زندگی کے روز و شب کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ نے انسانیت کو بنانے، سنوارنے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کیا کردار ادا کیا؟ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی آزمائشوں، مصائب و آلام اور عظیم مہمات سے معمور ہے۔ لیکن آپؐ نے ان سخت مراحل سے گذرنے میں انسانیت کی اعلیٰ صفات اور بلند قدروں کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا اور ثابت کر دیا کہ آپ ہی انسان کامل ہیں۔ زندگی کے ایک ایک موڑ پر جس جذبہ و قربانی، حق و صداقت، ایثار و خلوص کا عملی نمونہ آپؐ نے پیش کیا۔ اگر آپؐ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نہ صرف یہ کہ ہمت ہار بیٹھتا بلکہ ان مصائب و آلام کی شدت و حدت سے دم توڑ دیتا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سراپا رافت و رحمت تھے اس لئے مخلوق خدا سے آپؐ کو بے پناہ محبت تھی آپؐ کو انسانیت سے گہرا لگاؤ تھا آپؐ کی پوری حیات طیبہ تدبّر، استقامت، شجاعت، رافت اور محبت کا عملی نمونہ تھی۔ ان خوبیوں کا اگر ہم اندازہ کرنا چاہیں جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں موجزن تھیں تو ہم ان واقعات و حالات کو پیش نظر رکھیں جن میں آپ نے اہم ترین فیصلے صادر فرمائے۔ ان فیصلوں کے دوران آپؐ پر ایسا وقت بھی آیا جہاں صبر و تحمل کا دامن انسان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور رائے صائب جواب دے جاتی لیکن آپؐ نے کمال تدبر اور استقامت سے کام لیکر انسانیت کی لاج رکھ لی اور دنیا کو دکھایا کہ زندگی کے نازک لمحات کی میزان پر کس طرح انسانی وقار اور کمال کو بچایا جا سکتا ہے۔ آپ نے ان مواقع پر جس حوصلہ اور عالی ہمتی کا اظہار فرمایا تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید اسے زندگی سے فرار کرنے ہی بن پڑتی۔ دنیا میں ایسے نیک دل اور حساس طبع لوگ بہت سے پائے گئے۔ جنہوں نے بدی سے گھبرا کر اپنا راستہ ہی بدل لیا۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا کہ وہ اس کے آگے سپر بن جاتے لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر برائی کا مقابلہ کیا، ہر بدی کو جب تک نیکی سے نہ بدل لیا آرام نہ فرمایا۔ اس وصف میں آپ کی ہم سری کا دعویٰ تو درکنار، دنیا کی کوئی ہستی آپؐ کے نقش پا تک نہ پہنچ سکی، آپؐ کی حیات طیبہ میں بے شمار ایسے نازک لمحات آئے جہاں بشریت کا تقاضا تھا۔ کہ آپ کوئی ایسا فیصلہ کر سکتے تھے جو ایک طرف قانونی، اخلاقی اور سیاسی نقطۂ نظر سے درست ہوتا لیکن آپؐ نے کبھی کوئی ایسا فیصلہ نہیں فرمایا جس سے انسانیت کی اعلیٰ اقدار پر کسی طرح کا کوئی حرف آتا۔ عدل و انصاف کی ایسی روشن مثال کسی دوسری ہستی میں ہمیں نہیں ملتی۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم پختہ اور غیر متزلزل تھا۔ صبر و استقامت کا یہ عالم کہ جس کو مشکلات و مصائب اور مخالفتوں کا عظیم سے عظیم تر طوفان بھی شکست نہ دے سکا جسے کوئی خوف نہ متزلزل کر سکا۔ نہ کوئی لالچ راہ حق سے منحرف کر سکا اور نہ آپؐ کے سکون و استقامت اور لطف الٰہی کی امید کو مایوسی و دل شکستگی میں تبدیل کر سکا۔ اور وہ تھی آپ کی کوہ تمثال مستقل مزاجی جس سے ٹکرا کر ساری مخالف طاقتیں دم توڑ گئیں، اور

اس آرزو کی تکمیل سے مایوس ہوگئیں کہ وہ اپنے کسی حربہ، کسی طاقت کے مظاہرہ، متواتر ستم رانیوں اور کسی تحریص و ترہیب کسی افترا پردازی اور الزام تراشی کی مہم اور کسی بڑے سے بڑے ہتھکنڈہ سے آپ کو اس مشن عظیم سے باز رکھ سکیں گے جسے لیکر آپ اٹھے تھے۔ چنانچہ حیات طیبہ کے مقدس اوراق الٹیے، اور ان لرزہ براندام کرنے والے واقعات کا اندازہ کیجیے جن سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق گوئی کے عوض مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔

یوں تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ان بے شمار نازک لمحات سے معمور ہے جہاں آپؐ نے تاریخ ساز فیصلے فرمائے کہ اگر ہم ان کو بیان کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ زبان و قلم جواب دے جائیں بلکہ ان میں سے اگر کسی ایک ہی فیصلہ کا تجزیہ کیا جائے تو عمر نوح بھی تمام ہو جائے مگر حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ اور آپ کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ لہٰذا میں اس مختصر سے مضمون میں صرف ان چند واقعات کو ہی پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا جن کو تاریخ اسلام نے بڑی درایت و احتیاط سے پیش کیا ہے۔

حجر اسود کی تنصیب

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حجر اسود کو کعبہ میں نصب کرنے کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے بعض قبائل عرب نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کرنے کے لیے مختلف حصے باہم تقسیم کر لیے تھے اور جب تعمیر کا کام مکمل ہو گیا، تو حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے ہر ایک قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کا شرف صرف اسی قبیلہ کو حاصل ہو۔ یہ ایک انتہائی اہم او پیچیدہ مسلہ تھا۔ جو بظاہر سلجھتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ہر قبیلہ بے چین تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں نیام سے باہر آگئیں عرب کے دستور کے مطابق قبائل کے سرداروں نے خون سے بھرے ہوئے کٹورہ میں انگلیاں ڈلو ڈلو کر جان پر کھیل جانے کی قسم کھائی اور قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں۔ یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اس کے نمٹنے میں کئی روز لگ گئے بالآخر انہیں قبائل کے ایک بزرگ سردار نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اُسے حکم تسلیم کر لیا جائے اس رائے کو تمام قبائل نے تسلیم کیا اور اس طرح یہ سنگین جھگڑا دوسرے دن تک کے لیے ٹل گیا۔ قدرت کی کرشمہ سازی اور علو محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز دیکھیے کہ دوسری صبح سب سے پہلے جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ باوجودیکہ بہت سرداروں نے یہ کوشش کی تھی۔

ہر چند کہ تجویز کے مطابق یہ شرف تنہا آپ کا حصہ تھا تاہم آپ کا حسن تدبر، معاملہ فہمی، آپؐ کی فراست کی انفرادیت اور دانائی کا انوکھا فیصلہ ملاحظہ ہو کہ آپؐ نے اس فضیلت و شرف میں تمام قبائل کو برابر کا شریک اس طرح بنا لیا کہ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اس میں رکھوایا۔ پھر آپؐ نے ہر قبیلہ سے ایک ایک سردار منتخب کیا اور ان سے فرمایا کہ چادر کے کناروں کو تھام کر اوپر اٹھائیں۔ جب چادر مقام ابراہیم کے برابر آگئی تو پھر آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے

اصل مقام پر نصب کر دیا۔ اللہ کے جس گھر کا سنگِ بنیاد آپؐ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا۔ اسی کا یہ متبرک اور عظیم پتھر جو ایک عظیم خونریزی کا باب بننے والا تھا۔ آپؐ کے دستِ مبارک سے اس کے اصل مقام پر نصب ہو گیا اور اس نازک مرحلہ پر آپؐ کے تدبر نے میزانِ عدل کے تقاضوں کو پورا کر دیا۔

آج بھی وہ مقدس پتھر لاکھوں فرزندانِ توحید کے عقیدت سے بھرپور دلوں کی دھڑکنوں کا مرکز ہے اور جس کو بوسہ دیتے وقت آپؐ کے اس تدبر اور فراست کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس نے ایک عظیم خونریزی کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

شعبِ ابوطالب

سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید سے کفارِ قریش کا وہ معیارِ زندگی جس کے وہ خوگر تھے، بری طرح مجروح ہو رہا تھا ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام نے ان کی مذہبی زندگی کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے تھے۔ کفارِ قریش دیکھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر اس سیلاب کے آگے متحدہ کوششوں سے بند نہ باندھا گیا تو مستقبل قریب میں عربوں کی عہدِ جاہلیت کی ثقافت کا شیرازہ اس طرح منتشر ہو جائے گا کہ پھر اس کے منتشرہ اوراق کو یکجا کرنا ناممکن ہو گا۔

لوگ رفتہ رفتہ آپ کی تعلیم و تربیت سے متاثر ہو کر دامنِ اسلام کی روح پرور ٹھنڈی ہواؤں میں آکر ایک ابدی سکون حاصل کر رہے تھے کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ آہستہ آہستہ لوگ اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں تو انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اس دعوتِ حق کی مخالفت کی، لوگوں کو ڈرایا، دھمکایا، لالچ دی اور طرح طرح کے حربے آزمائے۔ مگر اسلام جن نفوس کو پاکیزگی عطا کر چکا تھا وہ پھر اس گھناؤنی اور گناہوں سے بھرپور زندگی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ کفارِ قریش نے حبش میں جو سفارت بھیجی تھی وہ بھی بری طرح ناکام واپس آ چکی تھی اس ناکامی نے ان کی آتشِ غضب میں اور بھی اشتعال پیدا کر دیا۔ اب انہوں نے ایک ہولناک حربہ سے کام لیا۔ مقاطعہ اور ترکِ تعلقات کی سزا اس زمانہ میں بڑی کڑی سزا تھی۔ جس کی وجہ سے معتوب جماعت طرح طرح کی مصیبتوں سے زچ ہو کر قوم کا مطالبہ منظور کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی - ورنہ مکمل تباہی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آتا تھا۔ نبوت کے ساتویں سال سردارانِ قریش نے اس باہمی معاہدہ پر بنی ہاشم کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا اور خانہ کعبہ کے دروازہ پر یہ تحریری دستاویز آویزاں کر دی گئی کہ قبائلِ مکہ کا کوئی فرد کسی ہاشمی سے نہ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ قرابت کے تعلقات کا پاس و لحاظ رکھیگا۔ اور نہ کسی قسم کے مشروبات و ماکولات اس کے ہاتھ فروخت کر سکے گا۔ اگر وہ بھوکوں مرتے ہیں تو مرا کریں۔ اس معاہدہ پر عملدر آمد سختی سے ہوا۔ حضرت ابوطالب جو خاندان کے سربراہ تھے مجبور ہو کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد کو لیکر ایک درّہ کوہ میں جو "شعب ابوطالب" کے نام سے مشہور ہے چار و ناچار اقامت گزیں ہو گئے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب اگرچہ اس وقت ایمان کی سعادت سے محروم تھے۔ لیکن فردِ خاندان ہونے کے باعث

اس جماعت میں شامل تھے۔ صرف ابولہب نے ساتھ نہ دیا اور بزعم خود اپنے گھرانہ کو اس ابتلاء سے بچالیا۔ حوصلہ مندبنی ہاشم رسولِ برحق کی شہامت و شجاعت اور عزم و استقلال کی پشت گرمی سے ان شدائد کا تین سال تک بڑی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ باوجودیکہ اس خاندان پر ایسے روز و شب بھی گذر گئے کہ بھوک کی شدّت سے مجبور ہو کر اور بے قابو ہو کر درخت کی پتیاں اور سوکھی شاخیں کھا کر گزارا کرنا پڑا مگر اس حوصلہ شکن ماحول اور عزم و ثبات کو متزلزل کر دینے والے حالات نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا قدم اٹھانے پر متوجہ بھی نہ ہونے دیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا۔ کہ خدانخواستہ آپؐ نے ہمت ہار دی۔ صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور باطل کی دسیسہ کاریوں کے سامنے مجبور اور بے بس ہو گئے

تین سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا جبکہ حال یہ ہو کہ نہ کسی سے ہمدردی کی امید، نہ کوئی پرسان حال، نہ کوئی معاون و غمگسار ہر طرف مایوسی اور ناامیدی لیکن آپؐ کے قلبِ سلیم میں نورِ نبوت کی جو جوت چمک رہی تھی، اس نے ان مایوسیوں کے اندھیرے میں اجالا کر رکھا تھا، سامان آسائش تو درکنار، قوت لایموت کے لالے پڑے تھے زندگی کے لوازم میں سے معمولی سا معمولی سامان بھی دسترس سے بہت دور تھا ان حالات میں ثبات و قرار کا کون مدعی ہو سکتا تھا۔ بڑی بڑی کوہ وقار شخصیتیں ایسے موقع پر جی چھوڑ دیتیں۔ لیکن قربان جایئے اس پیکرِ عزم و ثبات کے کہ نہ زبان پر شکوہ نہ دوسروں سے معاونت ابرام نہ امداد کی التجا، صرف غم تھا تو یہ غم تھا کہ اس تین سال کی طویل مدت میں دعوتِ اسلام کا کام اس تیز رفتاری سے جاری نہ ہو سکا۔ جیسا کہ مقاطعہ سے قبل کے سالوں میں انجام پایا تھا۔

آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں یہ ایک ایسا لمحہ تھا، جس میں آپؐ کے حوصلہ آپؐ کے عزم اور آپؐ کے ثبات و رحم نے تمام باطل قوتوں کو شکستِ فاش دیکر انسانی عظمت کی لاج رکھ لی اور دنیا کو دکھا دیا کہ اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ آپ کی اس مستقل مزاجی اور اعلیٰ کردار کا یہ اثر ہوا کہ دشمنوں نے تنگ آکر خود ہی عہدنامہ کو چاک کر ڈالا اور استقلال و عزمِ نبوت کے سامنے سپر انداز ہو گئے۔

غم کا سال

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ بھی کیسی کٹھن منزل ہے کہ راہ میں کیسی کیسی دشواریاں آتی ہیں ایک سے ایک پرخار راستہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ مصائب و آلام سایہ کی طرح ہر قدم ساتھ رہتے ہیں لیکن اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنیوالا تمام مشکلات کو صبر و تحمل سے جھیل جاتا ہے اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلاءِ کلمۃ الحق کی راہ میں جن شدائد سے دوچار ہونا پڑا ان کو معرضِ تحریر میں لانا آسان کام نہیں۔ اگر ان کو بیان کیا جائے تو قلم لکھتے لکھتے تھک جائے لیکن اس لامتناہی شدائد کا سیلِ رواں کبھی ختم نہ ہو۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ انقلاب کے داعی، راستی و صداقت کے علمبردار، صدق و صفا کے پیکر، توحیدِ الٰہی کے مبلغ اور عزم و استقامت کے جو دواعی اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں ودیعت فرما دیئے تھے۔ ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ شعب ابو طالب کے

شدائد اور سختیوں کے زخم ابھی پورے طور پر مندمل نہیں ہوئے تھے کہ نبوت کے دسویں سال یعنی سنہ نبوت میں آپ کے مونس و غمخوار، شفیق و رفیق، معاون و مددگار و عم محترم حضرت ابوطالب عمر کی اسّی بہاریں دیکھ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ یہ وہ چچا تھے جنہیں بھتیجہ سے بے پناہ محبت تھی اور جنہوں نے شفقت و محبت میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ جب بھی آپ پر کوئی کٹھن وقت آیا تو حضرت ابوطالب آپ کے سینہ سپر ہوتے۔ کیا سفر اور کیا حضر، بہر حال آپ کے حامی و مددگار رہے۔ شعب ابوطالب کے پر مصائب ماحول اور زہرہ گداز روز و شب میں بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آج وہی شفیق ہستی آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔

آپ کی رحلت سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا، کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔ ابھی حضرت ابوطالب کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا اور آپ اس صدمہ سے سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ آپ کی شریک حیات، غم گسار، مونس و ہمنوا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے رحلت فرمائی۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب اور کلفتوں میں وجہ تسکین اور پریشانیوں میں آپ کے صبر و استقامت کی موید و ممد تھیں۔ آپؓ ایک وفادار اور غمگسار بیوی تھیں جنہوں نے آزمائش کی ہر گھڑی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ آپ صرف محرم راز ہی نہیں تھیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب و آلام میں برابر کی شریک تھیں۔ وفا شعاری میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا اور آپ نے بعثت سے قبل بھی اس موانست اور شریک رنج و آلام ہونے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اوّلین وحی کے نزول سے لیکر تا دمِ آخر تحریک حق اور راہِ حق میں صرف بذلِ اموال ہی نہیں بلکہ حضور کے ساتھ ہر حال میں دمساز و غمگسار رہیں قدم قدم پر مشورے بھی دیتے اور جذبۂ خلوص کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ آپ کا ساتھ دیا۔

ان دونوں عزیز ترین غمگساروں اور ہمنواؤں کی مستقل جدائی سے آپ پر کیا بیتی ہو گی؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ایک کے بعد ایک کا اس طرح بچھڑ جانا آپ کی زندگی کا ایک عظیم سانحہ تھا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ سال "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہلاتا ہے۔ جو لسانِ نبوت سے اس وقت ادا ہوا تھا۔ بیشک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آگاہ تھے۔ کہ منصب رسالت کی تفویض اور مصائب و آلام کا ہجوم ایک لازم و ملزوم چیز ہے اس لئے آپ ایسے زہرہ گداز مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع فرماتے اور ہر تکلیف و دشواری کے وقت اسی کا سہارا ڈھونڈتے تھے مگر عزیز ترین رشتہ داروں کی موت کا غم تقاضائے بشریت کے عین مطابق ہے۔

مشیت ایزدی یہی تھی کہ اس کا یہ عظیم بندہ فاصبر کما صبر اولوا لعزم من الرسل (احقاف ۳۵) کے سانچہ میں ڈھل جائے اور واصبر علے ما اصابک ان ذلک من عزم الامور (لقمان ۱۷) کا ایک پیکر تفسیر بن جائے تاکہ دنیا میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی موت پر اس لئے مضطرب اور نالہ کناں ہیں کہ ان کی ظفر مندیاں اور کامرانیاں ان ہی دو

ہستیوں کے تعاون کا نتیجہ تھی۔ ان دو ہستیوں کا ایسے وقت میں جدا ہو جانا جبکہ قدم قدم پر آپ کو ان کی شفقت و رفاقت، تسکین و تسلّی و تعاون کی اشد ضرورت تھی۔ یہ ایک ایسا نازک لمحہ تھا جہاں بڑے سے بڑا کوہ استقامت بھی ہل جاتا لیکن آپ کی ہمت، صبر و استقلال اور اولو العزمی ملاحظہ ہو کہ مشیّت ایزدی کے سامنے سر جھکا دیا اور ان ہر دو عظیم صدمات کو نہ صرف برداشت کر لیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ حوصلہ مندی مستعدی اور استقلال کے ساتھ دینِ حق کی تبلیغ کے مشن کو جاری رکھا۔ ہاں اکثر آپ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ذکر بڑی دلسوزی کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ تاریخ میں اس صبر و تحمل اور استقلال کی مثال ملنا مشکل ہے اور اس طرح کہ طبع نبوت کے اعتدال میں سرِ مو فرق نہیں آیا اور دامن عزم بالجزم ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

سفرِ طائف

حضرت ابو طالب ہاشمی سردار تھے۔ مکہ والوں پر آپ کی بڑی دھاک تھی۔ مکہ والے ان کی زندگی میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں کبھی کھل کر سامنے نہ آ سکے۔ ہاں غریب اور بیکس مسلمانوں پر جو ظلم بھی ڈھا سکتے تھے وہ ڈھائے۔ حضرت ابو طالب کے مقابلہ میں قریش اجتماعی طور پر اس وقت سامنے آئے جب اجتماعی مقاطعہ پر انہوں نے قدم بڑھایا لیکن اس اجتماعی سنم کوشی میں بھی حضرت ابو طالب، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پشتیبان بنے رہے۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد اہل مکہ کی مخالفت نے پہلے سے بہت زیادہ زور پکڑ لیا۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گئے۔ ان کی جھجک ختم ہو چکی تھی۔ حضرت ابو طالب کی دھاک ہزاروں من مٹی کے نیچے دفن ہو چکی تھی۔ اب آپ کو روز بروز شدید سے شدید تر مخالفت و مخاصمت، جور و ستم، سب و شتم اور کفار قریش کی اجتماعی ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑا۔ تبلیغ اور اشاعت دین کے کاموں میں قریش نے ہر اس حربہ سے کام لیا جو ان کے خیال میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت الی الحق میں مزاحم ہو سکتا تھا۔ مکہ والوں کی ان مزاحمتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپ نے طائف کا قصد فرمایا جو مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور حجاز کا دوسرا بڑا شہر تھا کہ مکہ والے اگر آپ کی صدائے حق پر لبیک نہیں کہتے تو ممکن ہے کہ اطراف و اکناف مکہ میں بسنے والوں کے دلوں کو آپ کفر و ظلمت اور باطل کی کدورتوں سے صاف فرما دیں۔ طائف اس وقت ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا اور آج بھی ہے۔ یہاں تک کہ مرغزار اور دلکش باغات اور آب سرد کی فراوانی تمام حجاز میں ضرب المثل تھی اور یہاں کے لوگ بےحد خوشحال تھے۔ یہاں کی سرزمین زرخیز تھی اور سود کا کاروبار اپنے عروج پر تھا۔ لوگ عام طور پر معاشی خوشحالی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر طائف امراء و رؤسائے عرب کا مامن و مسکن اور حجاز کی ایک عظیم تفریح گاہ بن گیا تھا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اگر اہلِ طائف اسلام قبول کر لیں تو اس سے دعوتِ حق کی حمایت و تائید کے لئے بہتر صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔ پس آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں طائف کا سفر اختیار کیا اور منزل مقصود پر پہنچ

کر آپؐ نے سب سے پہلے ثقیف کے سرداروں کے اس ٹولہ سے ملاقات کی جو تین بھائیوں پر مشتمل تھا آپؐ نے ان تینوں بھائیوں کو دعوتِ اسلام دی۔ ان کا طائف میں بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ ان شوریدہ بخت سرداروں نے اوّل تو آپؐ کی بات سننے ہی سے انکار کر دیا اور نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے بلکہ آپؐ کی شان میں نہایت زشت و نازیبا کلمات ادا کیے۔ کسی نے کہا کہ "خدا کو تیرے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہ ملا" کسی نے کہا کہ اگر واقعی خدا نے تجھ کو بھیجا ہے تو لیس پھر وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے، کسی نے کہا کہ "اگر خدا کسی کو رسول بناتا تو وہ کسی حاکم یا سردار کو بناتا، تجھے ہرگز نہ بناتا۔ کیونکہ تجھے تو سواری بھی میسر نہیں ہے" یہ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے۔ جو آپ کے سینہ میں پے در پے پیوست ہوتے چلے گئے لیکن آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ ان کو برداشت کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں سنتے تو اتنا تو کرو کہ مجھے دوسروں تک یہ دعوت پہنچانے دو اور اس میں مزاحمت نہ کرو، مگر انہوں نے آپ کی یہ بات بھی نہ مانی۔ صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ طائف کے اوباشوں، شہدوں، لفنگوں، بازاری لونڈوں، غلاموں اور خادموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو گالیاں دیں، ماریں اور طائف سے باہر نکال دیں۔ ان سفلوں، رذیلوں اور شوریختوں نے شور مچا مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا اور آپ پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آپ لہولہان ہو گئے۔ یہ لوگ آپ کے ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنا رہے تھے تاکہ آپ چلنے سے بھی معذور ہو جائیں۔ جب آپ تکلیف سے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو پھر آپ کو بازو سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتے اور پھر ٹخنوں پر پتھر مارتے، تالیاں بجاتے، مضحکہ اڑاتے اور ٹھٹھے لگاتے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ کو پتھر مار مار کر انہوں نے خون میں رنگ دیا۔ آپ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پائے مبارک سے خون بے تحاشہ بہہ رہا تھا اور آپ کی نعلین مبارک خون سے بھر گئی تھیں۔ جسمانی اور روحانی تکلیف نے آپ کو نڈھال کر دیا تھا اور اس پر طرہ یہ کہ زبانوں کے نشتروں کے کچوکے ان زخموں پر لگ رہے تھے جنہوں نے آپ کو بے حد ملول و رنجیدہ خاطر کر دیا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں ایسے خدا سے نہیں ڈر سکتا جو اپنے رسول کی حفاظت کرنے کے بھی لائق نہیں ہے۔ کوئی کہتا کہ ہم جو پتھر تجھے مار رہے ہیں وہ ہم پر پلٹ کر کیوں نہیں آتے؟ کوئی یہ کہتا کہ یہ آفت تجھ سے دور کیوں نہیں ہٹ جاتی؟ اور یہ زمین ہمارے اوپر پھٹ کیوں نہیں پڑتی؟ کہاں ہے تیرا خدا؟ وہ تیری مدد کو کیوں نہیں آتا؟ لیکن ان ناشائستہ کلمات کے جواب میں آپؐ نے اُف تک نہ کی۔ صرف صبر کا سہارا لئے خاموش رہے۔ زید بن حارثہؓ جو آپ سے دشمنوں کی یلغار اور سنگباری میں بچھڑ گئے تھے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں تک آ پہنچے۔ آپ کی حالت زار دیکھ کر لرز اٹھے، ان لفنگوں اور شہدوں کے نرغہ سے نکال کر آپ کو ایک باغ کی ایک چہار دیواری تک سہارا دیکر لائے۔ آپؐ کے زخموں سے خون صاف کیا اور آپ کی نعلین مبارک میں جو خون جم گیا تھا اس کو دھو دیا۔ جراحتوں پر پٹیاں باندھیں اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان جابروں اور ظالموں کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ اور بارگاہِ الٰہی

ہیں اس جور و جفا کی شکایت کیوں نہیں کرتے ؟ آپؐ نے زید کی یہ بات سن کر ارشاد فرمایا کہ "میں اس جہاں میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آیا ہوں یہ لوگ بے خبر اور نادان ہیں۔ مجھے ابھی پہچانتے نہیں۔" اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کی عافیت و سلامتی کی اس طرح دعا مانگی "کہ الٰہی تو ان پر اپنا فضل اور ان پر اپنا رحم فرما۔ ان پر کرم کر اور ان کی خطاؤں کو معاف فرما۔ ان کو سیدھی راہ دکھا۔ ان کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دے ان کو نیکی کی طرف راغب کر دے۔ یہ تیرے کرم کے محتاج ہیں۔ ان کے دلوں کو بدی سے پاک و صاف فرما کر نیکی کی طرف مائل کر دے، الٰہی ان کو چشم بصیرت عطا فرما دے، ان کو نور ہدایت بخش دے، ان کی جہالت کو ختم فرما دے۔ انھیں ظلمت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آ، انھیں علم و فہم عطا فرما ان کے سینوں کو ایمان کی دولت سے معمور فرما دے اور ان کے قلوب کو اپنے رسول کی محبت سے لبریز فرما دے"

طائف میں جو کچھ آپ پر گذری اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے دریافت فرمایا۔ یا رسول اللہ ؟ کیا آپ پر احد کے دنوں سے بھی زیادہ سخت کوئی اور دن گذرا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا : ہاں : سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں لوگوں کے سامنے دعوتِ حق پیش کی اور انہوں نے اس کو رد کر دیا۔ مجھے اس وقت جو رنج پہنچا اور جو تکلیف ہوئی وہ اس یوم "احد" سے بھی زیادہ تھی "

طائف میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تکالیف، مصائب و آلام اور درد و کرب کا سامنا کیا اور جو تکالیف پہنچیں انسانی تاریخ میں اس کی مثال ملنا محال ہے اور آپ نے صبر و برداشت، تحمل مزاجی، عالی ظرفی کا وہ ثبوت دیا جس کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ اعتدال کی میزان پر آپ کے صبر و استقامت کی متاعِ گرانمایہ کے مقابل بڑے سے بڑے معتدل مزاج صابر اور عزم بالجزم رکھنے والی ہستی کی متاع، پاسنگ بھی نہیں ہے۔ اس موقع پر اگر کوئی بڑے سے بڑا کوہ وقار شخص بھی ہوتا تو ہمت ہار بیٹھتا۔ کروڑوں سلام اس پیکرِ انسانیت محسنِ اعظم اور ہادیِ برحق پر جو عرصۂ حیات میں کبھی مایوس و بددل نہیں ہوا۔ جس نے کبھی اور کسی حالت میں دامنِ صبر و امید نہیں چھوڑا۔ یہ تھی آپ کی شانِ رحمت یہ تھی آپ کی خلقِ خدا پر شفقت، یہ تھی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے تڑپ پیغامِ حق کی صداقت پر پختہ یقین اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی لگن۔ عالمِ انسانیت میں کوئی دوسرا برگزیدہ وجود اس بلند ترین مقام تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ طائف کا یہی واقعہ بالآخر توسیع دعوتِ حق کی اساس ثابت ہوا جس کے نتیجہ میں جلد ہی کرۂ ارض کا بہت بڑا حصہ دعوتِ حق سے گونج اٹھا۔

اس سلسلہ میں تاریخ میں بہت سی روایات ہیں۔ ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ رحمتِ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جان کے دشمنوں کے لئے بددعائیں نہیں فرمائیں بلکہ لسانِ نبوت اور سراپا رحمت و رافت نے وہ الفاظ ادا فرمائے جو میں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔

صلح حدیبیہ

ہجرت نبوی کو تقریباً چھ سال گذر چکے ہیں ۔ اسلامی تحریک ایک اسلامی ریاست اور عالمگیر تحریک کے خدو خال سے آراستہ ہو رہی ہے ۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے ۔ لیکن اس عرصہ میں بھی قریش مکہ نے ہر وہ تدبیر اختیار کی ۔ اور ہر وہ حربہ آزمایا جس سے مسلمانوں کے ثبات و قرار میں رخنے پیدا ہوں اور یہ نئی اسلامی ریاست ختم ہو جائے ۔ کئی بار انہوں نے اپنی پوری قوت سے مدینۃ الرسول پر یورش کی ۔ لیکن ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ اب تک قریش کا اتنا جانی و مالی نقصان ہو چکا تھا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی ۔ ان کی ساری تدبیریں ، ان کے تمام حربے اور سازشیں جب بیکار دکھائی دینے لگیں تو انہوں نے یہودیوں سے سازباز شروع کر دی یہ یہودی تو مدتوں سے اس موقع کی تلاش میں تھے ۔ ان کے دل کی مراد بر آئی ۔ اس طرح مسلمان اب دو دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے ایک جانب خیبر کے قلعوں میں یہودی جنگی تیاریوں میں مصروف تھے جن کی سطوت ، تجارتی برتری اسلام کے ہاتھوں خاک میں مل چکی تھی ، دوسری جانب مکہ میں قریش اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے ۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کے باوجود یہودی معالحت کے لئے تیار نہ تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کا تہیہ کر لیا تھا ۔ قریش کے اس معاندانہ رویہ نے یہودیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اس پس منظر میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کا یہ تقاضہ ہوا کہ مکہ والوں سے صلح کر کے اس دو رخی یورش کے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا جائے اور ساتھ ساتھ ایک ایسا راستہ پیدا کیا جائے اور ایک ایسی راہ ہموار کی جائے جو مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان اس تنازعہ کا خاتمہ کر دے ۔ جس کے باعث مسلمان کعبہ دین و ایمان کے طواف اور حج کی سعادت سے محروم ہیں ۔ کئی سال سے مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت اور حج و عمرہ کی ادائیگی کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے تھے ۔ لیکن قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ ایک طرف مسلمان مہاجرین کی فطری طور پر یہ خواہش تھی کہ وہ مکہ میں جا سکیں ۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق اور قبائل ، خاندانی اور مکہ والوں سے خونی رشتے اور ذاتی روابط کے اثرات نے بھی اس شوق میں تڑپ پیدا کر دی تھی ۔ دوسری طرف خود اہل مکہ بھی مسلمانوں کے ساتھ بار بار کی جنگ سے سخت نالاں اور پریشان تھے ۔ مسلمانوں سے ٹکرا کر اب تک وہ اپنا جانی و مالی بہت کچھ نقصان کر چکے تھے ۔ جب بھی وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے ٹھوکر کھانی پڑی ۔ شکست ان کا مقدر بن چکی تھی اور وہ خود چاہتے تھے کہ مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے لیکن یہ سب کچھ

دل سے چاہنے کے باوجود سرداران قریش کا خوف ان پر طاری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مصالحت کی بات زبان پر لاتے ہوئے جھجکتے تھے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دوربین نے دیکھ لیا تھا کہ موجودہ فضا مصالحت کے لئے پہلے سے زیادہ سازگار ہے آپ کی اس خواہش کو تائید ربانی بھی حاصل ہوگئی۔ ایک صبح جب مسلمان مسجد نبوی میں جمع تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہٰی اس بشارت کے ساتھ نازل ہوئی۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون ۝ (الفتح : ۲۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اس رویاء صادقہ کو سچ کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں انشاءاللہ بے خوف و خطر داخل ہو گئے اس طرح کہ سر مونڈے اور مونچھ کے بال کترے ہوئے ہوں گے۔ گویا یہ مستقبل میں عظیم فتح کی اک نوید جانفزا تھی۔ اس نوید الٰہی کے نزول کے بعد ذیقعد ۶ھ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے عمرہ کا قصد فرمایا۔ حرم پاک کی عبادت کے سلسلہ میں عربوں نے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دے رکھا تھا۔ تائید الٰہی بھی اس حرمت کی موید تھی۔ ان مہینوں میں جدال و قتال، قتل و غارت، فتنہ و فساد کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ جاتی تھیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعد کے مہینہ کا اس لئے انتخاب فرمایا تھا کہ یہ حرمت کا مہینہ ہے ورنہ ادائے عمرہ کے لئے کسی خاص مہینہ کی کوئی قید نہ تھی۔ چودہ سو جاں نثاران اسلام کی معیت میں شعار ابراہیمی کو زندہ کرنیوالا، خلیل اللہ کا درتابندہ قربانی کے ستر اونٹوں کو لیکر یکم ذیقعد ۶ھ کو یثرب سے روانہ ہوا۔ تیروں اور تلواروں کے سوا کسی کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ تھا۔ تلواریں بھی نیام میں تھیں۔ چونکہ مقصد عمرہ ادا کرنا تھا نہ کہ جنگ میں الجھنا۔ مسلمانوں نے احرام باندھ لئے تھے صاف ظاہر تھا کہ ایمان والوں کا یہ قافلہ عمرہ و زیارت کے سوا کوئی اور عزم نہیں رکھتا۔

پاک طینت اور پاک فطرت مسلمانوں کا یہ کارواں رواں دواں تھا کہ خبر ملی کہ قریش مسلمانوں کی روانگی سے باخبر ہو گئے ہیں اور انہوں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو حرم کعبہ تو حرم کعبہ۔ مکہ ہی میں داخل نہ ہونے دیں گے حدود مکہ سے پہلے ہی مسلمانوں کے اس کارواں کو روکنے کے لئے خالد بن ولید کی سرکردگی میں دو سو سواروں کا ایک دستہ بھی روانہ ہو چکا ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی راستہ پر سفر ترک کر دیا اور دوسرا انگر انتہائی دشوار گزار راستہ اختیار کیا اور بصد مشکل آپ مقام حدیبیہ کے قریب پہنچ گئے۔ اس مقام پر آپ کا ناقہ "قصویٰ" بیٹھ گیا۔ اٹھانے کی ہر چند کوششیں کی گئیں لیکن ناقہ نہ اٹھا۔ قصویٰ کا اس طرح بیٹھ جانا اس امر کا ایک بلیغ اشارہ تھا کہ اسی جگہ کاروانِ اسلام قیام کرے۔ قریش کو حدیبیہ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی اطلاع مل گئی تھی اگرچہ لوگوں کی اکثریت کسی لڑائی جھگڑے کے حق میں نہ تھی کیونکہ یہ حرمت والا مہینہ تھا۔ اہل مکہ چاہتے تھے کہ مسلمان زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں۔ لہٰذا انہیں اجازت ملنا چاہیئے۔ مگر وہ قریش کے سرداروں کی ضد اور ہٹ دھرمی کے سامنے مجبور تھے۔ قریش کے سرداروں کا خیال تھا کہ مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ پر امن حالت میں ہی سہی لیکن عوام پر اس کا اثر

اچھا نہیں پڑے گا۔ اور بہت سے لوگ ان کے کردار اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنگ بھی نہ ہو اور مسلمان کعبہ کی زیارت اور طواف کے بغیر واپس (یثرب) مدینہ منورہ کو لوٹ جائیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی جانب سے کئی وفود بھی آئے۔ یہ وفود مسلمانوں کی جماعتی تنظیم، اعلیٰ اخلاق اور پسندیدہ اطوار و روحانی جوش و جذبہ اور ان کی ایمانی قوت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں۔ ان کو حرم کعبہ میں داخلہ کی اجازت ملنی چاہیئے۔ لیکن سرداران قریش کسی طرح آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ بالآخر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک قاصد قریش کی طرف روانہ کیا کہ معلوم کیا جائے کہ قریش کے عزائم کیا ہیں؟ حضرت امیّہ غزاعی قاصد کی حیثیت سے مکّہ گئے۔ قریش نے امیّہ خزاعی کو پکڑ لیا اور ان کی اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ قریش خود ان کو بھی مارنا چاہتے تھے کہ قبیلہ احابیش کے ایک سردار نے کہا کہ یہ میری امان میں ہے۔ اس طرح ان کی جان بچی۔

اسی دوران قریش کے چالیس پچاس نوجوان حدیبیہ آئے اور مسلمانوں پر پتھراؤ کیا۔ مسلمانوں نے ان سب کو پکڑ لیا اور قیدی بنا کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ قریش کو جنگ چھیڑنے کا کوئی موقع بھی دیا جائے لہٰذا آپ نے ان سب کی رہائی کا حکم دے دیا۔ ان لوگوں کی رہائی سے مکہ کی رائے عامہ اور بھی اس کے حق میں ہو گئی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے دیا جائے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا قاصد روانہ کیا۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ تھے۔ قریش نے ان سے کہا کہ اے عثمان: آپ ہم میں سے ہیں اگر چاہیں تو شوق سے بیت اللہ کا طواف کر لیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف میں سبقت نہیں کر سکتا۔ قریش نے کہا ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ اس سال مکّہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کو مختلف سرداران قریش سے گفتگو میں زیادہ وقت لگ گیا۔ مسلمان یہ سمجھے کہ حضرت عثمان غنی شہید کر دیئے گئے۔ ورنہ وہ اب تک واپس آجاتے۔ مسلمانوں میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی اور مسلمانوں میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ان سے (حضرت، عثمان (رضی اللہ عنہٗ)) کے خون کا بدلہ لئے بغیر پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اور آپؐ نے ایک درخت سے تکیہ لگا کر جہاد کے لئے مسلمانوں کو بیعت کی دعوت دی۔ حدیبیہ میں موجود ہر ایک مسلمان نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ جنگ میں موت کو زندگی پر ترجیح دیں گے۔ اس بیعت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

"جب مسلمان درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر
رہے تھے۔ خدا ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان
کی ارادت و عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان عطا کیا

اور اس کے بدلہ میں ان کو سروست (خیبر کی) فتح دی۔

تاریخ اسلام میں اس بیعت کو "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے۔ جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تو انہوں نے تلواریں میان سے نکال لیں اور جنگ کے لئے بڑھنے ہی والے تھے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان غنی رضؓ کے بعافیت وخیریت واپس آنے کی اطلاع ملی۔ یہاں پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضؓ نے بتایا کہ سرداران قریش کہتے ہیں کہ اس بار تو نہیں ہاں آئندہ سال سے مسلمان حرمت والے مہینوں میں حج وعمرہ کے لئے مکّہ آسکیں گے اس پیغام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا کہ قریش بہر حال آمادۂ مصالحت تو ہوئے۔ آپؐ نے مذاکرات جاری رکھنے کے لئے قریش کو پیغام بھجوایا کہ اپنا نمائندہ مصالحت کی گفتگو کے لئے بھیجیں۔ مکّہ سے سہیل بن عمرو آئے اور ان سے مصالحت کے امور و شرائط پر بات چیت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ ایک معاہدہ تیار کیا گیا۔ اس معاہدہ کی شرائط اور شقوں سے مسلمانوں کے دل ڈوب گئے اور ان کو یہ گمان گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہ مخواہ دب کر معاہدہ کیا ہے اور ایسی شرائط کو قبول کر لیا ہے جو شایانِ رسالت و نبوت نہیں ہیں اور مسلمانوں کے اقتدار ایمانی پر اس سے ضرب پڑ رہی ہے۔ اگرچہ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اس لئے کوئی غلط قدم نہیں اٹھائیں گے تاہم معاہدہ کی شرائط بظاہر ایسی تھیں جن کو مسلمان اپنے لئے موجب ننگ و عار سمجھ رہے تھے ایس موقع پر حضرت عمرؓ کے ضبط وصبر کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا! کیا ہم مسلمان حق پر نہیں؟ اور دشمن باطل پر نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بیشک مسلمان حق پر ہیں اور دشمن باطل پر! حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول برحق نہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ بیشک وہ خدا کے رسول برحق ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیسی ؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے عمرؓ! ضبط وتحمل سے کام لو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی سوالات کئے تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

الغرض معاہدہ لکھا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ معاہدہ کے آغاز میں لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اہل مکّہ نے اعتراض کیا کہ ہم "رحمٰن، رحیم" کے قائل نہیں! صرف "باسمک اللھم" لکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایسا ہی لکھو جیسا یہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو یہ معاہدہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہے۔ سہیل نے حضرت علیؓ سے کہا قلم روک لو! ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ لکھا جائے اور رسول اللہ مٹایا جائے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں یہ الفاظ نہیں مٹا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیئے۔ معاہدہ میں تحریر

کے لئے جو شرائط طے ہوئیں، وہ یہ تھیں۔

۱: فریقین ایک دوسرے سے دس سال (بعض روایات میں دو سال) تک جنگ نہیں کریں گے۔
۲: قریش مکہ سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر "مدینہ" پہنچ جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس لوٹانا ہوگا۔
۳: مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے۔
۴: اہل عرب ان فریقین میں سے جس سے چاہیں معاہدہ کر سکتے ہیں۔ دوسرا فریق اس میں حائل نہ ہوگا۔
۵: مسلمانوں کو اس مرتبہ طواف و زیارت کعبہ کئے بغیر ہی مدینہ واپس لوٹنا ہوگا۔
۶: مسلمان آئندہ سال مکہ میں ان شرائط کی پابندی کے ساتھ طواف کعبہ کے لئے آ سکتے ہیں کہ:۔

الف: اسلحہ میں صرف تلوار ہو اور وہ بھی نیام میں۔
ب: مسلمان تین روز سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کر سکیں گے۔

معاہدہ کا سرنامہ لکھا جا چکا تھا اور دوسری شرائط معرض تحریر میں لائی جانے والی تھیں اور سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے نمائندگی کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ ان کے صاحبزادہ "ابو جندل" کفر سے بیزار ہو کر اس عالم میں اس جگہ آئے کہ بیڑیاں پاؤں میں پڑی تھیں۔ قریش نے انہیں اسلام لانے کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ وہ موقع پا کر بھاگ نکلے اور سیدھے حدیبیہ پہنچے۔ سہیل نے اپنے بیٹے ابو جندل کو دیکھا تو بے تحاشہ ان کو پیٹنے لگا اور سہیل نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ معاہدہ کی رو سے ابو جندل کو واپس کیا جائے۔ معاہدہ چونکہ ابھی تحریر میں نہیں لایا گیا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانونی، اخلاقی اور سیاسی طور پر ابو جندل کو اپنے پاس روک سکتے تھے۔ ابو جندل کی حالت اور مسلمانوں کی چاہت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ انہیں واپس نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے دل ابو جندل کی حالت دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جا رہے تھے۔ ادھر ابو جندل نے بڑی دردمندی سے کہا کہ مسلمان بھائیو! میں بے پناہ تکلیفیں اٹھا چکا ہوں۔ مجھے دشمنوں کے حوالے نہ کرو۔ ان کی اس حالت سے مسلمان انتہائی مضطرب اور بے چین دکھائی دیتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی کو ہمت نہ تھی کہ کچھ کہہ سکے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یکایک ارشاد فرمایا۔

"ابو جندل صبر کرو۔ اللہ بہت جلد تم لوگوں کے لئے کشائش کی کوئی سبیل
نکال دے گا۔ قریش سے ہماری گفتگو مکمل ہو چکی ہے۔ اس میں فریقین نے
اللہ کو ضامن قرار دیا ہے۔ میں بدعہدی نہیں کر سکتا۔ تمہیں واپس جانا ہوگا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سن کر مسلمانوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر ان کو کیا خبر تھی کہ یہی فیصلہ دراصل مکہ کی فتح کا عنوان اور اس کی سرخی ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان شرطوں میں کوئی پریشان کن بات نہ تھی۔ البتہ

ظاہری الفاظ میں "سبکی" کا ایک پہلو تھا۔ اس موقع پر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کے جواب میں فرمایا تھا۔

> "میرا جو آدمی (ہم سے کٹ کر) مکہ جائے گا وہ ضرور منافق ہو گا۔ اس کا جانا ہی اچھا ہے۔ البتہ جس مسلمان کو ہم واپس کریں گے تو اس کے لئے خداوند کریم جلد ہی کشائش کا سامان کر دے گا۔"

ابو جندل کے واپس کئے جانے میں حکمت ملاحظہ ہو کہ انہوں نے زندانِ مکہ میں پہنچ کر اس طرح دین حق کی تبلیغ شروع کر دی کہ جو شخص بھی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا ابو جندل اسے توحید کا سبق دیتے۔ اللہ کی قدرت کہ ابو جندل اپنے ارادہ اور سعی میں کامیاب ہو جاتے اور وہ شخص مسلمان ہو جاتا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کو بھی ان کی طرح قید کر دیتے۔ اب یہ دونوں مل کر تبلیغ کا کام کرتے۔ الغرض اس ابو جندل کے قید ہو کر مکہ ہی میں رہ جانے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ایک سال کے اندر تقریباً تین سو اشخاص مسلمان ہو گئے۔

ایک اور واقعہ شرط نمبر ۲ کے ختم کرنے کا باعث بنا۔ ابو بصیرؓ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ قریش نے انہیں واپس لانے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے آنے کی (مدینہ) اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ابو بصیر! تم واپس جاؤ۔ ہم معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی نہ کوئی بہتر راستہ پیدا کر دے گا۔ چنانچہ ابو بصیر واپس چلے گئے لیکن راستہ ہی میں موقع پا کر کافروں میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ دوسرا فریاد لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ فوراً ہی ابو بصیرؓ بھی حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ میں معاہدہ کی رو سے واپس چلا گیا تھا۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک صورت نکال دی ہے اب میں مدینہ ہی میں رہوں گا۔ چنانچہ وہ "عمیص" چلے گئے جو مکہ اور شام کے راستہ میں ایک مشہور مقام ساحل سمندر کے قریب تھا۔ اس کے بعد ابو جندل اور دوسرے مسلمان بھی مکہ کی قید سے کسی نہ کسی طرح آزاد ہو کر رفتہ رفتہ ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے۔

بظاہر یہ شرط مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اذیت ناک معلوم ہوتی تھی لیکن مشیت الٰہی دیکھیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقفِ سرِ نہاں ہونے کی دلیل ہے کہ یہی شرط تبلیغ اسلام کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور بکار آمد ثابت ہوئی اور انجام کار یہی شرط قریش کے لئے اس درجہ مصیبت کا باعث بن گئی کہ انہوں نے تنگ آ کر خود ہی اس شرط کو ختم کر دیا گویا یہ شرط حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی تقویت و توسیع اور قریش کی پشیمانی کا باعث بنی۔

معاہدہ صلح حدیبیہ کی پہلی شق کے تحت ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں کے لئے اس اعتبار سے مفید تھا کہ وہ یہودیوں سے فیصلہ کن طور پر اسی وقت نبرد آزما ہو سکتے تھے۔ جبکہ مکہ کے محاذ کی

طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد مدینہ واپسی پر مسلمانوں نے خیبر کے قلعے فتح کر لیے جو یہودیوں کی طاقت کے اہم مرکز تھے۔ یہودیوں کے مسئلہ سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامۃ الناس میں تبلیغ اسلام کیلئے امن وامان کی فضا درکار تھی۔ جنگ وجدل کی حالت میں نہ تو مؤثر اور کامل انداز میں تبلیغ ہو سکتی تھی اور نہ لوگ ٹھنڈے دل سے دین برحق کے حقائق پر غور وفکر کے لیے تیار ہو سکتے تھے امن وامان کی حالت ہی میں اور امن وامان کی فضا میں ہی باہمی تعلقات استوار بھی ہو سکتے ہیں اور نئے تعلقات پیدا بھی کئے جا سکتے ہیں اور دوسروں کو اپنے نقطۂ نظر سے متاثر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد تبلیغ اسلام کا کام ایک نئے ولولہ اور زور وشور کے ساتھ اس طرح شروع ہوا کہ دو سال کے عرصہ میں اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی وہ پچھلے اٹھارہ برس میں بھی نہ ہو سکی۔ عمرو بن العاص اور خالد بن الولید جیسی کئی مقتدر اور ممتاز شخصیتیں واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ دوسری طرف اس امن وامان سے یہ فائدہ ہوا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیرونی ممالک کے امراء اور رؤساء کو بھی اسلام کی طرف دعوت دینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ معاصر سلاطین اور امراء کو تبلیغی دعوت نامے صلح حدیبیہ کے بعد ہی لکھے گئے اس کے علاوہ امن وامان کے اس عرصہ میں معاشرتی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ کی گئی۔ معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے جو شخص مرتد ہو کر مکہ چلا آئے۔ وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ مرتد لوگ اسلام کے لئے بے مصرف ہی نہیں بلکہ مضرت رساں بھی تھے اس لئے یہ شرط مسلمانوں کے مفاد کے عین مطابق تھی کہ جسے اسلام پسند نہیں اس کا اسلامی معاشرہ میں کیا کام؟ معاہدہ کی ایک اہم شق یہ بھی تھی کہ عرب قبائل فریقین میں سے جس سے چاہیں معاہدہ کر سکتے ہیں۔ دوسرا فریق اس معاہدہ میں مزاحم نہیں ہو گا۔ اس شق کے ذریعہ پہلی بار اہل مکہ نے مسلمانوں کی سیاسی طاقت اور حیثیت کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا ورنہ اب تک انہیں باغی وسرکش سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی لیکن اب برابر کا حق تسلیم کیا گیا اور ایک ایسی طاقت تسلیم کر لیا گیا جس سے دوسرے عرب قبائل معاہدہ کر سکتے ہیں اور یہ معاہدہ کی ایک بڑی اہم شق تھی کئی عرب قبائل ایسے تھے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ وجدل نہیں چاہتے تھے اور ان کے ساتھ مصالحت سے رہنا ان کو زیادہ پسند تھا لیکن قریش کی وجہ سے وہ اب تک مجبور رہتے۔ اب ان قبائل کو یہ حق مل گیا کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کر سکتے تھے چنانچہ صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ معاہدہ کی ایک شق کی رو سے مسلمانوں کو یہ حق بھی مل گیا تھا کہ وہ آئندہ سال زیارت کعبہ کے لیے مکہ آ سکیں گے اور یہ واقعی فتح مبین تھی بلاشبہ اس سال وہ زیارت کعبہ سے محروم رہے لیکن وقتی محرومی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ایک سال کا عرصہ قومی اور سیاسی زندگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا دوسرے سال ۷ھ میں مسلمان بڑی شان وشوکت سے مکہ آئے۔ اس منظر نے اہل مکہ کو بے حد متاثر کیا اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی عظمت کا نقش مرتسم ہو گیا۔ یہ اعلیٰ مقصد جنگ وجدل کی حالت میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور مسلمانوں کے بلند کردار اور اعلیٰ سیرت کے نقوش ان کے دلوں پر مرتسم نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض معاہدہ کی ہر شق جو بظاہر مسلمانوں کے حق میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ دراصل مسلمانوں کی فتح کا ایک عنوان بن گئی اور تاریخ نے دیکھ لیا کہ کس طرح صلح حدیبیہ فتح مکہ یا فتح مبین پر منتج ہوئی۔

معاہدہ حدیبیہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی، تدبر و فراست، حکمت اور پیش بینی کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اور میزانِ اعتدال کا ایک شاہکار ہے جس کے دور رس نتائج اور شاندار کارناموں پر عقل حیران ہے اور تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے میں بالکل سادہ اور صاف ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ابو جندل اور ابو بصیر جیسے خستہ تباہ حال مسلمانوں کی حالت ظاہری سے دوسرے مسلمانوں کی طرح متاثر ہو کر میزانِ اعتدال سے سرِ مو بھی انحراف فرماتے تو دلجوئی، دست گیری اور رحمدلی کی تاریخ میں اس کو ایک بلند مقام حاصل ہوتا۔ لیکن عقل و دانش، فراست و تدبر، دور بینی و دور رسی اور فہم رسالت و نبوت سے برآمد ہونے والے یہ شاندار نتائج کبھی تاریخ اسلام کے صفحات پر ثبت نہ ہوتے۔

فتح مکہ اور عام معافی

حدیبیہ کے معاہدہ کی چوتھی شق تھی کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ کو یہ اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہے معاہدہ دوستی کر لے اور اس کا حلیف بن جائے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ دوستی کر لیا تھا اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔ یہ دونوں قبیلے مدت سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آ رہے تھے۔ صرف مسلمانوں کی مخالفت نے انہیں ایک دوسرے کے مقابل کچھ عرصہ کے لیے برسرپیکار ہونے سے روک دیا تھا۔ ورنہ ان کی یہ دشمنی دیرینہ تھی۔ قریش مکہ اور مسلمانوں میں حدیبیہ کا صلح نامہ دس سال کے لیے تھا۔ اس طویل پرسکون وقفہ نے متحارب قبائل کے جنگی جذبات میں پھر ایک طوفان اور ہلچل پیدا کر دی اور ان دو جنگجو قبائل کو ایک بار پھر اپنی قدیم عداوتوں کو بروئے کار لانے کا موقع مل گیا۔ بنو خزاعہ کا مسلمانوں کا حلیف بن جانا، بنو بکر کو بہت شاق گذرا اور انہوں نے قریش مکہ کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بات بہت معمولی سی تھی مگر ان کی حیلہ جو طبیعت نے بازار کارزار گرم کر دیا۔ قریش کے امراء نے معاہدہ حدیبیہ کی اپنی پیش کردہ شرط کا لحاظ نہیں رکھا اور کھل کر بنو بکر کی مدد کرنے لگے۔ چونکہ تمام عربوں کے نزدیک حرم کعبہ کا امن کا مقام تھا اس لیے خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لے لی لیکن سردار نوفل کے اکسانے پر کہ بنو خزاعہ کے قتل کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ حرم میں ان کا بے دریغ خون بہایا گیا جو لوگ قتل ہونے سے کسی طرح بچ گئے وہ بھاگ نکلے اور مدینۃ الرسول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قریش کے ظلم و ستم سے بھری داستان سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے بہت دکھ ہوا۔ چونکہ قریش نے معاہدۂ حدیبیہ کی کھلی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کو خود دعوتِ مبارزت دی تھی اس

ـلئے معاہدہ کے مطابق قریش کے خلاف اب تلوار اٹھانا بالکل درست تھا لیکن بانیہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوئے صلح جوئی کی بنا پر قریش کی جانب ایک قاصد ایک شرط نامہ کے ساتھ روانہ کیا جس میں قریش سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط منظور کرلیں۔ ورنہ پھر ہم مسلمان تلوار اٹھانے پر مجبور ہوں گے۔

۱: بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔
۲: قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳: اعلان کیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ چکا ہے۔

اس کے جواب میں قرعہ بن عمر نے قریش کی طرف سے تیسری شرط جو لفظاً بہت معمولی سی بات نظر آرہی تھی، منظور کرلی۔ مسلمان کا قاصد یہ جواب لیکر جب چلا گیا تو قریش کو احساس ہوا کہ انہوں نے تیسری شرط منظور کر کے سخت غلطی کی ہے فوراً ابوسفیان کو بھیجا کہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرآئیں۔ مدینہ پہنچ کر ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تجدید معاہدہ کی گذارش کی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان نے خود ہی اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے یہ اعلان کر کے وہ واپس مکہ چلا آیا۔ ابوسفیان نے جب واپس جاکر قریش سے صورت حال بیان کی تو سب نے یہی کہا کہ یہ نہ تو صلح ہے جس پر ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ جنگ کا اعلان ہے کہ جنگ کی تیاری کی جائے۔ چونکہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کو خود ہی فسخ کر دیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی خزاعہ کے مقتولین کا بدلہ لینا تھا لہٰذا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے حلیف اور دوست قبائل کو اطلاع بھیج دی کہ وہ آکر اسلامی لشکر سے مل جائیں۔ اور رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار صحابہ کی مسلح فوج کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کے دل میں اپنی بدعہدی سے اس برے دن کے پیش آنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کی فوجی طاقت اور تعداد معلوم کرنے کے لئے ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا۔ ان جاسوسوں نے رات کے وقت اسلامی لشکر کو میلوں تک پھیلا ہوا دیکھا۔ جابجا آگ روشن تھی اور یہ لوگ اس روشنی میں فوج کا جائزہ لے رہے تھے لیکن یہ دونوں جاسوس مسلمانوں کی نظروں سے نہ ہٹ سکے اور اسلامی لشکر کے ہاتھ آگئے۔ اس موقع پر ابوسفیان کو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت عباسؓ نے بعجلت تمام ابوسفیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تاکہ اس کے لئے طالبِ امان ہو سکیں۔ حضرت عباسؓ کو اندیشہ تھا کہ کوئی ابوسفیان کو قتل نہ کر دے۔ جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ تیزی سے بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پہلے سے پہنچ کر ابوسفیان کے قتل کی اجازت نہ لے لیں۔ اس لئے حضرت عباسؓ نے بارگاہ نبوی میں جلدی سے پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی تمہید کے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ابوسفیان کو امان دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے تم اپنی قیام گاہ پر لیجاؤ اور صبح کو میرے پاس لانا (سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سلاطین زمانہ کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ میرے حضور میں پیش کرنا۔

حضرت عباسؓ صبح کو ابوسفیان کو لیکر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ابوسفیان سے فرمایا۔ اے ابوسفیان کیا تمہارے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم! اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو آج میرے کام آتا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوسفیان کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر لو! ابوسفیان بولا! البتہ اس معاملہ میں ابھی میرے دل میں شک ہے اور شبہ باقی ہے۔

مسلمانوں نے مکہ میں فوج کے داخلہ سے پہلے ابوسفیان کو بہ لطائف الحیل اس طرح حراست میں رکھا کہ اسے محسوس تک نہ ہونے دیا کہ وہ حراست میں ہے۔ صبح کو مسلمان مکہ میں شاندار انداز سے داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت عباسؓ، ابوسفیان کو ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے تاکہ وہ اسلامی فوج اور اسلام کی عظمت کا منظر دیکھ لے۔ اسلامی لشکر کے دستے بڑی آن بان سے اس کے سامنے سے گذر رہے تھے اور وہ حیرت زدہ حضرت عباسؓ سے ان کے متعلق سوالات کر رہا تھا۔ آخری دستہ سعد بن عبادہ کا جب گذرا تو انہوں نے بلند آواز میں کہا کہ آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے آج کے دن کعبہ کا ماحول معرکہ کے لئے کھول دیا جائے گا. سب سے آخر میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری گذری۔ جس کے آگے زبیر بن العوام علم اٹھائے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سعد بن عبادہ کے نعرہ کا علم ہوا تو فوراً ان سے علم لیکر ان کے بیٹے کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ نہیں!! "آج کا دن کعبہ کی عظمت کے اظہار کا دن ہے۔ اور عفو و درگذر، وفا اور کرم کا دن ہے"

اس ایک فقرہ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فاتحانہ حکمت عملی کا اعلان کر دیا جو عفو و کرم پر مبنی تھی اور پھر یہ اعلان عام بھی کر دیا کہ جو کوئی بھی مسجد حرام میں داخل ہو گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا یا جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اور جو کوئی بھی ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔ اس کے لئے امن و امان ہے۔

ابوسفیان اسلام کا وہ دشمن ہے جس نے کئی بار مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی۔ سارے عرب کو ان مظلوموں کے خلاف مشتعل کیا جو اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت برحق کا اعلان کرتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی ناپاک سازشوں میں اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی آج بے یار و مددگار لشکر اسلام کی حراست میں ہے اس کا ایک ایک جرم سزائے موت کا داعی ہے۔ لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے امان دے کر دعوت اسلام دیتے ہیں اس لئے کہ دعوت اسلام کی بنیاد قتل و غارت، خونریزی و انتقام، ظلم و بربریت اور جنگ و جدال پر نہیں تھی بلکہ محض احکام الٰہی کی اشاعت و تبلیغ اور حق کی اعانت و حمایت پر تھی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے روز و شب کا یہی محور تھا اور عامۃ المسلمین کی زندگی اسی میں محصور و محدود تھی۔

حضور کے چچا حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو سمجھایا اور ترغیب دی اور کہا کہ ہٹ دھرمی چھوڑ دو اور اسلام قبول کر لو

ورنہ تم زندہ نہ بچ سکو گے۔ ابوسفیان اپنی سابقہ گستاخیوں، ناانصافیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی وجہ سے یہ سمجھ رہا تھا کہ آج کے دن اسے معافی ملنا محال ہے۔ ابوسفیان نے عالم یاس میں کہا کہ اگر معافی نہ ملی تو میں بال بچوں کو عرب کے آتشیں ریگستانوں میں لے جاؤں گا۔ جہاں ہم سب بھوک پیاس سے مر جائیں گے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے الفاظ میں طلب عفو کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا "!

تاللہ لقد آثرك اللہ علینا وان کنا لخاطئین ۝ (سورہ یوسف) بخدا اللہ نے آپ کو برتری بخشی اور واقعی ہم خطاکار تھے۔ اس کو سن کر سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے دیا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۝

"تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے، خدا تمہیں معاف کرے وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ابوسفیان کو معافی دی بلکہ اس کی قومی سرداری اور سرداری کا بھرم رکھنے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے۔ اسے بھی امان ہے۔"

عفو و درگذر کی ایسی عظیم مثال کیا تاریخ عالم کے کسی ورق پر ثبت ہے؟ نہیں واللہ نہیں !!!!

فتح مکہ سے کچھ ہی قبل ایک اور ایسا عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا کہ اگر رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی اور صاحبِ اقتدار یا رئیس قوم ہوتا تو یقیناً حاطب ابن ابی بلتعہ کو قتل کر دا دیتا۔ ہوا یوں کہ حاطب کے اہل و عیال مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور چونکہ ان کا کوئی قبیلہ حمایتی اور حلیف نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے اہل و عیال کی بہبود کے خیال سے مدینہ کے مسلمانوں کی تیاری کا حال ایک خفیہ خط کے ذریعہ قریش کو لکھ بھیجا تاکہ وہ اس احسان کی بنا پر ان کے اہل و عیال سے تعرض نہ کریں اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس اطلاع کے باوجود اسلامی فوج کی فتح یقینی ہے اور ان کا خط نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بڑا نقصان اسلام کو نہ پہنچا سکے گا حالانکہ یہ ایک جاسوسانہ کارروائی اور دشمن دوستی کی دلیل تھی۔ ہم کو اس واقعہ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ کس طرح خارجی حالات اور ذہنی تاثرات کے دباؤ میں آکر کبھی کسی صالح انسان سے بھی سخت ترین لغزش ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خفیہ خط کا علم ہو گیا لیکن آپ نے اتنی بڑی خطا سے بھی اس لئے چشم پوشی فرمائی کہ حاطب مخلص تھے۔ بدری صحابی تھے۔ ایمان اور حسن کردار رکھتے تھے۔ اور ان کی اسلام دوستی بہت سے معرکوں میں پرکھی جا چکی تھی۔ منافقت کا ان میں شائبہ بھی نہ تھا۔ بہ تقاضائے بشریت اور وفورِ محبت عیال میں ان سے یہ خطا سرزد ہو گئی تھی۔

آج کے دور جدید میں اگر اس قسم کا واقعہ رونما ہو جائے تو ایسا مجرم چاہے کتنا ہی با اخلاق، محب وطن اور

مخلص ہی کیوں نہ ہوتا سزا سے موت سے نہیں بچ سکتا تھا، لیکن محسن انسانیت، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو و درگذر اور کرم تھا۔ کہ انہیں معاف کر دیا   تاریخ انسانی عفو و درگذر اور اخلاص کی کیا کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اے مدبرین زمانہ! اے صبر و ثبات کی تاریخ لکھنے والو۔؟ تدبر اور معاملہ فہمی کا مظاہرہ دیکھنا ہو تو حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ دیکھو۔ صبر و استقامت، عزم و ہمت کی عظمتیں دیکھنی ہوں تو شعب ابو طالبؓ کے تین سال سامنے رکھو!

اے عزم و استقلال کی بلند قدروں کی وضاحت کرنے والو؟ مستقل مزاجی اور صبر و رضا کی کیفیت دیکھنا ہو تو وہ وقت یاد کرو جب ایک ہی سال میں آپ کے رفیق و شفیق چچا حضرت ابو طالب اور ہمراز و دمساز حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو آپ کے غموں کے ساتھی اور دکھوں میں تسلی و تشفی دینے والی تھیں رخصت ہو گئیں۔ اور آپؐ نے ان پر صبر کیا تحمل، نرم خوئی، غیرت ایمانی دیکھنا ہو تو آپ کے سفر طائف کا مطالعہ کرو۔ اس جگہ اگر پہاڑ بھی ہوتا تو اپنی جگہ سے سرک جاتا۔ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر ارشاد فرمائیں تو چند لمحوں میں پوری بستی کو تباہ کر دیا جائے۔ لیکن آپ کی رحمت و رافت اس کو گوارا نہیں کرتی۔ حکمت و دانائی، صلح جوئی، دور بینی، مصلحت کوشی اور بردباری کا نظارہ کرنا چاہو، تو صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے جو تدبر دکھایا وہ سامنے رکھو۔ عفو و درگذر، شرافت و شجاعت، صلح جوئی اور نرم مزاجی کی مثال ڈھونڈنی چاہو تو فتح مکہ کے موقع پر اس فاتح عظیم کے کردار کو دیکھو! جس نے لوگوں کے دل جیتے اور اپنے سخت ترین دشمنوں کو معاف کر کے محبت و آشتی کا نہ صرف پیغام دیا بلکہ اس کے سرمدی اور ابدی نقوش تاریخ عالم پر ثبت کر دیئے۔

(صلی اللہ علیہ وسلم)

سرورِ عالمؐ نازک لمحات کی میزان پر

عبدالوہاب حجازی

روئے زمین پر نوعِ انسانی کی آفرینش کے آغاز ہی سے خالقِ عالم نے اس کو مقصدِ تخلیق سے مربوط رکھنے کے لئے رشد و ہدایت کا ایک منظم سلسلہ رکھا ہے۔ یہ منصبِ رسالت کا سلسلہ ہے جو ایک مقدس ترین فریضہ اور نوعِ انسانی کے لئے خالق کی طرف سے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ یہ اپنی عظمت کے اعتبار سے اہم اور نازک بھی ہے نوعِ انسانی کی ہر قوم اور اس کا ہر دور منصبِ رسالت کے حامل برگزیدہ انسانوں سے فیض یاب ہوتا رہا ہے۔ یہ انبیاء و رسل اعلیٰ ترین بشری صفات کے حامل اور اپنے اپنے دور کے انسانِ کامل تھے۔ منصبِ رسالت کے حصول میں کسب کا قطعی دخل نہیں۔ یہ خالص وہبی اعزاز ہے جو خدا نے انہیں ان کے کمالِ ظاہر و باطن کے سبب عطا فرمایا۔ جملہ انبیاء و رسل ایک دین، ایک راہ یعنی اسلام کے داعی تھے۔ بعد کے آنے والے ہر نبی نے اپنے پیش رو نبی کے گم گشتہ راہ پیروکار یا عام انسانوں کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا اور ان کے بگاڑ کی اصلاح کی سعی کی۔ اس سلسلہ کے سب سے آخری نبی اور رسول سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے منصب کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ آپ کے پیغام کی مخاطب پوری نوعِ بشر ہے جو رنگ و نسل، قوم و وطن اور جدید و قدیم کی ہر بندش سے آزاد ہے اس پیغام کو انسانی دنیا میں کمال بے غرضی سے آپؐ نے عملاً نافذ فرمایا۔ اعلیٰ انسانی اقدار کے بجائے پست و محدود اقدار پر یقین رکھنے والے انسانوں نے پیش رو انبیاء کی طرح آپؐ کے پیغام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ استہزاء و استخفاف، دشمنی و عداوت اور جنگ و جدل کے ہر ممکن وسائل آپؐ کے مقابلہ میں استعمال کئے گئے۔ قید و بند، سماجی، معاشی اور سیاسی مقاطعہ، قتل کی کوشش میں انتہا پسندانہ کارروائیاں آپؐ کے ساتھ انجام دی گئیں لیکن یہ ایک خدائی منصب کا فریضہ تھا جسے آپؐ کو لازماً ادا کرنا تھا اور آپؐ نے یہ فریضہ خدائی تحفظ کے ساتھ اپنی اعلیٰ ترین بشری صفات کے ذریعہ کامل طور پر ادا فرمایا۔

زیرِ نظر مقالہ میں یہ جائزہ مقصود ہے کہ آپؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے سفر میں نازک ترین مواقع پر کس طرح اپنے منصب کو نبھایا اور حالات کا معتدل، راست اور نتیجہ خیز حل فرمایا۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے محاصرہ شعب ابی طالب کا جائزہ لیں گے

زندانِ شعب ابی طالب

مشرکین کی طرف سے رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب کی بے پناہ ایذا رسانی کے باوجود اسلام کی مقبولیت کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا۔ ابوبکرؓ و عثمانؓ کے علاوہ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے بارعب قریشی اسلام لا چکے تھے۔ سرزمین مکہ کے تنگ ہونے پر پڑوسی ملک حبشہ میں مسلمانوں کو باطمینان جائے پناہ مل گئی تھی جسے قریشی سخت خطرہ تصور کرتے تھے اس لئے

رسول اکرمؐ، آپؐ کے خاندان اور آپؐ کے اصحاب کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تمام قبائل نے ایک بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا اور اسے کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ معاہدہ نامہ میں درج ذیل باتیں لکھی گئی تھیں

- محمدؐ کے خاندان بنی ہاشم سے کوئی رشتہ ناطہ قائم نہیں کیا جائے گا
- ان سے خرید و فروخت کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔
- نہ ان سے کوئی ملے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھیجے گا۔

اس مقاطعہ کے سبب سے آپؐ اپنے اصحاب اور خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ جہاں مسلسل تین سال آپؐ کو رہنا پڑا۔ یہ مدت نظر بندی انتہائی صبر آزما اور مشکل تھی۔ اصحاب رسولؐ کہتے ہیں کہ ہم سوکھے چمڑے بھگو کر پی لیتے اور پتے کھا کھا کر اپنی گرسنگی بجھاتے تھے۔ بچے بھوک اور پیاس سے تڑپتے اور روتے تھے جس کی آواز گھاٹی سے باہر سنائی دیتی تھی جسے سنگ دل کافر سن کر خوش ہوتے تھے

حج کا زمانہ امن کا وقت ہوتا ہے عرب اس وقت اس طرح کی باتوں سے دست کش ہو جاتے تھے لیکن آپؐ کے ساتھ کافروں نے یہ سہولت بھی روا نہ رکھی۔ آپؐ تبلیغ کے لئے جاتے تو آپؐ کا چچا ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا اور آپؐ کے وعظ کے اثر کو ختم کرنے کی سعی کرتا اور مسلمانوں کے ساتھ لین دین سے دوسروں کو روکا جاتا۔

اس وحشیانہ برتاؤ سے بنو ہاشم کے کچھ قرابت مندوں ہشام عامری اور زہیر وغیرہ کے دلوں میں رحم کا جذبہ بیدار ہو گیا اور کچھ دوسرے لوگ جیسے مطعم بن عدی، ابوالبختری، ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود بھی ان کے ہمنوا ہو گئے۔ یہ ہتھیار بند ہو کر معاہدہ چاک کرنے کے لئے خانہ کعبہ گئے، ابوجہل آڑے آیا لیکن معاہدہ چاک کر دیا گیا۔ قدرتی طور پر دانائی کی ایک شکل یہ بھی ظاہر ہو گئی کہ پورے معاہدہ کو اللہ کے نام کے سوا دیمکوں نے چاٹ لیا تھا [۷۱]

- محاصرہ و مقاطعہ پورے تین سال قائم رہا اور انتہائی جاں گسل مشکلات کے ساتھ لیکن آپؐ نے صلح کی کوئی دوسری سبیل تلاش نہیں کی بلکہ موسم حج میں اگر دوسروں سے ملنے کا موقعہ ملا بھی تو آپؐ نے ان سے تبلیغ اور دعوت دین ہی کی بات کی۔ اس سے آپؐ کی بے مثال عزمیت اور ناقابل تسخیر استقلال نمایاں ہے کیونکہ ایسے مواقع پر عام انسان صبر و استقلال سے دست کش اور کسی متبادل پر امن طریقہ کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ مقصد کیا ہے، مصائب کے سامنے اسے فراموش کر دیتا ہے۔ اس موقع پر آپؐ کے استقلال نے اسلام اور مسلمانوں کی روحانی عظمت کا پرُ وقار رحب جا سارے عرب میں عام کر دیا اور لوگوں کے دل و دماغ کاروبار نبوت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

---

۷۱ ابن ہشام ۲/۳، ۱۷، ۱۹ ابن سعد ۱/۲۰۸، ۲۱۰ البدایۃ والنہایۃ ۳/۹۵، ۹۷

طائف کا تبلیغی سفر

سنہ۱۰ نبوت میں ابوطالب اور خدیجہؓ کے انتقال سے ایک بڑا مادی اور دنیاوی سہارا ٹوٹ گیا۔ کفار کی جرأتیں بڑھ گئیں۔ وہ کھلے بندوں آپ کو ستانے لگے لیکن اس سے آپؐ کے عزم و حوصلہ پر کوئی اثر نہ تھا۔ آپؐ مکہ سے طائف کی راہ میں مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے طائف تشریف لے گئے۔ سرد پہاڑی پر آباد اس سرسبز شہر کے اندر بڑے بڑے رئیس اور امیر بستے تھے لیکن ان میں غرور کی صفت پائی جاتی تھی۔ آپؐ وہاں کے معزز سردار مسعود، عبد یالیل اور حبیب سے ملے اور انہیں دعوت اسلام دی لیکن ان کے جواب بڑے حوصلہ شکن اور عبرت خیز تھے مزید یہ کہ آپؐ جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے آپؐ کے پیچھے شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں کو لگا دیا جو آپؐ کو پتھر مارتے تھے جس سے آپؐ کے جوتے خون سے بھر گئے آپؐ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے اور پھر پتھروں کی بارش ہونے لگتی۔ ایک بار آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ زیدؓ بن حارثہ نے جو ساتھ میں تھے آپؐ کو پیٹھ پر اٹھایا۔ باہر لا کر پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا۔

یہ اوباش گالیاں دیتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ ناچار آپؐ نے ایک باغ کے احاطہ میں پناہ لی۔ باغ کے مالک عتبہ بن ربیعہ نے ازراہ شرافت ایک طشت میں اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپؐ کے پاس انگور بھجوائے۔ آپؐ نے عداس کے حالات پوچھے اس نے کہا میں نینوی کا عیسائی باشندہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا سرزمین یونسؑ کے باشندے ہو، عداس کو آپ کے اس علم پر بڑی حیرت ہوئی اس نے کہا یہ بات یہاں کوئی نہیں جانتا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یونس میرے بھائی ہیں وہ اللہ کے نبی تھے۔ میں بھی اللہ کا نبی ہوں عداس نے جھک کر آپؐ کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیا۔ عتبہ غلام کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا اس نے بلا کر سرزنش کی۔ عداس نے کہا حضور آج روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کوئی انسان نہیں ہے۔

اتنی جانکاہ اذیتوں کے بعد آپؐ نے جو دعا مانگی وہ منصبِ رسالت کی ادائیگی کے جذبات سے لبریز ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں: اے خدا میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور تحقیر کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو کمزوروں کا رب ہے۔ تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ کسی بیگانہ یا دشمن کے جو مجھ پر قابو رکھتا ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پروا، نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے سب سے وسیع جائے پناہ ہے۔ میں تیرے روئے زیبا کے اس نور کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو۔ مجھے تیری ہی خوشی مطلوب ہے۔ ہر طرح کی قوت و طاقت تیرے ہاتھ میں ہے۔

حضرت جبریلؑ نے نازل ہو کر آپؐ سے عرض کیا خدا نے ہمیں آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ اہلِ طائف کے متعلق جیسا چاہیں حکم دیں اتنے میں پہاڑوں کا منتظم فرشتہ نازل ہوا اور عرض کیا آپؐ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کے درمیان اہلِ طائف کو پیس کر برباد کر دیا جائے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو توقع ہے کہ ان کی نسل اللہ اور رسولؐ

پر ایمان لائے گی۔ مسلم۔ ۱۷۱

ایک غریب الدیار انسان، ایک پیغمبر کے ساتھ معززین اہلِ طائف کا یہ برتاؤ تحقیر و تذلیل اور اذیت کی حدود کو پار کر چکا تھا۔ سرورِ عالمؐ نے خود اسے یومِ غزوۂ احد سے بھی زیادہ سخت بتایا ہے لیکن سب کچھ آپؐ نے بغیر کسی پروا کے برداشت فرمایا۔ اس موقع پر آپؐ کی زبانِ مبارک سے جو کلام نکلے ان سے قطعاً یہ مترشح نہیں ہوتا کہ آپؐ اپنے منصب اور دین سے دل برداشتہ ہوئے ہوں یا جس قوم کی طرف سے آپؐ کو اس تذلیل اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا اس کے حق میں فلاحِ دین و دنیا کے سوا کوئی اور بات آپؐ نے سوچی ہو۔ یہ سب کچھ آپؐ کے عدیم النظیر صبر و تحمل، انسانیت کی بے لاگ خیر خواہی، اللہ کی ذات پر یقینِ کامل کے نتیجہ میں آپؐ میں پائی جانے والی بے مثل روحانی طاقت کا آئینہ دار ہے۔

واقعۂ ہجرت

جب مسلمانوں کی اکثریت مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئی صرف معدودے چند اور معروف صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ ہی باقی رہ گئے۔ مشرکینِ مکہ نے دیکھا کہ ہجرت کر کے مسلمانوں نے اوس و خزرج جیسے ذی شوکت قبائل کی پناہ حاصل کر لی ہے تو انہوں نے آپؐ کے ہجرت کر نکلنے کو اپنے لئے ایک بڑی افتاد کا پیش خیمہ تصور کیا حالانکہ رسولِ اکرمؐ ابھی ہجرت کے لئے اذنِ الٰہی کے منتظر تھے۔ کافروں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر قصیٰ بن کلاب کے گھر - دار الندوہ - میں تمام قبائلِ ذکر سرداران قریش کی مجلس مشاورت منعقد کی مختلف رایوں کے بعد ابوجہل کی رائے بالاتفاق منظور کی گئی کہ: قریش کے تمام قبائل سے جوانمرد منتخب کئے جائیں وہ بیک وقت محمدؐ پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیں اس سے خون کی ذمہ داری تمام قبائل پر آجائے گی اور بنی عبد المناف سب سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

جبریلؑ نے آپؐ کو اس فیصلہ کی خبر دی آپؐ نے ابوبکرؓ کے گھر جا کر انہیں ہجرت کے لئے اذنِ الٰہی کا مژدہ سنایا ابوبکرؓ نے دو اونٹنیوں جو اسی روز کے لئے تیار کی گئی تھیں میں سے ایک کو آپؐ کی خدمت میں پیش فرمایا لیکن آپؐ اسے قیمت سے لینے پر راضی ہوئے۔

ہجرت کی شب آپؐ نے علیؓ کو اپنے بستر پر سونے نیز مکہ میں اپنے پیچھے ٹھہر جانے کا حکم فرمایا تاکہ آپؐ کے پاس موجود اہلِ مکہ کی امانتیں انہیں واپس کر دیں۔ حسبِ فیصلہ قریشی جوانوں نے رات کو آپؐ کا گھر آ گھیرا اور آپؐ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ رات کو رسولِ اکرمؐ باہر نکلے۔ دستِ مبارک میں خاکِ بطحٰی اور زبان پر سورہ یٰس کا ورد تھا۔ آپؐ نے یہ خاک محاصر جوانوں کے چہروں پر اڑائی اور بغیر اس کے کہ ان کی نظر آپؐ پر پڑتی بسلامتی نکل گئے - یٰس ۹ - آپؐ ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ زادِ راہ درست کیا گیا۔ اسماء بنت ابوبکرؓ نے کمر بند کے ٹکڑے کر کے

---

۱۷۱ ابنِ سعد ۱/۲۱۶، ۲۱۲ ابن ہشام ۲/۴۷، ۹۴ البدایۃ والنہایۃ ۳/۱۳۵، ۱۳۷

توشہ دان کا منہ باندھا اور شب کی تاریکیوں میں دونوں حضرات غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ۱۳ نبوت، ۲۷ صفر پنج شنبہ کا دن تھا۔ آپؐ نے مکہ کو الوداع کہتے ہوئے بڑی حسرت سے فرمایا تھا کہ اے مکہ مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے لیکن کیا کروں تیرے باشندے مجھے رہنے نہیں دیتے۔

صبح نمودار ہونے پر دشمنوں نے علیؓ اور اسماءؓ سے استفسار کیا۔ دونوں نے لاعلمی کا اظہار کیا جس پر انہیں دشمنوں نے زدوکوب کیا۔

غارِ ثور مکہ سے جنوب میں چار پانچ میل کی مسافت پر ہے۔ اس غار تک چڑھائی بڑا ہی مشکل کام تھا۔ ابوبکرؓ نے آپؐ کو اپنے دوش پر سوار کر لیا اور غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ غار انتہائی تاریک و پُرخطر، جہاں کبھی کسی انسان کا قدم نہ پہنچا ہو۔ ابوبکرؓ پہلے اندر داخل ہوئے اسے صاف کیا اور پھر یارانِ غار اس میں پناہ گزیں ہوئے برابر تین شب اس میں ٹھہرے، غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے انڈے دے دیئے۔

عبداللہ بن ابوبکر دن کو مکہ میں رہتے، رات کو غار میں آ جاتے اور مشرکین مکہ کی دن بھر کی کارروائیاں آپؐ کو سنا جاتے۔ اسماءؓ کھانا پکا کر رات کو غار میں پہنچا جاتیں۔ عبداللہؓ بن ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ رات کو بکریوں کا ریوڑ غار کے پاس لا کر حسب ضرورت دودھ دیتا اور عبداللہ بن ابوبکر اور اسماءؓ کے نقوش قدم بکریوں کی کھروں سے مٹاتا ہوا چلا جاتا۔

قریشی جوان ننگی تلواریں، لاٹھیاں اور نیزے لئے ہوئے مکہ کا گرد و نواح چھان رہے تھے۔ ایک بار وہ غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ رسول اکرمؐ محوِ نماز تھے۔ ابوبکرؓ پر شدید خوف کا عالم طاری تھا۔ وہ آپؐ سے قریب سمٹ آئے۔ آپؐ نے کمال استقلال سے سرگوشی کی۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ الغرض۔ قریشی جوان بیت عنکبوت اور بیضہ حمام کو دیکھ کر واپس ہو گئے کہ یہ چیزیں یہاں ان کے نہ ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔

تیسرے روز جب محسوس ہوا کہ مشرکین سکون پذیر ہو گئے تو حسب وعدہ عبداللہ بن اریقط آ گیا۔ یہ ایک ماہر دلیل راہ تھا، تھا تو مشرک لیکن قابل اعتماد تھا۔ یہ چوتھی شب تھی دونوں اونٹنیاں اس کے ساتھ تھیں۔ ایک پر آپؐ اور ابوبکرؓ دوسری پر ابن اُرلیقط اور ابن فہیرہ سوار ہوئے اور یکم ربیع الاول، یوم دوشنبہ ۱۳ نبوت کو غار سے نکل کر آپ سوئے مدینہ روانہ ہوئے۔

قریش نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ ایک آدمی نے آ کر بتایا کہ میں نے تین سواروں کو جاتے ہوئے دیکھا ہے میرا خیال ہے وہ محمدؐ اور اس کے ساتھی ہیں۔ سراقہ بن جعشم نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ فلاں قبیلہ کے آدمی ہیں اور خود گھر جا۔ ہتھیار بند ہو کر انعام کے لالچ میں آپؐ کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا وہ اپنا برق رفتار گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ کے قریب پہنچ گیا۔ اچانک گھوڑا ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس نے گھوڑے کو کھڑا کیا دوبارہ سوار ہو کر پھر تعاقب کیا۔ آپؐ قرآن کی تلاوت کرتے بڑے اطمینان سے چلے جا رہے تھے کہ ابوبکرؓ نے دشمن کے تعاقب کی

اطلاع دی۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ خدایا ہمیں دشمن سے بچا۔ دفعتہً سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا میں سمجھ گیا کہ تمہاری دعاؤں سے میرا یہ حال ہو رہا ہے میرے لئے نجات کی دعا کرو کہ میں واپس جاکر قوم کو تمہارے تعاقب سے باز رکھوں۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور سراقہ کو اس مصیبت سے نجات ملی۔ اس نے آپؐ سے پروانۂ امان لکھنے کی درخواست کی چنانچہ ابوبکرؓ نے ایک چمڑے پر نامۂ امان لکھا جو فتح مکہ تک اس کے پاس تھا۔

آپؐ کا دلیل راہ ابن ارلیقط معروف راستہ سے کترا کر ساحل سمندر کی راہ سے چل رہا تھا تہامہ کے تپتے ہوئے ریتیلے میدان کا یہ سفر بڑا دشوار گزار تھا۔ یہاں ان کے لئے کوئی ملجا و ماویٰ نہ تھا۔ صرف اللہ کا تقویٰ اور حق پر ایمان کی طاقت انہیں کشاں کشاں منزل مقصود کی طرف لئے جا رہی تھی۔ مسلسل سات دن اس طرح گزر گئے۔ راستہ میں پہلے دن ام معبد اور پھر بوسہم کے سردار بریدہ سے ملاقات ہوئی اور یہ آپؐ کے فیوض اور دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ۸ ربیع الاول کو آپؐ قبا میں وارد ہوئے۔ اہل یثرب نے جب سے یہ سنا تھا کہ آپؐ مکہ چھوڑ چکے ہیں وہ نماز صبح کے بعد سے لے کر دوپہر تک انتظار کرتے تھے پھر مایوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ جس روز آپؐ قبا پہنچے یہ لوگ ابھی یثرب واپس گئے تھے۔ دفعتہً ایک یہودی نے بلند آواز سے پکارا۔ اے لوگو تمہیں جن کا انتظار تھا وہ آ گئے۔ چنانچہ انصار ہتھیار بند ہو کر نعرۂ تکبیر پڑھتے ہوئے آپؐ سے ملاقات کے لئے امڈ پڑے۔ قبا میں آپؐ نے تین روز قیام فرمایا اس عرصہ میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی پھر ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ آپؐ یثرب میں داخل ہوئے۔ مدینہ میں آپؐ کا استقبال بڑا پرشکوہ تھا۔ پورا یثرب جوش و خروش سے آپؐ پر نثار ہو رہا تھا اور یثرب کے تمام باشندے نئے دور کی نوید سن رہے تھے [۱]

ہجرت کا یہ پرخطر اور زہرہ گداز مرحلہ آپؐ نے تقریباً نصف ماہ میں قطع کیا لیکن اس کشیدہ اور خون آشام فضا میں آپؐ نے جس حسن تدبیر، عزیمت و استقلال اور خود اعتمادی و خدا اعتمادی کا عملی نمونہ پیش فرمایا وہ ایک پیغمبر ہی کا کام ہے۔

آپؐ کو مکہ کے در و دیوار سے محبت تھی۔ خانہ کعبہ قبلہ عالم سے آپؐ کا شبانہ روز کا تعلق تھا۔ یہاں آپؐ کے خویش و اقارب اور بھائی بند رہتے بستے تھے۔ یہیں آپؐ بچے سے جوان ہوئے تھے اس لئے یہاں کے ہر ذرے اور ہر تنکے سے آپؐ کو تعلق خاطر تھا لیکن اہل مکہ کی تنگ ظرفی کے سبب اور پھر اذن الٰہی کی بجا آوری کے لئے آپؐ نے ان تمام محبتوں کو قربان کر دیا اذن ہجرت مل جانے کے بعد آپؐ کی عالی ہمتی اور شجاعت دیدنی ہے کہ دشمن گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کسی اور بات کے لئے نہیں بس قتل کرنے کے لئے لیکن آپ دشمن کے نرغے سے ان کے چہروں پر خاک اڑاتے ہوئے بے خوف و خطر نکل جاتے ہیں۔

ہجرت کا عظیم مرحلہ خون آشام فضاؤں میں درپیش ہے ابوبکرؓ سواری کے لئے ایک ناقہ کی پیش کش کرتے ہیں لیکن ایسے وقت میں بھی آپؐ قیمت ہی پر لینے کے لئے تیار ہوتے ہیں شرف رسالت کے تحفظ کی یہ ایک اعلیٰ مثال ہے۔

---

[۱] ابن ہشام ۹۰/۲، ۹۸ ابن سعد ۲۲۷/۱، ۲۳۴ زاد المعاد ۵۱/۳، ۵۸

مشرکین کے مسلح جوان آپؐ کی تلاش میں مکہ کا گرد و نواح چھان رہے ہیں۔ ایسے خطرناک حالات میں عبداللہ بن ابوبکر کی سراغرسانی، غار کے گرد و نواح میں عامر کی گلہ بانی۔ اسماء کی خور و نوش کے سلسلہ میں آمد و رفت اور ابن ارلیقط کی رہنمائی کے لئے تعیین آپؐ کے حسن تدبیر فراست، مقصد کی لگن اور خدا کی ذات پر کامل اعتماد کا واضح ثبوت ہے۔

دشمنوں کے غار کے دہانے پر پہنچ جانے کے بعد ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کے مقابلہ میں خدا کے دشمنوں سے آپؐ کی بے خوفی اور اللہ کی معیت کا یقین کامل رسولؐ کے غیر معمولی انسان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہجرت کی رات آپؐ کی شب خیزی، علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم اور آپؐ کے پیچھے اہل مکہ کی امانتیں ادا کرنے کے لئے مکہ ہی رک جانے کا فرمان، آپ کی غایت درجہ امانت داری اور دشمن سے عدم انتقام کا آئینہ دار ہے۔ ایسے مواقع پر عام انسان جو ہاتھ وہ ساتھ کا کردار پیش کرتا ہے لیکن ایک پیغمبر کا کردار ملاحظہ کیجئے کہ قتل کے در پے شمشیر بکف دشمنوں کو ان کی امانتیں واپس کر رہا ہے۔ فداہ امی و ابی

غار سے نکلنے کے بعد کمال اطمینان سے تلاوت قرآن اور ساتھیوں سے پرسکون گفتگو کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف آپؐ کی جادہ پیمائی اور انعام قریش کے حصول کے لئے طاقتور دشمن کا برق رفتاری سے آپؐ کا تعاقب اور پھر اس کی سب پر یادگار پروانہ امن کی تفویض آپؐ کی خدا اعتمادی اور خود اعتمادی، عالی ظرفی اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ہے۔

غزوۂ بدر

مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ تم محمدؐ کا خاتمہ کر دو ورنہ اس کے ساتھ تمہیں بھی برباد کر دیا جائے گا۔ جنگی نقل و حرکت کے طور قریشی جوان مدینہ کے گرد و نواح میں گشت کرنے اور مدینہ کی چراگاہوں کو نقصان پہنچانے لگے۔ مصارفِ جنگ کے لئے ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بھاری تجارتی قافلہ شام کی طرف بھیجا گیا جس میں تمام اہل مکہ کے زر و مال شامل تھے۔ اسی اثناء میں ابوجہل نے یہ افواہ اڑائی کہ مسلمان اس تجارتی قافلہ کو لوٹنے کی تیاری کر رہے ہیں چنانچہ قریش نے ایک ہزار کا لشکر تیار کیا جس میں سات سو اونٹ، تین سو گھوڑے اور چھ سو زرہ پوش تھے۔ بدر کے قریب قریش کو معلوم ہوا کہ قافلہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تو بنو زہرہ اور بنو عدی قریشی لشکر سے واپس ہو گئے لیکن بقیہ لشکر آخری فیصلہ کے لئے میدانِ بدر کے مناسب مقام پر اتر پڑا۔

آپؐ کو قریش کی تیاری کی جب اطلاع ہوئی تو صحابہ سے مشورہ فرمایا، تمام مہاجرین و انصار آپؐ کے اشارے پر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے چنانچہ تین سو تیرہ افراد پر مشتمل ایک معمولی لشکر لے کر آپؐ بدر تشریف لے گئے پورے لشکر میں دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ یہ ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں کا لشکر میدان کے جس حصہ میں اترا وہاں پانی کا چشمہ یا کنواں وغیرہ نہ تھا اور زمین بھی ایسی ریتلی تھی کہ پاؤں دھنس جاتے تھے۔ تائید غیبی سے بارش کا نزول ہو گیا۔ ریت جم گئی اور صحابہ نے پانی کے حوض بنا لئے — انفال ۲ — اس پانی سے آپؐ نے دشمنوں کو بھی فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔ تمام شب اصحاب کرام نے آرام کیا لیکن رسولِ اکرمؐ ساری رات مصروف دعا و عبادت رہے۔ نماز

فجر کے بعد آپؐ نے خطبہ جہاد سنایا اور میدان میں صفیں آراستہ کیں۔ اسی عرصہ میں دو صحابی کہیں سے آرہے تھے مشرکین نے انہیں روکا کہ محمدؐ کی مدد کے لئے جا رہے ہو انہوں نے انکار کیا اور عدمِ تعاون کا وعدہ کر لیا۔ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا وعدہ پورا کیا جائے گا۔ ہمیں صرف خدا کا تعاون مطلوب ہے۔ دو مقابل لشکروں میں کیا نقشۂ عبرت ہے ایک خدا کی راہ میں معروفِ جہاد ہے اور دوسرا منکر خدا ہے۔ قرآن۔ سرورِ عالمؐ میدانِ جنگ سے دور عریش کے ایک سائبان میں مصروفِ دعا ہیں کہ "خدایا! یہ مٹھی بھر جماعت اگر آج تباہ ہوگئی تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی"۔ کمالِ خضوع سے چادر آپؐ کے کندھوں سے سرک جاتی تھی حضرت ابوبکرؓ نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا: "اللہ کے رسولؐ خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا"۔ آپؐ نے مسلمانوں کو حملہ میں پیش قدمی کرنے سے روکا۔

دعوتِ مبارزت مشرکین کی طرف سے دی گئی اور پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ مشرکین کے بڑے بڑے سردار عتبہ ولید اور شیبہ باری باری میدان میں نکلے اور باترتیب حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ کی تلواروں سے مارے گئے۔ عام جنگ شروع ہوئی تو ابوجہل دو انصاری بچوں معاذ اور معوذ کی تلواروں سے مارا گیا

آپؐ نے جنگ سے قبل یہ بتا دیا تھا کہ قریشی لشکر میں کچھ لوگ بجبر لائے گئے ہیں ان سے درگزر کیا جائے۔ ایسے لوگوں میں ابوالبختری بھی تھا۔ انصار کے ایک حلیف مجذر نے اسے دیکھ لیا۔ بولے تجھے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس نے کہا اور میرے ساتھی کو بھی؟ مجذر نے کہا نہیں۔ بولا میں رفیق کا ساتھ چھوڑ کر طعنہ نہیں سننا چاہتا چنانچہ وہ خود مجذر پر حملہ آور ہوگیا اور بالآخر مارا گیا۔

عتبہ اور شیبہ جیسے سرداروں کے قتل سے مشرکین کے قدم اکھڑ گئے مسلمانوں کے صرف چودہ اشخاص نے جامِ شہادت نوش کیا اور مشرکین کے تمام بڑے بڑے سرداروں سمیت ستر آدمی مارے گئے۔ تاریخ کا تصرف ملاحظہ ہو دارالندوہ میں جتنے سردار آپؐ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔ تین کے علاوہ سب قتل ہو گئے لقیہ تینوں بعد میں مسلمان ہو گئے۔ مشرکین کے ستر آدمی گرفتار بھی ہوئے۔

اسیرانِ جنگ صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے۔ ان اسیروں میں مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بھی تھے ان کا بیان ہے کہ مجھے انصاریوں نے قید کیا تھا۔ جب یہ لوگ کھانا لاتے تو مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجوریں کھاتے تھے۔ میں شرم سے روٹی انہیں دے دیتا لیکن وہ کھائے بغیر مجھے واپس کر دیتے۔ سہیل بن عمرو بڑا زور آور خطیب تھا۔ آپؐ کے خلاف شعلہ بیانی کرتا رہتا تھا اسیروں میں یہ بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کہا اس کے دانت اکھڑوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں اس کے اعضا بگاڑ دوں گا تو اللہ تعالیٰ میرے اعضا کو بگاڑ دے گا۔

تمام اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا جو نادار تھے وہ یونہی چھوڑ دیئے گئے ان میں جو لکھنا جانتے تھے انہیں آپؐ نے حکم دیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

اسیروں میں آپؐ کے چچا عباس بھی تھے۔ انصار نے قرابت کے سبب ان کی معافی کی بات کہی۔ لیکن آپؐ نے

اسے ناپسند فرمایا چنانچہ انہیں بھی فدیہ دینا پڑا لیکن دوسرے پہلو سے ان سے آپؐ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے کراہنے کے سبب آپؐ کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ جب بندش کی گرہ ڈھیلی کی گئی تو سرورِ عالمؐ کو نیند آئی ۱؎

- جنگ بدر جس وقت لڑی گئی رسولِ اکرمؐ کے پاس اجتماعی طاقت قریش کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ خود مدینہ میں مشرکین اور منافقین کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ مدینہ کے گردونواح کے بیشتر قبائل قریش کے زیر اثر تھے۔ یہود بھی آپؐ کے مخالف تھے۔ ہجرت کے بعد سے جنگ بدر تک آپؐ نے گردوپیش کے قبائل کو حلیف بنانے یا غیر جانبدار رہنے کی سعی کی تھی۔ یہود اور مشرکینِ مدینہ سے بھی آپؐ نے معاہدۂ امن کیا تھا لیکن یہ کوشش ابھی ابتدائی مرحلہ میں تھی۔ عام مسلمان معاشی اور سیاسی حیثیت سے بالکل بے بس تھے۔ قریش کا مقصد جنگ بدر سے یہ تھا کہ مسلمانوں کو زور پکڑنے سے پہلے برباد کر دیا جائے لیکن رسول اکرمؐ قریش جیسی زبردست طاقت سے نبرد آزما ہونے کے لئے میدان میں اتر پڑے۔ آپؐ کا یہ عزم و حوصلہ اور جرأت و شجاعت انسانی تاریخ میں ایک نادرالوجود شے ہے۔
- قریش کے آمادہ جنگ ہونے کی خبر پا کر آپؐ نے اصحاب کرامؓ سے مشورہ طلب کیا اور اس کی روشنی میں قدم اٹھایا شوریٰ کا لحاظ منصبِ رسالت کے مقاصد سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ آپؐ نے مشورت کی راہ ترک کر کے آمریت کی راہ نہیں اپنائی۔
- میدانِ جنگ میں جو خطہ آپؐ کو حاصل تھا وہ جنگی مصالح کے اعتبار سے ناساز گار تھا۔ وہاں پانی کا بھی بندوبست نہ تھا۔ تائید غیبی سے بارش نازل ہوئی تو مشکلات حل ہوئیں ساقیٔ کوثر کا فیضانِ عام دیکھئے کہ اس پانی سے مستفید ہونے کی اجازت ان دشمنوں کو بھی دیتے ہیں جو میدانِ جنگ میں آپؐ اور آپؐ کے بے سروسامان ساتھیوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اترے تھے جانی دشمنوں کے ساتھ آپؐ کا یہ برتاؤ، فیاضی اور کشادہ دلی کا ایک بے مثال اسوہ ہے۔
- میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی قلت تعداد اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک نہتے مسلمان کے مقابلہ میں تین تین ہتھیار بند مشرک تھے۔ اس عالم میں دو صحابیوں کی آمد مزید تقویت کا باعث تھی لیکن کہیں ان دونوں نے مشرکین سے آپؐ کے ساتھ عدم تعاون کا وعدہ کر لیا۔ آپؐ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ وعدہ ضرور وفا کیا جائے گا اور اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ہمیں اللہ کے تعاون پر بھروسہ ہے۔ میدانِ جنگ میں انفرادی وعدہ کی پاسداری سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عہد و میثاق کے غایت درجہ وفا کرنے والے تھے جبکہ جنگ کا دوسرا نام دھوکہ اور فریب ہے۔
- میدان جنگ سے دور بھوس کے سائبان میں مصروف دعا ذات رسالت دشمنانِ دین و انسانیت کے لہو سے بھی اپنے ہاتھ رنگین نہیں کرنا چاہتی تھی، رسولؐ کی عصمت، پاکیزگی اور تقدس کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو گی۔
- آپؐ کو معلوم تھا کہ لشکر قریش میں بہت سے لوگ جبراً لائے گئے ہیں آپؐ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم فرمایا اس

۱؎ ابن ہشام ۲/۱۸۲، ۲۵۷، زاد المعاد ۳/۱۷۱، ۱۸۸، البدایہ والنہایہ ۳/۲۵۶، ۳۰۵، طبقات ابن سعد ۲/۱۱، ۲۶

سے معلوم ہوتا کہ آپؐ کو حالات سے گہری واقفیت ہوتی تھی اور ایسے مواقع پر آپؐ فراست اور حسن تدبیر کے نادر کارنامے انجام دیتے تھے

- اسیروں سے حسنِ سلوک کی آپؐ نے تاکید فرمائی جس سے مسلمانوں نے ایسے بے مثال برتاؤ کا مظاہرہ کیا کہ اسیروں کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔ زرِ فدیہ کی ادائیگی کی سکت نہ رکھنے والے قیدیوں کو بلا عوض چھوڑ دیا گیا بین الاقوامی قوانین کے لئے آپؐ کا یہ اسوہ قیامت تک کے لئے چراغِ راہ ہے۔
- انصار نے عباس کو بلا عوض چھوڑنے کا مشورہ دیا اس لئے کہ وہ انصار اور آپؐ دونوں کے قرابت دار تھے لیکن آپؐ نے قبول نہ فرمایا۔ دیگر اسیروں کی طرح انہیں بھی زر فدیہ ادا کرنا پڑا۔ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا اصول مساوات ہے جس میں خویش و بیگانے اور کہ ومہ یکساں ہیں جبکہ عام انسان دورِ اقتدار میں نسلی، نسلی اور خویش نوازی میں عموماً گرفتار ہو جاتا ہے۔

غزوۂ احزاب

یہودی قبیلہ بنو نضیر مدینہ سے نکلنے کے بعد خیبر میں آباد ہوا لیکن انہوں نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے تمام عرب قبائل کو متحد کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اس غرض سے وہ قریشیوں سے ملے جو پہلے سے تیار بیٹھے تھے پھر لالچ دے کر بنو غطفان کو تیار کیا جس کے ساتھ اس کا حلیف قبیلہ بنو اسد بھی تیار ہو گیا۔ بنو سلیم قریش سے قرابت کی بنا پر تیار تھے اور بنو سعد پہلے سے یہود کے حلیف تھے۔ ان سب پر مشتمل دس ہزار کا لشکر مدینہ کی سمت بڑھا۔

یہ خبریں آپؐ کو موصول ہوئیں تو صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کی رائے دی جسے پسند کیا گیا۔ مدینہ تین سمتوں سے نخلستانوں اور مکانات سے محصور تھا اس لئے شام کے رخ پر مدینہ کے گرد تین ہزار صحابہ کے ساتھ آپؐ نے خندق کھودنے کا کام شروع فرمایا۔ بیس دن میں پانچ گز گہری خندق دس آدمیوں پر دس گز کے حساب سے کھودی گئی۔ یہ ذی قعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے تین تین دن کے فاقے، سرما کی شدید سردی کے باوجود عام مسلمانوں کے ساتھ سرورِ عالمؐ بھی شبانہ روز مٹی پھینک رہے تھے۔

میدانِ جنگ میں صف آرائی ہوئی سلع پہاڑی کو آپؐ نے پشت کی جانب کیا۔ عورتوں کو شہر کے محفوظ قلعہ میں رکھا گیا۔ یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے آپؐ کا معاہدہ تھا لیکن اس موقع پر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اس سے مشرکین کی طاقت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اس جنگ میں مشرکین کی طرف سے قریش، یہودی اور دیگر جنگجو عرب قبائل سب شریک تھے سب نے مل کر مدینہ پر تین سمتوں سے حملہ کیا۔ تقریباً ایک ماہ تک مدینۃ النبی سخت محاصرہ اور سنگین خطرے میں گھرا رہا۔ صحابہ فاقہ سے بے تاب ہو کر آپؐ کو اپنا شکم کھول کھول کر دکھانے لگے جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے رسول اکرمؐ نے اپنا شکم صحابہ کو دکھایا تو اس پر ایک کی جگہ تین پتھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرین خندق پار نہ کر سکتے تھے اس لئے دور سے تیر اور پتھر چلاتے تھے اس کے مقابلہ کے لئے آپؐ نے فوجی ٹکڑیاں تقسیم کر دی تھیں جن میں سے ایک کی قیادت آپؐ خود فرما رہے تھے اس سے تھک کر مشرکین نے عام حملہ کی تیاری کی

ایک جگہ سے خندق تنگ تھی۔ تمام سردار آگے بڑھے اور ان کے گھوڑوں نے خندق کے اس پار چھلانگ لگا دی۔ ان میں نوے سالہ عمرو بن عبدہ بھی تھا جسے ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا اس نے حسبِ دستور دعوتِ مبارزت دی۔ اس کا قول تھا کہ دنیا میں کوئی بھی مجھ سے تین باتوں کا سوال کرے تو ایک بات ضرور مانوں گا۔ حضرت علیؓ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے بولے میں تم سے اسلام قبول کرنے کی درخواست کرتا ہوں اس نے کہا یہ قبول نہیں جنگ سے واپس چلے جاؤ اس نے کہا قریشی عورتوں کا طعنہ نہیں سنوں گا۔ حضرت علیؓ نے کہا تو پھر جنگ کرو وہ ہنسا اور بولا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ سے یہ سوال بھی کرے گا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر اس کے پیر کاٹ دیئے اس لئے کہ حضرت علی پا پیادہ تھے پھر زبردست حملہ کیا جس سے علی مرتضیٰؓ کی پیشانی پر ہلکا سا زخم آگیا اس کے بعد حضرت علی نے وار کیا تو تلوار اس کے شانہ کو چیرتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ یہ سخت جنگ کا دن تھا اس میں رسول اکرمؐ کی مسلسل چار نمازیں قضا ہوگئیں ادھر سے بنو قریظہ نے عورتوں کے قلعے پر حملہ کر دیا جس میں وہ ناکام رہے۔

ساتھ ہی محاصرہ کی طوالت مشرکین کے لئے بڑی مہنگی تھی۔ دس ہزار لشکریوں کو رسد مہیا کرنا امر مشکل تھا اور موسم سخت سردی کا تھا۔ اس اثناء میں ایک سیاہ آندھی کڑاک، چمک اور سردی کے ساتھ طوفانی شکل میں آئی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور سارا ساز و سامان تہ و بالا ہوگیا۔ ابو سفیان نے لشکر سے کہا چونکہ ہمیں نوع بنوع مشکلات درپیش ہیں اس لئے اب محاصرہ اٹھا لیا جانا ہے۔

غطفان کی شاخ اشجع کے ایک شخص نعیم بن مسعود جو خفیہ طور پر مسلمان تھے آپؐ کے پاس آئے اور کوئی خدمت طلب کی آپؐ نے فرمایا "الحرب خدعتہ" جنگ میں فریب درست ہے تم دشمنوں میں پھوٹ کی تدبیر کرو۔ وہ بنو قریظہ کے پاس گئے جن سے نعیم کے بڑے گہرے تعلقات تھے ان سے کہا قریشی محاصرہ سے اکتا کر واپس جا سکتے ہیں لیکن تمہیں تو مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد تمہارا حال ٹھیک نہیں ہوگا۔ میرے خیال سے ان کے کچھ آدمی یرغمال رکھ کر ہی تم جنگ میں شرکت کرو۔ بنو قریظہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ نعیم قریش اور غطفان کے پاس گئے اور بولے بنو قریظہ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ تم سے کچھ آدمی یرغمال طلب کریں اور پھر انہیں محمدؐ کے حوالے کر کے اپنا معاملہ ٹھیک کر لیں۔ اب ان لوگوں نے قریظہ کے پاس خبر بھیجی کہ محاصرہ کے بجائے ہمیں فیصلہ کن جنگ کرنی ہے۔ بنو قریظہ نے کہا جب تک یرغمال کے بطور تم ہمیں اپنے کچھ آدمی نہیں دیتے ہم جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ قریش کو نعیم کی بات درست معلوم ہوئی۔ انہوں نے یرغمال دینے سے انکار کر دیا ادھر بنو قریظہ نے نعیمؓ کے مشورہ کو بہت کامیاب گردانا اس جنگی چال سے دشمنوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

چنانچہ قریش بنو قریظہ اور بنو غطفان وہاں سے روانہ ہو گئے اور اللہ نے کافروں کو ان کے غیظ و غضب کے ساتھ واپس کر دیا انہیں کچھ نہ حاصل ہوا اور اللہ نے جنگ سے مومنوں کی حفاظت فرمائی۔ الاحزاب ۳۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا آج کے بعد سے قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے لیکن تمہیں ان سے جنگ کرنی ہوگی ہمارا

ہمارا ابن ہشام ۳/۱۲۷، ۱۴۰ زاد المعاد ۳/۲۶۹، ۲۷۴ البدایہ والنہایہ ۴/۹۲، ۱۱۵ طبقات ابن سعد ۲/۶۵، ۷۴

- خندق کھودنے کے لئے سلمان فارسیؓ کی رائے کو پسند کرنے اور میدانِ جنگ کے مناسب انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو امورِ جنگ کی بڑی گہری بصیرت تھی۔
- خندق کھودنے میں بنفسِ نفیس شرکت فرما کر اور کسی سے نہ ٹوٹنے والی چٹان کو پارہ پارہ کر کے آپؐ نے حکمران طبقہ کے لئے جوش عمل، سادگی، مساوات اور زبردست جسمانی قوت کے مظاہرہ کا بے مثال اسوہ چھوڑا ہے۔
- فاقہ اور موسم کی ناسازگاری میں بھی مسلسل بیس ایام تک ان تھک محنت سے خندق کی کھدائی سے آپؐ کے مداومت عمل، استقلال و پامردی اور زبردست قوت کارکردگی کا غیر معمولی اظہار ہوتا ہے۔
- جنگ میں ایک فوجی دستہ کی قیادت سرورِ عالمؐ نے خود فرمائی اس سے آپؐ کی جرأت و شجاعت عیاں ہے۔
- نعیم بن مسعود کے ذریعہ دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے آپؐ نے مسلمانوں اور مدینۃ النبی کو درپیش ایک بہت بڑے خطرہ سے بچا لیا اس سے آپؐ کی فراست اور حسنِ تدبیر و تصرف کا واضح ثبوت ملتا ہے۔
- بنو قریظہ کے معاہدہ سے پھرنے کی خبر جب آپؐ کو لگی تو انہیں معاہدہ پر قائم رکھنے کے لئے کچھ مسلمانوں کو ان کے پاس بھیجا۔ نیز بنو غطفان سے جنگ کے بدلہ میں آپؐ نے مدینہ کی تہائی پیداوار پر صلح کا معاہدہ کرنا چاہا۔ یہ آپؐ کی موقع شناسی کی روشن دلیل ہے۔
- محاصرہ اٹھنے کے بعد رسول اکرمؐ نے فرمایا! قریش اب تم سے جنگ نہیں کریں گے لیکن تمہیں ان سے جنگ کرنی ہوگی یہ آپؐ کی دور اندیشی، حالات کے صحیح علم و تجزیہ اور منصب رسالت کی ادائیگی کے لئے عزم مصمم کی روشن دلیل ہے

غزوۂ بنی قریظہ

مدینہ آنے کے بعد رسول اکرمؐ نے یہودِ مدینہ سے معاہدہ امن کر کے انہیں جان مال اور مذہب ہر نوع کی آزادی عطا کر دی تھی۔ قریش کے ورغلانے سے یہودی معاہدہ سے پھر گئے۔ آپؐ نے دوبارہ معاہدہ کرنا چاہا لیکن یہودی قبیلہ بنو نضیر اس کے لئے تیار نہ ہوا جس کے سبب اسے مدینہ سے نکال دیا گیا البتہ بنو قریظہ نے دوبارہ معاہدہ کر لیا۔ لیکن غزوۂ احزاب کے موقع پر بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب کے ورغلانے سے وہ لوگ دوبارہ معاہدہ سے پھر گئے اور مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف شریک جنگ ہوئے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر ابن اخطب نے بنو قریظہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ قریش اگر بغیر جنگ کئے واپس ہو گئے تو میں تمہارے یہاں رک جاؤں گا چنانچہ احزاب کی ناکامی کے بعد بنو قریظہ اسے اپنے یہاں لائے جو مسلمانوں کا بدترین دشمن اور جنگِ احزاب کا بانی تھا۔ بدعہدی کے بعد یہ قریظہ کی دوہری سرکشی تھی۔

قریظہ سے کئی بار معاہدہ کے علاوہ رسول اکرمؐ نے ان کے ساتھ ایک زبردست احسان یہ کیا تھا کہ آپؐ کی آمد سے قبل ان کا رتبہ بنو نضیر سے کم تر تھا۔ اگر کوئی نضیری شخص کسی قریظی کو قتل کر دیتا تو اسے آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو قتل کر دیتا تو اسے پورا خون بہا ادا کرنا ضروری تھا۔ آپؐ نے بنو قریظہ کو بنو نضیر کا ہم رتبہ قرار دے دیا تھا ان سب احسانات کے بعد بھی یہ لوگ غزوۂ احزاب میں رسول اکرمؐ کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے اس لئے اب اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی

نہ تھا کہ ان کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا جائے۔

آپؐ نے احزاب سے فراغت کے بعد صحابہ کو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار نہ کھولے اور بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کی جائے وہ اب بھی صلح کی درخواست کر سکتے تھے لیکن ان کے شامتِ اعمال نے الیانہ ہونے دیا مسلمان جب ان کے قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں اور رسول اکرمؐ کو گالیاں دیں اور سخت گستاخی کے کلمات کہے اس حرکت پر ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو ایک مہینہ تک برقرار رہا اس کے بعد انہوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذ ہمارے متعلق جو فیصلہ کر دیں ہم اس پر راضی ہوں گے۔ ان کا قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ سعدؓ نے غور و فکر کے بعد فیصلہ سنایا کہ قریظہ کے جنگ کرنے والے مرد قتل کر دیئے جائیں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے اور ان کے مال و جائیداد کو مالِ غنیمت بنا لیا جائے۔

رسول اکرمؐ نے سعد کے اس فیصلہ کو فیصلہ آسمانی سے تعبیر فرمایا۔ یہودی بھی اسے فیصلہ آسمانی ہی سمجھتے تھے چنانچہ حی بن اخطب یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ لوگو اللہ کے فیصلہ کے آگے کوئی چارہ نہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے حق میں اللہ کا نوشتہ تقدیر اور اس کی سزا ہے [۱]

رسول اکرمؐ نے عام یہودِ مدینہ کو اور خصوصیت سے بنو قریظہ کو ہر نوع کی آزادی دے رکھی تھی بنو قریظہ پر تجدید معاہدہ کے علاوہ اور کئی بڑے احسانات فرمائے تھے گو اس کا جواب وہ ہمیشہ الٹا ہی دیتے تھے اس سے اہل کتاب کے ساتھ آپؐ کے حسنِ سلوک، رواداری اور امن پسندی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

بنو قریظہ کی دو دو بار معاہدہ شکنی، آپؐ کے خلاف جنگ میں شرکت، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کو اپنے یہاں ٹھہرانے اور آپؐ کو گالیاں دینے کے باوجود جب انہوں نے اپنے حلیف سعد بن معاذ کو حکم ماننے کی درخواست کی تو آپؐ نے بلا تردد اسے قبول فرما لیا۔ یہ آپؐ کے کمال حلم، رواداری اور کشادہ دلی کی روشن دلیل ہے۔ جبکہ یہود کی تاریخ اس نوع کی رواداریوں اور حلم و بردباری سے یکسر خالی ہے۔

حادثۂ افک

شعبان ۶ھ میں رسول اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ بنو المصطلق جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے آپؐ کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس میں منافقوں کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول بھی شریک تھا۔ معمولی سی جنگ کے بعد پورا قبیلہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس غزوہ سے واپسی پر ابن ابی نے افک کا فتنہ کھڑا کیا۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت کا فتنہ تھا اس کی تفصیلات خود حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔

سفر پر جاتے ہوئے رسول اکرمؐ کا دستور تھا کہ ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے جن کا نام آجاتا وہ سفر میں آپؐ کے ساتھ جاتی تھیں۔ غزوۂ بنو المصطلق میں قرعہ کے مطابق میں آپؐ کے ساتھ تھی۔ غزوہ سے واپسی پر مدینہ سے کچھ فاصلہ

---

[۱] - البدایۃ والنہایۃ ۴/۱۱۶، ۱۲۶، ابن سعد ۲/۷۴، ۷۷، ابن ہشام ۳/۱۴۰، ۱۵۴، زاد المعاد ۲/۷۵

پر آپؐ نے شب میں قیام فرمایا اور صبح ہونے سے کچھ پہلے ہی وہاں سے روانگی کی تیاری شروع ہوگئی۔ میں ضرورت سے فراغت کے لئے پڑاؤ سے کچھ دور چلی گئی۔ صبح کی سفیدی جب کچھ نمودار ہوئی اور میں لوٹ کر پڑاؤ کے قریب پہنچی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا گلے کا ہار کہیں گر گیا۔ میں اسے تلاش کرنے لگی۔ اتنے میں لشکر وہاں سے کوچ کر گیا۔ اس وقت غذائی قلت کے سبب ہم عورتیں بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والوں کو اس کا احساس نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ واپس آنے پر میں نے پڑاؤ خالی پایا اس لئے وہیں لیٹ گئی کہ آگے جب مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کرنے پر میں یہاں مل جاؤں گی۔ صبح کو صفوانؓ بن معطل سلمی کا میرے قریب سے گزر ہوا جو فوج کے پیچھے صبح تک اس لئے رک جایا کرتے تھے کہ مبادا کوئی سامان چھوٹ گیا ہو۔ انہوں نے مجھے پہچان لیا اس لئے کہ حکم حجاب کے نزول سے قبل وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے ان کی زبان سے نکلا! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رسول اکرمؐ کی حرم محترم یہیں چھوٹ گئیں۔ اس آواز سے میں بیدار ہوگئی۔ وہ میرے قریب اپنا اونٹ بٹھا کر دور کھڑے ہوگئے اور مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں اونٹ پر سوار ہوگئی اور وہ نکیل پکڑ کر پیدل چلنے لگے لشکر نے ابھی ایک جگہ قیام کیا ہی تھا کہ ہم لوگ پہنچ گئے۔ کسی کو ہمارے پیچھے چھوٹنے کی خبر بھی نہ تھی کہ کچھ تہمت تراشوں نے جن میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول سب سے آگے تھا تہمت کا فتنہ کھڑا کر دیا۔

مدینہ پہنچنے کے بعد مجھے بخار آگیا۔ ایک ماہ تک صاحبِ فراش رہی۔ مدینہ میں بہتان کا فتنہ بہت تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ رسول اکرمؐ کو بھی معلوم ہوگیا تھا مگر مجھے کوئی خبر نہ تھی البتہ یہ بات مجھے کھٹکتی تھی کہ بیماری کے موقع پر میرے ساتھ آپؐ کا برتاؤ پہلے جیسا نہ تھا۔ گھر والوں سے خیریت دریافت فرما لیتے۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھتے تھے بالآخر آپؐ سے اجازت لے کر میں والدہ کے گھر چلی گئی کہ وہاں اچھی طرح تیمارداری ہو سکے گی۔

ایک رات ضرورت سے باہر گئی ساتھ میں والدہ کی خالہ زاد بہن مسطح بن اثاثہ کی ماں بھی تھیں ان سے مجھے معلوم ہوا کہ میرے خلاف بہتان کے قصے پھیلائے جا رہے ہیں۔ رات کو ایک انصاری عورت نے بھی ساری تفصیل سنائی۔ یہ سن کر میرا خون خشک ہوگیا جس ضرورت کے لئے آئی وہ بھی بھول گئی پوری رات رو کر گزاری اور مسلسل روتی رہتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ میرا کلیجہ شق ہو جائے گا مارے غیرت کے ایک بار سوچا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کی۔ علیؓ اور اسامہ بن زیدؓ سے استفسار کیا۔ اسامہ نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی بیوی میں خیر ہی خیر پایا ہے جو کچھ اڑایا جا رہا ہے افتراء ہے۔ علیؓ نے کہا۔ اللہ کے رسول عورتوں کی کمی نہیں آپؐ دوسری عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور تحقیق حال کے لئے لونڈی سے دریافت کر لیجئے لونڈی کو بلا کر آپؐ نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے ان میں کوئی کمی نہیں دیکھی ہاں گندھا ہوا آٹا رکھا رہتا ہے وہ سو جاتی ہیں اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ زینب ان کی مدِمقابل کی سوکن تھیں۔ آپؐ نے ان سے بھی دریافت فرمایا انہوں نے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میں ان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

اسی روز آپؐ نے مسجدِ نبوی میں خطبہ دیا اور فرمایا۔ مسلمانو! ایسے شخص سے میری آبرو کون بچائے گا جس نے میرے اہل پر

تہمت لگا کر مجھے غایت درجہ اذیت پہنچائی ہے واللہ میں نے اپنی بیوی اور جس سے متعلق تہمت لگائی گئی ہے دونوں میں کوئی کمی نہیں دیکھی۔ وہ میرے نہ رہتے پر کبھی میرے گھر تک نہیں آیا اس پر اُسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور بولے یا رسول اللہ اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج میں سے ہے تو آپؐ جیسا حکم فرمائیں ہم حاضر ہیں۔ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور بولے تم اسے نہیں مار سکتے۔ تم اسے مارنے کی بات اس لئے کر رہے ہو کہ وہ خزرج کا آدمی ہے اُسید نے کہا تم منافقوں کی طرفداری کر رہے ہو اس لئے منافق ہو۔ رسول اکرمؐ منبر پر تشریف فرما تھے۔ مسجد میں ایک ہنگامہ بپا تھا۔ آپؐ نے انہیں سمجھایا اور منبر سے نیچے تشریف لائے۔

اس کے بعد میرے پاس تشریف لائے۔ میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے اور ایک انصاری عورت بھی تھی۔ میں زار زار رو رہی تھی۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپؐ نے فرمایا عائشہ تمہارے متعلق لوگوں کی جو باتیں ہوئیں سو ہوئیں اب سے اللہ سے ڈرو۔ اگر لوگوں کے کہنے کے مطابق تم سے خطا ہوئی تو اللہ سے توبہ کرو وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس بات پر میرے آنسو تھم گئے۔ میں انتظار کرنے لگی کہ میرے والدین کچھ جواب دیں گے لیکن انہوں نے کچھ نہ کہا۔ بخدا میں خود کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ میری برات میں قرآن نازل فرمائے گا جسے مسجدوں اور نمازوں میں تلاوت کیا جائے گا۔ ہاں یہ خیال تھا کہ خواب میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو میری برأت دکھلا دے گا۔ میں نے جب والدین کو خاموش دیکھا تو یوں گویا ہوئی۔ خاندان ابو بکر پر جو مصیبت آئی ہے بخدا میں نہیں جانتی کہ کسی اور پر آئی ہو گی واللہ میں توبہ نہیں کروں گی اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں اور اگر میں صاف انکار کر دوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے اس لئے میں وہی کہوں گی جو یوسف کے باپ نے کہا تھا یعنی "فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔" اسی اثناء میں آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ آپؐ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ لگا دیا گیا۔ بخدا میں ذرا نہیں گھبرائی اس لئے کہ میں جانتی تھی کہ اللہ میرے ساتھ ظلم نہیں کرے گا کیونکہ میں بری ہوں لیکن میرے والدین کا برا حال تھا کہ مبادا لوگوں کے قول کے مطابق اللہ کی طرف سے تائید نہ آ جائے۔

جب وحی کی کیفیت دور ہوئی تو آپؐ نے موتی جیسے پسینے کے قطرے جبین مبارک سے صاف فرمائے اور فرمایا عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری برأت نازل فرما دی۔ میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آپؐ نے لوگوں میں جا کر خطبہ دیا۔ برأت کی آیات تلاوت فرمائیں پھر مسطح، حسان اور حمنہ بنت جحش وغیرہ پر حد تہمت یعنی اسی اسی کوڑے لگائے گئے۔

ابو ایوبؓ سے ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ لوگ عائشہؓ کے متعلق کیا کہتے ہیں، کہا ہاں سنا ہے سب جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب کیا تم ایسا کر سکتی تھیں انہوں نے کہا بخدا ہرگز نہیں ابو ایوب نے کہا واللہ عائشہ تم سے بدرجہا بہتر ہیں۔

حسانؓ نے اس جرم کے کفارہ میں حضرت عائشہ کی مدح میں کچھ اشعار کہے جن میں ایک شعر یہ ہے ؎

حصان رزان ما تزن بریبۃ
وتصبح غرثی عن لحوم الغوافل

پاکدامن باوقار ہیں اور شبہ سے پاک ہیں۔ پاکباز عورتوں کے بدن کا گوشت نہیں کھاتیں حضرت عائشہؓ نے کہا یہ درست ہے لیکن تم ایسے نہیں ہو اس سے تہمت میں ان کے شریک ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱؎

- قلت تعداد، ناداری، زرومال اور سیاسی کمزوری کے باوجود رسول اکرمؐ کی مسلسل فتوحات سے عرب بوکھلائے ہوئے تھے ان پر واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کی برتری کا راز ان کی اخلاقی بلندی، سیرت کی پاکیزگی اور اللہ کے نام پر اجتماعی اتحاد ہے اس لئے مسلمانوں کے مقدس ترین گھرانے اہل بیت نبی اور خاندان صدیق اکبر پر یہ تہمت اچھال کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کا نیا حربہ استعمال کیا گیا لیکن رسول اکرمؐ نے اس سنگین مسئلہ کو جس صبر و ضبط اور حزم و احتیاط سے حل فرمایا وہ آپؐ کا ایک زبردست اور بے مثال اخلاقی کارنامہ ہے۔
- بیوی کی سیرت کا شوہر سے زیادہ واقف کار اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود آپؐ نے عائشہؓ سے متعلق زیادہ واقفیت رکھنے والوں اور قریب تر رہنے والوں سے استفسار فرمایا۔ ان میں وہ عورتیں بھی تھیں جن سے سوکناپے کی چشمک بھی رہتی تھی لیکن سب نے آپ کی پاکیزہ سیرت کا واضح الفاظ میں اقرار کیا۔ اس سے آپؐ کی حق پسندی، عدل پروری اور قانون مساوات پر عمل پیرائی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وقت پر عدالت کے کٹہرے میں خاندان نبوت کو بھی بلا امتیاز کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ شہنشاہی اور حکمرانی دور جمہور کے ارباب اقتدار ہمیشہ اس معیار سے بالاتر رہے ہیں۔
- عبداللہ بن ابی کے نام پر مسلمانوں کے دو عظیم الشان انصاری قبیلوں میں باہم جھگڑے کی نوبت آگئی لیکن حامل رسالت نے اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود امت کے اتحاد کو مقدم رکھا اور اپنے ذاتی صدمات و مصائب کو فراموش کر دیا۔ اتحاد امت کے لئے سرور عالم کی یہ بہت بڑی قربانی ہے
- اس قضیہ کو حل فرمانے کے لئے کوئی عاجلانہ اقدام کرنے کے بجائے آپؐ نے ایک ماہ تک وحی الٰہی کا انتظار فرمایا اور ہر نوع کا رنج اور قلق انتہائی صبر و استقلال سے جھیلتے رہے کہ جس واقعہ کا کوئی عینی شاہد نہ ہو نبی کی حیات میں اللہ اس کا شاہد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ اپنے ذاتی معاملہ میں بھی فرمان الٰہی کے سب سے بڑھ کر تابعدار تھے۔
- نیک سرشت انسانوں کی شہادت کے ساتھ اللہ کی یقینی شہادت کے بعد حق واضح ہو گیا اس لئے تہمت تراشوں پر آپؐ نے حد قذف جاری فرمائی۔ یہ آپؐ کی حق پروری اور عدل گستری کی جرأت مندانہ مثال ہے۔

صلح حدیبیہ

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر حدیبیہ نامی ایک گاؤں میں ۶ھ میں رسول اکرمؐ نے مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ فرمایا تھا جو ظاہر میں مغلوبانہ لیکن واقع میں بعد

۱؎ ابن ہشام ۲/۱۸۷، ۱۹۶؛ زاد المعاد ۳/۲۵۸، ۲۶۸؛ البدایۃ والنہایۃ ۷/۱۶۰، ۱۶۲

کی جملہ کامیابیوں کا فتح باب تھا۔ اس سال آپؐ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے جانور لئے ساتھ میں مسلمانوں کو عربوں کے سفر کے ایک جزء کی حیثیت سے تلوار لیکن زیر نیام لے کر چلنے کا حکم فرمایا۔ آپؐ نے ایک خزاعی کو اہل مکہ کے ارادوں کا پتہ لگانے کے لئے روانہ فرمایا۔ اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل کو یہ حکم سنا دیا ہے کہ محمدؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا چنانچہ مشرکین نے جملہ قبائل پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ خالد بن ولید مشرکین کے مقدمۃ الجیش کے قائد تھے۔ انہوں نے جا کر بتایا کہ لشکر اسلام غمیم تک پہنچ گیا ہے۔ آپؐ نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ خزاعی رئیس اعظم بدیل بن ورقاء نے خبر دی کہ قریش آمادہ جنگ ہیں وہ مکہ میں آپؐ کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا ان سے جا کر یہ کہو کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اور جنگ نے تو قریش کو بھی زبردست نقصان پہنچایا ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایک معین مدت کے لئے صلح کر لیں اگر اس پر وہ راضی نہیں ہوتے تو میں آخر دم تک ان سے لڑوں گا یہاں تک کہ خدا اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔ بدیل نے جا کر قریش کو آپؐ کا فیصلہ سنایا۔ قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود آپؐ کی خدمت میں آیا اور کچھ گفتگو کے بعد واپس چلا گیا اس نے جا کر رسول اکرمؐ اور صحابہ کے تعلقات کی نوعیت کا نقشہ قریش کے سامنے اس طرح کھینچا کہ میں نے قیصر و کسریٰ جیسے شہنشاہوں کے دربار دیکھے ہیں لیکن وہ وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو اصحاب محمدؐ کو محمدؐ کے ساتھ ہے۔ وہ جب گفتگو کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے ان کے وضو کا پانی اور تھوک حاصل کرنے کے لئے لوگ مسابقت کرتے ہیں اور اسے چہرہ پر مل لیتے ہیں

آپؐ نے پھر خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ قریشیوں نے ان کے اونٹ کو مار ڈالا البتہ وہ خود کسی طرح جان بچا کر نکل آئے پھر قریش نے مسلمانوں پر حملہ کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجا جسے آپؐ نے گرفتار کرا لیا لیکن پھر رہا کر دیا آپؐ نے پھر عثمان غنیؓ کو قریش کے پاس بھیجا۔ جنہیں قریش نے ایک گھر میں قید کر دیا لیکن آپؐ کو جو خبر پہنچی وہ یہ تھی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ آپؐ نے فرمایا عثمانؓ کے خون کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ چنانچہ ایک درخت کے نیچے آپؐ نے اصحاب کرام سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ صحابہ کرام نے کمال جوش و خروش سے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ اللہ نے ایسے مسلمانوں سے اپنی رضامندی کی بشارت دی ہے۔ فتح ۳۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہیں تھی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو جو بڑا فصیح و بلیغ مقرر تھا یہ پیغام دے کر بھیجا کہ صلح اس بنیاد پر ممکن ہے کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائیں۔ سہیل شرائط صلح سے متعلق دیر تک آپؐ سے گفتگو کرتا رہا۔ بالآخر آپؐ نے علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے طلب فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اس کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی۔ سہیل نے اس پر اعتراض کیا چنانچہ آپؐ نے علی کو عرب کے دستور کے مطابق لکھنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے آگے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ نے تسلیم کیا۔ سہیل نے کہا اگر ہم تمہیں اللہ کا نبی تسلیم کرتے تو پھر تنازعہ ہی کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تم تسلیم نہ کرو لیکن بخدا میں اللہ کا نبی ہوں پھر علیؓ سے فرمایا صرف میرا نام لکھو حضرت علیؓ نے کہا میں اسے ہرگز مٹا نہیں سکتا بالآخر آپؐ نے قلم ہاتھ میں لیا اور علیؓ کے بتانے پر اسے خود مٹا دیا۔

صلح کے شرائط یہ تھے

۱۔ مسلمان اس سال واپس مدینے چلے جائیں

۲۔ آئندہ سال آسکتے ہیں لیکن مکہ میں قیام کی اجازت صرف تین یوم ہوگی۔

۳۔ زیرِ نیام تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار نہیں لا سکتے۔

۴۔ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں میں سے کسی کو مدینہ نہیں لے جا سکتے

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی اگر مدینہ چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے

۶۔ عرب قبائل کو اختیار رہے کہ فریقین میں سے کسی کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

مسلمان بظاہر اس مغلوبانہ معاہدہ سے غایت درجہ شکستہ خاطر اور آزردہ تھے چنانچہ اصحاب کرام کا بیان ہے کہ بیعت جاں نثاری کے بعد جہاد کیلئے ہمارا خون جوش مار رہے تھے لیکن اس کے بعد اس صلح سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمریں شکستہ ہوگئیں۔

معاہدہ ابھی زیر تحریر تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل جو حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ کفار کے قید و بند اور اذیتوں سے بچ نکل کر آگئے۔ سہیل نے کہا معاہدہ پر عمل کا یہ پہلا موقع ہے اسے واپس کرنا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا ابھی تو معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے۔ آپؐ کے کمال اصرار پر بھی سہیل راضی نہ ہوا اس لئے چار و ناچار انہیں واپس کرنا پڑا۔ رسول اکرمؐ نے ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا ابو جندل صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ پیدا کرے گا۔ اب صلح ہو چکی ہے اس لئے ہم اس سے پھر نہیں سکتے۔ ابو جندل نے مسلمانوں کو اپنے زخم دکھائے اور کہا تم مجھے دوبارہ ان کافروں کے ہاتھ میں لوٹا دو گے۔ تمام مسلمان اس صورت حال سے بے قرار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا۔ آپؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپؐ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یقیناً ہوں۔ عمرؓ نے کہا کیا ہم لوگ برحق نہیں ہیں، آپؐ نے فرمایا ہم حق پر ہیں۔ عمرؓ نے کہا پھر یہ ذلت ہم کیوں اٹھائیں؟ آپؐ نے بڑے اعتماد سے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں؛ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اس بے محابا گفتگو پر آخیر عمر تک پشیمانی رہی۔

آپؐ نے مسلمانوں کو وہیں قربانی کرنے کا حکم دیا لیکن لوگوں کی شکستہ دلی کا یہ حال تھا کہ آپؐ کے تین دفعہ فرمانے پر بھی کوئی نہ اٹھ سکا۔ آپؐ خیمہ میں تشریف لے گئے اور امّ سلمہ سے سارے احوال سنائے۔ ام المومنین نے کہا۔ آپؐ کہنے کے بجائے خود قربانی ذبح فرمائیں اور سر منڈالیں چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ آپؐ کا فیصلہ بالکل اٹل ہے تو بالآخر سب نے قربانیاں کیں اور احرام کھول دئے۔

صلح کے بعد تین ایام آپؐ حدیبیہ میں ٹھہرے پھر مدینہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں سورۂ فتح کی معروف آیت انا فتحنا لك

فتحا مبینا (فتح ۱۔ ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی) نازل ہوئی، جبکہ مسلمان جسے ذلت اور خسارہ سمجھتے تھے اللہ نے اسے فتح سے تعبیر فرمایا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا اس آیت کا نزول ہوا ہے۔ عمرؓ نے حیرت سے پوچھا کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں کافر اور مسلمان اب تک آپس میں ملتے جلتے نہ تھے لیکن صلح کے بعد ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کافروں کو زیادہ قریب سے اور امن کی فضا میں مسلمانوں کو دیکھنے کا موقع ملا جس کے نتیجے میں فتح مکہ تک اتنی زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے لوگ اسی دور میں اسلام لائے تھے۔

معاہدہ کی یہ شرط کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا قریش کے لئے بڑی مہنگی ثابت ہوئی۔ اس قسم کے مسلمانوں نے سمندر کے کنارے مقام عیص میں سکونت اختیار کی اور کچھ ایام کے بعد خاصا گروہ ہوگیا جو قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا کرتا تھا۔ نتیجۃً قریش نے اس شرط سے آپؐ کے حق میں دستبرداری کا پیغام بھیج دیا اور کہا کہ جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ۲۱

- حج اسلام کا بنیادی رکن ہے اس کی کلی اور جزئی تعلیمات کو برت کر دکھا دینا آپؐ کی ذمہ داری ہے۔ محض اس ارادہ سے آپؐ نے مکہ کا سفر کیا لیکن قریش کے آمادۂ جنگ ہونے کی خبر جب آپؐ کو لگی تو آپؐ نے انہیں امن کا پرخلوص مشورہ دیا اور گزشتہ خون خرابہ اور بربادی کی یاد دلائی اس سے آپؐ کی امن پسندی، انسانیت نوازی اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔
- طرفین سے سفیروں کے تبادلہ میں فریقین کا موقف نمایاں ہے قریش آمادۂ جنگ تھے مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ انہیں گوارا نہ تھا۔ مسلمان سفیروں کو انہوں نے گزند پہنچائی اور قتل تک کر دیا جو بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کے لئے فوجی دستہ بھی بھیجا جسے آپؐ نے گرفتار کرانے کے بعد رہا کر دیا۔ دوسری طرف آپؐ کے سفیر پیام امن ہی لے کر جاتے رہے اس سے آپؐ کے صبر و تحمل، حزم و احتیاط حسن تدبیر اور عفو و درگذر کی اعلیٰ صفات کا واضح ثبوت ملتا ہے
- شہادت عثمانؓ کی خبر پا کر آپؐ نے اصحاب کرام سے بیعتِ جاں نثاری لی۔ یہ آپؐ کی پیغمبرانہ شانِ جلالی جرأت و شجاعت اور عزم و حوصلہ کا آئینہ دار ہے
- مکہ جو آپؐ کا آبائی وطن ہے کعبہ جو خدا کا گھر ہے جس کے تعمیر کرنے والے خدا کے دو جلیل القدر پیغمبروں کے آپؐ جانشین ہیں جس کا حج اسلام کا اہم فریضہ ہے اس سے محرومی کی قیمت پر آپؐ نے قریش سے معاہدۂ صلح کیا۔ خوں ریزی سے بچنے اور امن برپا کرنے کی راہ میں یہ آپؐ کی بہت بڑی قربانی اور صلح جوئی کی

---

۲۱ زاد المعاد ۳/۲۸۶، ۳۰۰ البدایۃ والنہایۃ ۴/۱۶۸، ۱۷۷، طبقات ابن سعد ۲/۹۵، ۱۰۵ ابن ہشام ۳/۱۹۶، ۲۰۸

اعلیٰ ترین مثال ہے

- معاہدہ کے شرائط بظاہر مغلوبانہ تھے لیکن چشم نبوت اس کے نتائج پر محیط تھی احوال وظروف کے فریم میں اسے فتح کی کامل تصویر نظر آ رہی تھی جیسا کہ بعد کی تاریخ نے اسے ثابت کر دکھایا اس سے رسول اکرمؐ کی دور اندیشی حالات کے صحیح تجزیہ درستگی رائے، محکم فیصلہ اور استقلال وثبات قدمی کی بلند ترین صفات آئینہ کی طرح روشن ہیں۔
- اس صلح سے مسلمانوں کی شکستہ دلی کا عالم یہ تھا کہ مقام حدیبیہ پر قربانی کر لینے اور احرام کھول دینے پر کوئی آمادہ نہ تھا بالآخر آپؐ نے خود بڑھ کر یہ کام انجام دیا۔ اس سے اپنی ذات اور اپنے فیصلہ پر اعتماد اور آپؐ کے جوش عمل کا اندازہ ہوتا ہے۔
- اس صلح سے مسلمانوں اور کافروں میں میل ملاپ کا دروازہ کھل گیا جس سے کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بیعت رضوان اور اس سے کچھ پہلے سے لے کر صلح واقع ہونے تک کی صورت حال بے انتہا نازک تھی لیکن آپؐ نے منصب رسالت کا سفینہ جس دور اندیشی، حسن تدبیر، قربانی اور جرأت واستقلال کے ساتھ ساحل گیر کیا۔ اللہ نے اس پر آپؐ کو فتح کامل عطا کی۔ یہ شان رسالت کی عظمت اور خدائی اعزاز کی واضح دلیل ہے۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ سے امن وامان ضرور قائم ہو گیا جس سے اسلام اور مسلمانوں کو زبردست تقویت ملی لیکن قریش معاہدۂ صلح کو نبھا نہ سکے۔

قبیلہ خزاعہ آپؐ کا حلیف بن چکا تھا اور ایک مدت دراز سے اس کا حریف قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا تھا۔ صلح سے جب ایک امن واطمینان کی فضا قائم ہوئی تو بنو بکر نے خزاعہ سے انتقام کے لئے اس کو سنہرا موقع تصور کیا چنانچہ انہوں نے قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے کھل کر بنو بکر کی حمایت کی اور عین حدود حرم میں خزاعہ کی سخت خونریزی کی۔ حلیف ہونے کے تعلق سے چالیس خزاعی جوان آپؐ کے پاس اس سانحہ کی فریاد لے کر آئے سارے حالات سن کر آپؐ کو نہایت دکھ ہوا قریش نے کھل کر معاہدہ شکنی کا ارتکاب کیا تھا پھر بھی آپؐ نے ان کے پاس درج ذیل شرائط ارسال فرمائیں

- خزاعی مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے
- اہل قریش بنو بکر کی پشت پناہی سے دستبردار ہو جائیں
- صلح حدیبیہ کے ختم ہو جانے کا اقرار واعلان کریں۔

قریش نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہمیں تیسری شرط قبول ہے۔

رسول اکرمؐ نے حلیف قبائل کو اطلاع فرما کر سوئے مکہ روانگی کی مخفی تیاری شروع کر دی ایک جلیل القدر

بدری صحابی حاطب بن بلتعہ نے خفیہ طور پر اس کی اطلاع قریش کے پاس بھیجی لیکن آپؐ کو اس کا علم ہو گیا اور ان کا خط راستہ ہی میں پکڑ لیا گیا جسے صحابہؓ نے آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مسلمانوں کو حاطب کی اس حرکت پر سخت حیرت تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں قتل کرنے کے لئے آپؐ سے اجازت طلب کی۔ آپؐ نے کمالِ رحمت سے فرمایا اللہ نے اہل بدر سے عدم مواخذہ کا وعدہ کیا ہے۔ حاطب نے آپؐ کی خدمت میں یہ عذر پیش کیا کہ میرے اعزہ مکہ میں ہیں اس لئے قریش پر یہ احسان کر کے میں ان سے اپنے اقربا کا تحفظ چاہتا تھا۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو رسول اکرمؐ دس ہزار کا لشکر لے کر سوئے مکہ روانہ ہوئے اور مر الظہران میں قیام فرمایا، جو مکہ سے ایک منزل کی دوری پر ہے۔ قریش کو جب اس کی خبر لگی تو انہوں نے حالات معلوم کرنے کے لئے حکیم بن حزام، ابو سفیان اور بدیل بن ورقاء کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی نظر جب ابو سفیان پر پڑی تو آپؐ سے کہا کہ دشمنِ خدا و رسولؐ کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے یہ ابو سفیان وہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی بیشتر جنگوں کی قیادت کی تھی آپؐ کے قتل کے سازشی اور مسلمانوں کے بہت بڑے دشمن تھے لیکن آپؐ کے چچا عباس نے ان کے لئے معافی کی درخواست کی۔

رسول اکرمؐ نے ابو سفیان سے پوچھا۔ ابو سفیان کیا تمہیں اب بھی اللہ کے اکیلا معبود ہونے کا یقین نہیں آیا؟ ابو سفیان نے کہا اگر اور معبود ہوتے تو ہماری مدد کرتے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں اب بھی میرے رسول ہونے میں شک ہے۔ ابو سفیان نے کہا اس میں ابھی شک ہے یہ ابو سفیان کے ناپختہ ایمان کا پہلا اظہار تھا۔

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف روانہ ہوا تو آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو پہاڑ کی چوٹی سے اس لشکر کا منظر دکھاؤ۔ لشکر اسلام کے تمام فوجی دستے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے علم لے کر پوری شان و شوکت سے ابو سفیان کی متحیر نگاہوں کے سامنے سے گزرے۔ بعد میں انصار کا دستہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ گزرا ابو سفیان نے حیرت سے معلوم کیا کہ یہ کن لوگوں کا گروہ ہے اتنے میں سعد بن عبادہ کی نظر ابو سفیان پر پڑ گئی۔ یہ اپنے دستہ کے قائد اور علمبردار تھے بولے آج کشت و خون کا دن ہے آج حرمت کعبہ حلال ہو جائے گی۔ سب سے بعد میں رسول اکرمؐ گزرے ابو سفیان نے سعد بن عبادہ کی یہ بات نقل کی تو آپؐ نے فرمایا۔ سعد نے غلط کہا آج کعبہ کی سربلندی کا دن ہے پھر حکم فرمایا کہ سعد سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔

آپؐ نے مکہ میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا یا دروازہ بند کر لے گا یا خانۂ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے ہر طرح کا امن ہے اس کے باوجود ایک مقام پر قریش کے ایک فوجی دستہ نے حضرت خالدؓ کے فوجی دستہ پر تیر اندازی کی جس سے تین مسلمان شہید ہو گئے۔ جواب میں حضرت خالدؓ نے حملہ کیا جس سے مشرکین کے تیرہ آدمی مارے گئے رسول اکرمؐ نے خالدؓ سے اس کے متعلق باز پرس کی معلوم ہوا کہ ابتدا مشرکین نے کی تھی تو آپؐ نے فرمایا اللہ کا حکم ایسا ہی تھا۔

مسجد حرام میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ رسول اکرمؐ ایک لکڑی سے انہیں ٹھوکتے ہوئے یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو مٹنا ہی تھا۔ کعبہ کے اندر بت اور تصویریں تھیں آپؐ نے انہیں بھی نکلوا دیا اور کعبہ کو نئے سرے سے پاک و صاف کر دیا اس کے بعد آپؐ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا فرمائی پھر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

ایک اللہ کے سوا میرا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور دیگر تمام گروہوں کو شکست دی سنو تمام مفاخر، سارے خون اور ان کے مطالبات میرے پاؤں کے نیچے ہیں ہاں بیت اللہ کی پاسبانی اور حاجیوں کی سقایت اس سے الگ ہیں۔

اے اہل قریش اللہ نے تمہارا جاہلی غرور اور نسبی تعلی مٹا دی۔ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع پر نظر ڈالی تمام سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے جو آج سے پہلے مسلمانوں کے جانی دشمن اور رسولؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ آپؐ نے پوچھا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ یہ ظالم آپؐ کی شانِ رحمت سے واقف تھے بولے۔ آپؐ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ آج تم پر کسی طرح کا الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ یوسف ۔

آپ ایک بلند مقام پر فروکش ہوئے۔ بیعت کے لئے مردوں اور پھر عورتوں کی باری آئی آپؐ ان سے اسلامی ارکان کی ادائیگی اور حسن اخلاق کا اقرار لیتے تھے

فتح مکہ کی اصل غرض اقامت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھی اور یہ غرض پوری ہوگئی۔ تمام بت توڑ دیئے گئے بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور خدائے واحد کے لئے عبادت کو مخصوص کر دیا گیا [1]

- خزاعہ کے خلاف قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر کو کھلا تعاون دے کر معاہدہ حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی کی تھی لیکن رسول اکرمؐ نے اس کے باوجود ان کے پاس کچھ شرائط بھیج کر معاہدہ کی یک طرفہ پاسداری کی سعی فرمائی یہ آپؐ کی پابندیٔ عہد اور ضبط و تحمل کی اعلیٰ مثالی ہے۔
- حاطب کا افشا راز حیرت انگیز ہونے کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ایک خطرناک لغزش تھی جسے بعض صحابہ نے گردن زدنی قرار دیا لیکن آپؐ نے ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر کمال عفو و درگذر سے کام لیا اس سے آپؐ کی نرم خوئی، عدم تشدد اور اپنے اصحاب کے ساتھ حسن معاملت کی اعلیٰ صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

---

[1] زاد المعاد ۳/۳۹۷، ۱۰۴۱ البدایہ والنہایۃ ۴/۲۸۷، ۳۲۱، ابن سعد ۲/۱۳۷، ۴/۱۷۱ ابن ہشام ۴/۲۲، ۴۵

- ابوسفیان جیسے عظیم دشمن کو غیر محسوس طور پر حراست میں رکھنے، لشکرِ اسلام کی شکل میں جلالِ الٰہی کا ان کو نظارہ کرانے اور ان کے گھر کو دارالامن قرار دینے سے دشمن کے ساتھ آپ کے اعلیٰ برتاؤ، دوسروں کی منزلت شناسی اور اسلام کے حق میں اسے استعمال کرنے کے لئے آپ کی فراست و پیش بینی کی صفات نمایاں ہیں
- ابوسفیان کو دیکھ کر سعد بن عبادہ کا یہ کہنا کہ آج خونریزی کا دن ہے آج کعبہ کی حرمت حلال ہو جائے گی فتح مکہ کے مقصد سے متصادم تھا جس کی آپ نے فوراً تردید کی کہ نہیں آج کعبہ کی سربلندی کا دن ہے پھر آپ نے علم قیادت ان سے چھین کران کے بیٹے قیس کو دلا دیا اس سے آپ کی بلند نگاہی اور جرأت مندانہ اصول پسندی کے ساتھ دلنوازی اور پاسِ خاطری عیاں ہے کہ علم کسی غیر کو نہیں بلکہ معزول کے بیٹے ہی کو عطا فرمایا
- ایک موقع پر کافروں کی پہل سے تین مسلمان شہید اور تیرہ مشرک مقتول ہونے جس پر آپ نے خالدؓ سے باز پرس فرمائی پھر اصل صورت حال معلوم ہونے پر آپ نے اسے قضاءِ الٰہی قرار دیا اس سے یہ بات عیاں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حرمت کعبہ آپ کی نظر میں سب سے بڑی متاع تھی اور وہاں کسی انسان کا خون بہانا آپ کو سخت ناپسند تھا۔
- مسجد حرام میں داخلہ اور بتوں کی صفائی کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا اس میں فتح کی ہر نوع کی کامیابی کو آپ نے ذاتِ خداسے وابستہ فرمایا اس سے منصب رسالت کی عظمت و تقدس، رسول کی بے غرضی و اطاعت کیشی اور اس کی بلند نگہی کی شان ہویدا ہے۔
- خطبہ کے مجمع میں تمام سرکش اور جبار سرداران قریش موجود تھے جو بیسیوں سال سے آپ اور آپ کے اصحاب کے خون کے پیاسے تھے آپ نے بغیر کسی سرزنش اور تعذیب کے انہیں معاف فرما دیا فاتح اقوام اور حکمرانوں کیلئے فاتح پیغمبر کا یہ اسوۂ عفو و درگذر ایک لازوال نشان راہ ہے۔
- فتح کے بعد اہل مکہ سے آپ نے جو بیعت لی وہ ارکان اسلام کی بجا آوری اور اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے کا معاہدہ تھا۔ فتح کی نخوت میں سرشار ہو کر دشمنوں، ان کی عورتوں، اور بچوں کی خون آشامی اور آبرو ریزی اور شہر کی غارت گری کی بجائے آپ نے اہل مکہ کے سامنے وہی باتیں پیش فرمائیں جو دوزِ اول سے دور نبوت کی مکی زندگی میں ان سے کہتے آئے تھے یہاں رسولؐ فاتحانہ حیثیت سے بھی اپنی قبائے رسالت ہی میں جلوہ گر ہے جس کا مقصد انسان کو اس کے مقصد تخلیق سے مربوط کرنا اور دنیا و آخرت میں سعادت مندی اور امن و آبرو مندی سے ہمکنار کرنا ہے۔

غزوۂ حنین و طائف

فتح مکہ کے بعد عام عربوں کو آپ کی نبوت کا یقین آگیا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے البتہ عرب

کے نہایت جنگجو قبائل ہوازن اور ثقیف پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے اوپر حملہ کرنے کا مشورہ کیا۔ ان کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں عورتوں اور بچوں کو بھی لے کر آئے تاکہ لوگ ان کی خاطر جان کی بازی لگا دیں۔ اس جنگ میں کعب اور کلاب کے علاوہ ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں شریک تھیں۔ ہوازن کا تیس سالہ رئیس اعظم مالک بن عوف لشکر کا سپہ سالار تھا۔

رسول اکرمؐ کو جب اس کی خبر پہنچی تو تحقیق کے بعد بارہ ہزار کا لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ لے کر شوال ۸ھ کو حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض اصحاب رسول کی زبان سے اس موقع پر یہ کلمہ نکل گیا کہ آج ہم کو کون مغلوب کر سکتا ہے۔ اللہ کو یہ بات ناپسند آئی جس کا تذکرہ قرآن میں اس طرح آیا ہے۔ حنین کا دن یاد کرو جب تمہاری کثرت نے تمہیں عُجب میں مبتلا کر دیا لیکن وہ کچھ بھی تمہارے کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تمہارے لئے تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور مومنوں پر سکینت نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہیں دیکھ سکے اور کافروں کو عذاب دیا۔ توبہ۔

قبیلہ ہوازن تیر اندازی میں سارے عرب میں معروف تھا۔ میدان جنگ کے بہتر حصہ پر کافروں نے پہلے سے قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کو پہاڑ کی مختلف گھاٹیوں میں بٹھا دیا تھا۔ ادھر خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں جو مقدمۃ الجیش تھا وہ جوشِ جوانی میں مست، اسلحۂ جنگ سے بے پروا اور عاری نو اسلام نوجوانوں اور تقریباً دو ہزار ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جنہیں فتح مکہ کے موقع پر آزادی دے دی گئی تھی اور ابھی وہ حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے تھے اسلامی لشکر نے جوش میں صبح کے جھٹ پٹے ہی میں حملہ کر دیا۔ لشکر اسلام میدانِ جنگ کے انتہائی نشیبی حصہ میں تھا۔ اونچے حصہ سے جب تیروں اور ہزاروں حملہ آوروں کی باڑھ چلی تو مقدمۃ الجیش میں انتشار برپا ہو گیا بارہ ہزار کا لشکر پارہ پارہ ہو گیا صرف رسول اکرمؐ میدان میں رہ گئے۔ آپؐ نے یا معشر الانصار کہہ کر آواز دی تو انصار نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ آپؐ نے سواری سے اتر کر پرجلال آواز میں فرمایا۔ انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب میں لاریب خدا کا نبی ہوں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا جو بڑے بلند آواز تھے مہاجرین اور انصار کو پکارو، انہوں نے زور سے آواز دی "یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرہ" اے گروہ انصار اے بیعت رضوان والے لوگو! اس آواز پر لشکر اسلام پلٹ پڑا اور پھر جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ گھمسان کا رن پڑا کافر میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے جو بچے وہ گرفتار ہو گئے۔

کافروں کی فرار شدہ فوج اوطاس اور طائف میں پناہ گزیں ہوئی عرب کا شعلہ بیان شاعر درید بن صمہ جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی کئی ہزار کا لشکر لے کر اوطاس میں آیا جسے ربیعہ بن رفیع نے قتل کیا اور اوطاس کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس جنگ میں ہزاروں آدمی گرفتار ہوئے جن میں آپؐ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں انہوں نے کہا میں تمہارے

نبیؐ کی بہن ہوں۔ لوگ انہیں آپؐ کے پاس لائے انہوں نے لطور نشان اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی کہ بچپن میں آپؐ نے یہاں کاٹا تھا۔ آپؐ کی آنکھوں میں محبت کے آنسو چھلک پڑے ان کے لئے اپنے ہاتھوں سے چادر بچھائی اور محبت سے باتیں کرتے رہے انہیں اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں اور کہا اگر چاہو تو میرے گھر چل کر رہو، انہوں نے قبیلہ کی محبت میں گھر جانا لپند کیا۔

حنین کی فرار شدہ فوج نے طائف میں ایک محفوظ قلعہ کے اندر ایک سال کا رسد جمع کیا اور قلعہ کے چاروں طرف منجنیقیں اور تیر انداز مقرر کر دیئے۔ طائف پہاڑی پر آباد ایک محفوظ شہر تھا جس کے چاروں طرف شہر پناہ بھی تھی۔ یہاں آباد قبیلہ ثقیف فن حرب و ضرب سے بہت واقف تھا۔ یہ قبیلہ قریش کا ہمسر مانا جاتا تھا۔ یہاں کے رئیس عروہ بن مسعود سے ابوسفیان کی لڑکی منسوب تھی۔ عروہ دبابہ اور منجنیق چلانے اور بنانے کے فن سے بھی واقف تھا۔

رسول اکرمؐ نے حنین اور اوطاس سے نمٹنے کے بعد طائف کا رخ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محاصرہ بیس دن سے زیادہ مدت تک جاری رہا۔ کفار طائف قلعہ کے اندر سے مسلمانوں کے دبابہ پر گرم سلاخیں برساتے تھے جس سے مسلمان کثرت سے زخمی ہوئے۔ شہر فتح نہ ہو سکا۔ آپؐ نے مشورہ فرمایا تو نوفل بن معاویہ نے کہا: لومڑی بھٹ میں ہے کوشش جاری رہے تو پکڑی جا سکتی ہے اور چھوڑ دی جائے تو کوئی اندیشہ بھی نہیں۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ آپؐ ان کے حق میں بد دعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس پہنچا دے اور پھر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

غزوہ حنین میں بے پناہ مال غنیمت حاصل ہوا تھا جسے آپؐ نے مکہ اور دیگر مقامات کے نو اسلام لوگوں کو خصوصیت سے عطا فرمایا۔ اس پر کچھ انصاری بولے کہ رسول اکرمؐ نے قریش کو انعام سے نوازا اور ہمیں محروم رکھا حالانکہ ہماری تلوار دل سے اب بھی خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ آپؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انصار کو طلب فرمایا۔ انہوں نے اس سبب سے کہ جھوٹ نہ بولتے تھے۔ صاف صاف اقرار کر لیا آپؐ نے اس موقع پر انتہائی بلیغ خطبہ دیا، فرمایا

کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے اللہ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت دی۔ تم غیر متحد تھے اللہ نے میرے ذریعہ تم میں اتحاد پیدا کیا۔ تم مفلس تھے اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ذی ثروت بنایا۔

آپؐ کی ہر بات پر انصار کہتے: اللہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم یہ کہو کہ :-

اے محمدؐ جب لوگوں نے تمہیں جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے تمہیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی، تم مفلس ہو کر آئے تھے ہم نے تمہیں ہر طرح کی مدد دی۔ تم یہ سب کہتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے انصار کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ مال غنیمت لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے گھر لے جاؤ۔

انصار بیک زبان پکار اٹھے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں بہت سے انصار زار زار رو رہے تھے آپؐ نے انہیں سمجھایا کہ یہ نو اسلام لوگ ہیں انہیں ان کا حق نہیں بلکہ بطور تالیف قلب کے دیا گیا ہے۔

حنین کے تمام قیدی مقام جوانہ میں رکھے گئے تھے۔ غزوہ طائف سے واپسی تک کوئی کافر انہیں رہا کرانے کے لئے نہ آیا البتہ ایک وفد آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے خاندان کا آیا۔ رئیس قبیلہ نے آپ کے پاس تقریر کرتے ہوئے کہا جو عورتیں قید ہیں ان میں تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ سلاطین عرب میں سے کسی نے اگر ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ہمیں اس سے توقع رہتی لیکن تم سے تو سب سے زیادہ امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ نے فرمایا خاندان عبدالمطلب کا حصہ آزاد ہے لیکن عام رہائی کے لئے نماز کے بعد مسلمانوں کے سامنے درخواست پیش کرو۔ انہوں نے نماز کے بعد اپنی درخواست رکھی۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے مگر تمام مسلمانوں سے میں اس کے لئے سفارش کرتا ہوں اس پر تمام مہاجرین اور انصار بول اٹھے کہ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے اس طرح تھوڑی دیر میں چھ ہزار افراد رہا کر دیئے گئے۔ [1]

- جنگ حنین میں جب بارہ ہزار کا اسلامی لشکر پارہ پارہ ہو گیا اور مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تو میدان جنگ میں کافروں کے تیروں کی برسات میں رسول اکرمؐ کھڑے رہے اس سے آپؐ کی جرأت و شجاعت اور عزیمت و پامردی کی بے مثال تصویر سامنے آتی ہے۔
- پھر آپؐ کی پُرجلال آواز پر انصار اور پھر اسلامی لشکر یک لخت پلٹ پڑا۔ یہاں رسول اکرمؐ کی بے مثال شجاعت نے جنگ کا نقشہ بدلنے میں محوری کردار ادا کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کرامؓ کے نزدیک آپؐ کی ذات کس قدر قابل اعتماد، لائق جاں نثاری اور مقدس و محترم تھی کہ ایک آن پہلے جان بچا کر بھاگنے والے آپؐ کی ایک آواز پر اپنی اصلی فطرت پر عود کر آئے اور سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے آپؐ کے گرد اکٹھا ہو گئے۔
- جنگ حنین میں اسیر اپنی رضاعی بہن شیما کو دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ان کی بڑی عزت و تکریم کی اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں اور مدینہ میں کاشانۂ نبوی میں چل کر رہنے کی فرمائش کی اس سے آپؐ کی محبت اور صلہ رحمی کے بلند ترین اوصاف کا اظہار ہوتا ہے۔
- مسلمانوں نے اہل طائف کے حق میں بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ یہ وہی طائف ہے جس کے ظالم باشندوں نے گیارہ سال قبل آپؐ کو پتھر مار مار کر بے ہوش کر دیا تھا اور ذلیل و خوار کرنے میں کوئی حد نہ باقی چھوڑی تھی ایسے موقع پر بھی آپؐ نے ان کے لئے ہدایت ہی کی دعا فرمائی تھی اور آج گیارہ سال بعد ایک فاتح کی حیثیت سے آپؐ نے اس شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور زبان اطہر سے ان کے لئے دعائے ہدایت ہی نکل رہی تھی۔ یہ ایک رسول کا بلند کردار ہے جو اسے منصب رسالت کا اہل بناتا ہے ایسے موقع پر عام انسان جوشِ انتقام میں سارے شہر کو تاخت و تاراج اور جان و مال اور عزت و آبرو کو برباد کر دیتا ہے۔ فداہ امی وابی
- حنین کا مال غنیمت آپؐ نے دل کھول کر نو اسلام لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ انصار میں سے کچھ لوگوں نے اسے دوسرے

---

[1] زاد المعاد ۳/۴۹۵، ۴۹۷ [2] ابن سعد ۲/۱۴۹، ۱۶۰ ابن ہشام ۷/۶۰، ۶۱ [3] البدایہ والنہایہ ۴/۳۲۲، ۳۹۵

پہلو سے سوچا اور پس پشت اس پر چہ میگوئی کی۔ رسول اکرمؐ کو جب خبر لگی تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا جو اپنی بلاغت کے لحاظ سے ایک نادر الوجود شے ہے اس خطبہ نے انصار کو اتنا متاثر کیا کہ وہ زار زار رونے لگے اور آپؐ کی بازیافت کو دنیا کی سب سے بڑی متاع تصور کرنے لگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے اندر فصاحت و بلاغت، اور خطابت و بیان کا ملکہ عام انسانی معیار سے بلند تر تھا۔

حلیمہ سعدیہ آپؐ کی رضاعی ماں کے خاندان کا وفد اسیروں کی رہائی کے لئے جب آپؐ کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے اپنے خاندان کے حصۂ اسیراں کے رہا کرنے کی بات کی اور مسلمانوں سے ان کے عام قیدیوں کی رہائی کی سفارش فرمائی جس سے ان کے چھ ہزار قیدی فوراً رہا ہو گئے جنگی قیدیوں کے بارے میں رسول اکرمؐ کا یہ عفو و کرم اور شان رحمت، حکمرانانِ عالم کے لئے لازوال اسوۂ عام ہے۔ آج قیدیوں سے بدسلوکی اور ان کی تعذیب کے نت نئے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جس سے انسانیت رسول اکرمؐ کے اسوۂ مبارک سے فریاد کناں ہے۔

ولقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ قرآن

بے شبہ تمہارے لئے رسول اللّٰہ کی ذات میں بہترین اسوہ ہے۔

سرورِ عالم کی حیات طیبہ کے نازک لمحات کی یہ ایک جھلک ہے ان اوصاف کے مجموعہ سے جو تصویر کھنچتی ہے وہ ایک ایسے انسان کی ہے جو درحقیقت منصب رسالت کے عظیم ترین فریضہ کا حقدار تھا جس کا مقصد انسان کو اس کے مقصد تخلیق سے مربوط کرنا ہے دوسری طرف آپؐ کے یہ اوصاف اور آپؐ کا یہ اسوہ عام انسانوں کے لئے ایک دائمی عیار ہے جس پر ہر کم و کاست آدمی اپنے کھرے کھوٹے کو پرکھ سکتا ہے۔

رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقلی ثبوت

مولانا ارشد القادری

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آسان اور واضح سے واضح بات بھاری بھرکم الفاظ کے نیچے کچھ اس طرح دب جاتی ہے کہ مدتوں ہم اس کی ہیبت سے مرعوب رہتے ہیں اور خواہ مخواہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی بہت باریک اور پیچیدہ بات ہے کچھ ایسا ہی حال ہمارے ذہن کا اس مسئلے میں بھی ہے۔

در نہ واقعہ یہ ہے کہ عقلِ سلیم کے لیے رسالتِ محمدی کا ثبوت دنیا کی سب سے واضح اور مانوس حقیقت ہے۔ زحمت نہ ہو تو چودہ سو برس پیچھے پلٹ کر دنیا کے اُس تاریک دور میں قدم رکھیے جبکہ خدائے واحد کا ایک بھی پرستار روئے زمین پر نہیں تھا۔

پھر انسانوں پر ابدی سعادتوں کا دروازہ کھلا، رحمتوں کا سویرا ہوا۔ روح کی بہاروں کا موسم آیا۔ گلِ قدس کی خوشبو اُمڈی اور بہزاراں جاہ و جلال فاران سے خورشیدِ رسالت کی پہلی کرن چمکی۔

صدیوں کے بعد پھر حرم کی سرزمین سجدوں سے آباد ہو گئی۔ کہاں تو روئے زمین پر ایک بھی خدا کا ماننے والا نہیں تھا اور اب صرف عرفات کے میدان میں ایک لاکھ فرزندانِ توحید اپنی پیشانیوں میں سجدۂ بندگی کا اضطراب لیے کھڑے تھے اور خدا کا آخری رسولؐ اُن پر رحمتوں کے پھول برسا رہا تھا۔

رسالتِ محمدی کو عقل کی کسوٹی پر جانچنے والے صرف اتنی بات تاریخ سے دریافت کرنے کی زحمت فرمائیں کہ ماننے والوں نے پہلے خدا کو مانا یا اس کے رسولؐ کو؟

تاریخ واضح طور پر شہادت دے گی کہ پہلے سیدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے لوگوں کے دل جھکے۔ اس کے بعد اُن کے سروں کو خدا کا سجدہ نصیب ہوا۔ ماننے والوں نے پہلے رسالتِ محمدی کا اقرار کیا اس کے بعد توحیدِ الٰہی کی شہادت سے سرفراز ہوئے۔

اب یہ بات محتاجِ ثبوت نہیں ہے کہ پہلے پہل جن لوگوں نے رسالت کا اقرار کیا حق کی شناخت کے لیے اُن کے پاس سوائے عقلِ سلیم کے اور کوئی مشعل نہیں تھی۔

اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ عقل کی ساری رہنمائی رسولؐ کو رسولؐ ماننے تک تھی۔ رسولؐ کے مان لینے کے بعد عقل کو درمیان سے ہٹ جانا پڑا۔ اب ماننے والوں کے سامنے صرف رسولؐ کی زبان تھی۔ وہ جب بھی حرکت میں آئی یقین کا سر جھک گیا۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ انسان کو رسالتِ محمدی کی شناخت سب سے پہلے عقل ہی کے ذریعے ہوئی۔ عقل ہی کے مشورے پر دل جھکے اس کے بعد اعترافِ حق کے لیے زبان کھلی۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ عقل کے پاس وہ کون سا معیار ہے جس پر وہ رسالت و نبوت کا دعویٰ پرکھتی ہے اور پورا اترنے کے بعد دل

کی ساری کائنات کو قدموں میں ڈال دیتی ہے، تو اس کی تشریح مفصل طور پر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقلِ سلیم کا کہنا ہے کہ رسولؐ کی صحیح شناخت تین باتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان تین باتوں کے ثابت ہو جانے کے بعد کسی دور کی عقل بھی رسولؐ کو رسولؐ ماننے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتی۔

رسولؐ کی شناخت کا پہلا عقلی ذریعہ

یہ ہے کہ عام انسانی زندگیوں کے درمیان رسولؐ کی زندگی ماحول کی تاثیرات سے اس درجہ بالاتر اور معصوم و ممتاز ہوتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی دُنیا کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی معمولی انسان کی زندگی نہیں ہے، اس کے پیچھے ضرور کوئی آسمانی طاقت ہے جو پس پردہ کارساز ہے۔

اس رُخ سے جب ہم محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں، تو عقل دنگ رہ جاتی ہے، ہوش اُڑنے لگتا ہے اور عالمِ حیرت میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

زندگی کا پہلا رُخ

تاریخ کی گہرائی میں اُترنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہونے والا رسولؐ ایک ایسے خاندان میں جنم لیتا ہے جہاں ہر طرف بتوں کی فرماں روائی ہے۔ پجاریوں کی سیادت و افسری کا منصب ہی گھر کا پیشہ ہے۔ آنکھیں کھولتا ہے تو سارا ماحول اخلاق رذائل، روحانی کثافت اور شر و فساد کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا ہے کہیں بھی قدم رکھنے کی کوئی صاف جگہ نظر نہیں آتی۔ بچپن ہی میں سر سے والدین کا سایہ اُٹھ چکا ہے۔ گرد و پیش شائستہ تربیت کا کوئی چشمۂ صافی نہیں ہے جہاں وہ اپنا حلق بھی تر کر سکے۔ کسی درس گاہ سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ اکتسابی علم کے ذریعے خیر و شر کے سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہو۔

ایسے پُر آشوب بلاخیز اور تاریک ماحول میں وہ ایامِ طفلی کا معصوم دور گزارتا ہے۔ شعور کی منزل سے آشنا ہوتا ہے۔ شباب کی خار زار وادی میں قدم رکھتا ہے۔

یہاں تک کہ چالیس سال کی طویل مدت وہ صحراؤں، غاروں اور ویرانوں کی بے خطر تنہائیوں میں نہیں، گمراہوں، خار نم شعاروں، مے نوشوں، بدکاروں، فتنہ پروروں اور جرائم پیشوں کی بھیڑ میں بسر کرتا ہے لیکن عقل اور تاریخ دونوں محوِ حیرت ہیں کہ پانی میں رہتے ہوئے بھی نہ اس کا جسم بھیگتا ہے نہ جیب و دامن میں کہیں نمی نظر آتی ہے۔

نشست و برخاست، رفتار و گفتار، سیرت و اطوار، اخلاق و عادات، افکار و خیالات اور عبادات و معاملات میں چالیس سال کی طویل صحبتوں کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لاکھوں زندگیوں کے بیچ میں وہ تنہا ایک نرالی، منفرد، بے مثل اور عام سطح سے بالاتر زندگی گزار کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے رفتہ رفتہ اس کی اخلاقی برتری، کردار کی راستی اور معنوی تقدس کے آگے ماحول کی گردنیں جھکنے لگتی ہیں اور بالآخر ایک دن وہ سارے قبائل کی نگاہوں

کا مرکزِ عقیدت بن جاتا ہے۔

یہاں تک کہ چالیس سال گزر جانے کے بعد اچانک ایک پیغمبر کی حیثیت سے وہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

وہ لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ مجھے سجدہ کرو، میری عظمتوں کے آگے جھک جاؤ وہ بار بار صرف یہ کہتا ہے کہ پتھر کے تراشے ہوئے بت تمہارے خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے جو ان پتھروں، درختوں اور دریاؤں کا خالق ہے پرستش کا وہی مستحق ہے۔ پیشانی کے سجدے اسی کو زیب دیتے ہیں۔ اپنی انسانیت کا سب سے اونچا اعزاز رذائل کے قدموں میں رائیگاں مت کرو۔

بس اتنی سی بات پر ہر طرف آگ لگ جاتی ہے۔ سارا ماحول سلگنے لگتا ہے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب گھر سے نکلنا مشکل ہے رات کی تنہائی کے سوا کوئی انیسِ زندگی نظر نہیں آتا۔

رفتہ رفتہ حالات کی برہمی نقطۂ انتہا پر پہنچ جاتی ہے۔ تلواریں اُٹھتی ہیں وار خالی جاتا ہے قتل کی سازش ہوتی ہے تار بکھر جاتے ہیں قید کرتے ہیں زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ہزار مخالفت اور ہزار رکاوٹوں کے باوجود سیلِ نور کی طرح حقیقت کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جاتا ہے۔

چڑھتے ہوئے سورج کا فروغ دیکھ کر جب مرعوب ہو جاتے ہیں تو کفر کے نمائندے خوشامد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

"محمد! تم اپنی ذات سے سارے قبیلوں میں ہر دلعزیز ہو ہمارے معبودوں کے خلاف آواز اُٹھا کر اپنی ہر دلعزیزی کو صدمہ مت پہنچاؤ۔ تم اگر حکومت کا اقتدار چاہتے ہو تو سارا عرب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ تمہیں اگر دولت کی خواہش ہے تو سارے قبائل کا سونا ہم تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیں گے۔

اور اگر تم اجازت دو تو عرب کی سب سے حسین اور زہرہ جمال دوشیزہ تمہارے حرم سرا کی زینت بنا دی جائے۔ محمد! یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ کہ تم اپنے دعویٔ پیمبری سے دستبردار ہو جاؤ اور نئے دین کی تبلیغ بند کر دو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ناقابلِ شکست عزم و یقین کے تیور میں جواب دیتے ہیں۔

"پیغمبر اپنے منصب کی دیانت کو کسی قیمت پر نہیں بیچتا۔ مجھے جادۂ حق سے ہٹانے کے لئے جو معاوضہ تم نے پیش کیا ہے اُس کی تو وقعت ہی کیا ہے تم اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دو جب بھی میں دینِ حق کی تبلیغ اور اپنے منصب کے فرائض سے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ خدا میرے ساتھ ہے۔ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میری آواز پہ فتح پانا انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

چونکہ اس وقت میرا موضوعِ سخن تاریخ اسلام بیان کرنا نہیں ہے اس لئے آگے کے واقعات کسی دوسرے لمحہ فرصت پر چھوڑتا ہوں۔

اس وقت مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس پوری داستان میں دراصل یہ نکتہ سب سے زیادہ قابلِ غور ہے کہ پیغمبر کی دعوت کو شکست دینے کیلئے اہلِ مکہ نے ایک سے ایک حربہ استعمال کیا، بائیکاٹ کی مہم چلائی، وطن سے بے وطن کیا، ایذائیں دیں، پتھر برسائے، جنگ کی۔ خون بہائے خود بھی قتل ہوئے، دوسروں کو بھی شہید کیا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن کسی مائی کے لال کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھری مجلس میں کہہ دیتا۔

"محمد! تمہاری پیغمبری کا یہ ڈھونگ ملک شام، فارس اور ان دور دراز علاقوں میں تو چل سکتا ہے جہاں لوگ تمہاری اخلاقی کمزوریوں، بشری فروگزاشتوں اور کردار کی خامیوں سے ناواقف ہیں۔

لیکن یہ مکہ ہے! یہاں تمہاری زندگی کا ایک ایک خدوخال نظر میں ہے ہم تمہاری اُن تمام کمزوریوں سے پوری طرح باخبر ہیں جن کا

پیوند ایک پیغمبری زندگی کے ساتھ کسی طرح نہیں جوڑا جا سکتا۔ ہم نہ بھی تمہیں جھٹلائیں جب بھی تمہاری زندگی کے سیاہ دھبے بجائے خود تمہاری تکذیب کے لئے کافی ہیں۔ اور سن لیا جائے کہ اعتراف صداقت کی یہ آخری منزل نہیں ہے۔ اس کے آگے ایک اور منزل بھی ہے جہاں جلالتِ حق کی ہیبت سے عقل کو پسینہ آنے لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دشمنی میں انسان صحیح اور غلط الزام کا فرق اُٹھا دیتا ہے مانا کہ میرے سرکار کی زندگی ایک روشن آئینے کی طرح بالکل بے داغ و بے غبار تھی۔ اور یہ بھی تسلیم کہ بشری کمزوریوں کا کوئی واقعہ دشمنوں کے علم میں نہیں تھا لیکن اپنے حریف کو شکست دینے اور رسوا کرنے کے لئے کیا واقعہ تراشا نہیں جاتا؟ کیا من گھڑت الزامات نہیں بیان کئے جاتے؟ اور خاص کر ایسی حالت میں جبکہ پیغمبر کو مجروح کرنے کے لئے الزام تراشنا تلوار اُٹھانے سے زیادہ آسان تھا۔ عرب کے سخنوروں کا سارا گروہ ہمزبان ہی تھا۔ آن کی آن میں پیغمبر کے خلاف فرضی داستانوں کا دفتر تصنیف ہو سکتا تھا۔ لیکن عظمت خداداد کو عقیدوں کا خراجِ عقیدت پیش کرو کہ سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طیب و طاہر زندگی کا آفتاب اُس نقطۂ عروج پر تھا کہ سیاہی کا پیوند جوڑنے کے لئے کہیں سے بھی کوئی گھناؤنی ہوئی کرن انہیں نہیں مل سکی۔

ویسے اُڑانے کے لئے خاک اُڑا سکتے تھے لیکن دشمن اُس کے لئے کبھی تیار نہیں تھے کہ اپنی ہی آنکھیں غبار سے بھر جائیں

زندگی کا دوسرا رُخ

سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہے جو سپردِ قلم ہوا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کے جس رُخ سے دیکھو میرے سرکار کی زندگی اتنی جامع اور مکمل نظر آئے گی کہ ہر دور کے انسانوں کے لئے وہ بہترین نمونۂ عمل بن سکتی ہے

نہیں میں نے غلط کہا، بلکہ زندگی کی نجات کے لئے اُس کے سوا کوئی اور نمونہ ہی نہیں ہے۔

چودہ سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لئے اس سے بہتر سانچہ نہ آج تک تیار ہو سکا ہے نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

اور حیرت انگیز تماشا یہ ہے کہ زمانہ کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے اور بگڑتے رہے۔ خطۂ ارضی مختلف رنگ و روپ، مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف اندازِ معاشرت میں تقسیم ہوتا رہا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آئی۔ سب کی ضرورتوں کی کفیل ہوئی۔ سب کے لئے سازگار رہی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔

ایک گدا سے لے کر بادشاہ تک، سپاہی سے لے کر سالار تک۔ عورت سے لے کر مرد تک، بچے سے لے کر بوڑھے تک، غلام سے لے کر آقا تک، عربی سے لے کر عجمی تک، دہقانی سے لے کر شہری تک، اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ہی اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتے رہے کہ زندگی کا یہ پیمانہ میرے ہی لئے تراشا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ نقشہ سامنے رکھ کر اب میں عقلِ سلیم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی محیر العقول اور جامع و کامل زندگی کیا خدا کے رسول کے سوا کسی اور عام بشر کی ہو سکتی ہے؟

کیا عالمی تاریخ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی ایسی زندگی پیش کی جا سکتی ہے؟

؎ میں جانتا ہوں کیا وہ کہے گی جواب میں

رسولؐ کی شناخت کا دوسرا عقلی ذریعہ

رسولؐ کی شناخت کا دوسرا عقلی ذریعہ یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اُس کے تعلقات کی سطح عام انسانوں سے بہت اونچی ہوتی ہے وہ کائنات میں خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے عام بندوں کی طرح بے اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس کارخانۂ قدرت میں تصرفات کی قدرت بھی اپنے ہمراہ کر آتا ہے۔

تصرفات کی قدرت سے مسلح ہو کر آنا رسول کے لئے دو وجہوں سے ضروری ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اُصولِ فطرت کے مطابق کوئی انسان اپنے برابر اور ہمسر کی اطاعت نہیں کرتا اطاعت اُسی کی کرتا ہے جس میں برتری اور بڑائی کی کوئی وجہ ہوتی ہے یا جسے وہ اپنا بڑا سمجھتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ رسول کو ایسے کمالات اور قدرت و اختیار سے مسلح کر کے بھیجا جائے کہ کوئی انسان اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے اور اس کے آگے جھک کر اس کی اطاعت کرتے میں اُسے کوئی عار محسوس نہ ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا شناسی کی راہ میں سب سے بڑا حجاب مادی طاقتوں سے مرعوبیت کا ہے کیونکہ دنیا میں پہلے پہل انسان کی نظر انہیں طاقتوں سے روشناس ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر آنکھ کھولتے ہی انسان نے سورج کو دیکھا چاند کو دیکھا دریاؤں کی قیامت خیز لہروں کو دیکھا پہاڑوں کی ہیبت ناک چوٹیوں کو دیکھا پتھروں کی سخت چٹانوں کو دیکھا قد آور اور گھنے درختوں کو دیکھا آگ کے ہولناک شعلوں کو دیکھا بادشاہوں کے جلال و جبروت کو دیکھا اور ہیبت سے مرعوب ہو گیا۔ احساسِ کمتری میں اُنہیں طاقتوں کو کائنات کی اصل سمجھ بیٹھا اور بالآخر اُنہی کے آگے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔

حالانکہ یہ تمام طاقتیں جس طاقت کا کرشمہ تھیں وہ حجابات کے پیچھے تھی لیکن چونکہ وہ پیکرِ محسوس میں نہیں تھی اس لئے انسان کی نظر اُسے نہیں دیکھ سکی۔

ان حالات میں خدا کا رسول آتا ہے۔ آمد کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ان مادی طاقتوں کی پرستش سے روک دے اور اُس کا سر اُس طاقت کے آگے جھکائے جو پس پردہ ان تمام طاقتوں کی خالق اور پروردگار ہے۔

عقل کہتی ہے کہ جب تک ذہن کی غیر واقعی ہیبت اور دلوں کی غلط گرویدگی کا طلسم نہیں ٹوٹ جاتا پیشانیوں کا کسی مانوس آستانۂ عقیدت سے ہٹانا آسان کام نہیں ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایک رسول اپنے ساتھ ایسی کائنات گیر قدرت لے کر آئے جس کے ذریعہ وہ ان مصنوعی خداؤں کی طاقت کا بھانڈا پھوڑ دے جب چاہے ان کا طبعی نظام بدل دے ان کی قوتِ تاثیر سلب کر لے اور انہیں اپنی مرضی کا غلام بنا کر رکھے۔

پرستار بھی اپنے خداؤں کی بیچارگی، بے بسی و بے طاقتی اور گھٹنا ٹیک فرماں برداری کا تماشا دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ جب رسول کی قدرت و طاقت کا یہ حال ہے تو اس کے بھیجنے والے کی کیا شان ہو گی؟

اس لئے دراصل پرستش کے قابل وہی طاقت ہے۔ جس کی نمائندگی رسول کر رہا ہے۔ مغلوب طاقت پوجنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔

زندگی کا تیسرا رُخ

اتنی تمہید کے بعد یہ حقیقت ہم ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اس رخ سے بھی جب سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو آپ کی پیمبرانہ طاقت و قدرت کے نہایت حیرت انگیز اور دلربا مناظر سامنے آتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اشارے پر ساری کائنات گردش کر رہی ہے نگاہ اُٹھ جاتی ہے تو مادی طاقتوں کو پسینہ آجاتا ہے کرۂ زمین پر کھڑے ہو کر انگلی کا اشارہ کرتے ہیں تو آسمان کا سیارہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے لبوں کو جنبش دیتے ہیں تو ڈوبا ہوا سورج منزل سے پلٹ آتا ہے، راہوں سے گزرتے ہیں تو پتھروں کی بے جان دنیا درود و سلام کا خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے درختوں کو آواز دیتے ہیں تو وہ ایک اطاعت شعار خادم کی طرح دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں اشارہ کر دیتے ہیں تو واپس ہو جاتے ہیں چٹانوں پہ قدم رکھ دیتے ہیں تو کفِ پا کا نقش اُتر آتا ہے۔ پہاڑوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو کہسار کا دل خوشی سے جھومنے لگتا ہے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ حملہ آور کے لئے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ کھارے کنوئیں میں لعابِ دہن ڈال دیتے ہیں، تو ہمیشہ کے لیے وہ چشمۂ شیریں بن جاتا ہے۔ سنگریزوں کو ہاتھ لگا دیتے ہیں، تو جان پڑ جاتی ہے، اشارہ فرما دیتے ہیں کہ کلمہ پڑھنے لگتے ہیں۔

کبھی برہم ہو کر مشتِ غبار اُڑا دیتے ہیں، تو ہر طرف طوفان اُمنڈنے لگتا ہے اور جب کبھی مائل بہ کرم ہوتے ہیں، تو ایک قطرۂ آب چشمۂ سیال بن جاتا ہے۔

مسکراتے ہیں تو نور کی کرن پھوٹتی ہے، چلتے ہیں تو راستوں میں عطر برستا ہے۔ کسی کو چھو دیتے ہیں تو مہکنے لگتا ہے، ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو شفا ہو جاتی ہے۔

نظر پڑ جاتی ہے تو دلوں کے آئینے چمک اُٹھتے ہیں، زبان حرکت میں آتی ہے تو غیب کے اسرار کھلتے ہیں، رُخ پھیر لیتے ہیں، تو پیٹھ پیچھے کی خبر رکھتے ہیں، جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے، جو سوچتے ہیں ڈھل جاتا ہے، جو کہہ دیتے ہیں مُہر لگ جاتی ہے، جو کہہ دیتے ہیں دستور بن جاتا ہے، ادا ادا سے، بات بات سے ایک کائنات گیر اقتدار، ایک آسمانی بادشاہت، ایک با اختیار نمائندگی اور ایک محبوب و دلآویز شخصیت کا جلال و جمال برستا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

رسولِ عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کی یہ ناتمام فہرست جو ہم نے پیش کی ہے، ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایات ہیں اور روایات کا واقعہ کے مطابق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ عقل انسانی کے پاس اگر کوئی کسوٹی ہے جس پر وہ روایات کو پرکھتی ہے اور پورا اترنے کے بعد صحت کا حکم لگاتی ہے تو ہم یہ مرحلہ طے کرنے کے لئے بھی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ تیار ہیں عقل پرکھے اور حکم لگائے۔

ہمیں فخر ہے کہ جن وسائل و ذرائع سے ہم تک یہ روایات پہنچی ہیں ان سے زیادہ قابلِ اعتماد اور ثقہ ذرائع آج تک دنیا کی کسی روایت یا کسی واقعہ کو میسر نہیں ہیں لیکن یہ دعویٰ بہرحال اپنی جگہ پر ناقابلِ تردید ہے کہ ان واقعات اور روایات کو صحیح مان لینے کے بعد عقل یہ تسلیم کرنے

پر مجبور ہوگی کہ اس نشان کا آدمی سوائے رسولؐ کے کوئی عام انسان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

رسولؐ کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ

رسولؐ کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ خدا کی کوئی "آسمانی کتاب" ہوتی ہے۔ رسولؐ کے ساتھ آسمانی کتاب کا ہونا دو وجہوں سے ضروری ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اُس کے پاس ایک ہدایت نامے کا ہونا ضروری ہے جس کے مطابق وہ بندوں کی رہنمائی کرے اُنہیں راہ راست پر چلائے اور خدا کے احکامات اور اُس کی مرضی سے اُنہیں روشناس کرائے۔

عقل کہتی ہے کہ آسمان سے نازل شدہ کسی بھی الہامی کتاب میں درجِ ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

کیوں ضروری ہے؟ یہ ایک مستقل موضوعِ بحث ہے لیکن آنے والے مباحث کی روشنی میں ذرا بھی ذہن پر زور دیا جائے تو کیوں کا جواب خود بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ان اُمور کی نشاندہی جن کا کسی بھی الہامی کتاب میں ہونا ضروری ہے۔

۱۔ عبادات اور جملہ شعبہ ہائے زندگی سے متعلق احکام و قوانین اور مفید ہدایات جن کا تعلق عمل اور جوارح سے ہے۔

۲۔ عقائد، اصول اور ایمانیات جن کا تعلق قلبی تصدیق سے ہے۔

۳۔ خدا کی ذات و صفات سے متعلق واضح بیانات۔

۴۔ عالمِ آخرت اور جزا و سزا کی تفصیلات۔

۵۔ گزشتہ نبیوں، رسولوں اُن کی کتابوں اور قوموں کے تذکرے۔

۶۔ جس رسول پر کتاب نازل ہوئی اُس کے متعلق ہدایات۔

۷۔ خود اُس نازل شدہ آسمانی کتاب کے متعلق تذکرہ۔

۸۔ جس دور میں وہ کتاب نازل ہوئی اُس دور اور اُس دور کے لوگوں کے متعلق تذکرہ۔

۹۔ آئندہ کے واقعات اور اسرارِ غیب کی اطلاع۔

۱۰۔ کائنات کی تخلیق، آفرینش کی حکمت و مصلحت، آغاز و انجام اور درمیانی مراحل کا بیان۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسولؐ اس ظاہری دنیا میں موجود نہ رہے جب بھی بندوں کو ایک مستند ذریعہ سے اپنے متعلق خدا کی مرضی اور اس کی ہدایات و احکامات کا علم ہوتا رہے۔

اور خدا شناسی کے لئے بیک واسطہ اس کی ایک نشانی، کائنات کے ہر دور میں انسانوں کے درمیان موجود رہے

زندگی کا تیسرا رُخ

اتنی تمہید کے بعد مدعائے نگارش یہ ہے کہ اس رُخ سے جب بھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں انکے ہمراہ قرآن نامی ایک الہامی کتاب نظر آتی ہے۔

ایک جامع اور مکمل آسمانی کتاب کے لئے عقل جن امور کی نشان دہی کرتی ہے وہ سارے امور قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں۔

اُن امور میں سے بعض امور تو وہ ہیں جو ہدایت و قانون کی کسی بھی کتاب کے لازمی اجزا کی حیثیت سے ضروری ہیں اور جن کے بغیر اس موضوع کی کوئی کتاب بھی جامع اور مکمل نہیں کہی جاسکتی۔

اور بعض اُمور وہ ہیں جو سوائے خدا کی کتاب کے کسی بھی انسانی کتاب میں نہیں مل سکتے اور جہاں کسی طرح بھی انسانی عقل کی رسائی ناممکن ہے مثال کے طور پر آئندہ واقعات کی اطلاع اور اسرارِ غیب کی نقاب کشائی زمانہ ماقبل تاریخ کی تخمینی نہیں چشم دید خبریں۔ کائنات کی کیفیتِ تخلیق آفرینش کے رموز و اسرار اور عالم ہستی کے آغاز و انجام کی تفصیلات۔ خدا کی ذات و صفات کے متعلق واضح اطلاعات۔ عالم آخرت کی مفصل نشاندہی۔ قدرتی بناوٹوں کی طرح قرآن کا انداز بیان۔

یہ ہیں وہ اُمور جو انسان کی دسترس سے باہر ہیں اور جن کا کسی انسانی کتاب میں ہونا تو درکنار اُس کا علم ہی کا انسان کے پاس، سوائے خدا کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے

واضح رہے کہ یہی وہ منزل تھی جہاں سخنورانِ عرب کو پسینہ آگیا اور وہ سب مل کر بھی قرآن کی ایک مختصر سے مختصر سورت کی مثال پیش کرنے سے قطعاً عاجز و قاصر رہے۔

قرآن انہیں چیلنج پہ چیلنج کرتا رہا کہ اگر تمہارا یہ گمان صحیح ہے کہ میں خدائے برتر کی کتاب نہیں کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہوں تو تم بھی انسان ہو میری زبان بھی وہی ہے جس میں تم بہت بڑے ادیب اور مانے ہوئے سخنور ہو۔ بنالاؤ میری آیتوں کی طرح کوئی بھی عربی عبارت۔

انسان خدائی بناوٹوں کی نقل نہیں اتار سکتا۔ انسانی بناوٹوں کی نقل اتارنا اس کے لئے کیا مشکل ہے؟

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ نہ اُس وقت کے سخنورانِ عالم اس چیلنج کا جواب دے سکے۔ چودہ سو برس کی طویل مدت میں "ربع مسکون" پر کوئی جواب دینے والا پیدا ہوا اور پھر نہ صرف یہ کہ "قرآن ثانی" پیش کرنے سے دنیا عاجز رہی بلکہ قرآن کے حرم میں کہیں سے نقب لگانے کی بھی کوئی گنجائش نہیں مل سکی کیونکہ قرآن صرف سفینوں میں نہیں سینوں میں بھی محفوظ رہا اور قیامت تک محفوظ رہے گا

ہزار محاسن، ہزار اوصاف اور ہزار معجزانہ کمالات کے باوجود یہ عین ممکن ہے کہ کوئی قرآن پر ایمان نہ لائے لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کہ اس کے معجزانہ کمالات معجزانہ محاسن اور معجزانہ اوصاف کی موجودگی میں کوئی اس کے خدا کی کتاب ہونے سے انکار کر دے۔

اسی طرح از روئے عقل یہ بھی ذہن و فکر کا کھلا ہوا تضاد ہے کہ اتنی بات تو تسلیم کر لی جائے کہ دنیا کو خدا کی یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ حالانکہ دونوں باتیں قطعاً ایک ہیں۔ صاحبِ کتاب ہونے اور رسول ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر مَیں اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ عقلِ انسانی کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار آسان نہیں ہے۔

یا تو وہ ثابت کرے کہ قرآن جیسی کتاب انسان تصنیف کر سکتا ہے، یا یہ ثابت کرے کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل ہی نہیں ہوئی ہے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ عقل نہ وہ ثابت کر سکتی ہے نہ یہ ثابت کر سکتی ہے، وہ اگر کچھ کر سکتی ہے، تو صرف یہ کہ رسالتِ محمدی کی روشن حقیقت کے آگے اپنا سرِ نیاز خم کر دے۔

نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے

مولانا سید لعل شاہ بخاری

الحمد للہ الذی خلق الارض والسمٰوٰت وبیدہ الموت والحیاۃ والسلام علی من هدی الناس الی سواء الصراط اما بعد۔

نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اثبات کے لئے عقلی دلائل پیش کرنے سے پہلے چند امور بطور تمہید مقدمہ پیش کرنے ضروری ہیں۔

۱۔ وجود ذات باری پر عقلی دلیل

قرآن عزیز نے متعدد آیات میں اصحاب عقل اور ارباب بصیرت کو نظام عالم میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ مثلاً دیکھئے مندرجہ ذیل آیت

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنهار . . . لاٰیٰت لقوم یعقلون

بے شک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کی ادل بدل میں جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر سمندر میں چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے درخ پھیرنے میں اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ ان سب میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں (البقرۃ - ۱۶۴)

مقصد یہ ہے کہ عقل سلیم تفکر و تدبیر سے اس نتیجہ پر پہنچ جائے گی کہ اس کائنات کا کوئی موجد بھی ہے۔ اور نظام عالم کا چلانے والا کوئی منتظم مدبر بھی ہے۔ بلکہ کائنات ہستی کو عالم کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس سے صانع کے وجود کا سراغ ملتا ہے۔ نیز یہ ایک عقلی بات ہے کہ ممکنات کا تسلسل محال ہے۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا وجود ایک علت فاعلی کے ساتھ وابستہ ہے جو واجب الوجود اور قدیم ہے۔

کتابوں میں ایک اعرابی کا مقولہ ملتا ہے کہ اس نے کہا تھا۔

بعرۃ تدل علی البعیر وآثار الاقدام

ایک مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدموں

على المسير فكيف لا تدل السماء ذات ابراج والارض ذات فجاج والبحر ذات امواج على ذات اللطيف الخبير

کے نشانات کسی رہگذر کا پتہ دیتے ہیں۔ پس کیوں دلالت نہیں کرتا، برجوں والا آسمان، دروں والی زمین اور موجوں والے سمندر اس ذات لطیف وخبیر پر۔

بے شک ایک ذات لطیف وخبیر ہے۔ جو ان سب کی خالق ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ایک حکایت منسوب ہے کہ ایک دہریہ کو جواب دیا تھا کہ تمہارے نزدیک ایک درخت کاٹنے والے کے بغیر نہیں کٹ سکتا اور ایک نجار کے بغیر اس کے تختے نکال کر کشتی نہیں بنائی جا سکتی اور بغیر ناخدا کے کشتی دریا عبور نہیں کر سکتی تو کیا اتنا بڑا نظام عالم بغیر چلانے والے کے چل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں؛ اسی طرف قرآن عزیز نے اشارہ کیا ہے۔

والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم

سورج جو ایک مستقر پر چل رہا ہے۔ ویسے ہی نہیں چل رہا بلکہ اس ذاتِ عزیز علیم کی تقدیر سے ہے۔

ایک صاحب عقل سلیم نے جب قرآن عزیز کی وہ آیت سنی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ام خلقوا من غير شيءٍ ام هم الخالقون

کیا وہ بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے یا انہوں نے اپنے نفسوں کو خود پیدا کیا ہے۔

تو وہ ایمان لے آیا۔ اسی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا۔

وفی انفسکم افلا تبصرون

اگر تم بصیرت رکھتے ہو تو وجود باری کی دلیل تمہارے نفسوں میں بھی موجود ہے۔

۲ - خالق کائنات اور نظام عالم کا منتظم واجب الوجود، قدیم، حکیم اور قدیر ہے اور جملہ صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے۔ مقدمہ اولیٰ کے تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا مقدمہ محتاج دلیل نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ پہلے مقدمہ کی فرع ہے۔

۳ - جو خالق ہے وہی مالک ہے۔

اگر صانع اپنی مصنوعات کا مالک ہے تو خالق اپنی مخلوقات کا بطریق اولیٰ مالک ہوگا۔ تاہم فرق ہے۔ صانع اپنی مصنوعات کی سرگزشت اور ان پر طاری ہونے والے حوادثِ مستقبلہ سے آگاہ نہیں ہوتا اور خالق اپنی مخلوقات کی سرگزشت اور آئندہ حوادث کا علم رکھتا ہے۔ قرآن عزیز نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

الا یعلم من خلق وهو اللطيف الخبير

بھلا ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے وہی اپنی مخلوقات کے احوال سے ناواقف ہو حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔

۴ - انسان اشرف المخلوقات ہے خلاصۂ کائنات ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

قرآن عزیز نے تصریح فرمائی ہے کہ:-

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم

اسی اللہ نے تمہارے نفع کے لئے ہر وہ چیز پیدا فرمائی ہے

استوی الی السمآء فسوٰھن سبع سمٰوٰت

جو زمین میں ہے اور سات آسمان بنائے۔

اور پھر آسمانی مخلوق کو انسان کے سامنے جھکا دیا ہے۔

۵ ۔ خالق کائنات چونکہ حکیم ہے۔ اور حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ نے اس کائنات کو عبث اور باطل نہیں پیدا کیا۔ چنانچہ قرآن عزیز نے متعدد آیات میں اس طرف توجہ دلائی ہے۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون فتعلی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم

کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو یونہی بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں تو اللہ جو بادشاہ برحق ہے (بے فائدہ کام کرنے سے بری) اور بالاتر ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش بزرگ کا مالک ہے

اصحاب بصیرت جب نظام عالم میں فکر کرتے ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔

ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار

اے ہمارے پروردگار تو نے یہ کارخانہ عالم بے فائدہ نہیں بنایا۔ تیری ذات (ایسے فعل عبث کے کرنے سے) پاک ہے (اور یہ کارخانہ آخرت کی خبر دے رہا ہے) تو ہمارے پروردگار ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

۶ ۔ جب عقلاً ثابت ہو گیا کہ ساری کائنات انسان کی خاطر پیدا کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ انسان کی پیدائش کا بھی کوئی مقصد ہو گا۔ اسی مقصد کی طرف اللہ کریم نے قرآن عزیز میں تصریح فرمائی ہے۔

(ا)۔ خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا

موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔

(ب) افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون ٥ فتعلی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم (المومنون ۱۱۵، ۱۱۶)

لوگو! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں تو خدا بادشاہ برحق ہے (فضول کام کرنے سے بری) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرش بزرگ کا مالک ہے۔

(ج) ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں (الذاریات:۔ ۵۶)

۷ ۔ چونکہ یہ دنیا دار الابتلاء ہے تو ضرور ہے کہ ایک دار الجزاء بھی ہو۔ جہاں مطیع کو جزا اور مجرم کو سزا دی جائے۔ کیونکہ مطیع اور مجرم مساوی نہیں ہو سکتے۔

افنجعل المتقین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون

۸ ۔ مطیع خالق کا فرمانبردار اور عاصی خالق کا نافرمان ہوتا ہے۔

۹ ۔ احکام خداوندی بندوں کو کس طرح معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے براہِ راست ہر بندے کو تو حکم نہیں دیتا یہ تو شانِ شہنشاہی کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں

"بالجملہ دربارۂ احکام انتظارِ اظہارِ خداوندی ضرور ہے۔ مگر جب سلاطین دنیا اپنے احکام بذاتِ خود ہر مکان و ہر دکان پر جا کر ہر کسی کو نہیں سناتے۔ وہ خداوند احکم الحاکمین جس کی شوکت اور حکومت کے سامنے سلاطین دنیا کی حکومت اور شوکت کو کچھ نسبت ہی نہیں، کیونکر ہر کسی سے کہتا پھرے گا۔ جیسے بادشاہان دنیا اپنے مقربوں سے اپنے احکام کہا کرتے ہیں اور وہ اوروں کو پہنچا دیا کرتے ہیں۔ خداوند کریم بھی اپنے احکام مقربوں کے ذریعے سے اوروں کو پہنچائے گا۔ مگر جیسے یہاں کے بادشاہوں کے مقرب وہی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی موافق مرضی اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ اور بجز اطاعت بوئے سرتابی بھی ان میں نہیں ہوتی۔ ورنہ مقرب نہ رہیں۔ معتوب ہو جائیں۔ ایسے ہی خدا تعالٰے کے مقرب بھی وہی ہو سکتے ہیں۔ جو سراپا اطاعت ہوں اور شائبۂ انحراف بھی ان میں نہ ہو۔ اتنا فرق ہے کہ بادشاہانِ دنیا کو موافق مرضی اور خیر خواہ اور سراپا اطاعت وغیرہ کے سمجھنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے عزل و نصب عتاب و عنایت ہوتی رہتی ہے۔ اور خداوند علیم و خبیر سے کسی بات کے سمجھنے میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اس کے علم کو دربارۂ توضیح حقیقت ایسا کہنا پڑے گا۔ جیسا قمر و کواکب کے نور سے بوجہ نقصان بہت باریک چیزیں اور باریک فرق محسوس نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جس کا وجود کامل ہو۔ اس کی کسی بات میں نقصان متصور نہیں۔ ورنہ وجود میں نقصان لازم آئے گا کہ جب اس کا علم کامل ہوا اور اس وجہ سے اس کو کسی کے موافق مرضی اور ظاہر و باطن سمیع سمجھنے میں غلطی ممکن الوقوع نہ ہوئی تو جن کو اس نے اپنا مقرب بنایا ہوگا۔ ان کا معزول ہونا اور اپنے عہدۂ احکام رسانی سے موقوف ہو جانا بھی خلاف عقل ہوگا۔

الحاصل انبیاء میں کوئی ایسی بات نہ ہو گی جو ناپسندیدۂ خداوندی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کے تمام اخلاق حمیدہ کا ہونا اور تمام قوائے علمیہ کا گزیدہ ہونا لازم آئے گا۔ جس سے ان کی معصومیت کا اقرار کرنا پڑے گا۔"

واقعہ میلہ خدا شناسی صفحہ ۱۴، ۱۵

۱۰ ۔ سلسلہ نبوت آدم صفی اللہ سے شروع ہوتا ہے اور جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ قرآن عزیز کا دعویٰ ہے۔

ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحا و ال ابراھیم و ال عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض

یعنی یہ سب بعض بعض کی اولاد ہیں۔ ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ہے۔ جو اللہ تعالٰے کی جز ہو۔ انبیاء سارے کے سارے اللہ کے عباد ہیں۔ اولاد نہیں۔ یہ اجتباء اور اصطفاء کا سلسلہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک پہنچا تو خالق کائنات نے فرمایا۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ ۔ لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں وہ تو اللہ

وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن کے رسول ہیں اور سب پیغمبروں کے آخر (الاحزاب ۴۰)

مندرجہ بالا تمہیدی امور کے بعد ہم نبوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

آج سے تقریباً ۱۴۵۰ سال قبل مکہ معظمہ میں خاندان بنی ہاشم میں عبداللہ ابن عبدالمطلب کے گھر آمنہ خاتون کے بطن سے ایک یتیم بچے کی ولادت باسعادت ہوئی یعنی حضرت عبداللہ اپنے بچے کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس مولود مسعود کا نام محمدؐ رکھا گیا جو اسم بامسمّیٰ ثابت ہوا۔ پھر ماں کا بھی جلد ہی انتقال ہو گیا۔ پھر دادا عبدالمطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یتیم بچے کی پرورش اس کے چچا ابوطالب نے کی۔

تقریباً چالیسؔ سال کی عمر میں آپ نے ادعاء نبوت کیا اور فرمایا کہ میں اللہ کا فرستادہ رسول ہوں اور تمام دنیا کے انسانوں تک احکام پہنچانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے مجھے مصطفیٰ فرمایا۔

کچھ لوگوں نے آپؐ کے دعوے کو سچا سمجھا، تصدیق کی اور ایمان لے آئے۔ کچھ نے سختی سے انکار کیا۔ اذیت کے درپے ہوئے قتل کی سازشیں کیں۔ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ کشمکش پیدا ہوئی۔ بالآخر آپ کو غلبہ نصیب ہوا۔ کچھ اعداء ہلاک ہوئے بہت سے لوگ مطیع ہو گئے۔ ان کی عداوت مودت میں تبدیل ہو گئی۔ اور ان کے قلوب الفت و محبت سے معمور ہو گئے۔

آپؐ کی سوانح حیات پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی گئیں۔ غیر مسلموں نے بھی آپؐ کی ذات اور سیرت پر تبصرے کئے۔ ان اوراق میں آپؐ کی سیرت اور سوانح حیات کو پیش کرنا مقصود نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ نبوت محمدی کے اثبات کے لئے عقلی دلائل پیش کئے جائیں یعنی اس قضیہ کو عقل سلیم کی عدالت میں پیش کرنا ہے کہ عقل سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوائے نبوت میں صادق قرار دیتی ہے یا کاذب اور منکرین نبوت کے شبہات کو درست قرار دیتی ہے یا باطل۔ اگر عقل سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوے رسالت میں صادق قرار دیتی ہے تو وہ دلائل کیا ہیں جن کی بنا پر عقل سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا فیصلہ کیا ہے۔

نبوّتِ محمدیؐ کے دلائل عقلیہ

دلیل ۱ – صداقت رسولؐ

یہ وہ دلیل ہے جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور کسوٹی اہل مکہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادعائے نبوت سے قبل بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق اور امین کہتے تھے اور آپ کی عدالت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے قضایا متنازعہ میں آپ کو حکم تسلیم کرتے تھے تعمیر کعبہ کے وقت وضع حجر اسود کے بارے میں جو اختلاف پیدا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدبرانہ فیصلہ سے ختم ہوا۔

آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اہل مکہ کو آواز دی۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔

لقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون

میں نے تمہارے اندر عمر کا ایک طویل حصہ گذارا ہے۔ تم نے مجھے اس طویل مدت میں آزمایا۔ بتاؤ سچا پایا' یا جھوٹا؟

قوم نے جواب دیا۔ ماجربنا علیك كذبا (صحیح بخاری)

پھر آپ نے فرمایا۔

ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا

قوم بپھر گئی۔ آپؐ کے چچا عبدالعزیٰ نے جس کی کنیت ابولہب تھی کہا۔ تبالك یا محمد الهذا جمعتنا جس پر سورہ لہب نازل ہوئی تبت یدا ابی لهب وتب الخ

دلیل ۲۔ استقامتِ رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری اسباب وعلل سے تہی دست تھے۔ عالم اسباب میں کوئی ان کا پشت پناہ بھی نہ تھا۔ چچا ابولہب کی دشمنی کا حال تو آپ کو معلوم ہو چکا۔ جس چچا کی سرپرستی میں آپ نے پرورش پائی۔ وہ بھی آپ کے نظریہ کے خلاف تھا البتہ حمایت کرتا تھا۔ تاہم ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس نے بھی حمایت سے دستبرداری کا اظہار کر دیا۔ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

اور اب سلبی آزمائشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ قریش کے گھاگھوں کی مجلس نے طے کیا کہ اس کے لئے زیادہ لمبی چوڑی کوششوں کی حاجت نہیں۔ بلکہ ان کی ظاہری آنکھوں کے سامنے اس کی سب سے جو بڑی چٹان تھی جس پر وہ اگرچہ خود ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا۔ لیکن وہ یہی باور کرتے تھے کہ اس کی سب سے بڑی ٹیک اس کا چچا ابوطالب ہے طے کیا گیا کہ بس اسی چٹان کو جس طرح بن پڑے کسی طرح اس کے قدموں کے نیچے سے سرکا لو۔ یقین تھا کہ اسی کے ساتھ وہ اور اس کا دعوے دونوں ہی سربسجود ہو جائیں گے۔ جو کچھ ممکن تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے کیا۔ ابتداء میں انہیں کچھ مایوسیاں ہوئیں اور ابھی خاصی مایوسیاں ہوئیں۔ لیکن واقعہ میں وہ کس پر کھڑا ہے۔ اس کے عینی شاہد کس طرح پیدا ہوتے اگر ابوطالب اپنی چالیس سال کی محنت ومحبت کو برباد کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے۔ تاریخ نے اس دردناک مرقع کی تصویر محفوظ رکھی ہے۔ جس وقت اپنے گود دں کے پالے ہوئے یتیم بھتیجے کو لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں ابوطالب کہہ رہے تھے۔

لا تحملنی مالا الطیق (مجھ پر اتنا نہ لادو۔ جسے میں اٹھا نہ سکوں)

قریش کامیاب ہو گئے' چٹان لڑھک گئی۔ لیکن قریش ہی نے نہیں بلکہ دنیا نے دیکھا کہ جس کو گرانے کے لئے یہ کیا گیا تھا وہ جہاں تھا۔ وہاں سے ہلا بھی نہیں' صرف آواز آرہی تھی کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔

"خدا کی قسم میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں میں ماہتاب اگر اس لئے رکھ دیا جائے کہ میں اس امر کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ تو ان کی ایجابی کوششوں کی امید کی دبی چنگاریوں کو آخری طور پر بجھانے کے لئے فرمایا گیا اور اس کو تو وہ دیکھ بھی چکے تھے

آفتاب و ماہتاب تو ان کے پاس تھے نہیں لیکن جو کچھ بھی تھا سب کو دے کر وہ مایوس ہو چکے تھے۔ باقی اب جن سلبی اور ابتدائی مہموں کا انہوں نے آغاز کیا تھا، اس کے متعلق بھی قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا گیا۔

"یہ کام پورا ہوگا، یا میں اس میں مر جاؤں گا"

کام تو پورا ہی ہونے والا تھا۔ اور اس میں شک کی گنجائش ہی کیا تھی لیکن دے کر تو دیکھ چکے، اب لے کر دیکھو! اچھی طرح دیکھو۔ اس سلبی امتحان کی راہ میں جان تک کی بازی لگا دی گئی اور یہی مطلب تھا۔

او اھلك فيه الى آخره (یا میں اس میں مر جاؤں گا یا مارا جاؤں گا) (النبی الخاتم صفحہ ۴۹/۵۰)

ظاہر ہے کہ جھوٹا آدمی اس قدر صاحب استقامت نہیں ہو سکتا۔

امر استقامت اتنا گراں، ثقیل اور وزن دار ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دربار رسالت میں عرض کیا تھا۔

شبت یا رسول اللہ ۔ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے (مگر آپ کی کنپٹیوں کے چند بال سفید ہو گئے تھے)

مقصد یہ تھا کہ پیغمبر کے قویٰ تو بہت زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ بڑھاپا اتنی سرعت سے نہیں آسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔

شيبتني هود کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

سورہ ہود میں کیا چیز ہے جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا تو بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ امر استقامت ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو سورہ ہود میں دیا گیا۔ فاستقم كما امرت

یوں معلوم ہوتا ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (المزمل) سے مراد بھی امر استقامت ہے۔ جس شخص کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور توکل نہ ہو۔ اس سے اس درجہ کی استقامت کا ظہور ناممکن ہے۔

دلیل ۳ صحابہ کرام کی پاکیزہ جماعت بھی نبوت محمدی کی دلیل ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک ایسی جاہل، وحشی اور بت پرست قوم میں نشو و نما پایا جو علوم عقلیہ و نقلیہ سے بالکل بے بہرہ تھی۔ اس کے باوجود آپ کے اخلاق عظیمہ، خصائل حمیدہ اور اوضاع پسندیدہ اس کمال درجہ کے تھے کہ زبان اُن کے بیان سے قاصر اور دست قلم اُن کی تحریر سے عاجز ہے۔ صفحہ قرطاس میں ان کی جامعیت کی وسعت نہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ جو جماعت آپ کی دعوت و تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی مجموعی حیثیت سے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں پائی گئی اور نہ آئندہ پائی جا سکتی ہے۔

آپ نے انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دی، حکمت سکھائی اور اپنے تزکیہ سے اُن کے کردار کو بلند کیا۔ اور اُن کے افکار کو پاکیزہ کیا۔ ان کے قلوب خوف خدا سے معمور ہو گئے۔ ان کی آنکھیں شرم و حیا سے لبریز ہو گئیں۔ وہ لوگ یعنی صحابہ کرام جب حقیقت

آشنا ہوئے تو آپؐ کے اس قدر گرویدہ ہوگئے کہ آپؐ کو یا رسول اللہ، فداک ابی و امی کہہ کر پکارتے۔ شرافت ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ اور نجابت ان کی جبینوں سے نمایاں تھی۔ شجاعت اُن کی صفات لازمہ سے تھی اور سخاوت ان کا نمایاں جوہر تھا۔ ایثار اور آپس میں محبت و پیار اُن کی خصوصیات میں شمار ہوتا تھا۔ صحابہ کرام کی اس پاکیزہ جماعت کی انہی صفات کے پیش نظر ایک شاعر نے کہا ہے ؎

بھلا کیا بات ہے کہ نہ ایران سے نہ روما سے ڈرے ۔۔۔ چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے
بھلا بات کیا جو آپس میں نہ ملتے تھے کبھی ۔۔۔ بن گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے
بھلا بھید کیا کہ جن کو ہوتا تھا کافور پہ نمک کا دھوکا ۔۔۔ بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

اسی جماعت کی طہارت، مروت اور خلق عظیم سے متاثر ہو کر سفانہ بنت حاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی قائل ہوئی اور اپنے بھائی عدی ابن حاتم کو دربار رسالت میں حاضری کی ترغیب دی اور انہی وجوہ کی بنا پر عدی ابن حاتم بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اُس کے دل میں سخت منافرت تھی۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت اور تزکیہ کا نتیجہ تھا جس سے ؎

وفا کی خاک سے مانجھا دلوں کے آبگینوں کو ۔۔۔ مثالی کر دیا بھٹکے ہوئے صحرا نشینوں کو
کتاب اس پر وہ اتری تھی جسے قرآن کہتے ہیں ۔۔۔ تمدن کی، تدبر کی وفا کی جان کہتے ہیں

اسی طرف قرآن عزیز نے اشارہ فرمایا۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم اٰیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین

(الجمعة : ٢)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے ان پڑھ (عربوں) میں ان ہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اُن کو پاک صاف کرتے اور اُن کو کتاب الٰہی اور حکمت سکھاتے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرة :- ١٥١)

جیسے ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتے اور تمہاری اصلاح کرتے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتاتے ہیں جو پہلے سے تم کو معلوم نہ تھیں

دلیل ۴ صحابہؓ کی استقامت

صحابہؓ کی استقامت بھی نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی استقامت کی ایک جھلک تو گزشتہ سطور میں قارئین نے دیکھ ہی لی۔ اب آپؐ کے صحابہ کی استقامت کے بعض واقعات ملاحظہ

فرمائیں۔ استقامت کا یہ درجۂ کمال بغیر یقین محکم اور اعتقادِ جازم کے میسر نہیں آسکتا۔

مکہ کی سرزمین میں ایمان لانے والے غریب مسلمانوں کو جو اذیتیں دی گئیں۔ اس کے نظائر تاریخ عالم میں کم ہی ملتے ہیں بلال حبشی کے دردانگیز واقعات تاریخوں میں ثبت ہیں۔ کیا اہل مکہ کا انتہائی تشدد اور ظلم و ستم کسی ایک مومن کو بھی ایمان سے برگشتہ کر سکا؟ صحابہ تین سال شعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں محصور رہے۔ مشرکین مکہ نے سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا صحابہ نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا اور ان میں کوئی لچک پیدا نہ ہوئی۔

سمیہ والدۂ عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہما کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر ابوجہل نے انہیں ہلاک کر دیا۔ کیا زمانے میں اس ظلم و ستم کی نظیر بھی باقی گئی ہے؟ کیا آل یاسر کے پائے استقامت میں لغزش آئی؟ نہیں! ہرگز نہیں!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر گذر ہوتا تو آپ فرماتے:۔

اصبروا آل یاسر فان لکم الجنة — اے یاسر کے گھرانے صبر کرو۔ تمہارے لئے اس کا اجر جنت ہے

جریدۂ عالم میں ہزاروں واقعات ثبت ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ درپیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن حذافہ السہمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک غزوہ میں رومیوں نے انہیں بعض دوسرے ساتھیوں کی معیت میں گرفتار کر لیا۔ اسے شاہ روم نے کہا اگر تو نصرانی ہو جائے تو میں تجھے اپنا نصف ملک تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور اپنی بیٹی بھی نکاح کئے دیتا ہوں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اس نے کہا۔ ورنہ میں تجھے جلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال کر جلا دوں گا۔ وہ پھر بھی مستقیم رہے۔ جب جلاد انہیں کڑھاؤ میں ڈالنے گیا تو رو پڑے۔ انہیں طمع ہوئی کہ رو جو رہا ہے تو شاید مان جائے۔ بادشاہ نے کہا۔ اگر تو شرط پوری کر دے۔ تو میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے میرے رونے سے غلط اندازہ لگایا۔ میں موت سے ڈر کر نہیں رو رہا۔ میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف ایک نفس دیا جو میں اُس کی راہ میں قربان کر رہا ہوں۔ کاش اللہ مجھے اتنے نفوس عطا کرتا۔ جتنے میرے بدن پر بال ہیں کہ میں یکے بعد دیگرے انہیں قربان کرتا۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔ اس نے کہا اچھا تو میرے سر کو چوم لے تو بھی میں تجھے رہا کر دوں گا۔

حضرت عبداللہ ابن حذافہ نے فرمایا۔ لا افعل میں یہ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بادشاہ نے کہا۔

قبل راسی اطلقک واطلق معک ثمانین من المسلمین۔ اگر تو میرے سر کو چوم لے تو میں تجھے بھی رہا کر دوں گا اور تیرے ساتھ اسی دیگر مسلمانوں کو بھی رہا کر دوں گا۔

قال نعم۔ فرمایا ہاں میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔

جب رہا ہو کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب سنا تو کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ کا سر چوما اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ اُس کا سر چومیں۔

استقامت کا یہ مرتبہ بھی ہر کس و ناکس کا مقدر نہیں۔ اور نہ یہ جوہر بغیر یقین کامل کے پیدا ہو سکتا ہے ؎

یہ انہی کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد

یہ سب کچھ انہوں نے صحبتِ نبویؐ سے پایا۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو آپ کے صحابہ میں یہ کمالات کیسے پیدا ہو گئے صحابہ معصوم نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض صحابہ سے گاہے گاہے بتقاضائے نفسانی معصیت کا صدور بھی ہو گیا۔ مگر کیا چشم فلک نے کبھی یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ مجرم دربارِ رسالت میں اپنے آپ کو تطہیر کے لئے پیش کرے۔ اور اپنے جرم کے اعتراف پر اس حد تک اصرار کرے کہ بالآخر اس پر حد جاری کر دی جائے۔

دلیل ۵

قیصر شاہ روم نے جس کسوٹی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پرکھ کر آپؐ کی صداقت کا اعتراف کیا تھا۔ وہ بھی نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ثبوت کی قوی دلیل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اتمام حجت کے لئے مختلف ممالک کے حکمرانوں اور مختلف قبائل کے سربراہوں کو خطوط لکھے تھے۔ ان میں سے ایک خط کا تذکرہ اس جگہ کیا جاتا ہے جو آپؐ نے ہرقل شاہ روم کو لکھا تھا۔ اور اُسے دعوت اسلام دی تھی۔ جب خط قیصر روم کو پہنچا تو اس نے اپنے عمال کو کہا کہ دیکھو تلاش کرو۔ مکہ کے لوگ تجارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مل جائے تو میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے کچھ قریشی ساتھیوں کے ساتھ دربار شاہی میں حاضر کئے گئے۔

قیصر نے ایک ترجمان کے ذریعے اُن سے سوال کیا کہ تم میں سے اُس مدعی نبوت کے ساتھ نسب میں کون زیادہ قریب ہے ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان کو قریب ہونے کا حکم دیا اور اُس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے کھڑا کیا گیا اور کہا میں ابوسفیان سے سوال کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم اُسے جھٹلا دینا۔ پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ مکالمہ سیرت اور حدیث کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ ہم اس مکالمہ کا اردو ترجمہ مکتوبات نبویؐ سے نقل کرتے ہیں۔

اسلام کے بارے میں قیصر اور ابوسفیان کا مکالمہ

قیصر :- "مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟"

ابوسفیان :- "نہایت شریف"۔

قیصر :- "پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں۔ تاکہ اُن کی اطاعت سے کسی کو عار نہ ہو"
"کیا اس کے خاندان میں کسی اور نے بھی کبھی نبوت کا دعوے کیا ہے؟ یا اُس میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"

ابوسفیان :- "کبھی نہیں"

قیصر :- "اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے! اور باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے"۔ "جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟"

ابوسفیان :- "کمزور لوگ ہیں"!

قیصر : "پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔" "اچھا اس کے پیرو بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟"

ابوسفیان : "اس کے پیرووں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔"

قیصر : "ایمان کی کشش کا یہی عالم ہے۔ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔"
"کیا کچھ لوگ اس کے دین سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ بھی بیٹھے ہیں؟"

ابوسفیان : "اب تک تو کسی نے ایسا نہیں کیا!"

قیصر : "ایمان کی خوبی یہی ہے کہ وہ جبر و اکراہ سے نہیں، بلکہ اپنی صداقت کے ساتھ دل نشین ہوتا ہے۔ ایمان کی لذت کی یہی تاثیر ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے اور روح پر اپنا اثر کر لیتی ہے تو پھر جدا نہیں ہوتی۔"
"اس کے دعوائے نبوت سے قبل تم اُسے سچا سمجھتے تھے یا کبھی اس کے جھوٹ کا بھی تمہیں تجربہ ہوا ہے۔"

ابوسفیان : "نہیں! اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

قیصر : "جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہ بولے۔ وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے! پیغمبر نہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں۔ اور نہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں۔"
"کیا کبھی وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔"

ابوسفیان : "ابھی تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ لیکن اب جو معاہدۂ صلح ہوا ہے۔ اُس میں دیکھنا ہے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔"

قیصر : "پیغمبر عہد شکن نہیں ہوتے!"
"کبھی اس کے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی ہے؟"

ابوسفیان : "جی ہاں! کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔"

قیصر : "جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟"

ابوسفیان : "کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم!"

قیصر : "خدا کے پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن آخر کار کامیاب وہی ہوتے ہیں۔"
"وہ تعلیم کیا دیتا ہے؟"

ابوسفیان : "وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ پاک دامنی اختیار کرو۔ سچ بولو۔ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ باپ دادا کے مشرکانہ طریقے کو چھوڑ دو، نماز پڑھو۔"

قیصر : "نبی موعود کی یہی علامتیں ہمیں بتلائی گئی ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ مگر میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ہوگا۔"
"اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو ایک روز وہ اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوں۔ ضرور مالک ہو جائے گا۔ اے کاش، میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا تو اُن کے پاؤں دھوتا۔"

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ نامۂ مبارک پڑھا جائے ۔ فرمان رسالتؐ میں لکھا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمدؐ کی جانب سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے ۔ ہرقل قیصر روم کے نام ۔ اس پر سلامتی ہو جس نے راہ راست اختیار کی ۔! بعد ازاں میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ بس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجیے ۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالےٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا ۔ اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہو گی۔

اے اہل کتاب ! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلّم ہے ۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں ۔ اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں ! اگر تمہیں اس بات سے انکار ہے تو تمہیں معلوم رہنا چاہیے کہ ہم بہر حال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں !

محمد رسولؐ اللہ

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی ۔ اہل دربار اس سے سخت مشتعل تھے ۔ فرمانِ رسالت کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہو گئے ۔ قیصر نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت دحیہؓ سے کہا کہ :۔

"اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اتباع کرتا ۔ وہ بلاشبہ وہی نبی ہیں ۔ جن کے ہم منتظر تھے ؟"

ہر چند قیصر کے دل میں نورِ اسلام جلوہ افگن ہو چکا تھا ۔ مگر تخت و تاج کی محبت میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔

۶ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمی ہونا

نبوت محمدؐیہ کے ثبوت کے لئے نہایت قوی دلیل ہے ۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آپ اُمی تھے ۔ یعنی آپ نے کسی ایک استاد سے بھی تعلیم حاصل نہیں کی ۔

امی انسان تین باتیں نہیں کر سکتا ۔

۱ ۔ لکھ نہیں سکتا ۔

۲ ۔ لکھے ہوئے کو پڑھ نہیں سکتا ۔

۳ ۔ حروف تہجی کا اجرا اپنی زبان پر نہیں کر سکتا ۔

پہلی دو چیزوں سے خود قرآن عزیز نے آپ کی نبوت پر استدلال فرمایا ہے ۔ چنانچہ قرآن عزیز کہتا ہے ۔ میرے پیغمبر ! وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے ۔ اور نہ تم

بیمینک اذا لارتاب المبطلون	کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین شبہ کرتے۔
(العنکبوت ۴۸)	

اگر ایسا ہوتا تو باطل کاروں کو شک کی گنجائش ہوتی۔ جب ایسا نہیں ہے تو آپ بلا ریب نبی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ:۔
کیا ایک امی انسان کے بس میں ہے کہ تخلیق آدمؑ اور ملائکہ کی گفتگو اور ملائکہ کا سربسجود ہونا۔ ابلیس کا اباء عن السجود، آدم صفی اللہ کا اپنی زوجہ کی معیت میں جنت میں سکونت اختیار کرنا۔ پھر ہبوط الی الارض کے واقعات کو اس تفصیل سے بیان کرے۔ جیسے قرآن عزیز نے بیان کیا ہے پھر اس کے بعد انبیاء کے واقعات نوح علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ قوم ہود و ثمود کی ہلاکت خیزیاں۔ ابراہیم علیہ السلام کا ایثار، بت شکنی، قوم کے سامنے ستارہ پرستی پر تنقید، وقت کے جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی، آگ میں ڈالا جانا، ہجرت، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق کی پیدائش، بیت اللہ کی تعمیر کے واقعات کی تفصیل، سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا مفصل قصہ کیا ایک امی انسان کا علم اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ جب کہ خود قرآن عزیز کہتا ہے۔

وان کنت من قبلہ لمن الغافلین	اور تم اس سورۃ کے نازل ہونے سے پہلے ان باتوں سے
(یوسف - ۳)	یقیناً بے خبر تھے۔

پھر قرآن کا یہ بیان۔

لقد کان فی یوسف واخوتہ اٰیات للسائلین	اے پیغمبر! امتحاناً سوال کرنے والے یہودیوں کے لئے یوسف
(یوسف : ۷)	اور ان کے بھائیوں کے حالات میں بڑی نشانیاں ہیں۔

پھر وہ سب نشان ایک ایک کر کے پورے بھی ہوئے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں نے قتل کی سازش کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بچا لیا۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی حکومت عطا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں حکومت عطا فرمائی۔ اور جس طرح ایک وقت آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے دربار میں مضطر و عاجز ہو کر پیش ہوئے اور معافی کی درخواست کی حضرت یوسف علیہ السلام نے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف کر دیا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر اہل مکہ مضطر، عاجز اور لاچار ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے اور آپ نے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف کر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

پھر موسیٰ کلیم اللہ اور فرعون کے واقعات، فرعون اور اس کے عساکر کا غرق ہونا۔ بنی اسرائیل کی سرکشیاں اور ان کی ناشکری کے واقعات، اصحاب سبت کا واقعہ، ملکۂ سبا کا قصہ، ذوالقرنین، یونس علیہ السلام اور اصحاب کہف کے واقعات جس تفصیل سے قرآن عزیز میں ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی نہ ہوتے اور قرآن منزل من اللہ کتاب نہ ہوتی تو کیا امی ہونے کی حیثیت سے آپ ان واقعات کو اس تفصیل سے بیان کر سکتے تھے۔ جب کہ آپ نے تورات اور دیگر صحف سماوی کا مطالعہ نہ کیا تھا۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ اور نہ ان کی زبان سے آشنا تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارہ میں قرآن عزیز کا تفصیلی بیان بالخصوص سورہ مریم کی مندرجہ ذیل آیات

قال انی عبد اللہ اٰتٰنی الکتاب وجعلنی نبیاo وجعلنی مبارکا این ماکنت	عیسیٰ روح اللہ نے مہد میں تکلم کیا۔ اور کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمانے اور نبی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور کہیں بھی رہوں مجھ کو بابرکت کیا ہے۔
(سورہ مریم - ۳۰ - ۳۱)	

کتنے معجزات پر مشتمل ہیں۔ آغوش مادر میں حضرت عیسیٰ علیہ وعلی نبینا السلام کا کلام کرنا، اپنی عبودیت کا اعتراف اور والدہ کی صفائی میں اس شان سے گویائی جس میں یہود اور نصاریٰ کے بکواسیات کی تردید ہوتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ (وجعلنی نبیا) میں تورات کتاب استثناء ب ۲۳ آیت ۲ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں "کوئی حرامزادہ میری جماعت میں نہ آئے"

مقصد یہ ہے کہ اے یہود لوء (اٹھا کر دیکھو اپنی کتاب تورات کو جب کوئی حرامزادہ خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا تو مجھے اللہ تعالےٰ نے نبی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم میری والدہ پر کیسے زنا کی تہمت لگا سکتے ہو۔

اور (وجعلنی مبارکاً) میں اشارہ ان مزعومات باطلہ کی طرف ہے جو نصاریٰ نے اپنی طرف سے تراش کر اناجیل میں داخل کر دیئے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جو سولی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی موت مرا عیسیٰ علیہ السلام بھی العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ لعنتی موت مرے۔ دیکھئے گلیتون ب۳ آیت ۱۳

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ گلیتوں ب۳ ۱۳

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ کے سچے نبی نہ ہوتے اور قرآن اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب نہ ہوتی تو آپ کے لئے کیسے ممکن تھا کہ امی ہونے کے باوجود آپؐ ان حقائق سے پردہ اٹھاتے۔ عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالےٰ کے تبلانے سے آپ نے یہ سب کچھ بتلایا ورنہ ایک امی انسان جس نے تورات و انجیل کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ آیت پیش نہیں کر سکتا۔

اہل مکہ اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے رحمٰن نام سے ناآشنا تھے۔ لیکن اہل کتاب کے ہاں یہ نام مشہور تھا۔ قرآن عزیز میں اس نام کو بار بار دہرایا گیا۔ بلکہ پہلی آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) میں اسم اللہ کی پہلی صفت رحمٰن کو قرار دیا گیا ہے۔ اہل مکہ نے اس سلسلہ میں کچھ اعتراضات بھی کئے جس کا قرآن عزیز نے تسلی بخش جواب دیا۔ بھلا ایک اُمی انسان، جس نے تورات و انجیل کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ وہ اس لفظ کا استعمال کر سکتا ہے؟ کیا وہ (انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کی آیت مقدس پیش کر سکتا ہے؟ الحاصل قرآن عزیز کی پہلی آیت ہی شہادت دیتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں۔

قرآن کہتا ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما	لوگو! ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے۔ جو قیامت

ارسلنا الی فرعون رسولا ۝ (المزمل :- ۱۵)

کے دن) تمہارے مقابلے میں گواہی دیں گے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

اس آیت میں اشارہ ہے توراۃ کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف :-

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا۔ جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حوراب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے۔ اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو، تاکہ میں مر نہ جاؤں۔" اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ سو ٹھیک کہتے ہیں" میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا۔ وہی وہ ان سے کہے گا۔ (استثناء ب۱۸ :- ۱۵ تا ۱۸)

نیز دیکھیئے :- اعمال ب۳ :- ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ایضاً اعمال ب۷ :- ۳۷

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بشارت دی تھی۔ جو مختلف اناجیل میں مذکور ہے۔

یوحنا ب۱۴ :- ۱۷ میں ہے۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"

یوحنا ب۱۶ :- ۷ میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

یوحنا ب۱۴ :- ۳۰ "کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔

مددگار اور سردار کا مطلب نبی ہے اور "ابد تک ساتھ رہے گا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاتم النبیین ہوگا۔ اور اس کے احکام ابدی ہوں گے۔

نوٹ :- ہمارے علمائے کرام کی تحقیق یہ ہے کہ انجیل کا اصل لفظ فارقلیط تھا جس کا عربی ترجمہ "احمد" ہے۔ عیسائیوں نے اسے پیراگلیٹ اور مددگار سے بدل دیا ہے۔ تاہم پیشگوئی ثابت ہے اور قرآن عزیز نے اس پیشگوئی کا تذکرہ سورہ صف آیت ۶ میں کیا ہے۔

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف :- ۶)

اور تم کو ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام ہوگا احمد

بھلا ایک آدمی جس نے اناجیل متذکرہ بالا کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ وہ اس صراحت کے ساتھ دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!

پس ثابت ہوا کہ لاریب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالے کے سچے برگزیدہ نبی ہیں۔ اور خاتم النبیین ہیں۔ لا نبی بعدہٗ

تورات کتاب الاستثناء ب۱۸ آیت ۲۰ میں ہے۔

"لیکن وہ نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا۔ . . . تو وہ نبی قتل کیا جائے"

قرآن عزیز نے سورۃ الحاقہ آیت ۴۴، ۴۵، ۴۶ میں اس کو بیان فرمایا۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذ نا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ (الحاقہ ۴۴، ۴۵، ۴۶)	اور اگر پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات ہماری جانب منسوب کرتا تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ہم نے ان کی گردن اڑادی ہوتی۔

اہل کتاب ایک نبی کے منتظر تھے۔ اور اسے "وہ نبی" کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ جیسے یوحنا کی مختلف آیات میں ہے۔ قرآن عزیز نے انہی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون ٥ (البقرۃ ۔ ۱۴۶)	جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور اُن میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق بات کو چھپاتے ہیں۔
فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (البقرۃ : ۸۹)	جس پیغمبر کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے جب وہ پیغمبر آ موجود ہوا تو لگے انکار کرنے۔
الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ (البقرۃ ۔ ۱۲۱)	جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس کو پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔

اگر قرآن عزیز اللہ کی کتاب نہ ہوتی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی نہ ہوتے تو پھر اُمّی ہو کر کس طرح یہ دعویٰ کر سکتے تھے۔ جس کی تکذیب کی اہل کتاب کو ہمت نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالے کے سچے نبی ہیں۔ اور قرآن عزیز منزل من اللہ کتاب ہے۔

جس شخص نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ خم نہ کیا ہو۔ ان حقائق پر کیسے مطلع ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ اللہ تعالے کی طرف سے مبعوث رسول ہیں اور اللہ تعالے ہی کے تبلانے پر آپؐ نے جملہ حقائق پیش کئے جن کی تکذیب کی کبھی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔

پھر قرآن عزیز کی بعض سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات آئے مثلاً حٓ، قٓ، طٰہٰ، یٰسٓ، حٰمٓ، الٓمٓ، الٓرٰ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ

یہ دعوے مع الدلیل ہے کہ یہ سورتیں اللہ تعالے کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ورنہ ایک اُمّی کی زبان پر حروف مقطعات کا اجراء ناممکن ہے۔

۷۔ معجزات کا وقوع

معجزات کا وقوع نبوت محمدیؐ کے ثبوت کے لئے نہایت قوی دلیل ہے۔

نبی کے لئے معجزے کا ہونا ایک عقلی بات ہے۔ اس لئے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر بطور دستاویز کے ظاہر ہوتی ہے تاکہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ واقعی نبی ہے۔

کوئی حکومت اپنا سفیر دوسرے ملک میں بھیجتی ہے تو اسے دستاویز دی جاتی ہے کہ دوسرے ملک کے حکمران تسلیم کر لیں کہ یہ واقعی سفیر ہے۔ تو رب العزۃ ایک شخص کو رسالت کے لئے منتخب فرماتے ہیں تو کیا کوئی نشان مرحمت نہیں فرمائیں گے کہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے۔ ہر نبی کو معجزات دیئے گئے۔ اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ معجزات عطا ہوئے۔ اور پہلے انبیاء کے معجزات کی نسبت اتم و اکمل معجزات عطا ہوئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے میلہ خدا شناسی میں اس مضمون کو اس خوبی سے بیان فرمایا کہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ بلکہ بعض ہندوؤں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مولوی قاسم کی زبان پر دیوتا بولتا ہے۔

سب سے بڑا معجزہ جو خاتم النبیین، سید المرسلین کو عطا ہوا۔ وہ قرآن مبین ہے جو فصاحت، بلاغت، لطافت اور حلاوت میں لاجواب ہے۔ چنانچہ قرآنِ عزیز نے خود چیلنج کیا۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہدآءکم من دون اللہ ان کنتم صدقین (البقرۃ ۲ : ۲۳)

اور وہ جو ہم نے اپنے بندے پر (قرآن) اتارا ہے۔ اگر تم کو اس میں شک ہو اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لو۔

لیکن عرب کے شعراء، فصحاء اور بلغاء دم بخود رہ گئے۔ قرآن کریم کے اس چیلنج کا جواب نہ آج تک منکرینِ نبوت دے سکے اور نہ قیامت تک دے سکتے ہیں۔

نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے

مولانا محمد عبد المالک

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا

خدا نے اپنی معرفت کے لئے انسان کو عقل دی۔ تاکہ اس کے ذریعہ اس کی وحدانیت اور واجب الوجود ہونے پر ایمان لائے۔ سب سے پہلے عقل یہ قیاس مرتب کرتی ہے کہ ہر نشان کے لئے کوئی نشان قائم کرنے والا ضرور ہے جاہل سے جاہل چرواہا جنگل میں سراغ سے اپنے مال مویشی ڈھونڈ لیتا ہے گم کردہ راہ شب تاریک میں چراغ کو دور دیکھ کر سمجھتا ہے کہ کوئی آبادی ضرور ہے۔ دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا اور دھوپ کو دیکھ کر آفتاب کا یقین ہوتا ہے۔ اسی طرح بڑھتے بڑھتے یہ اذعان ہوتا جاتا ہے کہ زمین و آسمان، سورج اور ستاروں کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ایک ہستی مطلق کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم اپنے وجود کے عالم کو دیکھیں اور اس کی بناوٹ اور ترتیب و تناسب اعضا پر غور کریں تو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ان ہی معنوں میں کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جو اپنے نفس کی حقیقت پر آگاہ ہوا۔ وہ خدا کی ذات سے بھی واقف ہوا۔

پس خدا کی نعمت راہ نمائی ہر ایک انسان کے لئے بالتعمیم ہے۔ جو کوئی اپنی عقل سے کام لیتا ہے۔ وہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے لیکن جو عقل سے کام نہیں لیتا وہ گمراہ رہتا ہے۔

بایں ہمہ قدرت حق نے اپنے بندوں کے لئے سوائے عقل کے ہدایت کے اور بھی راستے پیدا کر دیے ہیں اور اتمام حجت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ جب خدا دیکھتا ہے کہ بندے عقل سے کام نہیں لیتے اور گمراہ ہوتے جاتے ہیں تو انہیں میں سے ان کے سمجھانے کے لئے اپنے خاص بندے کو مقرر کرتا ہے جو ان کو وعظ اور تلقین کرتا ہے اور خدا کے احکام سناتا ہے۔ یہ نبی اور رسول کہلاتا ہے۔ رسول اور نبی خاص طاقت رکھتا ہے اور اس کی دماغی و روحانی کیفیت خاص ہوتی ہے۔ اگرچہ مثل عام لوگوں کے یہ بھی ایک بشر ہوتا ہے۔ لیکن اس کو خدا کے ساتھ واسطہ قرب و خطاب ہوتا ہے اور اسی قرب و خطاب کی وجہ سے وہ افضل الناس کہلاتا ہے اس کی طاقت اور قوت کا نام نبوت و رسالت ہے۔

میں کوشش کروں گا کہ نبوت اور رسالت کے معنی کو عام فہم مثالوں کے پیرایہ میں سمجھاؤں اور انسان میں ظاہری اور باطنی بے شمار طاقتیں ہیں۔ لیکن جس طرح آئینہ کو جس قدر جلا دی جاتی ہے۔ اسی قدر روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک

قوت یا طاقت انسانی کار آمد کرنے سے قوی اور طاقت ور ہوتی ہے اور معطل کرنے سے زائل ہو جاتی ہے

دایاں اور بایاں بازو بناوٹ اور شکل میں ایک سے ہیں۔ مگر چونکہ ہم دائیں بازو سے زیادہ اور بائیں سے کم کام لیتے ہیں۔ اسی لئے وہ قوی اور یہ کمزور ہے۔ آنکھوں کو اگرچہ ہم کچھ دن بند رکھیں تو ان کی بینائی کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذہنی اور روحانی طاقتوں کا حال ہے۔ جوڑے کے دو بھائی جو ایک ہی وقت پیدا ہوتے ہیں اور ان کا باپ اور ماں ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی قسم کی غذا کھاتے ہیں اور ایک ہی فرش پر سوتے ہیں۔ ایک بکریاں چراتا ہے اور دوسرا اقلیدس اور الجبرے کی شکلوں اور اصولوں کو ثابت کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ ایک نے قوت ذہنی کو معطل کر دیا، اور دوسرے نے اس کو ریاضی کی تعلیم و تعلم میں بڑھایا۔

ایک اور مثال سنو۔ جس قدر کوئی انسان کسی خاص فن یا اصول میں زیادہ فکر و غور کرتا ہے اسی قدر اس میں مہارت کرتے کرتے یکتائی کا رتبہ پاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ میں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں اس وقت اس درجہ کا ادیب ہے کہ اس کی نظیر نہیں ہے۔ فلاں اس قدر ریاضی دان ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ اسی طرح اور علوم و فنون کا حال ہے۔ الغرض کوئی شخص مشق یا غور و فکر سے کسی علم و فن میں ایسا برتری کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے کہ دوسرے وہاں تک پہنچ نہیں سکتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ان کے وجود میں خدا نے ایسی قوت رکھ دی ہے۔ جو استعمال سے اپنی فطرت کو پہنچی ہے۔ دنیا کی ایجادوں اور علوم کی ترقی کو دیکھو تو ایک عالم حیرت نظر آئیگا۔ یہ سب کچھ ذہنی طاقتوں کو غور اور فکر میں لانے کا نتیجہ ہے:

ان مثالوں سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ کہ نبوت اور رسالت بھی قوتیں ہیں۔ ان قوتوں کی تکمیل کے لئے خدا اپنے خاص بندوں کو مقرر کرتا ہے جو رفتہ رفتہ اس کو مکمل کرتے ہیں اور نبی اور رسول کہلاتے ہیں۔

مثال مذکور میں اگر آپ جاہل بھائی کا انکار فاضل بھائی کی ہندسہ دانی کی نسبت فضول اور بیہودہ خیال کرتے ہیں تو بہیت کذائی اپنے انکار کو دربارہ نبوت و رسالت لایعنی و لاطائل سمجھیں۔ کیونکہ جو شخص روحانیت سے ایسا بے خبر ہے جیسا کہ چرواہا ریاضی سے تو وہ کس طرح نبوت اور رسالت کے انکار کا حق رکھتا ہے۔

میں ایک اور مثال دیتا ہوں۔ جس شخص نے چشموں سے پانی ابلتا نہیں دیکھا اگر وہ چشموں کے وجود ہی سے انکار کر دے تو کیا وہ احمق نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح جو شخص نبوت اور رسالت کی حقیقت اور علم سے انکار کرتا ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک جو انسانی طاقتوں کے کمالات اور اس کی ترقی سے واقف ہیں جاہل اور گمراہ ہے۔

آپ روزمرہ کے جلسوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض شاعر اور لیکچرار رفتہ رفتہ اس درجہ کی فصاحت اور بلاغت اور اسلوب کلام پر پہنچ جاتے ہیں کہ مجلس ان کے ایک ایک مصرع اور ایک ایک فقرہ پر تڑپ اٹھتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ بھی سچ ماننا پڑے گا کہ خداوند تعالیٰ اپنے خاص آدمیوں کو فصاحت، بلاغت و استدلال کا یہ درجہ دیتا ہے کہ وہ تمام دنیا کو خدا کی ہستی کا قائل کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص ایک لحظہ کے لئے انسان کی روحانی قوتوں پر غور کرتا

ہے وہ نبوت و رسالت سے کبھی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ کم سے کم اس کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ انسان کے وجود میں علیٰ حسب مراتب بیشمار قوتیں ودیعت ہیں جن کی انتہا نبوت اور رسالت ہے۔

آپ نے دیکھا ہے کہ عدالت کسی بڑے سے بڑے رئیس کی شہادت پر اعتبار نہیں کرتی۔ مگر کسی فقیر کے بیان کو قابل وقعت خیال کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس رئیس کا خلق بہت گرا ہوا ہوتا ہے۔ مگر فقیر کی نسبت ہر ایک کا اعتقاد ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لئے کہ اس سے راست گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا ہے۔ کہ اس کی نسبت کبھی وہم و گمان نہیں ہو سکتا کہ یہ جھوٹ بولے گا۔ پس اخلاق حسنہ کا اختیار کرنا اور خصائل رذیلہ سے مجتنب رہنا روحانی طاقت کی ترقی کی ابتدا ہے۔

جس طرح کسی فن میں فاضل ہونے کے لئے اس فن کے مبادی اور اصول کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح نبوت اور رسالت کے لئے اخلاق حسنہ کا حاصل کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ نبی اور رسول اخلاق اور اوصاف کاملہ کا ایک نمونہ ہوتا ہے خداوند تعالیٰ اس کے لئے پیدائش کے وقت ہی سے ایسے اسباب اور ذرائع پیدا کر دیتا ہے جو نبوت اور رسالت کی تکمیل کے لئے مقدر ہوتے ہیں۔

نبی و رسول۔ صداقت، تحمل۔ بذل و کرم۔ عفو۔ محنت۔ شفقت۔ حلم و حیا وغیرہ اوصاف کا مجموعہ ہوتا ہے اور انہیں اوصاف کے مدارج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے نسبتاً برتر سمجھا جاتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ اس پر شاہد ہے حضرت ابراہیم مجاہدہ اور بذل و کرم میں کامل تھے۔ حضرت نوحؑ تکلیفات میں صابر علیٰ ہذا القیاس حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ و ایوبؑ صبر میں حضرت داؤد و سلیمانؑ شکر میں اور حضرت یوسفؑ شکر اور صبر دونوں میں اور حضرت موسیٰؑ معجزات میں اور حضرت زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ الیاسؑ زہد و تقویٰ میں۔ حضرت اسماعیلؑ صداقت میں۔ حضرت یونسؑ تضرع میں مشہور تھے۔ خدا نے ان کے بعد ہم کے تمام اوصاف کا مجموعہ ایک ذات اقدس کو عطا کیا۔ جس کے حق میں کہا جاتا ہے۔

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

انبیاء اور رسل کی سوانح عمری پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ اعلیٰ کس طرح اخلاق حسنہ کا اکتساب اور عادات رذیلہ سے اجتناب کرتا ہے اور اس منزل کے بعد انکی زندگی شبہات اور توہمات سے اس طرح مبرا ہوتی ہے جس طرح ان کا دامن عفت خطا اور معصیت سے پاک ہوتا ہے ان کے دنیوی اور دنیادی مشورے صائب ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں حقیقت کا ترجمہ ہوتا ہے۔ عقل کی روشنی میں ان کی ذہنی اور روحانی قوتیں الٰہیات کے اعلیٰ منازل کی سیر کرتی ہیں۔ اس لئے ان کے قیاسات کا نتیجہ بلاشبہ صحیح اور ان کے فکر کا حکم بلاشک مسلّم ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ وہ خواب میں آنے والے واقعات کو اس طرح دیکھتے ہیں۔ جس طرح ہم بیداری میں کسی چیز کو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں خدا کی آنکھیں اور ان کے کان خدا کے کان ہو جاتے ہیں اور پھر وہ بیداری میں خدا کے ارشاد کو اس طرح سنتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کی بات چیت سنتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی مثال بارگاہ خداوندی

ہیں ایسی ہے جسطرح بادشاہ کی بارگاہ میں وزراء کی۔ وہ خدا کے تلطف آمیز خطاب سے خوش ہوتے ہیں اور قہر آگین عتاب سے کانپتے ہیں۔ جس قدر ان کی قوتیں تیز ہوتی ہیں اسی قدر انہیں احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ سب ایک مفہوم اور مدلول لوگوں کو سمجھاتے ہیں اور مختلف محسوسات کی مثالوں میں اپنے مدعا کو بیان کرتے ہیں۔ ان کا طرز بیان تجربیاتی سا ہوتا ہے۔ ان کے بیان میں اعجاز ان کی تقریر میں اثر ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی فوجی افسر پہاڑ کی بلندی پر چڑھ کر دشمن کی فوج کی نقل و حرکت سے اپنی فوج کو آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح رسول اپنی امت کو ایسے امور کی اطلاع دیتا ہے۔ جس پر اس کی امت خود مطلع نہیں ہو سکتی۔

جس طرح کہ فوج کو اپنے افسر کے حالات بیان کردہ پر حق الیقین ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو انبیاء کی حقیقت اور عظمت اور فضیلت سے واقف ہوتے ہیں ان کے احکام پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

انبیاء اور رسل تبلیغ احکام میں کوئی اجرت نہیں لیتے۔ بلکہ یہ ان کا ذاتی مقصد ہے کہ وہ شفقت اور تلطف سے لوگوں کو راہ راست پر لائیں اور یہی فطرت الٰہی کا منشا ہے جس کے پورا کرنے کے لئے وہ بھیجے جاتے ہیں۔ جب ان کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو ان کو بڑے بڑے نشان دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی صداقت پر ایمان لائیں۔ یہ نشان صرف انہیں لوگوں کے لئے ہیں جو ظاہر بین اور مادہ پرست ہیں ورنہ جو فہم رسا رکھتے ہیں وہ رسل اور انبیاء کے اخلاق اور طرز معاشرت اور طریق تمدن سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ مرسل من اللہ ہیں۔

معجزات اور خوارق کا جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور ان کی جہالت کی یہ وجہ ہے کہ انہوں نے یہ فرض کرلیا ہے کہ ان کے ظاہری حواس اور باطنی قوتیں ہر ایک امر کی کنہ کو پہنچ سکتی ہیں اور انہوں نے یہ بھی سمجھ رکھا ہے کہ ان کا زمانہ زندگی ازل تا ابد کا مجموعہ ہے اور ان کے معلومات ازل اور ابد کے معلومات ہیں۔ حالانکہ یہ جنون ہے۔

ان کو اپنی ذہنی قوت اور احساس ظاہری پر غور کرنا چاہیئے کہ ان کا مبلغ ادراک کہاں تک ہے۔ ہم بعض وقت دور سے دیکھتے ہیں کہ فلاں چیز ہے کہ فلاں چیز ہے جب نزدیک جاتے ہیں تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ بسا اوقات ہمارے لئے آوازوں کی تشخیص اس قدر مشکل ہو جاتی ہے کہ ہم کچھ سے کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں ہم بارہا معاملات کی نسبت مشورہ کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس طریق پر چلنے سے اپنے مقصد پر پہنچ جائیں گے اور ہمیں کسی طرح اپنے مقاصد و مطالب کی کامیابی میں بظاہر شبہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ سخت غلطی ہوتی ہے۔ یہ لوگ علم ہیئت کے مسائل کی تحقیقات میں تو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں مگر اپنے گھر کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

تو براوج فلک چہ دانی چیست ——— چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

ہمارے پیٹ میں اگر درد ہوتا ہے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس جگہ اور کیوں ہے۔ جب ہم اپنے بدن کی خبر نہیں رکھتے تو ملاء الاعلیٰ کے کارخانہ قدرت میں کیوں دخل در معقولات دیتے ہیں۔ ان کے ذہن ناقص میں یہ بطلان سمایا ہے

کہ جو کچھ ہوتا ہے۔ اسباب اور ذرائع سے ہوتا ہے اور اسباب اور ذرائع وہی ہیں جن کو خارج میں ہم دیکھتے ہیں گو وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم روحانی اسباب اور معلومات پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ اگر چہ ٹیوب ویل نکلنے کے کنوئیں کو دیکھ کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پانی اپنے دباؤ سے قدرتی چشمہ کی طرح جاری ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ کوئی [illegible] پہاڑ سے عصا مار کر چشمہ جاری کر سکتا ہے۔ زمانہ کے مختلف حادثات کی تواریخ کے پڑھنے سے اس امکان کے تو قائل [illegible] ہیں کہ کسی سیارے کا کوئی ریزہ زمین پر گرے۔ مگر یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔

ایروپلین کی فلک پیمائی اور باد رفتاری تو تسلیم کرتے ہیں مگر تخت سلیمانی کی پرواز کو نہیں مانتے۔

اس سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ انسان قطرہ آب سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس سے انکار ہے کہ حشر اجساد ہوگا۔

وہ کہتے ہیں جب انسان کا وجود مرنے کے بعد مٹی یا خاکستر ہو جاتا ہے اور ہوا مٹی کے ریزوں کو ایسا منتشر کر دیتی ہے کہ وہ تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں اور کچھ دریاؤں اور سمندروں میں تہ نشین ہو جاتے ہیں تو ان سب ذرات کا جمع ہونا کس طرح ممکن ہے۔ مگر وہ نہیں دیکھتے کہ جو غذا ہم کھاتے ہیں جس سے مادہ تولید پیدا ہوتا ہے وہ بھی تمام روئے زمین سے ریزہ ریزہ جمع کر کے مہیا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے اور مٹی کے ذرے مختلف اور دور دراز مقامات سے آکر جمع ہوتے ہیں پس جب ذروں سے انسان کی پیدائش کا امکان ثابت ہے تو حشر اجساد محال کیوں ہے۔

ہمارے حواس ایک حد مقررہ تک کام کرتے ہیں اور اس سے غیر محدود کام لینا چاہتے ہیں۔ میں تھوڑا سا نظامِ شمسی کا حال لکھتا ہوں۔ جس سے نظام شمسی کی وسعت کے مقابلہ میں انسانی فہم فراست کی کم مائگی ظاہر ہوگی ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

زمین اور آفتاب میں فاصلہ ۹ کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔

سنٹوری سیارے اور آفتاب کا فاصلہ (بمقابلہ زمین و آفتاب) دو لاکھ دس ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کی روشنی تین سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔

یعنی اگر ہم فاصلہ زمین و آفتاب کو ایک فرض کریں تو فاصلہ سنٹوری اور آفتاب کا دو لاکھ دس ہزار ہوگا اور جو شعاع اس کی ہم دیکھتے ہیں اس نے تین سال کے عرصہ میں زمین اور سنٹوری کا درمیانی فاصلہ طے کیا ہے۔

اسی طرح سگنی (جس کو عربی میں ذنب کہتے ہیں) کا فاصلہ آفتاب سے تین لاکھ بیاسی ہزار گنا ہے اور اس کی روشنی ۶ سال میں پہنچتی ہے۔

دیگا کا فاصلہ سات لاکھ ترانوے ہزار گنا ہے اور اس کی روشنی ۱۲ سال میں زمین تک آتی ہے۔

سیبر الش جس کو عربی میں کلب کہتے ہیں اس کا فاصلہ آفتاب سے تیرہ لاکھ پچھتر ہزار گنا ہے اور اس کی روشنی ۲۱ سال میں زمین تک پہنچتی ہے۔

آرکٹس کا فاصلہ آفتاب سے سوا لاکھ چوبیس ہزار گنا ہے۔ اور اس کی روشنی ۲۶ سال میں زمین تک پہنچتی ہے۔
علیٰ ہذا القیاس پولرس قطب شمالی کا ۱۹ لاکھ چھتیس ہزار گنا ہے اور ۳۱ سال میں اس کی روشنی زمین تک آتی ہے۔
ہیلی کامٹ: (دمدار سیارہ) تم نے سب سے پہلے ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو دیکھا تھا۔ وہ اپنا دورہ ۷۶ سال میں پورا کر کے ۱۹۸۶ء میں پھر نظر آئے گا۔

یہ سیارے وہ ہیں جو ہزاروں سال کی جدوجہد سے دریافت کئے گئے ہیں۔ لیکن اس سے اوپر ثوابت کا حال نہیں کھلا اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس میں کون آباد ہے۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو ۔ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا۔ پس جب ہماری ذہنی اور ظاہری حواس کی کمزوری اور زمین و آسمان کی وسعت کا یہ حال ہے تو پھر یہ کہنا کہ جس چیز کو ہم نہیں دیکھتے یا اس کے اسباب اور علل سے بے خبر ہیں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ غلط ہے کیونکہ محدود غیر محدود کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

پس اس کمزوری اور ناتوانی حواس کی حالت میں ضرور تھا کہ خدا ہم کو اپنے خاص بندوں کے ذریعہ اپنی ذات سے آگاہ اور اپنی عظمت اور جبروت کو آشکار کرتا۔ اس نے اس وجہ سے کہ ہم بندگان خاص (رسل و انبیاء) کی نسبت بدگمانی نہ کریں۔ ان کو اعلیٰ درجہ کے اخلاق جمیلہ اور اعمال حسنہ دیئے۔ جس سے ایک صحیح فطرت کا انسان یقین کرتا ہے کہ وہ خاص طاقت رکھتے ہیں اور ایسے خاص طاقت کے پاک نفوس مرسل من اللہ ہوتے ہیں۔

احکام الٰہی اور اس کی جزئیات کی تفصیل کے لئے قدرت کا یہ منشاء تھا کہ وہ انبیاء اور رسل کو بھیجے اور اپنی حجت کو پورا کرے۔

فطرت نے جس طرح نظام دنیا کی رفتہ رفتہ تکمیل کی اسی طرح نظام دین کو بھی بالتدریج مکمل کیا کیونکہ ایسا کرنا فطرت کا خاصہ تھا۔ فطرت نے پہلے ایک کو بھیجا کہ وہ مکان کا بنیادی پتھر رکھے۔ پھر دوسرے کو بھیجا کہ وہ دیواروں کو اٹھائے پھر تیسرے کو بھیجا کہ وہ چھت ڈالے۔ پھر چوتھے کو بھیجا کہ وہ پلستر کرے۔ علیٰ ہذا القیاس یکے بعد دیگرے آتے گئے اور اضافہ کرتے رہے مگر اخیر میں ایک بھیجا گیا۔ جس نے باقی حصہ مکان کو مکمل کیا اور مکان کی پیشانی پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا کر بانی کا نام اور سال تعمیر لکھ دیا اس آنے والے نے مکان کو خس و خاشاک سے پاک اور صاف کر کے اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ سامان کو باقرینہ رکھ دیا تو اب کہا جائے گا کہ اس اخیر آنے والے نے مکان کو مکمل اور مختتم کر دیا اور ان فروگذاشتوں کو پورا کیا جو پہلے چھوڑ گئے تھے اسی طرح نبیوں اور رسولوں کا حال ہے۔ انہوں نے رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے اصول دین اور شرائع کو مکمل کیا اور سب سے بعد آنے والے نے شریعت کو بہمہ وجوہ مرتب اور مختتم کیا اور ملت کے جہانگیر اور گیتی ستان علم پر الیوم اکملت لکم دینکم کا پھریرا لگا دیا۔ جس کے صلہ میں فطرت الٰہی نے خاتم النبیین کا سہرہ اس کے سر پر باندھا پیغمبروں، شریعتوں اور اصول کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب شرائع اور اصول مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو صرف ایسے بندوں

کی ہوتی ہے جو اس کی شریعت کی وقتاً فوقتاً توضیح اور تجدید کریں۔ اس لئے سب سے اخیر آنیوالا خاتم النبیین کے لقب کا مستحق ہے۔ جس طرح ایک سکول کے تعلیم یافتوں کا بالعموم ایک ہی مذاق ہوتا ہے اسی طرح اس طبقۂ علیا انبیا و رسل کے اصول بھی یکساں ہوا کرتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے آنیوالے کو یہی ہدایت ہوتی ہے کہ وہ پہلے کے قائم کردہ اصول کی توضیح کرے اور ان پر اضافہ کرے جس کے لئے وہ مامور ہے یا خداوند تعالیٰ اس کے ذریعہ کسی آیت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ بحالات زمانہ دوسری آیت کو بھیجے۔ اس اصولِ فطرت نے سب سے اخیر والے کو حکم دیا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۝

ترجمہ: "یہ گروہ پیغمبران وہ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی۔ آپ بھی اُنکے اصول اور شرائع کی اقتدا کریں"

جس طرح انبیا کو دوسرے انبیا کے اصول اور شرائع کی پیروی واجب ہے۔ اسی طرح ہر ایک فرد اُمت کو پیغمبر وقت کی پیروی لازم ہے۔ چونکہ پیغمبر کے عادات اور خصائل اور روزمرہ کی زندگی خود عامۃ الناس کے لئے ایک ہدایت ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر ایک پیغمبر کی معاشرت اور تمدن کے حالات پڑھیں اور ان حالات سے خود اپنی ذات میں وہ صفتیں پیدا کریں۔ جن سے کہ وہ ممتاز تھے۔

پس میں افضل الرسل اور خاتم النبیینؐ حضور علیہ السلام کے اخلاق معاشرت اور تمدن کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں اور اس سے بہتر موعظت اور تعلیم نہیں ہو سکتی، کیونکہ خاتم النبیینؐ متجمع صفات الانبیاء والمرسلین ہیں اور آپ امت کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین مثالی انسان ہیں) قرآن میں ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا ۝ ترجمہ: تم میں سے جو اللہ اور آخرت پر امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت یاد کرتے ہیں ان کے لئے حضور علیہ السلام بہترین نمونہ اخلاق ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کی تفصیل جب دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا: خلقه القرآن یغضب بغضبه ویرضٰی برضاہ ترجمہ: "آپ کا خلق قرآن ہے۔ جس قدر قرآن میں اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں آپ ان سے متصف اور جس قدر خصائل ذمیمہ اس میں مذکور ہیں مجتنب تھے"

پس حضور علیہ السلام کے جمیع اخلاق پر اطلاع پانے کے لئے قرآن کافی ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کے اخلاق کی تفسیر اور تفصیل ہے اور جب تک اخلاق کی تفاصیل سے آگاہی نہ ہو۔ قوتِ اخلاقیہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلئے قرآن کی تلاوت واجب ہے۔

علماء کا اختلاف ہے کہ اخلاق جبلی ہیں یا کسبی۔ صحیح خیال یہ ہے کہ تمام اخلاقِ جبلی ہیں اور ریاضت و مجاہدہ سے ان کی کیفیت اور کمیت میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف کی تلاوت سے رفتہ رفتہ انسان کو ایک ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان سے کبھی افعال مذمومہ سرزد نہیں ہوتے۔

قرآن میں حضور علیہ السلام کی شان میں آیا ہے۔ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

وبالمومنین رؤفٌ رحیم وغیرہ وغیرہ مختلف آیات ہیں۔ صحیح حدیثوں سے جو حضور علیہ السلام کے خلق کے بیان میں آئی ہیں۔ کچھ انتخاب پیش کرتا ہوں۔

آپ بہت مجاہد تھے۔ حتیٰ کہ نفل پڑھتے پڑھتے آپ کے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ خلوت میں یادِ خدا اور جلوت میں تبلیغ احکام فرماتے۔ کوئی سائل آپ کے درِ دولت سے محروم نہ جاتا اگر کچھ پاس نہ ہوتا تو فرماتے کہ میرے نام قرض لیکر حاجت پوری کرو۔ میں ادا کر دوں گا۔ آپ اچھے برے سے پوری التفات سے پیش آتے بلکہ بُرے کیساتھ زیادہ التفات کرتے تاکہ وہ راہ ہدایت پر آئیں نہ کسی کی غیبت و مذمت کرتے، نہ عیب جوئی۔ آپ نہ تو کسی کے ساتھ جھگڑا کرتے۔ نہ مطلب کے بغیر کوئی بات کہتے۔ بار بار سوال کرنے سے ناراض نہ ہوتے۔ ہر وقت خندہ رو اور کشادہ پیشانی رہتے اور بے جا خوشامد سے نفرت کرتے۔ آپ سوائے اس کے کہ کوئی ہتک دین کرے۔ کسی سے انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے اور نہ کسی کے درپے آزار ہوتے۔ آپ اس شخص سے جو سختی سے پیش آتا نرمی سے گفتگو فرماتے۔ ہر ایک کی بات کو غور سے سنتے اور بیچ میں دخل نہ دیتے۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کہتا تو اس کو روک دیتے یا مجلس سے اٹھا دیتے۔ آپ بہت سخی تھے۔ خصوصاً ماہ رمضان میں جو کچھ پاس ہوتا فقراء کو دیدیتے آپ بادشاہوں کی طرح بخشش کرتے اور فقیروں کی طرح رہتے۔ یہاں تک کہ کئی روز آپ کے ہاں کھانا نہ پکتا اور پیٹ پر پتھر باندھتے۔ جب وحی آتا تو شکرانہ میں جو کچھ پاس ہوتا مساکین کو دیدیتے۔ آپ کسی چیز کو بطور ذخیرہ آئندہ کے لئے جمع نہ رکھتے۔ جب آپ کوئی بات کرتے تو اصحاب آپ کے حضور میں سب کے سب سرنگوں رہتے اور کسی دوسری طرف التفات نہ کرتے۔ آپ بچوں سے دلجوئی اور عورتوں کے ساتھ رفق و تلطف سے بات چیت کرتے السلام علیکم کہنے میں مبادرت فرماتے۔

آپ حوادث میں ثابت قدم اور دنیا سے مستغنی رہتے۔ آپ ہر ایک کام میں خدا پر بھروسہ رکھتے۔ آپ لوگوں کے مقدمات کو انصاف و عدل سے فیصلہ فرماتے آپ ریا اور سمعت سے پاک تھے۔ آپ برقعہ پوش کنواری عورت سے زیادہ حیا مند تھے۔ اگر کسی مکروہ چیز کا ذکر آپ کے سامنے ہوتا تو کراہت کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتے۔

آپ حد درجہ متواضع۔ حلیم۔ متقی۔ رحیم۔ صابر اور شاکر تھے۔ آپ کے اوصاف کا بیان کرنا احاطہ طاقت بشری سے باہر ہے جسکی تعریف خدا نے خود کی ہو۔ اس کی تعریف کوئی کس طرح اور کہاں تک کر سکتا ہے۔

ارٰی کل مدحٍ فی النبی مقصرًا — وان بالغ المثنی علیہ واکثرا

اذا اللہ اثنیٰ بالذی ھو اھلہٗ — علیہ فما مقدار ما یمدح الوریٰ

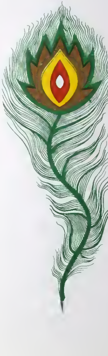
ترجمہ: میں ہر ایک مدح کو خواہ ثنا خواں کتنا ہی مبالغہ کرے یا کثرت سے بیان کرے۔ حضور علیہ السلام کے شان سے کم پاتا ہوں۔

جب خدا آپ کی تعریف ان الفاظ سے کرتا ہے جس کے آپ اہل ہیں تو اس کے مقابلہ میں خلق خدا کی تعریفی الفاظ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں

(الاحزاب: ۴۰)



رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ ختمِ نبوت

رسولِ اکرمؐ بہ حیثیت مظہرِ ختمِ نبوّت

چیف جسٹس شیخ آفتاب حسین

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ:۔

"ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین"

اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ محمد رسول اللّٰہ کی ذات گرامی سے تکمیل رسالت و نبوت ہو چکی ہے۔ اور آئندہ کسی مرسل، رسول یا نبی۔ تشریعی یا غیر تشریعی کی آمد و بعثت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (ق - ۵ - ۳)

اس آیت کریمہ کی تشریح اگر اس حوالہ سے کی جائے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے جس کا مخاطب کوئی خاص قبیلہ، قوم یا ملک نہیں ہے تو "لکم دینکم" و "علیکم" کی ضمائر کی مخاطب یوم قیامت تک کی کل مخلوق ہے نہ کہ صرف مسلمان کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے ---

"وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً و لکن اکثر الناس لا یعلمون"۔

(ق ۳۴ — ۲۸)

ترجمہ:۔ "اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر آدمی (اس بات کو) نہیں جانتے"۔

اگر اس آیت کریمہ کی وسعت کو مدنظر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ "اکملت لکم دینکم" بشارت ہے تکمیل دینِ اسلام کی ساری دنیا کے لیئے اس طرح اگر رسول اللّٰہ خاتم النبیین ہیں تو قرآن خاتم الکتب الٰہیہ اور اسلام خاتم الادیان ہے۔

اخی مکرم و محترم جسٹس پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں آیت "والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک" (ق ۲ — ۴) (اور وہ جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر جو اتارا گیا ہے۔ آپ پر اور جو اتارا گیا ہے آپ سے پہلے) کی تفسیر میں ایک عمدہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اس آیت میں آئندہ کی وحی کا ذکر نہیں ہے "اگر نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہوتی، اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا اور اس صورت میں یہ آیت یوں ہوتی "ما انزل من قبلکم وما ینزل من بعد" لیکن میں اس سلسلہ میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ سورۃ البقرہ کی اس آیت کی یہ تعبیر مرہونِ منت ہے اس قرآنی اعلان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور ان کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی الٰہی کے تسلسل کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہر آنے والا نبی سابقہ نبیوں اور ان کی شرائع کی تصدیق کرے حدیث میں بھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی عمارت میں خود کو آخری اینٹ سے تشبیہ دی ہے جس سے عمارت کی تکمیل ہو گئی۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے (مسلم کتاب الفضائل)

یہ تو ہے اس بات میں قرآن و حدیث کی شہادت، جس سے بہتر شہادت ممکن نہیں ہو سکتی" اور جس کے بعد مسئلہ کے ثبوت کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن کوتاہ علمی کے باوجود میری یہ کوشش ہے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کردوں، کہ ہزاروں سال نبوت کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد قرآنی فلسفہ کے مطابق اس کے اختتام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کا مختصر جواب تو اصول ارتقاء ہے یعنی سوسائٹی کی ارتقائی حالت جس میں اولاً ۔ یکے بعد دیگرے انبیاء کی بعثت کی ضرورت تھی اور بالآخر انسانیت عقلی نشو و نما اور بلوغ کی اس منزل تک پہنچ گئی جب وہ وحی کی کامل ترین صورت کے تحمل کے قابل ہو گئی جس کے بعد ضرورت صرف ایسے قوانین کی تھی جو دائمی ہوں یا ضرورت ایسے رہنما اصولوں کی تھی۔ جن کی بنا پر ہمیشہ زمانہ کے مطابق قانون وضع کئے جا سکیں۔

اس سلسلہ میں اگر مذاہب سابقہ و اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو تکمیل دین کی ضرورت کی کماحقہ وضاحت ہو سکتی ہے۔ اس کی اولین مثال انبیاء سابقین کی تبلیغ میں معجزوں پر انحصار ہے جس کی کوئی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تبلیغ میں نہیں ملتی۔ انبیاء سابقین کو ترغیب و ترہیب کے لئے تبلیغ کے ساتھ معجزات بطور لازمۂ نبوت عطا کئے گئے۔ چنانچہ جب اصحاب الثمود نے نشانی کا مطالبہ کیا تو ان کو اونٹنی دی گئی۔ حضرت یوسف کو تاویل الاحادیث اور خواب کی تعبیر کا علم دیا گیا۔ حضرت موسےٰ کو عصاء اور ید بیضاء کے معجزات دیئے گئے۔ بعد کو قوم فرعون پر ٹڈیاں اور جھڑیاں اور مینڈکیں اور خون کا عذاب بھیجا گیا (ق ۷ - ۱۳۳)

بنی اسرائیل کو سرکشی اور نافرمانی سے روکنے کے لئے متعدد معجزے بروئے کار آئے۔ حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ کیا۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو مرض سے پاک کیا۔ مٹی کے بنائے ہوئے پرندے کو جاندار بنایا (ق ۳ - ۴۹)

لیکن باوجود اس کے موجودہ اناجیل کے مطابق جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کے قریبی حواری ان کے جاننے سے منکر ہو گئے۔

برعکس اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں منفرد ہیں کہ انہوں نے ترغیب و ترہیب کے لئے معجزہ کا سہارا نہ لیا کفار نے بار بار اعتراض کیا کہ ان پر کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ (ق ۱۷ :- ۹۰ تا ۹۳)

تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بے شک وہ اس پر قادر ہے۔ (ق ۶ - ۳۷)

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا (اے نبیؐ) فرما دیجئے کہ میں تو بس اسی پر چلتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے یہ (وحی یا قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سمجھنے کی باتیں ہیں۔ اور ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت جب قرآن تلاوت کیا جائے تو اسے کان لگا کر غور سے اور خاموشی سے سنو۔ (ق ۷ - ۲۰۴)

نیز حکم دیا کہ (اے نبی) فرما دیجئے کہ علم غیب تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (ق ۱۰ - ۲۰)

آپ تو ڈرانے والے ہیں۔ (ق ۱۳ - ۷)

آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ میں تو صرف کھول کر ڈرانے والا ہوں۔ (ق ۲۹ - ۵۰)

اور کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ ان کے لئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ (ق ۲۹ - ۵۱ تا ۵۲)

واضح طور پر ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ہی ایک ایسی نشانی اور ایسا معجزہ ہے۔ جس کے علاوہ کسی اور نشانی کی

ضرورت نہیں رہتی۔

یہی نہیں بلکہ اس کی وجہ بھی بتائی گئی کہ مزید کوئی نشانی اب کیوں نہیں بھیجی گئی۔ وجہ یہ تھی کہ پہلے زمانہ کے کفار معجزوں کو جادو سے تعبیر کرتے اور باوجود معجزہ اور خرق عادت دیکھنے کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے اور ان کو قتل کرتے تھے

(ق ۳ – ۱۸۲ تا ۱۸۴)

اس لئے اگر نشانی بھیج بھی دی جائے جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے (ق – ۶ – ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نشانیاں اس لئے بند کیں کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کرتے تھے (ق ۱۷ – ۵۹

یہ تو ظاہر ہے کہ نشانیاں وہ لوگ مانگ سکتے ہیں جو قرآن میں شک کرتے ہوں۔ چنانچہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہاً فرمایا کہ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لائے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

(ق ۱۰ – ۳۷)

اس دعوے کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ شک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تو وہ اس جیسی دس سورتیں بنا کر دکھا دیں۔ (ق ۱۱ – ۱۳)

بلکہ ایک ہی سورت بنا کر دکھا دیں (ق ۱۰ – ۳۸)

یا ایسا کلام تو بنائیں (ق ۱۷ – ۳۸) (ق ۵۲ – ۳۴)

یہ دعوے قرآن کے اعجاز بلکہ اس کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہیں۔ کیونکہ معجزہ تو وہ ہے۔ جس سے انسان عاجز ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں۔ مگر اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہیں کیا۔

(ق ۱۷ – ۸۹)

یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پر اگر غور کیا جائے اور اس کے دلائل میں تدبر کیا جائے تو کوئی شخص اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

ان آیات سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ معجزہ کی نشانیوں کو ذریعہ تبلیغ بنانے کا وقت گزر گیا۔ آئندہ کے لئے ایمان کی کسوٹی علم قرآن استعمال عقل اور تدبر فی القرآن ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ان آیاتِ قرآنی سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ پر قادر نہیں فرمایا تھا۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی بات سوچنا بھی غلط ہے۔ کفار تو مختلف قسم کے مطالبے کرتے تھے۔ جو ان کی بدنیتی کی دلیل تھی۔ کبھی کہتے پانی کا فوارہ پیدا کر دو کہ زمین سے پانی ابلتا ہوا ہو۔ (ق ۱۷ – ۸۰)

کبھی کھجوروں اور انگوروں کے ایسے باغ کا مطالبہ کرتے۔ جس کے درمیان دریا بہتا ہو (ق ۱۷ – ۹۱)

کبھی کہتے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے آؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو کر دو۔

(ق ۱۷ – ۹۲)

کبھی کہتے کہ آپ کے پاس سونے کا گھر ہو، آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک مکمل کتاب لے آئیں جو ہم پڑھ لیں۔
(ق ۱۷ - ۹۳)

کبھی قربانی کے گوشت کو جلانے والی آگ مانگتے، یہ مہمل مطالبات مقصد الٰہیہ کی نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ منشاء ایزدی تو یہ تھا کہ قرآن کریم کے دلائل سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو روشنی دکھائی جائے۔ چونکہ قرآن کا دین ہمیشگی کا اور رہتی دنیا تک قائم رہنے والا دین ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد دلائل پر رکھی گئی۔ تاکہ ہر دور میں لوگ اس کی حقانیت کے قائل رہیں اور دولت ایمان سے مالا مال ہوتے رہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزوں کو ترغیب و ترہیب کے لئے استعمال نہیں کیا۔ ورنہ جب غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ خرقِ عادت پر قادر فرماتے رہے ہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہ ہوں۔ احادیث نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدرت کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر معجزہ یا خرق عادت کی تکذیب مقصود ہو تو اس کو جادو، یا نظر بندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن دلیل کا رد تو اس قسم کی سوقیانہ باتوں سے ممکن نہیں ضروری ہے کہ اس کے رد کے لیے یا دلیل لائی جائے۔ یا بصورت عجز ایمان لے آیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم نے کفار و مشرکین کے ہر اعتراض کا جواب دیا۔ اور اس سلسلہ میں کسی اخفا کی ضرورت نہ سمجھی۔ لیکن قبل اس کے کہ ان دلائل کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق اور ان کے پیغام کی صداقت کے متعلق قرآن کی شہادت اور دلائل پیش کرنا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ آپؐ نے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ تحریر فرمایا
(ق ۲۹ - ۴۸)

نہ آپؐ نے کسی اور کی پرستش کی۔ (ق ۱۰۹ - ۴)

نہ آپؐ بہکے اور نہ بے راہ ہوئے۔ (ق ۵۳ - ۲)

نہ آپؐ مجنون ہیں (ق ۷ - ۱۸۳)

۳۴ - ۴۶ /// ۵۲ - ۲۹ /// ۶۸ - ۲ /// ۸۱ - ۲۲

نہ کاہن ہیں (ق ۵۲ - ۲۹)

نہ آپ شعر کہنا جانتے ہیں اور نہ وہ ان کے شایان ہے (ق ۳۶ - ۶۹)

بلکہ آپ تو خلق عظیم پر پیدا ہوئے

ان سب شہادتوں سے جو دلیل مرتب ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود قرآن ایک معجزہ ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نبی نہ پڑھتا ہے نہ شاعری کی قافیہ بندی کرتا ہے۔ ایسی زبردست بے نظیر کتاب مرتب کر سکے۔ علاوہ ازیں بعثت سے قبل بھی کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت، صداقت، بت پرستی اور ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں سے بیزاری کے خود گواہ ہیں۔ پھر وہ ان کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں۔ اسی لئے بحیثیت حاصل الامر ان تفصیلی دلائل کا اجمال اس پر فرمایا۔

"قل لو شاء اللہ ما تلوته علیکم ولا ادراکم به فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون"

دکہہ دو اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا ۔ اس کو تمہارے سامنے اور نہ اللہ تمہیں خبر کرتا ۔ اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سوچتے !
(ق ۱۰ - ۱۶)

اس آیت کریمہ کی تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سنیئے جو اس دلیل کے قوی ترین اور لاجواب ہونے کا ثبوت ہے ۔

"یعنی جو خدا چاہتا ہے ۔ وہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے ۔ میرے ذریعے سے تم کو خبردار کرتا ہے ۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دے ۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ اخلاق و عفاف ، امانت و دیانت ، وعدہ ، اخلاق حسنہ میں ضرب المثل رہے ۔ میرا امی ہونا اور کسی ظاہری علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا ایک معروف و مسلم واقعہ ہے ۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ تو کوئی قصیدہ لکھا ہو نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو ، نہ کتاب کھولی ہو ، نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو ، نہ کسی درس گاہ میں بیٹھا ہو ، دفعتاً ایسا کلام بنا لائے جو اپنی فصاحت و بلاغت ، شوکت و جزالت جدت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن و انس کو عاجز کر دے ۔ اس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں ۔ ایسا کامل اور عالمگیر قانونِ ہدایت نوع انسانی کے ہاتھوں میں پہنچائے جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں ۔ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے ۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی ہے ۔ تم کو سوچنا چاہیئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو ۔ وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھے اور افترا کرنے لگے ناچار ماننا پڑے گا ۔ جو کلام الٰہی تم کو سناتا ہوں ۔ اس کو بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے ۔ ایک نقطہ یا زیر و زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں ۔"

کیا قرآن کریم کی اس دلیل کا کوئی جواب ممکن ہے کہ اگر تم رسول اللہ پر نعوذ باللہ کذب کا الزام لگاؤ ۔ تو یہ کیونکر سچ ہوگا جب ان کی سابقہ پوری زندگی کا باب تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہ بولا ۔ تم نے ان کو صادق ہی نہیں بلکہ امین بھی کہا ۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم رسول اللہ کا اپنا لکھا ہوا ہے تو تم جانتے ہو کہ وہ تو امی ہیں ۔ یعنی پڑھے لکھے نہیں ۔ انہوں نے تو کبھی شعر بھی نہیں کہا ۔ جو قرآن کی جیسی عبارت کے متعلق ظن کر لیا جاتا کہ یہ قدرت ان کو شاعری کی وجہ سے ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو ایک روشن چراغ ہیں ۔ جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں ۔
(ق ۳۳ - ۴۶)

اور جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنا رسول بنا کر ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کر دے ۔
(ق ۴۸ - ۲۸)

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے ۔ بلکہ وہ تو وحی پہنچاتے ہیں ۔ جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے ۔
(ق ۵۳ - ۳ تا ۴)

وہ صراط مستقیم پر ہیں (ق ۳۶ — ۳ تا ۴ // ۹۲ — ۷)

اور ان کا کام صراط مستقیم کی طرف بلانا ہے۔

(ق ۲۲ — ۶۷ // ۵۲ — ۴۲ // ۴۳ — ۴۳)

ان کا کام اللہ کی آیتیں پڑھنا۔ تمہیں پاک کرنا، اور ایسی علم و حکمت سکھانا ہے جو تم پہلے سے نہیں جانتے تھے۔

(ق ۲ — ۱۵۱ // ۳ — ۱۶۴ // ۶۲ — ۲)

یہ بات قابل غور ہے کہ مشرکین بھی موجودہ زمانے کے مستشرقین کی طرح متضاد خیالی کے شکار تھے۔ ایک طرف تو کتاب اللہ کو رسول کی تصنیف بتاتے تھے دوسری طرف الزام عائد کرتے تھے کہ رسول اللہ کو قرآن ایک اور شخص سکھاتا ہے۔ قرآن میں اس کا بھی رد اللہ تعالےٰ نے دلیل سے فرمایا کہ وہ شخص تو عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔

(ق ۱۶ — ۱۰۳)

بس یہ اس عجمی شخص کو قدرت نہیں قرآن کریم نے مشرکین سے جملہ خرافات پر مبنی اعتراضات کا ذکر کیا اور ان کو احسن طریقہ سے رد فرمایا۔ اب ایسے اعتراضات کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ "یہ نبی تو فرشتہ نہیں، یہ تو بازاروں میں چلتا ہے۔ یہ تو کھاتا پیتا بھی ہے۔ قرآن کسی اور پر کیوں نہیں آتا اس کے پاس امیرانہ ٹھاٹ کیوں نہیں۔ اس کو موسیٰ جیسے معجزات کیوں نہیں ملے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی قرآن نے ان کو بطریق احسن دلیل سے رد فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ ان کے کام بشریت کے ہیں لیکن ان کا اسوہ نہ صرف قابل تقلید ہے بلکہ اس کی تقلید لازم ہے۔ اسی وجہ سے اطیعوا اللّٰہ کے ساتھ اطیعوا الرسول کا حکم قرآن میں متعدد بار نازل ہوا۔

(ق ۳ — ۳۲ // ۴ — ۵۹ // ۵ — ۹۲ // ۸ — ۱ // ۲۴ — ۵۴ // ۶۴ — ۱۲)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب صرف شارح کا ہی نہیں بلکہ شارع کا بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی تقلید کا حکم تقاضا کرتا ہے کہ متبعین سب کچھ وہ کریں جو رسول اللہ نے کیا ہو۔ اگر تبلیغ مذہب کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادت کو بنیاد بناتے۔ جس پر دوسرے مسلمان قادر نہیں ہو سکتے۔ تو پھر اسوہ رسول قابل پذیرائی کیونکر ہوتا۔ نقل اور تقلید تو اس چیز کی ہو سکتی ہے۔ جس پر ناقل اور مقلد خود قادر ہو۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کے بعد یونانی فلسفہ کی سرپرستی اور توہمات سے متاثر ہو کر ایک غلط مذہب کی عمارت قائم کر لی۔ جس میں انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تثلیث سے تعبیر کیا اور تثلیث کو وحدانیت کہا۔ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے تو ان کو تو معصیت ادلی کا مرتکب قرار دیا اور جو ماں سے بغیر باپ پیدا کئے گئے۔ ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ اس کی تردید کے لئے فرمایا . . . . . .

ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔

ترجمہ :۔ عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے

(ق ۳ — ۵۹)

عیسائیوں کے الزام کے رد کے لئے اس سے بہتر دلیل ممکن نہیں کہ تم آدم اور عیسیٰ میں کیسے فرق کر سکتے ہو۔ جبکہ دونوں

بغیر باپ کے پیدا ہوئے بلکہ حضرت آدم کی تو ماں بھی نہ تھیں۔ اس لئے محض پیدائش کے معجزہ سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ اس طرح ایک غلط عقیدہ کی تردید بھی دلائل سے کی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ ذات باری تعالیٰ کا وجود بھی دلیل سے ہی ثابت کیا گیا۔ اس طرح قرآن کریم اولین کتاب الٰہی ہے۔ جس میں تبلیغ کی بنیاد دلیل پر رکھی گئی۔

قرآن کریم میں دلائل کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ قوانین الٰہیہ کے متعلق بھی قبولیت کے لئے دلائل دیئے گئے۔ عہد نامہ قدیم میں قانون صرف احکام کی شکل میں ہیں۔ قتل نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ کسی پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔ دوسرے کے مکان، اس کی بیوی یا مویشی یا گدھوں یا کسی ایسی چیز کی جو اس کی ملکیت ہو، خواہش نہ کرو۔ اس کے بعد جو قوانین کی شکل دی گئی۔ اس میں صرف سزاؤں کے احکام ہیں۔ جس میں قصاص، جلا وطنی، غلام بنانا، ضمان، قتل کرنا، رجم کرنا وغیرہ سزائیں شامل ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے کئی جگہ برائی کے قبیح اور بھلائی کے حسن پر بھی روشنی ڈالی ہے تاکہ لوگ خود اچھائی اور برائی کا فرق کر سکیں۔ چنانچہ قصاص کے حکم کے ساتھ اس کے فائدے پر بھی روشنی ڈالی۔

"ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون"

ترجمہ:۔ اے عقل مندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ تاکہ تم (قتل سے ڈرو) (ق ۲ - ۱۷۹)

زنا سے منع کیا تو اس حکم کی وجہ سے بھی خبردار فرما دیا . . .

"وَلَا تقربوا الزنٰی انہ کان فاحشۃً وَسَاءَ سبیلا" (ق ۱۷ - ۳۲)

ترجمہ:۔ "اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ"

چوری کی سزا کے ذکر کے بعد اس کی خرابی ظاہر کرنے کے لئے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔

"فمن تاب من بعد ظلمہ"

ترجمہ (پھر جس نے ظلم کے بعد توبہ کر لی) (ق ۵ - ۳۹)

قذف کے سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ اس سے دوسرے کو بے جا ایذا پہنچتی ہے۔ (ق ۲۴ - ۵۸)

شراب خوری اور قمار بازی کے سلسلہ میں لوگوں کی عقلوں سے اپیل کی کہ جہاں ان میں کچھ فائدے ہیں۔ وہاں نقصان بھی ہیں لیکن ان کے نقصانات نفع سے بہت زیادہ ہیں۔ (ق ۲ - ۲۱۹)

اور یہ کہ شراب تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈالتی ہے۔ اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دیتی ہے۔

(ق ۵ - ۹۱)

عہد نامہ قدیم میں قوانین کا ذکر کافی تفصیل سے موجود ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ماسواء معدودے چند حدود کی تفصیلات سے اجتناب فرمایا گیا۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ معاشرہ کی حالت ہمیشہ روبہ تغیر رہتی ہے۔ اور اس کو صحیح نہج پر رکھنے کے لئے قوانین کی اہمیت اوّلیت اور ثانویت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ نیز نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نئے قوانین کی ضرورت رہتی ہے۔ نئے تقاضے اور نئے مطالبے ہوں تو ان کو پورا کرنے کے لئے اور نئے مصالح ہوں تو ان کی تنفیذ کے لئے جدید قوانین و قواعد وضع کرنا پڑتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں قانونی جزئیات کی تفصیل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قوانین دائمی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صرف اس وقت تک کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ تا آنکہ کسی اور

رسولؐ کی بعثت نئی شریعت کے ساتھ ہو۔ اور خدائی قوانین کی تنسیخ و ترمیم آنے والے رسولؐ کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں ان تفصیلات و جزئیات کا نہ ہونا اور عام طور پر صرف اصول کی تعلیم دینا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ اب وہ دور علم و عقل و تہذیب و حضارت آچکا ہے کہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ اور ان اصولوں کی روشنی میں دنیا اور معاشرہ کے متغیر حالات کے مطابق ہمیشہ خود ہی اپنے لئے قواعد وضع کر سکیں۔ اب وہ ابتدائی، قدیم غیر ترقی یافتہ دور ختم ہوا۔ جب تفصیلی احکام کی ضرورت تھی۔ اب انسانیت ایک ایسے متمدن دور میں داخل ہو چکی ہے کہ اس کو ناقابل ترمیم احکام کی کم، اور رہنما اصولوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ آئندہ علم و فضل کا ایک عظیم دور آنے والا ہے۔ جب انسان تسخیر کائنات پر قادر ہو جائے گا۔ ایسے انسان کے لئے جزئیات فراہم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ طفلگی اور لڑکپن میں اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ ماں باپ بچے کی کمل دیکھ بھال رکھیں۔ اور اس کی ہر ہر حرکت پر تادیب کی نظر رکھیں۔ تاکہ وہ بھٹک نہ جائے۔ جب جوانی میں انسان اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں جو اس کے والدین اور بزرگوں نے سالہا سال کی ریاضت اور دیکھ بھال سے اس کے دل پر مرتسم کر دیئے ہیں۔ وہ تقویٰ کی زندگی گزار سکے۔ پرانی کتب دینیہ کو اس لحاظ سے ہم جوانی تک کی تربیت گاہ پر منطبق کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً ہم کو کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم کے فراہم کردہ اصول انسانیت کی عقل بالغ کے لئے دائمی شمع فراہم کرتے رہیں گے۔ جس طرح بالغ النظر انسان کے لئے توقیت کی اور ہر قدم اٹھانے کے لئے مزید سبق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس طرح بالغ النظر انسانیت کے لئے بھی اب تفصیل کی ضرورت نہیں رہی۔ ضرورت صرف رہنما اصولوں کی تھی۔ جو دائمی حیثیت سے حیات انسانیت پر منطبق رہ سکیں۔ ان اصولوں کے ہوتے ہوئے اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ یہی معانی ہیں باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے . . .

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (ق ۵ – ۳)

پہلے ادیان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق بلا دلیل تھا۔ لیکن جب مختلف مراحل سے گذر کر انسانیت ایک ایسی منزل تک پہنچ گئی کہ لوگ خود اپنی عقل سے سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور سرپرست کے بجائے دلیل و استدلال سے ذات باری تعالیٰ کو سمجھ سکیں۔ تو وحدانیت کے لئے بھی دلیل سے کام لیا گیا۔ اس سلسلہ میں صرف دو مذاہب کا تفصیلاً ذکر کروں گا۔ عہد نامہ قدیم کی رو سے یہوواہ (JEHOVA) کے وجود کا ثبوت صرف اس حد تک ہے کہ وہ اسرائیلیوں کو مصریوں کے قبضہ سے نکال لایا اور اس وحدت کی حیثیت سے ان کو ایک نئے ملک پر قابض کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کے دور میں بھی ان کے معجزوں کو بہت دخل تھا۔ جس میں ان کی معجزانہ پیدائش بھی شامل ہے۔ لیکن ان کے ارتفاع کے بعد جو مذہب ان کے نام پر ایجاد کیا گیا۔ اس میں یونانی اصنام پرستی کی سرپرستی کو زیادہ دخل تھا۔ حضرت عیسیٰ نے جیسا کہ اناجیل سے ثابت ہے۔ خود کو پیغمبر کہا۔ پدر انسان کہا۔ رہا اللہ کا بیٹا تو یہ فقرہ تو مختلف انبیاء کی شان میں عہد نامہ قدیم میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ اس سے نبوت کی نفی نہیں ہوتی۔ اناجیل میں ان کی حیات دنیاوی کے دوران نہ ابتدائی معصیت کا ذکر ہے اور نہ سوائے اشاروں کے صلیب اور دوبارہ زندہ کئے جانے کا ذکر۔ لیکن ان کے ارتفاع کے بعد عیسائیت کی بنیاد ان اصولوں پر قائم کی گئی۔ جس کا تعلق ان کی تعلیمات سے کچھ نہ تھا۔ اس نئے مذہب کی بنیاد پال نے رکھی۔ جو نہ صرف یہودی کتب کا عالم تھا۔ بلکہ وہ یونانی فلسفہ و اصنام پرستی اور دیو مالائی قصوں کا بھی ماہر تھا۔ ساتھ ہی ساتھ رومن شہری ہونے کی وجہ سے رومیوں کے علم میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ اسی

وجہ سے عیسائیت کی بنیاد اس نے یونانی سریت پر رکھی جس کو عقل قبول کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ مذہب عیسوی ان قوموں میں پھیلتا چلا گیا جو یونانی سریت سے متاثر تھیں۔ ورنہ عقلیت سے تثلیث کی دوری کا ثبوت سینٹ آگسٹن کے ایک مشہور مقولے سے ہی مل جاتا ہے۔

"ایمان لاتا ہوں (اس پر) کیونکہ یہ ناقابل یقین ہے" (۱)

لیکن اب ذرہ قرآن پر غور فرمائیں تو اس میں عقلیت ہی کار فرما ملتی ہے۔ عقل کے استعمال کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ ان کا اہتمام قرآن میں ہر جگہ ہے۔ یعنی علم اور تدبر کا چنانچہ قرآن کا پہلا حکم ہی اقراء ہے۔ تعلیم کی خوبیوں کے متعلق قرآن و حدیث میں کثرت التزام کا تقاضا ہے کہ اس موضوع پر بھی کچھ بحث کی جائے۔ کلام پاک نے علم کی بلندی درجات کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اس کی چند مثالیں پیش کرنا ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے اسماء میں سے ایک نام ہے "علیم" اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی صفات سے ایک حد تک انسان کو بہرہ ور فرمایا۔ اس لئے اس صفت سے بھی متصف کیا۔ یہی سبب ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء بھی اقراء کو بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معبودیت کی تصدیق میں جہاں اپنی اور اپنے فرشتوں کی گواہی کا ذکر فرمایا۔ وہاں علم والوں کو بھی گواہ بنایا جو انصاف پر قائم ہیں۔

(ق ۳ - ۱۸)

فرمایا بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔ (ق ۳۹ - ۹)

فرمایا خدا سے ڈرو، اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ (ق ۳۹ - ۹)

جو مثالیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ان کو تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔

(ق ۲۹ - ۴۳)

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں۔ جن کو علم دیا گیا ہے۔ (ق ۲۹ - ۴۹)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا۔ خدا ان کے درجات بلند کرے گا (ق ۵۸ - ۱۱)

اس سلسلہ میں قرآن کریم میں تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کا جو یہود سے موازنہ کیا گیا ہے۔ اس سے اس موضوع پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ارشاد ہوا۔

"وہی ہے۔ جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک صاف کرتے اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ (ق ۶۲ - ۲)

برعکس اس کے . . . .

"جن لوگوں پر تورات اتاری گئی۔ انہوں نے اس کو نہ اٹھایا۔ ان کی مثال گدھے کی سی ہے۔ جس پر بڑی بڑی کتابیں لادی ہوں۔"

(ق ۶۲ - ۵)

(۱) CREDO QUIA ABSURDUM EST

قرآن نے علم و فہم کی جس روشنی سے انسانیت کو منور فرمایا۔ اس کی وضاحت گدھوں پر کتاب والی مثال سے ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو عہد نامہ قدیم کی پہلی چند کتابوں سے ہی ثابت ہے کہ یہود اپنی سرکشی کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوتے رہتے تھے۔ وہ اپنی عبادات اور قربانیوں کے لئے اپنے پجاریوں کے پابند تھے جو تنفیذ احکام کے ذمہ دار تھے۔ یہ پجاری نہ صرف مذہبی تعلیمات کو اکثر مخفی رکھتے تھے۔ بلکہ غالباً حسب منشاء ان میں ترمیم و تنسیخ کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ توریت میں بت پرستی کی ممانعت کے باوجود بنی اسرائیل اس قبیح حرکت کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور یہوواہ کے مجسمے کی پرستش کرتے تھے۔

(2 KINGS 18 : 4; 1 KING 12 : 28-32; HOS 8:6; ISAM, 19:13-16 JUDGES 8 : 22-27, JUDGES 17-18)

تاریخ میں کہیں بھی یہ ترشح نہیں ہوتا کہ کسی پجاری نے کبھی تورات کو یاد کرنے، یا حفظ کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تورات ضائع ہو جانے کے کئی صدیوں بعد اگر کسی کو اس کتاب کے صرف چند اوراق مل گئے تو ان کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ عہد نامہ قدیم کی موجودہ چند کتب کے متعلق یہ کسی کا دعویٰ نہیں ہے۔ کہ یہ حضرت موسیٰ کی اصل تورات ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کا سہرا عُزیر کے سر ہے کہ انہوں نے الہام سے اس کو حاصل کیا۔ اس کے برخلاف قرآنی علم کے سلسلہ میں اوّل دن سے قرّاء اور حفاظ کا سلسلہ لامتناہی دوام کے لئے شروع ہو گیا۔ اور پجاریوں کا دخل نہ ہونے کی وجہ سے علم کسی ایک طبقہ کی میراث ہونے سے بچ گیا۔ بلکہ علم کی خوبیاں مومنین کے قلوب میں جاگزیں کر کے ہر شخص کی حصول علم کی طرف رہنمائی کی گئی۔ لیکن ایک بات کی وضاحت ازبس ضروری ہے کہ یہ علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مشروط بہ عدل ہے یعنی حصول علم کے بعد اگر کسی عالم کو غلط خواہشوں پر چلنے کی ترغیب ہو تو یہ اس کی جہالت سے تعبیر کیا جائے گا۔

"اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین"۔

ترجمہ:۔ "خدا مجھ کو پناہ میں رکھے کہ میں جاہل یا نادان ہوں"۔ (ق ۲ - ۶۷)

علم کی شان تقویٰ یا اللہ سے ڈرنا ہے۔ جو اس کے مصداق نہیں۔ عالم بھی نہیں۔ ہوائے نفس اور خواہشات سے ماوراء رہ کر ہی کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق ہے۔ جیسا کہ اس آیت کا مفہوم ہے۔"

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء"

ترجمہ:۔ "اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔

علم کی تعریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات زبان زد خلائق ہیں۔ چنانچہ اجتماعی حیثیت سے لوگوں کی تعلیم کے انتظام کے سلسلہ میں چند مثالیں یہ ہیں کہ بدر کے بعد مشرکین مکہ میں سے جو قیدی مال دے کر رہائی حاصل نہیں کر سکتے تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ان کا فدیہ مسلمانوں کو تعلیم دینا قرار پایا۔ اصحاب صفہ طلب علم کے لئے ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کی ابتدائی یونیورسٹی کہی جا سکتی ہے۔ حفاظ اور قراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے تعلیم قرآن دینے کے لئے مختلف قبائل میں متعین کئے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے توریت پڑھی۔ صحابہ میں سے چند اصحاب کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ یہ حکم لمحۂ فکریہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے علماء کے لئے جو مغربی زبانیں سیکھنے سے اس لئے محترز ہیں کہ یہ کفار کی زبانیں ہیں۔

یہ اسی علمی کاوش کی بدولت تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ باب علم بنے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس قدر گہرائی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما صاف ستھری سیاست کے ماہر ثابت ہوئے۔ انتظام ملکی میں آج جن چیزوں کا بہت چرچا ہے۔ یعنی معاشی بدحالی کا علاج "مشاریع العمرانیہ" عوام کی بہبود ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام ان سب کے بانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں۔ عبداللہؓ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو، عبداللہؓ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ ابوہریرہ جیسے حضرات نظر آتے ہیں۔ جن میں کوئی مفسر محقق و فقیہہ ہے تو کوئی محدث۔

علم پیدا کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ غور و فکر اور اس کے استعمال کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ایک طرف تو اس پاک کتاب کو عربی میں نازل کرنے اور نشانیاں کھول کھول کر بیان کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ ان کو سمجھ سکیں۔

(ق ۱۲ - ۲ /// ۲ - ۲۱۹ اور ۲۶۶ /// ۵۷ // ۲۹)

دوسری طرف ارشاد فرمایا کہ یہ عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(ق ۳۸ - ۲۹ // ۳۰ - ۲۹ اور ۲۹ - ۴۳)

کیونکہ وہی فکر کر سکتے ہیں۔ فکر کی ضرورت اس لئے ہے کہ ان آیتوں کا بیان ہی دعوت فکر ہے۔

(ق ۷ - ۱۷۶ /// ۱۰ - ۲۴ /// ۳۸ - ۲۹ // ۵۹ - ۲۱)

اس مضمون کی وضاحت قرآن کریم میں مختلف طرز کلام سے کی گئی ہے۔ کہیں جگہ فرمایا گیا "لعلکم تعقلون" تاکہ تم سمجھو۔ یا "لیدبروا آیاتہ" تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں)

"ولیتذکر اولوا الالباب"

"اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں"

مسلمانوں کو زور دے کر ہدایت کی گئی —

"افلا یتدبرون القرآن"

ترجمہ:۔ "تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے"

(ق ۴ - ۸۲ /// ۲۳ - ۶۸)

"کذالک نفصل الایت لقوم یعلمون"

(جو لوگ عقل رکھتے ہیں۔ ان کے لئے آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں)

یہی وجہ ہے کہ جماعت مومنین میں سے جن لوگوں کے ذمہ آئندہ ہدایت کو جاری رکھنے کا کام سونپا گیا۔ ان کی صفت یہ مقرر کی گئی کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

"اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ ہوا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل آتے۔ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کرتے اور علم سیکھتے اور اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے" (ق ۹ - ۱۲۲)

برعکس کتب ادیان سابقہ کے اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب میں استعمال عقل، غور و فکر یا تدبر کی برکات پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ اس کا جواب قرآن ہر بات کو دلیل کی روشنی میں بیان کر کے فراہم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ باری تعالیٰ کے وجود کے لئے بھی عقلی ثبوت دیتا ہے۔ اس کی جو صرف یہ ہے کہ آئندہ دین کا ملجا و ماوا صرف قرآن اور تدبر فی القرآن ہے۔ آئندہ کے لئے سماوی کتب کے نزول کا اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔

"ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"

حصول علم اور تدبر فی القرآن کے حکم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پادریت اور مسیحیت سے محفوظ ہو گیا۔ ہر مذہب میں بطریق پادری ربی، پنڈت جیسا ایک مذہبی طبقہ ہوتا ہے جس کے ذمہ پرستش کرانا اور مذہبی رسوم ادا کرنا ہوتا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں تو اس کے متعلق خاص احکام ہیں۔ یہ عہدہ پہلے حضرت ہارون کی اولاد در اولاد کو ودیعت کیا گیا۔ عیسائی مذہب کو عیسائیت کا نام حضرت عیسیٰ کے ارتفاع کے بعد دیا گیا۔ برعکس اس کے اسلام کا نام قرآن نے عطا فرمایا "ورضیت لکم الاسلام دینا" لیکن اس سے پہلے عیسائیت میں باقاعدہ چرچ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ہندو مذہب میں برہمن کو اسی عہدے کی وجہ سے باقی جملہ قوموں پر ترجیح ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں نہ چرچ کی گنجائش ہے نہ پادری کی۔ مسجد میں جو چند نمازی جمع ہو جائیں۔ ان میں سے کوئی ایک امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ کسی عالم دین کو امام مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ نکاح میں خطبہ نکاح پڑھنے کے لئے کسی مولانا یا مولوی کی ضرورت نہیں۔ نماز جنازہ کوئی مسلمان پڑھا سکتا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے کسی پادری کو پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ دیگر مذاہب میں علم دین پر پنڈت پروہت، پادری، ربی کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ پرستش کرانے کے لئے بھی اس کے حقوق کئی مذہبوں میں مقرر ہیں۔ اس طبقہ سے ان مذاہب میں جتنے فتنے پیدا ہوئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن قرآن ایک ایسی منفرد کتاب ہے جس پر غور کرنے کے آفاقی حکم کا اطلاق ہر مسلمان پر ہوتا ہے۔ علماء اور صلحاء کا اگر طبقہ پیدا بھی ہوا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ اس طبقہ کی گردن میں فرائض کا بوجھ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی اضافی حقوق سے وہ بہرہ ور نہیں ہیں۔ اجتہاد کا حق بے شک علم کے ساتھ ہے۔ لیکن علم کسی طبقے کی میراث نہیں۔ نہ وہ کسی مدرسے کی ڈگری یا کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے پر منحصر ہے۔

اسلام کا ایک زریں اصول یہ ہے "لا اکراہ فی الدین" اسی اصول کی بنا پر ہی مسلمان ہر دور میں اپنی رواداری کا لوہا منواتے رہے ہیں۔ جس کو غیر مسلم مورخین بھی خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہیں۔ اس نظریئے اور اصول کی بنیاد ہی اس پر ہے۔ "جیو اور جینے دو"۔ لیکن اس کے برعکس عہد نامہ قدیم کی کتب کے مطابق (یہ ان کتابوں کے صحیح تورات نہ ہونے کی دلیل ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع کے زمانہ میں جب یہودی غیر یہودیوں سے برسرپیکار تھے۔ تو وہ جو شہر یا بستی فتح کرتے۔ اس کے سب باشندوں کو مع زن، بچہ، بوڑھا، کمزور اور بیمار قتل کر دیتے۔ چنانچہ اسرائیل میں یہودیوں کی عربوں کے خلاف موجودہ پالیسی اس رواداری کے دور میں بھی انہیں سابقہ روایات کی آئینہ دار ہے۔ فلسطینیوں پر مظالم کے سلسلہ میں انہوں نے نازیوں کو مات کر دیا۔ زمانہ قدیم کی سوسائٹی میں اس قسم کا قتل و غارت اور ایسے مظالم عام تھے۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے لا اکراہ کا سبق دے کر رواداری کی بنیاد رکھی۔ بغور کیا جائے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ رواداری دور عقلیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور اس صدی نے اس کا سبق مغرب میں بھی دیا جانے

لگا ہے۔ لوگ اپنی روایات اور بعض اوقات اپنی قبائلی، شہری یا ملکی جبلت یا پالیسی کی وجہ سے خود مظالم و کشت و خون پر کیوں نہ اتر آئیں۔ لیکن پھر علم کا اور عقلیت کا اس قدر اثر ضرور رہے کہ اگر دنیا سائنسی تحقیقات و معلومات کی برکت سے سمٹ کر رہ گئی ہے تو بین الاقوامی سطح پر اگر موانست نہ سہی تو کم از کم عوامی سطح پر رواداری کا مظاہرہ ضرور ہونے لگا ہے۔ اس کی بنیاد خدا کے آخری پیغام نے اس وقت رکھی۔ جب لوگوں میں نہ اس کا چرچا تھا نہ رواج، اس پیغام کی افادیت جس کا مظاہرہ دور عالم میں اب کسی حد تک چودہ صدی کے بعد ترقی عالم کے انتہائی دور میں ہو رہا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پیغام نوع انسانی کے لئے آخری پیغام تھا۔ جس میں صرف اس زمانہ کی ہی ضروریات کا جب وہ نازل کیا گیا تھا۔ خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ بلکہ اس میں ہر آئندہ زمانہ کی ضروریات کے لئے ہدایت دینا مقصود تھا

اسلام کا مقصد انسان میں ترقی کا شعور پیدا کرنا ہے۔ یہ وہ ترقی نہیں جس کے مظاہر رومن یونانی چینی مصری ایرانی اور ہندی تہذیبیں تھیں۔ نہ اس کا مقصد ملت کی امنگوں کو افلاطون اور نیو افلاطونی فلسفے میں محبوس رکھنا تھا۔ جس میں گہرائی فکر کو مابعد الطبیعیات کی لفظی بحثوں میں الجھا دیا گیا تھا۔ نہ ہی توحید الٰہی کے سیدھے سادے اور دلکش و دلنشین مسئلہ کو کسی فلسفیانہ موشگافی کی ضرورت تھی۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقی کی نشو و نما کا ضامن ہے۔ انسانی نفس کو اللہ کی رضا کے تابع بنانے کی تعلیم دیتا ہے! در اس کو فلاح کی طرف بلاتا ہے "حی علی الفلاح" اس مقصد کے لئے وہ انتہائی دلنشین انداز میں اللہ کی حاکمیت کا سکہ اس کے دل اور دماغ پر بٹھاتا ہے۔ اور اس کو بتاتا ہے "ان الحکم الا للّٰہ" (حکومت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں)

(ق ۶ — ۵۷ اور ۶۲ // ۱۲ — ۴۰ // ۱۲ — ۶۷)

"الا لہ الخلق والامر"

ترجمہ (پیدا کرنا اور حکم کرنا اسی کے لئے مخصوص ہے) (ق ۷ — ۵۴)

"بل للّٰہ الامر جمیعاً"

ترجمہ۔ (بلکہ تمام کام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے) (ق ۱۳ — ۳۱)

"ان اللّٰہ یحکم ما یرید"

ترجمہ (بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے) (ق ۵ — ۱)

لیکن ساتھ ہی وہ اللہ کی صفات کا تذکرہ کرتا ہے جس میں سے ایک صفت عدل کی ہے۔ اور وہ اعادہ کرتا ہے . . .

"واللّٰہ یقضی بالحق"

ترجمہ:۔ (اللہ حق کے ساتھ حکم کرتا ہے) (ق ۴۰ — ۲۰)

انسان کی فلاح رضاء الٰہی میں ہے۔ رضاء الٰہی کی تلاش میں مسلسل، کو اللہ کا خوف دل میں رکھنا اور مالک حقیقی کا حکم ماننا ضروری ہے یہی منزل ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "موتوا قبل ان تموتوا" یہی روحانی سربلندی کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان روحانی اقدار کو نہیں بھلا سکتا۔

دوسری طرف دین کے احکام انسانی زندگی کی ہر منزل کے لئے ہدایت فراہم کرتے ہیں۔ بقول یک تھال دین کے اوامر و نواہی

انسان کی روزانہ زندگی کی ہر مصروفیت اور شغل کا اس کی معاشی اور سیاسی زندگی کا بلکہ اس کے دماغ اور روح کی ہر تحریک کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ اوامر و نواہی ایک مکمل معاشی اور سیاسی نظام میں مدون ہیں۔ جو ایک ایسا قابل عمل نظام ہے جس پر کامیاب عمل درآمد تاریخ کا زبردست حیران کن کارنامہ ہے۔ اکثر محققین نے اس حیران کن کامیابی کو خارجی اسباب کا مرہون منت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً گردو پیش کی اقوام کی کمزوری، تلوار کا استعمال، زمانے کی خوش اعتقادی وغیرہ، لیکن وہ اس کی کس طرح توضیح کریں گے کہ جب تک مسلمان اپنے پاکیزہ قانون کی کامل پابندی کرتے رہے۔ وہ اس حکم کے ذیل میں کامیاب رہے۔ اور حکم سے روگردانی کا نتیجہ ان کی ناکامی پر منتج ہوا۔ نیز اس کی کیا تاویل ہوگی کہ غیر مسلم ان احکام پر عمل کر کے جو مسلمانوں کے لئے نازل ہوئے۔ ان احکام کے سلسلہ میں ہمیشہ کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ اس کا جواب اس کے علاوہ نہیں ہے کہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کل انسانیت کے لئے ہیں۔ یہ قوانین فطرت ہیں جس سے تجاوز کرنا اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے خطرہ مول لینا ہے۔

(کلچرل سائڈ آف اسلام ص ۵)

لیکن یہ قوانین فطرت جو اسلام نے انسانیت کو ودیعت فرمائے ہیں۔ محض اس کی معاشی اور سیاسی زندگی کی ہی نگرانی نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو تسخیر کائنات کی رغبت دلاتے ہیں۔ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو دنیا میں ترقی اور حصول علم کا بھی راستہ دکھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں تخلیق کائنات کے سلسلہ میں اور اپنے خالق ہونے کی دلیل میں متعدد چیزوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں زمین، آسمان، سورج، چاند، تاروں، پہاڑ، سمندر پیدا کرنے کے علاوہ ان چیزوں کی پیدائش کا بھی ذکر ہے۔ جن کو ہم اپنی زندگی میں روز دیکھتے ہیں۔ اور جن سے ہر وقت فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ ان گوناگوں عطیات میں پانی، ہوا، زمین میں سبزہ، پھل اور دیگر اشیاء کی پیدائش شامل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ دنیا یا کائنات بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔

(ق ۴۴ - ۳۸ /// ۳۸ - ۲۷)

انسان کو مسجود ملائک بنایا اور جو سجدہ کرنے والے تھے۔ ان کو معبود حقیقی نے جتا دیا کہ ان کے پاس اسی قدر علم ہے جو اس نے خود عنایت فرمایا۔ اور جو علم آدم کو عطا فرمایا گیا۔ وہ کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں آدم سے مختلف چیزوں کے نام کہلوائے بلکہ عالم بسیط کی ہر چیز اس کے لئے پیدا کی۔

ان گوناگوں برکات کی تخلیق کے ذکر کے ساتھ انسان کو یہ بھی جتایا کہ ان میں اس کے لئے نشانیاں ہیں۔ تاکہ عقل استعمال کرے۔ اور غور و فکر کو مہمیز دے۔ . . . .

بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں۔ اور بارش میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادل میں جو آسمان کے درمیان میں گھرے رہتے ہیں۔ ان میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

(ق ۲ - ۱۶۴)

یہی حکم کی شکل میں بھی موجود ہے۔

"دیکھ خدا کی رحمت کی نشانیوں کی طرف کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے"۔
(ق ۳۰ - ۵۰)

چاند سورج کے حوالہ سے بعض فوائد کا قرآن میں مثلاً ذکر ہے جو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً چاند کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے معاملوں کی میعادیں، اور حج کے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ (ق ۲ - ۱۸۹)

پہاڑ زمین کو جھکنے سے بچاتے ہیں۔ نیز دریا اور راستے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے کام آتے ہیں۔
(ق ۱۵ - ۱۶)

ستارے راستے معلوم کرنے کے کام آتے ہیں۔ (ق ۶ - ۱۶)

تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیرے میں راستہ کا پتہ چلایا جا سکے (ق ۹۷)

چاند کی منزلوں سے برسوں کا شمار اور حساب معلوم ہو سکتا ہے۔ (ق ۱۰ - ۵)

لیکن ان سب کے علاوہ ایسی معلومات بھی قرآن نے مہیا فرمائیں جس پر زمانہ قدیم سے آج تک علوم یا سائنس کا دارومدار رہا ہے۔ جیسے والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون (چاند اور سورج آسمان میں اپنے دائروں میں چکر لگا رہے ہیں) (ق ۲۱ ۳۳)

"لا الشمس ینبغی لھا ان تدرك القمر وكل فی فلك یسبحون"۔
نہ سورج سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے۔ سب اپنے دائرہ میں تیر رہے ہیں (چکر لگا رہے ہیں)
(ق ۳۶ - ۴۰)

علم عقل فکر تحقیق کائنات کی غرض وغایت جیسے ایمان افروز معاملات کے بعد اب ان آیات کا ذکر مناسب ہو گا۔ جو تسخیر کائنات کے متعلق ہیں کچھ آیات تو وہ ہیں جن میں صرف تسخیر الٰہی کا ذکر ہے جیسے سخر الشمس والقمر سورج اور چاند کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا) (ق ۱۳ - ۲ /// ۱۴ — ۳۳
(۳۱ — ۲۹ /// ۳۹ — ۵ /// ۳۵ — ۱۳)

لیکن کچھ آیات میں وضاحت سے درج ہے کہ سب کچھ تمہارے لئے یا انسان کے لئے ہے جیسے ...
"اس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ" اور اس سے زیور نکالو۔ جسے تم پہنتے ہو (ق ۱۶ - ۱۴)

اور تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں۔ (ق ۱۴ - ۳۲)

"کیا تم نہیں دیکھتے جتنی چیزیں زمین میں ہیں (سب) خدا نے تمہارے زیر فرمان کر رکھی ہیں"
(ق ۲۲ - ۶۵)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے قابو میں سمندر کر دیا۔ (ق ۴۵ - ۱۲)

طرزِ کلام کا اختلاف سہی لیکن معنی یکساں ہیں کہ جو بھی تسخیر ہے۔ وہ انسانیت کی فلاح کے لئے ہے۔ اللہ کی ہر تخلیق اللہ کی مخلوق کے لئے ہے۔

عقلِ انسانی کے ادراک کی حد محض قوانین و آیات سن لینے یا نشانیاں دیکھ لینے سے ختم نہیں ہوتی۔ یہ تو ابتدا ہے۔ یہاں سے اس حد کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر پہلے استعمال عقل اور غور و فکر کی دعوت ہو، اور پھر حکمت کا بیان فرمایا جائے تو مخاطب کی ذمہ داری سماعت پر ہی ختم ہو جاتی۔ اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ حکمت کو سمجھنے کے لئے ہر چیز کی ماہیت اثرات اور نتائج کا بذریعہ علم، و تجرباتی، مشاہدات و تدبر احاطہ کرنے کا قادر ہو، ورنہ وہ حکمت کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو خود حکمت اور نشانی سے تعبیر فرمایا ہو۔ وہ حسب ذیل آیت سے ثابت ہے۔

اگر انسان اس حکمت کو نہ پاسکے تو وہ نشانی کو کیسے سمجھے گا۔ اور مقصد الٰہی کی تکمیل اس سے کیونکر ممکن ہوگی۔
"خدا نے آسمان اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔"

(ق ۲۹ - ۴۴)

قرآنِ کریم کے فہم حکمت اور تسخیر کائنات کے دو طریقہ ممکن ہیں۔ ایک طریقہ تو وہ جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو عنایت فرمایا اور جس کے متعلق حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے سلسلہ میں قرآن میں واضح اشارہ ہے۔

(ق ۳۴ - ۱۰) ق ۲۱ — ۷۹ اور ۸۱

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے علم محنت، تحقیق مشاہدہ وغیرہ کے ذریعے اس پر قدرت حاصل کرے۔ عام انسانیت کے لئے یہ دوسرا طریقہ ہی ممکن العمل ہے۔ اس کی جانب قرآن نے کسی جگہ اس کے فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور کسی جگہ تاکیدی انداز میں حکم فرما کر علمی تحقیقات کا دروازہ کھول دیا۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو مسلمان پر فرض ہے کہ زمین اور آسمان بلکہ اللہ کی پیدا کی ہوئی جملہ کائنات کو انسانیت کے فائدے کے لئے استعمال کرے۔ اور اس طرح بالواسطہ اور بلاواسطہ ہر طرح تسخیر کائنات کا فریضہ انجام دے۔

یہ مفہوم ہے اس دعائے کریمہ کا" قل رب زدنی علما میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

(ق ۲۰ — ۱۱۴)

یہ دعا اس علم کی ہے جس سے ماہیت اشیاء کا پتہ چلے جس کی معرفت حضرت آدم میں پیدائش کے وقت سے ہی رکھ دی گئی تھی۔ اور جو علم ملکوتی سے یقیناً مستزاد تھا

"وعلم ادم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملئکة فقال انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتم صدقین ○ قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم ○ قال یادم انبئهم باسمائهم فلما انباهم باسمائهم"

(ق ۲ — ۳۱ تا ۳۳)

اس علم کے استعمال کے لئے ہی تو یہ چیلنج ہے . . . .

"اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے کیا تو رحمان کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو آسمان میں کوئی شگاف نظر آتا ہے. پھر دوبارہ، سہ بارہ نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔"

(ق ۶۷ - ۳ و ۴)

یہاں مجھ جیسے بے علم کے لئے نظر کے معنی محض آنکھ سے دیکھنے کے ہو سکتے ہیں. لیکن سات آسمانوں کا متعین کرنا پھر ان میں سے ہر آسمان کو دیکھنا جس کے متعلق یہ تحدید ہے. ارض و سماء خلا اور سیاروں کے بسیط علم کے بغیر کیونکر ممکن ہے. بلا شبہ یہ امعان نظر بغیر سائنسی علم، اس کی روز افزوں ترقی اور تحقیق بسیط کے ممکن نہیں.

سورہ لقمان میں ارشاد ہے.

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں، اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے. اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔"

(ق ۳۱ - ۲۰)

اسی طرح سورۃ الجاثیہ میں ہے . . . .

"اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا. جو لوگ غور کرتے ہیں. ان کے لئے اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں۔"

(ق ۴۵ - ۱۳)

یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو، کام لے سکتے ہو.

(ترجمان القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۰۱)

ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے لئے بنائی جاتی ہے اور اسی کی خدمت کے لئے مقرر کی جاتی ہے تو اس شخص کو مکمل اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ اس سے ہر ممکن استفادہ کر سکے. یہ سب مختلف طریقے ہیں جو خالق کائنات نے اپنی کتاب میں اختیار فرمائے. انسان کے لئے اس بات کی توضیح کے لئے کہ تسخیر کائنات نہ صرف اس کا حق ہے بلکہ فرض ہے. اس کے لئے کیا کیا کاوشیں کرنا پڑتی ہیں. اس پر اس دور میں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں. جب انسان خلا میں چھلانگیں لگاتا پھرتا ہے. چاند پر جھنڈا گاڑ چکا ہے. اس کے بنائے ہوئے سٹیلائٹ حصول علم و تحقیق کے لئے مختلف اور دور و دراز سیاروں کے گرد چکر لگا رہے ہیں. دنیا میں انسان کا معیار زندگی روز افزوں ہے. غربت پر فتح پانے میں گو مکمل نہیں. لیکن ترقی یافتہ ممالک میں کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے. فاصلے سمٹ چکے ہیں. نظام قبائلیت میں صرف قریبی قبائل کو جاننے کے لئے وہ ذرائع نہ تھے. جو آج کرہ ارض کی کل انسانیت کو جاننے اور اس سے ملنے اور ملاقات کرنے کے لئے موجود ہیں. آرام دہ چیزوں کی ایجادات کا کوئی شمار نہیں. آج سمندر سے وہ دولت برآمد کی جا رہی ہے. غواص اور پانی کے اندر مستقل طور پر کام کرتے رہنے کے وہ طریقے ایجاد ہو چکے ہیں کہ فوق کے ساتھ ساتھ فضا اور سمندر کے ساتھ تحت الارض تک انسان کی پہنچ ہے. لیکن افسوس ہے تو یہ ہے کہ جن کو سبق دیا گیا ہے تسخیر کائنات کا وہی اس کو فراموش کر چکے. جو اس سلسلہ میں محسن انسانیت بن کر ابھرے تھے اور جن کا نام اب بھی سائنس کے مقدمہ یا طلایہ کی حیثیت سے مشہور ہے. وہ اپنا سب کچھ اغیار کو دے کر قعر مذلت میں گر گئے اور ان سے یہ سب کچھ حاصل کرنے والے کائنات کو مسخر کرنے کی لا انتہا تگ و دو میں

مصروف ہوکر کامیاب ہوگئے۔ قانون قدرت ہے۔۔۔۔

"اور خدا نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کو اس کی جزا ملے، جو اس نے کمایا۔"

(ق ۴۵ — ۲۲)

اس لئے جس نے علم تسخیر کائنات حاصل کیا۔ وہ کامران ہوا۔ مسلمان نے اس سے بے توجہی برتی۔ وہ ان فوائد سے محروم رہا جو تسخیر سے میسر آسکتے ہیں۔

اس موضوع کو ایک اور طریقہ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ حکم الٰہی ہے۔۔۔

"واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ"

ترجمہ، جہاں تک ہوسکے ان کے (مقابلے کے لئے قوت سے تیار رہو)

یہ موضوع چونکہ وضاحت طلب ہے۔ اس لئے پوری آیت کا جس کے الفاظ مذکورہ ایک حصہ ہیں۔ ترجمہ پیش کرنا ضروری ہے۔

"اور جہاں تک ہوسکے قوت سے (زور سے) اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے گی۔

(ق ۸ — ۶۰)

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ حصول قوت جنگ کی مسلسل تیاری اور غیر مسلموں پر پیام ہیبت یہ سب مسلمان کی شان بھی ہے اور ان کا فرض بھی چنانچہ جب تک وہ اس فرض کی اہمیت سمجھتا رہا۔ اس کا ڈنکا اس وقت کی معلوم دنیا میں ہر جگہ بجتا رہا۔

قرآن کا حکم تھا کہ قوت حاصل کرو۔ جنگ کے لئے تیار رہو۔ اور دوسروں پر ہیبت قائم رکھو۔ کیا اس کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی تھا کہ وہ اسلحہ کی تیاری کے لئے نئی نئی ایجادات کریں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ایٹم بم بنانے کے قابل بھی وہی ہوتا اور کوئی نہ ہوتا۔ لیکن قرآن کا حکم نہ مان کر یہ نعمتیں اس نے دوسروں کی جھولی میں ڈال دیں جس سے اسلام کے فروغ اور اس کی ترقی کا راستہ بند ہوگیا۔

مغرب نے مسلمانوں کے تسلط کو کیونکر پامال کیا۔ اس کا جواب کسی بڑی تقریر، دلیل یا وضاحت کا محتاج نہیں۔ جب تک حصول قوت کے لئے جنگی ٹیکنالوجی، فن حرب اور فوجی حکمت عملی میں مسلمان کا جوش اور ولولہ قائم رہا۔ ان کو آگے بڑھنے سے کوئی نہ روک سکا۔ جب وہ جنگی مہارت نئے ہتھیاروں کی دریافت میں بہت پیچھے رہ گیا، تو پھر بتدریج معذور ہوگیا۔ اس کی تنزل کی راہ کھل گئی، اور یہ راہ وسیع سے وسیع تر ہوگئی۔

اگر غور کیا جائے تو اسلحہ میں مغرب کی یہ ترقی صنعت، علم سائنس اور تسخیر کائنات کا ہی نتیجہ ہے۔ علم و تسخیر کائنات کے سلسلہ میں جملہ آیات کریمہ کا مطلب ان واقعات کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ مسلسل جدو جہد حصول علم تسخیر کائنات یہ سب مسلمان کا مشن ہونا چاہئے تھا۔ اسی غفلت کی وجہ سے وہ تبلیغ دین کا فریضہ بھی ادا نہ کرسکا۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا۔ اس کو فتح تو وہ فوجی قوت سے کرتا تھا لیکن یہ اس کا کارنامہ صرف ذریعہ کی حیثیت سے اہم تھا۔ غلبہ ملکی اس ملک کے باشندوں تک پہنچنے اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا۔ مسلمان کا اصل کارنامہ وہ تھا جس سے رعایا کے قلوب مفتوح ہوتے تھے۔ ان کو اسلام سے واقفیت ہوتی تھی۔ اور ان میں قبول اسلام

کی رغبت پیدا ہوتی یا بڑھتی تھی۔ یہ کامیابی مرہونِ منت تھی اس قرآنی سلوک کی جس میں عدل، توسط اور احسان ہی کی گنجائش ہے اور جس میں ظلم عدوان اور بے انصافی سے کھلی بیزاری کا سبق ہے۔ مسلمان نے یہ سبق بھلایا تو انگلستان، ہالینڈ، اسپین، پرتگال، فرانس اور امریکہ نے اس پر عمل کیا۔ مغرب نے دنیا کے ہر براعظم پر نہ صرف تسلط قائم کیا، بلکہ ان کے مشنریوں اور پادریوں نے ہر جگہ پھیل کر عیسائیت کی وہ تبلیغ کی کہ براعظم افریقہ کے اکثر ممالک میں نو دریافت شدہ ممالک، مناطق اور براعظموں میں جیسے شمالی امریکہ، وسطی امریکہ، جنوبی امریکہ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا بلکہ قطبین، جہاں اسلام کے فیوض و برکات نہیں پہنچ سکتے تھے۔ غرضیکہ ایک بڑے خطۂ ارض کے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔

تخلیق کی اگلی منزل کا نام ارتقاء ہے بلکہ خود بھی ارتقائی فعل ہے۔ چنانچہ نہ صرف عہد نامہ قدیم بلکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ تخلیق کائنات میں چھ دن صرف ہوئے۔ حالانکہ اللہ کو تو قدرت ہے کہ وہ حکم فرمانے اور سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے دن کی مدت کوئی جانتا کہ کتنے ہزار سال کی تھی۔ انسانیت کی ارتقائی منازل سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ جن میں پتھر کے زمانے سے لے کر تہذیب کے مختلف ادوار کا ذکر ہے۔ نبوت، رسالت اور کتب الٰہیہ اسی طرح ارتقاء کی منزل سے گزرے۔ حتیٰ کہ ایک دور آیا کہ مزید رسولوں، نبیوں اور کتابوں کی ضرورت نہیں رہی۔ قانون میں اس ارتقاء کی واضح مثال قانون قصاص و دیت ہے۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں صرف قانونِ قصاص تھا۔ جو ان کی سوسائٹی کے مدارج کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لئے موزوں تھا۔ لیکن جب کسی قانون میں کسی دور میں ایسی سختی اور تشدد ہو تو اس کا ردعمل بالکل اس کے برعکس کی طرف پلٹنے پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کی شریعت میں عفو پر زور تھا۔ انتہائی سختی کا ردِعمل اگر عفو ہے تو انتہائی نرمی یعنی عفو کا ردعمل توسط ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انتہائیت کے تجربہ کے بعد یہ آخری منزل ہے۔ جس پر اطمینان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں قصاص کے ساتھ عفو اور دیت پر زور ہے۔ ان تینوں کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ قصاص جبلی انتقام کے تقاضا کی تکمیل کے لئے عفو انسان کی فطرتِ احسان کی تشفی کے لئے اور دیت، مکافات اور عوض کے طور پر، توسط کی منزل پا لینے کے بعد اس سلسلہ میں کسی مزید قانون کی کیا ضرورت باقی رہے گی یا اعتدال تو خود انتہائیت کے خلاف ردعمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کسی ردّعمل کا کیونکر سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس پر پہنچ کر کسی مزید تجربہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عدل کی حکمرانی ہے اول عدل اور آخر عدل جس دین سے دنیا کو یہ منزل مل جائے وہاں کسی اور دین کی ضرورت کیونکر ہو گی۔ امتِ مسلمہ امت وسطیٰ ہے۔ عدل و توسط دین اسلام کا ستون ہیں۔ کون سی ایسی چیز ہے جو عدل سے وقیع تر ہے۔ جس کے لئے کسی آئندہ دین کی ضرورت ہو، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام ارتقاء ادیان کی آخری منزل ہے۔ اور نبوت کی عمارت میں رسول اللہؐ آخری اینٹ ہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ عمارت تشریعی اور غیر تشریعی ہر قسم کی نبوت کی عمارت ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبوت بتدریج درجہ آسمان کو پہنچ گئی اور اب اس تکمیل پر کوئی اضافہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اضافہ تو تکمیل کی نفی ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چند صدی قبل سے ہی یونانی فلاسفہ باوجود اپنی سریت پسندی، ضعیف الاعتقادی، اصنام پرستی جادو، ٹونے، ٹوٹکے پر یقین اور انحصار اور دیومالائی قصّوں پر اعتماد اور اعتبار کے عدل کے قائل ہو چکے تھے اور اس کی اہمیت و ضرورت پر بیش بہا کتابیں لکھ چکے تھے۔ لیکن عملاً ان کے اعتقادات و خیالات اس کی نفی کرتے تھے۔ ان کا فلسفہ

تجربیت سے گریزاں تھا۔ حالانکہ عملی علوم کی بنیاد تجربیت پر ہے۔ اس مضمون کو علامہ اقبال نے جس طرح ادا فرمایا ہے۔ یہاں اس کا مختصر اعادہ کرنے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ باوجود یونانی فلسفہ کی موشگافیوں اور مفروضہ کی گہرائیوں کے وہ فلسفہ علوم متداولہ کی بنیاد نہیں سکتا تھا۔ ان علوم کی بنیاد تو مسلمانوں نے رکھی۔ کیونکہ علم و تحقیقات متداولہ کی بنیاد تجربیت ہے۔ جس کو مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات کے اثرات کے تحت اپنایا جیسا کہ انظر (دیکھو) کے حکم سے ثابت ہے۔ (ق ۳۰ - ۵۰)

علامہ اقبال (مرحوم) نے اپنے مضمون "اسلام میں دینی فکر کے احیاء" کے پانچویں باب میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ان کے کہنے کے مطابق . . . . .

"انسانیت کے عدم علمی کے دور میں وہ روحانی قوتیں پھلتی پھولتی ہیں جن کو نبوت کا شعور کہا جا سکتا ہے جو ایک طریقہ ہے۔ جس سے اقرار کے لیے فکر و تحکم کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ ان کے طے شدہ فیصلے سے ان کے لئے موضوع انتخاب اور طرز عمل وضع اور مقرر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عقل اور شعور کے اضافے اور دقیقہ شناسی کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جانے کے بعد انسان میں جہاں غیر عقلی شعور کا رواج تھا اور انسان جذبات اور جبلت کی رو میں بہہ جاتا تھا۔ وہاں استقرائی اسباب سے اپنے گرد و نواح کا غلبہ حاصل کرنا اس کے لئے ایک معرکہ سے کم نہیں اور ایک مرتبہ یہ شعور پیدا ہو جائے تو اس میں مختلف النوع علوم سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ قدیم میں فلسفہ کو کافی ترقی ہوئی۔ حالانکہ انسان اس وقت مقابلۃً بہت شعور کا مالک نہیں تھا۔ لیکن فلسفے کا یہ دور قائل بالغیب اور غیاثی خیالات پر افکار کے لئے مشہور تھا۔ جو مبہم مذہبی عقائد اور روایات کو ایک ڈھنگ دے سکتا تھا لیکن عملی زندگی کے حادثات کے لئے اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس نظریہ سے دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام قدیم و جدید کے درمیان پل کی حیثیت رکھتے ہیں"

پیغمبر اسلام دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہیں۔ الہام کے سرچشمے سے جب آپ کا رشتہ جوڑا جاتا ہے تو دنیائے قدیم سے آپ کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب روح الہام کو بروئے کار لایا جاتا ہے تو دنیائے جدید سے آپ کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے زندگی نے آپ کی ذات میں معرفت کے وہ دوسرے سرچشمے دریافت کئے ہیں جو اس (زندگی) کے نئے سفر کے لئے موزوں ہیں۔ اسلام کا ظہور دراصل استدلالی اور استقرائی عقل کا وجود میں آنا ہے۔ ظہورِ اسلام کے ساتھ رسالت خود نبوت کے اختتام پذیر ہونے کی ضرورت کے نتیجے میں حد کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ جس میں لازماً یہ دانشمندانہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی ہمیشہ کم سنی کے مرحلے میں اور باہر سے رہنمائی کی محتاج نہیں رہ سکتی۔ اسلام میں کاہنی (دفاگیری) اور موروثی سلطنت کی نفی اور قرآن میں عقل اور تجربہ پر دائمی توجہ اور اس کتاب مبین کا فطرت اور تاریخ کو معرفت بشری کے سرچشموں کی حیثیت دینا اصل ختم نبوت کے واحد عقیدے کے مختلف خد و خال ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ روحانی تجربے کا جو بلحاظ صفت نبوت کے تجربہ سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ اب حیاتی وجود نہیں رہا۔ قرآن کے نزدیک انفس (ذات) اور آفاق (دنیا) دونوں ہی ذرائع علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں باطنی اور عارضی ہر قسم کے تجربات سے منکشف فرماتے ہیں۔ انسان کا فرض ہے مشاہدہ کی ہر حیثیت سے جس میں علم بہم پہنچانے کی استعداد ہو فائدہ اٹھائے۔ اس لیے ختم نبوت کے یہ معنی لینا صحیح نہیں ہوگا کہ زندگی کی انتہا یہ ہے کہ عقل کامل روحانیت کی کمل قائم مقام ہو جائے یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب ہے"۔

علامہ صاحب کے قول کے مطابق چونکہ تاریخ اور فطرت انسانی علم کے دو زبردست ذرائع ہیں۔ جن کی بنیاد ہی مشاہدہ (1) پر

تجربہ پہ ہے۔ اس لئے مسلم فلاسفہ کے نزدیک یونانی فلسفہ کی رعنائی کا اثر بہت جلد کم ہوگیا۔ پہلے انہوں نے بڑے جوش وخروش سے قرآن کا مطالعہ یونانی فلسفہ کی روشنی میں شروع کیا۔ لیکن ان کی یہ کوشش جلد ناکام ہوگئی۔ کیونکہ عالم محسوسات کی طرف توجہ دلانے کی قرآنی تعلیم یونانی فلسفہ کی قیاسیت اور واقعات سے فرار کی کوشش سے کبھی ہم آہنگ نہ ہوسکتی تھی۔ اس ناکامی کا ہی نتیجہ ہے جس سے اسلامی ثقافت کی حقیقی روح کو جلا ملی۔ اور یہ ثقافت بالآخر کئی لحاظ سے تہذیب جدید کی بنیاد بنی۔

پہلے نظام نے تشکیک کو علم کا مبدا قرار دینے کا اصول وضع کیا۔ غزالی نے احیاء علوم الدین میں اس اصول کی وضاحت کی اور اس طرح ڈیکارٹ کے اسلوب (DESCORT'S METHOD) کے لیے راستہ صاف کیا۔ ابوبکر رازی پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے ارسطو کی ہیئت اول پر نکتہ چینی کی۔ اور ان کے اعتراض کو ہمارے زمانہ میں جان اسٹوارٹ مل نے استقرائی روح کا جامہ پہنا کر ایک نئی شکل عطا کی۔ ابن حزم نے ذریعہ علم شعور ادراک اور احساس کے ہونے پر زور دیا۔ تیمیہ کے نزدیک استقرائی استدلال ہی قابلِ وثوق دلیل فراہم کرسکتا ہے! اس طرح مشاہدہ اور تجربہ کا اسلوب دریافت ہوا۔

سائنس کے میدان میں اس اسلوب پر عمل کر کے جو کام مسلمان علماء (سائنسدانوں) نے انجام دیئے۔ علامہ صاحب نے اس کا بڑی شرح و بسط سے تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس مضمون کی تفصیل میں جانا چنداں ضروری نہیں۔ مقصد صرف اس بات پر زور دینا ہے کہ عقلیت کا دور عیسوی دور سے پہلے پیدا ہو جانے کے باوجود یہ عقلیت ابھی خام تھی اور فلسفہ اور عالم محسوسات کی راہوں میں زبردست بعد تھا۔ وہی بعد جو یونانی اور عیسائی مذہبی سرّیت اور انسانی عقل و تجربہ میں تھا۔ دین اسلام اوّلین مذہب ہے۔ جس نے عقیدوں میں سرّیت کی نفی کی اور احساس شعور تجربہ عقل اور علم کی ترجمانی کی مسلم علماء (سائنٹسٹ) نے قرآن کی تعلیمات کو سمجھ کر مشاہدہ تجربہ اور استقرائی استدلال پر سائنسی علوم کی بنیاد رکھی اور یہی اسلوب موجودہ عظیم الشان سائنسی علوم کی ترقی کی روح رواں ہیں۔ یہی معنی ہیں۔ علامہ صاحب کے اس قول کے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قدیم و جدید کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے تھے۔

عدل و احسان کی مثالوں سے رحمۃ للعالمین کی حیات مبارکہ کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ مشرکین مکہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور دوسرے مسلمانوں پر مظالم اس بات کے مقتضی تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہر بدکردار کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا جن نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے مال و جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے مال و جائداد پر تصرف کیا جاتا لیکن کیا دنیا کی تاریخ ایک مثال پیش کرسکتی ہے کہ ایک مظلوم نے فاتح ہو کر بھی مغلوب ظالموں کو نہ صرف معاف کر دیا ہو، بلکہ ان سے کوئی باز پرس تک نہ کی ہو۔ مسلمانوں کی جائیداد بھی واپس نہ لی ہو اور کیا دنیا کی جنگوں کی تاریخ کسی فوج کی اطاعت و فرمانبرداری اور نظم و ضبط کی ایک مثال پیش کر سکتی ہے کہ پوری فوج میں، جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جن کی جائیدادوں پر مشرکین مکہ قابض تھے۔ بطیب خاطر اس فیصلہ کو قبول کیا ہو۔ رسول اللہ دشمنوں کے لئے بھی غضب کے بجائے رحمت ثابت ہوئے اور صحابہ کرام اس رحمت مجسم کے حقیقی مؤید۔"

اس موضوع کے سلسلہ میں تقابلی مطالعہ کے لئے ان واقعات کا اعادہ ضروری ہے کہ جب کبھی کسی امت پر عذاب آیا تو انبیاء معجزانہ طور پر بچا لئے گئے۔ بلکہ عذاب انبیاء کی بددعا پر نازل ہوا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ کا بچنا اسی قبیل سے تھا۔ حضرت صالح سے ثمود نے نشانی مانگی۔ چنانچہ اللہ کی اونٹنی نشانی کے طور پر دی گئی۔

(ق ۷ - ۷۳ ،، ۱۱ - ۶۴)

لیکن ثمود عذاب الٰہی کی نذر ہو گئے۔ (ق ۵۳ - ۵۱ /// ۵۴ - ۳۱)

مگر حضرت صالح اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ (ق ۴۱ - ۱۸، ق ۱۱ - ۶۶)

حضرت نوح نے قوم کے لئے بد دعا کی۔

"فافتح بینی و بینھم فتحاً و نجنی و من معی من المومنین

ترجمہ:۔" میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے۔"

(ق ۲۶ - ۱۱۸)

"وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً ۵

ترجمہ:" اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں سے کوئی گھر میں بسنے والا نہ چھوڑ۔"

(ق ۷۱ - ۲۶)

حضرت صالح نے قوم سے ان کی بداعمالی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے واقعہ کے بعد ان سے منہ موڑ لیا

(ق ۷ - ۷۹)

حضرت لوط نے بھی مجبور ہو کر اپنی مفسد قوم کے مقابلہ میں پروردگار کی مدد مانگی (ق ۲۹ - ۳۰)

"قال رب انصرنی علی القوم المفسدین"

حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے" لوط کی قوم کے بارے میں (نرم دلی کی وجہ سے) بحث کرنے لگے۔

"یجادلنا فی قوم لوط"

حضرت موسٰے نے فرعون کے حق میں دعا کی۔

ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم"

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار ان کے مال کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں (ق ۱۰ - ۸۸)

اس کے برعکس رحمۃ للعالمین نے قریش کے طرح طرح کے مظالم برداشت کئے اور اپنے متبعین کو بھی برداشت کا سبق دیا۔ لیکن مشرکین کے لئے کبھی بد دعا آپ نے نہ کی۔ برعکس اس کے آپ کی وجہ سے اللہ نے ان کو عذاب سے محفوظ و مامون رکھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

"وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم"

ترجمہ:" اللہ ایسا نہیں کہ آپ ان میں موجود ہوں، اور وہ انہیں عذاب دے۔ (ق ۸ - ۳۳)

اللہ تعالےٰ نے اس مایوسی کا بھی سدباب کر دیا۔ جس سے بد دعا منہ سے نکلتی ہو۔ فرمایا.....

"ان علیک الا البلاغ"

ترجمہ: "آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔"

(ق ۴۲ – ۴۸ //// ۵ – ۹۲ /// ۱۳ – ۴۹ /// ۱۶ – ۸۲ /// ۶۴ – ۱۲)

نیز فرمایا۔۔۔۔

"لیس لک من الامر شیءٌ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون"

ترجمہ: "اس معاملہ میں آپ کو کچھ دخل نہیں، یا اللہ ان کو توفیق دے کر قبول کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔"

(ق ۳ – ۱۲۸)

اس آیت کے شان نزول کے متعلق ضیاء القرآن سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس موضوع پر روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود انور مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ کفار و مشرکین کے لئے بھی باعث رحمت تھا۔ اسی لئے آپ نے رحمۃ العالمین کا لقب پایا۔

"احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کئے گئے۔ رخ انور زخمی کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ وہ قوم کیونکر نجات پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے سر کو مجروح کیا۔ اور دانت شہید کئے۔ جو انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"وقیل استاذن فی ان یدعو فی استئصالھم فلما نزلت ھذہ الآیۃ علم ان منھم من سیسلم وقد امن کثیر منھم خالد بن ولید" (قرطبی)

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ انہی میں حضرت خالد بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے یہ کلمات کتنے حقیقت افروز اور ایمان پرور ہیں۔۔۔

"بابی انت وامی یا رسول اللہ لقد دعا نوح علی قومہ فقال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ولو دعوت علینا مثلھا لھلکنا من عند آخرنا فلقد وطئ ظھرک وادمی وجھک وکسرت رباعیتک فابیت ان تقول الا خیرا فقلت رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔

ترجمہ: "اے اللہ کے پیارے رسول۔۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی کہ اے رب، زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے۔ اگر حضور بھی ہمارے لئے بددعا کرتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن واے سرایا کرم! آپ کی پشت پر قدم رکھے گئے۔ رخ انور زخمی کیا گیا۔ دندان مبارک توڑے گئے۔ بایں ہمہ آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی۔ اور یہی عرض کیا کہ اے رب میری قوم بے علمی سے یہ کر رہی ہے تو اس کو معاف فرما دے۔"

دنیا میں انبیاء کی نافرمانی کی وجہ سے اگر عذاب کا سلسلہ جاری رہتا اور قوم ختم ہو جاتی تو پیغام الوہیت و رسالت دنیا کو کس طرح

پہنچا۔ لیکن چونکہ ختم رسالت مقصد الہٰی تھا۔ اس لئے مایوسی کو امید سختی کو نرمی اور عذاب کو رحمت سے بدل دیا گیا۔

رحمت و عفو کی یہ شان اس لئے بھی تھی کہ سرکار دو عالم مظہر ختم نبوت تھے۔ ان کا لایا ہوا دین ہمیشہ کے لئے ہدایت کا دین ہے۔ اس میں وہ صلاحیتیں اور خوبیاں مجتمع ہونا چاہئیں جو ہمیشہ کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکیں۔ وہ ہادی برحق جو خاتم نبوت ہوا اس میں نہ صرف وہ خوبیاں ہوں جو کفار و مشرکین کا زندگی میں دل جیت لیں بلکہ جن پر عمل کر کے ان کے متبعین ہر زمانہ میں کفار اور مشرکین کے بالمقابل اپنے حسن سلوک کے سلسلہ میں منفرد مقام حاصل کرتے رہیں۔ تاکہ تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رہے۔ قرآن ہی عدل، احسان اور عفو پر زور دیا۔ اس کی تفسیر نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک ہے۔

بعض مستشرقین اسلامی تعلیم کی خوبیاں ماننے کے باوجود کہہ دیتے ہیں کہ محبت کا سبق جو عیسائیت نے دیا۔ وہ اسلام نے نہیں دیا۔ لیکن کیا عیسائیت نے اس محبت کا کوئی ثبوت کبھی فراہم کیا۔ اس پر کسی کو روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بلکہ عیسائیت کی تاریخ مسلمان اور یہود پر مظالم اور ان کے متعلق بد دیانتی اور کذب سے بھری ہوئی ہے۔ آج بھی مسلمان انہیں مظالم کا شکار ہے۔ اور اب یہودی اور عیسائی دونوں مشترک دشمن کی طرح مسلمان پر حملہ آور ہیں فلسطین کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ عیسائی اور یہودی سیکولر کے پردے میں عیسائی اور یہودی ہیں لیکن مسلمان، رواداری، محبت، عفو اور رحمت میں کچھ نہ کچھ رحمت دو عالمؐ کی پیروی کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہ مسلمان کی نہیں ختم نبوت کی شان ہے۔

اختتام سے قبل میں ان چند مسائل کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جو نئی زمانہ قدیم اور جدید کی آویزش سے ابھر رہے ہیں۔ ایک طرف جدید ذہن ہے جو دینی علم نہ میسر ہونے کی وجہ سے مادیت سے متاثر ہے اور اپنے محدود علم سے عقل کی پہنائیوں میں دوڑ لگانے کی وجہ سے ہر قدیم چیز سے بیزار نظر آتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں ایسے اصحاب کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول وجہ تو تعلیم یافتہ طبقہ میں جز زیادہ تر طبقہ متوسط سے متعلق ہے۔ مذہبی خانگی ماحول ہے۔ دوسری وجہ علی گڑھ کی قدیم و جدید کو سمو دینے کی تحریک۔ تیسری وجہ غیر منقسم برصغیر ہند میں آج سے تین چوتھائی صدی کی احیاء اسلام کی وہ تحریک جس کے نتیجہ میں پاکستان برصغیر کے آزاد ممالک کے ظہور میں آیا۔۔۔ چوتھی وجہ ملک میں شریعت مطہرہ کے قیام کے مواعید کا اعادہ۔ پانچویں حکومت کی وہ پالیسیاں ہیں۔ جن کا مقصد پاکستان اور عرب اور دیگر مسلم ممالک کا جذباتی اتحاد اور دین کے اشتراک کی وجہ سے ایک دوسرے کی امداد اور تعاون کو فروغ دینا ہے۔ اس ضمن میں باوجود کچھ فروعی اختلافات کے کچھ جماعتوں کی منظم کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت (جس کا صدر دفتر رائے ونڈ ہے) قابل ذکر ہیں۔

دوسری طرف قدیم تعلیم سے بہرہ ور اصحاب کے اذہان جو ہر نئی اختراع کا فائدہ اٹھانے میں تو حرج نہیں سمجھتے لیکن یہ اختراعات اور معلومات جن علوم متداولہ کا نتیجہ ہیں۔ ان سے ان کی بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کی تعلیم کا محور صرف تفسیر قرآن، حدیث اور اس نقطہ خیال کی فقہ ہے۔ جس سے ان میں سے ہر ایک وابستہ ہے۔ فقہی اختلافات کی وجہ سے مساجد اور مدرسوں کو ان صاحبان نے الگ الگ بنا رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں باہمی اشتراک کا امکان ہمیشہ محل نظر رہا ہے۔ یہ ایک خاص وجہ ہے۔ جس سے ان میں اور جدید ذہن میں بعد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ بالا علوم کو دینی علم کی تعریف میں محدود کرنے والے ان اصحاب نے ایک خاص ذہنیت اس طبقہ میں پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر جدید ذہن کو شبہ کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ بلاوجہ ایسے ذہن کے لوگوں کو منکرین حدیث و مجددین بلکہ ملحدین کے القاب

سے نوازتا رہتا ہے جو الفاظ کوئی حریف اپنے باغیوں کی شان میں ہی استعمال کر سکتا ہے۔

میں نے سرکار دو عالم کے مظہر ختم نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمارے علماء کے ان دو طبقات (یعنی قدیم اور جدید) کا بعد علمی محرومی کا نتیجہ ہے۔ اگر جدید علوم سے آراستہ علماء علوم قرآن و حدیث سے بھی مشرف ہوتے تو ان میں انتہا پسندی کے بجائے اعتدال پیدا ہو جاتا۔ موجودہ علماء دین کی روش کو نظر انداز کر کے اگر وہ قبل از تقلید کے دور کے ائمہ محدثین اور مفسرین کی کاوشوں کا براہِ راست مطالعہ کریں تو ان کو اسلامی علوم کی پہنائیوں کا علم ہو گا کہ کس طرح اس دور کے ائمہ نے قرآن و حدیث سے عمرانی اور قانونی مسائل اخذ کئے تھے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج اور ان کے بیش بہا دلائل آج کے دور میں بھی ہماری مشکلات کا حل معلوم کرنے کے لئے مشعل راہ ہو سکتے ہیں۔

علماء دین کی جدید علمی کاوشوں سے محرومی اور خود کو اپنے تیار کردہ ایک خول میں بند کر لینے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زمانہ موجودہ سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ یہ وہ روش ہے کہ جس پر آج سے سینکڑوں سال قبل بھی نکتہ چینی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں امام غزالی نے اس ذیل میں بھی علماء کو ہدف تنقید بنایا۔ اور تعجب ظاہر کیا کہ ان صاحبان نے علم کو تفسیر حدیث فقہ علم کلام تک بالعموم اور علم مناظرہ تک بالخصوص مقید کر دیا۔ انہوں نے دیگر علوم متداولہ پر بحث کی۔ اور ناپسندیدگی کا اظہار صرف طلسم سے علم نجوم کی اس قسم سے جس کا تعلق قسمت کا حال بتانے سے ہے اور پھر اس زمانے کی فزکس کے متعلق کیا۔ یونانی فلسفہ کے متعلق ان کے افکار اظہر من الشمس ہیں۔ باقی علوم کا حصول ان کی رائے میں ضروری تھا۔ علماء علم قرآن نے کتاب حکیم میں متعدد علوم کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ الاتقان فی علوم القرآن میں کئی ایسے علوم کا تذکرہ موجود ہے۔ جیسے علم طب، جدل علم ہیئت علم، ہندسہ۔ جبر و مقابلہ نجوم وغیرہ (جلد اول ص ۱۳۸۶۔ اردو مطبوعہ نور احمد کارخانہ تجارت کتب) پھر ان علوم کے حصول کے اغراض کو دیکھا جائے۔ تو ان علوم کی بنیاد میں ہی زمانہ موجود کے علوم کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ کلام پاک میں جگہ جگہ تاکید ہے کہ دنیا میں گھوم پھر کر دیکھو کہ سابقہ قوموں کا کیا حشر ہوا۔ کیا اس حکم پر عمل علم آثار قدیمہ کے بغیر ممکن ہے؟ کیا یہ علم حاصل کرنا مسلمان کے فرائض میں شمار نہیں ہو گا۔ قرآن جب علم کا سبق سکھاتا ہے۔ تو اس علم کا حصہ صرف چند علوم تک نہیں ہے۔ جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ ان جملہ علوم پر حاوی ہے۔ جس سے اسلام کو قوت ہو۔ جس سے اسلام کی ہیبت اغیار پر چھائی رہے۔ جس سے انسان کی فلاح کے لئے تسخیر کائنات میں مدد ملے۔ جس سے مظاہر قدرت اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی برکات خود اپنے آپ پر بھی ظاہر ہوں اور دوسروں پر بھی ظاہر کی جا سکیں۔

دوسری طرف محض علم جدید بھی کافی نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث کی تعلیم اس کے ساتھ نہ ہو۔ اگر علم جدید سے بیزاری جدید معاشرے کا کارآمد فرد ہونے سے روکتی ہے۔ تو قرآن و حدیث کے علم کے بغیر جدید علم مادیت پیدا کرتا ہے۔ اور تقویٰ اور روحانیت کی نفی کرتا ہے۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیائے اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص تعلیم کا نصاب ایسا مرتب ہو کہ ہمارے عہد حاضر کے علم دینی کی تعلیم سے مزین ہوں۔ اگر ایسا ہو سکے تو تکمیل نبوت کی منشاء بھی پوری ہو سکے گی۔ اور مسلمان ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نوٹ:۔ اس مضمون کی تیاری میں قرآن مجید (ق) اور دیگر کتب کے علاوہ ختم نبوت، مصنفہ مرتضیٰ مطہری شہید (مطبوعہ دفتر تبلیغات اسلامیہ) سے مدد لی گئی ہے۔ اس لئے اس کا اعتراف ضروری ہے۔

کائنات، انسان، ضرورتِ نبوّت اور ختمِ نبوّت کی اہمیّت

ڈاکٹر سید مطلوب حسین

ابتدائے آفرینش ہی سے یہ مسئلہ انسان کی پریشانی کا سبب بنا رہا ہے کہ وہ کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ اس کا خالق کون ہے؟ اور اس کائنات میں اس کا مقام کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک طرف اوہام پرست لوگوں میں یونانی اور ہندی دیو مالا نے جنم لیا اور دوسری طرف اہل علم و دانش نے فلسفہ جیسے ادق اور خشک مضمون کی داغ بیل ڈالی جس میں دیگر پیچیدہ عنوانات کے علاوہ "مابعدالطبیعاتی" موضوعات بھی زیر بحث لائے گئے تھے۔ جن کا تانا بانا صرف انسانی عقل کا مرہون منت تھا۔ استدلال علمی اور توجیہات سائنسی اور منطقی تھیں۔

ایک زمانے تک علمی دنیا میں انہی فلسفیانہ افکار و خیالات کی عملداری رہی۔ حتیٰ کہ جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا نیّر تاباں طلوع ہوا جس کے ساتھ ایک نیا دین، نئی تہذیب، نیا نظام حیات اور نئی علمی تحریک نے جنم لیا۔ صدر اسلام میں اسلام پر سادگی اور بداوت کا رنگ غالب تھا لیکن خلفائے راشدین کے زمانے میں جب برق رفتار فتوحات کے نتیجے میں اہل عرب "صحرائے نفود" سے نکل کر ہلال زرخیز میں داخل ہوئے اور ان کا سابقہ مفتوحہ اقوام کے ساتھ پڑا تو جہاں اہل عرب نے انہیں متاثر و مسحور کیا بعض معاملات میں ان کا تاثر قبول بھی کیا۔ اہل عجم ہر مسئلہ کی عقلی توجیہہ پیش کرتے تھے۔ جب کہ اہل عرب کا مدار زیادہ تر وحی و الہام پر تھا لیکن جب دونوں اقوام میں رابطہ اور تعلق استوار ہوا تو اس باہمی امتزاج و ارتباط کا اثر نہ صرف اسلامی معاشرت پر پڑا بلکہ اسلامی عقائد بھی اس کی زد میں آئے بغیر نہ رہ سکے۔

جدید افکار اور فلسفہ کی یلغار کا علمی اور عقلی رد کرنے کے لئے مسلمان علماء اور دانشوروں نے مغربی فلسفہ کا مطالعہ کیا اور اس کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا جس میں "مابعدالطبیعاتی" مسائل پر بحث کی گئی تھی۔ ان مسائل میں انسان کی ذات بھی زیر بحث آئی۔ اس موضوع پر خالص سائنس اور عقلی انداز میں حکمائے اسلام اور متکلمین میں سے جس شخص نے سب سے پہلے قلم اٹھایا۔ وہ ابن مسکویہ ہے۔ جس نے چوتھی صدی ہجری میں علوم فلسفہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فارابی اور ابن رشد کے سوا فلسفہ یونانی پر اس سے بڑا اور کوئی مفکر نہیں گزرا۔ اس نے جو "نظریہ ارتقاء" پیش کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

> "کائنات میں عناصر موجود تھے۔ جب انہوں نے باہم ترکیب پائی تو سب سے پہلے جمادات وجود میں آئے۔ جمادات سے ترقی کر کے نباتات کا درجہ آیا۔ اس میں بھی ارتقائی عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ یعنی سب سے پہلے گھاس پیدا ہوئی۔ جو تخم سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ خودرو ہوتی ہے۔ پھر درخت پیدا ہوئے۔ ان میں بھی تدریج ترقی ہوئی حتیٰ کہ ایسے اشجار پیدا ہوئے۔ جن میں تنا، شاخ، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ترقی ہوئی تو ایسے درخت وجود

میں آئے۔ جن کی سرحد حیوانات کے بالکل قریب ہو گئی۔ مثلاً کھجور وغیرہ جن میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی باہمی معاشرت سے مادہ درخت ثمر بار ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کہ یہ اس مٹی سے پیدا ہوئی ہے جو حضرت آدمؑ کی خاک سے بچ رہی تھی۔"

"نباتات ترقی کر کے جب حیوان کے درجہ پر پہنچے تو سب سے پہلے کیڑے وجود میں آئے۔ جن میں حرکت اختیاری کے سوا اور کوئی صفت نباتات سے بڑھ کر نہیں۔ رفتہ رفتہ ان میں ترقی ہوئی تو ایسے حیوانات پیدا ہوئے جن میں حواس خمسہ موجود تھے ان میں ترقی کی رفتار قائم رہی اور ذہین اور زود فہم انواع نے لیا۔ یہاں تک کہ ترقی کرتے ہوئے انسان کی سرحد تک آپہنچے۔ جیسے بندر وغیرہ۔ اس مرتبہ سے بھی جب آگے بڑھے تو انسان کی طرح ان کا قد بھی سیدھا ہو گیا، اور ان کے قوائے عقلیہ بھی کچھ انسان سے مشابہ ہو گئے یہ مرتبہ حیوانیت کا انجام اور انسانیت کا آغاز تھا۔ ارتقار کا یہ عمل بنی نوع انسان میں بھی قائم رہا۔ حتیٰ کہ قوائے عقلیہ، ذہن ذکا، صفائی، باطن اور پاکیزہ خوئی میں ترقی کرتے کرتے انسان ملکوتیت کی حد تک جا پہنچا۔ یہی مرتبہ ہے جسے ہم نبوت اور رسالت سے تعبیر کرتے ہیں"

ابن مسکویہ کے علاوہ مشہور مسلمان صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی بھی موجودہ انسان کو ارتقار ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرا ارتقار ایسی حالت سے ہوا جو ذرات کی صورت ہوا میں منتشر تھے۔ اس کیفیت میں میں ہزار ہا سال تک رہا

صد ہزاراں سال بودم مطار ہمچو ذرات ہوا بے اختیا

اس عالم سے نکل کر میں نے جمادی حالت اختیار کی۔ اس کے بعد میں اعلیٰ تنظیم میں آیا یعنی نباتاتی حالت ہے۔ جد و جہد میں آگے بڑھتا رہا۔ اور پیچھے کی منزلوں کی کیفیت بھولتا گیا۔ نباتاتی شعور کی کیفیت بھی مجھے یاد نہیں۔ لیکن موسم بہار میں سبزہ و گل کی طرف جو میرا میلان ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ غیر شعوری طور پر اپنی پہلی کیفیت کا ایک دھندلا سا احساس اور ایک مبہم سی یاد ہوتی ہے۔ اس سے ترقی کی تو حیوانیت کے درجے میں آیا جس میں نشو و نما کے علاوہ حرکت ارادی بھی ہے۔ اور نقل مکان کی صلاحیت بھی۔ حیوانیت کی منزل کو عبور کر کے میں انسانیت کی طرف بڑھا۔

ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

اس طرح مختلف منازل و مراحل طے کرتے ہوئے عقل و دانش اور شعور و آگہی کی وادی میں قدم رکھا۔ ایک لحاظ سے مولانا روم کا یہ تصور، ابن مسکویہ کے نظریہ ارتقاء کے مشابہ ہے۔ لیکن مولانا عالمگیر ارتقاء کے قائل ہیں۔ وہ موجودہ انسان کو ارتقار کی آخری حد نہیں تسلیم کرتے۔ بلکہ زندگی کو ارتقائے مسلسل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے وہ جسم و نفس کی موت سے بھی خوفزدہ نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے کئی بار موت کا ذائقہ محسوس کر چکے ہیں۔ ان کے نزدیک ادنیٰ درجے سے عروج دراصل ادنیٰ درجہ کی موت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موت کی صورت میں جسم کثیف سے آزاد ہو کر میرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور میں کثافت۔ سے لطافت کی طرف ترقی کروں گا اور ملائکہ کی طرح آلائشوں سے پاک و صاف ہو جاؤں گا۔ میں اس حالت میں بھی نہیں ٹھہروں گا۔ اس سے برتر حالت کیا ہے؟ وہ وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ لیکن اس کے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے بعد ایسی حالت میں پہنچوں گا۔ جس میں زمان و مکان اور عقل و وجود

کا بھی گمان نہیں ہو سکتا۔ وہ اس سفر کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کی صورت میں ختم کرنے کے متمنی ہیں۔ کیونکہ اس ترقی کا منتہی اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ "وَاِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى" مولانا اس عقیدے کو بار بار دہراتے ہیں کہ "منزل ما کبریا ست" کیا ایسا ممکن ہے؟ مولانا یہ سمجھتے ہیں کہ منزلِ 'منتہی' تو بے شک خدا ہے لیکن ارتقاء لامتناہی عمل ہے جو حیات دنیوی میں بھی جاری رہتا ہے اور حیات اخروی میں بھی۔

مولانا نظریہ ارتقاء پر ایمان رکھنے کے باوجود ہنود کے عقیدہ تناسخ اور آواگون کے قائل نہیں جس کے مطابق جسم فانی ہے اور روح امر، جو جسم سے صرف موت ہی کی شکل میں نہیں بلکہ بے ہوشی اور نیند کے عالم میں بھی الگ ہو سکتی ہے۔ اسے قرار نہیں۔ بلکہ سفر میں رہتی ہے۔ کبھی ایک جسم میں کبھی دوسرے میں۔ اس کا انحصار اعمال پر ہے۔ اگر کوئی روح کسی جنم میں اچھے کرم کرتی ہے تو دوسرے جنم میں بہتر قالب اختیار کرتی ہے اور اگر وہ برے کرم کرتی ہے تو گھٹیا درجے کی جون میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح وہ سانپ، بچھو، ریچھ، مینڈک، مچھلی بندر وغیرہ۔ کے روپ اختیار کرتی ہوئی انسانی جامہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی میں نیک اعمال کرے تو اس کا ایک چکر ختم ہو سکتا ہے۔ اور اسے مکتی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ مکتی عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ یعنی موت اور دوبارہ زندگی کے درمیان ایک وقفہ جہاں سے ارواح کسی غلطی کے سبب دوبارہ زمین پر کسی شکل میں زندگی کا دوسرا سفر شروع کرتی ہیں۔ ہندو عقیدہ کے مطابق اصلی مکتی شاذونادر ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ ہے کہ ان کے دیوتا بھی مختلف جونوں میں جنم لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی تثلیث کے ایک مشہور دیوتا "وشنو" نو روپ اختیار کر چکے ہیں۔ پہلے جنم میں وہ مچھلی تھا۔ دوسرے میں کچھوا، تیسرے میں ریچھ، چوتھے میں شیر، پانچویں میں برہمن وداراف جس نے ظالم بالی کو شکست فاش دی۔ چھٹے میں وہ پرسو رام تھا جس نے برہمنوں کی سیادت اور برتری کا لوہا منوالیا۔ ساتویں میں وہ رام تھا۔ آٹھویں میں وہ کرشن کا بھائی بالا رام اور نویں میں گوتم بدھ، جبکہ اسے دسواں جنم بحیثیت کالی ابھی لینا ہے۔ بھگوت گیتا میں کرشن جی نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ کئی جنم لے چکے ہیں۔

ارتقاء کی ایک شکل ہندو عقیدے میں ضرور موجود ہے۔ لیکن مولانا ارتقائے معکوس کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی پلٹ کر پیچھے کی طرف نہیں جاتی۔ بلکہ ٹھوکریں اور چکر کھا کر آگے ہی بڑھتی ہے۔

ارتقائے مسلسل کی بہتر توضیح مولانا روم سے کئی صدیاں پہلے شیخ اکبر بھی کر چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رجعت الی اللہ یا واصل باللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی جامعیت سے قریب سے قریب تر ہونا ہے۔ یا اس کی ذات کا صحیح ادراک ہے۔ اس لئے کہ "الرب وان تنزل والعبد عبد وان ترقی" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور تجلی سے اگر طبقات حیات میں نزول بھی کرے تب بھی وہ رب لا یزال ہی رہتا ہے اور عبد خواہ کس قدر ترقی کرتا جائے۔ وہ عبد ہی رہتا ہے۔

مسلمان مفکرین، متکلمین، حکما اور صوفیہ کے افکار و نظریات کا اثر غیر مسلم دانشوروں، ماہرین، حیاتیات اور فلاسفہ پر بھی پڑا۔ مگر انہوں نے روحانی یا ذہنی ارتقاء کی بجائے مادی ارتقاء پر زیادہ زور صرف کیا اور اس کے لئے سائنسی توجیہات پیش کیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اشیاء میں فطری ارتقاء کی صلاحیت کے نتیجہ میں نباتات، حیوانات حتیٰ کہ خود انسان ہمیشہ سے ایک صورت پر قائم نہیں ہیں۔ بلکہ اپنی نوع کے تحفظ اور حصول تکمیل کے لئے جد۔ سے لے کر انسان تک ترقی کی جانب مائل رہے ہیں۔ اس کی صراحت ۱۸۵۹ء میں ڈارون نے اپنی کتاب (ORIGIN OF SPECES) میں پیش کی۔ وہ کہتا ہے کہ زندگی فقط نباتی

یا حیوانی یعنی مادی زندگی ہے۔ اس میں تو قلمونی اور ارتقاء اپنے تحفظ اور بقاء کی جد و جہد کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔ جس کا مقصد مادی ماحول سے توافق پیدا کر کے اپنی بقا کا سامان مہیا کرتا ہے۔ زندگی کے جوہر میں کوئی اقدار نہیں۔ کوئی میلان، عروج و کمال نہیں۔ محض اتفاق سے بعض حیوانات کی ساخت میں کوئی انوکھی چیز پیدا ہو جاتی ہے جو زندگی کی کشمکش میں مفید ثابت ہونے کی وجہ سے باقی رہ جاتی ہے اور آئندہ نسلوں کو ورثے میں مل جاتی ہے۔ تمام تنظیم حیات اور تمام حسن و جمال انہی اتفاقی حوادث کا رہین منت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ جانور ہے اور اپنے ہزاروں سال کے نوعی سفر میں درجہ بدرجہ منزل، منزل اموبیا (AMOEBA) سے جیلی فش اور جانے کتنی دیگر شکلوں میں تبدیل ہوتا ہوا بندر تک پہنچا۔ جو حیوانات میں سب سے زیادہ ذکی اور ہوشیار ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انسان کی موجودہ ساخت بندر ہی۔ کسی اچانک عضوی تبدیلی کے نتیجہ میں مرتب ہوئی ہے

ڈاروِن کی اس میکانکی اور مادی توجیہہ کے بعد مغربی مفکرین نے ارتقاء کے عمل کو تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کی توجیہہ کو محل نظر سمجھتے ہوئے اس نظریہ کے دوسرے پہلوؤں پر غور کیا۔ اس کی سب سے زیادہ حکیمانہ تردید فرانس کے یہودی فلسفی برگساں نے کی اور تخلیقی ارتقاء کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے مطابق زندگی آگے بڑھتے ہوئے نئے انداز وں کی تکوین کرتی رہتی ہے۔ لیکن اس کا کوئی معین نصب العین نہیں۔ کوئی ایسا نقشہ یا منصوبہ نہیں جو پہلے سے تیار کر کے رکھا گیا ہو جس کے مطابق نئی تبدیلیوں کو ڈھالا جا سکے۔ بلکہ یہ عمل از خود جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن مشہور جرمنی فلسفی کانٹ اسے تسلیم نہیں کرتا اور انسان کو مادہ، کائنات کا نتیجہ نہیں سمجھتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ لامحدود کائنات سمٹ کر اس کے احاطۂ ادراک میں کیسے آجاتی — یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی کوتاہ بینی اور کائنات کی وسعتوں سے مغلوب ہو کر اپنی حیثیت کو بھول گیا ہے۔ حالانکہ مرکز کائنات وہ خود ہے نہ زمین، نہ شمس و قمر اور نہ دیگر اجرامِ فلکی۔ اس کے نزدیک یہ کائنات بے معنی نہیں بلکہ با مقصد ہے۔ اور اس میں انسان کی حیثیت جسم میں قلب کی طرح ہے۔

مغربی فلاسفہ میں، جرمنی کا حکیم نطشے بھی ارتقائے مسلسل کا قائل ہے۔ بلکہ وہ موجودہ نوع انسان سے اس قدر بیزار ہے کہ اس سے اعلیٰ ایک نئی نوع کا تصور پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ موجودہ انسان کو اب ختم ہو جانا چاہیئے تاکہ ارتقاء کی جانب ایک اور قدم اٹھ سکے۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں — ہندو نظریہ ویدانت اور عقیدہ اواگون کی شکل میں زندگی یا روح کے سفر کے قائل ہیں۔ لیکن ان کا فلسفہ ارتقاء کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت نہیں ہوتا۔ تاہم مسلم متکلمین کے افکار نے بعض ہندو مفکرین کو بھی متاثر کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کے زمانہ حال کے سب سے بڑے مفکر اربندو گھوش کا نام لیا جا سکتا ہے جس نے حیاتِ الٰہیہ پر تین ضخیم اور جامع جلدیں لکھی ہیں۔ وہ ہندو عقیدہ تناسخ سے ہٹ کر نظریہ ارتقاء کا قائل ہے۔

اب تک کی بحث کا لب لباب یہ ہے کہ فلاسفہ، متکلمین، مفکرین اور ماہرین حیاتیات کے نزدیک اشیاء کا وجود ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے جو ایک گروہ کے مطابق جمادات سے ترقی کرتے ہوئے محض حادثاتی طور پر نباتات، حیوانات اور انسان تک پہنچ کر ختم ہو گیا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس بات کا دعویدار ہے کہ جسمانی ارتقاء کی آخری حد غالباً موجودہ نوع انسانی ہے لیکن اس کی موت کے بعد روحانی

ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے جو اسے خالقِ حقیقی تک پہنچانے میں مدد دیتا ہے۔ جس سے وہ ادراکِ الٰہی یا قربِ الٰہی مراد لیتے ہیں ان نظریات کی تردید و تائید کئے بغیر ہم اس کو بنیاد بنا کر بحث کو آگے بڑھاتے ہیں تخلیق کس قسم کی ہو اس کے لئے اسباب اور عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماہرین کے مطابق کائنات میں ذرات ہوا سے مشابہ عناصر موجود تھے جنہوں نے باہم ترکیب پائی تو جمادات وجود میں آئے۔ لیکن کیا اس نظریے کا اطلاق ہم حیات پر بھی کر سکتے ہیں۔ عالمِ موجودات میں سب سے آخر میں انسان وجود میں آیا۔ یہ بھی تسلیم کہ انسان مٹی کا پتلا ہے۔ اس کا پیکر تخلیق کرنے کے لئے مٹی کی ضرورت محسوس ہوئی جو جمادات سے حاصل کر لی گئی۔ مٹی کو گوندھنے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ بھی موجود ہو گا۔ کیونکہ اس کے بغیر نباتات پروان نہیں چڑھ سکتے تھے۔ جو جمادات کے بعد وجود میں آ چکے تھے۔ ان کی نشو و نما اور تحفظ کے لئے ہوا۔ اور توانائی کی ضرورت تھی۔ جو سورج کی روشنی اور حرارت سے حاصل کی گئی۔ غرضیکہ حیات کی بقا اور نشو و نما کے لئے جن عناصر کی ضرورت تھی۔ وہ ارتقاء کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کیا یہ بات ممکن ہے کہ بعض عناصر اربعہ کے ذریعے مٹی کے پیکر میں زندگی سرایت کر جائے۔ کیا پانی اور مٹی کے مرکب سے تیار کردہ پیکر "آدم" تھا۔ کیا محض اس پیکر میں ہوا اور حرارت کے ذریعے سائنس اور توانائی داخل کر کے پہلے پیکر انسانی کو حیات بخشی گئی؟ یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ نہ تو وہ مٹی کا پتلا آدم تھا۔ اور نہ ہی سورج اور ہوا کے ذریعے اسے حیات بخشی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج اور ہوا زندگی کو برقرار رکھنے اور ترقی دینے میں معاون ہوتے ہیں۔ زندگی کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

زندگی ایک ایسا غیر مادی جوہرِ لطیف ہے جو نور عطا کرتا ہے، ذائقہ دیتا ہے۔ قوت و توانائی فراہم کرتا ہے بصارت اور بصیرت بخشتا ہے۔ خواہشات اور آرزوؤں کو جنم دیتا ہے۔ احساسات و جذبات کی دولت سے نوازتا ہے۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا تعلق حواسِ خمسہ اور عالمِ محسوسات سے ہو۔ اس کا ادراک بخشتا ہے۔ اس لئے جوہرِ زندگی کے بغیر عناصر اربعہ سے ترکیب پانے والے وجود محض مٹی کا بے جان پتلا کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جس میں نہ تو سانس کی روانی تھی، نہ ہی گردشِ خون، نہ اس کا دل دھڑکتا تھا۔ نہ ہی دماغ میں افکار کی لہریں موجزن تھیں۔ نہ ہی اس میں ارادہ تھا۔ اور نہ ہی حرکت۔ بالفاظِ دیگر حضرت آدم علیہ السلام اس وقت آدم کہلوانے کے مستحق ٹھہرے۔ جب ان کے پیکرِ خاکی میں جوہرِ حیات کی نمود ہوئی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جوہرِ لطیف کا خالق کون ہے؟ یہ بات انسانی فہم و ادراک سے بالا ہے۔ یوں اس کے بارے میں متعدد نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن وہ سب مفروضوں پر مبنی ہیں! اور مفروضے حقیقت نہیں بن سکتے۔ کیونکہ مادے کو اگر قدیم بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس کے کسی ایک عنصر میں بھی یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اشیاء میں حرکت کا سبب بن سکے۔ حرکت اور ارادے کے لئے وہ جوہرِ حیات کا محتاج ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسانی جسم کے مختلف اعضاء ہاتھ، ناک، کان، ٹانگیں اور زبان وغیرہ کے مختلف افعال ہیں۔ زبان بولتی ہے۔ کان سنتے ہیں۔ ہاتھ کام کرتے ہیں اور ٹانگوں سے جسم کو حرکت دی جاتی ہے۔ یہ تمام اجزاء اپنی جگہ مکمل اور مفید ہونے کے باوجود کسی دوسرے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان سب پر کوئی حاکم ہے جو ان سے کام لیتا ہے۔ ہاتھ جو کچھ چھوتا ہے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔ زبان جو کچھ بولتی یا ذائقہ محسوس کرتی ہے۔ یہ احساسات ان کے اپنے کام نہیں آتے۔ بلکہ ایک اور قوت ہے جو ان کے نتائج سے فیض یاب ہوتی ہے۔ اگر ان اجزاء کو انسانی جسم سے الگ کر دیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتی ہیں۔ نہ پاؤں چل سکتے ہیں۔ نہ ہاتھ چھو سکتے ہیں۔ اور نہ دانت خوراک کو چبا سکتے ہیں

اور نہ ہی ان اعضاء میں کٹنے کے بعد کوئی تکلیف اور درد محسوس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کا باقی جسم ان کے کٹنے کی وجہ سے درد محسوس کرتا ہے۔ آنکھیں روتی ہیں اور دل بے چین ہو جاتا ہے۔ ان کی شدید خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ان کٹے ہوئے اعضاء کو حاصل کر کے دوبارہ جسم کا حصہ بنا لیا جائے۔ گویا جو چیز جسمانی ہے اور جسم کا حصہ ہے۔ اس کی حیثیت آلہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس لئے وہ جوہر جو ان تمام اعضاء اور قواء سے کام لیتا ہے۔ وہ ان سب سے بالاتر ہے اور وہ مادی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ مادی ہوتا تو اس کی حیثیت ایک آلہ سے زیادہ نہ ہوتی اور اس کا ایک خاص اور محدود وظیفہ یا فعل ہوتا۔ یہی وہ قوتِ عاملہ ہے جسے روح اور نفس ناطقہ کہا جاتا ہے۔

یہ جوہر روح، عالم حیوانات کو، جمادات اور نباتات سے ممتاز کرتا ہے۔ جب تک یہ اجسام میں باقی رہتا ہے۔ ان کی نشو و نماء ہوتی رہتی ہے۔ اور جیسے ہی اس کا ناطہ ٹوٹتا ہے۔ نہ صرف ان کی آئندہ ترقی رک جاتی ہے۔ بلکہ ان کے تمام وظائف و افعال و جبلتِ فطرت ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر اجسام پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اور روح اپنے سفر پر روانہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے روح عرض نہیں ہو سکتی کیونکہ عرض ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور یہ وہ لطیف غیر مرئی چیز ہے۔ جو تمام تغیرات کے ساتھ قائم بھی رہتی ہے۔ تمام اشیاء کا تصور کر سکتی ہے۔ تمام کیفیات کو محسوس کر سکتی ہے۔ اور ہر صورت کے ادراک اور قبول کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لئے یہ جوہر کے ساتھ ساتھ بسیط بھی ہے۔ نہ اس کی تحلیل ہو سکتی ہے۔ نہ ہی اس کے اجزاء بدل سکتے ہیں! اور نہ ہی وہ فنا ہو سکتی ہے۔

اب ہم پھر اپنے اصل موضوع کا اعادہ کرتے ہوئے پہلے انسان (حضرت آدمؑ) کی تخلیق پر توجہ مرتکز کرتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ اس وقت "آدم" کہلوائے جب ان کے پیکر خاکی میں روح کے جوہر لطیف نے نفوذ کیا۔ ان کا خمیر چونکہ مٹی سے تھا جو عناصر اربعہ میں سب سے زیادہ کثیف عنصر ہے۔ اس لئے "کل شئ یرجع الی اصلہ" کے مصداق انہوں نے کثافت جسمی کی وجہ سے اقطار سمٰوٰت سے روح کی توانائی کی مدد سے نفوذ کر کے کرہ ارض پر ہبوط کیا۔ گویا پہلا خلائی سفر جو بلندی سے پستی کی جانب ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے مادی جسم کے ساتھ کیا جو ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے نہ انہوں نے ہبوط سے قبل ارتقائی منازل طے کیں۔ اور نہ ہی اس کے بعد بلکہ انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ آج بھی وہی ہے جو ظہور آدم کے وقت تھی۔ اور نہ ہی اس میں آئندہ کسی قسم کی تبدیلی کا امکان ہے۔ یہ بات تو اکثر متکلمین اور جدید ماہرین علم حیاتیات نے بھی تسلیم کر لی ہے کہ موجودہ انسان ارتقائے وجود کی آخری کڑی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کائنات میں ہر لحاظ سے شاہکار تخلیق ہے اور شاہکار میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عصر حاضر کے انسان نے اسے ضرور دریافت کر لیا ہوتا اور اس نقص کو دور کرنے کا تدارک کرتا۔ نیز اگر اس میں مستقبل میں کسی تبدیلی کا امکان ہوتا تو آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا پتہ لگانا ناممکن نہ ہوتا۔ نیز انسان کے علاوہ، دوسرے اجسام میں نظریہ ارتقاء کے مطابق ارتقائی عمل کو محسوس کر لیا ہوتا۔

رہا یہ مسئلہ کہ کائنات کی ہر چیز میں ذوق نمود، اور ترقی کا میلان ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک نوع کا اپنی نوع میں ترقی کرنا۔ نہ کہ ایک جسم سے ترقی کر کے دوسرے جسم میں منتقل ہونا۔ یعنی ایک دانا بیج، ذوق طلب اور مذاق ترقی میں، بڑھ کر پہلے پودے کی شکل رونما ہو۔ پھر ترقی کرتے ہوئے، تنومند درخت بن جائے۔ جس میں شاخیں، پتے، پھل اور پھول ظاہر ہوں۔ اور اسی طرح گل سے چمن اور چمن سے چمنستان بن جائے، یا خاک کے ذرات باہمی ارتباط سے تودہ بنیں اور

بڑھتے بڑھتے پہاڑ کی شکل اختیار کرلیں۔ بارش کے قطرے اکٹھے ہوں تو ندی نالے، دریا اور بے پایاں سمندر کی صورت موجزن ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ذرات اور جمادات میں ارتقائی عمل سے حیوانات وجود میں آجائیں۔

اس کرہ ارض پر انسان کو رہتے ہوئے ہزار ہا برس گزر چکے ہیں۔ لیکن تاریخ کے کسی دور میں بھی انسان نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے جمادات سے نباتات، یا حیوانات سے انسان بنتے ہوئے دیکھے ہوں۔ یا ان میں ایسی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہو، جو مستقبل میں ان کی ساخت پر اثر انداز ہونے والی ہوں۔ اگر یہ کلیہ درست ہوتا تو آج کے سائنسی دور میں تجرباتی طور پر ہی بندر کو انسان بنا کر پیش کر دیا جاتا۔ یہ صحیح ہے کہ انسان نے بندروں سے خاصے عقل کے کام لئے ہیں لیکن یہ کارنامہ بھی انسان کا ہے نہ کہ ارتقائی عمل کا۔ نیز اس تربیت کے نتیجہ میں بندر کے بنیادی اعضاء و جوارح میں کوئی فرق نمودار نہیں ہوا۔ وہ اپنی ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک بندر ہے۔ یہی خصوصیات دوسری انواع میں موجود ہیں۔ ویسے بھی اگر ہم موجودات کا مشاہدہ و مطالعہ کریں تو ہمیں ان میں ارتقاء کا وہ پہلو نظر نہیں آتا جس کی نشاندہی ماہرین حیاتیات کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عالم جمادات کا تذکرہ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ یہ عالم ترکیب کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا عنصر موجود نہیں جو ارتقاء کا سبب بن سکے۔ البتہ مختلف وجوہات سے ان میں ٹوٹ پھوٹ ضرور ہوتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی ہیئت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کے عناصر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی جمادات بہرحال جمادات رہتے ہیں۔ جہاں تک عالم نباتات اور حیوانات کا تعلق ہے تو یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ خوشگوار ماحول، موزوں آب و ہوا اور مناسب دیکھ بھال سے یہ پروان چڑھتی ہیں۔ پھلتی پھولتی ہیں اور اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عالم وجود میں آنے کے بعد ہر چیز اپنی انتہا کو پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ عالم ارتقاء میں نہیں رہتی۔ صرف پیوند کاری سے بعض تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ یہ عمل انسانی مہارت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور فطری طور پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے اشیاء کی بنیادی خاصیت نہیں بدلتی۔ آم۔ آم رہتا ہے اور کھجور۔ کھجور۔ یہی صورت حال، حیوانات اور انسانوں کے ضمن میں بھی نظر آتی ہے۔ کراس بریڈنگ کے نتیجہ میں یہ تو ممکن ہو گیا کہ ایک سیاہ فام عورت کے بطن سے سفید رنگ کا بچہ پیدا ہو، یا ہرن اور بکری کے باہمی اختلاط سے بکری کی ایک اور قسم وجود میں آگئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ شکل و صورت اور خصوصیات کی بنا پر بکری ہی کہلائے گی۔

اس بنا پر ماہرین حیاتیات اور مابعد الطبیعیات کے مفروضہ "نظریہ ارتقاء" پر ایمان نہیں لایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کرہ ارض کا وجود ذرات کی باہمی آمیزش سے ہوا ہو۔ پھر نباتات وجود میں آئے بعد احساس کے بعد حیوانات کی تخلیق ہوئی گویا پہلے اسفل درجہ کی چیزیں وجود میں آئی ہوں پھر کسی خاص مقصد کے تحت اعلیٰ تر مخلوق پیدا کی گئی ہو، اور یہ اعلیٰ مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کرہ ارض پر شاہکار قدرت یعنی حضرت آدم کا ظہور ہو۔ اگر آیہ "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبل زمین اپنی جملہ آرائش و زیبائش کے ساتھ وجود میں آچکی تھی۔ کائنات میں بعض دوسری مخلوقات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ملائکہ اور جنات وغیرہ۔ مشہور مفسر قرآن ابن جریر طبری نے لفظ خلیفہ سے نائب خدا مراد نہیں لیا ہے۔ بلکہ اس کے لفظی معنوں کی نسبت سے "بعد میں آنے والا" متعین کیا ہے۔ یعنی حضرت آدم یا ان کی نسبت سے بنی نوع انسان جو ملائکہ، جنات بلکہ حشرات و حیوانات کے بعد خلق کئے گئے ہیں۔ یہ بعد میں ظاہر ہونے والی تخلیق ہر

لحاظ سے ارفع و اعلیٰ تھی۔ اس لئے زمین پر ہبوطِ آدم سے قبل نوعِ انسان کے آرام و آسائش اور فوائد کے لئے بے شمار چیزیں عالم وجود میں آچکی تھیں۔ انسان نے کرۂ ارض پر اپنے طویل زمانۂ قیام کے دوران میں ان تمام اشیاء کو استعمال کیا۔ فائدہ اٹھایا بلکہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان سے مزید کارآمد، مفید اور حسین و جمیل ایجادات، تعمیرات اور مصنوعات تخلیق کر کے اعلیٰ تمدن کو جنم دیا اور ہر میدان میں عالمِ موجودات پر اپنی عظمت اور برتری کا سکہ بٹھایا۔ اس نے سمندر کا رخ کیا تو اس کی تہوں کو چھو لیا۔ چٹانوں اور پہاڑوں پر آزمائش کی تو ان کے سنگلاخ سینوں کو پھاڑ کر رکھ دیا اور ان کی پُرغرور چوٹیوں کو پاؤں تلے روند کر رکھ دیا۔ زمین کو تختۂ مشق بنایا تو پاتال کی خبر لایا آج کا انسان خلا کی وسعتوں کو عبور کر کے، چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ انسان کو یہ فوقیت عقل و علم کے سبب ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں کہاں سے آئیں؟ کیا مادے سے؟ نہیں! کیونکہ مادہ بذاتِ خود نہ حرکت ہے نہ اس میں حیات کے عناصر ہیں۔ نہ وہ سوچ سکتا ہے۔ نہ وہ محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے لئے وہ ایک دوسری قوت کا محتاج ہے۔ جسے ہم روح کہتے ہیں تو کیا یہ دونوں قوتیں عقل و علم، روح کی تخلیق ہیں؟ یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ روح صرف انسانوں میں ہی موجود نہیں۔ بلکہ چرند، پرند، حشرات اور جمیع حیوانات میں بھی موجود ہے۔ تو پھر عقل و علم بلکہ نطق بھی صرف انسان ہی کی تخصیص کیوں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی موجود ہے جو ان سب کی خالق ہے۔ جس کی نہ کوئی علت ہے نہ صورت ہے۔ جو واحد مطلق ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ غرضیکہ مادہ ہو، یا روح، جسم ہو، یا جوہرِ لطیف، مادی اشیاء ہوں، یا غیر مادی، ان سب کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ خدا نہیں ہو سکتیں۔ اسی بنا پر متکلمین نے خدا کے مندرجہ بالا اوصاف یعنی توحیدِ مطلق، ازلی اور غیر جسمانی ہونا ثابت کئے اور ان سب کے ثبوت کا مدار حرکت کی نفی پر رکھا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱ ۔ وحدت :۔ اگر خدا متعدد ہوں تو ضرور ہے کہ ان میں باہم کوئی جزء مشترک ہو جس وجہ سے وہ سب خدا کہلائیں اور کوئی جزء غیر مشترک جس کی وجہ سے ان میں باہم فرق اور امتیاز ہو جو فساد و کون و مکان کی صورت میں ظاہر ہو۔

۲ ۔ ازلیت :۔ جو شے ازلی نہ ہو گی۔ وہ متحرک ہو گی۔ کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک قسم کی حرکت ہے جبکہ خدا میں حرکت نہیں۔

۳ ۔ غیر جسمانی ہونا :۔ خدا کا اگر جسم ہو گا تو ضرور متحرک ہو گا۔ کیونکہ جسم کو ہر وقت کسی نہ کسی قسم کی حرکت رہتی ہے۔

مندرجہ بالا استدلال سے قطع نظر بھی اگر ہم اشیاء کی ماہیت، ان کی صوری و معنی ہیئت، ان کی ترتیب و تاثیر، ان کا حسن و جمال، مظاہرِ فطرت، کے مقاصد و مصالح اور ان سے مستنبط فوائد پر غور و فکر کریں تو ہر ذی عقل انسان کو وجدانی طور پر اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ اس تمام نظام کے پیچھے ایک پروردگارِ عالم ہستی موجود ہے اور وہ ان تمام صفات سے متصف ہے جن کے بغیر نظامِ ربوبیت کا یہ بے نقص کارخانہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ کیا انسان کا وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ کارخانہ کائنات خود بخود وجود میں آجائے، اور اس میں کوئی زندگی، کوئی ارادہ، کوئی قدرت، کوئی حکمت کارفرما نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کائنات میں ترتیب موجود ہو، اور مرتب نہ ہو۔ زندگی موجود ہو، کوئی خالق نہ ہو۔ نظم موجود ہو، اور کوئی ناظم نہ ہو۔ صنعت موجود

ہو، کوئی مانع موجود نہ ہو۔ موت موجود ہو ———— کوئی مارنے والا موجود نہ ہو۔ غرضیکہ سب کچھ موجود ہو، مگر موجد موجود نہ ہو۔ انسان کا وجدان پکارتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس کی فطرت، اپنی بناوٹ ہی میں ایک ایسا سانچہ لیکر آئی ہے جس میں ایمان و یقین ہی ڈھل سکتا ہے۔ شک اور انکار کی گنجائش نہیں۔

جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس تمام کائنات کا خالق اللہ تعالےٰ ہے جو ہر مخلوق کا پالنے والا بھی ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہر چیز ایسی ہے کہ اسے پرورش کی احتیاج ہے۔ اور اسے پرورش مل رہی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ یہ پرورش کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ یقیناً وہ نہیں جو خود پروردہ اور محتاج ہو۔ اس نکتے میں دراصل تمام موجودات، جمادات، نباتات اور حیوانات کی تدریجی اور ارتقائی تخلیق کا راز مضمر ہے۔ قبل اس کے کہ خالق کائنات، عالم نباتات کو وجود میں لاتا۔ اس نے ذرات کی باہمی آمیزش سے فرش زمین بنایا۔ اور اس کی سطح پر پہلے کوہ و صحرا اور دیگر عالم جمادات کے لنگر ڈالے اور پھر ہوا اور پانی کی تخلیق کر کے ماحول پیدا کیا جس کی مدد سے نباتی مخلوق پروان چڑھ سکتی تھی۔ اس طرح اس نے حیوانی مخلوق کی پرورش کا سامان مہیا کر دیا۔ اور یہ پرورش کا سامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ کیا کہ ہر حیوانی وجود کو زندگی اور بقاء کے لئے جو کچھ درکار تھا۔ ہر حالت کی رعایت اور ہر ضرورت کے لحاظ ملنے لگا۔ چیونٹی کو اپنے بل میں کیڑے مکوڑے کو کوڑا کرکٹ میں، مچھلیوں کو پانی میں، پرند کو ہوا میں، چرند کو سبزہ زار میں، اور درندے کو جنگل بیابان میں، یہاں تک کہ ہر حیوان کو اس کے اپنے ماحول اور مقام پر ہر چیز میسّر ہونے لگی۔

اب ذرا چشم تصور وا کیجئے اور ہبوط آدم سے قبل کائنات کے حسن اور فطرت کے جمال و خوبی پر ایک نگاہ ڈالیئے، ستاروں کی دمک اور ان کی گردش شمس و قمر کی توانائی اور روشنی، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر، دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب و فراز، نباتات کی ہریالی اور بار دار اشجار قطار اندر قطار، پرندوں کی پرواز اور ان کی نغمہ سنجی، مرغزاروں اور سبزہ زاروں میں غزالوں، بکریوں، گھوڑوں اور دیگر حیوانات کی سبک خرامی اور پھر لطف کی بات یہ کہ ان تمام موجودات میں افادہ اور فیضان کی موجودگی' ایک اعلیٰ اور ارفع نوع کی پرورش، نشو و نما اور حفظ و بقاء کی متحمل ہو سکتی تھی۔ یہی وہ گھڑی تھی۔ جب خالق کائنات نے' اس پیکر خاکی کو زمین پر اترنے کا حکم دیا جس کی تعمیر و ساخت پر نہ جانے کتنے زمانے صرف ہوئے ہوں گے۔ اور جس کے اندر' اس نے اپنی روح پھونک کر' حرارت زندگی اور توانائی بخشی تھی اور جسے آدم کا نام دیا گیا تھا۔ اب ذرا سوچئے کہ آیا خالق حقیقی نے حضرت آدم علیہ السلام کی عضوی تشکیل اور اس کے اندر اپنی روح پھونک کر اسے حیات بخشنے پر ہی اکتفا کیا ہوگا۔ یا اس کی تعلیم و تربیت کا بھی بندوبست کیا تھا۔ اس حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی آیت" وعلم آدم الاسماء کلھا سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حضرتِ آدم علیہ السلام نے زمین پر ہبوط سے قبل یہاں تک معنوی ترقی کی کہ تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے۔ اس سے مراد صرف اشیاء کے نام ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی شناخت، ماہیت، غرض و غایت، نفع و نقصان، ان کے خواص، ان کے استعمال کے طریقے، ضرر رساں ہونے کی صورت میں ان سے بچنے کی تراکیب، نقصان پہنچنے کی صورت میں اس کا تدارک، علاج معالجہ، غرضیکہ وہ تمام علوم اور فنون جو ظہور آدم سے لے کر قیامت تک وجود میں آنے والے تھے۔ حضرت آدمؑ

کو سکھلائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ تمام حقائق اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے سامنے رکھے اور ان کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنے عجز کا اعتراف کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم زمین پر مکمل انسانی تشکل کے علاوہ منظم اور جامع علوم کے ساتھ نازل ہوئے۔

اس بیان کو صحیح تسلیم کرنے سے ایک اشتباہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ دورِ اوّل کے انسان کو بھی عقل و شعور اور علم و دانش میں اس قدر دانا بینا ہونا چاہیئے، جس قدر کہ حضرتِ آدم علیہ السلام خود تھے یا جس قدر عصر حاضر کا ترقی یافتہ انسان ہے یا مستقبل کا انسان ہوگا۔ لیکن تاریخی طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ انسان فطری طور پر جاہل پیدا ہوتا ہے۔ ولادت کے وقت اسے کسی چیز کا ادراک نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے اس میں لمس کا خاصہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ ان اشیاء کو محسوس کر سکتا ہے۔ جو ٹھوس مادی جسم رکھتی ہوں، یا گرمی، سردی اور مائع چیزیں۔ لمس کے بعد اس میں بصارت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ شکلوں اور رنگوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ پھر وہ سماعت سے کام لینے لگتا ہے اور پھر قوت ذائقہ کے ذریعے اسے لذت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ محسوسات کا دور ختم ہو جاتا ہے اور عقل کا زمانہ آتا ہے۔ اب وہ اپنے ماحول سے متاثر ہو کر سیکھنا شروع کرتا ہے۔ یہ خدمت والدین، عزیز و اقارب اور گھر کے دوسرے افراد سرانجام دیتے ہیں۔ اور اسے اشیاء کی زشت و خوب، نفع و نقصان ان کا طریق استعمال، ان کو محفوظ رکھنے کے طریقے اور خود کو اشیاء کے ضرر سے بچنے کی تراکیب سمجھاتے ہیں۔ حتٰی کہ وہ شعور کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے ماحول اور اساتذہ سے علم حاصل کرتے ہوئے عالم فاضل بن جاتا ہے۔ اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ فطرت کے فیضان سے زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کرے۔ لیکن جس خدا نے اس کارخانہ حیات میں ہر سو افادہ و فیضان کے چشمے جاری کر رکھے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسان کی معنوی ہدایت کے لئے کوئی سامان نہ کرتا اور اسے ہلاکت کے لئے چھوڑ دیتا۔ جس رحمت کا مقتضا یہ ہے کہ دنیا میں "بقاء وانفع" کا قانون نافذ ہو۔ کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسانی اعمال کی طرف سے غافل ہو جاتی اور نافع اور غیر نافع اعمال میں امتیاز نہ کرتی؟ اس لئے مادیات کی طرح معنویات میں بھی یہ قانون نافذ ہے اس رحمت اور معنوی ہدایت کو عام کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انسانوں میں سے ایک ایسا گروہ منتخب کیا۔ جن کی تربیت خود کی اور پھر انسانوں کی طرف انہیں مبعوث کیا تاکہ وہ صرف مادیت اور نفسانی خواہشات کے غلام ہو کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ وہ فطرت کے فیضان اور افادہ سے متمتع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی معنوی اور روحانی ترقی بھی حاصل کر سکیں اور دنیا میں فساد برپا نہ کریں۔

یہ منتخب گروہ انبیاء علیہم السّلام کا ہے۔ ان میں سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو زمین پر مبعوث کیا۔ جن کی تعلیم و تربیت پر نہ جانے کتنے زمانے صرف ہوئے ہوں گے کہ وہ اس قابل ہوئے کہ معلومات کے سلسلہ میں انہوں نے ملائکہ کو بھی لاجواب کر دیا۔ چنانچہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کا زمین پر ہبوط ہوا۔ اور ان کی پشت سے نسل انسانی نے جنم لیا۔ اور وہ پھیلنے لگی تو ان کی حالت حیوان یا ایک بچہ کی طرح محسوسات کی منزل سے آگے نہ تھی۔ انہیں تو یہ بھی علم نہ تھا کہ مردہ جسم کو کس طرح دفن کیا جاتا ہے؟ گویا ایک عام انسان پہلے محسوسات کا ادراک کرتا ہے۔ جو حیوانات کا درجہ ہے۔ پھر محسوسات سے تخیّل، تخیّل سے فکر اور فکر سے عقلیات کے ادراک تک پہنچتا ہے۔ ان میں بعض خاص انسان، کسی اعلیٰ روحانی شخصیت کے دامن تربیت میں پرورش پا کر کسی حد تک روحانیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السّلام کو ان معلومات، حقائق اور روحانیت کے ادراک

میں تدریجی ترقی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہیں یہ معرفت بذریعہ وحی والہام حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت اور معنوی تربیت و ترقی کے لئے روحانیت و معقولات سے ضرورت کے مطابق محسوسات کی طرف آنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ بقول خلیل جبران "تم بچے تو پیدا کر سکتے ہو لیکن انہیں اپنے افکار نہیں دے سکتے۔" اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی تربیت کے لئے ترقی سے منزل کی طرف آنا پڑا۔ اور ایسی تعلیم دینا پڑی۔ جو اس دور کے انسان کی عقل و فہم میں آسکتی تھی۔ اور یہی حقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ دورِ اول کے انسانوں کو وہ عقل و شعور نہیں تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کو تھا۔ اس بات سے انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور وحی کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

اس تمام تر گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ پوری کائنات کا خالق خدائے برتر ہے۔ جو اس وقت بھی موجود تھا۔ جب کچھ نہ تھا۔ اور اب بھی موجود ہے۔ جب سب کچھ ہے۔

جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا جو نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اس خدائے لم یزل اور علیم و خبیر و حکیم نے کوئی چیز بے مقصد تخلیق نہیں کی۔ اس نے ذرات کو ذوقِ نمو دیا تو جمادات وجود میں آئے۔ پھر ان جمادات کے سینہ پر نباتات اگائے۔ نباتات سے افادہ حاصل کرنے کے لئے حیوانات کو زندگی بخشی۔ ان تمام مخلوقات سے متمتع ہونے کے لئے حضرتِ انسان کو خلق کیا۔ اسے عقل دی نطق دیا۔ اور علم سے نوازا۔ پھر ان کی معنوی اور روحانی ترقی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ غرضیکہ مروجہ نظریہ ارتقاء کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی کائنات کی ہر چیز میں ارتقاء کا عمل جاری و ساری رہا ہے۔ جو مادی اور جسمانی صورت میں وجودِ انسانی پر آکر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ذہنی ارتقاء کا دور شروع ہوا۔ اور ایک طول طویل مدت گزر گئی اور ہزار ہا برس کے اجتماعی اور ذہنی ارتقاء کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہوا۔ جو کرہ ارض کے تاریخی دور کا متمدن و مہذب اور عاقل و بالغ نظر انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں مختلف ادوار میں تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی تدریج نظر آتی ہے۔ تاریخی اور مذہبی مآخذ کے مطالعہ سے ہمیں جو بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مطابق آدم ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) کے زمانے میں جاکر تہذیب و تمدن کے کچھ آثار ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے دور کا انسان پانیوں پر حکمرانی کے لئے کشتیاں بھی تعمیر کر سکتا تھا۔ اس نے نہ صرف زمین سے فائدہ اٹھایا۔ بلکہ سمندر کے اندر موجود افادہ رکھنے والی اشیاء سے بھی تمتع حاصل کیا۔ پھر ایک زمانہ گزر گیا۔ ذہن انسانی رفتہ رفتہ ترقی کرتا گیا۔ حتیٰ کہ ابوالانبیاء (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے زمانے کا انسان ہمیں منظم اور اجتماعی زندگی بسر کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ وہ وادی غیر ذی زرع (مکہ) کو آباد کرتا ہے۔ عمارت سازی سے بھی شناسا نظر آتا ہے۔ پھر انہی پیغمبر علیہ السلام کی اولاد سے آلِ اسرائیل کا سلسلہ چلتا ہے۔ جو حضرت اسحاق علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہزار ہا سال کی مدت پر محیط ہے۔ اس دوران میں آلِ اسرائیل میں لاتعداد انبیاء و رسل کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے کئی ایک نے پرشکوہ سلطنتیں، حکومتیں اور بادشاہتیں قائم کر کے انسان کو فلاحی اور رفاہی ریاستیں قائم کرنے اور چلانے کے گر سکھائے۔

ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں تدریج و ارتقاء کے باوجود ایک تصور مشترک نظر آتا ہے۔ یعنی توحید پرستی، یا خدا پرستی کا

تصور۔ یہ بات ہر دور کے انسان کے فہم و ادراک میں آسکتی تھی کیونکہ خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ وہ بت پرستی، مظاہر فطرت پرستی اور دیوتا پرستی میں بھی درحقیقت خدائے واحد کا جلوہ دیکھتا ہے اور کسی مادی وجود کی عبادت سے تسکین و راحت محسوس کرتا ہے۔ انبیاء کرام نے انسان کے اس غلط رویّے کی خوبصورتی کے ساتھ تردید کی۔ ان کے فطری وجدان کو بیدار کر کے انہیں خدا پرستی کی طرف مائل کیا۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ہر نبی کو اپنی قوم کی اصلاح کے لئے ان کے ذہنی معیار تک آنا پڑا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو معقولات سے محسوسات تک آنا پڑا۔ جب کہ حضرت نوح علیہ السّلام کو تخیل تک، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے انبیاء کو فکر تک نیچے آنا پڑا لیکن سب سے مشکل کام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرنا پڑا۔ کیونکہ ان کے زمانے کا انسان، ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے عقل و شعور کی اس منزل پر پہنچ چکا تھا۔ جہاں سابقہ ادوار کے انسان کا طائر خیال پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ سقراط، افلاطون، ارسطو اور ان کے شاگردوں کے افکار موجود تھے۔ انہوں نے مادہ روح وجود باری اور دیگر مابعد الطبیعیاتی مضامین پر اتنا کچھ لکھا تھا کہ اس دور کا انسان ان کے علم و فکر کی روشنی میں ادق سے ادق مسئلے پر گفتگو کر سکتا تھا۔ اور یہی روشنی طبع دراصل کسی لطیف نکتے کو سمجھنے میں حائل بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ جاہل آدمی اپنے عجز کا جلد اعتراف کر لیتا ہے۔ جبکہ پڑھا لکھا اور باکمال آدمی ایک ایک نکتے پر کج بحثی کرتا ہے۔

اگر اسلام کی مقبولیت اور اثر انگیزی کا مطالعہ مندرجہ ذیل نقطۂ نظر سے کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اسے سادہ طبیعت لوگوں نے جلد قبول کیا۔ اہل مغرب نے اسے قبول کم کیا اور بحث زیادہ کی کیونکہ وہ معقولات کی منزل میں تھے اور ہر بات کی مادی توجیہہ کرتے تھے۔ اس کے برعکس مصر، شام، عراق وغیرہ نے اسے جلد قبول کیا۔ کیونکہ ان کے قلوب و اذہان فلسفہ زدہ نہ تھے۔ سواحل ہند پر رہنے والے لوگوں پر اس کا اثر بہت جلد ہوا۔ جبکہ وسط ہند کے لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ کیونکہ ان میں بھی خدا، اوتار، فلسفہ ویدانت اور دیگر مابعد الطبیعیاتی افکار موجود تھے۔ اسلام کسی حد تک ان کی معاشرتی رسوم، ان کی تہذیب و تمدّن اور مذہبی خیالات پر اثر انداز ضرور ہوا لیکن ایک ہزار سال تک غالب طاقت رہنے کے باوجود بہت کم لوگوں کو اپنے اندر ضم کر سکا۔ جزائر مالدیپ، انڈونیشیا، ملائیشیا وغیرہ حالانکہ مرکز اسلام سے بہت دور تھے۔ نیز وہاں مسلمانوں نے تبلیغ کا کام بہت دیر بعد شروع کیا۔ تاہم وہاں اسلام کو نہایت سرعت کے ساتھ مقبولیت حاصل ہوئی۔

جب یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ اس کائنات میں ایک حی و قیوم ذات قدیم موجود ہے۔ جو رب الارباب، احکم الحاکمین اور احسن الخالقین بھی ہے۔ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام عالم خلق کئے۔ اور ان سے افادۂ فیضان پہنچانے کے لئے اپنا شاہکار۔ انسان تخلیق کیا۔ اور پھر اس کی معنوی تعلیم کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو مختلف قبائل علاقوں اور بلاد و امصار میں مبعوث کیا۔ جنہوں نے اپنی عقلی سطح سے نیچے آکر اپنے اپنے دور کے انسان کے ذہنی معیار تک پہنچ کر اپنے پیغمبرانہ فرائض سرانجام دیئے تو اس سے دو مزید باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ سب سے پہلے نبی — حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے نچلی سطح پر آکر اپنا مفہوم سمجھانا پڑا لیکن چونکہ ان کا زمانہ انسان کا دور طفولیت تھا۔ اس لئے انہیں زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا۔

۲ ۔ لیکن اس کے برعکس سب سے آخری نبی — حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انسان کا دورِ بلوغت تھا۔ اس لئے آپؐ کو اگرچہ نسبتاً کم درجات نیچے آنا پڑا۔ تاہم اپنے مشن کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دشواریاں برداشت کرنا پڑیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس پیغمبر کو زیادہ ذہین انسان سے واسطہ پڑا۔ اس کی تعلیم و تربیت پر بھی زیادہ زمانہ صرف ہوا ہوگا۔ لیکن ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ہوئی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ سب سے آخری پیغمبر کی خلقت تو سب سے پہلے ہوئی۔ اور ظہور سب سے آخر میں ہوا ہو۔ اس کا شافی جواب دیکھنے کے لئے ہمیں تستری کی "تفسیر القرآن" کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

ابو محمد سہیل بن عبداللہ التستری نویں اور دسویں صدی عیسوی کے ایک مسلمان صوفی اور سنی مفکر گزرے ہیں۔ جنہوں نے صوفی تفسیر میں ایک نظریہ بعنوان "پیغمبر اسلام، پہلے اور آخری نبی" پیش کیا۔ جس کی تشریح و توضیح ابوطالب بن محمد مکی (وفات ۹۹۴ء) ابو عبدالرحمان محمد بن الحسین سلومی (وفات ۱۰۱۱ء) کی تصانیف "علم القلوب" اور "حقائق التفسیر" میں بھی ملتی ہے۔

تستری کے نزدیک انسانی زندگی کی ابتداء یوم میثاق ہے اور انتہا یوم القیامہ ہے اور ان دو اہم ایام کے دوران میں وہ انسانی تاریخ کے عمل کو حیات و موت کی مدد سے زمان و مکان کے تانے بانے کو علامت نور سے تعبیر کرتا ہے۔ جس سے توحید باری تعالےٰ کا ناقابل فہم مفہوم واضح ہوتا ہے۔ وہ انسان کے اندر دو پوشیدہ عناصر فطرت وجدانی رجحان اور اس کی ذات کو فعال رکھنے والی قوت کو "روح" اور "نفس" کا نام دیتا ہے۔

ان علامات کی واضح شکل اس کے نزدیک ذات "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے جو سراپا نور ہے جس کی شعاعوں سے انسان کی خلقت واقع ہوئی ہے۔ انسان کا مقصود قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رہا نور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو یوم المیثاق ہی سے پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔ لیکن قلب محمد سے وہ تمام حالات و واقعات صورت پذیر ہوئے ہیں۔ جو یوم المیثاق سے لے کر یوم القیامۃ تک رونما ہوتے رہیں گے۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ نظریہ "نور محمد" اور قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضورؐ کے خاتم المرسلین ہونے کے اس اسلامی اصول کا آئینہ دار ہے۔ جسے تصوف کی رو سے پہلی اور آخری خلقت کہا جاتا ہے۔ بلکہ واضح الفاظ میں پہلے اور آخری نبی کا تصور۔

تستری نظریہ نور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استخراج، قرآن کریم کی ایسی آیات سے کرتا ہے۔ جن میں نور سے متعلق اشارات ہیں۔ خاص طور پر وہ سورہ نجم کی ان آیات کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔

"اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ
الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ
ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی
اللہ لنورہ من یشآء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیء علیم"

اللہ تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسا کہ طاق ہے جس میں ایک چراغ

ہے۔ اور چراغ ایک شیشہ میں ہے اور شیشہ ایسا ہے گویا ایک روشن ستارہ۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلتا ہے۔ یعنی زیتون جو نہ شرقی جانب ہے نہ غربی جانب۔ اس کا تیل خود بخود جل اٹھنے کو ہے۔ خواہ اس کو آگ نہ بھی چھوئے۔ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس نور تک جس کی چاہتا ہے۔ رہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کا جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ بقول تستری، اپنی وحدت مطلقہ اور حقیقت باہرہ میں ایک ناقابل رسائی سراپا نور ہے۔ جو اپنے نور کی مانند ازلی شہود میں از خود ناطق ہے۔ یعنی وہ نور محمد کا 'مماثل' ہے۔ جس کی ابتداء ازل سے بھی پہلے ایک درخشاں ہیولے کی صورت ہوئی جس نے بارگاہِ الٰہی میں سب سے پہلے حمد و ثناء اور ایک شفاف عماوی نور الٰہی کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا جوہر اول بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اصطلاح نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تستری لکھتا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق کرنا چاہا، تو اس نے اپنے نور میں سے ایک نور کو ظاہر کیا۔ جب وہ حجاب الاعظم پر پہنچ گیا تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سجدے سے ایک زبردست 'عماد النور' تخلیق کیا جو ظاہر و باطن میں شفاف آبگینے کی طرح روشن تھا۔"

تستری کے ان خیالات کی تائید، ابو طالب مکیؒ، ابو الحسن علی بن محمد الدیلمی اور ہمدانی کی تصریحات سے بھی ہوتی ہے۔ جن کے افکار کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے اپنے نور سے ایک ٹکڑا الگ کیا اور اسے کائنات کی پہنائیوں میں پھیلا دیا۔ اور یہ مملکت ازلی کی لامحدود وسعتوں پر محیط ہوتا گیا۔ جب وہ عظمت کی بلندیوں تک پہنچ گیا تو سجدے میں جھک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سجدے سے نور کثیف پر مبنی ایک ایسا ستون تخلیق کیا۔ جس کی پہنائی ساتوں آسمانوں جتنی تھی۔ اور وہ ظاہر و باطن میں ایک شفاف شیشے کی مانند تھا۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کے حضور ایک لاکھ سال تک رہا جسے وہ ہر روز و شب میں ۷۰ ہزار مرتبہ دیکھتا اور ہر نظر میں اسے ایک نیا نور عطا کرتا اور اس سے تمام موجودات کو خلق کیا۔

تستری نے اپنے نظریہ "نور محمدؐ" کے لئے سورہ نجم کی آیات ۱۳ تا ۱۸ سے بھی استنباط کیا ہے۔

"ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ۔ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ ٥

آپ نے اسے ایک بار پہلے بھی دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جس کے پاس ہی جنۃ الماویٰ ہے جس وقت کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا۔ اس کی آنکھ نے نہ غلطی کی، نہ اسے دھوکا دیا۔ بے شک اس نے اپنے رب کی اہم نشانیوں میں سے نشانی دیکھی۔

تستری نے قرآن کریم کی ان آیات کی تشریح و توضیح مندرجہ ذیل انداز میں کی ہے۔

۱ ۔ بے شک اس نے پہلے بھی اسے ایک بار دیکھا۔ یعنی ابتداء میں جب خدا تعالےٰ نے اُس (محمدؐ) کو عمود النور کی مانند پیدا کیا۔ تخلیق کائنات سے لاکھوں برس قبل۔ تو وہ اس کے سامنے طبع الایمان کے ساتھ پرستش کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر مکاشفات غیب عیاں کر دیئے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں پہنچ کر ہر ایک کا علم اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

۲ ۔ سدرۃ المنتہیٰ حضورؐ کی عبادت کے دوران میں نور محمد کی روشنی سے سنہری ادا کی طرح ڈھکا رہا۔ جسے حق تعالیٰ نے اپنے اسرار و عجائب سے حرکت میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ثابت قدمی میں اضافہ کے لئے ایسا کیا۔

۳ ۔ اس (محمدؐ) کی آنکھ نے نہ غلطی کی، نہ دھوکا کھایا۔ اس نے نہ تو شواہد ذات کی طرف توجہ کی اور نہ ہی مشاہدات کی طرف بلکہ کلی طور پر اپنے رب کے نظارہ میں محو رہا۔ اور صفاتِ الٰہی جن کی وجہ سے اس میں ثابت قدمی کا جوہر پیدا ہوا۔ ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔

۴ ۔ بے شک اس نے اپنے رب کی اہم ترین نشانیوں یعنی ان صفات کو دیکھا جو اس کی نشانیوں سے ظاہر تھیں۔ اگرچہ اس نے ان نشانیوں کو دیکھا لیکن وہ اپنے شہود کے استغراق میں رہا اور اپنے محبوب کے قرب سے الگ نہیں ہوا۔ اس کی محبت شوق اور قوت میں لگاتار اضافہ ہوتا رہا۔ اللہ تعالےٰ نے اسے تجلیات الٰہی اور انوار عظیم کو برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت عطا فرمائی۔

اس طرح تستری نے ایک طرف اللہ تعالےٰ کی وحدت مطلقہ کے تصور کو بھی قائم رکھا ہے۔ اور دوسری طرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکرِ نور کو کائنات کی پہلی تخلیق کے طور پر ثابت کیا ہے۔ اور اس کو تمام مخلوقات کی پیدائش کا ذریعہ بتایا ہے۔ اس کو مزید واضح کرنے کے لئے وہ سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ اور سورہ احزاب کی آیت نمبر ۷ کو بطور کلید پیش کرتا ہے۔

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ"

"اور جب آپ کے رب نے بنی آدم سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو انہیں پر گواہ بنایا اور دریافت کیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا کیوں نہیں؟ ہم اس پر شاہد ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا"

"اور جب ہم نے تمام نبیوں سے اور آپؐ سے اور نوحؑ و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم سے عہد لیا۔ تھا۔ اور ان سے عہد بھی پکا لیا تھا۔

ان آیات میں سے پہلی آیت میں لفظ "ذریت" (معنی بیج) اور اس سے ملتے جلتے لفظ "ذر (یعنی ذرہ) کو اپنے بڑے مقصد کے لئے کلید بنایا ہے۔ جس کے دونوں مفاہیم سامنے رکھیں۔

۱ ۔ اور جب آپؐ کے رب نے بنی آدم سے اُن کی نسل "ذریت" کو نکالا۔

۲ ۔ اور جب آپؐ کے رب نے بنی آدم کو "ذرات" سے نکالا۔

اس طرح تستری تخلیقِ نور یا خلقتِ انسان کے تین امتیازی مراحل پیش کرتا ہے۔ یعنی محمدؐ، آدمؑ اور نسل انسانی (ذریت) یا ذراتِ نور، جن سے نسل انسانی کی بنیادی تخلیق ہوئی۔

موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ایک بار پھر تستری کے خیالات کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ جس کے مطابق یوم میثاق سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق نور الٰہی سے ہوئی۔ جبکہ وہ اس کی بارگاہ میں نامعلوم زمانے تک مینارِ نور کی مانند استادہ اس کی حمد و ثنا میں مصروف رہا۔ پھر اس کے نوری ذرات سے حضرت آدمؑ بلکہ تمام کائنات اور تمام نسل انسانی کی تخلیق ہوئی تستری کا ایمان ہے کہ نور الانبیاء آپؐ ہی کے نور کا پرتو جمیل ہے۔ مملکت بہشت کا نور آپؐ ہی سے ہے۔ دنیا کا نور آپؐ ہی کے دم سے ہے اور نور آخرت بھی آپؐ ہی کی بدولت ہے۔ حتیٰ کہ بنی نوع انسان کی غائت بھی نور محمدؐ سے ہے۔

بالآخر جب حضور علیہ السلام کی ذات گرامی اور روحانی کائنات تکمیل کے تمام مراحل طے کر چکے تو آپؐ کے جسد مبارک کی مادی اور روحانی تشکیل حضرت آدمؑ کی مٹی سے کی جو بنیادی طور پر حضورؐ ہی کے نور سے حاصل کی گئی تھی۔ اس طرح سب سے پہلا انسان نور محمدؐ کی چاندی میں ڈھلا رہا۔ اور پھر بنی نوع انسان کو نور محمدؐ سے چمک دار ذروں کی صورت میں ظاہر کیا گیا جس نے کہ پہلے آدمی (حضرت آدم) کی شکل اختیار کی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت آدم کی پشت (ظہر) سے نکالا۔ اور ہر نبی کی پشت سے اس کی اولاد (ذرّیت) کو بشکلِ ذراۃ نکالا، جنہیں عقل ودیعت کی گئی۔

اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے سامنے اپنے احکامات اوامر و نواہی رکھ کر ان سے سوال کیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اور اُن کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا۔ قرآنی آیات کے مطابق اُن کے جوابؐ فقالوا بلیٰ شھدنا پر اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام مخلوق کو جمع کیا اور انہیں ابتداء اور انتہا سے آگاہ کیا۔ اس مرحلہ میں انبیاء سے ایک دوسرے کی تصدیق کا اقرار بھی لیا۔ اور پھر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا۔ اسی طرح تمام بنی نوع انسان کو ان کے اپنے پیغمبروں کی پشتوں سے نکالا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے ان کے سامنے احکامات ربانی رکھے اور پھر انہیں عقل و دانش سے نوازا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کی پشت میں سے اس کی "ذریت" کو نکالا۔ اور ہر نبی سے ان کی تصدیق کروائی۔ اس کے بعد ان تمام (ذرّیات) کو صلب آدم میں منتقل کر دیا۔ جہاں سے وہ ظہور آدم کے بعد سے آج تک انسانی شکلوں میں پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ وہ جملہ ارواح جن سے یوم میثاق اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ اس دنیا میں

زندگی حاصل کر کے فنا نہیں ہو جائیں گی اور یہی وہ معینہ ساعت ہے۔ جسے قیامت کہا جاتا ہے بالفاظ دیگر پیدائش دنیوی سے قبل تمام انسان ایک بار پہلے بھی بشکل "ذراتِ نور" جنم لے چکے ہیں۔ اور پھر اس دنیا کے حسن اور ترتیب کو قائم رکھنے کیلئے انہیں مختلف ادوار اور زمانوں میں پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان پہلے پیدا ہوئے۔ ان کی عقل و فہم اور علم و دانش کم تھی جو بعد میں پیدا ہوئے وہ نسبتاً زیادہ باشعور ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت تک انسان کا دورِ بلوغت شروع ہو گیا۔ نیز آپؐ کا واسطہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ نسبتاً بہت زیادہ ذہین انسانی گروہ سے پڑا۔ اس لئے آپؐ کی تعلیم و تربیت پر بھی زیادہ مدت صرف ہوئی۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپؐ کی خلقت سب سے پہلے ہوئی اور بعثت سب سے آخر میں۔

متکلمین کے دلائل و براہین، فلاسفہ کی موشگافیوں، حکماء کی نکتہ آفرینیوں، مفکرین کی فکر سامانیوں، شارحین کی تشریحات و توضیحات، متصوفین کے اشارات، دانکشافات اور ماہرین حیاتیات کی توجیہات و تصریحات کے تجزئیے سے جو حقائق کھل کر سامنے آتے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں ایک ذات مطلق ہے۔ جسے خدا کہیئے یا اللہ تعالےٰ یا کوئی اور نام دیجیے جس نے اپنی حکمت اتم اور قدرت کاملہ سے تمام عالم پیدا کیئے اور پھر ان سے افادہ و فیضان حاصل کرنے کے لئے انسان کو وجود عطا کیا۔ پھر اس کی معنوی تربیت کے لئے ایک ایک کر کے نبی اور مرسل مبعوث کئے۔ جن کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن پر نبوت ختم بھی ہوئی اور تمام بھی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ہر دور کے انسان کی رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے تو پھر عصر حاضر کی رہنمائی کے لئے کوئی نبی اکوئی مرسل یا پیغمبر کیوں نہیں آیا۔ کیا وحی و الہام کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔ یا دور حاضر اور مستقبل کے انسان کو کسی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

اس حقیقت کو جاننے کے لئے بنی نوع انسان کے مختلف عہود ادوار کی تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام علم بیک وقت نازل نہیں کیا۔ بلکہ ہر دور کے انسان کی عقلی سطح کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کی گئی۔ چونکہ دورِ اول کے انسان کے پاس علم کو محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ نیز اس کی ذہنی سطح میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس لئے وہ اصل تعلیمات کو بھلا دیتا اور اپنی عقل و دانش سے شر اور خیر کے پیمانے وضع کر لیتا۔ یہی بات دراصل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سبب بنی۔ یہ سلسلہ جانے کب تک جاری رہا۔ اور انسان کو اتنا شعور حاصل ہوا کہ وہ علم کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگا سکا۔ یہ بات تدوین و تحفظِ عدم کا نقطہ آغاز بنی۔ گویا اس سے پہلے کی تمام تر تعلیمات کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ اور جب انسان نے اس کا احساس کر لیا۔ تب بھی اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی کہ وہ علمی یادداشتوں کو لکھ کر محفوظ کر لیتا شروع میں زیادہ تر کار و بار قوت حافظہ کے بھروسے پر چلتا رہا۔ جس میں وقت کے ساتھ ساتھ دستاویزات کے متن میں کمی یا بیشی ہوتی رہی پھر انسان نے اپنے دماغ سے کام لے کر لکڑی کی چھال، چمڑے، پتھر اور اس قسم کی اشیاء پر کوئلے سے لکھنا شروع کیا، یا کسی نوکیلی چیز کی مدد سے کندہ کر کے بعض اہم دستاویزات کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن قبائلی جنگوں یا فاتحین اور کشور کشاؤں کے حملوں کے دوران میں ایسی اہم نگارشات تباہ ہو جاتیں۔ اور دنیا پھر اندھیرے میں بھٹکنے لگتی۔ اس کے باوجود جب انسان نے

قلم، قرطاس اور روشنائی جیسی چیزیں ایجاد کرلیں۔ اور اہم نگارشات کو محفوظ کرنے لگا تو اس کی فطرت آڑے آئی۔ اور اس نے الہامی کتابوں تک میں تحریف کر ڈالی۔ چنانچہ آج اکثر صحائف کے نام تک باقی نہیں۔ بعض کے صرف ناموں کا پتہ چلتا ہے۔ بعض کتابوں کے صرف حوالے ہی ملتے ہیں۔ توریت اور اناجیل کی اصلی شکل مسخ ہو چکی ہے۔ یہ تو الہامی کتابوں کا حال ہے۔ رہی دوسری مذہبی کتابیں، جیسے پارسیوں کی ژند اوستا، اہل ہنود کے وید گیتا، بدھ مت کے "تری پٹک" وغیرہ بھی اپنی اصل اہمیت اور افادیت کھو چکے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کے مندرجات سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سب مذہبی کتابیں تحریف کی نظر ہو چکی ہیں تاہم انسان اب شعور کی ایسی منزل پہ پہنچ چکا تھا کہ وہ ہر آنے والے دور کے لئے کسی بھی شخصیت کے خیالات و افکار، عقائد و نظریات، تعلیمات و اشارات محفوظ رکھ سکتا تھا۔

اگر ہم تاریخ انسانیت کا مطالعہ کریں تو ہم اسے دو واضح ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا دور، دوسرا آپ کی بعثت کے بعد کا دور۔ پہلے دور کو بجا طور پر دور جاہلیہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس طویل عرصے میں ہزارہا سال کے ارتقائی سفر کے باوجود انسان کے پاس کوئی منشور ہدایت نہ تھا جس کی روشنی میں وہ کوئی صحت مند معاشرہ قائم کر سکتا۔ اس دور کے آخری حصے میں بظاہر بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا۔ پرشکوہ سلطنتیں قائم ہوئیں۔ بڑے بڑے بلاد و امصار بسائے گئے۔ بے نظیر قصور و محلات تعمیر کئے گئے۔ ان ایوانوں سے دور کہیں کہیں نئے افکار و خیالات کی قنادیل بھی روشن نظر آتی ہیں۔ لیکن اول تو ان تہذیبوں کے تمام نقش و نگار ملوک و سلاطین کی باہمی جنگ و جدال کے ہاتھوں مٹ گئے۔ دوسرے ان میں کوئی ایسا عنصر نظر نہیں آتا جو انسان کی معنوی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دور بحیثیت مجموعی انسان کی مفلوک الحالی، ذہنی اور جسمانی غلامی اور معاشرتی و اخلاقی پستی کا دور تھا۔ جس میں صرف چند گنتی کے انسان پورے انسانی معاشرے کے سیاہ و سفید کے مالک نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ جب وقت دوسرے دور کا آغاز ہوا تو قرآن کریم کے الفاظ میں تمام بحر و بر میں فساد برپا تھا۔ اور انسان کو ادوار ماضی کی طرح ہدایت و رہنمائی کی ضرورت تھی۔ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت و بعثت کی صورت میں اس عالم مادی میں ظہور پذیر ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی تاریخ انسانی کا دوسرا دور شروع ہوا جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ یہ بنی نوع انسان کی خوش قسمتی تھی کہ آپؐ نے جس آسمانی وحی کی روشنی میں انسان کی تہذیب و اصلاح کی۔ اس کا ایک ایک لفظ آج بھی اپنی اصل شکل اور ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ جس میں نہ کوئی تحریف ہو سکی۔ اور نہ ہی اس کا کوئی حصہ کوئی آیت یا لفظ اصل کتاب — قرآن کریم سے محو ہو سکا۔ جب تک اسے باقاعدہ منضبط نہیں کیا گیا تھا۔ یہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا اور اب سینوں کے ساتھ سفینوں میں بھی موجود ہے۔ اس کی صحت اور سند کے بارے میں طویل بحث سے قطع نظر صرف ایک ہی ثبوت کافی ہے کہ اس کے بعد دنیا میں اور بھی بہت سی کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں۔ وہ بھی صحیح حالت میں موجود ہیں۔ گویا کہ اس دوسرے دور تک پہنچتے پہنچتے انسان نے علم کو صحت کے ساتھ مدون کرنے اور محفوظ رکھنے کا فن سیکھ لیا تھا

اس بات کی پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ جب بھی ربانی تعلیم دنیا سے ختم ہو جاتی تو اللہ تعالےٰ اپنے

کسی نبی، رسول یا پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے اسے دوبارہ زندہ کرکے انسانوں تک پہنچایا۔ لہٰذا جب قرآن کریم کی شکل میں آخری کتاب پوری صحت کے ساتھ موجود ہے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کا اختتام اور اتمام کر دیا۔

اب صرف ایک بات کا جواب باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کونسی تعلیم ہے جو قرآن کریم کے نزول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا سے مفقود تھی۔ اور اسے اس قدر کمال اور اتمام کے ساتھ زندہ کیا گیا کہ اس کے بعد اب مزید کسی تعلیم کی ضرورت باقی نہ رہی؟ اس سوال اور استفسار کا مدلل جواب ذیل میں دیا جاتا ہے۔

۱۔ تصورِ الٰہ

اگر "تخلیق" سے لے کر آج کے ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ آج تک گذر چکا ہے۔ اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے۔ یہ تمام تو انسان کی پیدائش و تکمیل کی سرگزشت ہے دوسرے یہ کہ اس تمام تر عمل کے پیچھے ایک ایسی ہستی کارفرما رہی ہے جو اس کائنات کی خالق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا پرستی ہمیشہ انسان کی فطرت و جبلت میں داخل رہی ہے۔ اور یہی تصور انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کا محور و مرکز رہا ہے۔ اگر ہم اس نقطۂ نظر سے نوعِ انسانی کے مختلف ادوار اور مراحل کا جائزہ لیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مادی تصورات کی طرح اس کے اِلٰہ پرستی کے تصور میں بھی ایک طرح کے تدریجی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اور بتدریج ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی رہی۔ اس کی ابتدائی کڑیاں اگرچہ ملنا ممکن نہیں۔ تاہم اس بات کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ انسان نے اپنے عالمِ طفلی میں خدا کا وہی تصور قائم کیا ہوگا۔ جس کا ادراک اس کی قوتِ حس نے کیا کیونکہ اس کا ادراک محسوسات کے دائرہ میں ہی محدود تھا۔ اس کی نظر خوگر پیکرِ محسوس تھی۔ وہ کسی ایسی ہستی ہی کو اپنا معبود تسلیم کرسکتا تھا۔ جس کا ادراک اس کی قوت لمس اور بینائی سے باہر نہ ہو۔ یہی بات دراصل اصنام پرستی اور مظاہر فطرت کی پرستش کا سب سے بڑا محرک بنی۔ وہ خود ہی بت بناتا اور عالم امکان میں اچھا برا جو کچھ بھی ظہور میں آتا۔ اپنے خود تراشیدہ بتوں یا پسندیدہ مظاہر فطرت کی طرف منسوب کرتا پھر جب انسان نے ذہنی ترقی کرکے عالم تخیل میں قدم رکھا تو اس نے خدا کی صورت بھی اپنے خیال کے مطابق وضع کر لی۔ جس کے نتیجہ میں ہندی اور یونانی دیو مالا نے جنم لیا۔ اس دور کا انسان تخیلات اور اوہام میں گرفتار نظر آتا ہے۔ پراسرار اور ہوشربا طلسماتی خیالات اس کے محبوب مضامین ہیں۔ خیالی دیوی، دیوتاؤں کے قصے کہانیوں میں وہ تسکین محسوس کرتا ہے۔ یہ عنصر اس کے مزاج میں اتنا غالب نظر آتا ہے کہ اس کی چھاپ آنے والے دور پر بھی گہری نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ اقلیم سخن کا شہنشاہ۔ "ہومر" بھی اپنی مشہور نظم ایلیڈ میں دیوتاؤں کی مجلس آراستہ کرتا ہے تو ان میں سرِفہرست مشتری اور اس کی بیوی جنون ہیں کہیں اپالو، روشنی کے دیوتا کے روپ میں نظر آتا ہے۔ منروا حکمت کی دیوی ہے۔ مریخ جنگ کا دیوتا ہے۔ زہرہ حسن کی دیوی ہے۔ کیوپڈ عشق کا دیوتا ہے۔ یونانی دیو مالا کے مطابق اہل ٹرائے اور سپارٹا کی مشہور جنگ کیوپڈ کے تیرِ عشق کا کرشمہ تھی جس

کے چلاتے ہی ٹرائے کی ملکہ میلن، سپارٹا کے شہزادے پیرس کی محبت میں ایسی گرفتار ہوئی کہ دونوں نے تمام اخلاقی اور سیاسی روایات و اقدار کو پامال کر کے رکھ دیا جو دو پڑوسی ممالک کے درمیان ہلاکت خیز اور تباہ کن جنگ کی صورت میں ظاہر ہوئی جو اٹھارہ سال کے طویل عرصے پر محیط ہے۔

ہندوؤں کے ہاں تو مفروضہ دیوی دیوتاؤں کی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ جن میں سے ہر ایک کے ذمے کوئی نہ کوئی فرض عائد ہے۔ کوئی حیات کا دیوتا ہے تو کوئی تیاپ کا۔ ایک طاقت کا دیوتا ہے تو دوسرا حفاظت کا۔ آگ کا دیوتا اگنی ہے اور پانی اور بارش کا دیوتا۔ اگے۔ آگے چل کر ان میں سے بعض کی بیویاں بھی تلاش کر لی گئیں۔ جیسے پاربتی، لکشمی، کالی وغیرہ۔ ان کی تسلی جب اصنام سے نہ ہو سکی تو بعض دیوتاؤں کو انسان کے روپ میں پیدا کر دیا۔ اور ان کی پرستش شروع کر دی گئی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی ہستی کا تصور تو ہمیشہ سے انسان کے وجدان اور فطرت میں موجود رہا۔ لیکن اس کی صفات کا تصور، انسان کی ذہنی نشو و نما کے ساتھ ہمیشہ بدلتا رہا۔ جوں جوں اس کا معیار فکر اور ماحول بدلتا گیا۔ اس کے مطابق خدا کی صفات کا تصور بھی بدلتا رہا۔ اس دوران میں انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوتے رہے۔ انہوں نے نوع انسانی کو خدا کی صفات کے بارے میں جو کچھ بھی سکھایا وہ اس کی ذہنی استعداد کے مطابق تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس سلسلہ ارتقاء کی تمام کڑیوں پر نظر ڈالتے ہوئے اور ان کے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کی مختلف نوعیتیں قرار دی جا سکتی ہیں لیکن ارتقائی عناصر ہمیشہ تین ہی رہے یعنی۔

۱ ۔ تجسم سے تنزیہہ کی طرف

۲ ۔ تعدد و اشراک سے توحید کی طرف

۳ ۔ صفات قہر و جلال سے صفات رحمت و جمال کی طرف۔

ذیل میں ہم ان تینوں عناصر کی وضاحت کرتے ہوئے ظہور اسلام کے وقت چار اہم مذاہب۔ ہندومت، مجوسیت یہودیت اور عیسائیت۔ میں ان نکات کی تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر اس کی وضاحت کریں گے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و احادیث کے ذریعے پیش کیا۔

تجسم سے مراد یہ ہے کہ خدا کی نسبت ایسا تصور قائم کرنا کہ وہ انسان کی طرح جسم اور صورت رکھتا ہے۔ اور اس کی صفات بھی ویسی ہیں۔ جیسی انسان کی۔ جبکہ تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ ان تمام خواص اور اوصاف سے خدا کو انسان سے مشابہ کرتے ہیں۔ یا اس کی عظمت و جبروت اور قدوسی و کبریائی کے خلاف ہوں۔ اسے ان سے مبرا الیقین کرنا۔ تعدد و اشراک کا مطلب یہ ہے کہ خدائے مطلق کی بجائے متعدد خدا ماننا، یا اس کی ذات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا۔

مندرجہ بالا مذاہب میں سے ہندومت کی تعلیمات کا قدیم ترین ماخذ اونیشد ہیں۔ جن میں وحدۃ الوجود کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ جس کے تحت ہر وجود کو خدا قرار دیا گیا ہے۔ یہ تصور اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس درجہ فلسفیانہ تھا کہ یہ صرف نظریہ کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ عملی طور پر اسے عوام میں کبھی مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اس کے برعکس خدا کے بارے میں تجسم اور تعدد دونوں

نظریات زیادہ مقبول ہوئے۔ تجسیم کی مثال اصنام پرستی ہے اور تعدد کے سلسلہ میں پہلے پرماتما کی تین شکلیں۔ برہما۔ وشنو اور شو، کو دیوتاؤں کے طور پر پیش کر کے ان کی پوجا کی گئی اور پھر ان دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے سینکڑوں تک جا پہنچی۔ اگر ہم ہنود کے مختلف دیوتاؤں کی صفات کا جائزہ لیں تو ان میں زیادہ تر قہر و جلال، شورش و طوفان، رعب و ہیبت اور تباہی و بربادی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہنود ہر طاقتور علامت کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔

ظہور اسلام سے قبل ہندوستان میں بدھ مت نے خاص مقبولیت حاصل کی۔ اس میں سرے سے خدا کی ہستی کا کوئی تصور موجود ہی نہیں ہے۔ یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے فلسفیانہ نظریات کو مذہب کی قبا پہنائی۔ اس کے نزدیک مادہ ازلی ہے۔ جسے طبیعت اور نفس حرکت میں لاتے ہیں۔ اور جہاں تک فطرت، کائنات کی صفات کا تعلق ہے۔ گوتم بدھ کو دنیا میں سوائے درد و اذیت اور رنج و الم کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

مجوسیت میں بیک وقت خیر و شر کی دو طاقتوں کو الگ الگ اِلٰہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جن میں یزدان خیر اور نور کا خدا ہے۔ اور اہرمن ظلمت اور بدی کا۔ عبادت کی بنیاد آتش پرستی اور آفتاب پرستی پر رکھی گئی۔ کیونکہ یہ یزدانی صفات کے سب سے بڑے مظاہر ہیں۔

یہودیت میں ایک خدا کا تصور موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک باپ یا شوہر سے زیادہ نہ تھی۔ جو کبھی فرشتوں سے کشتی کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ کبھی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر خطاب کرتا دکھائی دیتا ہے۔ گویا کسی حد تک تجسیم اور تنزیہ کے بین بین ہے اس کی صفات میں قہر و جلال کا عنصر زیادہ نمایاں تھا۔ نصرانیت نے البتہ خدا کی صفات میں رحم و محبت کے جذبات ضرور تلاش کئے لیکن تجسیم اور تنزیہ کے لحاظ سے اس نے کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کی۔ نصرانی عقیدۂ تثلیث کی وجہ سے یہ مذہب تجسیم اور تعدد دونوں کا قائل تھا۔

ان تصورات کے علاوہ، فلاسفہ یونان نے بھی، اللہ کا ایک تصور پیش کیا تھا جو عوام میں زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اس کے مطابق تجسیم سے انکار اور تنزیہہ کا اقرار ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی تعلیمات بحیثیت مجموعی اللہ تعالےٰ کی صفات حسنہ کا کوئی اعلیٰ تصور پیش نہ کر سکیں۔ کیونکہ خیر و شر کے بارے میں ان کا اعتقاد تھا کہ دنیا میں شر غالب ہے۔ جب کہ اللہ تعالےٰ شر کا خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انسانی افعال کا غالب حصہ خدا کے دائرہ تصرف سے باہر ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا اجمالی اعتراف تو تمام مذاہب عالم میں پایا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس کا صحیح اور مکمل تصور اسلام نے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے سب سے پہلے خدا کے تصور میں تعدد کے عنصر کو ختم کر کے توحید مطلق کا عقیدہ پیش کیا کیونکہ دوسرے مذاہب میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یا تو یہ تصور سرے سے ہی مفقود تھا۔ یا تھا تو اس کی شکل مکمل نہ تھی۔ مجوسیوں عیسائیوں اور یہود کے ہاں اس عقیدہ کے باوجود تعدد موجود رہا ہے حالانکہ کوشش ان کی بھی رہی کہ تعدد کے باوجود توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے جیسا کہ عیسائی تثلیث کے پجاری ہونے کے باوجود تینوں کو ایک ہی ظاہر کرتے ہیں علی ہٰذا القیاس بعض مذاہب کے ماننے والے خدا کی صفات میں اس کے شریک ٹھہراتے تھے۔

اسلام نے توحید کا ایسا جامع تصور پیش کیا کہ شرک کا شائبہ تک نہ رہا۔ اور یہ منجملہ ان تکمیلوں میں سے ہے۔ جن کی وجہ سے اسلام کے بعد کسی مذہب کی ضرورت باقی نہیں رہتی، نہ پیغمبر اسلام کے بعد کسی دوسرے نبی کی حاجت رہی ہے۔ کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ

نہیں۔ توحید کامل کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں۔ اس طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہر طرح کی عبادت اور نیاز کے لائق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے۔ وہی مارتا ہے اور پھر اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ موت کے بعد زندگی عطا کرے گا۔ اس لئے اگر عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو سمجھئے کہ شرک کی حد شروع ہو گئی۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اسی ہستی لم یزال کی ذات ہے جو ہماری دعاؤں کو استجاب کا درجہ بخشتی ہے۔ اس لئے اگر اپنی دعاؤں میں کسی دوسری ہستی کو شامل کر لیا تو اس کی خدائی میں اسے شریک کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دعا و استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اطاعت و تابعداری، اعتماد و توکل، اخلاص و استقلال، صدق و خلوص، ایمان و ایقان ایسے جوہر ہیں جو عقیدہ توحید کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس عظمت و کبریائی، کارسازی و بے نیازی اور موت و حیات کا جو اعتقاد انسان کے دل میں خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے۔ وہ صرف اسی کے لئے ہی مخصوص ہے۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ نازک مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے مقام و حیثیت کی حد بندی کا تھا۔ کیونکہ اکثر مذاہب نے یہیں پر آ کر ٹھوکر کھائی۔ کسی نے خدا کو اوتار بنایا۔ کسی نے ابن اللہ ٹھہرایا۔ کسی نے اس کی عظمتوں میں شریک و سہیم پیدا کیا۔ اس عقیدہ کی جڑ کاٹنے کے لئے اسلام نے اپنی تعلیم کے بنیادی کلمہ میں اللہ تعالےٰ اور نبی کے درمیان فرق کو اس طرح واضح کیا۔

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ" یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس اقرار کے بعد عبدیت کی جگہ معبودیت اور رسالت کی جگہ الوہیت کے تصور کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کا سب سے بڑا عملی ثبوت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت پیش کیا۔ جب حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد مسلمان اس بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے۔ صدیق اکبر کے سنہری الفاظ یہ ہیں

"تم میں سے جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا۔ سمجھ لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پا چکے ہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا۔ جان لے کہ اللہ ہمیشہ زندہ ہے اسے موت نہیں۔"

اس حقیقت کا انکشاف قرآن کریم کی آیۂ ذیل سے بھی ہوتا ہے جو اس موقع پر حضرت ابوبکر نے اپنی دلیل کی تائید میں پیش کی تھی۔

ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات	اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی رسول پیدا کئے گئے۔ کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دئیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر گھوم جاؤ گے۔ (یعنی اسلام سے پھر جاؤ گے)

دوسرا بڑا تصور جو اسلام نے اللہ تعالےٰ کے بارے میں پیش کیا۔ وہ تجسّم کا ابطال تھا۔ اسلام سے قبل بت پرستی، تخفیّت

پرستی اور مظاہر فطرت کی پرستش عام تھی یا اگر تنزیہہ کا سب سے بڑا مرتبہ جو الہامی مذاہب کے باقیات میں سے تھا۔ وہ صرف اتنا تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کی جائے لیکن صفات الٰہی کے لحاظ سے انسانی کمالات و جذبات کی مشابہت اور جسم و صورت کی تمثیل سے کوئی تصور بھی خالی نہ تھا۔ غیر الہامی مذاہب کی تو بات ہی الگ ہے کہ ان کے ہاں تو بغیر جسم و شکل کے معبود کا کوئی تصور تھا ہی نہیں۔ الہامی مذاہب میں بھی یہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ مثلاً ایک طرف زبور کے ترانوں اور توراۃ کی امثال میں اللہ تعالیٰ کے لئے شائستہ اوصاف کا تخیل موجود ہے۔ لیکن دوسری طرف خدا کا کوئی تصور ایسا نہیں جس میں انسانی صفات موجود نہ ہوں۔ اسی طرح اناجیل میں رحمت الٰہی کا تصور دکھانے کے لئے خدا کے لئے باپ کی شفقت سے تشبیہہ دی گئی۔ جو بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ ٹھہری۔

لیکن ان تصورات کے برعکس جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو تجسم کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ اور تنزیہہ درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام صفات جمال و کمال کا مالک ہے۔ وہ حی ہے۔ وہ قیوم ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ رب الارباب ہے۔ وہ رحیم ہے، کریم ہے۔ سمیع ہے۔ بصیر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کائنات میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔ "لیس کمثلہ شیئ" تمہاری نگاہ اسے پا نہیں سکتی۔

"لا تدرکہ الابصار" اس کی تنزیہہ کی مکمل تصویر ہمیں سورۃ اخلاص میں ملتی ہے۔ جس کے مطابق اللہ واحد مطلق ہے سب نیاز ہے۔ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی اس کو کسی نے جنا۔ اور نہ ہی کوئی ذات اس کی برابری کر سکتی ہے۔

تعدد و تجسیم کی نفی اور تنزیہہ کے کمال کی طرح اوصاف رحمت و جمال کے لحاظ سے بھی اسلام کے تصور پر نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی شان تکمیل نمایاں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل خدائی صفات میں یا تو قہر و جلال اور غیظ و غضب کا عنصر غالب تھا۔ یا مساوی تھا، یا پھر رحمت و محبت آئی تو ایسے کہ عدالت کے لئے جگہ باقی نہ رہی۔ اسلام نے اس افراط و تفریط کو ختم کر کے رحمت و جمال کا ایسا کامل تصور پیش کیا کہ قہر و جلال کے لئے کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ چنانچہ صفات الٰہی کے بارے میں یہ عام اعلان ہے

"قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن، ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ"

"کہہ دیجئے اے پیغمبر تم اسے اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہو اس کے تمام نام اچھے ہیں"۔

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت سے اس کی تمام صفات "اسماء الحسنیٰ" کے ضمن میں آتی ہیں۔ ان سب کا تذکرہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں موجود ہے۔ ان میں اگرچہ بعض صفات مثلاً قہار و جبار، جلال و متکبر وغیرہ، قہر و غضب کی علامت ہیں۔ لیکن یہ بھی قرآن کریم کے مطابق "اسماء الحسنیٰ" میں شمار ہوتی ہیں کیونکہ ان سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں۔ بلکہ اپنے بندوں میں خدا ترسی اور عدل گستری کی صفات پیدا کرنا ہے۔ سورہ حشر کی آیات میں اللہ تعالےٰ کی صفات جلال و جمال ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں

"ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ۔ ھو الرحمٰن الرحیم۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ الملک القدوس السلٰم المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔ سبحان اللہ عما یشرکون ○ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ۔ یسبح لہ ما فی

السمٰوٰت والارض ۔ وھو العزیز الحکیم ؒ

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو حاضر و غیب کا جاننے والا ہے۔ وہی رحمٰن ہے۔ اور وہی رحیم ہے
وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ الملک ہے۔ القدوس ہے۔ سلام ہے۔ المومن ہے۔ المہیمن
ہے۔ غالب ہے۔ الجبار ہے۔ المتکبر ہے۔ اللہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ وہ پیدا کرنے والا ہے۔ الباری
ہے۔ اور مصور ہے۔ اس کے تمام نام حسین ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتی ہیں۔
اور وہ غالب اور حکیم ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں صرف تین صفات ۔ عزیز، جبار، متکبر ایسی ہیں جن میں قہر و جلال کا عنصر ہے۔ لیکن ان کا مقصد خوف و ہراس پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ ظالموں، غاصبوں اور جابروں کو تنبیہ کرکے انہیں اعتدال و توازن سکھانا ہے۔ کیونکہ زندگی کو حسین بنانے کے لئے ان اقدار کا اختیار کرنا اور پھیلانا نہایت ضروری ہے۔

اسلام سے قبل، مذہبی عقائد میں خاص و عام کا امتیاز ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے جو خواص کے لئے ہے۔ اور ایک تصور عملی ہے جو عوام کے لئے ہے۔ اس کی مثال ہندوستان اور یونان کے عقاید میں ملتی ہے۔ جس کے مطابق غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و حکمت یا سوسائٹی کا ذی وقار طبقہ ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے عوام کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش میں مگن رہیں۔ قرآن نے اس امتیازی تصور کو ختم کرکے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی۔

اسلام نے تصور الٰہی کی بنیاد بنی نوع انسان کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے جو یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود عالم وجود میں نہیں آئی۔ بلکہ اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی خالق بھی ہو۔ جو تمام صفات سے متصف ہو۔ اور نقص و زوال کی تمام باتوں سے منزہ ہو۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے خدا کی ذات اور صفات کا جو مکمل تصور پیش کیا۔ اس سے قبل کسی مذہب کی تعلیم میں اس جامعیت اور کمال کے ساتھ نہیں ملتا۔ اور یہ اسلام اور دائمی اسلام کا فیض ہے کہ اس مکمل اور جامع تصور کی وجہ سے ایک انسان کو دوسرے انسان کی غلامی سے نجات ملی۔ در در کی جبہ سائی اور ناصیہ فرسائی سے چھٹکارا ملا۔ غرضیکہ آزادی اور حریت کا ایک ایسا ضیا بار سورج طلوع ہوا جس نے تمام امتیازات کو ختم کرکے انسان کو ایک ہی رشتہ انسانیت میں پرو دیا۔ یہ تصور اتنا زندہ اور فعال ہے کہ اس کے بعد کسی اور عقیدہ اور نظریہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ بات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہے۔

۲ ۔ تصور نبوت

ہم اس امر کی صراحت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالے نے انسانوں کی رہنمائی اور معنوی ترقی کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء اور مرسل بھیجے۔ اس کے باوجود امم سابقہ کی تعلیمات میں اس تصور کا عکس نہایت دھندلا دکھائی دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت غیر الہامی مذاہب میں یہ تصور تقریباً مفقود تھا۔ تمام رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی شکل میں اس سے ملتا جلتا نظریہ ضرور تخلیق کر لیا

گیا تھا۔ جس کے ڈانڈے الوہیت تک ملائے گئے تھے۔ الہامی مذاہب یعنی یہودیت اور نصرانیت میں نبوت کا تصور ضرور ملتا تھا لیکن اس کے متعلق ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی کہ انبیاء بشریت کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عزیر اور سیدنا مسیح علیہ السلام کو عین خدا یا کم از کم مظہر خدا منزور بنا دیا تھا۔ اسلام نے نہایت شدومد کے ساتھ اس کا رد پیش کیا اور کہا۔

"قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم اللہ واحد"

"اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تو تمہاری طرح بشر ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور تمہارا معبود تو اللہ واحد ہے۔"

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ"

"حضرت عیسیٰ کو اس بات سے عار نہیں کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔"

"قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ"

"اے نبی کہہ دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں میں تو صرف وحی کی بات کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے۔"

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ بھی قرآن کریم نے متعدد مقامات پر انبیاء علیہم السلام کی حیثیت، ان کی ضرورت، اہمیت اور تعلیمات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انسانوں میں سے ایک جماعت ہے۔ جن کی تربیت خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ جن کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھولے بھٹکے انسانوں کو راہ راست دکھائیں۔ انہیں اپنے خالق کی معرفت بخشیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان کا تزکیہ کریں اور انہیں علم و حکمت کی باتیں سکھائیں۔ ان وظائف اور فرائض میں سے آخری فریضہ یعنی علم و حکمت کے بارے میں کسی دوسرے مقام پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ کیونکہ اس ضمن میں وہ تمام علوم و فنون اور حقائق و اصول آ جاتے ہیں جو پہلی نسل انسانی سے ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے دورِ حاضر تک پہنچے اور جو آئندہ نسلوں تک گزشتہ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں پہنچتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ یہ تمام علوم اپنے اوج کمال کو پہنچ جائیں۔ اس کے بعد ہمارے لئے یہ ثابت کرنا نہایت آسان ہو گا کہ جس طرح ہر نوع کی ابتداء اور انتہاء ہے۔ اسی طرح نبوت کی بھی ابتداء اور انتہاء ہے۔

نبوت کے موضوع پر مسلم مفکرین، متکلمین، حکماء اور فلاسفہ نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ اس موقع پر امام رازی کی بحث کا خلاصہ یقیناً مفید ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں۔ نظری اور عملی۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کی دونوں قوتیں کامل ہوں۔ قوت نظری کے کمال کے یہ معنی ہیں کہ اس کو حقائق اشیاء کا صحیح علم ہو۔ یعنی اس کے ذہن میں جس شے کا تصور آئے اصل صورت میں آئے۔ قوت عملی کے کمال کے یہ معنی ہیں کہ نفس میں ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہوں۔ اس لحاظ سے دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اوّل ناقص یعنی جن کی دونوں قوتیں ناقص ہوں۔ یہ عوام الناس ہوتے ہیں۔ (وہ ان میں بھی درجات کے قائل ہیں) دوسرے وہ جو خود کامل ہوں لیکن دوسروں کو کامل نہ بنا سکتے ہوں۔ یہ اولیاء اور صلحاء ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو خود کامل ہوں اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتے ہوں

یہ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانوں میں کمال اور نقص کے درجات نہایت متفاوت ہوتے ہیں۔ بعض وقت نقائص کے خواص بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ انسان اپنی عادات کی وجہ سے حیوانیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جب نقص کی جانب یہ حال ہو تو ضروری ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حالت پیدا ہو یہاں تک کہ انسان ملکوتیت سے جا ملے۔"

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا درجہ انسان سے اعلیٰ ہے۔ حالانکہ ہم اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شاہکار اور اشرف المخلوقات ہے۔ یہاں امام رازی کا مقصد غالباً عصمت انبیاء کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔ کیونکہ مخلوق میں یہ نوع معصوم ہوتی ہے۔ اس نکتے کو امام غزالی نے بہتر طریقے سے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی حد تام بیان کی جائے۔ کیونکہ سینکڑوں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں۔ جن کی جنس و فصل اور ماہیت و حقیقت ہم کو معلوم نہیں۔ مگر ہم ان کے مفہوم کو جانتے ہیں۔ جیسے عقل، روح اور بہت سی غیر مادی اشیاء کا ہم تصور تو کرتے ہیں لیکن ان کی حقیقت کو ہم بالکل نہیں جانتے نبوت ایک وصف ہے جو انسانیت سے بالاتر ہے۔ جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔ انسان حیوانات کو مسخر کر کے ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن حیوانات یہ عذر نہیں پیش کرتے کہ جب تک ہم کو انسان کی حقیقت اور ماہیت نہ بتائی جائے ہم انسان کی اطاعت نہ کریں گے۔ عام انسان اور پیغمبر میں یہی نسبت ہے۔"

اس کا مزید ثبوت فراہم کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"انسانوں میں تین قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔ فکری، قولی اور عملی۔ ان قوتوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ ان دو متضاد حالتوں کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے۔ فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہیں۔ قول کو صادق و کاذب کہتے ہیں۔ اور عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن حق و باطل، صادق و کاذب اور خیر و شر میں ہر آدمی تمیز نہیں کر سکتا یا بعض معاملات میں بعض انسان کسی حد تک یہ تمیز کر سکتے ہیں۔ لیکن بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں افعال قابل عمل ہیں اور فلاں نہیں۔ یہی لوگ پیغمبر اور بانیٔ شریعت ہوتے ہیں۔"

ان دونوں حکمائے اسلام کے دلائل کی روشنی میں نظریہ ارتقاء کے حوالے سے ہم نبوت کے موضوع پر مزید بحث کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ بعض متکلمین کے مطابق مادی ارتقاء کی انتہائی حد انسان ہے۔ اور عقلی ارتقاء کی حد نبی ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی حد ملائکہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تخلیق آدم کے بعد اپنے علم کی کمی کے سبب اپنے عجز کا اعتراف کر چکے تھے۔ گویا کائنات میں اب ایک ہی ایسی ہستی رہ جاتی ہے۔ جس کے صحیح ادراک پر انبیاء کی حد ختم ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہستی اس کائنات و موجودات کی خالق ہے۔ جسے ہم اللہ کے اسم ذات سے پکارتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخلوق اپنی انتہائی معراج و ترقی کے باوجود خالق نہیں بن سکتی۔ البتہ اس کا ادراک ضرور حاصل کر سکتی ہے۔ ہم گذشتہ صفحات میں اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جتنے بھی تصورات حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت اقوام و ملل میں پائے جاتے تھے۔ سب غیر واضح، مبہم، نامکمل اور ناقابل یقین تھے۔ انسان کو سب سے پہلے جس

نبی نے اللہ تعالےٰ کا جامع اور کمل تعارف کرایا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے ۔ اور یہ تصور آج بھی بنی نوع انسان کے سواد اعظم میں زندہ اور موجود ہے ۔ اس لئے اب کسی دوسرے نبی یا مرسل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ اس کا مزید ثبوت اس ناقابل تردید حقیقت سے بھی فراہم کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ سے قبل ہر دور میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے بلکہ بعض اوقات تو بیک وقت مختلف امصار و دیار میں کئی کئی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے لیکن آپؐ کے بعد آج تک نہ تو کسی نبی کی ضرورت تھی ۔ اور نہ ہی کوئی اور نبی پیدا ہوا ۔ اگر بعض نے جھوٹی نبوت کا دعوےٰ کیا بھی تو ان کے نام ونشان اور افکار و خیالات نقطہ غلط کی طرح سے صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں ۔ دور حاضر میں بعض ایسے مدعی ضرور پیدا ہوئے اور ان کے ماننے والے بھی دنیا میں موجود ہیں ۔ لیکن انہوں نے بھی حضور کی ختم نبوت کا کبھی انکار نہیں کیا ۔ بلکہ ظلی یا غیر تشریعی نبی کے الفاظ استعمال کئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا وہ عملی اور جامع تصور پیش کیا کہ اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی ۔ آپؐ نے تمام انبیائے سابقہ کی تصدیق کی ۔ ان کو تاریخ مذہب میں صحیح حیثیت دی اور ساتھ ہی اس بات کا انکشاف بھی کیا کہ آپؐ کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں ۔ جبکہ باقی تمام انبیاء نے ایسا کوئی اعلان نہیں کیا ۔ بلکہ بعض الہامی کتابوں میں آپؐ کی آمد کی بشارت بھی ملتی ہے ۔ زبور کے نغموں میں آپؐ کا زمزمہ ہے ۔ توریت کی آیات میں آپؐ نمایاں ہیں ۔ انجیل مقدس میں بھی آپؐ کا ذکر ہے ۔ کہیں آپؐ کو محمد کہا گیا ہے ۔ کہیں فارقلیط (PROCLETE) انجیل برنباس میں حضور علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے ۔

۱ ۔ ایک شتر سوار

۲ ۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ (عبدہٗ)

۳ ۔ اللہ تعالیٰ کا منتخب (مصطفیٰ)

۴ ۔ شہزادہ کیدار ابن اسمٰعیل کی بستی کا رہنے والا ۔

۵ ۔ اس کے مذہب کا نام شلوہ (SHILOH) ہوگا ۔ جس کے معنی ہیں سلامتی یعنی اسلام

۶ ۔ وہ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوگا ۔

۷ ۔ اس کے پاس عصائے یہودا ہوگا ۔

۸ ۔ اللہ تعالےٰ اسے وحی سے نوازے گا ۔

۹ ۔ وہ ناکام نہیں ہوگا ۔ نہ ہی اسے شکست ہوگی ۔

۱۰ ۔ اس کا نام (پروسلیٹ) یعنی احمد ہوگا ۔

اس تفصیل کے بعد اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی ہی نہیں تھے بلکہ خاتم الانبیاء بھی تھے ۔

۳ ۔ تصور سزا و جزا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں حیات بعد الموت کے بارے میں مختلف عقاید تھے ۔ جن میں سے ایک تو تھا کہ زندگی ہے تو بس اس دنیا کی زندگی ! اس

کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔ دوسرا تصور یہ تھا کہ خدا کو گناہ پر عذاب اور نیکی پر انعام دینے کا کیا حق حاصل ہے؟ سزا یا انتقام کا حق تو اسے پہنچتا ہے جیسے کسی نے نقصان یا تکلیف پہنچائی ہو۔ ان کے مطابق اہل مذہب نے خدا کا تصور انسانی حیثیت سے کیا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے حکمرانوں کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال آتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سزائیں دیتے ہیں۔ یا ان کے احکام کی بجاآوری پر خوش ہو کر انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے بارے میں بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ناراض ہو کر سزا دے گا اور خوش ہو کر انعام دے گا۔ نصاریٰ کے اگرچہ مختلف فرقے تھے لیکن ان سب کا کفارہ پر عقیدہ تھا۔ ان کا عام خیال یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس دنیا میں گناہ گاروں اور معصیت کاروں کی بخشش کے لئے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے صلیب پر چڑھ کر مسیحی عقیدہ کے حامل لوگوں کی نجات کا سامان فراہم کر دیا۔ اس لئے نیکیوں کی زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر انسان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اہل کلیسا کے سامنے اس کا اعتراف کرے سارے گناہ سے نجات مل جائے گی۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کے ہاں آج بھی رائج ہے۔ ہنود کا آواگون پر اعتقاد تھا جس کے مطابق روح اپنے اعمال کے مطابق مختلف قالب اختیار کرتی رہتی ہے۔ اگر وہ اچھے کرم کرے تو آئندہ زندگی میں اچھے انسان کے روپ میں پیدا کیا جائے گا۔ اور اگر وہ برے افعال کرے تو حقیر حیوانات کی جُون میں پیدا ہوں گے۔ اس طرح ایک لامتناہی چکر میں گرفتار ہو کر روح مختلف قالبوں اور روپوں میں ظاہر ہوتی رہے گی۔ نیز کہیں جا کر اس کا ایک چکر پورا ہوگا۔ اور وہ سورگ میں جائے گی۔ جہاں سے اس کے اعمال کی تکمیل میں کسی کے باعث وہ دوبارہ اس دنیا میں کسی روپ میں ظاہر ہو کر آواگون کے چکر میں گرفتار ہوگی۔ یہود کے ہاں آخرت کا تصور ضرور موجود تھا لیکن اتنا نامکمل کہ اس سے کوئی سودمند نتائج مرتب نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا یہ عام عقیدہ تھا۔ کہ خدا نے ہم پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو محض اس لئے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک کر دیا جائے اور پھر جنت میں داخل ہو۔ رہے بدھ مت وغیرہ، ان کے ہاں تو تمام تر زور مادی زندگی پر دیا گیا تھا۔ مکتی کے لئے تپسیا اور بنی نوع انسان سے صلہ رحمی کی طرف توجہ دی گئی تھی۔ پارسی شر اور نیکی کے خداؤں کے درمیان باہمی جنگ و جدل کے تصور میں مبتلا تھے۔ غرضیکہ کہیں بھی ایسا تصور موجود نہ تھا جو انسانی زندگی کی تہذیب و اصلاح اور فوز و فلاح کا ضامن ہو۔

ان سب کے برعکس اسلام نے عوام کے سمجھانے کے لئے ایک سیدھا سادا پیرایہ اختیار کیا کہ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ انسان کو اس کے اعمال کی سزا اور جزا یہیں مل جائے۔ بلکہ اس عارضی دنیوی زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ جس میں اس کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ نافرمانوں کو ان کے کفر اور عصیان کی وجہ سے سزا دے گا۔ اور جن لوگوں نے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کی ان کو انعام و اکرام سے نوازے گا جیسا کہ کفار، مشرکین اور گنہگاروں کیلئے دوزخ بنائی گئی ہے۔ بالکل ایسے ہی اہل ایمان اور نیکوکاروں کیلئے جنت بنائی گئی ہے جس میں وہ ہمیشہ امن سکون کی زندگی بسر کریں گے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا ہے۔ یعنی اس جہان میں عمل کے جیسے بیج بوئے گا۔ ویسی ہی فصل کاٹے گا۔ یعنی اسے بدی کے بدلے میں برائی ملے گی اور نیکی کے بدلے میں بھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کو سورہ فاتحہ میں "مالک یوم الدین" یعنی بدلے کے دن کا مالک کہا گیا ہے۔ لیکن مسلم فلاسفہ اور حکماء کے نزدیک عذاب و ثواب کی یہ اصل حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنے کا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر وجود رکھنے والی شے اپنا کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالےٰ نے اجسام میں خواص اور اثرات رکھے ہیں۔ اسی طرح اعمال میں بھی اثرات و نتائج ہیں۔ جس طرح جسمانی مؤثرات جسم پر

مرتب ہوتے ہیں۔ روحانی اثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ فطرت کے ہر گوشہ میں مکافات کا قانون ہے۔ اس میں تغیر ممکن نہیں۔ مثلاً زہر سے موت واقع ہوگی۔ آگ جلائے گی۔ پانی تپش بجھائے گا۔ اکسیر سے شفا ہوگی۔ غذا سے توانائی ملے گی۔ یہ زندگی کے محکمات ہیں۔ اسی طرح اعمال کے بھی مکافات ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک کمزور اور ناتواں انسان ایک ظالم اور جابر حکمران کے پنجہ ظلم و استبداد میں تمام عمر تڑپتا اور سسکتا رہے۔ اور اسے سزا نہ ملے۔ نہ یہ بات قانون فطرت کے مطابق ہے۔ اور نہ ہی کوئی سلیم الطبع انسان اسے تسلیم کر سکتا ہے۔ اس کی صراحت قرآن کریم میں اس طرح کی گئی ہے۔

"ام حسب الذین اجترحوا السیّات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون o وخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون o

"جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے۔ جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور جن کے اعمال اچھے ہیں۔ کیا وہ زندگی اور موت میں بھی برابر ہو جائیں گے؟ افسوس ان کے فیصلے پر۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حکمت کے ساتھ بنایا ہے۔ تاکہ ہر نفس کو اس کی کمائی کے مطابق اجر ملے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ گویا سزا اور جزا کا انحصار انسان کی کمائی پر ہے۔ اگر کسی انسان نے اچھے عمل کر کے اچھی کمائی کر لی ہے تو اس کے لئے اچھائی ہے۔ اور اگر کسی نے برائی کر کے بری کمائی کر لی ہے۔ تو اس کے لئے برائی ہے۔

"کل امری بما کسب رھین" یعنی ہر انسان اس نتیجہ کے ساتھ جو اس کی کمائی ہے بندھا ہوا ہے۔ "لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" ہر انسان کے لئے وہی ہے۔ جیسی کچھ اس کی کمائی ہوگی۔

اس کے علاوہ قرآن میں اس حقیقت کی بھی صراحت کی گئی ہے۔ کہ اگر دین اسلام، معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے۔ تو یہ صرف اس لئے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے نہ یہ کہ خدا کا قہر و غضب اسے عذاب دینا چاہتا ہے۔ اور اس سے بچنے کے لئے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کیلئے مذہب کی جگہ "دین" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا بنیادی عقیدہ بھی مکافات کا اعتقاد ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات قہاری و جباری، صفت عدل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس کے معنی اعتدال و توازن کے ہیں اور یہ اس وقت ممکن ہے۔ جب ظالم کا ہاتھ روکا جائے اور مظلوم کی دستگیری کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ گویا طاقت و غلبہ بذاتہ بری چیز نہیں۔ بلکہ اس کا غلط استعمال برا ہے۔ اگر کوئی حکمران اپنی قوت و طاقت کو ظالموں کے خلاف استعمال کرتا ہے تو اسے ہم عادل کہیں گے۔ بالکل اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفات جلیلہ کا مظاہرہ کرے گا۔ تو یہ اس کے عدل کا تقاضا ہوگا۔

اگر دیکھا جائے تو دنیا کے تمام مذاہب ایک صحت مند اور توانا معاشرہ تشکیل کرنا چاہتے ہیں جس میں رہنے، بسنے والے

لوگ امن و سلامتی اور صلح آشتی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن معاشرہ کے کچھ بنیادی ستون ہوتے ہیں۔ کچھ اقدار ہوتی ہیں، روایات ہوتی ہیں۔ ان کے بغیر معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا رہے گا۔ اسلام کے نزدیک معاشرہ کی سب سے بڑی قدر "عدل" ہے۔ اس کا مظاہرہ جتنا زیادہ اور عام ہوگا۔ اتنا ہی وہ معاشرہ صحت مند اور متوازن ہوگا۔ عدل صرف کہنے اور تبلیغ کرنے سے پیدا نہیں ہو سکتا! اسلام نے عدل کو عقیدہ بنا دیا۔ جس قدر آخرت اور سزا و جزا کے تصور پر انسان کا اعتقاد ہوگا۔ اسی قدر وہ خدا ترس اور متقی ہوگا۔ جس معاشرہ کے جتنے زیادہ افراد صفت عدل کا مظاہرہ کریں گے۔ اسی قدر وہ معاشرہ پھلے پھولے گا۔ بالکل اسی طرح عقیدہ توحید افراد میں حریت اور مساوات کی اقدار پیدا کرتا ہے۔ خدائے مطلق کے ماننے والے در در کی جبہ سائی سے بچ جاتے ہیں۔ وہ خدا کے سوا کسی اور کے سامنے نہ تو دست سوال دراز کرتے ہیں اور نہ ہی جھکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس عقیدہ نبوت ان میں "اخوت" کا بے پناہ جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ایک نبی کے ماننے والے آپس میں رحیم اور مہربان ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تین عقاید۔ توحید، رسالت اور آخرت ۔۔۔۔۔ ایسے ہیں جن کا تعلق بظاہر مابعد الطبیعیاتی نظریات سے ہے۔ اسی لئے بنی نوع انسان کے لئے ہمیشہ فکر و بحث کا سبب بنتے رہے ہیں۔ لیکن مذاہب عالم کے مبادیات یہی ہیں۔ ان کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو ان کی مکمل اور جامع تصویر جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہے۔ آپ کی بعثت سے قبل کسی اور مذہب نے نہیں کی۔ اور اگر کی بھی ہے تو وہ موجود نہیں۔ پھر یہ کہ ان تصورات و عقائد پر دنیا کی بہت بڑا حصہ آبادی کا آج بھی یقین اور عمل ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔

عقاید و تصورات نظریاتی چیزیں ہیں۔ ان کا مظاہرہ اعمال و افعال سے ہوتا ہے۔ اور جب یہ اعمال و افعال، کسی مذہب یا مسلک کے احکام کے نتیجہ میں مرتب ہوتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونا کسی خاص عقیدے، مذہب یا فرقہ کی شناخت اور شعار بن جاتے ہیں تو انہیں عبادات کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اپنے ماننے والوں کو ایک مخصوص عقیدے کی بنا پر عبادت کا تصور نہ پیش کیا ہو۔ جس طرح انسان کی ذہنی اور روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ تصور اللہ ترقی کرتا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ پرستی میں بھی ہمیں ایک قسم کا ارتقاء ملتا ہے۔ اسی سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بارے میں تجسیم اور صفات قہر و جلال کا تصور اس کا ابتدائی درجہ تھا۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ فطرت کائنات کی تعمیر، تخریب میں پوشیدہ ہے۔ ابتدائی انسان کی عقل تعمیر کا حسن نہ دیکھ سکی۔ تخریب کی ہولناکیوں سے ڈر گئی۔ چنانچہ جب اس نے شعور کی پہلی آنکھ کھولی تو کائنات کے اس پہلو کا اثر اس پر فوری طور پر مرتب ہوا۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک اور کڑک، دریاؤں کا تلاطم، آتش فشاں۔ پہاڑوں کی سنگباری کھولتا ہوا لاوا۔ اور زلزلوں اور سیلابوں سے تباہی اور ہلاکت یہ اس کی چشم ظاہر بیں۔ صرف ہیبت و جلال کے عنصر کو دیکھ سکی اور اس سے مغلوب ہو کر انسان مظاہر طاقت کے سامنے اپنا سر نگوں کرنے لگا۔ کبھی اس نے پہاڑوں کو سجدہ کیا۔ کبھی سورج دیوتا کی پرستش کی کبھی ہیبت و جلال کے فرضی دیوتاؤں کی پوجا کی۔ اور جب اس طرح بھی اس کی تسکین نہ ہوئی تو اس نے خیالی دیوتاؤں کے بت تراشے اور ان کے سامنے سجدہ ریزی کی۔ اگر قدیم اقوام کے صنم پرست تصورات کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کی شکلیں عام طور پر ایسی تھیں کہ ان کو دیکھ کر قلوب پر دہشت و وحشت طاری ہو۔ اس دور کا انسان خدا کے صفت، قہر و ۔۔۔ سب سے

اس قدر مرعوب و مغلوب نظر آتا ہے کہ وہ غیر معمولی حالات، سماوی آفات اور فطری انقلابات کے وقت خدا کے قہر و غضب کو کم کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انسانی جانوں کو اس کی بھینٹ چڑھا دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا تھا۔ بہت سے لوگ خود اپنے آپ کو قربان کر دیتے تھے۔ بعض اپنی اولاد کی قربانی پیش کرتے تھے۔ بعد میں اگرچہ قہر و ہلاکت کے دیوتاؤں اور قوتوں کے ساتھ زندگی، رزق، دولت و حسن وغیرہ کے دیوتاؤں کی پرستش بھی شروع ہوئی۔ لیکن انسانی ذہن اصنام کو ہی خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرتا رہا۔ الہامی مذاہب۔ یہودیت و نصرانیت نے عبادت کے تصور میں یقیناً ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کی۔ اور انسان کو بت پرستی سے روکا اور اپنے حلقہ ہائے اثر و نفوذ میں ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کا تصور پیدا کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ان کے ہاں ایک کلیسائی نظام نظر آتا ہے۔ جس کے مطابق مذہب صرف ایک خاص طبقہ کے افراد کی اجارہ داری نظر آتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ ہندوستان میں مندر اور مذہبی عبادت گاہوں میں برہمنوں کا راج تھا۔ یہاں پر ان کی عبادت کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں۔ البتہ یہ بتانا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت تمام مذاہب کے نزدیک عبادت، بندگی یا پرستش خود ایک مقصود بالذات چیز تھی، اور اس کا مقصد خدا یا خود ساختہ خداؤں کی خوشنودی حاصل کرنا تھی جس کے لئے ترک لذات ترک دنیا وغیرہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں رہبانیت کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ اور ایک خاص گروہ، شہر اور بستی سے دور، جنگل میں، کسی پہاڑ کی کھوہ میں، یا کسی دریا کے کنارے عزلت میں۔ بھوکے، پیاسے، ننگے سر، ننگے جسم، موسم کے اثرات سے بے نیاز رات رات بھر کھڑے، یا کئی کئی روز ایک ہی آسن میں بیٹھے ہوئے آنکھیں بند کئے، یکسوئی کے ساتھ مراقبہ یا گیان دھیان میں مشغول نظر آتے تھے۔ روزہ رکھتے بر آئے تو کئی کئی روز اناج اور پانی چھوا تک نہیں۔ تمام عمر شادی نہیں کی۔ چالیس چالیس روز تک چلہ کشی کی۔ رات رات بھر سوئے نہیں۔ نفس کشی کا یہ عالم کہ تمام عمر شادی نہیں کی۔ اگر بت پرستی کا عنصر نکال دیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کم و بیش تمام مذاہب عالم میں عبادت کے طریقے۔ مشقتیں اور ریاضتیں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں۔ جن سب کا مقصد اپنے جسم کے اعضا کو زیادہ سے زیادہ اذیتوں اور تکالیف میں مبتلا کرنا تھا۔ اور اس کے پس منظر میں ایک ہی جذبہ اور ایک ہی مقصد کارفرما تھا کہ اس طرح انسان خدا کی خوشنودی نجات اور نروان حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی عقاید و نظریات کی طرح عبادت کا تصور بھی اس طرح پیش کیا جو ایک دین فطرت کے شایان شان ہے۔ سب سے پہلے وحی کے الفاظ کے ذریعے اس بات کا اعلان فرمایا کہ اس کائنات میں ہر چیز بے مصرف اور بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اسی طرح انسان کی خلقت کا بھی ایک مقصد رکھا گیا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس آیت کی وضاحت کے لئے بھی تمام عالم موجودات پر غور کرنا ہو گا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ایک خاص قانون قدرت کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اس کے خالق و مالک نے روز آفرینش سے اسے جو حکم دیا ہے۔ وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے۔ آسمان سے زمین تک ہر چیز اپنے کام میں مشغول ہے۔ آفتاب و ماہتاب دنیا کو روشنی، حرارت اور توانائی دینے پر مامور ہیں۔ آسمان کے ستارے فضا میں معلق گردش کناں ہیں، نہ ان کی رفتار میں کمی آتی ہے

اور نہ ہی ان میں تصادم ہوتا ہے۔ زمین کو سبزہ اور شادابی کا کام سونپا گیا ہے۔ ابر کو سیرابی اور گوہرباری کا حکم ہے۔ اشجار پھل پھول اور سایہ میسر کر رہے ہیں جیوانات انسان کی سواری اور خوراک کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ سمندر سے لولو اور مرجان کے علاوہ مچھلی دستیاب ہو رہی ہے، غرضیکہ جسے دیکھو وہ اپنے فرائض بطریق احسن سرانجام دے رہا ہے۔ یہی ان کی عبادت ہے۔ یہی فریضہ ہے اور یہ ان کی اطاعت ہے۔ اگر یہ سب اپنی عبادت صحیح طور پر نہ کریں تو کون و مکان میں فساد برپا ہو جائے۔ بالکل اسی طرح انسان کے لئے فرائض ہیں جنہیں بجا طور پر ادا کرنا عبادت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اسلام میں عبادت خود مقصود بالذات چیز نہیں ہے۔ بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہے۔ پھر کلی طور پر یہ بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ورنہ خدا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

"من جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغني عن العالمين ○"

جو شخص جد و جہد کرتا ہے۔ اپنے لئے کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

"من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها ما يريد الله ليجعل عليكم في الدين من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم"

جو شخص اچھے اعمال کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے اور برا کرتا ہے تو اپنے لئے۔ اللہ تعالےٰ یہ نہیں چاہتا کہ دین کے معاملے میں تمہارے لئے دقت پیدا کرے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پہ اپنی نعمت کو تمام کرے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ عبادات کے ذریعے انسان کا تزکیہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کی بجا طور پر اطاعت کے صلے میں اسے اپنی نعمت سے نوازنا چاہتا ہے۔ اس نعمت سے مراد دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اس کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے اللہ کے رسول نے جو نظام العبادات پیش کیا۔ اس میں پابندی تو ضرور رکھی۔ لیکن ایسی سختی اور دشواری نہیں رکھی کہ اس کے لئے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑے۔ رہبانیت اختیار کرنا پڑے اور اپنے اوپر عیش و آرام حرام کرنا پڑے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

"يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر"

"خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ کہ دشواری"

"ما يريد الله ليجعل عليكم في الدين من حرج يريد الله ان يخفف عنكم"

"اللہ تعالےٰ یہ نہیں چاہتا کہ دین میں تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو۔ بلکہ وہ تمہارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے"

"لا يكلف الله نفسا الا وسعها"

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی سکت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

پھر یہ کہ دوسرے مذاہب کی طرح عبادت کو کسی خاص طبقہ اور جماعت تک محدود نہیں کیا۔ بلکہ تمام مسلمان مردوں اور

عورتوں کو اس کا مکلف بنایا۔ یوں تو عبادت کے لیے مسجد کا وجود رکھا گیا۔ لیکن وسیع تر مفہوم میں تمام زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا۔ عبادت گھر میں بھی ہو سکتی ہے۔ گھر سے باہر عالم مسافرت پر کسی بھی پاک صاف جگہ پر سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ کھیل کا میدان ہو، یا کھیت، میدان جنگ ہو، یا کار، ٹرین اور بحری جہاز کہیں بھی زمین بوس ہو کر اللہ تعالےٰ کے حضور اپنے عجز کا نذرانہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں ہم مختصر طور پر صرف فرض عبادات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہوگا کہ ایسے معقول اور قابلِ عمل نظام العبادات کی موجودگی میں کوئی اور بہتر طریقہ ممکن ہی نہیں۔

۱۔ صلوٰۃ

اسلام نے جس طرح سب سے زیادہ زور عقیدہ توحید پر دیا۔ اس قدر نماز کی ادائیگی کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انسان کی عبدیت اور خاکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان اس وقت سب سے زیادہ حقیر اور چھوٹا نظر آتا ہے۔ جب وہ کسی کے سامنے جھکے۔ اور سجدہ ریز ہو جائے۔ نماز میں یہ عنصر سب سے زیادہ غالب ہوتا ہے۔ اب ذرا نماز کی تیاری سے لے کر اس کے اختتام تک مختلف مراحل پر غور فرمایئے۔ سب سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اس طرف آئے کیونکہ یہ سعادت اور فلاح کا راستہ ہے۔ پھر وضو کیا جاتا ہے۔ جس سے انسان کی بدنی طہارت مقصود ہے۔ ایک امام کی اقتدا میں سب محمود و ایاز صف آرا ہو جاتے ہیں۔ جس سے مساوات کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ اس عبادت سے متعدد فائدے مرتب ہوتے ہیں۔ جن کا یہاں بیان کرنا مقصود نہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔

"ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر" یعنی نماز برائیوں اور لغویات سے روکتی ہے" یہ مقصد سب سے عظیم ہے۔ کیونکہ اگر دنیا سے برائیوں کو ختم کر دیا جائے تو ایک صحت مند اور متوازن معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے قائم کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ الزکوٰۃ

یہ اسلام کی دوسری بڑی عبادت ہے۔ اس کے ذریعے معاشی طبقات میں ہمواری پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ معاشرے کے صرف فارغ البال اور امیر افراد پر فرض ہے۔ اس کے فوائد محتاج بیان نہیں۔ البتہ یہ یقینی بات ہے کہ اگر اس کا صحیح نفاذ عمل میں لایا جا سکے تو انسانی معاشرے سے غربت افلاس، بھوک، ننگ اور ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تمام برائیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

۳۔ الصوم

سال بھر میں رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کا مقصد انسان کو بھوکا اور پیاسا رکھنا

نہیں ہے۔ بلکہ یہ احساس دلوانا ہے کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے انسان کسی حالت و کیفیت کو اس وقت ہی محسوس کر سکتا ہے جب وہ خود ان حالات سے گذر چکا ہو۔ یہ روزہ بھی ایک ایسا ہی عمل ہے جس کے ذریعے باہمی تکلیف اور دشواریوں کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی رو سے اس کا سب سے بڑا مقصد "لعلکم تتقون" ہے۔ یعنی تم تقویٰ اختیار کرو۔ اور تقویٰ سے مراد خدا ترسی اور برائیوں سے اجتناب ہے۔ اگر کوئی معاشرہ خدا ترس اور پرہیزگار افراد پر مشتمل ہوگا۔ تو وہ دنیا میں جنت کا نمونہ پیش کر سکتا ہے۔

۴ ۔ الحج

زندگی میں ایک بار صرف ایسے افراد پر فرض ہے جو ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند ہوں۔ اور اپنے وطن سے ارضِ حجاز مقدس تک آنے جانے، قیام کرنے اور وطن میں اپنے گھر کے افراد کے لئے اخراجات کے متحمل ہو سکیں۔ اس کے متعلق فرمایا گیا: "لیشھدوا منافع لھم" تاکہ اپنے فائدے کی جگہ حاضر ہوں۔ اس سے مالی، روحانی اور ہر قسم کے فوائد مراد ہیں۔ جن کا احاطہ ضروری نہیں۔

۵ ۔ الجہاد

یہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا مقصد ملک گیری یا کشور کشائی نہیں۔ بلکہ برائیوں کے خلاف جدوجہد ہے۔ اس کے لئے بنیادی طور پر تبلیغ کا حکم ہے۔ لیکن اگر معاشرہ میں کسی جگہ بنیادی اقدار پامال کی جا رہی ہیں۔ اعلیٰ اخلاقی بنیادوں کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہو۔ اور یہ خطرہ محسوس ہو کہ یہ برائی پھیل کر دوسرے مقامات کو بھی متاثر کرے گی تو پھر ایک مسلمان پر فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اسے زبان سے روکے۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو اسے دل میں برا جانے۔ یہ صورت حال تو انفرادی ہے۔ من حیث الجماعت مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ ایسی برائیوں کو طاقت سے روکیں۔ ان تمام عبادات پر غور فرمایئے تو اس سے ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سب مقصود بالذات نہیں ہیں۔ کسی کا مقصد برائی سے روکنا ہے۔ کسی کا تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا کرنا ہے۔ کسی سے مساوات اور اخوت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر عبادت حکمت اور فوائد سے بھرپور ہے۔ گویا ان کو روح و جوہر میں اپنے اوپر نافذ کرنے سے انسان بہت سے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

عبادت کا یہ تصور تو روائتی ہے۔ جس کی اپنی اہمیت ہے۔ لیکن اسلام نے اس سے برتر بھی ایک تصور پیش کیا۔ وہ کہتا ہے کہ ان عبادات کے علاوہ انسان کی تمام زندگی عبادت میں گزرتی ہے۔ اس کا ہر لمحہ، ہر قدم اور ہر کام عبادت ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے تمام مشاغل حیات دیانت داری، خلوص، محنت اور لگن سے سرانجام دے۔ یہی نہیں بلکہ ضروریات زندگی کو بجا طور پر پورا کرنا بھی عبادت ہے۔ نکاح کرنا، امور خانہ داری کے کاموں کو انجام دینا، کسب معاش کرنا، علم حاصل کرنا۔ اس کا پھیلانا، کھانا پینا، سونا، چلنا پھرنا۔ سب عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ تصور ہی نہیں دیا۔ بلکہ اس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ جو آج تمام بنی نوع انسان کے لئے

تمونہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا ایک ایسا جامع اور مکمل تصور نہ مذاہب سلف میں تھا۔ اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب میں آج ہے۔ اسلام کے دامن میں اس کی آج بھی کمی نہیں۔ ہمیں بہت سے ایسے انسان مل جائیں گے۔ جن کی تمام زندگی سراپا عبادت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب عالم کی طرح مذہب اور دنیا میں کوئی حد امتیاز نہیں کھینچی۔ بلکہ یہ بتایا کہ زندگی کے کاروبار کو ایک توازن اور حسن کے ساتھ ادا کرنا ہی دین ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے اس دنیا میں رہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں پیدا کی ہیں ان سے پوری طرح متمتع ہوں۔

"وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعا اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنہ"

اور تمہارے لئے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا اور تم پر اپنی تمام نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر دیں

وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا و تستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا و تری الفلک فیہ و تبتغون من فضلہ ○

اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے سمندر کو اس لئے مسخر کر دیا کہ اس سے گوشت کھاؤ۔ اور اس سے زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو، اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے۔ کہ چھاتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ تاکہ تم خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو۔"

"وما ذرا لکم فی الارض مختلفا الوانہ ینبت لکم الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات"

اور بہت سی چیزیں تمہارے لئے زمین میں پیدا کیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ اور وہی تمہارے لئے پانی سے کھیتی زیتون، کھجور، انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔"

ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے: تاکہ وہ اسے حاصل کر کے اس سے لطف اندوز ہو سکے۔

لیکن انسان کی سرشت میں چونکہ ہوا و ہوس بھی ہے۔ اس لئے وہ حصول انعام میں اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق و مراعات پر ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا۔ اس لئے اسے ظلم و طغیان سے روکنے اور حسن و اعتدال پیدا کرنے کے لئے اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ایسا زریں اصول دیا۔ جسے اپنا کر تمام زیادتیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ اصول ہے۔

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر" یعنی معروف (نیکی) کا حکم دینا اور منکر (برائی) سے منع کرنا۔

دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، یا وہ اچھے (معروف) ہیں یا برے (منکر) ہیں۔ اب اگر معاشرے میں معروف پھیلایا جائے اور منکر سے روکا جائے تو ایک پاک صاف اور متوازن معاشرہ وجود میں آئے گا۔ یہ کام یوں تو تمام مصلحین / حکماء اور بانیانِ مذاہب نے سر انجام دیا۔ لیکن ان کے ہاں یہ تعلیمات کی شکل میں ہے۔ مثلاً کسی جاندار کو ایذا مت پہنچاؤ۔ جھوٹ مت بولو۔ چوری مت کرو۔ کسی کا حق غصب نہ کرو وغیرہم۔

اسلام کی بھی یہ تعلیمات ہیں۔ لیکن اس نے ان سب کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے ایک زریں

اصول میں سمو کر رکھ دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ معروف کیا ہے؟ معروف کے لغوی معنی پہچانا گیا اور پسندیدہ ہے۔ لیکن بطور اصطلاح اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جنہیں نسل انسانی کے طویل تجربے نے ثابت کیا ہو کہ یہ پسندیدہ ہیں اچھے ہیں، مفید ہیں اسلام اس تعریف (DEFINATION) کو رد نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ان تمام نیکیوں کو اپنے معیار پہ پرکھتا ہے۔ اور پھر اس کی منظوری دیتا ہے۔ اسی طرح منکر میں وہ تمام برائیاں آجاتی ہیں جنہیں تمام مذاہب نے برا کہا ہے۔ اور اسلام نے اپنی کسوٹی پہ جانچ کر اس کی ممانعت کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اسلام نے اپنی تعلیم اور دعوت، حضور علیہ السلام کی امت کے قیام و بقا اور تمام دنیا میں امن و سلامتی کے قیام کے لئے "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کو اساس و بنیاد بنا کر ہر مسلمان کو یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے وہ اسے اپنی ذات پر نافذ کرے پھر اپنے گھر پہ، پھر اپنے پڑوس میں علیٰ ہذا القیاس پھر تمام معاشرے پہ نافذ کرے۔ تاکہ کہیں بھی ننگ، بھوک، افلاس اور بیماری نہ رہے اگر وہ اپنے ارد گرد، برائیوں اور بیماریوں کو پنپتا ہوا دیکھتا ہے اور وہ غیر متعلق رہتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک حدیث بیان کرنا کافی ہوگی جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود پیٹ بھر کر سوتا ہے۔ اور اس کا پڑوسی بھوکے پیٹ رہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی عبادت قبول نہیں کرے گا

من حیث الجماعت بھی مسلمانوں پر اس اصول کو پھیلانا فرض ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیرو یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

تم میں ایک جماعت ہونی چاہیئے جو دعوت خیر دے اور نیکی (معروف) کا حکم دے اور برائی (منکر) سے روکے۔

پھر آگے چل کر دوسری آیت میں فرمایا۔

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

تم سب سے بہتر امت ہو کہ تم اچھے کاموں (معروف) کا حکم دیتے ہو۔ اور برائی (منکر) سے روکتے ہو۔

ایک تیسری جگہ اس فرض کو اور نمایاں طور پہ بتلایا گیا ہے۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداہ

اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسطیٰ بنایا۔ تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ رہو، اور تمہارے لئے تمہارا رسول گواہ ہو"

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے خاص طور پہ مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق اور شرف خصوصی اس چیز کو قرار دیا ہے۔ کہ وہ دنیا میں خیر کے داعی ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو جہاں کہیں گھر میں، محلہ میں اور معاشرے میں دیکھتے ہیں۔ اسے روکتے ہیں۔ اور اسی لئے تمہیں امت وسطیٰ قرار دیا کہ تم اولین و آخرین کے لئے گواہ بن سکو کہ تم نے اپنا فرض دعوت بجا طور پہ ادا کیا یا کیونکر؟ اور تمہارا رسول اللہ ؐ کہ آگے تمہارے اس کام کا گواہ بنے۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن یہی اصول (امر بالمعروف و نھی عن المنکر) ہے۔ اور دنیا میں آداب و قانون کا احتساب بھی اس اصل عظیم "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" پر قائم ہے۔

نمونہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا ایک ایسا جامع اور مکمل تصور نہ مذاہب سلف میں تھا۔ اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب میں آج ہے۔ اسلام کے دامن میں اس کی آج بھی کمی نہیں۔ ہمیں بہت سے ایسے انسان مل جائیں گے۔ جن کی تمام زندگی سراپا عبادت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب عالم کی طرح مذہب اور دنیا میں کوئی حد امتیاز نہیں کھینچی۔ بلکہ یہ بتایا کہ زندگی کے کاروبار کو ایک توازن اور حسن کے ساتھ ادا کرنا ہی دین ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے اس دنیا میں رہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں پیدا کی ہیں ان سے پوری طرح متمتع ہوں۔

"وسخرلکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنہ"

اور تمہارے لئے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا اور تم پر اپنی تمام نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر دیں

وھوالذی سخرالبحرلتاکلوا منہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ ہ

اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے سمندر کو اس لئے مسخر کر دیا کہ اس سے گوشت کھاؤ۔ اور اس سے زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو، اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے۔ کہ پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں "تاکہ تم خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو"۔

"وما ذرالکم فی الارض مختلفا الوانہ ینبت لکم الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات"

اور بہت سی چیزیں تمہارے لئے زمین میں پیدا کیں۔ جن کے رنگ مختلف ہیں۔ اور وہی تمہارے لئے پانی سے کھیتی زیتون، کھجور، انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے"۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اسے حاصل کر کے اس سے لطف اندوز ہو سکے۔

لیکن انسان کی سرشت میں چونکہ ہوا و ہوس بھی ہے۔ اس لئے وہ حصول انعام میں اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق و مراعات پر ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا۔ اس لئے اسے ظلم و طغیان سے روکنے اور حسن و اعتدال پیدا کرنے کے لئے اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ایسا زریں اصول دیا۔ جسے اپنا کر تمام زیادتیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ اصول ہے۔

"امر بالمعروف و نھی عن المنکر" یعنی معروف (نیکی) کا حکم دینا اور منکر (برائی) سے منع کرنا۔

دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، یا وہ اچھے (معروف) ہیں یا برے (منکر) ہیں۔ اب اگر معاشرے میں معروف پھیلایا جائے اور منکر سے روکا جائے تو ایک پاک صاف اور متوازن معاشرہ وجود میں آئے گا۔ یہ کام یوں تو تمام مصلحین (حکما) اور بانیانِ مذاہب نے سر انجام دیا۔ لیکن ان کے ہاں یہ تعلیمات کی شکل میں ہے۔ مثلاً کسی جاندار کو ایذا مت پہنچاؤ۔ جھوٹ مت بولو۔ چوری مت کرو۔ کسی کا حق غصب نہ کرو وغیرہم۔

اسلام کی بھی یہ تعلیمات ہیں۔ لیکن اس نے ان سب کو "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کے ایک زریں

اصول میں سمو کر رکھ دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ معروف کیا ہے؟ معروف کے لغوی معنی پہچانا گیا اور پسندیدہ ہے۔ لیکن بطور اصطلاح اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جنہیں نسل انسانی کے طویل تجربے نے ثابت کیا ہو کہ یہ پسندیدہ ہیں، اچھے ہیں، مفید ہیں اسلام اس تعریف (DEFINATION) کو رد نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ان تمام نیکیوں کو اپنے معیار پہ پرکھتا ہے۔ اور پھر اس کی منظوری دیتا ہے۔ اسی طرح منکر میں وہ تمام برائیاں آجاتی ہیں جنہیں تمام مذاہب نے برا کہا ہے۔ اور اسلام نے اپنی کسوٹی پہ جانچ کر اس کی ممانعت کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اسلام نے اپنی تعلیم اور دعوت، حضور علیہ السلام کی امت کے قیام و بقا اور تمام دنیا میں امن و سلامتی کے قیام کے لئے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کو اساس و بنیاد بنا کر ہر مسلمان کو یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے وہ اسے اپنی ذات پر نافذ کرے پھر اپنے گھر پر، پھر اپنے پڑوس میں علیٰ ہذا القیاس پھر تمام معاشرے پر نافذ کرے۔ تاکہ کہیں بھی ننگ، بھوک، افلاس اور بیماری نہ رہے اگر وہ اپنے اردگرد، برائیوں اور بیماریوں کو پنپتا ہوا دیکھتا ہے اور وہ غیر متعلق رہتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک حدیث بیان کرنا کافی ہوگی جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود پیٹ بھر کر سوتا ہے۔ اور اس کا پڑوسی بھوکے پیٹ رہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی عبادت قبول نہیں کرے گا

من حیث الجماعت بھی مسلمانوں پر اس اصول کو پھیلانا فرض ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

تم میں ایک جماعت ہونی چاہیئے جو دعوت خیر دے اور نیکی (معروف) کا حکم دے اور برائی (منکر) سے روکے۔

پھر آگے چل کر دوسری آیت میں فرمایا۔

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

تم سب سے بہتر امت ہو کہ تم اچھے کاموں (معروف) کا حکم دیتے ہو۔ اور برائی (منکر) سے روکتے ہو۔

ایک تیسری جگہ اس فرض کو اور نمایاں طور پہ بتلایا گیا ہے۔

وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداؕ

اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسطیٰ بنایا۔ تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ رہو، اور تمہارے لئے تمہارا رسول گواہ ہو"

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے خاص طور پہ مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق اور شرف خصوصی اس چیز کو قرار دیا ہے۔ کہ وہ دنیا میں خیر کے داعی ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو جہاں کہیں گھر میں، محلہ میں اور معاشرے میں دیکھتے ہیں۔ اسے روکتے ہیں۔ اور اسی لئے تمہیں امت وسطیٰ قرار دیا کہ تم اولین و آخرین کے لئے گواہ بن سکو کہ تم نے اپنا فرض دعوت بجا طور پر ادا کیا یا کیونکر؟ اور تمہارا رسول اللہ کہ آگے تمہارے اس کام کا گواہ بنے۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن یہی اصول "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" ہے۔ اور دنیا میں آداب و قانون کا انتساب بھی اس اصل عظیم "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" پر قائم ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان آیات سے کسی حتمی نتیجہ پر پہنچیں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی نشاندہی کریں کہ وہ کونسا ایسا گروہ ہے جو دعوت الی الخیر کی ذمہ داری پوری کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مختلف قسم کے معاشی، معاشرتی اور ہنر مند گروہ ہیں۔ پھر انسانوں کا باہمی تعلق ہے۔ جو خون یا کسی اور جذبے کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان سب کے اپنے فرائض و حقوق ہیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ کوئی کسی کا حق غصب نہ کرے۔ اور ہر کوئی اپنے فرائض و حقوق کو بجا طور پر ادا کرے۔ اگر انسانی معاشرہ میں یہ توازن و اعتدال قائم رہے تو "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کا اصول صحیح طور پر نافذ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے صحیح نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حضور علیہ السلام نے دنیائے انسانیت کو حقوق و فرائض کا ایک نظام اور لائحہ عمل دیا۔ اور تمام انسانوں کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے۔ مثلاً ایک مزدور کا یہ فرض ہے کہ وہ دیانت داری کے ساتھ اپنا کام کرے اور ایک سرمایہ دار یا کارخانہ دار کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی مزدوری ادا کر دے۔ اولاد کا یہ فرض ہے کہ اپنے والدین کی اطاعت کریں اور والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی صحیح تربیت کریں۔ ایک طالب علم کا یہ فرض ہے کہ وہ حصول علم کے لئے محنت کرے اور اپنے اساتذہ کی عزت کرے۔ استاد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے طالب علم کو دیانت کے ساتھ علم منتقل کرے۔ غرضیکہ عورت کے حقوق و فرائض، خاوند کے حقوق و فرائض، غیر قوموں کے حقوق، غیر مسلموں کے حقوق حتیٰ کہ اپنی جان اور نفس کے حقوق بھی متعین ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہونا تمام افراد کا فرض ہے۔

یہ حقوق و فرائض انسانوں میں باہمی طور پر قائم ہوں تو آداب و معاملات کہلاتے ہیں۔ اور جب یہی نظام کسی حکومت کے توسل سے قائم کیا جائے تو قوانین وجود میں آتے ہیں جن کا مقصد معاشرے میں امن و عدل کا قیام ہے۔ اس طرح اسلام نے ایک طرف حکومت کو معاشرے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اور دوسری طرف اس کا مقصد بھی واضح کر دیا۔ اور ساتھ ہی اس بات کی بھی صراحت ہو گئی کہ اسلام میں دین یا مذہب ایک وسیع تر مفہوم رکھتا ہے جس میں معاشرت، معیشت، اخلاق، سیاست، غرضیکہ جملہ امور دنیوی شامل ہیں۔ اور آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ مجموعی طور پر اسلام ایک وحدت کا نام ہے۔ جس کے مختلف وظائف و فرائض ہیں۔ جن سب کا مقصد "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" ہے۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا
عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور"

"اگر ہم ان لوگوں کو زمین پر متمکن کریں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اور معروف کا حکم دیں گے۔ اور برائی سے روکیں گے۔ اور سب کا انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے"

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والے تمام افراد پر اپنے اپنے حلقہ نفوذ دائرہ میں "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" فرض قرار دیا۔ اس تعلیم کو اصولاً تمام تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اصلی مسئلہ عمل کا ہے۔ اسلام "عمل" کا مذہب ہے۔ مذہبی تاریخ میں اصول و عقیدہ سے عمل کی جانب جو انقلابات ظاہر ہوئے۔ اس کی ابتدائی حالت بدھ مت میں نظر آتی ہے۔ اور آخری صورت سیدنا مسیح علیہ السلام کی زندگی اور تعلیم میں ملتی ہے۔ اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے جس کے بعد مذہب ایک خاص عملی قانون کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے مطابق "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کی جو تبلیغ و تعلیم امم سابقہ میں انبیاء علیہم السلام

کے ذمہ فرض تھی۔ وہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہر مسلمان پر فرض ہو گئی۔ خواہ اس کا تعلق حکومت سے ہو۔ کسی مذہبی یا تعلیمی ادارے سے، کسی صنعتی ادارے کا کارکن ہو، یا تجارتی تنظیم کا سربراہ، باپ ہو، یا بیٹا، استاد ہو، یا شاگرد، رعایا ہو، یا سربراہ مملکت۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کو انبیائے سلف کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ جس کا صاف مطلب نکلتا ہے کہ آپؐ کے بعد اب کسی اور نبی کی نہ تو گنجائش ہے۔ اور نہ ضرورت۔ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

یہ آیۂ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ حجۃ الوداع کے موقع پر تمام بنی نوع انسان کو آخری منشور عطا فرما رہے تھے۔ اس عظیم خطبہ کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس سے بہتر دستور نہ تو پہلے کسی نے دیا اور نہ ہی آج تک کوئی ادارہ تنظیم یا حکومت و شخصیت پیش کر سکی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

لوگو! خوب سن لو کہ میں نہیں جانتا کہ شاید پھر میں آپ لوگوں سے اس سال کے بعد اس جگہ مل سکوں۔ لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب"

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ۔ دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا"

"جاہلیت کے تمام خون، باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون! ربیعہ بن الحارث کا خون! باطل کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود۔ عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس ماہ اور اس شہر میں حرام ہے، میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ تو تم گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے؟ "اللہ کی کتاب" اور ہاں دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کہ لوگ اپنی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے"

"جان لو کہ مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہو گا۔ اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا۔ اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا"

"قرض قابل ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنا چاہیئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیئے اور جو کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے"

یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے۔ اور حقوق انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے جاری ہوئے اب چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ مگر اس سلسلے میں اس میں دی ہوئی ہدایات ہیں

اب تک دنیا کے کسی قانون اور ضابطہ میں اضافہ نہیں کیا جا سکا۔ اور نہ ہی آئندہ ممکن ہے۔ اسی لئے اس کی حیثیت دائمی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کو جو کچھ مراعات اور حقوق ملنا تھے۔ اسلام کے سایۂ عاطفت میں مل گئے آئندہ جو کچھ بھی ہوگا اس کی روشنی میں ہوگا۔

اب تک جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا مقصد انسان کی معنوی اور روحانی تربیت ہی نہیں۔ بلکہ مادی تہذیب و اصلاح اور ترقی بھی ہے۔ یہ ایک طرف انسانی نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے تابع بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کو صلاح و فلاح کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دوسری طرف اسلام کے احکام، اوامر و نواہی۔ معروف و منکر، انسانی زندگی کی ہر منزل اور ہر حالت کے لئے ہدایت و رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ یہ احکام ایک مکمل معاشی اور معاشرتی نظام میں مدون ہیں جو ایک ایسا قابلِ عمل نظامِ حیات ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر تاریخ کا زبردست اور حیران کن کارنامہ سرانجام دیا جا سکتا ہے جس کا مظاہرہ ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آج سے چودہ سو برس قبل ملتا ہے۔ اور اسی کا عکس جمیل ہمیں آپؐ کے صحابہ کرام میں بھی نظر آتا ہے۔ بلکہ بعد کی چند صدیوں میں بھی ملتا ہے۔

یہاں پر ایک اور نکتہ کی وضاحت کر دی جائے کہ یہ اسلام کی سیاسی قوت و طاقت نہیں تھی جس کے آگے قیاصرہ و اکاسرہ اپنے پُر غرور سروں کو جھکانے پر مجبور ہوئے۔ بلکہ یہ اسلام کے ان اخلاقی اصولوں، معاشرتی اقدار اور روحانی و مذہبی احساسات و کمالات کا فیضان تھا جس کے نتیجہ میں تاریخ میں پہلی بار عرب کے بادیہ نشین بحیثیت ایک قوم اور مذہبی جمعیت بن کر ابھرے اور بساطِ تاریخ پر چھا گئے۔

جن اصولوں اور قوانین فطرت کی طرف اسلام نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کی۔ وہ محض انسان معاش اور معیشت ہی کی نگرانی نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو تسخیر کائنات کا درس بھی دیتے ہیں اس کی روحانی بالیدگی اور اخلاقی سربلندی کے ساتھ ساتھ دنیا میں ترقی اور حصول علم و حکمت کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔ یہ اصول یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام نے سکھائے۔ لیکن چونکہ حضورؐ کی بعثت کے وقت دنیا سے ناپید ہو چکے تھے۔ اس لئے انہیں زندہ رکھنا مقصود تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آپؐ کے مشن کا مقصد یہی رکھا سب سے پہلے ہمیں اس کا اشارہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ملتا ہے۔ جو قرآن کے الفاظ میں اس طرح محفوظ ہے۔

"ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ۝"

"اے رب ہمارے! ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے بےشک تو غالب حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آپؐ کو مبعوث فرمایا۔

"کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم

الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔"

"جیساکہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور تم کو پاک کرتا ہے۔ اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے:

یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مرتبہ آیا ہے۔ ہم یہاں صرف ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔

"لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولًا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔"

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کو پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

اس آیت میں ایک خاص نکتہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر ہزارہا نعمتیں نازل فرمائیں اس کے کھانے، پینے، پہننے، آرام، بصارت، بصیرت، غرضیکہ ہر مقصد کے لئے ایسی ایسی چیزیں عطا فرمائیں کہ جن سے انسان کو تسکین و اطمینان ملتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے انسان پر احسان نہیں جتلایا۔ پھر اس کی معنوی تربیت کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ مگر احسان نہیں جتلایا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اپنے احسان کا اعلان فرمایا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے۔ جو صرف آپ کی ذات ستودہ صفات کے لئے مختص ہے۔ اور وہ ہے آپ کی شان رحمت للعالمین، اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ کسی نبی، کسی مرسل اور کسی پیغمبر کے لئے استعمال نہیں کئے۔ اس طرف آپ کی صفت رحمت تمام عالمین، عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم جنات و ملائک اور عالم انسانیت پر محیط ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپؐ نے ہر مخلوق کو اپنی شفقت و محبت اور رحمت و برکت سے نوازا۔ مثلاً زمین کا تعلق عالم جمادات سے ہے۔ رسولِ رحمت نے فرمایا۔ اس پر اکڑ کر مت چلو۔ نباتات کی پرداخت، تحفظ اور آبیاری کے لئے آپؐ نے بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ حیوانات کے متعلق فرمایا کہ ان پر ظلم نہ کرو۔ ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ ان کی دیکھ بھال کرو۔ ان کی خوراک اور چارے کا خیال رکھو۔ ان کی برداشت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو۔ اسی طرح بہت سی ایسی روایات بھی تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ جن سے تمام مخلوقات پر آپؐ کی رحمت و شفقت کا پتہ چلتا ہے۔

لیکن آیت بالا میں یہ احسان صرف مومنین پر جتلایا گیا۔ مفسرین نے اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔ ہماری سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ان کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا۔ جو خیر الامت ہے اور جس میں پیدا ہونے کی بڑے بڑے جلیل القدر اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام نے آرزو کی تھی۔ کیا یہ مومنین

پر احسانِ عظیم نہیں کہ جس منصب کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں نے دعا کی۔ وہ انہیں بغیر محنت اور طلب کے حاصل ہوا۔

عقاید و نظریات، نظام العبادات، ضابطۂ اخلاق و آداب اور اسلوبِ معاملات جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے۔ ان سب کا مقصد ایک نفیس، معتدل اور صحت مند معاشرے کا قیام تھا۔ معاشرے میں یہ اقدار و تصورات دو طریقوں سے نافذ ہوتی ہیں۔ ایک تبلیغ و عمل کے ذریعے سے اور دوسرے طاقت کے ذریعے سے۔ پہلا طریقہ عام طور پر انبیاء اور مصلحین استعمال کرتے ہیں۔ اور دوسرا ریاستیں اور حکومتیں جن کے پاس ہر قسم کی مادی طاقت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے دونوں طریقے استعمال کئے پہلے طریقے کا مظاہرہ آپؐ کی مکی زندگی میں خاص طور پر ملتا ہے۔ جبکہ آپؐ کے پاس کوئی طاقت اور وسائل موجود نہ تھے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ مدنی زندگی میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں یہ عنصر نمایاں نہ تھا یقیناً تھا۔ لیکن اس دوران میں چونکہ آپؐ کے مشن کی تبلیغ کے لئے دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ تیز جیسے آپؐ کے بعد اور وسیع ہوتا تھا۔ جیسا کہ بعد کی صدیوں میں ہوا۔ اس لئے آنے والے ادوار میں اسلام کی بنیادی معاشرتی اقدار پر مشتمل ایک وسیع معاشرے کے مستقل قیام کے لئے آپؐ نے ایک بے نظیر قابلِ تقلید ریاست۔ ریاستِ مدینہ کی تنظیم کی جو نبوت کے عظیم مقاصد میں سے تو نہ تھی لیکن آئندہ نسلوں کے لئے بطور نمونہ ضروری سمجھی گئی۔ اس طرح ہمیں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں معاشرتی اقدار، اصولِ حکمرانی، نظامِ سیاست و عدل، معاشی نظریات، تعلیم و تربیت کی اہمیت غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق مبادیات ملتی ہیں۔ جو اپنی جگہ ناقابلِ تبدیل حقائق ہیں۔ نہ ان میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ نہ کمی زندگی کے یہ اصول و مبادیات آج بھی موجود اور قابلِ عمل ہیں۔ اس لئے یہ بات بلاخوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان ہمہ گیر مستقل ہدایات کی موجودگی میں اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔

حرفِ آخر

اس سے قبل گزشتہ صفحات میں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ تاریخ انسانیت کو دو واضح ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور دوسرا بعثت کے بعد سے تاقیامت، دوسرے دور کو اب چودہ سو برس سے اوپر گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں انسان نے جو مادی اور عقلی ترقی کی ہے پہلے دور میں اس کے عشرِ عشیر کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ گزشتہ صفحات میں ہم تقریباً زندگی کے تمام اہم شعبوں پر تفصیلاً یا اجمالاً حسبِ ضرورت روشنی ڈال چکے ہیں۔ البتہ علم کا شعبہ ابھی تک ہماری بحث کا موضوع نہیں بن سکا ہے۔ حالانکہ دوسرے دور میں حیرت انگیز ترقی اسی شعبہ میں ہوئی۔ اسلام اور داعئ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم احسان ہے کہ آپؐ نے علم کے تمام شعبوں کو قرآن پاک کی معرفت روشناس کرایا۔ اللہ کی یہ کتاب تمام عجائبات قدرت کو "آیات اللہ" کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔ اور ان کے اسرار و خواص پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی کتاب میں تخلیق کائنات اور اپنے خالق ہونے کے ثبوت میں متعدد اشیاء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی غرض و غایت اور مصلحت بھی، نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ ان میں زیادہ تر ایسی اشیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے جو روزمرہ کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ مثلاً زمین کی ساخت، آسمان کی وسعت، سورج، چاند، ستاروں کی چمک دمک، ضیاء باری اور حرارت و توانائی

پھر ایسی چیزوں کا بھی بیان ہے جن سے انسان ہمہ وقت فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔ ان میں پانی، ہوا، گرمی، سردی، دھوپ، سایہ اور روشنی وغیرہ شامل ہیں۔

قرآن کریم پر غور کریں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب اشیاء میں فعل اور تاثیر کی نسبت اللہ تعالےٰ نے خود اپنی طرف کی ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ ان حیات کے اسباب وعلل اس نے اپنی مشیت اور ارادہ اور اپنے امر اور حکم سے بنائے ہیں۔ نیز ان تمام مظاہر و فطرت میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے اور تمام اشیاء میں حکمت وافادہ ہے۔ تاکہ انسان ان سے فیضیاب بھی ہو سکے اور علوم و فنون کا استنباط بھی کر سکے۔ مثلاً زمین کے بارے میں ارشاد ہے۔

"وفی الارض آیت للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون ۵"

"ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھنے والے ہیں زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم نہیں دیکھتے ؟"

زمین کی ہر چیز ہی میں نہیں۔ بلکہ آسمان کے ہر منظر میں، زندگی کے ہر تغیر میں فکر انسانی کے لئے معرفت حقیقت کی نشانیاں ہیں۔ بشرطیکہ وہ غفلت سے کام نہ لے۔

"وکاین من ایۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون ۵"

"اور آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں۔ لیکن لوگ ان پر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور گزر جاتے ہیں"

اگر انسان عقل وبصیرت سے کام لے اور کائنات میں تفکر کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اس کی ہر چیز میں حسن ترتیب اور توازن ہے۔ وہ ایک خاص نظام اور قانون کی پابند ہے۔ اور وہ حکمت ومصلحت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

"خلق السمٰوٰت والارض بالحق ان فی ذلک لایۃ للمومنین ۵ (۲۹:۴۴)"

"اللہ تعالےٰ نے آسمان اور زمین حکمت ومصلحت کے ساتھ پیدا کئے۔ بے شک ایمان والوں کے لئے ان میں بڑی نشانیاں ہیں"

پھر فرمایا:

"وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا (۳۸ ، ۲۷)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بغیر حکمت ومصلحت کے نہیں بنایا

ایک اور جگہ فرمایا۔

"وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لعبین۔ ما خلقنھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون (۴۴ : ۳۸-۳۹)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا بلکہ انہیں حکمت اور مصلحت کے ساتھ بنایا ہے لیکن

ان میں سے اکثر اس کا ادراک نہیں رکھتے۔

پھر جابجا اس کے اندر پوشیدہ حکمت و مصلحت کی تشریح کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز میں افادہ ہے۔ اور فطرت چاہتی ہے کہ جو کچھ بنائے اس طرح بنائے کہ اس میں وجود اور زندگی کے لیے نفع اور راحت ہو۔

"خلق السمٰوٰت والارض بالحق یکور الیل علی النہار و یکور النہار علی الیل و سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی ؕ" (۳۹ : ۵)

اس نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت کے ساتھ پیدا کیا (اس نے رات اور دن کے اختلاف اور ظہور کا ایسا انتظام کیا) کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر۔ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ یہ سب اپنے مقررہ وقت کے لئے حرکت میں ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اجرام فلکی کے افادہ و فیضان کی طرف توجہ دلائی۔

"ھو الذی جعل الشمس ضیآءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔ ماخلق اللّٰہ ذلک الا بالحق" (۱۰ : ۵)

وہ جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو روشن بنایا پھر (چاند) کی گردش کے لئے منزلیں ٹھہرا دیں۔ تاکہ تم برسوں کی گنتی اور اوقات کا حساب معلوم کر دو۔ بے شک اللہ نے یہ سب کچھ حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا۔

پھر ایسی چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن سے انسان روزمرہ فائدہ اٹھاتا ہے اور انہیں بقائے زیست کے لئے استعمال کرتا ہے۔

"فلینظر الانسان الیٰ طعامہٖ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا۔ فانبتنا فیہا حبا و عنبا و قضبا و زیتونا و نخلا و حدائق غلبا و فاکھۃ و ابا متاعا لکم و لانعامکم" (۸۰ : ۲۴ - ۳۲)

انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے۔ پہلے ہم زمین پر پانی برساتے ہیں۔ پھر اس کی سطح شق کرتے ہیں۔ پھر اس روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔ اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے خوشے سبزی ترکاری، زیتون کا تیل، درختوں کے جھنڈ قسم قسم کے پھل، طرح طرح کا چارہ، تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے۔

سورہ نمل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

"اور ان تمہارے مویشیوں میں بھی تمہارے لئے عبرت ہے۔ ان کے اجسام سے ہم خون و کثافت کے درمیان خالص دودھ پیدا کرتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لئے مشروب ہوتا ہے۔ پھلوں میں کھجور اور انگور پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے نشہ اور عرقؔ اچھی غذا دونوں حاصل کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس بات میں ارباب عقل کے

لئے بڑی نشانی ہے۔ اور پھر تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی جبلت میں یہ بات ڈال دی کہ وہ پہاڑوں درختوں اور بیلوں میں اپنے لئے گھر بنائے۔ ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے اور پھر اپنے رب کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو۔ اس کے شکم سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے۔ جس میں انسان کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں اہل فکر کے لئے بڑی نشانی ہے (۱۶ : ۶۸ - ۷۲)

ان آیات اور ان سے ملتی جلتی اور متعدد آیات قرآنی میں عقل انسانی کے لئے ایک کھلی ہوئی دعوت ہے۔ اور وہ دعوت یہ ہے کہ انسان ظواہر عالم پر نظر ڈال کر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت معلوم کرے۔ اس دعوت و تبلیغ نے عربوں کی حیاتِ عقلیہ کی نشو و نما میں بڑا کام کیا۔ اس سے ان کا عقلی معیار بلند ہوا۔ اور ان میں علوم سیکھنے اور تدوین کرنے کی خواہش و صلاحیت فطرۃً پیدا ہوگی۔ قرآن کریم میں دوسری قوموں کی تاریخ اور حالات جستہ جستہ بیان ہوئے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں ان قوموں کے معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی حالات معلوم کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اس طرح علم تاریخ کی بنیاد پڑی۔ پھر انہوں نے قرآن و سنت کو مرجع قرار دے کر جزوی و تفصیلی احکامات مستنبط کئے۔ اس سے ایک وسیع تحریک تشریح کی بنیاد پڑی۔ اس طرح اسلام کی دوسری تحریکات سے لسانی و لغوی تحریکات پیدا ہوئیں۔

علمی لحاظ سے اوائل اسلام میں قرآن کے عطا کردہ فکر نے سب سے پہلے حرکت دینی کو جنم دیا۔ جس کے نتیجہ میں تفسیر اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، مصطلحات الحدیث، اسماء الرجال، فن تجوید و قرأت، اصول درایت و روایت، غرضیکہ وہ تمام علوم جن کا تعلق براہِ راست مذہب سے تھا۔ اس تحریک کی بدولت پیدا ہوئے۔ دوسری تحریک، حرکت فلسفہ تھی۔ جس کے نتیجہ میں فلسفہ، منطق، علم کلام، طب، کیمیا وغیرہ علوم پیدا ہوئے۔ اسی طرح اوائل اسلام میں منظم علم تو نہیں۔ البتہ وہ بنیادیں فراہم ہو گئی تھیں جن پر انسان تمام علوم عقلی و نقلی کی نشو و نما کر سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک جتنے علوم بھی انسان کے نفع کے لئے وجود میں آئے ہیں یا آئیں گے۔ ان سب کے بارے میں قرآن کریم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مسئلہ صرف آیات قرآنی پر غور و فکر کا ہے۔ ماضی میں یہ کام مسلم ماہرین اور سائنس دانوں نے سرانجام دیا تو علم ان کی میراث تھا۔ لیکن جب مسلم اساتذہ اور مسلم دانش گاہوں، بغداد، قرطبہ غرناطہ، قاہرہ، نیشاپور وغیرہ سے تمام علوم مروجہ سیکھ کر اہل مغرب نے اپنے ایوانوں کو ان کی روشنی سے منور کیا تو علوم کے مراکز یورپ و امریکہ میں منتقل ہو گئے۔

بات مشرق یا مغرب کی نہیں۔ علم کسی کی میراث نہیں۔ یہ تو جام معرفت ہے۔ اسے جو بھی بڑھ کر اٹھا لے۔ یہ اسی کا حصہ ہے۔ جو بھی اس کا کسب کرے یہ اسی کا مقدر ہے۔ علم بہر حال، انسان کی میراث ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر نازل ہوا۔ اور انسان کی ذہنی اور عقلی ارتقاء کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ یہ کبھی بھی ایک قوم یا ملک میں محدود نہیں رہا۔ بلکہ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ محو سفر رہا۔ یہ کبھی اہل مصر کے پاس تھا۔ کبھی وادی دجلہ و فرات میں اس کی علمداری رہی۔ کبھی اہل بابل اس کے مالک رہے۔ کبھی فنیقیوں نے اس کی سرپرستی کی۔ کبھی اہل یونان نے اس سے اپنی بزم آرائی کی کبھی [illegible] اہبری نے اس سے اپنے قصور و ایوان روشن کئے اور کبھی اہل چین نے اس کے ذریعے طرح طرح کی حکمت آفرینیاں اور نکتہ چینیاں کیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ مسلمانوں میں منتقل ہوگیا۔ جنہوں نے اسے عظمت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ آج دنیا میں جو کچھ بھی ہے۔ اور جہاں کہیں بھی بہتر کمال دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ یہ سب انہی کا فیض ہے۔ انہی کی خوشہ چینی ہے آج کا انسان جو چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے یہ بھی انہی کا کرشمہ ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارا یہ آخری جملہ ہمارے بعض قارئین کو چونکا دے کیونکہ بظاہر تو روس اور امریکہ چاند ستاروں کی تسخیر میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے یہ تصور اسلام نے ہی دیا کہ "ہم نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا"۔ اصل بات نظریہ ہوتا ہے۔ پھر اس نظریہ پر کسی لیبارٹری یا تجربہ گاہ میں تجربہ کیا جاتا ہے۔ اس میں کامیابی کے بعد اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ بات تو ہم نے بتا دی کہ تسخیر کائنات کا نظریہ سب سے پہلے اسلام نے دیا اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا پہلا تجربہ اسلام نے کس طرح کیا۔

اس حقیقت کے ادراک کے لئے ہم آپ کو سن ۱۱ نبوی میں لئے چلتے ہیں۔ رجب المرجب کا بابرکت مہینہ تھا۔ اور ستائیسویں شب۔ ہر سو تاریکی کا راج تھا۔ تمام شہر مکہ محو خواب تھا۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم کعبہ کے مقام حطیم میں محو استراحت تھے کہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ اور آیت مبارکہ "ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد" (۲۸ : ۸۵) کی تکمیل کی درخواست کی۔ آپؐ نے حکم ربانی کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت جبرائیل کے ہمراہ براق جیسی برق رفتار سواری کے ذریعے مسجد اقصیٰ تک جا پہنچے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت ادا فرمائی۔ پھر آپؐ عالم بالا کی طرف روانہ ہوئے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ حتیٰ کہ آپؐ کو وہ عروج حاصل ہوا کہ آپؐ قاب قوسین او ادنیٰ کی بلندیوں تک جا پہنچے اور اپنے رب سے محو کلام ہوئے۔

اس واقعہ پر مسلم مفسرین، سیرت نگاروں، مؤرخین، متکلمین، دانشوروں کے علاوہ غیر مسلم ادیبوں، شاعروں اور مذہبی حلقہ کے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس سے متعدد روحانی اور مادی فوائد بھی مستنبط کئے ہیں۔ بعض نے اسے جسمانی معراج لکھا ہے اور بعض نے روحانی غیر مسلموں میں اکثر نے اس پر اعتراض کئے ہیں اور بعض نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر خیالی نظمیں بھی قلمبند کی ہیں۔ جیسا کہ دانتے (DANTI) کی (DIVINE COMEDY) ہیں نہ ان فوائد کا احاطہ کرتا ہے اور نہ ہی معترضین کے اعتراضات میں زیادہ طویل دلائل پیش کرنا ہیں۔ بلکہ موضوع کے اعتبار سے صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں۔ ایک تمام مسلمانوں سے اور دوسری تمام عالم انسانیت سے مسلمانوں سے یہ کہنا ہے۔ کہ وہ معراج شریف کا تذکرہ کرتے وقت ہبوط آدم علیہ السلام کا واقعہ کیوں بھول جاتے ہیں۔ یہ تمام مسلمانوں بلکہ اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہما السلام اپنے مادی اجسام کے ساتھ خلا سے کرۂ ارض پر نازل ہوئے۔ گویا کہ انہوں نے سب سے پہلا خلائی سفر کیا۔ جو بلندی سے پستی کی جانب تھا۔ اگر یہ ممکن ہے تو یہ کیسے ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مادی جسم کے ساتھ پستی سے بلندی کی جانب تشریف لے گئے ہوں لہٰذا یہ بات یقینی اور حتمی ہے کہ معراج جسمانی تھا۔

عام معشر الناس میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے۔ جو ہبوط آدم پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کی خدمت میں اور ان کے ساتھ ساتھ ماہرین نظریہ ارتقاء کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ طویل فاصلہ دقت ایک عقلی ارتقاء کا سفر ہے۔ خلد بریں حضرت آدم کے دل میں شیطان کا وسوسہ ڈالنا، شجر ممنوعہ کو چھونا اور اس کی پاداش میں زمین پر اترنا

ایک تاریخی حقیقت کے باوجود کیا اس کا یہ فعل انسان کے جذبۂ تجسس وارتقاء کی طرف اشارہ نہیں کرتا؟ اگر دیکھا جائے تو تجسس کیا، کیوں اور کیسے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی الفاظ یا جذبۂ تجسس تمام علوم کی کلید ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی جبلت کی وجہ سے شجرِ ممنوعہ یا اصل حقیقت کا ادراک چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہیں اپنا مسکن چھوڑ کر زمین کو مسکن بنانا پڑا۔ جہاں ان کی اولاد زندگی کے ہر دور میں دوسرے مشاغل حیات کے ساتھ ساتھ اصل حقیقت کی تلاش میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اس راز کا انکشاف ہوا اسی حقیقت کے اظہار کے لئے آپ کو معراج حاصل ہوا۔ جو انسانی عظمت وترقی کی انتہا ہے۔ یہی وہ تجربہ تھا جو حجاز مقدس کی لیبارٹری میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جس کا مظاہرہ آج کل روس اور امریکہ خلائی سیاروں کے ذریعے کر رہے ہیں۔ ان کے خلائی سفر سے واقعہ معراج کی تصدیق ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰےؐ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یہی واقعہ معراج دراصل ختم نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ جس اصل حقیقت کو جاننے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو باغ بہشت سے کرہ ارض کا سفر کرنا پڑا۔ اس حقیقت کا ادراک حضور علیہ السلام کو سفر معراج کے ذریعے ہوا۔ اس واقعہ کے بعد حضور پر تمام رازہائے سربستہ افشا ہو گئے۔ انسانیت اپنے بلوغ کو پہنچ گئی۔ کمال کی انتہا ہو گئی۔ علم و معرفت کی نعمت تمام ہوئی۔ اب نہ کوئی نبی آئے گا۔ نہ کوئی شریعت، نہ کوئی نیا منشور حیات وضع ہوگا۔ جو کچھ بھی ہوگا حضور علیہ السلام کی سنت اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا پرتو جمیل ہوگا۔ اب تمام انسانیت کو آپؐ سے ہی رہنمائی ملے گی۔ ہر شعبہ حیات میں، ہر حیثیت میں، ہر علم و خبر میں، زندگی کے ہر موڑ پر، ہر منزل اور ہر گام پہ آپؐ کی ذاتِ ستودہ صفات، مینارۂ نور کی طرح رہنمائی کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ۔ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ۔

حضورؐ بہ حیثیتِ مظہرِ تکمیلِ نبوّت و رسالت

سابق چیف جسٹس قدیر الدین احمد

عنوان کا تجزیہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پہلو پر مقالے بلکہ کتابیں لکھی جائیں تو لکھنے والا اپنا تھوڑا سا ہی حق ادا کر پائیں گے ختم نبوت پر سیکڑوں بلکہ ہزاروں مقالے اور بہت سی کتابیں تالیف کی جا چکی ہیں۔ مگر ساتویں قومی سیرت کانفرنس کے لئے وزارت مذہبی امور نے جو عنوان تجویز کیا تھا وہ میرے خیال میں عام عنوانات سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ عنوان یہ ہے کہ "آنحضرت مظہر تکمیل نبوت و رسالت تھے" اس کے تحت یہ عیاں کرنا لازم آتا ہے کہ خود اس ذات والا صفات سے یہ حقیقت کس طرح ظاہر ہے کہ نبوت و رسالت تکمیل کو پہنچ گئی اس زاویہ نگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ پیشین گوئیوں اور اقوال کی مدد سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیشین گوئیوں اور اقوال کی حیثیت تو زیادہ سے زیادہ معتبر گواہیوں کی ہے۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت خود مظہر تکمیل نبوت و رسالت تھے۔ بلکہ اگر گواہیوں کی ضرورت ہو تو نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ "عیاں را چہ بیان" یا یہ کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" اس کے علاوہ اس عنوان کے تحت کہ یہ بحث بھی زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتی کہ اسلام کے اصول دیگر ادیان کی اصولی ہدایات سے بہتر ہیں کیونکہ مقصد مقابلہ نہیں ہے جو چیز بمقابلہ دیگر اشیاء بہتر ہو اس کا خود کامل بھی ہونا ضروری نہیں ہے تیسری بات جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ تکمیل اور اختتام میں فرق ہے ایسی تعلیم ہو سکتی ہے جو ختم تو ہو جائے مگر مکمل نہ ہوئی ہو (مثلاً ہمارے ملک میں طالب علموں کی بہت بڑی تعداد تیسری چوتھی جماعت کی تعلیم کے بعد تدریس سے محروم ہو جاتی ہے یعنی ان طلبہ کی تعلیم تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ انسان کی بہت سی نسلیں بھی ایسی گذری ہیں جن کو محض ابتدائی اخلاقی تعلیم میسر آئی اور اس کے بعد ان کی تعلیم وہیں ختم ہو گئی۔ ایسی نسلیں دنیا کے ہر ملک میں گذری ہیں۔ علم الانسان (AN THROPOLOGY) کی تحقیق اس زمانے میں بھی خاص کر افریقہ اور آسٹریلیا کی ایسی اقوام کی نشاندہی کرتی ہے جو باعتبار اخلاق نہایت پسماندہ ہیں۔ کیونکہ جہاں ان کی تعلیم رک گئی اس سے بہتر تعلیم ان کو نصیب نہیں ہوئی یہی اختتام اور تکمیل کا فرق ہے۔ یہ فرق افراد کی تعلیم میں بھی پایا جاتا ہے اور اقوام کی تعلیم میں بھی۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں تو سارے کرہ ارض کا تصوّر ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اسی طرح ان تمام اقوام کا بھی خیال آجاتا ہے جو اس زمانے میں روئے زمین پر موجود ہیں۔ یا آج سے پہلے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں آباد تھیں۔ نبی اور رسول اللہ

کی طرف سے انسانیت کے معلم ہوتے ہیں چنانچہ خاتم النبیینؐ کا ذکر کر کے ہم نے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ کسی مدرسہ کالج یا قوم کی تعلیم کا نہیں۔ اس طرح ہمارے مضمون کی وسعت قوموں کے وجود اور ممالک کی حدود سے وسیع تر ہے

تعلیم کے لوازمات

مندرجہ بالا امور کو ذہن میں رکھنے کے بعد آگے بڑھیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ تعلیم کی بہت سی صفات اور خصوصیات ہوتی ہیں جن کا تعلق ہر قسم کی تعلیم سے ہے مثلاً ہر قسم کی تعلیم کی ابتداء اور انتہا ضروری ہوتی ہے کوئی طریقۂ تعلیم ایسا ذہن میں نہیں آسکتا جس کی ابتدا ہو نہ ہو اسی طرح تدریس کا کوئی ایسا منصوبہ بنانا ممکن ہی نہیں ہے جس کی کوئی آخری حد ہی نہ ہو البتہ یہ تو ممکن ہے کہ اختتام کی ایک حد کی بجائے متعدد حدود ہوں جیسا کہ آج کل تعلیم کے مدارج مقرر ہونے سے تعلیم کی ایک حد ابتدائی دوسری حد ثانوی پھر اسی طرح اور حدود مقرر ہو گئی ہیں مگر ایسا نظام تعلیم عقل سے بعید ہے جس میں شاگرد عمر بھر شاگردی ہی کرتے رہیں اور کبھی اس قابل نہ ہوں کہ اس علم کی مدد سے، جو انہوں نے حاصل کیا ہو، خود آگے بڑھ سکیں ایسی شاگردی جب ہوتی ہے تو اس کا اصل نام معلم کی محتاجی ہے۔ البتہ شاگردی اور طالب علمی ایک ہی چیز نہیں ہے شاگردی کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن طالب علم کے لئے مدرس کی موجودگی لازمی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کے لئے یہ ممکن بھی ہے اور مناسب بھی کہ ساری عمر خود علم حاصل کرتا رہے کیونکہ تدریس کے بعد علم تجربے اور از خود تحقیق و تدقیق کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ غور و فکر سے بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کو دیکھ کر اور سن کر بھی ہوتا ہے لیکن کسی باشعور شخص کے لئے عمر بھر شاگردی کرنا نہ تو عام طور پر ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی مناسب ہوتا ہے ممکن اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ عمر بھر کی شاگردی تھوڑے ہی انسان کر سکتے ہیں۔ مناسب اس لئے نہیں ہوتا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے اس میں خود اعتمادی باقی نہیں رہتی اور نہ وہ شاگرد کہلانے کا مستحق رہتا ہے۔ کیونکہ یہ تو محض استاد سے عقیدت مندی اور اس کی پیروی ہو جاتی ہے۔ حقیقی شاگردی حصول علم سے زیادہ صلاحیتوں کی تربیت کے لئے ہوتی ہے تاکہ شاگرد اپنے علوم کی حدود میں توسیع کرتا رہے اور جو کچھ اس نے سیکھا ہے اس میں چار چاند لگائے محض پیروی، اور نقالی کا نام شاگردی رکھنا درست عمل نہیں ہے جو استاد محض نقالی سکھاتے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں عادات و اطوار خیالات بلکہ طینت تک میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت بہترین تعلیم کے تصور کے قطعی منافی ہے۔ بہترین تعلیم دماغ کو معلومات سے پر ہی نہیں کرتی بلکہ زیادہ تر یہ کرتی ہے کہ ہر قسم کی صلاحیتوں میں بہتر قابلیت پیدا ہو جائے۔ اس بہتری میں سوچنا، سمجھنا، غور کرنا، نتائج نکالنا، حصول مقصد کے لئے نئے راستے تلاش کرنا اچھے برے کو سمجھنا، باریک اور نازک جو فرق ہوتے ہیں ان کو پہچاننا، اصل اور فرع میں تمیز کرنا، بکھرے ہوئے واقعات اور متفرق تجربات کو اصولوں کے رشتوں میں پرونا، دل و دماغ میں چمک اور رونق کا پیدا ہونا شامل ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بدلتے ہوئے حالات کے سامنے بے بس نہیں ہوتا بلکہ ان کو اچھی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے قابو میں کرتا ہے۔

بنی نوع انسان کی تعلیم کا انتظام

طریقۂ تعلیم کے مندرجہ بالا کوائف اور خصوصیات کے بیان کے بعد جب ہم بنی نوع انسان کی تعلیم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کا انتظام روزِ آفرینش سے کر دیا تھا۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ ساری چیزوں کے ناموں کا علم سکھانے سے مراد علم اشیاء کی تعلیم دینا ہے۔ جس میں رفتہ رفتہ دنیا کی ہر چیز کا علم شامل ہو جاتا ہے اس کے بعد جب حضرت آدمؑ کی لغزش معاف فرما کر انہیں اور ان کی بیوی کی جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا تو یہاں کے لئے بنی نوع انسان کی تعلیم کا ایک اور خاطر خواہ منصوبہ تیار کر دیا تھا۔ بلکہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۸ کے بموجب ان کو بھی مطلع فرما دیا کہ دیا :

"پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہ ہوگا۔"

تعلیم کا یہ منصوبہ بموجب مشیت ایزدی اسی وقت سے پورا ہوتا رہا۔ جب سے انسان کرۂ ارض پر بطور ایک اعلیٰ ترین مخلوق، خدا یا خلیفہ ظاہر ہوا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ہادی، نبی اور پیغمبر روئے زمین پر بھیجے اور ہم کو کلام پاک کے ذریعے بتا دیا کہ ان کا ورود ہر زمانے، ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ کیجئے۔ سورۂ یونس کی آیت نمبر ۴۷ میں ارشاد الٰہی ہے کہ،

"ہر امت کے لئے ایک رسول ہے پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آ جاتا ہے۔ تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے۔"

سورۂ رعد کی آیت نمبر ۷ میں مزید خبر دی گئی ہے کہ :

"اے نبی! تم تو محض خبردار کر دینے والے ہو۔ اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔"

ہر ایک رہنما نے اپنی قوم کو تعلیم دی ہے لیکن سوائے رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور رہنما کی نظر کل بنی نوع انسان کی تدریس برادرِ خدا کے اس تعلیمی منصوبے پر نہیں تھی جس سے آنحضرت نے عالم انسانیت کو آگاہ کیا ہے کسی اور رہنما نے یہ نہیں بتایا کہ خدائے تعالیٰ جو کائنات کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر زمانے کے انسانوں کی تعلیم اور ساری انسانیت کی بتدریج تعلیم کا ذمہ بھی لے چکا ہے۔ دیگر مذاہب کے محدود طرز کے برعکس سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۲۴ تا ۲۵ میں صاف فرمان موجود ہے کہ :

"اے نبی! تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو، ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر، اور کوئی ایسی امت نہیں گذری جس میں کوئی تنبیہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

اب اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل اور صحیفے اور روشن ہدایات دینے والی کتاب لیکر آئے تھے۔"

فقط اسلام ہی نے بتایا ہے کہ انسان کی تعلیم کا ایک عظیم اور ہمہ گیر انتظام خداوندی ہزاروں برس سے ٹُرے زمین پر جاری ہے جتنے نبی اور رسول دنیا میں آتے ہیں ان سب کے نام اور ان کی پوری تعداد ہم کو بتائی نہیں گئی ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر تک نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ :

"اے نبی! تم سے پہلے ہم بہت سے نبی بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا" (المومن نمبر ۴۰۔ آیت ۷۸)

تاہم جتنی خبر ہم کو دے دی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ہادی اور رہبر نہیں آئے اس لئے یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں کی ہوگی وہ سب اپنے وقت اور اپنے ملک کے حالات اور اپنی قوم کی استعداد کے مطابق ابتدائی تعلیم بھی دیتے ہوں گے اور شائد ہی اور اعلیٰ بھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سارے رسولوں کی شریعت ایک ہی ہوتی۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس حقیقت کو اپنی معرکۃ آلآرا کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کی جلد نمبر ایک کے سولہویں باب میں اپنے انداز خاص سے یوں بیان فرمایا ہے کہ :

" کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَانٍ " (اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ) ہر دن وہ ایک نرالے رنگ میں جلوہ فرما ہوتا ہے اس شان سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تقاضہ سے ادوار عالم میں تغیر آتا رہتا ہے اور ہر ایک دور کے احکام دوسرے سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ ہر دور میں حق تعالیٰ اسی دور کی مناسبت سے اپنے احکام نافذ فرماتا ہے۔"

...... اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک نئی شریعت نازل ہوتی ہے جو اس وقت کے حالات حاضرہ کے لحاظ سے عین مصلحت ہوتی ہے۔"

اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ جب دنیا کے حالات بدل رہے تھے تو شریعتیں بھی بدلتی رہتیں تاکہ انسان کو اس کی حسب ضرورت ہدایات مہیا کریں اس میں بھی شک نہیں کہ مجموعی طور پر انسان کے دنیاوی اور روحانی حالات بہتر سے بہتر ہو رہے تھے دنیاوی ترقی کی شاہد تاریخ عالم ہے اور روحانی ترقی کا ثبوت یہ ہے کہ صنم پرستی کی طرف سے انسان خدا پرستی کی طرف آرہا تھا چنانچہ شریعتوں میں جو تغیرات کے لحاظ سے تبدیلیاں ہورہی تھیں جیسا کہ کمال تدریس کا مانا ہوا اصول ہے۔ خدائے عزو جل نے تدریس انسانیت میں بھی تعلیم کی دوسری صفات اور شان برقرار رکھی ہے جو تعلیم کا حق ہے مثلاً یہ بھی اعلان کیا کہ :

"اے نبی! ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لئے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو" (سبا (۳۴) آیت نمبر ۴۶)

سچی اطاعت کے نتیجہ میں تکمیل تعلیم کا وعدہ بھی ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ :

"جو ظالم ہیں ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی تو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں " سورۃ البقر (۲) آیت ۱۵۰)

ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ تکمیل نعمت کا یہ وعدہ زیبِ داستان کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کو پوری احتیاط کے ساتھ پورا کیا گیا۔

بنی نوع انسان کی تعلیم میں ارتقاء کا تصوّر

یہ بنی نوع انسان کی تعلیم کا ایک عالمگیر انتظام تھا جس میں ارتقاء کا تصور موجود تھا۔ دراصل ہر تعلیم میں ارتقاء کا تصور لازم ہے کیونکہ تعلیم کی ابتدا ہمیشہ سادہ اور مختصر ہوتی ہے۔ ہر ایک بچہ پہلے اَ بَ تَ پڑھتا ہے۔ اس کا علم بڑھتا جاتا ہے۔ بنی نوع انسان نے بھی اسی طرز سے پہلے "علم اشیاء" حاصل کیا اور دریائے علم میں آگے بڑھتا رہا۔ جدید مؤرخین متفق ہیں کہ انسان کا علم بہت ہی کمتر درجے سے شروع ہو کر برابر بڑھتا رہا ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کے رہبر بھی اس کو ہر زمانے کے تمدن کے معیار کے مطابق ملتے رہے روحانی تعلیم بھی اس کے ذہن اور اس کی صلاحیت کے لحاظ سے اس کو فطرت یا قدرت کی طرف سے بتدریج ملتی رہی۔ انسانی تہذیب کی تاریخ بہت سے مؤرخین نے لکھی ہے جن میں سے ہم بآسانی ابن خلدون، لوئیتی اور گرد بر کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ نسل انسانی نے کس طرح علم، ہنر، معاشرت، اور صنعت و حرفت میں ترقی کی ہے۔ دنیا کا وجود لاکھوں برس سے ہے۔ لیکن انسان کی محض پانچ ہزار برس کی تاریخ کا ہم کو علم ہے اس سے پہلے کی تاریخ ایک خیالی کہانی ہے۔ جسے اہل علم نے سوچ بچار کے بعد تیار کیا ہے۔ اور اپنے گمان سے ابتدائی تاریخ کو پتھر، تانبے اور لوہے کے زمانوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد کی تاریخ میں مختلف قسم کے واقعات کا بیان ہے۔ پہلے قدیم ممالک۔ جیسے مصر، بابل، چین ہند، یونان اور روم کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر تاریخی لحاظ سے مغرب کے تاریک زمانوں کا، جبکہ مشرق وسطیٰ میں اس وقت اسلام کی بدولت روز روشن کا سماں تھا۔ انسانی تہذیب و تمدن کی جو تاریخیں ہمیں ملتی ہیں۔ ان کے ابتدائی حصے خیال آرائی۔ دفن شدہ عمارتوں، ٹوٹے پھوٹے برتنوں، زیورات اور ہتھیاروں کے ٹکڑوں اور مذاہب کی کتابوں کی مدد سے تیار کئے گئے ہیں انہی تاریخوں میں انسان نے جو دینی اور دنیاوی علوم حاصل کئے ہیں ان کی تاریخ بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداء سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو تعلیم دی اس کی تاریخ بھی اسی میں ہے اور نہایت نامکمل حالت میں میسر ہے ابتداء میں جو نبی اور رسول آئے اور اللہ کی طرف سے ہدایات لائے ان کی اصل کتابیں انسان نے ضائع کر دی ہیں۔ ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ شروع میں انہوں نے کیا کیا ہدایات اور کیا کیا تعلیمات دیں۔ ان میں ایس

کا کیا فرق تھا اور ہر ہادی کے زمانے میں کیا ترقی ہوتی رہی۔

ان کا ایک سلسلہ تو مشرق وسطیٰ میں ظاہر ہوا جو حضرت آدمؑ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے دیگر سلسلے دوسری اقوام، ممالک اور زمانوں میں پائے جاتے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی گوشۂ ارض ایسا نہیں رہا جہاں ہادی پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات ہی نہیں کیونکہ باشعور انسان میں روحانی "تلاش یا کم از کم امنگ اور ایچ پائی جاتی ہے۔ یہ آرزو خوف اور امید کے زیر اثر بڑھتی رہتی ہے۔ ان احساسات اور جذبات کی رہبری کرنا انسان کی روح اور اس کے ضمیر کی مدد کرنا تھا جس کی ذمہ داری اللہ تبارک تعالیٰ نے لے لی تھی اور جسے اس نے ہزاروں ہادی اور رہبر بھیج کر پورا کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں جو بھی قوم کسی ملک میں نمودار ہوئی اس کا رہبر ضرور ہوا۔

ایشیا، یورپ اور افریقہ میں تو بڑے بڑے رہبر اور ہادی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن امریکہ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کو وہ روحانی عروج حاصل نہیں ہوا وہاں جو یورپین جا کر آباد ہوئے وہ اپنے اپنے اعتقادات میں مصروف رہے جب وہاں کی روحانی تاریخ لکھنے کا وقت آیا تو ان مصنفین کی دلچسپی روحانیت سے ہٹ کر علم البشریت اور حیاتیات کی طرف منتقل ہو گئی تھی اس کے برخلاف ہم مشرق وسطیٰ میں روحانی "تاثرات اور ان کی گہرائی کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم اور برگزیدہ شخصیتوں کی کار فرمائی دیکھتے ہیں، چین میں کنفیوشس، ہندوستان میں گوتم بدھ، سری کرشنا اور رام چندر، ایران میں زرتشت، یونان میں ارسطو، سقراط اور بقراط کے اثرات موجود ہیں یہ ان چند بزرگوں میں سے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ عظیم کتب الٰہی کے ظہور کا یا بڑے بڑے مکاتب خیال کی وابستگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ نہ بدھ مت اور نہ ہندو مت، نہ زرتشت یا پارسی مت نہ صحیفہ ابراہیمی نہ داؤدی نہ سلیمانی نہ موسوی، نہ عیسوی اب دنیا میں اصلی حالت میں موجود ہے۔ صحیفہ ابراہیمی، داؤدی اور سلیمانی تو قطعی مفقود ہیں۔ بعض کے اجزا ترتیار کر کے اور ان کو ادل بدل کر جو کتب بنا دی گئی ہیں ان ہی کو ابتدائی کتابیں سمجھا جاتا ہے ہندو مت کی کتب مثلاً وید اور اپنشد کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو کس نے تیار کیا یا کرایا تھا توریت اور انجیل کے متعلق بھی پورے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی اصلی شکل کیا تھی اور وہ کس زبان میں تھیں۔ یہ بھی خبر نہیں کہ اصلی کتابیں گئیں کہاں۔ مختصر یہ کہ ساری کائنات اور سارے مذاہب کی تاریخ میں فقط ایک کتاب "قرآن" ہے۔ جس کو شروع سے خدا کی کتاب کہا گیا۔ اور جو اصلی زبان میں بلا رد و بدل اس وقت بھی موجود ہے۔ بس اس کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور جس کو آنحضرت نے خدا کا پیغام فرما کر ہمارے درمیان چھوڑا ہے۔

یہ تو ان مذاہب کا ذکر ہے جو دنیا کے سب سے زیادہ مشہور مذاہب ہیں جو مذاہب مٹ گئے اور ان کا

نام ونشان تک باقی نہیں، رہا ان کا ذکر ہی بیکار ہے وحشیوں کے وہ مذاہب جو محض توہمات اور رسوم کا مجموعہ ہیں وہ بھی قابل ذکر نہیں ہیں یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ اعلیٰ ترین مذاہب کون سے ہیں۔ اور نچلے درجے سے کون سے سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ اس کی پہچان آسان ہونے کے باوجود اختلافات سے مفر نہیں ہے۔ بعض مذاہب ایسے ہیں۔ جن میں جادو ٹونے، لمبے لمبے رسوم، توہمات، ہر بات پر کفارے، ہر بات پر نذرانے، سزا اور جزا کی بے یقینی کی وجہ سے اس قدر خوف وہراس کہ کسی اچھے عمل کے نتیجہ کی امید نہیں رہتی، روح کو کارخانہ قدرت سے ہم آہنگی نصیب نہیں ہوتی اس لئے نہ دل کو سکون ہوتا ہے اور نہ قادر مطلق سے ہم رشتگی پیدا ہوتی ہے ایسے مذاہب اعلیٰ درجے کے مذاہب کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ توہمات اور بے اصولی طریق زندگی کے نمونے ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس جدید دنیا سائنسی رجحان رکھتی ہے اور اسباب وعلل نیز دینی اور دنیاوی منازل کی تلاش میں رہتی ہے اس خواہش اور ضرورت کو اہل مذاہب میں سے مغرب کے یہودیوں نے اور مشرق بعید میں بدھ مت کے جدید پیروکاروں نے سب سے زیادہ سمجھا ہے! اس زمانے میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اب روحانی تسکین کی تکمیل کے لئے دنیاوی عمل بھی ضروری ہے کیونکہ مشیت ایزدی اپنے بنائے ہوئے قانون یعنی قوانین قدرت کے مطابق ہوتی ہے اس کے برعکس وہم اور وسواس، ٹونے اور ٹوٹکے قوانین قدرت کی وقعت کو کھو دیتے ہیں۔ آنے والے زمانے میں ان کا مقام کم سے کم تر ہونا لازمی ہے آج کل کی دنیا نے قوانین قدرت کی جو کرامات دیکھی ہیں ان سب سے بڑھ کر کوئی منی یا رمشی کیا دکھائے گا۔ ریڈیو اور ٹی وی کے کمالات چاند پر چل پھر کر واپس آجانا۔ پانی کو اس طرح گرم کرنا کہ برتن ٹھنڈا ہی رہے۔ بڑے بڑے حسابات کی الجھی ہوئی یادداشتوں کے خلاصے ایک بٹن دبا کر بتا دینا۔ ان کے علاوہ ایسی بے پناہ طاقت جس کے آگے سینکڑوں دیو اور جن مجبور اور عاجز ہوں یکسر موجود ہیں۔ صدیوں پہلے کچھ بھی ہوا ہو اس زمانے میں کوئی مذہب خصوصاً کوئی نیا مذہب کسی بازیگر یا نظر بندی کے کمالات سے کامیاب نہیں ہو سکتا اب وہ طریقے قابل غور نہیں ہیں۔ آج کل اور آنے والے وقتوں میں جو چیزیں غور طلب ہو سکتی ہیں وہ اصل دین اور مقصد دین ہے۔

فی الوقت غور وخوض کے لئے جو مانے ہوئے اعلیٰ درجے کے مذاہب ہیں ان کی تعداد تین ہے۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام لیکن ہندو مت اور بدھ مت کے پیروؤں کی اس قدر کثیر تعداد ان کو سچا مذہب مانتی ہے کہ ان کو بھی بڑے بڑے مذاہب میں شامل کر لینا مناسب ہے بعض لوگ سنتو طریقوں کو بھی مذہب کہتے ہیں مگر اس میں روحانیت سے زیادہ دیو مالا پایا جاتا ہے اور وطنیت کا تصور ہے۔ پارسی مذہب یا مجوسیت کا اثر دنیا کے اعتقادات پر بہت گہرا پڑا ہے۔ اس لئے اس کو میں نے اپنی فہرست میں شامل کر لیا ہے اس طرح کل چھ عظیم ترین مذاہب اس وقت دنیا میں رائج سمجھے جاتے ہیں۔

۱: ہندو مت جو ۳۵۰۰ برس ہوئے کہ دنیا میں آیا۔

۲: یہودیت " ۳۴۰۰ " " " " " " " "

۳ : پارسی مذہب جو ۲۶۰۰ برس ہوئے کہ دنیا میں آیا۔
۴ : بدھ مت " ۲۵۰۰ " " " " " " "۔
۵ : عیسائیت " ۲۰۰۰ " " " " " " "۔
۶ : اسلام " ۱۴۰۰ " " " " " " "۔

آخری پیغام ہونیکا دعویٰ اور اس کی نوعیت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ کرتا ہے کہ اسلام دنیا کے اعلیٰ ترین مذاہب میں سے ہے بلا مبالغہ ہر ایک فلسفی، ماہر مذہبیات اور مورخ اس حقیقت کا قائل ہے کوئی انسائیکلوپیڈیا، کوئی مستند تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس میں آپ کو یہ امر تسلیم شدہ ملے گا کہ اسلام دنیا کا ایک عظیم ترین مذہب ہے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک سیکڑوں چھوٹے بڑے مذاہب دنیا کے مختلف خطوں اور گروہوں میں ظاہر ہوئے جو تھوڑے انسانوں کے گروہوں اور محدود علاقوں میں اثر پذیر رہ کر معقود ہو گئے۔ فی زمانہ دنیا میں جن مذاہب کا بول بالا ہے۔ ان میں مغربی اطلاعات کے مطابق معتقدین کی تعداد میں پہلا نمبر عیسائیت کا ہے، دوسرا اسلام، تیسرا نمبر ہندو مت کا اور چوتھا نمبر بدھ مت کا ہے باقی مذاہب کے پیروؤں کی تعداد مقابلتاً کم ہے۔ لیکن موتمر اسلامی کی تحقیق کے مطابق مغربی اطلاعات اس معاملہ میں ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ جو تعداد ان سے ظاہر ہوتی ہے اس سے مسلمانان عالم کی اصلی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اتنی زیادہ کہ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کی تعداد کے لگ بھگ ہے

جوش و خروش کے لحاظ سے آج کل یہودیت اور اسلام سب سے آگے ہیں۔ یہودی صدیوں تک سرنگوں رہنے کے بعد اب یکایک سیاست کے میدان میں ایک عیسائی ملک یعنی امریکہ کے ایجنٹوں کے طور پر کارنامے دکھا رہے ہیں۔ عیسائیوں نے مذہبی تعلقات سے درگزر اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اب ان کو مذہب سے زیادہ اپنی صنعت و حرفت میں کمال حاصل کرنے اور اپنے جمہوری طرزِ حکومت پر فخر ہے۔ بدھ مت سوائے چند فعال پیروؤں کے عام طور پر صدیوں سے خاموش تماشائی ہے اور ہندو مت کا تعلق آج کل سوائے چند اقسام کے سماجی مسائل کے جیسے گاؤ کشی اور فرقہ وارانہ فسادات، باقی سب طرح سیکولرازم کو مناسب حال گردانتا ہے۔ یہودی مذہب مقابلے میں کسی کا مدمقابل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے عقائد میں مذہب کی تبدیلی کا اصول ہی نہیں ہے۔ کوئی شخص جو یہودی نسل سے نہیں وہ یہودی نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس اسلام مذہبی لحاظ سے بھی سارے دیگر مذاہب کا مدمقابل ہے اور سیاست کے میدان میں بھی تمام مذاہب سے زیادہ سرگرم عمل ہے بظاہر سیاست میں سب سے زیادہ کامیاب عیسائی ہیں۔ مگر انکے نزدیک اور باقی ساری دنیا کی نظر میں یہ کامیابی عیسائیت کی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی ہے۔ جس میں ان کے قریب ہی اشتراکی روس بھی ہے مغربی تہذیب کی بنیاد مذہب نہیں بلکہ صنعت کاری ہے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کے ساتھ تاریخی لحاظ سے اسلام سب سے آخر کا عظیم مذہب ہے اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وہ اللہ کا آخری پیغام ہے یہ دعویٰ کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے اور اس پر مسلمان فخر کرتے ہیں یہاں تک کہ جب علامہ اقبالؒ انہیں عمل پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ:

بے خبر تو جوہر آئینہ ایّام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

جب کسی مسلمان کو خداوند تعالیٰ کی یہ آخری امانت یاد آجاتی ہے تو اس کے دل میں احساس تشکر اور فخر کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور وہ اپنی ہستی کو دنیا پر اللہ کا احسان سمجھنے لگتا ہے اس کی زبان پر بے ساختہ وہ کلمے آکر الفاظ کی کمیابی سے رک جاتے ہیں جن کو اقبال کی نوا سنجی اس کے اپنے ہی دل کی آواز بنا دیتی ہے وہ جھوم جھوم کر پڑھتا ہے کہ:

۱۔ دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا
۲۔ حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا
۳۔ میری ہستی پیرہن عریانیٔ عالم کی ہے
۴۔ میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدمؑ کی ہے

اس سے پہلے کہ اس دعویٰ کی اسناد پیش کی جائیں یا وجہ افتخار کو بیان کیا جائے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ کسی اور مذہب نے جو دنیا میں آیا کبھی اعلانیہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا آخری پیغام لے کر آیا ہے۔ کسی کے لئے اب سے چودہ سو برس پہلے یہ دعویٰ کرنا بھی ناممکن تھا کیونکہ ہر قدر و قامت کے مذاہب کی کثرت دیکھ کر کس کو ایسا خیال آسکتا تھا کہ اس کا مذہب آخری ہے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا بھی تو جلد ہی دنیا کے واقعات اس کی تردید کر دیتے۔ بڑے سے بڑا مذہب بھی ایسا دعویٰ کرتا تو خود اسلام کا ظہور اس کو مٹا دیتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ آخری مذہب ہونے کا دعویٰ کرنے سے کسی کو فائدہ بھی کیا تھا جبکہ آخری ہونے کے اوصاف ہی کی مدعی کو خبر نہ تھی میں نے ہنود کو سب سے پرانے مذہب کے پیرو ہونے پر فخر کرتے دیکھا ہے یہودی اس پر فخر کرتے ہیں کہ عیسائیت اور اسلام جیسے عظیم مذاہب اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے اسلام اس سے کلیتہً انکار نہیں کرتا، مگر اللہ کا آخری پیغام ہونے کو اس سے بہت بڑا وصف سمجھتا ہے یہ ایک حیرت انگیز قسم کا جرأت مندانہ اقدام تھا کہ آج سے ایک ہزار چار سو برس پہلے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسلام نے یہ اعلان کر دیا کہ اب کبھی اللہ کا پیغام انسان کے لئے بذریعہ وحی نہیں آئے گا۔ کوئی دعویٰ اپنی سچائی کا خود ثبوت نہیں ہوتا۔ لیکن بعض دعوے نادر و نایاب ہونے کی حیثیت سے حیرت انگیز ہوتے ہیں یقین نہیں آتا کہ ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت جو ایک پیش گوئی بھی ہے بغیر کسی مضبوط بنیاد کے کی گئی ہوگی۔ اگر تائید غیبی شامل نہ ہوتی تو اس دعویٰ کے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہاں ضرورت تھی تو اس لئے کہ مشیت ایزدی کو نوع انسان کے واسطے ایک آخری چارٹر اور خوش خبری کا اعلان کرنا تھا۔ ورنہ خود رسول خدا کو توان

کے معتقد سارے گذرے ہوئے بڑے بڑے نبیوں اور رسولوں کی امتوں کی طرح سب سے بڑا ہادی مانتے ہی رہتے یہ حقیقت اس حد تک عیاں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کے آنے کی خبر دیدی تھی پھر بھی یہودی اپنے ہی پیغمبر کو آخری رسول تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اطلاع دیدی تھی۔ پھر بھی عیسائی اپنے ہی نبی کو آخری نبی گردانتے ہیں ان حالات میں پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا قرآن کریم نے واقعی اپنے متعلق آخری پیغام خدا ہونے کا دعویٰ کیا بھی تھا کہ نہیں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ دعویٰ کیا تھا اور صاف صاف الفاظ میں کیا تھا۔ سورہ نمبر ۳۳ (الاحزاب) کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد الٰہی ہے کہ :

"محمدؐ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔"

کتاب احادیث میں بموجب متعدد روایات خود رسول اللہؐ کی زبانی ایسے کلمات موجود ہیں جو اسلام کے اس مرتبہ کی تائید کرتے ہیں۔ یک بہت صاف اور صریح روایت ترمذی شریف میں یہ ہے کہ :

"بیشک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی۔ میرے بعد نہ کوئی رسول اور نہ کوئی نبی ہے۔"

مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی تالیف "ختم نبوت کامل" میں ننانوے آیات قرآنی اور دو سو لو احادیث ختم نبوت کی تائید میں نقل کر کے دعویٰ احمدیت کی تردید فرمائی ہے۔ احمدیت کے خلاف ان کا طریقہ تکلم اس وجہ سے صحیح ہے کہ احمدی عقیدے کے لوگ کلام پاک اور رسالت دونوں کو سچا مانتے ہیں مگر اپنے نبی کو مستثنیٰ اقرار دیتے ہیں لیکن ان اسناد کو زیر نظر تحریر میں دہرانے کی اس وجہ سے ضرورت نہیں ہے کہ دعوے کی تائید میں مدعی کے اپنے کلمات دعویٰ کی تکرار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کلام پاک اور احادیث ہی میں تو ختم نبوت کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کی تائید میں انہی احکام اور اقوال کو پیش کرنے سے بات آگے نہیں بڑھتی اس وقت ہمارا مقصد عقل اور تاریخ کی مدد سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے اور سچا ہے کہ انسانیت کے لئے قرآن اللہ کا بھیجا ہوا مکمل دستور ہے جس کو اس کا سب سے بڑا اور آخری سفیر لیکر آیا۔ اس کے بعد اللہ کا کوئی اور پیامبر نہ آیا اور نہ آئے گا۔ اس بید صرف دعویٰ کو دیکھ کر ایک تعجب خیز حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ ایسا دعویٰ اسلام سے پہلے کسی اور مذہب یا اس کے رہبر نے کیا تھا تو کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ آخری پیغام کی جو صفات ہیں ان کا تصور بھی پہلے کے ادوار میں ودیعت نہیں ہوا تھا؟ نہ ایسے پیغام کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا تھا نہ گذشتہ معتقدات واقعتاً انسان کے لئے آخری مذاہب تھے، نہ ان کے ماننے والوں کو ہی ایسا خیال آیا تھا۔

آخری پیغام کی چند خصوصیات

یہ کہنا تو آسان ہے کہ گذشتہ ادوار میں اس کی خبر ہی کسی کو نہ تھی کہ آخری پیغام کی کچھ صفات بھی ہوتی ہیں لیکن ان صفات کو پوری طرح سے پہچاننا اب بھی آسان کام نہیں ہے کیونکہ کوئی انسان اس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا کہ جو وہ دیکھتا ہے، جانتا ہے، قیاس کر سکتا ہے، اندازہ کر سکتا ہے اور تصور کر سکتا ہے نیز ان ذرائع کی مدد سے جو نتیجے نکالے جاتے ہیں ان کی صحت کا بھی تو یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً ہر مذہب کے اب بھی ایسے پیرو موجود ہیں جو

سختی سے قواعد کی پابندی کروانے کو اپنے مذہب کی بقاء کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کو اس سے سروکار کم ہے کہ قواعد میں کوئی روح باقی بھی رہی ہے یا نہیں۔ حالانکہ رسوم اور الفاظ پر اس قسم کا اصرار اعلیٰ روحانیت کی گواہی نہیں دیتا۔ جتنے ابتدائی مذاہب تھے ان میں لفظی اور رسمی پابندیوں کی فراوانی تھی وہ رسم و رواج، جادو ٹونے، الفاظ کو اس طرح اور اس طرح دہرانے کے قائل تھے بلکہ اس کام میں بھی مشین کی طرح الفاظ اور رسوم کے اول و آخر کی پابندی قائم رکھنے کو اصل مذہب سمجھتے تھے۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس افتاد فکر میں یکسر انقلاب آگیا۔ معبود حقیقی نے بتایا کہ اس کی پرستش کی روح ظواہر نہیں بلکہ پاک زندگی ہے۔ آج سے چودہ سو برس پہلے خدائے علیم نے حتمی اعلان فرمادیا کہ:

اللہ کو تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری نیکیاں پہنچتی ہیں۔

(الحج (۲۲) آیت نمبر ۳۷)

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم (نماز کے لئے) اپنے چہرے مشرق کی طرف کردیا مغرب کی طرف۔

(البقرہ (۲) آیت نمبر ۱۷۷)

اسلام کی یہ شعاعیں ہر ایک نمائش اور بناوٹ کو جلا دینے والی ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ میں عزت و احترام حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نیک اور پاک زندگی ہے۔ رنگ، پیشہ، نسل، جاہ، منصب، وطن اور طرح طرح کی گروہ بندیوں سے جو امتیازات پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو جاتے ہیں کس قدر مختصر اور کھلا ہوا ارشاد ہے:

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"

(سورہ نمبر ۴۹ آیت نمبر ۱۳)

تقویٰ کو اصطلاحی حجتوں سے بلند کرنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہمیشہ بلند ترین تصور پیش کرتا رہے گا جس کو معتبر راویوں نے آنحضرتؐ سے منسوب کیا ہے اور جو بہ الفاظ مولانا حالی یہ ہے کہ:

تورع کا ہے ذات میں جن کے جوہر
نہ ہوں گے کبھی عابدان کے برابر
کرو ذکر اہل ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

تورع کے معنی ہیں وہ پارسائی جس کا تعلق ارادوں سے اور باطنی کیفیت سے لیکر ظاہری اطوار تک ساری زندگی سے ہوتا ہے اس کے مقابلے میں عبادت بندگی کے آداب احکام کو پورا کرنے کا نام ہے۔ عبادت کا تعلق عمل سے زیادہ ہے اور باطنی کیفیات سے مقابلتاً کم۔

غور فرمایئے کہ نیک اور پاک زندگی کا تصور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ رسوم، رواج، لفظی، اصلاحی اور ظاہری پابندیاں کم سے کمتر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ پاکی کا تصور زمان و مکان کی حدود سے بلند تر نظر آنے لگتا ہے۔ سب منزلیں اور مقاصد اسی نقطہ کی طرف راجع ہیں۔ جس طرف بڑھنے سے اختلافات مٹتے چلے جاتے ہیں اور

اور راہیں سمٹ کر تفصیلات سے گذرتی ہوئی اس مرکز پر پہنچتی ہیں جہاں انسان اللہ کی مرضی سے بلا ظاہری رکاوٹوں کے قریب ترین ہو جائے۔

تعجب یہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی اصطلاحی کشمکش اور جذباتی نفرتوں کے درمیان رسم و رواج کی تقلید، الفاظ پر اصرار اور حرکات و سکنات کی پابندیوں پر زور دینے کی دھوم دھام کے عالم میں ایک ایسا ہادی بھی اس دنیا میں ظاہر ہوا جس کی تعلیم نے مذہب کی روح اور اس کے جسم میں صاف صاف تمیز کر کے دکھا دیا، جتا دیا کہ دین ایک چیز ہے اور شریعت دوسری چیز۔ دین اصل ہے۔ شریعت شاخ، دین مقصود ہے۔ شریعت منہاج، دین حاصل مطلب ہے۔ شریعت طریقہ اظہار دین کعبہ دل ہے شریعت رہروی کا رخ، اس فرق کو یہ بتا کر واضح کر دیا کہ روئے زمین پر ازل سے جتنے دین آئے۔ خواہ دنیا کے کسی خطہ میں آئے اور کسی قوم کے لئے آئے اور کسی بھی زمانے میں وہ سب سر تا سر ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ :

"بلاشبہ یہ بات (جو کلام پاک میں ہے) اگلے صحیفوں میں تھی یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں"۔

(سورہ نمبر ۸۷ (اعلیٰ) آیت نمبر ۱)

"اور یہی سارے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا۔" (سورہ نمبر ۲۶ (شعراء) آیت نمبر ۱)

(اے محمدؐ) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو تجھ سے پہلے آنیوالے نبیوں سے کہا گیا تھا

(سورہ نمبر ۴۱ (حم السجدہ) آیت نمبر ۵)

مندرجہ بالا مضمون کی بہت سی آیات کلام مجید میں موجود ہیں جن سے عیاں ہے کہ روز اوّل سے اللہ تبارک تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک ہی پیغام بھیجا ہے لیکن ہزاروں برس تک اس حقیقت کی خبر بنی نوع انسان کو پختہ طریقہ سے نہ ہو سکی اور نہ پہلے ہادی، نبی یا رسول اس کو صاف صاف بتا سکے کیونکہ وہ تو اپنے وقتوں اور خطوں میں جزوی خدمت انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جب اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو ایسا مصحف لائے جس نے اس کل حقیقت کو جو ہزاروں برس سے اور سارے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی تھی آشکار کر دیا ان ساری کڑیوں کو جو ہدایات انسانی کی تاریخ میں بکھری ہوئی تھیں ملا کر ان کا ایک سلسلہ قائم کر دیا بلکہ ان کا خلاصہ بھی کر کے دیدیا۔ وہ خلاصہ بلاشبہ وہی دین ہے جو سارے ادیان میں مشترک ہے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ۔

"اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ یعقوبؑ، اور خاندان یعقوب کی طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہم ان سب پر ایمان لائے

(سورہ نمبر ۲ (البقرہ) آیت نمبر ۱۳۶)

اگر دنیا کے مذاہب کی مشترکہ تعلیمات کا خلاصہ تیار کیا جائے اور ہر طرح کے دیگر اعلانات کو نظر انداز کر دیا جائے پھر اس خلاصے کو مقطر کر کے اس کا بھی عطر لیا جائے تو بس دو بنیادی ہدایات برآمد ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ کل کائنات ایک ہی اعلیٰ ترین طاقت کے عمل کا نتیجہ ہے اور دوسرے یہ کہ اچھی زندگی بسر کرنے پر انسان کو آمادہ کرنا ساری تعلیمات کا واحد مقصد ہے ان ہی دو عقائد کا نام توحید خداوندی اور تقویٰ کی زندگی ہے۔ یہ آفاقی نظریہ، یہ سخن اجمال یہ بلند نگاہی اور تعلیمات کی غرض وغایت کی ایسی مختصر اور سچی کسوٹی انسان کو بخشنا کسی ایسے مذہب کے لئے ناممکن تھا جو ساری انسانیت کے واسطے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہ آیا ہو توحید اور تقویٰ ہی اصل دین ہے اس مقصد کو حاصل کرنے اس کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے لیے ہر زمانے میں حالات کے لحاظ سے مختلف راستے اور طریقے بنائے گئے ہیں وہ طریقے ان خاص مذاہب کی شریعتیں ہیں۔ ان کا درجہ دین واحد کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہے۔

دین کے ایک ہونے کی تائید میں چند آیات اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ مزید آیات جو اس اصلیت کی تائید کرتی ہیں اس قسم کی ہیں جیسی سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۶۲ جس میں مختلف شریعتوں کی جو اصل ہے اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ الفاظ میں تاکید اور بیان میں جو پختگی نمایاں کی گئی ہے وہ غور و فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ حکم ہُوا ہے کہ:

یقین جانو کہ نبی عربیؐ کے ماننے والے ہوں یا یہودی عیسائی ہوں یا صابی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور ملال کی وجہ نہیں ہے۔

غور فرمایئے کہ کوئی کسر اس بات کو جتا دینے میں نہیں چھوڑی گئی ہے کہ مقصد اوّل خدا کی پرستش اور نیک زندگی ہے۔ اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے جو اختلافات راستوں میں ملتے ہیں ان کی وہ اہمیت نہیں ہے جو منزل مقصود کی ہے چنانچہ مذکورہ بالا سورہ کی آیات نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں جو صاف صاف اعلان ہے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اہل مذہب کو جتایا گیا ہے۔

"ان کا یعنی (یہودیوں کا اپنی بابت اور عیسائیوں کا ان کی بابت) کہنا ہے کہ سوائے یہودیوں کے یا عیسائیوں کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ محض ان کے دل کی خواہشات ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ (دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں مصروف کر دے اور عملاً نیک روش پہ چلے۔ اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف و ملال کی وجہ نہیں ہے۔"

مندرجہ بالا ارشادات نے دین کی اصل یا جڑ کو نمایاں کر دیا ہے۔ مختلف شریعتیں اس درخت کی شاخیں ہیں جو عالم وجود کے تغیر و تبدل کی ان سے جو نسبت ہے اس کو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ کے سارے اور ہر زمانے کے بندوں کی ایک ہی شریعت ہوتی۔ ان کی کتب مقدسہ میں کہیں فروعی اختلاف تک نہ ہوتا ان میں جو فرق ہے ان کی فروعی حقیقت کو نہ پہچاننے سے آپس میں سخت اختلافات بلکہ دشمنیاں پیدا ہو گئی ہیں اس بھول کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات دین اور شریعت کو برابر گردان لیا گیا حالانکہ دین روح ہے اور شریعت اس کا جسم ہے۔ جسم کو مجرد روح نہیں

کیا جا سکتا۔ مگر اللہ نے ایک جان اور متعدد قالب پیدا کیے کیونکہ اس میں مصلحت جسم کے ارتقاد کی تھی۔

دین کے ایک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوتا اگر اہل مذاہب نے بلکہ ان کے قائدین نے اسمیں تبدیلیاں کر کے اپنے اپنے مذاہب کو اپنی حسب مرضی مسخ نہ کر دیا ہوتا اس زمانے میں کوئی باخبر شخص اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندومت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت کی وہ دینی کتابیں اب اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں جن کو ان مذاہب کے اولین ہادیوں نے ان کو دیا تھا۔ قدیم ترین مذاہب کی اصلی کتابوں کی تو پوری طرح خبر تک نہیں ہے بعد کے مذاہب کی کتب۔ جیسے بائبل کو جس میں توریت اور انجیل شامل ہیں۔ جان بوجھ کر بدلا گیا ہے۔ بلکہ یہ عمل اب تک جاری ہے جو کتابیں ان مذاہب کی اب تک موجود ہیں ان میں سیکڑوں تبدیلیوں کا ہونا تاریخ مذاہب سے ثابت ہے اور یہی کلام پاک کا ارشاد بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

”ابتداً سارے انسان ایک ہی امت تھے بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔

(سورہ نمبر ۱۰ یونس، آیت نمبر ۱۹)

سارے انسان ایک امت اس طرح تھے کہ سب کسی نہ کسی صورت سے ایک ہی حاکم اعلیٰ کو ظاہر و باطن کا مالک و قادر تسلیم کرتے تھے اور نیک زندگی بسر کرنے ہی کو صحیح طریقہ حیات جانتے تھے۔ بعد میں جب کچھ تفصیلات کے ساتھ ہدایات آئیں تو ان کے خیالات میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کی اصلیت یہ تھی کہ ہدایات میں طرح طرح کی جحتیں نکالی گئیں جو ان ہدایات میں آمیزش کا سبب بن گئیں۔ چنانچہ کلام اللہ نے اپنے آخری رسول کو اطلاع دی کہ:

”اور اے محمدؐ! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ ماجرا نہ گذرا ہو)۔ کہ جب اس نے ہدایت دی تو سرکش مخلوق نے اس میں خلل ڈال دیا ہو۔ اسطرح جو خرابیاں ڈالی جاتی تھیں ان کو اللہ (مزید رسول بھیج کر) درست کر دیتا (سورہ نمبر ۲۲، الحج آیت نمبر ۵۲)

تعجب کی بات ہے کہ اختلافات نادانوں نے نہیں بلکہ ہدایت پانے والوں نے پیدا کیے۔ یہ حقیقت بھی خدا پر خوب روشن ہے۔ اسی کا یہ اعلان ہے کہ:

”اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔“

(سورہ نمبر ۲ (البقرہ) آیت نمبر ۲۱۳)

یہ خرابیاں سارے عالم انسانیت میں پیدا ہو گئیں چنانچہ ان کی درستی کے لیے ایک نبی اخیر میں بھیجا گیا اس نے کسی ایک قوم، ایک ملک یا ایک مذہب کی بات نہیں کی بلکہ ساری دنیا کو مخاطب کر کے ہدایات کی اصل اور فروعات بتاویں۔ جس سے وحدت دین کی استقامت اور شرائع میں تغیر و تبدل کا راز کھل گیا اور اسی کے ساتھ کل بنی نوع انسان کی

تدریس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اسلام سے پہلے یہ وحدانیت کی تاریخ اور تصور انسانیت کے بڑے گہرے راز تھے۔

اختتام تدریس

یہ انکشافات اس منزل تک پہنچنے کی تیاری تھی جہاں ساری گذشتہ تعلیمات کا جائزہ لیکر ان میں جو جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کی نشاندہی کر دی جائے بلکہ ان خرابیوں کے جو اسباب تھے ان کو بھی جتا دیا جائے۔ یہ بات صاف صاف بتا دی جائے کہ دین کا خلاصہ ازل سے اب تک اور ہمیشہ کے لئے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے تاکہ پاک اور اعلیٰ زندگی دنیا کا تسلیم شدہ طریق ہو جائے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے راستے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور ممالک کے لئے حسب ضرورت اور حسب موقع بہت سے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ متعین فرمائے تھے ممکن ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں نے بعض اقوام کو بھی حالات میں وحدانیت کا سبق ظاہری علامات کے ذریعے بھی دیا ہو۔ کیونکہ ابتدا میں انسان کا ذہن ایسے خیالات کو اخذ کرنے کے قابل نہیں تھا جو قطعی بیے اندام تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ کا وجود حقیقت میں ہے اور ممکن ہے کہ علامتی ہدایت کو اہل شر نے مسخ کر کے بت پرستی اختیار کر لی ہو۔ اس بداندیشی سے یہ حقیقت نہیں بدلتی کہ بنی نوع انسان کو ہمیشہ وحدانیت اور تقویٰ ہی کی تلقین کی گئی اس تلقین کی شہادت اب باقی نہیں رہی۔ کیونکہ سارے پرانے مذاہب کی آسمانی کتابیں برباد اور مسخ ہو گئیں۔ آخر کار اب اللہ تعالیٰ نے خود یہ ذمہ لیا کہ قرآن مجید کو محفوظ رکھے گا۔ یہ وعدہ سورہ (حجر) نمبر ۱۵ کی آیت نمبر ۹ اور سورہ انعام (نمبر ۵)، کی آیت نمبر ۱ میں کل کلام اللہ کے ساتھ اس وقت تک محفوظ ہے اور گذشتہ چودہ سو برس سے آپ اپنی سچائی کا ثبوت ہے جس کو کچھ مخالف بھی نہیں جھٹلا سکتے۔

وحدانیت کی تائید کے لئے جو تیاری پہلے سے ہو چکی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمد اسلام کے بعد وہ ازلی اور ابدی سبق اپنی صاف، ستھری اور خالص حالت میں نوع انسان کو از بر ہو گیا بقول مولانا سلیمان ندوی:

> "خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی۔ متفرق قومیں (تخلیق تعلیم اور انجام کے رشتوں سے) پیوستہ ہو گئیں۔ زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے اور توحید کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا۔ (بتوں کے پوجنے والے بھی وحدت پرست ہو کر بتوں کو فقط توجہ کا مرکز کہنے لگے) اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ (عام ہو کر) ترقی پانے لگا یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں۔ ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کر لیا۔"
>
> (سیرۃ النبیؐ جلد چہارم صفحہ ۶۲۸)

سبق یہ وہی ہے جو شروع سے دیا گیا تھا۔ اسلام دین بھی وہی ہے جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، داؤدؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا جا چکا ہے۔ ان کی تعلیمات میں فرق اس قسم کا سمجھنا چاہیئے کہ جیسا فرق تاریخ کی ان کتابوں میں ہوتا ہے جو

ایک ہی ملک کے متعلق چھٹی جماعت سے لیکر ایم اے تک کے طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ مضمون کی وسعت اور بلندی بدلتی رہتی ہے گو کہ مضمون وہی رہتا ہے۔ تعلیم اسلام کی بلندی سر بفلک ہے۔

یہ فرق اہل ذوق اور اہل علم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اس کی چند مثالیں یہ ہیں کہ سب سے اوّل غور فرمایئے کہ اسلام سے قبل احکام کی بجا آوری کا معیار الفاظ کی پابندی تھا۔ مگر اسلام کا مزاج یہ ہے کہ بڑے سے بڑے مسائل جیسے دین اور دنیا کے فرق کو بھی نیت کے فرق پر چھوڑتا ہے۔ یہ ایک مشہور حدیث ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" ان مختصر سے دو الفاظ کا معنوی اثر طریقۂ حیات پر بہت ممد رس پڑتا ہے اسی طرح اسلام میں سزا اور جزا کا تعلق عالم غیب کی بے وجہ خفگی یا ناراضی سے نہیں بلکہ اعمال کی نوعیت سے ہے۔ مالک مطلق کا ہی بتایا ہوا یہ اصول بھی ہے کہ جو جیسا کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ ویسا ہی مرتب ہوتا ہے۔ (سورہ ۱۷ آیت ۱۴۷)

اس کے علاوہ یہ بھی دین اسلام کی خاص تعلیم ہے کہ سارے انسان خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حقوقِ انسانی میں برابر ہیں۔ ان میں برتری ہے تو بس اس کی کہ وہ کس قدر تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں (سورہ ۴۹ آیت ۱۳) اس قسم کی مساوات اور انسانی برتری کی اس واحد صفت کا کسی اور مذہب میں تصور تک نہیں ہے ایک اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دین اسلام میں جبر و اکراہ کی ممانعت اس حد تک ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب سے مندرجہ ذیل انداز میں خطاب کیا۔ آنحضرتؐ سے ارشاد ہوا کہ :

"اگر تیرے رب کی یہ مشیت ہوتی کہ (زمین میں سب مومن اور فرمانبردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آتے ہوتے، پھر کیا تو (اے محمدؐ) لوگوں کو مجبور کریگا کہ وہ مومن ہو جائیں؟"

(سورہ نمبر ۱۰، آیت نمبر ۱۰۰)

انصاف کی اس قدر تاکید ہے کہ دشمنوں اور دشمن قوموں سے بھی انصاف ہی کرنے کی تنبیہ ہے۔ (سورہ نمبر ۴، آیت ۱۲۵۔ اور سورہ ۵ آیت ۸) حکم ہے کہ تم کو دشمنوں پر غصہ ہو تو بھی ان پر ناروا زیادتیاں نہ کرو (سورہ نمبر ۵ آیت نمبر ۲) کسی مذہب کی خدا پرستی کی نشانیوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو (سورہ نمبر ۵ آیت نمبر ۲) اس روحانی گہرائی کے ساتھ قدم قدم پر غور و فکر کرنے کا حکم ہے۔ تفکر اور تدبر کی طرف سے بے پروائی برتنے والوں کے لئے ذات باری کی خفگی ان الفاظ میں موجود ہے کہ :

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے یہ لوگ وہ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔" (سورہ نمبر ۷، آیت نمبر ۱۷۹)

غور و فکر کرنے کی تاکید حالات زندگی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ کائنات کے متعلق بھی ہے بلکہ خود کلام اللہ کے متعلق بھی ہے اور اس قدر شدت سے ہے کہ اس کا خیال کرنے سے خوف آتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ :

”مومن وہ ہیں کہ، جنہیں اگر رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے۔“ (سورہ نمبر ۲۵ آیت نمبر ۷۳)

غور و فکر کرنے پر یہ اصرار اگر حصولِ علم کو فرائض کا درجہ نہیں دیتا تو اور کیا ہے؟

یہ سب اور اس کے علاوہ بہت کچھ سکھانے، جتانے اور بتا دینے کے بعد آنحضرتؐ نے ۱۰ھ مطابق ۶۲۳ء میں حج وداع ادا فرمایا۔ متعدد روایات ہیں کہ حضورؐ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ تلقین دین کا کام انجام کو پہنچ رہا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے پاس جانے کا وقت آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ارشاد کر دیا کہ شاید آنحضورؐ کو دوسرے حج کا موقع نہ ملے۔ اسی خطبہ میں سامعین کے جمِ غفیر کو گواہ بنایا کہ میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ تو جواب میں صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم اللہ کے حضور میں کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ اسی حج کے موقع پر عین عرفات کے میدان میں خدائے عزوجل نے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی کہ:۔

”آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔“ (سورہ نمبر ۵ (مائدہ) آیت نمبر ۲)

اس آیت کریمہ کے نزول کا وقت عصر کا تھا تاریخ ذی الحجہ کی ۹ اور ۱۰ھ تھا۔ رسول اللہ کے سب رفقاء کو جو اس وقت موجود تھے۔ اس اعلانِ الٰہی کا علم ہو گیا۔ ان میں حضرت عمر فاروقؓ بھی تھے اس وحی کو سن کر ان کے آنسو نکل آئے اس پر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ تو خوشی کا وقت ہے کہ اللہ نے آج اپنی ساری نعمتیں ہم پر مکمل کر دی ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں رہیں گے۔ کیونکہ ان کے فرائض منصبی انجام کو پہنچ گئے ان کے یہ نتیجہ نکلنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کو حضور اقدس کی حیات بس ایک خدمت کی انجام دہی سے وابستہ نظر آتی تھی، سب کو معلوم تھا کہ وہ دنیا میں کسی اور غرض سے نہیں آئے تھے۔ عمر فاروقؓ کا صحیح اندازہ نکلا کیونکہ آنحضرتؐ اس کے بعد کل ۸۱ روز اس دنیا میں رہے۔ بعض علماء کا یہ خیال بھی ہے کہ اس وحی کے بعد پھر کوئی آیت احکام سے متعلق نہیں آئی خود آنحضرتؐ اپنے کام کی تکمیل سے مطمئن ہو گئے تھے۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث مروی ہے کہ:۔

”میں تم کو ایک روشن راستے پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔“

یقیناً اس زمانے کا امن امان آپس کی محبت اور خلوص، پر اثر حکومت، امت مسلمہ کا دنیا بھر میں وقار، اللہ سے لوگوں کے دلوں کا لگاؤ، افراد میں اطمینان، ہر طرح کی روز افزوں بہتری اسلام اور مسلمانوں کو ہر طرح کا عروج یہ محسوس ہوتا ہو گا کہ سب کے سب ایک اعلیٰ درجے کی کشتی میں سوار ہیں وہ ایک سمندر میں رواں ہے جس کا پانی پر سکون اور ٹھنڈا ہے فضا ر چڑھتے ہوئے آفتاب کی ضیاء سے روشن ہے۔ اطراف کے سبزہ زاروں کے رنگ نکھر گئے ہیں اور

پھولوں کی خوشبو سے ہوا معطر ہے اس کشتی کو دنیا حیرت سے دیکھ رہی ہے۔ اب آنحضرتؐ کو اس دنیا میں رہنے کی خواہش نہ تھی اب وہ وقت بھی نہ تھا کہ بدر کے میدان میں آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ:

"خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ (فتح کا) کیا ہے۔ آج پورا کر ...... اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائیگا۔"

اب وقت ایسا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی اس کے متعلق سیرت النبیؐ کے حصہ دوم میں کہتے ہیں کہ:۔

"آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ جاہلیت کی تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا۔"

اور آنحضرت نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ:۔

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔"

ختم نبوت کی ضرورت اور اثرات

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ تعلیم اور تدریس میں فرق ہے۔ تدریس کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو شخص استاد سے پڑھتا ہے وہ شاگرد ہوتا ہے۔ شاگردی کے بعد بھولنے کا زمانہ نہیں بلکہ خود اپنی کوشش سے علم حاصل کرنیکا زمانہ آنا چاہیئے یہ شرط ضرور ہے کہ اتنی تعلیم اور قابلیت حاصل کر لی ہو کہ پھر اپنے آپ غور و فکر کر سکیں کہ اور راستوں کا کوئی نقشہ روایتی یا درایتی ذہن میں ہو۔ اسلام کی راہ میں یہ شرط اس طرح پوری ہو چکی ہے کہ کائنات کے پیدا کرنیوالے نے انسان کو فارغ التحصیل ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔"

راستوں کا نقشہ بھی اسی پروردگار نے سمجھا دیا متعدد بار جتا دیا کہ:۔

"کتاب ہم نے نازل کی ہے، یہ برکت والی ہے۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو۔" (سورہ نمبر ۶ آیت نمبر ۱۵۶)

کوئی ہدایت اور کوئی سبق کافی نہیں ہو سکتا اگر انسان میں سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا شعور نہ ہو۔ اس شعور کو پیدا کرنا طرزِ تعلیم کا اور استاد کا کام ہے۔ جو شعور استادِ ملت نے پیدا کیا اس کی روشن ترین مثال مسلمانوں کے عہد اول کی چمک دمک اور بے پایاں صلاحیتیں ہیں۔ اس سے زیادہ عظیم کارنامہ اس استاد امت، معلم انسانیت۔ اور رسول خدا کا یہ ہے کہ اس نے خدا کی مرضی سے استاد اور تدریس کی ضرورت ہی کو ختم کر دیا۔ تدریس کا یہ کمال ہے کہ حد تدریس تک تعلیم دیکر خالق عالم نے وحی کا وہ پرانا مدرسہ ہی برخاست کر دیا جو ہزاروں برس سے جاری تھا۔ اب نہ وحی آئے گی اور نہ مزید رسول آئیں گے اس لاجواب صفت کی حقیقت کا کچھ بیان ڈاکٹر اقبالؒ کی زبانی سنیئے۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے

پانچویں باب میں فرماتے ہیں: کہ۔

"اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے...... اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعویٰ کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے۔ اس لئے ہم پر اس کی اطاعت لازم آتی ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے۔"

اختتام نبوت کے تصور سے ایک حسین آزادی اور عظیم ذمہ داری امت مسلمہ کو ودیعت ہوئی ہے۔ اب امت محمدی کا اپنا فرض ہے کہ اس علم کو جسے خدائے قدوس نے آنحضرتؐ کے توسط سے اس کو بخشا ہے۔ خود سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔ نئی راہیں تلاش کرے۔ نئی نئی بلندیوں پر گامزن ہو تاکہ نظر وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے۔ تدریس کی اس آزادی کی مدد سے جو اپنے آپ پر اعتماد اور ہمت خاص پیدا کرتی ہے دنیا کے لئے مثال بنے، یہ مثال ایمان میں، کردار میں علم و ہنر کی قیادت میں، طرز حکومت میں، حصول طاقت میں، انصاف گستری اور تسخیر فطرت میں کار فرما ہو۔

ایک نظر بازگشت ڈالئے اور دیکھئے کہ جس رسولؐ نے خدا کے حکم سے یہ سب کچھ بخشا، بے مانگے بخشا، بے معاوضہ بخشا، مایوسی کو ناجائز قرار دیا اور قانون قدرت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔ مزید یہ کہ ان کاموں کے لئے جس خود اعتمادی کی ضرورت تھی اس کو بہم پہنچانے کے واسطے ہر طرح کے سبق دیتے پھر خدائے عزوجل سے تدریس کے مکمل ہو جانے کی سند بھی دلوا دی۔ اس طرح انسانوں کو سبق آموزی کی پابندیوں سے آزادی دلا کر پوری طرح ذمہ دار بنا دیا اور اسکو ہی ہر چیز کا چارج دلوایا اور خود عالم اعلیٰ کو اپنے رب کی طرف روانہ ہوگیا جاتے وقت خود امت ہی کو گواہ بنایا کہ میں نے اپنا کام پورا کردیا۔ اگر وہ رسول مظہر تکمیل نبوت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

تاریخی ثبوت

تکمیل نبوت اور رسالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ختم نبوت بھی ساتھ ہی ہو جائے۔ تکمیل نبوت کا ثبوت تو معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق معیار سے ہے۔ مگر ختم نبوت ایک واقعہ ہے۔ وہ تو بعد میں آنیوالے نبیوں اور رسولوں کی عدم موجودگی سے سامنے آجاتا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ عظیم مذاہب کی تعداد جتنی اس دن تھی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اتنی ہی تعداد آج بھی ساری دنیا مانتی ہے۔ نبوت اور رسالت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوئے۔ بہت سے دعویدار مہدیت اور مسیح موعود ہونے کے بھی نمودار ہوئے بہت سوں نے اسلام اور دیگر اعلیٰ مذاہب میں بھی فرقے بنا دیئے اور جو بھی ان کے دائروں سے باہر رہا ان کو کافر و مرتد کہا لیکن پچھلے ایک

ہزار چار سو سال میں کسی نے کوئی ایسا نیا مذہب قائم کر کے نہیں دکھایا کہ آج دنیا اس کو مذکورہ بالا عظیم مذاہب کے زمرہ میں گن کر ساتواں عظیم مذہب تسلیم کر لیتی۔ یہ کام اگر ہو سکتا تو اس کے لئے وقت کم نہ تھا۔ کیونکہ مذکورہ چھ مذاہب کے ظہور میں کسی دو کا آپس کا وقفہ کبھی چودہ سو سال کا نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات بالکل بدل گئے ہیں اب تو فاشزم اور کمیونزم جیسے مادیت پسند عقیدے جنم لے سکتے ہیں کوئی نیا روحانی مذہب وجود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ روحانیت کی جو بلندیاں انسان کے لئے مہیا کی جا سکتی تھیں وہ سب میسر ہیں اور دین و دنیا کی حدود کو جس قدر ملایا جا سکتا تھا اس قدر اسلام نے ملا دیا ہے۔ اقبال کے بقول ؂

درِ دنیا از کلید دیں بکشاد

اس حکمت میں اب کسی قسم کی اصلاح کی گنجائش نہیں ہے گنجائش ہے تو اس کی کہ انسان اپنی عقل اور تجربہ سے روحانیت اور مادیت کے توازن کو سمجھے اور اس کو قائم رکھے۔ یہ توازن حالات کے مطابق بگڑتا اور سنورتا رہتا ہے اس کو قائم رکھنا یا نہ رکھنا دور اندیشی اور بد اندیشی کا کام ہے۔ ہر لحظہ استاد کی ہدایت کا نہیں۔ اب تدریس نہیں بلکہ خود اپنی تعلیم اور طالب علمی درکار ہے اس کا پورا موقع اسلام نے بخشا ہے۔

آزادیٔ عمل

تکمیل نبوت، ختم رسالت، نوع بشر کو شاگردی سے کامل فراغت اور فقط چند اصولوں کے ماتحت انسان کے لئے پوری آزادی عمل۔ یہ سب نعمتیں اسی ایک رسول اور نبی آخرؐ کی بدولت میسر ہوئیں۔ جس نے دنیا سے جاتے وقت ہم کو کسی پادری یا پروہت کے سپرد نہیں کیا بلکہ راہ قرآن دکھا کر ہمارا ہاتھ براہ راست اللہ کے ہاتھ میں دیدیا۔ ہم سے ہمارے رب نے کہا ہے کہ:

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ چیز وہ ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے۔ اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے"

(سورہ نمبر ۱۰ (یونس) آیت نمبر ۵۷)

اُمّت محمدیؐ نے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیئے ہیں اب پھر کلام پاک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے زیر آسمان کھڑی ہے اب خود اسی پر منحصر ہے کہ کس طرف بڑھے، کس انداز اور کس رفتار سے بڑھے۔ خدا اور اس کے حبیبؐ نے اس کا مستقبل خود اسی کے عمل پر چھوڑ دیا ہے۔ یہی سب سے بڑا ثبوت تکمیل رسالت اور سب سے بڑی نعمت ختم نبوتؐ ہے۔ ہاں یہ ضرور صحیح ہے کہ آزادی عمل بڑی ذمہ داری ہے۔
